سوم

مقبولین اردو شرح تفسیر جلالین

مؤلفین

الشیخ عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

الشیخ عبد الرحمن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح

حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی وتفسیری فوائد

مولانا حافظ عبد المنان صاحب

مکتبۃ العلم رجسٹرڈ

مقبولین

اُردو شرح

تفسیر جلالین

جلد سوم

التوبة ۹ تا الکھف ۱۸

مولفین: الشیخ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
الشیخ عبد الرحمٰن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح
حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی و تفسیری فوائد
مولانا حافظ عبد المنان صاحب

رجسٹرڈ
مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان
37231788 37211788

فہرست مضامین

پارہ: ۱۱

یُونُس

هُودٌ

پارہ: ۱۲

النحل

پارہ: ۱۵

الاسراء

الکہف

۶

سُورَةُ التَّوبَةِ

آیاتھا ۱۲۹ | ۹ سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۳ | رکوعاتھا ۱۶

پوری سورۃ توبہ مدنی ہے۔ یا بجز دو آخری آیتوں کے مدنی ہے۔ اس کی کل آیات ایک سو انتیس ہیں
یا بجائے دو آیتوں کے ایک آیت مدنی ہونے سے مستثنیٰ ہے

بسملہ نہ لکھنے کا سبب:

وَلَمْ تُكْتَبْ فِيهَا الْبَسْمَلَةُ: اور اس سورہ میں بسملہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) نہیں لکھا گیا اس وجہ سے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا یعنی بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں فرمایا جیسا کہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اسی کے ہم معنی حضرت علی سے مروی ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور سورہ توبہ تلوار کے ذریعہ امان کو اٹھا دینے کے لئے ہے۔

فائدہ: یہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورہ رفع امان کے لئے آئی ہے سو یہ علت نہیں بلکہ بطور نکتہ کے ایک حکمت ہے۔ (بیان القرآن حکیم الامتؒ)

وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّكُمْ: اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ تم لوگ اس سورہ کا نام سورہ توبہ رکھتے ہو حالانکہ یہ سورۂ عذاب ہے اور امام بخاری نے حضرت براء سے روایت نقل کی ہے کہ نزول کے اعتبار سے آخری سورہ یہی سورۂ براءۃ یعنی سورہ توبہ ہے۔ (بخاری جلد ثانی ص ۶۲۶، ص ۶۶۲)

فائدہ: قرآن مجید کی آخری سورہ اور پہلی سورہ کے لئے نصر الباری آٹھویں جلد کتاب المغازی ص ۷۴۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

سورۃ کا نام:

اس سورہ کے سورہ فاتحہ کی طرح بہت سے نام ہیں علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں اور امام فخر الدینؒ نے تفسیر کشاف کے حوالے سے تقریباً بارہ نام ذکر فرمائے ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں:

1. ایک البراءۃ کہ اس میں کفار سے امن برداری کا اعلان ہے۔
2. سورہ توبہ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔ (مظہری)

اور اس کے علاوہ ایک نام فاضحہ ہے کیونکہ منافقوں کو رسوا کرنے والی ہے وغیرہ مزید کے لئے تفسیر کبیر اور تفسیر مظہری دیکھئے۔

ربط و مناسبت:

گزشتہ سورت یعنی سورہ انفال میں اکثر غزوہ بدر اور کچھ غزوہ بنی قریظہ کا ذکر تھا اور اخیر سورہ میں کافروں سے عہد اور صلح کا

ذکر تھا اور کافروں سے مقابلہ ومقاتلہ کے لئے سامان جنگ کی تیاری کا حکم تھا' کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصل حکم تو کافروں کے حق میں جہاد وقتال ہی ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو کم از کم دشمنان اسلام سے براءت اور بیزاری تو بہرحال واجب اور لازم ہے۔

اور اس سورت میں بھی چند غزوات اور چند واقعات اور چند اعلانات کا ذکر ہے۔

آغاز سورت میں نقض عہد کرنے والوں سے براءت وبیزاری کا اعلان ہے اور قبائل عرب کے معاہدین اور ناقضین عہد کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے اور ان سے جہاد وقتال کی ترغیب ہے اور پھر فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے اور غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب وملامت کا ذکر ہے۔

غرضیکہ دونوں سورتوں کا انفال کے آخر میں مؤمنین کے باہمی موالات اور اخوت کا ذکر تھا اور اس سورہ کے شروع میں دشمنان اسلام سے تبری اور بیزاری کے فرمان اور اعلام کا ذکر ہے کہ یہ مشرکین بالکل نجس اور ناپاک ہیں ان کو اجازت نہیں کہ مسجد حرام کے قریب بھی آسکیں' مبادا کفر اور شرک کی نجاست اور گندگی کی بو مسجد میں نہ آجائے۔

مطلب یہ ہوا کہ سورہ انفال کے اخیر میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بنے رہیں' اور اس سورہ کے شروع میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار ومشرکین سے بالکلیہ قطع تعلق کرلیں اور ان سے بری اور بیزار ہو جائیں جب تک کفر وکافرین سے تبری بیزاری نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہ ہوگا جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے غرض یہ کہ ان دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں اس لئے مناسبت ظاہر ہے گویا کہ سورۂ توبہ انفال کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

شان نزول: یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی' آنحضرت ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لئے ۹ھ میں روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور پیمانوں کو توڑنا شروع کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کرر کھے تھے۔

مشرکین کا گمان وخیال یہ تھا کہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اس لئے یہ سورہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکین سے براءت اور بیزاری کا اعلان کردیں اور ان کے عہدوں کو واپس کردیں کما قال اللہ تعالیٰ: و اما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء (انفال)

تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہو اور اس بار اس سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔

(معارف القرآن مولانا کاندھلویؒ بحوالہ تفسیر کبیر وتفسیر مظہری)

سورہ براءت کی خصوصیت:

اس سورہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی ہے اس کے سوا تمام قرآنی سورتوں کے شروع میں بسم اللہ لکھی جاتی ہے۔

اس کی وجہ معلوم کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے' ایک ہی سورہ کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔

حضرت جبرئیل امین علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو ساتھ ہی بحکم الٰہی یہ بھی بتاتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے اسی کے مطابق رسول اکرم ﷺ کاتبین وحی کو ہدایت فرما کر لکھوا دیتے تھے اور جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی تو سورت شروع ہونے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی تھی جس سے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی ختم ہوگئی اب دوسری سورت شروع ہو رہی ہے' قرآن مجید کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوا۔

سورہ توبہ قرآن حکیم کی نویں سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے بالکل آخری سورتوں میں سے ہے اس کے شروع میں عام دستور کے مطابق نہ بسم اللہ نازل ہوئی اور نہ رسول کریم ﷺ نے کاتب وحی کو اس کی ہدایت فرمائی اسی حال میں رسول کریم ﷺ کی وفات ہوگئی۔

جامع قرآن حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے عہد میں جب قرآن مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا تو سب سورتوں کے خلاف سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ تھی اس لئے یہ شبہ ہوگیا کہ شاید کوئی مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی دوسری سورت کا جز ہو اب اس کی فکر ہوئی کہ اگر یہ کسی دوسری سورت کا جز ہو تو وہ کونسی سورت ہو سکتی ہے؟

مضامین کے اعتبار سے سورۂ انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی۔

اور حضرت عثمانؓ سے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان دونوں سورتوں (انفال اور توبہ) کو قرینتین یعنی ملی ہوئی کہا جاتا تھا۔ (مظہری)

اس لئے سورہ انفال کے بعد اس کو رکھ دیا گیا۔ یہ احتیاط تو اس لیے کی گئی کہ دوسری سورت کا جز ہو تو اس کے ساتھ رہنا چاہئے مگر احتمال یہ بھی تھا کہ علیحدہ مستقل سورت ہو اس لئے لکھنے میں یہ صورت اختیار کی گئی کہ سورہ انفال کے ختم پر سورہ توبہ کے شروع سے پہلے کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی جیسے عام سورتوں میں بسم اللہ کی جگہ ہوتی ہے۔

سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی یہ تحقیق خود جامع قرآن حضرت عثمانؓ سے ابوداؤد' نسائی' مسند امام احمد اور ترمذی میں مفسر قرآن عبداللہ بن عباسؓ کے ایک سوال کے جواب میں منقول ہے۔

اس سوال میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ قرآن مجید کی سورتوں کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بڑی سورتیں رکھی گئی ہیں جن میں سو آیتوں سے زیادہ ہوں جن کو اصطلاح میں مئین کہا جاتا ہے اس کے بعد وہ بڑی سورتیں رکھی گئی ہیں جن میں سو سے کم آیات ہیں جن کو مثانی کہا جاتا ہے' اس کے بعد چھوٹی سورتیں رکھی گئی ہیں جن کو مفصلات کہا جاتا ہے۔

اس ترتیب کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ سورہ توبہ کو سورہ انفال سے پہلے رکھا جائے کیونکہ سورہ توبہ کی آیتیں سو سے زائد ہیں اس کے خلاف کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ سب باتیں صحیح ہیں لیکن قرآن مجید کے معاملہ میں احتیاط کا مقتضی وہی ہے جو اختیار کیا گیا کیونکہ اگر سورہ توبہ مستقل سورت نہ ہو بلکہ سورۂ انفال کا جز ہو تو یہ ظاہر ہے کہ سورۂ انفال کی آیات پہلے نازل ہوئی ہیں اور توبہ کی اس کے بعد اس لئے ان کو انفال کی آیات پر مقدم کرنا بغیر وحی کے جائز نہیں اور وحی میں کوئی ایسی ہدایت نہیں ملی اس لئے انفال کو مقدم اور توبہ کو مؤخر کیا گیا۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا احتمال ہے کہ سورہ توبہ علیحدہ سورت نہ ہو بلکہ انفال کا جز ہو اس احتمال پر یہاں بسم اللہ لکھنا ایسا نا درست ہوگا جیسے کوئی شخص کسی سورت کے درمیان بسم اللہ لکھدے اس بنا پر حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا آیا ہو اور سورہ توبہ شروع کر رہا ہو وہ بسم اللہ نہ پڑھے۔

لیکن جو شخص اس سورہ سے شروع کر رہا ہے یا درمیان سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے اس کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کرے۔

بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ سورہ توبہ کی تلاوت میں کسی حال میں بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں یہ غلط ہے۔ (شمس الدین)

وَلَمْ تُكْتَبْ فِيْهَا الْبَسْمَلَةُ لِاَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَاْمُرْ بِذٰلِكَ كَمَا يُؤْخَذُ مِنْ حَدِيْثٍ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَاُخْرِجَ فِيْ مَعْنَاهُ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْبَسْمَلَةَ اَمَانٌ وَهِيَ نَزَلَتْ لِرَفْعِ الْاَمْنِ بِالسَّيْفِ وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّكُمْ تُسَمُّوْنَهَا سُوْرَةَ التَّوْبَةِ وَهِيَ سُوْرَةُ الْعَذَابِ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ اَنَّهَا اٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ هٰذِهٖ **بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ** وَاصِلَةٌ **اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١** عَهْدًا مُطْلَقًا اَوْ دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اَوْ فَوْقَهَا وَنَقْضُ الْعَهْدِ بِمَا يُذْكَرُ فِيْ قَوْلِهٖ **فَسِيْحُوْا** سِيْرُوْا اٰمِنِيْنَ اَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ **فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ** اَوَّلُهَا شَوَّالٌ بِدَلِيْلِ مَا سَيَاْتِيْ وَلَا اَمَانَ لَكُمْ بَعْدَهَا **وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ** اَيْ فَائِتِيْ عَذَابِهٖ **وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢** مُذِلُّهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاُخْرٰى بِالنَّارِ **وَاَذَانٌ** اِعْلَامٌ **مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ** يَوْمَ النَّحْرِ **اَنَّ** اَيْ بِاَنَّ **اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ** وَعُهُوْدِهِمْ **وَرَسُوْلُهٗ ۭ** بَرِيْءٌ اَيْضًا وَقَدْ بَعَثَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا مِنَ السَّنَةِ وَهِيَ سَنَةُ تِسْعٍ فَاَذَّنَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى بِهٰذِهِ الْاٰيَاتِ وَاَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ **فَاِنْ تُبْتُمْ** مِنَ الْكُفْرِ **فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ** عَنِ الْاِيْمَانِ **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ** اَخْبِرِ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣** مُؤْلِمٍ وَهُوَ الْقَتْلُ وَالْاَسْرُ فِي الدُّنْيَا وَالنَّارُ فِي الْاٰخِرَةِ **اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا** مِنْ شُرُوْطِ الْعَهْدِ **وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا** يُعَاوِنُوْا **عَلَيْكُمْ اَحَدًا** مِنَ الْكُفَّارِ **فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ** اِلٰى اِنْقِضَاءِ **مُدَّتِهِمْ ۭ** الَّتِيْ عَاهَدْتُّمْ عَلَيْهَا

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ بِإِتْمَامِ الْعُهُوْدِ فَإِذَا انْسَلَخَ خرج الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ وهي اخر مدة التاجيل
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ فِيْ حِلٍّ أَوْ حَرَمٍ وَخُذُوْهُمْ بالاسر وَاحْصُرُوْهُمْ في القلاع
وَالْحُصُوْنِ حَتّٰى يُضْطَرُّوْا إِلَى الْقَتْلِ أَوِ الْإِسْلَامِ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ طريق يسلكونه ونصب
كُلَّ عَلٰى نَزْعِ الْخَافِضِ فَإِنْ تَابُوْا مِنَ الْكُفْرِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ
وَلَا تَتَعَرَّضُوْا لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِمَنْ تَابَ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ مرفوع بفعل يفسره
اسْتَجَارَكَ اِسْتَامَنَكَ مِنَ الْقَتْلِ فَأَجِرْهُ أَمِّنْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهٗ ۚ اي
مَوْضَعَ أَمْنِهٖ وَهُوَ دَارُ قَوْمِهٖ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنْ لِيَنْظُرَ فِيْ أَمْرِهِ الْمَذْكُوْرِ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ دِيْنَ اللّٰهِ ع
فَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ سِمَاعِ الْقُرْاٰنِ لِيَعْلَمُوْا

ترجمہ: وَلَمْ تُكْتَبْ فِيْهَا الْبَسْمَلَةُ الخ اس صورت کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اسکا حکم نہیں فرمایا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اسی کے ہم معنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورت تلوار (جہاد) کے ذریعے اس کے لئے نازل ہوئی ہے اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ تم اس سورت کو توبہ کہتے ہو حالانکہ یہ سورت عذاب ہے اور امام بخاری نے حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ یہ دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے (جو پہنچنے والی ہے) ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا (عہد مطلق یعنی بلا تعین مدت، یا چار مہینے سے کم یا زیادہ کا اور ان مشرکوں نے عہد شکنی بھی کر دی ہو اس براءت و دست برداری کا ذکر اس قول میں ہے) سو تم لوگ چل پھر لو (اے مشرکو تم اس ملک میں امن و امان کے ساتھ چل پھر لو) چار مہینے (جس کی ابتدا شوال سے ہوگی اس دلیل سے جو عنقریب آ رہی ہے اور اس چار مہینے کے بعد تم لوگوں کے لئے کوئی امان نہیں ہے اور یاد رکھو تم کبھی اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے (یعنی ان کے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکو گے) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کر کے رہیں گے (دنیا میں تو قتل کی ذلت میں مبتلا کر کے اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جھونک کر) اور اللہ اور رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن (قربانی کے دن) کی تاریخوں میں منادی (اعلان) کیا جاتا ہے کہ اللہ بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی) مشرکین (اور ان کے عہد) سے (چنانچہ نبی کریم نے اسی سال حضرت علیؓ کو مامور فرمایا یعنی ۹ھ میں انہوں نے قربانی کے روز ان آیات کا اعلان فرمایا اور بتلایا کہ آئندہ سال کوئی مشرک حج کیلئے آ سکے گا اور نہ کوئی ننگا ہو کر طواف کر سکے گا۔ جیسا کہ بخاری نے روایت کی ہے) پھر اگر تم توبہ کر لو (کفر سے) تو تمہارے لیے اس میں بہتری ہے اور اگر نہ مانو گے (ایمان لانے کو) تو جان رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور خوشخبری سنا دیجئے (خبر دے دیجئے) ان کافروں کو دردناک عذاب کی (جو تکلیف دہ ہوگا۔ دنیا میں تو قتل و قید کی صورت میں اور آخرت میں آگ

کی ذیل میں) ہاں مگر وہ مشرکین اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ جن سے تم نے عہد لیا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی۔ (شرائط عہد کی رو سے) اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی (کافر) کی مدد (اعانت) کی۔ سو چاہیے کہ ان کے معاہدہ کو میعاد کے ختم ہونے تک پورا کرو (جو تم نے مقرر کی تھی) واقعی اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں (عہد پورا کرنے میں) احتیاط برتنے والوں کو۔ پھر جب حرمت کے مہینے گزر (ختم ہو) جائیں۔ (جو معیاد کی آخری مدت ہوگی) تو ان مشرکین کو مارو جہاں پاؤ (حرم ہو یا غیر حرم) اور گرفتار کرلو (قید کرلو) اور گھیرلو (قلعوں میں اور محاصرہ کرلو۔ یہاں تک کہ جنگ یا اسلام کیلئے مجبور ہو جائیں) اور داؤ گھات کی جگہوں میں ان کی تاک میں بیٹھ جاؤ (عام چالو راستوں میں اور لفظ کل منصوب ہے مگر حذف جار کے ساتھ) پھر اگر توبہ کرلیں (کفر سے) اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو (ان سے تعرض نہ کرو) واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں (جو توبہ کرے) اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص (لفظ احد مرفوع ایسے فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) آپؐ سے پناہ چاہے (یعنی قتل ہونے سے امان طلب کرے) تو آپؐ اسے پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی (قرآن پاک) سن سکے۔ پھر اسے اس کے ٹھکانے پہنچا دو (یعنی امن کی جگہ اور وہ جگہ وہ ہے جہاں اس کے قرابت دار ہوں۔ تا کہ اگر ایمان نہ لایا ہو تو غور کا موقع مل سکے) یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگ پوری طرح آگاہ نہیں (دین الٰہی سے، پس ان کے آگاہ ہونے کیلئے ان کا قرآن کی سماعت کرنا اہم ترین ٹھہرا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: عَنْ حُذَيْفَةَ : اس اثر رفع امان للکفار کی تائید کی گئی ہے۔

قولہ: هٰذِهٖ : اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مبتداء محذوف ہے براءۃ اس کی خبر ہے۔

قولہ: وَاصِلَةٌ : اس سے اشارہ کر دیا من ابتدائیہ یہ محذوف سے متعلق ہے اور وہ ملانے والا ہے۔ خود صلہ نہیں ہے۔

قولہ: فَسِيْحُوْا : تقدیر یہ ہے کہ فقولوا لهم سيحوا۔ اگر یہ مقدر نہ مانیں تو جملہ درست نہیں بنتا۔

قولہ: بِدَلِيْلِ مَا سَيَاتِيْ : یہ ماہ شوال میں نازل ہوئی۔

قولہ: بِاَنَّ اللّٰهَ : باء کو رابطہ کے لئے مقدر مانا گیا ہے۔

قولہ: عُهُوْدِ هِمْ : مضاف محذوف ہے۔

قولہ: اَيْضًا : اس سے اشارہ کیا کہ مقدر کا عطف بَرِیٓءٌ میں پائی جانے والی ضمیر پر ہے اَنَّ کے محل پر نہیں۔ وہ باء محذوفہ کے ماتحت داخل ہے۔

قولہ: بِاَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ : مگر جب اس سے معبود مشرک مراد لئے جائیں تا کہ عہد نہ توڑنے والوں کا استثناء ثابت ہو۔

قولہ: اِنْقِضَاءِ : مدت کی طرف مضاف محذوف ہے۔

قوله: وَهِيَ اٰخِرُ مُدَّةِ التَّاجِيْلِ :اس سے مراد عہد توڑنے والوں کو اعلان سے لے کر جو چار ماہ کی مہلت ملی۔ اشہر حُرُم مراد نہیں۔

قوله: مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُه :ابتداء کی وجہ سے نہیں کیونکہ اِنْ نواخ نعل سے ہے نہ کہ اسم سے۔

قوله: دِيْنَ اللّٰهِ:اس کا مفعول دین ہے مطلق نہیں۔

تفسیر مقبولین

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

سورۃ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورۃ براءۃ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں۔ فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق (جنہیں اب سورۃ توبہ براءۃ کہا جاتا ہے) آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لیے بسم اللہ آتی تھی۔ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ آئی۔ جو مشعر ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہونا۔ باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مضامین باہم اس قدر مرتبط و متسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو انفال کا تتمہ اور تکملہ کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ یوم بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھلا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الٰہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ) (الانفال: ۷۳) کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف انفال کے خاتمہ پر (تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ) (ایضا) کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہوسکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے انفال کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دار الاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت ورفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ (مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا) (الانفال: ۷۲) ہاں حسب استطاعت ان کے لیے دینی مدد بہم پہنچانی چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالاۃ واخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لیے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہیے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ

کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہوسکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ فساد کی بیخ کنی ہوسکتی تھی، اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک وصاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پورا مامون ومطمئن ہوکر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لیے مسلمانوں نے ۲ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا۔ جو آخرکار ۶ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (الانفال:۳۹) کے امتثال مین اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الٰہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جراثیم سے بالکلیہ صاف کردیا جائے، تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان ویک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لیے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب وجگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان وکفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لیے یہاں سے خاتمہ ہوجائے۔ سورۃ براءۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے وسائس کفر وشرک سے پاک ہوگیا اور سارا عرب متحد ہوکر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل وضامن بنا۔ فللہ الحمد علی ذٰلک۔ الغرض سورۃ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی سورۃ توبہ (براءۃ) میں اس کی انتہاء ہے۔ اسی لیے اول بآخر نسبتے دارد کے موافق براءۃ کو انفال کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کردیا گیا۔ اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

ربط اور مناسبت:

1۔ اس سورت کا گزشتہ سورت سے ربط یہ ہے کہ گزشتہ سورت یعنی سورۃ انفال میں اکثر غزوہ بدر اور کچھ غزوہ بنی قریظہ کا ذکر تھا اور اخیر سورۃ میں کافروں سے عہد اور صلح کا ذکر تھا اور کافروں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے سامان جنگ کی تیاری کا حکم تھا کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصل حکم ان کے حق میں جہاد وقتال ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو کم از کم دشمنان اسلام سے براءت اور بیزاری تو بہرحال واجب اور لازم ہے اس لیے اس سورت میں بھی چند غزوات اور چند واقعات اور چند اعلانات کا ذکر ہے۔ آغاز سورت میں نقض عہد کرنیوالوں سے براءت اور بیزاری کا اعلان ہے اور قبائل عرب کے معاہدین اور ناقضین عہد کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے اور ان سے جہاد وقتال کی ترغیب ہے اور پھر فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے اور اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب اور ملامت ہے۔

غرض یہ کہ دونوں سورتوں میں جہاد وقتال کا ذکر ہے اس لیے دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

2۔ نیز سورۃ انفال کے اخیر میں مؤمنین کے باہمی موالات اور اخوت کا ذکر تھا۔ اور اس سورۃ کے شروع میں دشمنان اسلام سے تبری اور بیزاری کے فرمان اور اعلان کا ذکر ہے کہ یہ مشرکین بالکل نجس اور ناپاک ہیں ان کو اجازت نہیں کہ مسجد حرام کے قریب بھی آسکیں مبادا کفر اور شرک کی نجاست اور گندگی کی بو مسجد میں آجائے مطلب یہ ہوا کہ سورۃ انفال کے اخیر میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بنے رہیں اور اس سورۃ کے شروع میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار اور مشرکین سے بالکلیہ مرقطع کرلیں اور ان سے بری اور بیزار ہو جائیں۔ جب تک کفر اور کافرین سے تبری اور بیزاری نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہ ہوگا جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے غرض یہ کہ دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں اس لیے مناسبت ظاہر ہے گویا کہ سورۃ توبہ سوۂ انفال کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

ترک تسمیہ در ابتداء سورۃ براءت:

اس سورت کے ابتداء میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی علماء نے چند وجوہ بیان کی ہیں:

1۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ سورۃ انفال مدینہ میں ابتداء ہجرت میں نازل ہوئی اور سورۃ توبہ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ہی زمانہ میں کئی کئی سورتوں اور آیتوں کا نزول ہوتا رہتا تھا آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو کاتب وحی کو بلا کر یہ فرمادیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھ دو اور ان آیات (جن کو سورۃ توبہ یا سورۃ براءت کہا جاتا ہے) کے متعلق آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں ان کو درج کیا جائے اسی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ یہ سورت مستقل سورت ہے یا سورۃ انفال کا جزء ہے اور سورۃ توبہ کا مضمون سورۃ انفال سے ملتا جلتا تھا اس لیے میں نے یہ گمان کیا کہ سورۃ توبہ گزشتہ سورت یعنی سورۃ انفال کا جزء ہے اس بناء پر ہم نے (یعنی صحابہ نے) اس سورۃ کو سورۃ انفال کے ساتھ متصل رکھ دیا اور بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور توبہ اور انفال دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

(اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد وابوداود والترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ۔ تفسیر در منثور ص: ۲۰۶، ج ۳)

واخرج النحاس فی ناسخه عن عثمان رضی اللہ عنہ قال كانت الانفال وبراءة يدعيان فی زمن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم القرينتين فلذالک جعلتهما فی السبع الطوال

امام نحاس نے اپنی کتاب ناسخ والمنسوخ میں روایت کیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرینتین (یعنی دو ساتھنیں) کہلاتی تھیں۔ اس لیے میں نے دونوں سورتوں کو ملا کر سبع طوال میں رکھ دیا۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ براءت کے متعلق حضرت نے بیان نہیں فرمایا کہ جدا سورت ہے یا اور سورت میں کتنی آیتیں ہیں۔ سورۃ کا نشان تھا بسم اللہ وہ نازل نہ ہوئی اس واسطے اس پر بسم اللہ نہیں اور کسی سورت میں داخل بھی نہیں۔ (موضح القرآن)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مجھے یہ تحقیق نہیں ہوئی کہ سورۃ توبہ انفال کا ایک حصہ ہے یا مستقل سورت ہے اور دونوں سورتوں کا مضمون ملتا جلتا تھا۔ کیونکہ دونوں سورتیں دربارۂ قتال نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی

کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ اس کو کس سورت میں درج کیا جائے تا کہ حقیقت حال واضح ہو جاتی اس لیے میں نے سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے بعد رکھا۔ اور بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور چونکہ اس سورت کا مضمون مستقل تھا۔ اس لیے اس کو انفال میں شامل بھی نہیں کیا لیکن درمیان میں فاصلہ چھوڑ دیا تا کہ نہ پوری طرح استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا ظاہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بارہ میں اختلاف تھا کہ آیا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دو سورتیں ہیں یا ایک ہی سورت ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں مل کر ایک سورت ہے۔ اور دونوں کے مجموعہ کی دو سو پانچ آیتیں ہیں اور اس طرح یہ دونوں مل کر سبع طوال میں سورۃ ہفتم شمار ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دو سورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے اور بسم اللہ نہ لکھنے سے ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا فاصلہ تو ان لوگوں کی رعایت سے چھوڑا گیا جو انفال اور توبہ کو دو سورتیں کہتے ہیں اور بسم اللہ ان لوگوں کی رعایت سے نہیں لکھی گئی جو یہ کہتے ہیں کہ دونوں مل کر ایک سورت ہیں۔ (دیکھو فتح الباری ص: ۲۳۵، ج ۸)

2۔ مستدرک حاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی تو فرمایا کہ بسم اللہ امان کے لیے ہے اور اس سورت میں کافروں پر تلوار چلانے کا حکم ہے اس لیے بسم اللہ نہیں لکھی گئی تا کہ قہر الٰہی اور غضب خداوندی کے آثار ظاہر ہوں (درمنثور)

مگر یہ وجہ در اصل ترک بسم اللہ کی علت نہیں بلکہ ترک بسم اللہ کا ایک نکتہ ہے اور اس کی ایک حکمت ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرآن مصحف عثمانی کے مطابق تھا۔

3۔ امام قشیری فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ اس سورۃ کے شروع میں اس لیے نہیں لکھی گئی کہ جبریل امین اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو اس کو پہلی سورت سے فصل کرنے یعنی جدا کرنے کے لیے اس کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی مگر سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی طرف سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کی زیادت نہ کی۔

* 1 او قیل لانھم لما جمعوا القران شکوا اھل ھی و الانفال واحدۃ او اثنتان ففصلوا بینھما بطر لا کتابۃ فیہ ول یکتبوا فیہ البسملۃ روی ذالک ابن عباس رضی اللہ عنھما عن عثمان وھو المعتمد اخرہ اجحمد والحاکم و بعض اصحاب السنن۔ فتح اباری ص 235 ج 8 سورۃ براءت۔

2۔ قشیری گفتہ است کہ صحیح آنست کہ جبریل علیہ السلام تسمیہ نیاوردہ پس ہمچناں نوشتند و زیادتی نکردند تیسیر القاری شرح صحیح البخاری للشیخ نور الحق دہلوی رحمہ اللہ۔

اور یہی قول راجح اور مختار ہے کہ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لیے نہیں لکھی گئی کہ اور سورتوں کی طرح اس کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم دیتے مگر اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام آیات اور سور کی ترتیب توقیفی ہے آں حضرت ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ فلاں سورت، فلاں سورت کے بعد ہے اس لیے یہ مستبعد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو یہ نہ بتلایا ہو کہ سورۃ توبہ۔ سورۃ انفال کے بعد ہے اس لیے کہ قرآن کریم کی سوروں اور آیتوں کی ترتیب سب منجانب اللہ اور منجانب الرسول ہے جس میں کسی

رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے وحی خداوندی کی بناء پر سورۃ توبہ کا سورۃ انفال کے بعد لکھنے کا حکم دیا اور سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کا نہ لکھوانا یہ بھی وحی خداوندی تھا اور صحابہ کرام نے اسی کا اتباع کیا۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص:۵۸۱، ج۸)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس ترتیب سے قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ لیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ بلا کم وکاست امت تک پہنچا دیا اور ذرہ برابر اس میں کوئی رد و بدل نہیں کیا۔ (اتقان)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت پہلے گزر چکی ہے کہ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی الی آخرہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی ہے۔ جو صحابہ کرام کے اجتہاد سے وقوع میں آئی۔

جواب: آیات قرآن کی ترتیب بالاجماع توقیفی ہے اس میں ذرہ برابر بھی کسی کا اختلاف نہیں البتہ ترتیب سور میں بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ صرف سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب اجتہادی ہے اور باقی تمام سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی کا میلان اسی قول کی طرف معلوم ہوتا ہے مگر جمہور علماء امت اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح آیات کی ترتیب توقیفی ہے اس طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے آیتوں کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک ہی میں قائم ہو گئی تھی اور اسی ترتیب کے ساتھ ہر سال نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں جبریل امین کے ساتھ پورے قرآن کا وِرد کیا کرتے تھے، اس میں ترتیب ہوتی تھی اور جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال دو بار دور کیا اور اسی ترتیب کے ساتھ صحابہ نے قرآن کریم کو حفظ کیا اور اسی ترتیب کے مطابق قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے جس طرح آں حضرت ﷺ سے سنا تھا، اسی طرح قرآن کو یاد رکھا اور جس ترتیب سے آں حضرت ﷺ سے حاصل کیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ امت کو پہنچا دیا۔ نہ ذرہ برابر اس میں کوئی تقدیم وتاخیر کی اور نہ اپنی طرف سے کوئی ترتیب قائم کی۔

*1۔ قال القاضی یبعد ان یقال انه علیه السلام لم یبین کون هذه السورة تالية سورة الانفال لان القرآن مرتب من قبل الله تعالٰی و من قبل رسوله ﷺ علی الوجه الذی نقل ولو جوزنا فی بعض السور ان لا یکون ترتیبها من الله علی سبیل الوحی لجوزنا مثله فی سائر السور و فی آیات السورة الواحدة وتجویزه یطرق مایقوله الامامیة من تجویز الزیادة والنقصان فی القرآن وذالک یخرجه من کونه حجة بل الصحیح انه علیه السلام امر بوضع هذه السورة بعد سورة الانفال وحیا وانه علیه السلام حذف بسم الله الرحمٰن الرحیم من اول هذه السورة وحیا۔ (تفسیر کبیر ص۵۸، ج۱۶)

امام ابوبکر انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو جبریل امین آنحضرت ﷺ کو اس سورت وآیت کے محل اور موقع سے واقف کرادیتے۔ پس سورتوں کا باہمی اتصال ایسا ہی ہے جیسا کہ آیات اور حروف کا اور سب آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے جس کو آپ نے اللہ رب العزت سے نقل کیا ہے پس جس نے کسی سورت کو مقدم یا

مؤخر کیا تو اس نے نظم قرآنی کو فاسد اور مختل کیا۔ (تفسیر قرطبی ص: ۶۰، ج ۱)

اور حضرت عثمان نے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوال کا جواب دیا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس سورت کو جس جگہ لکھنے کا حکم دیا اسی جگہ لکھ دی گئی اور اسی طرح سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب بھی توقیفی ہے جو صحابہ کے اتفاق سے لکھی گئی اور کسی ایک صحابی نے بھی سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب میں اختلاف نہیں کیا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۂ انفال اور سورۃ توبہ) آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں قرینتین کے نام سے پکاری جاتی تھیں جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا اقتران اور اتصال عہد نبوت میں معروف و مشہور اور زبان زد خلائق تھا۔ مگر چونکہ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لیے بسم اللہ نازل ہوتی۔ بسم اللہ کا نازل ہونا یہ سورت کا نشان تھا۔ پس جب کہ سورۃ براءت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ تردد ہوا کہ یہ مستقل سورت ہے یا پہلی سورت کا جزء اور اس کا تتمہ ہے سو حضرت عثمان کا یہ تردد اور یہ گمان مسئلہ ترتیب سے متعلق نہیں تھا بلکہ مسئلہ جزئیت سے متعلق ہے کہ سورۃ توبہ گزشتہ سورت کا جزء ہے یا نہیں باقی سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی باہمی ترتیب میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہ تھا لہٰذا سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے بعد رکھنا توقیفی بھی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جو تمام صحابہ کے اجماع اور اتفاق سے بلا کسی خلاف کے عمل میں آیا۔ اور علی ہذا درمیان میں بسم اللہ نہ رکھنا یہ بھی امر توقیفی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جس کی اصل علت یہ تھی کہ جبریل امین اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے اس لیے صحابہ کرام نے اس سورت کو بلا بسم اللہ کے لکھا اور اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہیں کی یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام سورتوں کی ترتیب تو بتلا دیں مگر سورۃ انفال اور توبہ کی ترتیب نہ بتلائیں سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں جبریل امین کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔ جس میں سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کا دور بھی شامل ہے اور دور کے لیے ترتیب لازم ہے معلوم ہوا کہ ان دو سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور درمیان میں بسم اللہ کا نہ لکھنا یہ بھی توقیفی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ درحقیقت ان دو سورتوں کے باہمی اتصال اور درمیان میں فصل چھوڑ دینے کی ایک حکمت اور نکتہ کا بیان ہے اصل علت توقیف نبوی ہے۔ اور ابن عباس نے حضرت عثمان سے جو سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کے متعلق سوال کیا سو وہ قرآن کریم کے جمع و ترتیب کے ایک عرصہ بعد کیا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اطمینان کے لیے ان دونوں سورتوں کے اقتران اور اتصال کی ایک حکمت بیان کر دی۔ عہد رسالت میں ان دو سورتوں کا قرینتین کے نام سے مشہور ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان دو سورتوں کا باہمی اتصال اور اقتران سب حضور پرنور کے حکم سے تھا اور تمام صحابہ میں معروف اور مشہور تھا اسی لیے ترتیب قرآن کے وقت صحابہ کرام کو نہ کوئی تردد پیش آیا اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہوا۔

شانِ نزول: یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور پیمانوں کو توڑنا شروع کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھے تھے۔ مشرکین کا گمان اور خیال یہ تھا کہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لیے یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکین سے براءت اور بیزاری کا

اعلان کردیں اوران کے عہدوں کو واپس کردیں کما قال تعالیٰ: واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہواوراس بارہ میں اس سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔(دیکھو تفسیر کبیر ص 583 ج 4 وتفسیر ابی حیان ص 5 ج وتفسیر مظہری ص 133 ج 4)

اور حکم ہوا کہ جن (1) لوگوں کا آں حضرت ﷺ سے کوئی عہد موقت اور میعادی ہواور وہ اپنے عہد پر قائم ہوں تو ان کے عہد کی مدت پوری کردی جائے خواہ وہ کتنی ہی مدت ہو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی عہد پر قائم رہو کما قال تعالیٰ: فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اور (2) جن لوگوں نے نقض عہد کیا ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیا جائے اور چار مہینے کی ان کو مہلت دے دی جائے کہ اس مدت میں جہاں چاہیں پھریں کوئی روک ٹوک نہیں۔ اگر اس مدت کے اندر اندر اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد جہاں پائے جائیں گے قتل کیے جائیں گے۔ اب راستے دو ہی ہیں یا تو اسلام لے آئیں یا قتل پر تیار ہو جائیں اور خوب سمجھ لیں کہ تمہاری جنگی تیاری اور تدبیر تم کو خدا کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔

اور (3) جن لوگوں سے آپ کا کوئی عہد ہی نہ تھا یا عہد مطلق تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی ان کو بھی یہ اطلاع دے دی گئی کہ اب ہم آئندہ تم سے کوئی معاہدہ کرنا اور رکھنا نہیں چاہتے۔ کفر سے صلح اور عہد کا وقت ختم ہوا سب کی بدعہدی کا تجربہ ہو گیا۔ اس لیے از راہ ترحم وکرم تم کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اگر اسلام قبول کرلو تو تمہاری سعادت ہے ورنہ یا تو مرکز اسلام کو اپنے ناپاک وجود سے خالی کردو ورنہ جہاں پائے جاؤ گے پکڑے جاؤ گے اور کوئی تدبیر تم کو خدا کی مشیت سے نہیں روک سکتی۔ من جانب اللہ ان سب کو چار مہینہ کی مہلت دے دی گئی کہ اپنے انجام کو سوچ لیں اور ان کو اختیار دے دیا گیا کہ چاہیں اسلام قبول کرلیں یا مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے تیار ہوں اور اس وسیع مدت میں اپنی نجات کا جو چاہیں بندوبست کرلیں۔ یہ چار مہینہ کی مہلت کافی مہلت ہے اور انتہائی شفقت ہے کہ کل کو یہ نہ کہیں کہ ہم کو اچانک پکڑ لیا گیا اور مسلمانوں پر غدر اور عہد شکنی کی تہمت نہ لگائیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ پوری مہلت کے بعد تم کو پکڑا گیا اور دشمن کو چار مہینہ کی کھلی چھٹی دے دینا یہ اسلام کی انتہائی مرحمت سخاوت اور مروت ہے دنیا کی کوئی متمدن اور رحم دل حکومت اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ سورۃ براءت کی ان آیات میں اس بدعہدی کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ظہور میں آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آں حضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان مقام حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے اور ان دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت چلی آرہی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ بنو بکر نے خلاف معاہدہ بنو خزاعہ پر شبخون مارا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ان کی مدد کی اس طرح عہد شکنی کی ابتداء ان لوگوں کی طرف سے ہوئی خزاعہ نے اس ظالمانہ عہد شکنی کی آں حضرت ﷺ کو اطلاع کردی کچھ عرصہ بعد آں حضرت ﷺ نے اس کے جواب میں بلا اطلاع قریش سن 8ھ میں مکہ پر حملہ کر دیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس کو فتح کرلیا اس وقت قریش کے بہت سے قبائل تھے جو ہنوز اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے تو بعض تو وہ تھے جن سے آپ کا کوئی معاہدہ ہی نہ تھا اور بعض سے مطلق عہد تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی اور بعض سے عہد موقت تھا جس کی مدت مقرر تھی پھر ان میں سے بعض نے عہد شکنی کی اور بعض اپنے عہد پر قائم رہے۔ سو اس سورت کے شروع میں ان جماعتوں کے احکام کا بیان ہے فتح مکہ کے بعد حنین اور طائف فتح ہوئے پھر سن 9

ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا جب آپ تبوک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور زمانہ حج کا تھا اور آپ کو یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اپنی عادت کے مطابق برہنہ طواف کریں گے اس لیے آں حضرت ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے اور ابوبکر صدیق کو حاجیوں کا سالار بنا کر بھیجد یا تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ آپ نے حضرت علی کو بلا کر فرمایا کہ تم یہ آیت براءت لے کر جاؤ اور موسم حج میں ان کا اعلان کردو چنانچہ وہ روانہ ہوئے راستہ میں حضرت صدیق سے جا ملے صدیق اکبر نے پوچھا کہ امیر بن کر آئے ہو یا مامور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مامور ہو کر آیا ہوں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھیجنے میں مصلحت یہ تھی کہ عرب کا دستور تھا کہ نقض عہد کا پیغام کوئی عزیز وقریب ہی پہنچایا کرتا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خاندانی عزیز وقریب نہ تھے اس لیے آپ نے اتمام حجت کی غرض سے حضرت علی کو روانہ کیا حج کا خطبہ اور نماز صدیق اکبر ہی نے پڑھائی صرف سورۃ براءت کی تیس یا چالیس آیتیں یعنی شروع سورت سے لے کر ولو کرہ المشرکون تک موسم حج میں عید الاضحیٰ کے دن یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر کافروں کو سنادیں اور ان آیات کے ساتھ یہ بھی اعلان کردیں کہ سال آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا یہ اعلان زیادہ تر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہوا اور اس وقت تمام قبائل عرب وہاں موجود تھے وہ سب سن لیں کہ اب کفار ومشرکین سے کوئی صلح اور عہد نہیں رہا۔ سابق میں جو عہد و پیامن تھے وہ سب ختم ہوئے اب تمام کافروں کو صرف چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ گزرنے کے بعد دو ہی راہیں ہیں یا اسلام لے آئیں یا قتل کے لیے تیار ہوجائیں یا جزیرۃ العرب سے باہر نکل جائیں تا کہ اسلام کا قلب اور مرکز کفر اور شرک سے پاک ہوجائے غرض یہ کہ اس اعلان براءت سے مقصود یہ تھا کہ جزیرۃ العرب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک ہوجائے۔ اور مرکز اسلام میں کفر وشرک کی نجاست باقی نہ رہے۔

ایک ضروری تنبیہ: اس سورت میں چند غزوات اور چند واقعات کا ذکر ہے جو وہ بھی حکم میں غزوات کے ہیں۔ سب سے پہلے اعلان براءت کا ذکر ہے یہ آیتیں غزوہ تبوک کے بعد شوال سن 9 ھ میں نازل ہوئی بعد ازاں کچھ آیتیں صلح حدیبیہ کے معاہدہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں ان میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ جیسے: **الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهمو باخراج الرسول وهم بدءوکم اول مرة**۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں کافروں کی اس عہد شکنی کی طرف اشارہ ہے جو انہوں صلح حدیبیہ کے بعد کی تھی اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوگا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں دیگر قبائل عرب اور یہود کی عہد شکنیوں کی طرف اشارہ ہے جو غزوہ احزاب میں ان کی طرف سے ظہور میں آئیں اور جنہوں نے آں حضرت ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اس لیے آنحضرت ﷺ کا سوائے قبیلہ قریش کے دوسرے قبائل عرب سے بھی معاہدہ تھا جن میں بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا سو اس سورت کی یہ آیتیں علاوہ قبیلہ قریش کے دیگر قبائل عرب سے متعلق ہیں اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوگا اور اگر ظاہر نظم اور تبادر لفظی کے اعتبار سے یہ کہا جائے کہ ان آیات میں دار الندوہ ہی کے واقعات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ اس سے مقصود ان کی جنایات قدیمہ اور عداوت پارینہ کی تذکیر اور یاددہانی ہو تو اس اعتبار سے اگر ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد بھی مانا جائے تب بھی درست ہے اس لیے

اس سے مقصود محض تذکیر اور یاد دہانی ہے تا کہ ان کی عداوت پارینہ کا استحضار ہو جائے اور مسلمان متنبہ ہو جائیں کہ ان کی اس عداوت کو ملحوظ رکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں۔

بعد ازاں آیات متعلقہ بہ غزوہ حنین ہیں ان کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا پھر جو آیتیں غزوہ تبوک کی ترغیب کے بارے میں ہیں وہ غزوہ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں اور جو آیتیں غزوہ تبوک سے تخلف کی ملامت اور عتاب میں ہیں ان کا نزول غزوۂ تبوک کے بعد ہوا اور بعض آیات اثناء غزوۂ تبوک نازل ہوئیں اور بعض روایات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ توبہ پوری بعد تبوک نازل ہوئی سو اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا کیونکہ اس سورت کا بہت سا حصہ ان منافقین کے پردہ دری کے بارہ میں ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک سے غیر حاضری کے متعلق جھوٹے عذر تراشے تھے۔ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سورت ابتداء میں بہت بڑی تھی جس میں منافقین کے احوال نفاق کا تفصیل سے بیان تھا مگر اب بقدر ربع رہ گئی اور باقی منسوخ التلاوت ہوگئی پس ممکن ہے کہ وہ تین ربع دفعۃً نازل ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

اعلان براءت: (یعنی مشرکین عرب سے قطع تعلقات اور سابقہ معاہدات کے اختتام کا اعلان عام):

قبائل عرب اور یہود مدینہ کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ مشرکین عرب کے عہدوں براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیں۔ مسلمانوں کا کافروں کے معاہدات کے بھروسہ پر زندہ رہنا ناممکن ہے چار مہینہ کی مہلت دے کر ان کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دیا جائے تا کہ جزیرۃ العرب خالص مسلمانوں کے لیے ہو جائے اور اسلام کے قلب اور مرکز میں کوئی اسلام کا دشمن باقی نہ رہے۔ نیز سال آئندہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ حج بیت اللہ کا تھا اس لیے آپ نے یہ پسند نہ کیا کہ موسم حج میں کفار کے ساتھ آپ کا اختلاط یا اجتماع ہو اس لیے اعلان کرا دیا گیا کہ سال آئندہ کوئی کافر اور مشرک مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائے چنانچہ فرماتے ہیں یہ قطع تعلق اور بیزاری ہے خدا کی طرف سے اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے کوئی عہد کیا تھا مگر یہ مشرک اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور بار بار نقض عہد کیا پس اعلان کر دو کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد نہیں رہا اور یہ بھی اعلان کر دو کہ اے مشرکو تم چار مہینے اس ملک میں امن و امان کے ساتھ چل پھر لو یعنی تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ تک جہاں چاہو پھر و اس مدت میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا تم کو اجازت ہے کہ اس مدت میں اپنے لیے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ ڈھونڈ لو اس مہلت کی ابتداء حج اکبر کے دن یعنی عید کے دن سے ہے اور اس کا اختتام دس ربیع الاول پر ہوگا اور خوب جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے زمین کے جس گوشہ اور خطہ میں چلے جاؤ خدا کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا ہی میں رسوا کرنے والا ہے بظاہر آیت میں دنیا کی رسوائی مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ: كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وقال تعالیٰ: فی قوم عاد فارسلنا علیهم ریحا صرصرا فی ایام النحسات لنذیقهم عذاب الخزی فی الحیوة الدنیا ولعذاب الاخرة اخزی وهم لاینصرون۔ ان آیات میں دنیاوی ذلت اور رسوائی کی تصریح ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کافروں کو باوجود کثرت کے دنیا میں ذلیل اور خوار کرے اور مسلمانوں کو باوجود قلت اور کمزوری کے مظفر و منصور بنائے۔

زجاج کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل وخوار کرنے والا ہے۔ یہ مسلمانوں کی فتح ونصرت کی ذمہ داری ہے کہ مسلمان ضرور فتحیاب اور کامران ہوں گے اور ان کے دشمن مغلوب اور ذلیل اور خوار ہوں گے۔ (تفسیر کبیر ص585 ج4)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن یعنی بقرعید کے دن یہ اعلان عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری اور بیزار ہے یعنی اب اللہ اور اس کا رسول تمہاری عصمت اور حفاظت کا ذمہ دار نہیں حج اکبر کے دن سے دسویں تاریخ ذی الحجہ کی مراد ہے کہ اس حج تمام ہوتا ہے اور رمی اور قربانی اور حلق اور طواف زیارت کر کے محرم حلال ہو جاتا ہے حج اکبر شریعت میں ہر حج کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عمرہ کے مقابل ہے جو حج اصغر کہلاتا ہے عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصل نہیں سوائے مشرکو! اگر تم کفر اور شرک اور بے وفائی سے توبہ کر لو تو وہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے؛ اور اگر ایمان لانے اور شرک سے توبہ کرنے سے اور اگر ایمان لانے اور شرک سے توبہ کرنے سے منہ موڑ تو جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ اور تمہاری قوت وطاقت تم کو خدا کے قہر سے بچا نہیں سکتی نہ تم کہیں بھاگ سکتے ہو اور نہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہو یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت میں کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا نمک بر جراحت پاشیدن کا مضمون ہے مگر وہ مشرکین اس براءت اور بیزاری اور قطع تعلق کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد باندھا پھر انہوں نے ایفاء عہد میں تم سے کوئی کوتاہی نہیں کی یعنی بدعہدی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی سو ان لوگوں کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو اور اللہ سے ڈرو اور نقض عہد نہ کرو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو اور تقویٰ میں عہد کا پورا کرنا بھی داخل ہے۔ یہ حکم قبیلہ کنانہ کی شاخ بنوضمرہ سے متعلق ہے ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا اور ان کے عہد کی میعاد کے نو مہینے باقی تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کر دو کیونکہ جب انہوں نے اپنا عہد نہیں توڑا تو تم کیوں توڑو تم ایفاء عہد کے ان سے زیادہ سزاوار ہو بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور غادر اور غیر غادر کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا خلاف تقویٰ ہے، سدی سے منقول ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ نے کسی سے عہد نہیں کیا پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ حرمت والے مہینوں سے مراد وہی چار مہینے ہیں جن کی مہلت دی گئی تھی ان کو حرمت والے مہینے اس لیے کہا گیا کہ جب کفار کو یہ مہلت دے دی گئی تو ان کی جان ومال سے تعرض کرنا حرام ہو گیا۔ اور جہاں پاؤ وہاں قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ حل اور حرم میں جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو ان کے لیے ہر زمان اور ہر مکان یکساں ہے نہ کوئی مکان ان کو پناہ دے سکتا ہے اور نہ کوئی وقت اور زمان ان کو بچا سکتا ہے اور ان کو پکڑو اور ان کو قید کرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو۔ یعنی ان کی راہیں بند کر دو تاکہ شہروں اور بستیوں میں نہ پھیلیں سلف اور خلف کے نزدیک اس آیت کو آیت السیف کہتے ہیں جس میں کافروں کے قتال عام کا حکم دیا گیا ہے اور یہ آیت اس سے قبل ہر عہد کے لیے ناسخ ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی مشرک سے کوئی عہد اور ذمہ باقی نہیں رہا۔ پس اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کر لیں جس نے ان مشرکوں کو مسلمانوں کی عداوت پر برانگیختہ کر رکھا ہے اور کفر وشرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یعنی شعائر اسلام بجا لائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو کہ جہاں چاہیں چلیں پھریں بے شک اللہ تعالیٰ تائبین کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا

ہے کہ توبہ سے کفر اور شرک کا جرم بھی معاف کر دیتا ہے اور اے نبی اگر ان مشرکین سے جن سے تعرض کرنا چاہئے انہیں سے اگر کوئی ماہ حرام گزر جانے کے بعد آپ سے اللہ کے کلام کو سن لے اور دین اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے پھر وہ اگر ایمان نہ لائے تو اس کو اس کے امن کی جگہ یعنی اس کی قوم اور قبیلہ میں پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو یہ رعایت ان کے ساتھ اس لیے ہے کہ وہ لوگ اللہ کے دین سے، اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں اس لیے ان کو یہ مہلت دی گئی۔

(معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

كَيْفَ اَىْ لَا يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ وَهُمْ كَافِرُوْنَ بِهِمَا غَادِرِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَلَمْ قُرَيْشٌ الْمُسْتَثْنَوْنَ مِنْ قَبْلُ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ اَقَامُوْا عَلَى الْعَهْدِ وَلَمْ يَنْقُضُوْهُ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ عَلَى الْوَفَاءِ بِهٖ وَمَا شَرْطِيَّةٌ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ وَقَدِ اسْتَقَامَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَهْدِهِمْ حَتّٰى نَقَضُوْا بِاِعَانَةِ بَنِىْ بَكْرٍ عَلٰى خُزَاعَةَ كَيْفَ يَكُوْنُ لَهُمْ عَهْدٌ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَظْفَرُوْا بِكُمْ لَا يَرْقُبُوْا يُرَاعُوْا فِيْكُمْ اِلًّا قَرَابَةً وَّ لَا ذِمَّةً ؕ عَهْدًا بَلْ يُؤْذُوْكُمْ مَا اسْتَطَاعُوْا وَ جُمْلَةُ الشَّرْطِ حَالٌ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ بِكَلَامِهِمُ الْحَسَنِ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ الْوَفَاءَ بِهٖ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ نَاقِضُوْنَ لِلْعَهْدِ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنَ ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا اَىْ تَرَكُوْا اِتِّبَاعَهَا لِلشَّهَوَاتِ وَالْهَوٰى فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ دِيْنِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ بِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ عَمَلُهُمْ هٰذَا لَا يَرْقُبُوْنَ فِىْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ اَىْ فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ يَتَدَبَّرُوْنَ وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اِنْقَضُوْا اَيْمَانَهُمْ مَوَاثِيْقَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ عَابُوْهُ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ رُؤَسَاءَهُ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ عُهُوْدَ لَهُمْ وَ فِىْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ عَنِ الْكُفْرِ اَلَا لِلتَّحْضِيْضِ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اِنْقَضُوْا اَيْمَانَهُمْ عُهُوْدَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ مِنْ مَكَّةَ لِمَا تَشَاوَرُوْا فِيْهِ بِدَارِ النَّدْوَةِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ بِالْقِتَالِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ حَيْثُ قَاتَلُوْا خُزَاعَةَ حُلَفَاءَكُمْ مَعَ بَنِىْ بَكْرٍ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تُقَاتِلُوْهُمْ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ اَتَخَافُوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ فِىْ تَرْكِ

قِتَالِهِمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِقَتْلِهِمْ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ يُذِلُّهُمْ بِالْاِسْرِ
وَالْقَهْرِ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ مِمَّا فُعِلَ بِهِمْ هُمْ بَنُوْ خُزَاعَةَ وَيُذْهِبْ
غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ كَرْبَهَا وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ بِالرُّجُوْعِ اِلَى الْاِسْلَامِ كَاَبِيْ سُفْيَانَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا لَمْ يَعْلَمِ اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرِ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا
مِنْكُمْ بِاِخْلَاصٍ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ بِطَانَةً وَاَوْلِيَاءَ
ع ۲ ۱۰ ۸ الْمَعْنٰى وَلَمْ يَظْهَرِ الْمُخْلِصُوْنَ وَهُمُ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ مِنْ غَيْرِهِمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: یہ کیسے ہوسکتا ہے (یعنی نہیں ہوسکتا) کہ ان مشرکوں کے عہد اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک عہد ہو؟ ((وہ کافر مراد ہیں جنہوں نے اللہ ورسولؐ سے غداری کی) ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب عہد و پیمان باندھا تھا (صلح حدیبیہ کے موقع پر۔ اس سے مراد قریش ہیں جن کا پہلے استثناء ہو چکا ہے) تو جب تک وہ تمہارے ساتھ قائم رہیں (عہد پر جمے رہیں اور اس کو نہ توڑیں) تو تم بھی ان کے ساتھ قائم رہو (عہد پورا کرنے پر ماشرطیہ ہے) اللہ انہیں دوست رکھتے ہیں جو متقی ہیں (چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے عہد پر برقرار رہے۔ حتیٰ کہ مشرکین نے خزاعہ کے مقابلہ میں بنوبکر کی مدد کر کے خود ہی اس عہد کو توڑ کر رکھ دیا) کیسے (ان مشرکین کا عہد ہوسکتا ہے) جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کہیں آج تم پر غلبہ پا جائیں (تمہارے مقابلہ میں کامیاب ہو جائیں) تو نہ تو تمہارے لئے رشتہ (قرابت (کا پاس (لحاظ) کریں اور نہ کسی عہد و پیمان کا (بلکہ جہاں تک ہو سکے تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔ جملہ شرطیہ حال ہے) وہ اپنی باتوں (اچھے کلام) سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کے دل نہیں مانتے (ان وعدوں کو پورا کرنا) اور ان میں زیادہ تر لوگ شریر ہیں (عہد کو توڑنے والے) ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں (قرآن پاک) ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں (دنیا کے بدلے، یعنی شہوت اور خواہشات میں پڑ کر ان لوگوں نے آیات الٰہی کو چھوڑ دیا ہے) اس لئے لوگوں کو اللہ کی راہ (دین) سے یہ روکتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت ہی برے ہیں (اپنے اس عمل کے اعتبار سے) یہ لوگ کسی مسلمان کیلئے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں اور نہ قول و قرار کا۔ یہی لوگ ہیں جو ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں۔ بہر حال اگر یہ لوگ باز آ جائیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم سمجھدار (تدبر کرنے والے) لوگوں کیلئے احکام کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اگر توڑ ڈالیں یہ لوگ اپنی قسموں (عہد و پیمان) کو عہد کرنے کے بعد اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں (اس میں عیب لگائیں) تو پھر کفر کے سرداروں سے جنگ کرو (جو ان میں مدھ ہیں یہاں بجائے اسم ظاہر کے ضمیر لائی گئی ہے) ان لوگوں کی قسمیں قسمیں نہیں ہیں (ایک قراءت میں لفظ ایمان کسرہ کے ساتھ ہے) تاکہ یہ لوگ (کفر سے) باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے (لفظ الا

ابھارنے اور آمادہ کرنے کیلئے ہے) جنہوں نے اپنی قسموں (عہد و پیمان) کو توڑ ڈالا اور رسول کو ان کے وطن سے نکال باہر کر دینے کا منصوبہ باندھا) مکہ سے جلا وطن کرنے کا جس وقت دار الندوہ میں مشورہ کر رہے تھے) پھر انہوں نے (تمہارے برخلاف لڑائی کرنے میں) پہل بھی کر دی؟ (جب مسلمانوں کے حلیف خزاعہ سے ان کے حریف بنو بکر کا ساتھ دے کر جنگ کر دی۔ اس لئے تمہیں ان کے ساتھ جنگ کرنے سے کیا چیز روک رہی ہے) کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (خوف کھاتے ہو) سو اللہ اس بات کے زیادہ سزاوار ہیں کہ ان کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو (جہاد سے باز رہنے کے سلسلہ میں) اگر تم ایمان رکھتے ہو ان سے جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں قتل کر کے) عذاب دیں گے اور انہیں رسوا کریں گے (قید و غصہ میں مبتلا کر کے) اور ان پر تمہیں فتح دیں گے اور مسلمانوں کے دلوں کو شفاء دیں گے (ان کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا ہے اور اس سے مراد بنو خزاعہ ہیں) اور ان کے دلوں کے غصہ (دکھ درد) کو دور فرما دیں گے اور جس پر اللہ کو منظور ہو گا اللہ تعالیٰ توجہ فرما دیں گے۔ (اسلام کی طرف پھر جانے کی توفیق بخش کر۔ جیسے کہ ابوسفیان وغیرہ کو) اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور بڑی حکمت والے ہیں کیا تم (لفظ ام اپنا ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو (ظاہری طور پر) پوری طرح آزمائش میں ڈالا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (اخلاص کے ساتھ) جہاد کیا ہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور مؤمنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا جگری دوست نہ بنایا ہو۔ (خالص و مخلص دوست حاصل یہ ہے کہ ابھی تک مخلصین جن کا ذکر ابھی آیا ہے وہ غیر مخلصین سے ممتاز بھی نہیں ہوئے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی سب کچھ خبر ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَا يَكُوْنُ: یہاں استفہام انکاری ہے۔

قوله: يَكُوْنُ لَهُمْ: یکون فعل کو حذف کیا اور وہ یکون ہے۔

قوله: يَظْفَرُوْا بِكُمْ: يَظْهَرُوْا یہ یعلموا کے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: بِكَلَامِهِمُ الْحَسَنِ: اس میں محل کو ذکر کر کے حال مراد لیا ہے۔

قوله: فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ: مبتداء کو مقدر کیا کیونکہ جزاء کا جملہ ہونا ضروری ہے۔ فعل کو مقدر نہیں مانا کہ یہ فا کے قرینہ جملہ فعلیہ نہ بن جائے۔

قوله: نُبَيِّنُ: اس سے اشارہ ہے کہ تفصیل یہاں وضاحت کے معنی میں ہے۔ تفریق کے معنی میں نہیں۔

قوله: مَوَاثِيْقَهُمْ: اس سے عام معاہدہ مراد ہے خواہ اس میں قسم ہو یا نہ ہو یہ مجازی اطلاق ہے۔

قوله: فَقَاتِلُوْا: یہ عہد توڑنے والوں کے متعلق حکم جاری ہو گا اگرچہ شرط کا تقاضہ ہے کہ قسم والے معاہدے سے خاص ہو۔

قوله: رُؤَسَاءَ: رؤساء کے ساتھ خاص کیا کیونکہ ان کا قتل زیادہ اہم و ضروری ہے۔

قوله: فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ: اسکی دلالت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس توڑے اور عن میں سرداراور قتل کے زیادہ حقدار بن گئے۔

قوله: قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ: اَيْمَانَ لَهُمْ اب اس کا معنی یہ ہے ان کے لیے نہ امن ہے نہ سلامتی۔

قوله: بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ: یہ ام منقطعہ ہے۔ انکار سے مقید کر کے اشارہ کیا کہ انکار حقیقی نہیں بلکہ گمان پر توبیخ ہے۔

تفسیر مقبولین

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ ....

مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں:

ان آیات میں اول تو مشرکین کی بدعہدی کے مزاج کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ان کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے پہلے بھی عہد توڑا ہے اور آئندہ بھی توڑتے رہیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں زبانوں سے عہد ہے اور دلوں میں بغض کی آگ ہے اگر مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ بس یہ مسلمانوں کو اپنی زبانی باتوں سے راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ (وفائے عہد اور اطاعت کا زبانی وعدہ کرتے ہیں) اور ان کے دل ان کی اپنی زبانی باتوں سے راضی نہیں ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ یعنی شرارت سے بھرے ہوئے ہیں کہ کسی بھی عہد کی پاسداری کرنے کو تیار نہیں۔ اکا دکا کوئی شخص عہد کی پاسداری کرنا چاہے تو اس کی بات چلنے والی نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے احکام کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے سامنے حقیر دنیا ہے۔ انہوں نے حقیر دنیا کو لے لیا اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی حقیر دنیا کے جانے کا جو وہم تھا اس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ کے راستہ پر نہیں چل سکتا ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے۔ جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ (لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً) (کسی مؤمن کے بارے میں ان کے پاس نہ قرابت داری کی رعایت ہے۔ نہ معاہدہ کی پاسداری ہے) (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝) (اور یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔) (كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ) فرمانے کے بعد متصلاً ہی یوں فرمایا: (اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ) علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ استثناء میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے مسجد حرام کے قریب عہد ہوا تھا اور جو عہد پر قائم رہے۔ اور ان کی مدت معاہدہ باقی تھی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کے عہد کی رعایت کرو۔ (فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ) (جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں یعنی مدت معاہدہ میں نقض عہد نہ کریں) (فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ) (تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) یعنی وفاء عہد کرو عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں (اَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ) کے مضمون کا اعادہ ہے اور اتنی بات زائد ہے کہ جب تک وہ مستقیم رہیں تم بھی مستقیم رہو اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم پر عہد پورا کرنے کی

پابندی نہیں۔صاحب روح المعانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔فرماتے ہیں: وأياًما كان فحكم الامر بالاستقامة ينتهى بانتهاء مدة العهد فيرجع هذا الى الامر بالاتمام المار الخ (ص ٥٥ ج ١٠) (اور جو بھی ہو عہد ہر استقامت کا حکم معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ختم ہوجاتا ہے پھر یہ حکم گزشتہ عہد کی تکمیل کی طرف لوٹتا ہے)۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ بِدُخُوْلِهٖ وَالْقُعُوْدِ فِيْهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ بَطَلَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ لِعَدَمِ شَرْطِهَا وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (١٧) اِنَّمَا
يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ
فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (١٨) اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَيْ
اَهْلَ ذٰلِكَ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ فِي الْفَضْلِ وَ
اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (١٩) اَلْكَافِرِيْنَ نَزَلَتْ رَدًّا عَلٰى مَنْ قَالَ ذٰلِكَ وَهُوَ الْعَبَّاسُ اَوْ غَيْرُهٗ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً رُتْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مِنْ
غَيْرِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (٢٠) الظَّافِرُوْنَ بِالْخَيْرِ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ
لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ (٢١) دَائِمٌ خٰلِدِيْنَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ (٢٢) وَنَزَلَ فِيْمَنْ تَرَكَ الْهِجْرَةَ لِاَجْلِ اَهْلِهٖ وَتِجَارَتِهٖ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ
اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوْا اخْتَارُوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ (٢٣) قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اَقْرِبَاؤُكُمْ وَ
فِيْ قِرَاءَةٍ عَشِيْرَاتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا اكْتَسَبْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا عَدَمَ نَفَاقِهَا وَ
مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَقَعَدْتُمْ لِاَجْلِهٖ عَنِ الْهِجْرَةِ وَ
الْجِهَادِ فَتَرَبَّصُوْا انْتَظِرُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (٢٤) ع ٣ ٨ ٩

ترجمہ: مشرکوں کو یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں (لفظ مَسٰجِدَ مفرد اور جمع دونوں طرح آیا ہے یعنی مشرکوں کو مسجد میں داخل ہونے اور بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے) ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اقرار کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے اعمال (بیکار گئے) اکارت گئے (شرطِ قبولیت نہ پائے جانے کی وجہ سے) اور وہ

دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ فی الحقیقت اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنیوالے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہیں ڈرتے۔ ایسے ہی لوگوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کیلئے سبیل لگادی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا (ان کاموں کے کرنیوالوں کو) ایک درجہ میں رکھ رکھا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو (مرتبہ میں) یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیا کرتے (جو کافر ہیں۔ یہ آیت ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے ایسا کیا تھا۔ یعنی حضرت عباسؓ وغیرہ) جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ (رتبہ) ہے (دوسروں کی نسبت) اور یہی لوگ پورے کامیاب (بامراد) ہیں۔ ان کا پروردگار انہیں اپنی بڑی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت سناتا ہے اور ایسے باغوں کی جہاں ان کیلئے دائمی نعمت ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (یہ حال مقدرہ ہے) بلاشبہ اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے (اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جنہوں نے اپنے بال بچوں اور تجارت کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی) مسلمانو! اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بھائی بند ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں (پسند کریں) تو انہیں اپنا رفیق مت بناؤ اور جو کوئی بنائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو بڑے نافرمان ہیں۔ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی اور تمہاری بیویاں برادری (رشتہ دار اور ایک قراءت میں عشیر اتکم آیا ہے۔ اور تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے (حاصل کیا ہے) اور تمہارے کاروبار جس کے مندا پڑ جانے (نکاسی نہ ہونے) کا تمہیں کھٹکا لگا رہتا ہے اور تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں حد درجہ دل پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں (جن کی وجہ سے تم ہجرت و جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہو) تو انتظار کرو (ٹھہرے رہو) یہاں تک کہ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے (یہ ان کی دھمکی دی جارہی ہے) اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو مقصود تک پہنچنے نہیں دیتے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: الجنس: اس صورت میں معنی یہ ہے کہ کسی بھی مسجد میں جو مساجد سے ہو چہ جائیکہ مسجد حرام میں۔

قوله: أَهْلَ ذٰلِكَ: عمارہ سقایہ سے پہلے مضاف کو مقدر مانا تاکہ مفہوم درست ہو۔

قوله: رُتْبَةً: مراد ایک درجہ نہیں بلکہ مرتبہ مراد ہے۔

قوله: أَعْظَمُ دَرَجَةً: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان تمام سے درجہ میں بڑھ کر ہیں جن میں یہ صفات نہیں اور نہ ہی وہ ہجرت و جہاد والا ہے اگرچہ وہ مؤمن ہی ہو۔ چہ جائیکہ کافر ہو۔

قوله:اخْتَارُوْا :اسْتَحَبُّوا کی تفسیر اختیار والے کر کے اشارہ کیا کہ مراد محبت اختیاری ہے نہ کہ طبعی۔

قوله:أَقْرَبَاؤُكُمْ : یہ عشیرہ کی تفسیر کی کیونکہ لغوی طور پر تو ساتھ رہنے والے اور خاندان پر بولا جاتا ہے۔

قوله:عَدَمَ نَفَاقِهَا : یعنی بیع کے چل چلاؤ کا وقت فوت ہونے کا خطرہ۔

قوله:فَقَعَدْتُمْ : اس سے اشارہ ملتا ہے کہ محبت سے اختیاری ہی مراد ہے۔

قوله:تَهْدِيْدٌ : توبہ کے لئے ڈراوا ہے۔امر سے مراد سزا ہے جو جلد اترے یا بدیر۔

تفسیر مقبولین

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ ....

مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں:

معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کیے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اور اس بارے میں حضرت علی نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے کہ ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے حضرت علی نے فرمایا کیا تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ (آخر تک) نازل فرمائی۔اور یہ بتا دیا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں۔مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادی کا کوئی معنی نہیں۔کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرات ابراہیم (علیہ السلام) نے بنایا تھا۔کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد توحید پر ہے جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درو دیوار کی دیکھ بھال کر لی تو کفر اور شرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ بے حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے تو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے (جیسا کہ سورۂ انفال کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے) ایسا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے، صاحب معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) لکھتے ہیں: أي ما ينبغي للمشركين أن يعمروا مساجد الله، او جب على المسلمين منعهم من ذلك لأن المساجد انما تعمر لعبادة الله وحده فمن كان كافرا بالله فليس من شانه ان يعمرها (یعنی اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آباد ہوتی ہیں جو اللہ کا منکر ہے مسجدوں کو آباد کرنا اس کا کام نہیں

ہے) پھر فرمایا: (اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ) کہ ان کے سب اعمال اکارت چلے گئے (کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی بھی عمل اگرچہ بظاہر عبادت ہو آخرت میں کوئی نفع دینے والا نہیں) (وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۞) (اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں)۔

مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے:

اس کے بعد فرمایا: (اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ) (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) اس میں بتایا کہ مسجدوں کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے مقرر فرمودہ فرائض کو انجام دیتے ہیں (اس میں دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا) اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ہیں ان پر عمل کرنے میں قوم یا قبیلہ اور اہل وطن کے اعتراض کو نہیں دیکھتے کہ کوئی کیا کہے گا اللہ کے دین پر کسی کا خیال کیے بغیر عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان لوگوں کا اخروی انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: (فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۞) یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتادے گا۔ دنیا میں اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ اطاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گی، مسجد بنانا اور اس کا نظم ونسق سنبھالنا، مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آبادکاری میں داخل ہے۔ لیکن مسجد کی آبادکاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازوں سے، ذکر سے تلاوت سے تعلیمی حلقوں سے تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی امور کے لیے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی گواہی دے دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ (اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹ عن الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں؟

جیسے اعمال صالحہ نماز، ذکر، تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آبادکاری کے خلاف ہے۔ مساجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو دینی اعتبار سے اچھے نہ ہوں اور خرید وفروخت کرنا اور بدبودار چیزیں کھا پی کر مسجد میں جانا (جس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کی بدبو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ مساجد میں تھوک، بلغم ڈالنا، گم شدہ چیز تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا۔ یہ سب امور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں کسی گمشدہ چیز کے تلاش کرنے والے کی آواز سنے تو یوں کہہ دے: لا ردھا اللہ علیک (کہ اللہ تجھے یہ چیز واپس نہ دے) کیونکہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۰ ج ۱، ابوداؤد ص ۶۸ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں بیچتا ہے یا خریدتا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسجدوں میں ان کی باتیں دنیاوی امور کے بارے میں ہوں گی۔ سو تم ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اللہ کو ان کی حاجت نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱ عن البیہقی فی شعب الایمان)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل مبغوض ہے ان کے پاس بیٹھ کر اپنا برا نہ کرو۔ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں حدود قصاص جاری کرنے سے اور (غیر دینی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا (رواہ ابوداؤد ص ۲۶۱ ج ۲) حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ۔ جس سے ان کی بدبو چلی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۷۹ ج ۲، وفی مسلم عدۃ روایات فی ہذا المعنی ص ۲۰۹ ج ۱)

مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیز نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگرچہ معمولی سا کوڑا کچرا تنکا ہو) تو وہ بھی مجھے امت کے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی پھر وہ اسے بھول گیا۔ (ابوداؤد ص ۶۶ ج ۱)

آج کل مسجدوں کی ظاہری آبادی ہی رہ گئی ہے۔ خوبصورت قالین، جھاڑ، فانوس، در و دیوار پر پھول دار نقشے، چمکدار فرش وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں میں بڑھ چڑھ کر مقابلہ میں حصہ لیا جاتا ہے اور نمازوں میں حاضری اور تلاوت اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور یہ ظاہری زیب و زینت کی چیزیں شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے نمازوں کے خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنا بنا کر آپس میں فخر کریں گے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۵ ج ۱)

ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب و زینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: مساجد ھم عامرۃ وھی خراب من الھدی (ان کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸)

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ....

حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں:

پھر فرمایا: (اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ....) اس کے بارے میں دو سبب نزول نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ جب بدر میں مشرکین کو قید کیا جن میں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور

عباس رضی اللہ عنہ کو کفر اختیار کرنے پر عار دلائی گئی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے اسلام میں اور ہجرت میں اور جہاد میں آگے بڑھ گئے تو ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ص ۲۷۰ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے در و دیوار کی دیکھ بھال کرنے کو تم نے اس شخص کے عمل کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایمان اور جہاد والوں کے مقابلہ میں حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال جبکہ ایمان نہ ہو اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کفر و شرک کے ساتھ کوئی بھی عمل مقبول اور معتبر نہیں۔

اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں حجاج کو پانی پلاؤں اور اس کے بعد دوسرا کوئی نیک عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے دوسرے اعمال کے چھوٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں، تیسرے شخص نے کہا کہ تم نے جو اپنے اعمال کے بارے میں کہا ان اعمال سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے، ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کروں گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو، چنانچہ انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر سوال کیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ص ۲۷۰ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور تولیت سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: (لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ) یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ (وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞) اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (ظالموں سے مشرک مراد ہیں وہ شرک پر قائم ہوتے ہوئے حق اور صحیح بات کو نہیں مانتے)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ ....

ترکِ موالات و مودت کا حکم:

اللہ تعالیٰ کافروں سے ترک موالات کا حکم دیتا ہے ان کی دوستیوں سے روکتا ہے گو وہ ماں باپ ہوں بہن بھائی ہوں۔ بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں اور آیت میں ہے: (لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ) اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو تو ہرگز اللہ رسول کے دشمنوں سے دوستی کرنے والا نہیں پائے گا گو وہ ان کے باپ ہوں بیٹے یا بھائی ہوں یا رشتے دار ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان رکھ دیا گیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے۔ انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا۔ بیہقی میں ہے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں آپ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ باپ بیٹوں میں جنگ شروع ہو گئی آپ نے اپنے باپ کو قتل کر

دیا۔اس پر آیت لَا تَجِدُ نازل ہوئی۔ پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر وہ رشتے دار اپنے حاصل کیے ہوئے مال اور مندے ہو جانے کی دہشت کی تجارتیں اور پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ اور رسول سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو تمہیں اللہ کے عذاب کے برداشت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ایسے بدکاروں کو اللہ بھی راستہ نہیں دکھاتا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ جا رہے تھے حضرت عمر کا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں بجز میری اپنی جان کے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میرا نفس ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی قسم اب آپ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا اے عمر (تو مؤمن ہو گیا) (بخاری شریف) صحیح حدیث میں آپ کا فرمان ثابت ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے اولاد اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے آپ فرماتے ہیں جب تم عین کی خرید وفروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کرے گا وہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ للحرب كَثِيْرَةٍ ۙ كَبدرٍ وَقُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرِ وَّ اذْكُرْ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ وَادٍ بَيْنَ
مَكَّةَ وَالطَّائِفِ اَىْ يَوْمَ قِتَالِكُمْ فِيْهِ هَوَازِنَ وَ ذٰلِكَ فِيْ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَمَانٍ اِذْ بَدَلٌ مِنْ يَوْمَ اَعْجَبَتْكُمْ
كَثْرَتُكُمْ فَقُلْتُمْ لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ وَ كَانُوْا اِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا وَالْكُفَّارُ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ
شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ مَا مَصْدَرِيَّةٌ اَىْ مَعَ رَحِبِهَا اَىْ سَعَتِهَا فَلَمْ تَجِدُوْا مَكَانًا
تَطْمَئِنُّوْنَ اِلَيْهِ لِشِدَّةِ مَالَحِقَكُمْ مِنَ الْخَوْفِ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ مُنْهَزِمِيْنَ وَ ثَبَتَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَلَيْسَ مَعَهُ غَيْرُ الْعَبَّاسِ وَاَبُوْ سُفْيَانَ اٰخِذٌ بِرِكَابِهٖ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ
طَمَانِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فَرَدُّوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَادَاهُمُ الْعَبَّاسُ بِاِذْنِهٖ
وَ قَاتَلُوْا وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا مَلَائِكَةً وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ بِالْقَتْلِ وَالْاِسْرِ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ مِنْهُمْ بِالْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ قَذِرٌ لِخُبْثِ بَاطِنِهِمْ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اَىْ لَا يَدْخُلُوا
الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ عَامَ تِسْعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَقْرًا بِانْقِطَاعِ تِجَارَتِهِمْ عَنْكُمْ
فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ وَقَدْ اَغْنَاهُمْ بِالْفُتُوْحِ وَالْجِزْيَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ

حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اِلَّا لَاٰمَنُوْا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَالْخَمْرِ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ الثَّابِتِ النَّاسِخِ لِغَيْرِهٖ مِنَ
الْاَدْيَانِ وَهُوَ الْاِسْلَامُ مِنَ بَيَانٌ لِلَّذِيْنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ
اَلْخِرَاجَ الْمَضْرُوْبَ عَلَيْهِمْ كُلَّ عَامٍ عَنْ يَّدٍ حَالٌ اَيْ مُنْقَادِيْنَ اَوْ بِاَيْدِيْهِمْ لَا يُوَكِّلُوْنَ بِهَا وَّهُمْ
ع ۲ ۱۰ صٰغِرُوْنَ ۝ اَذِلَّاءُ مُنْقَادُوْنَ لِحُكْمِ الْاِسْلَامِ

ترجمہ: یہ واقعہ ہے کہ اللہ تمہاری مدد کر چکے ہیں۔ بہت سے (جنگ کے) موقعوں پر (جیسے جنگ بدر، قریظہ ونضیر کے موقع پر) اور (یاد کیجئے) جنگ حنین کا واقعہ (حنین ایک میدان کا نام ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ یعنی جب قبیلہ ہوازن کے ساتھ وہاں تمہاری لڑائی ہو رہی تھی شوال ۸ھ میں) جب کہ (یہ لفظ یوم سے بدل ہے) تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے (اور کہنے لگے تھے کہ آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے کیونکہ مسلمان بارہ ہزار اور کفار صرف چار ہزار تھے) مگر پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود بھی تمہارے لئے تنگ ہوگئی (مارحبت میں ما مصدریہ ہے بمعنی مع رحبہا یعنی زمین کی وسعت کے باوجود تمہیں اس میں کہیں قابل اطمینان جگہ نہیں مل رہی تھی۔ خوف ودہشت پیش آنے کی وجہ سے) بالآخر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے (شکست کھا کر۔ لیکن نبی کریم ﷺ اپنے سفید خچر پر ثابت قدمی کے ساتھ سوار رہے۔ حالانکہ آپؐ کے ساتھ صرف حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیانؓ آپؐ کی رکاب تھامے کھڑے تھے) پھر اللہ نے اپنے رسول اور دوسرے مؤمنوں پر اپنی طرف سے سکون (اطمینان) نازل فرمایا (چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے جب حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو آواز دی تو سب حضورؐ کی طرف دوڑ پڑے اور شریک جنگ ہوگئے) اور ایسی فوجیں اتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں (فرشتے) اور کفر کی راہ اختیار کرنے والوں کو (قتل اور قید کے) عذاب میں مبتلا کر دیا اور کافروں کی سزا ایسی ہوتی ہے۔ پھر (ان میں سے) جس کو چاہیں اللہ توبہ (اسلام) نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔ مسلمانو! مشرک نرے ناپاک ہیں (اپنی اندرونی خباثت کی وجہ سے نجس ہیں) اس لئے چاہیے کہ اب مسجد حرام کے پاس ہی بھٹکنے نہ پاویں (مسجد حرام میں داخل نہ ہونے پائیں) اس برس کے بعد (۹ھ کے بعد سے) اور اگر تمہیں مفلسی کا اندیشہ ہو (کہ تجارت ٹھپ ہو جانے سے فقر وفاقہ ہو جائے گا) تو اگر اللہ چاہیں گے تو عنقریب تمہیں اپنے فضل سے تونگر کر دیں گے (چنانچہ فتوحات اور جزیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوش حال بنا دیا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔ ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر (ورنہ تو یہ لوگ حضورؐ پر ایمان نہ لے آتے) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے اور ان کے رسولؐ نے حرام ٹھہرا دیا ہے (جیسے شراب) اور نہ سچے دین ہی کو قبول کرتے ہیں (جو ثابت ہے اور تمام ادیان سابقہ کو منسوخ کر دینے والا ہے یعنی مذہب اسلام) یعنی (یہ الذین کا بیان ہے) اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) میں سے لڑو یہاں تک کہ وہ جزیہ دینا منظور کر لیں (سالانہ وہ ٹیکس جو ان پر لگایا جائے)

اپنی خوشی سے (یہ حال ہے یعنی رعیت اور ماتحت بن کر۔ یا خود اپنے ہاتھوں سے پیش کریں۔ کسی دوسرے کی معرفت نہ بھجوادیں) اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو (اسلام حکم کے سامنے سرنگوں ہو کر جھک چکے ہوں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَوَاطِنَ: جمع موطن۔ یہ موقع کے معنی میں ہے اور اس سے لڑائی کے مواقع مراد ہیں۔

قوله: اذْكُرْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ فعل محذوف کا مفعول ہے اس کا مواطن پر عطف نہیں۔

قوله: أَعْجَبَتْكُمْ: یہ یوم حنین سے بدل ہے۔ اگر مواطن پر عطف ہوتا تو پھر اذ مواطن کا بدل ہوتا اور وہ باطل ہے کیونکہ کثرت پر خود پسندی کا تعلق صرف غزوہ حنین سے ہے فتدبر۔

قوله: مَعَ رَحبِهَا: یہاں باء مع کے معنی میں ہے۔ یعنی اپنی وسعت کے ہوتے ہوئے۔

قوله: فَلَمْ تَجِدُوْا مَكَانًا: تنگی سے مراد یہ ہے کہ اطمینان کی جگہ نہ مل رہی تھی۔

قوله: مُنْهَزِمِيْنَ: یہ تفسیر اس لئے کی کہ تاکہ استدراک لازم نہ آئے کیونکہ ادبار تو ولیتم سے سمجھ آ رہا ہے۔

قوله: بِالْإِسْلَامِ: یعنی اسلام کی توفیق دی اور وہ اسلام لائے۔

قوله: قَذَرٌ: مصدر کو مضاف مقدر مان کر صفت کی جگہ لائے اے ذوی قذر۔ اس سے مقصود وصف میں مبالغہ ہے۔

قوله: لَا يَدْخُلُوا الْحَرَامَ: ترب کا ذکر کر کے دخول مراد لیا تاکہ مبالغہ ہو۔

قوله: وَ اِلَّا لَامَنُوْا: یعنی اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ نبی مکرم ﷺ پر ضرور ایمان لے آتے۔

قوله: اَلثَّابِتِ: اس سے اشارہ کیا کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جو ثابت و برحق ہے۔

قوله: اَلْخِرَاجَ الْمَضْرُوْبَ: وہ ٹیکس جوان پر یا ان کی اراضی پر لگایا جائے۔

تفسیر مقبولین

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ....

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کا اپنی کثرت پر اترانا اور اوائل جنگ میں شکست کا سامنا ہونا:

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔ پھر خصوصیت کے ساتھ غزوۂ حنین میں مدد فرمانے کا واقعہ یاد دلایا۔ حنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنی ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی،

بعض صحابہ کے منہ سے نکل گیا کہ آج ہم کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور چند افراد کے علاوہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

غزوۂ حنین کا مفصل واقعہ:

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جو ان کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا ان کے ساتھ بنو ثقیف بنو نصر بنو جشم بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہو گئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے قتال کریں، ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپ نے ان کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لینے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے اندر جا کر رہو اور صحیح حال معلوم کر کے ان کی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن أبی حدرد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور ان میں داخل ہو کر ان کی خبریں لیں اور حالات معلوم کیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپ نے مکہ معظمہ سے جب ان کے مقابلہ کے لیے سفر شروع فرمایا تھا تو آپ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لیے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت سہل بن حنظلیہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اس وقت ایک گھوڑ سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے آگے چلا گیا تھا میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتوں اور اپنے اموال اور اپنے بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہو گئے ہیں آپ نے مسکرا کر فرمایا: ان شاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت أنس ابن أبی مرثد چوکیداری کرتے رہے اور ادھر ادھر مختلف گھاٹیوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تا کہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے آج شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیراندازی میں بہت ماہر تھے۔ انہوں نے تیراندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لیے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ برابر پکارتے رہے۔ اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوْا اِلَيَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ (اے لوگو! میری طرف آ جاؤ۔ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں) اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور بطور رجز یہ پڑھ رہے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور عرض کیا: اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ (اے اللہ اپنی مدد نازل فرما) آپ نے

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے اصحاب شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ یہ حضرات آواز سن کر لبیک لبیک کہتے رہے اور رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا: شاھت الوجوہ (ان کی صورتیں بگڑ جائیں) اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں سے ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہوگئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمت عالی میں حاضر کیے گئے جن کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال انشاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہوں گے)۔

جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یوں ہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقع پر اسلام قبول کرلیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپ نے مال غنیمت کو جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں سبھی تھے۔ مقام جعرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاری کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنا دیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست:

اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لیے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہوگئے ان کے بعد ان کے چچازاد بھائی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتح یابی نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامر کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقع پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی:

غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہوگئے تھے رسول اللہ ﷺ نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہ آئے۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے منجنیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکنے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے) واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے منجنیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کل واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ اگلے دن وہاں سے واپس ہوگئے اور چلتے وقت یوں دعا کی۔

(اے اللہ! ان کو ہدایت دے اور ہمارے لیے تو ہی کافی ہو جا (تا کہ ہمیں ان سے نبٹنا نہ پڑے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا (یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے)۔

جعرانہ میں تقسیم غنائم:

آپ طائف سے واپس ہوئے تو مقام جعرانہ میں پہنچے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے سے غنیمت کے اموال بھیج دیئے تھے۔ جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور بہت بڑی بھاری تعداد میں اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی درخواست پر غانمین سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آ جائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دے دوں گا جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل وعیال واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔

(من البدایة والنهایة للحافظ ابن کثیر ص ۳۲۲ تا ص ۳۶۸ مختصرًا وملتقطا)

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ....

حنین میں فرشتوں کا نزول:

مسلمانوں کو اول شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لیے تنگ ہو گئی اور سبب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ ﷺ پر سکینہ نازل فرمایا اور سکون واطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوۂ حنین کا ذکر کرتے ہوئے (وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا) بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التنزیل (ص ۲۸۱ ج ۲) میں فرماتے ہیں یعنی: الملائكة قيل لا للقتال و لكن لتجبين الكفار و تشجيع المسلمين لأنه يروى أن الملائكة لم يقاتلوا الا يوم بدر، (فرشتوں کا نزول بعض نے کہا قتال کے لیے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ وہ کفار کو بزدل بنائیں اور مسلمانوں کو بہادر، کیونکہ مروی ہے کہ فرشتوں نے قتال صرف بدر میں کیا تھا) یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے

کے لیے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل بنانے کے لیے اور مسلمانوں کو دلیر کرنے کے لیے نازل کیے گئے تھے۔ کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقع کے علاوہ اور کسی موقعہ پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔ صاحب روح المعانی ص ۷۵ ج ۱۰ نے بھی (جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا) کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقعہ پر قتال نہیں کیا وہ مؤمنین کے قلوب کی تقویت کے لیے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لیے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن اخیر میں لکھا ہے: و لیس له سند یعول علیه، یعنی اس کی کوئی سند معتمد نہیں۔

فرشتوں کے اتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا (جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے)۔ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔ (جو دنیا میں ہے) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ....

مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں:

یہ آیت بھی سورۃ براءت کی شروع کی ان چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کرایا گیا تھا جس میں حضرت ابوبکر امیر الحج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا۔ ان میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ''مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں۔'' اس میں حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ حکم دیا ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے، مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور پلید ہونے سے مراد ان کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرکیہ اور کفر یہ مراد ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو یا جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مؤمن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے۔ دیگر ائمہ کا مذہب اس میں مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی ہو یا ویزہ لے کر آیا ہو کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعی دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں

کافروں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے درمنثور (ص ۲۲۶ ج ۳) میں مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا الا أن يكون عبدا او أحدا من أهل الذمة (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی غلام ہو یا کوئی شخص ذمی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام باندی اور ذمی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام اور ذمی کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ ان کو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ حدیث بالا درمنثور میں موقوفاً ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن (ص ۸۹ ج ۳) میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابر نے بعض اوقات ارشاد نبوی کے طور پر نقل کر دیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کے لیے مسجد کے آخری حصہ میں ایک قبہ لگوا دیا تاکہ وہ مسلمانوں کی نمازیں اور ان کا رکوع سجدہ دیکھیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ انہیں مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ زمین ناپاک نہیں ہوتی ابن آدم ناپاک ہوتا ہے۔ امام طحاوی نے اس واقعہ کو شرح معانی الآثار کے سب سے پہلے باب میں نقل کیا ہے۔ اس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: فقال رسول اللہ ﷺ انه ليس على الارض من انجاس الناس شيء انما انجاس الناس على أنفسهم (لوگوں کی نجاستوں میں سے زمین پر کچھ بھی نہیں ان کی نجاستیں ان کی اپنی جانوں پر ہیں)۔

ثمامہ بن اثال کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ ثمامہ ایک شخص تھے جنہیں حضرات صحابہؓ گرفتار کر کے لے آئے تھے اور ان کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔
(صحیح بخاری ص ۶۶ ج ۱)

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.... (مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں) اس کی تصریح فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ (اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے)۔

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا ہے کہ مشرکین جب حج کے لیے آتے تھے تو اپنے ساتھ غلہ (گیہوں، جو وغیرہ) بھی لے آتے تھے اور ان کو فروخت کرتے تھے۔ جب حج کے لیے ان کا آنا روک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمیں کفار کی چیزیں کہاں سے ملیں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان سے وعدہ فرمایا کہ اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد سے بھی یہ بات منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمان کافروں سے اور ان اموال تجارت سے بے نیاز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رزق کے دوسرے دروازے کھول دیئے اور انہیں جو معاشی مشکلات کا اندیشہ تھا انہیں دور فرما دیا۔ (انوار البیان)

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ....

اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم:

سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کا قانون ہے کہ کافروں سے جب جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کوئی جنگ نہیں۔ اب وہ اپنے ہوگئے ان سے جنگ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ اب تو انہیں دین سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام بتائیں گے اور نئے پرانے مسلمان سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر چلیں گے۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی ملک ہمارا ہوگا تم اس ملک میں رہو اور تمہاری جانوں کی ہم حفاظت کریں گے۔ اس حفاظت کے بدلہ ہمیں مال دینا ہوگا۔ اگر ملک پر کوئی حملہ آور ہوگا تو تمہیں ساتھ مل کر لڑنا ہوگا۔ اگر وہ اس کو قبول کریں تو بھی آگے لڑائی کا کوئی موقعہ نہیں یہ جو جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہوگا اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ جزیٰ یجزی کا مصدر ہے، جو فعلۃ کے وزن پر ہے جزیہ کفر کی سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا اور سب سے برابر بھی نہیں لیا جاتا۔ جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ ابھی لکھی جائے گی۔

اگر کافر جزیہ دینے سے بھی انکاری ہوں تو پھر قتال یعنی جنگ کی صورت اختیار کی جائے گی اس بارے میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہاں تک کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ اس میں اہل کتاب کی قید احترازی نہیں ہے۔ دوسرے کافروں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مشرکوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

آیت میں قتال اور جزیہ کا ذکر ہے۔ دعوت اسلام پیش کرنے کا ذکر نہیں اس لیے کہ جن لوگوں کو پہلے سے دعوت اسلام پہنچ ہوئی ہو انہیں قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اسلام سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح پہچان گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سب کے باوجود منکر تھے۔ رسالت کے تو منکر تھے ہی، اللہ کی توحید کو بھی چھوڑ چکے تھے اور آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اگر کسی درجے میں آخرت کا تصور تھا تو وہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں تھا کیونکہ جانتے بوجھتے کفر اختیار کرنا اور آخرت میں جو کفر کی سزا ہے یعنی عذاب دائمی، اسے بھگتنے کے لیے تیار رہنا یہ آخرت کو نہ ماننے کے درجہ میں ہے۔ نیز وہ حشر اجساد یعنی مادی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کوئی خاص مقام نہیں ہے روح کی خوشی کا نام جنت اور غم کا نام جہنم رکھا ہوا تھا۔ اسی لیے قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فرمایا۔ قال صاحب الروح: و ایمانهم الذی یزعمونه لیس علی ما ینبغی فهو کلا ایمان (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان کا ایمان جسے وہ ایمان خیال کرتے تھے وہ درحقیقت ایمان نہیں وہ تو ایمان کا نہ ہونا ہے)۔ (ص ۷۸ ج ۱۰)

اہل کتاب کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ جب دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تو حرام و حلال کی تفصیلات کو بھی نہیں

مانتے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کا جس رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے اس نے جس چیزوں کو حرام قرار دیا خواہشات نفس کے اتباع کی وجہ سے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ان کی شریعت کو بھی بدل دیا اور عمل سے بھی دور ہو گئے مثلاً رشوت اور سود کا لینا دینا ان کے ہاں عام تھا۔ جن کی حرمت ان کی کتابوں میں تھی۔

اہل کتاب کا مزید حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ کہ وہ دین حق یعنی اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی یہ صفات اور ان کے یہ حالات اس بات کو مقتضی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے۔ اگر اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان سے قتال روک دیا جائے گا اور جنگ نہیں کی جائے گی۔

پھر فرمایا: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ، اس میں لفظ عَنْ يَّدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص پر جزیہ دینا مقرر کر دیا گیا وہ خود آ کر ادا کرے کسی دوسرے کے ذریعہ نہ بھیجے کیونکہ جزیہ لینے سے ان کی تحقیر بھی مقصود ہے۔ خود گھر میں بیٹھے رہے اور کسی کو وکیل بنا کر جزیہ بھیج دیا تو اس میں ان کا اعزاز ہے۔ اس لیے وکیل کے واسطہ سے بھیجنا منظور نہ کیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ خود آ کر ادا کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ منقاد اور فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں۔ بعض اکابر نے اس قول کے مطابق یوں ترجمہ کیا ہے کہ ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں۔

پھر آخر میں فرمایا: وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۞ کہ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہو وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ: اعط الجزية يا ذمي (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے: اَدِّ حقّ الله تعالٰى يا عدو الله (اے اللہ کے دشمن، اللہ کا حق ادا کر) اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے۔ یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (ص ۷۹ ج ۱۰) نقل کیے ہیں، پھر آخیر میں لکھا ہے کہ آج کل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں۔ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی جزیہ بھیج دیتے ہیں۔ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں۔ پیدل آئیں۔ سوار نہ ہوں اور اس کی خلاف ورزی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ اھ صاحب روح المعانی نے اپنے زمانہ کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ قبول کر لیتے ہیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں۔ یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں۔ ان کو اسمبلی کا ممبر بھی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحت اور شناعت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ذمی کافروں کو دار الاسلام میں کوئی عبادت خانہ نیا بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام کے غلبہ ہونے سے پہلے جو ان کا کوئی عبادت

خانہ ہواور وہ منہدم ہو جائے تو اسے دوبارہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لباس میں اور سواریوں میں اور ٹوپیوں میں اور مسلمانوں کے لباس اور سواریوں وغیرہ میں امتیاز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے اور ہتھیار بند ہو کر نہیں چل پھر سکتے۔ مسلمان ان سب احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں کیونکہ کفر اور کافر سے بغض نہیں ہے۔ (العیاذ باللہ) مسلمانوں کے ملکوں میں کافروں کی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ جاہل اور غریب مسلمانوں کو اپنے دین میں داخل کر رہی ہیں لیکن مسلمانوں کے اصحاب اقتدار ذرا بھی توجہ نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری ہے اور کافر اقوام سے ڈرتے بھی ہیں اور جھینپتے بھی ہیں، ملک مسلمانوں کا ہو اور کفر کی کھلی تبلیغ ہو یہ احکام اسلامیہ کی کتنی بڑی خلاف ورزی ہے؟ اس کو اصحاب اقتدار نہیں سوچتے۔ فالله یهدیهم۔

جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جزیہ تو وہ ہے جو آپس کی رضامندی اور صلح سے مقرر کر لیا جائے۔ جتنی مقدار پر اتفاق ہو جائے اسی قدر لے لیا جائے اس میں ہر فرد سے وصول کرنے کی ضرورت نہیں ان کے جو ذمہ دار ہوں وہ جس طرح چاہیں آپس میں وصولیابی کر کے امیر المؤمنین کو پہنچا دیں۔ سالانہ ماہانہ جتنے جتنے وقفہ کے بعد لینا دینا طے ہو اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ نجران سے یوں معاملہ فرمایا تھا کہ پوری جماعت سالانہ دو ہزار حلہ ادا کیا کرے حلہ دو چادروں کو کہتے ہیں یعنی ایک تہبند اور ایک چادر اور ہر حلے کی قیمت کا اندازہ بھی طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ (چاندی) کی قیمت کا ہو گا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اور ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی اور $\frac{1}{5}$ رتی ہوتا تھا۔

ایک دوسری صورت یہ ہے کہ امیر المؤمنین ان کے ملک پر قابض ہو کر انہیں ان کی املاک پر باقی رکھے اور ان پر فی کس مخصوص رقم مقرر کر دے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مالدار آدمی پر سالانہ اڑتالیس درہم مقرر کیے تھے جن میں سے ہر ماہ چار درہم ادا کرنا لازم تھا اور جو شخص متوسط درجے کا مالدار ہو اس پر چوبیس درہم مقرر کیے تھے۔ ہر ماہ اس سے دو درہم لیے جاتے تھے اور جو شخص مالدار نہ ہو مزدوری کر کے کھاتا کماتا ہو اس پر بارہ درہم کی ادائیگی لازم کی تھی جس میں سے ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔

مسئلہ: عورت، بچہ اپاہج اور وہ نادار جو محنت کر کے کمانے کے لائق نہیں اور وہ لوگ جو اپنے عبادت خانوں میں رہتے ہوں لوگوں سے ان کا میل ملاپ نہ ہو ان لوگوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

مسئلہ: اہل کتاب بت پرست، آتش پرست ان سب سے جزیہ لیا جائے گا۔ البتہ اہل عرب جو بت پرست ہیں ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

مسئلہ: مسلمانوں میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ ان سے بھی یہ کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لیے تلوار ہے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۣابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ عِيسى ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ لا مُستَنَدَ لَهُم عَلَيهِ بَل يُضَاهِــُٔوْنَ يُشَابِهُونَ بِهِ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ مِنْ آبَائِهِمْ تَقْلِيْدًا لَهُمْ قٰتَلَهُمُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى كَيْفَ يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ يُصرَفُونَ عَنِ الحَقِّ مَعَ قِيَامِ الدَّلِيلِ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ

عُلَمَاءَ الْيَهُوْدِ وَ رُهْبَانَهُمْ عُبَّادَ النَّصٰرٰى اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَيْثُ اتَّبَعُوْهُمْ فِىْ تَحْلِيْلِ مَا حُرِّمَ وَ
تَحْرِيْمِ مَا اُحِلَّ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اَىْ بِاَنْ يَعْبُدُوْا
اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ شَرْعَهٗ
وَبَرَاهِيْنَهٗ بِاَفْوَاهِهِمْ بِاَقْوَالِهِمْ فِيْهِ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ يُظْهِرَ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ ذٰلِكَ هُوَ
الَّذِىْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ مُحَمَّدًا بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يُغَلِّبَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ
الْمُخَالِفَةِ لَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ ذٰلِكَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ
لَيَاْكُلُوْنَ يَاْخُذُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ كَالرُّشٰى فِى الْحُكْمِ وَ يَصُدُّوْنَ النَّاسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
دِيْنِهٖ وَ الَّذِيْنَ مبتدأ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا اَىِ الْكُنُوْزَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اَىْ لَا يُؤَدُّوْنَ
مِنْهَا حَقَّهٗ مِنَ الزَّكٰوةِ وَالْخَيْرِ فَبَشِّرْهُمْ اَخْبِرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ مُؤْلِمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ
جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى تُحْرَقُ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ تُوَسَّعُ جُلُوْدُهُمْ حَتّٰى تُوْضَعَ عَلَيْهِ
كُلُّهَا وَيُقَالُ لَهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵ اَىْ جَزَاءَهٗ اِنَّ عِدَّةَ
الشُّهُوْرِ الْمُعْتَدِّ بِهَا لِلسَّنَةِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَىِ الشُّهُوْرِ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ مُحَرَّمَةٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبٌ ذٰلِكَ اَىْ
تَحْرِيْمُهَا الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ الْمُسْتَقِيْمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَىِ الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ اَنْفُسَكُمْ بِالْمَعَاصِىْ
فَاِنَّهَا فِيْهَا اَعْظَمُ وِزْرًا وَقِيْلَ فِى الْاَشْهُرِ كُلِّهَا وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۤفَّةً اَىْ جَمِيْعًا فِىْ كُلِّ الشُّهُوْرِ
كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۤفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶ بِالْعَوْنِ وَ النَّصْرِ اِنَّمَا النَّسِىْٓءُ اَىِ التَّاْخِيْرُ
لِحُرْمَةِ شَهْرٍ اِلٰى اٰخَرَ كَمَا كَانَتِ الْجَاهِلِيَّةُ تَفْعَلُهٗ مِنْ تَاْخِيْرِ حُرْمَةِ الْمُحَرَّمِ اِذَا اَهَلَّ وَهُمْ فِى الْقِتَالِ اِلٰى
صَفَرٍ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ لِكُفْرِهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ فِيْهِ يُضَلُّ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِهَا بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ اَىِ
النَّسِىْءَ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا يُوَافِقُوْا بِتَحْلِيْلِ شَهْرٍ وَتَحْرِيْمِ اٰخَرَ بَدَلَهٗ عِدَّةَ عَدَدَ مَا حَرَّمَ

اللّٰهُ مِنَ الْاَشْهُرِ فَلَا يَزِيْدُوْنَ عَلٰى تَحْرِيْمِ اَرْبَعَةٍ وَّلَا يَنْقُصُوْنَ وَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلٰى اَعْيَانِهَا فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ
اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ فَظَنُّوْهُ حَسَنًا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷ ع ۵/۸ ۱۱

ترجمہ: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ الخ اور یہود نے کہا کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے' اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے (محض) ان کے منہ کی بات ہے (جس پر ان کے پاس کوئی سند ودلیل نہیں ہے۔ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (يُضَاهِـُٔوْنَ بمعنی يُشَابِهُوْنَ کے ہے) بلکہ یہ لوگ (یعنی اہل کتاب) بھی اگلے کافروں کے قول کے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں (یعنی اپنے باپ دادا کی تقلید کر کے، اللہ ان کو غارت کرے (ان پر اللہ کی لعنت ہو) یہ کدھر بھٹکے جارہے ہیں یعنی دلیل قائم ہونے کے باوجود حق سے بھرے جارہے ہیں۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ الخ انہوں نے اپنے عالموں کو (علماء یہود کو) اور اپنے درویشوں کو (مشائخ نصاریٰ کو) رب بنا رکھا ہے خدا کو چھوڑ کر (اس اعتبار سے کہ ان لوگوں نے اتباع کر رکھی ہے ان علماء مشائخ کی حرام کی ہوئی چیز کے حلال کرنے میں اور حلال کی ہوئی چیز کے حرام کرنے میں؛ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ اور مسیح ابن مریم (علیہ السلام) کو بھی (ایک اعتبار سے رب بنا رکھا ہے حالانکہ یہ لوگ نہیں حکم دئے گئے (توریت اور انجیل میں) مگر اس بات کا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان کے شرک سے پاک (منزہ) ہے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔوْا الخ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی اللہ کے دین اسلام اور اس کے دلائل کو اپنے مونہوں سے (اپنی باتوں سے) بجھا دیں حالانکہ اس کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلا دے (غالب کردے) اگرچہ کافروں کو (یہ) برا معلوم ہو۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ الخ وہی اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ (دنیا میں) بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے (جو اس کے مخالف ہوں) اگرچہ مشرکین کو (یہ) برا معلوم ہو۔ اے ایمان والو! اکثر احبار ورہبان (یعنی یہود ونصاریٰ کے علماء ومشائخ) البتہ کھا جاتے ہیں (لے لیتے ہیں) لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے) جیسے مقدمات کے فیصلے میں رشوت لینا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یعنی اللہ کے دین میں روکتے ہیں)۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ الخ (الذین مبتدا ہے) اور جو لوگ سونا، چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو (یعنی جمع کردہ خزانوں کو) اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی ان خزانوں میں سے مالی حقوق یعنی زکوٰۃ وخیرات ادا نہیں کرتے) سو آپ (اے نبی) ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی (جس کا ایک سال کے لئے شمار کیا گیا ہے بارہ مہینے میں کتاب الٰہی (یعنی لوح محفوظ) میں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (ان بارہ مہینوں میں سے) چار مہینے حرمت والے ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب)۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (یعنی ان مہینوں کی تحریم، محترم وباحرمت ہونا) دین مستقیم ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ الخ پس تم ان مہینوں میں (یعنی اشہر حرم میں) اپنی جانوں پر ظلم مت کرو (گناہوں کے ذریعہ یعنی ان مقدس ومحترم مہینوں میں گناہ مت کرو کیونکہ ان مہینوں میں گناہ عظیم تر ہے۔ ان بارہ مہینوں میں گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم مت کرو۔ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً

الخ اور تم تمام مشرکوں سے لڑو (یعنی سب سے اور سب مہینوں میں لڑو جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت اور مدد کے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَا مُسْتَنَدَ لَهُمْ :اس سے اشارہ کیا کہ بلا دلیل بات وہ فقط منہ کا بول اور نرا ڈھول ہے۔

قوله: بِهٖ :اس سے مراد وہ قول ہے۔اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ جار مجرور مقدر ہے اور ضمیر قول کی طرف راجع ہے۔

قوله: قُتِلَهُمْ :یہ بد دعا ہے اس لئے عطف نہیں کیا گیا۔

قوله: حَيْثُ اِتَّبَعُوْهُمْ :اس سے اشارہ کیا کہ ان کا رب بنانا ان کے ساتھ معاملے سے لازم آتا ہے۔

قوله: بِاَنْ يَعْبُدُوْا :لام یہ باکے معنی میں ہے۔

قوله: شَرَعَه :نُوْرَ اللّٰهِ سے مراد شریعت الٰہیہ ہے۔وہ نور ذاتی مراد نہیں۔

قوله: بِاَقْوَالِهِمْ :(منہ) محل کا ذکر کر کے مال مراد لیا گیا ہے۔

قوله: يُظْهِرَ :یعنی اتمام کا معنی اظہار و غلبہ ہے۔

قوله: الْمُخَالِفَةِ لَه :اس کو مقدر مان کر بتلایا کہ مخالف ادیان مراد ہیں۔

قوله: يَاخُذُوْنَ :کھانے کو استعارہ کے طور پر لینے اور حاصل کرنے کے معنی میں لیا ہے۔کیونکہ اس کی منجملہ اغراض میں بڑی غرض یہی ہے۔

قوله: مبتدأ :اس سے اشارہ کیا واؤ عاطفہ نہیں کیونکہ سابقہ کلام کا تعلق کفار سے ہے۔

قوله: الْكُنُوْزَ :ضمیر کنوز کی يَكْنِزُوْنَ سے سمجھ آتی ہے کیونکہ عام طور پر سونا و چاندی اس سے سمجھی جاتی ہے اور خصوصاً ان کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ مالداری کا قانون ہیں۔

قوله: لَا يُؤَدُّوْنَ :تمام کا تذکرہ کر کے جزء مراد لیا۔

قوله: اَخْبِرْهُمْ :سے اشارہ کیا کہ یہ ان کے حق میں مقولے کی تاویل میں ہے۔

قوله: تُوْسَعُ :اس کے جسم کو بڑھا دیا جائے گا۔

قوله: وَيُقَالُ لَهُمْ :اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کے بغیر کلام منتظم نہیں بنتا۔

قوله: جَزَاؤُه :اس سے اشارہ کیا کہ جزاء محذوف ہے۔

قوله: مُحَرَّمَةٌ :یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: بِالْمَعَاصِي: جمہور فرماتے ہیں کہ ظلم سے یہاں مراد معاصی ہیں متبادر معنی مرادنہیں۔

قوله: جَمِيْعًا: یہ کافۃ مصدر ہے کف عن الشئی تمام مل کر زیادتی سے روکنے والے ہیں۔

قوله: بِحُكْمِ اللّٰهِ: وہ حلت وحرمت ہے جو اپنی طرف سے کرنا کفر ہے جس کو انہوں نے اپنے کفر کے ساتھ ملالیا۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ....

اہل کتاب کے فضائح اور قبائح کا بیان:

(ربط): گزشتہ آیات میں مشرکین کے قبائح کا بیان ہوا اب اہل کتاب کے قبائح اور فضائح اور ان کے عقائد باطلہ اور افعال شرکیہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کی طرح اہل کتاب بھی دین حق کے مطیع اور فرمانبردار نہیں اور ان کی طرح یہ مستوجب قتل وقتال ہیں اس لیے اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کے عقائد باطلہ اور ان کے کفریات قولیہ وفعلیہ اور جہالت علیہ کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں تا کہ گزشتہ آیت میں جو اہل کتاب کے متعلق لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ فرمایا تھا اس کی کسی قدر تفصیل ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اہل کتاب کے متعلق جو قتال اور جزیہ کا حکم دیا گیا اس کی وجہ ان کے یہ اعمال کفریہ ہیں۔ اول یہود سے شروع فرمایا کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ عقیدہ یہود کے تمام فرقوں کا نہیں بلکہ ان میں کے ایک خاص فرقہ کا ہے جو بقول بعض علماء مدینہ کے بعض یہود یعنی یہود بنی قریظہ تھے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شام کے بعض یہودی بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے اس سرزنش اور توبیخ کا مخاطب یہی فرقہ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور ابوانس اور شاس بن قیس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا۔

کیف نتبعک و قد ترکت قبلتنا وانت لا تزعم ان عزیر ابن اللہ۔ رواہ ابن اسحاق وابن جریر
(تفسیر درمنثور ص229 ج3 ودیکھو تفسیر کبیر ص620 ج3)

ہم کیسے آپ کی پیروی کریں درانحالیکہ آپ نے قبلہ (بیت المقدس) چھوڑ دیا اور آپ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے
(ابن اسحاق وابن جریر نے روایت کیا)

اس سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود مدینہ رہتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت زیر خدا کے بیٹے تھے اس آیت کا نزول اس خاص فرقہ کے بارے میں ہوا جن کا یہ عقیدہ تھا۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اس عقیدہ کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھی (دیکھو زاد المسیر ص424 ج3) امام ابوبکر رازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہود میں کا ایک خاص فرقہ اس کا قائل تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں تمام یہودی اس کے قائل نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہود کی ایک خاص جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جن میں سلام بن مشکم اور

نعمان بن اوفی اور شاس بن قیس اور مالک بن صیف تھے ان لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عزیر کے متعلق یہ کہا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اب اس فرقہ کا کوئی وجود نہیں اور ہمارے علم میں اب کوئی اس کا قائل نہیں واللہ اعلم۔

(دیکھو احکام القرآن للامام الجصاص ص 103 ج 3)

(قال تعالیٰ و قالت الیهود عزیر ابن قیل اراد به فرقة من الیهود و قالت ذلک و الدلیل علی ذلک ان الیهود قد سمعت ذالک فی عهد النبی ﷺ فلم تنکره و المراد فرقة منهم لا جمیعهم کقولک جاءنی بنو تمیم و المراد بعضهم قال ابن عباس قال ذلک جماعة من الیهود جاءوا الی النبی ﷺ فقالون ذلک وهم سلام بن مشکم و نعمان اوفی و شماس بن قیس و مالک بن الصیف فانز الله تعالیٰ هذه الایة و لیس فی الیهود من یقول ذلک الان فیما نعلم و نما کانت فرقة منهم قال تذلک فانقرضت۔

(کذا فی احکام القرآن ص 103 ج 3)

غرض یہ تھی کہ حق جل شانہ نے اس آیت میں اول یہود کے اس خاص فرقہ کا ذکر کیا جو حضرت عزیر کو خدا تعالیٰ کا فرزند کہتے تھے بعد ازاں نصاریٰ کا حال بیان کیا جو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے یہود اور نصاریٰ اس عقیدہ میں مشرکین کے ہم نوا ہیں جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں بتلاتے تھے۔

پھر یہود و نصاریٰ نے فقط حضرت عزیر اور حضرت مسیح کے خدا بنانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے احبار اور رہبان کو بھی خدا بنالیا بایں صورت کہ ان کے احبار و رہبان جو فتویٰ دیتے وہ اس کو حکم الٰہی کے برابر مانتے اور ان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کے احکام کا بدل سمجھتے احبار و رہبان کو رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قول کو اپنا دین اور ایمان سمجھے کہ جو وہ کہیں مان لیں اور جس چیز منع کریں اسے چھوڑ دیں پس اس قسم کے جرائم کی بناء پر حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان لوگوں سے جہاد و قتال کرو یہاں تک کہ یہ لوگ ذلت و خواری کے ساتھ جزیہ دینا قبول کریں

(پہلا جرم) ان لوگوں کا یہ ہے کہ دین الٰہی کے مطیع اور فرمانبردار نہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔

(دوم) یہ کہ یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہود اور نصاریٰ اگرچہ اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہیں مگر فقدان توحید کی وجہ سے وہ ایمان کالعدم قرار دیا گیا۔

(سوم) یہ کہ اپنے احبار و رہبان کو حلال اور حرام کا مختار مطلق قرار دیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاتباع سمجھا بجائے دین حق کے اتباع کے احبار و رہبان کے اتباع کو مدار نجات جانا اور نصاریٰ نے بہت سے محرمات کو محض پولوس کے مباح کر دینے سے حلال مان لیا۔ حالانکہ توریت میں ان چیزوں کی حرمت صراحتاً موجود ہے اور آج کل کے نصاریٰ کا تو حال ہی نہ پوچھو ان لوگوں نے تو شراب اور زنا سب کو حلال کر لیا جو تمام شریعتوں میں حرام تھا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے اپنے احبار و رہبان کو حق تشریع عطا کیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاطاعت سمجھا اور ظاہر ہے کہ تشریع احکام اور تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا اور ائمہ دین جو فتویٰ دیتے ہیں وہ کتاب و سنت سے استنباط کر کے دیتے ہیں ان کا اتباع درحقیقت خدا اور رسول کا اتباع ہے ائمہ دین

اس لیے ان کا اتباع کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ اہل کتاب بھی شرک میں مشرکین کے مشابہ ہیں اگر چہ شرک کا طریقہ مختلف ہے مشرکین بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ لوگ حضرت مسیح کی پرستش کرتے ہیں۔ شرک میں دونوں شریک ہیں بلکہ ایک اعتبار سے عابد مسیح عابد صنم سے شرک میں بڑھ کر ہے اس لیے کہ عابد مسیح کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ معاذ اللہ مسیح بن مریم میں حلول کر آیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرح مسیح بھی خالق عالم اور مدبر عالم ہے۔ اور مشرکین کا بتوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں۔
(دیکھو تفسیر کبیر ص620 ج4)

چونکہ اہل کتاب نے دین حق کو قبول نہیں کیا۔ اس لیے یہود نے تو یہ کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے یہ کہا عیسیٰ مسیح اللہ کا بیٹا ہے ان کی منہ کی باتیں ہیں۔ محض ان کی زبانوں سے نکلی ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت اور اصلیت ہے اور نہ کوئی سند اور نہ کوئی دلیل ہے کما قال تعالیٰ: وما جعل ادعیائکم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم . اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا. مالھم بہ من علم ولا لآبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا.

ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہود اس کے قائل ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ سو جاننا چاہئے کہ ظاہری عموم مراد نہیں بلکہ ایک خاص فرقہ مراد ہے جو آں حضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھا اور مدینہ میں رہتا تھا انہوں نے آں حضرت ﷺ کے زمانے میں یہ بات کہی تھی جس پر یہ آیت اتری اور یہود کو پڑھ کر سنائی گئی مگر کسی نے اس آیت کو سن کر انکار نہیں کیا اور نہ اس کی تکذیب کی حالانکہ وہ آں حضرت ﷺ کی بات بات میں تکذیب کرتے تھے اور آپ کے سخت دشمن تھے۔ اگر عہد نبوی میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا ضرور تھا کہ یہود اس وقت قرآن کی تکذیب اور تغلیط کرتے یہ کیسے ممکن ہے کہ دشمن طعنہ چین کی طرف ایک غلط عقیدہ منسوب کیا جائے اور وہ سن کر خاموش بیٹھا رہے اور اس پر کوئی اعتراض نہ کرے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعد میں یہودیوں نے اس عقیدہ کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا ہو مگر قرآن میں اس عقیدہ کا درج ہونا اور ایک عرصہ دراز تک کسی یہودی کا اس پر اعتراض نہ کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہود متقدمین میں یہ عقیدہ رائج تھا گو فی الحال کوئی یہودی اس کا قائل نہ رہا ہو لہٰذا کسی کا قرآن کریم کی اس حکایت پر اعتراض کرنا کہ یہودیوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں یہ اعتراض غلط ہے جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت اس عقیدہ کے لوگ مدینہ میں موجود تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اور علی ہذا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بھی نصاریٰ کے ایک گروہ کا قول ہے سب کا نہیں مگر عام طور پر نصاریٰ میں یہ عقیدہ رائج ہے اس لیے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

عقیدۂ ابنیت کا آغاز کیسے ہوا؟

امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اکیاسی سال تک عیسائی دین حق پر قائم رہے بعد میں ان میں اور یہود میں لڑائی چھڑ گئی یہودیوں میں ایک شخص جس کا نام بولس (پولوس) تھا بڑا شجاع تھا اس نے

عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی ایک جماعت کو قتل کیا اور چونکہ وہ عیسائیوں کا سخت دشمن تھا اس لیے اس نے ان کے گمراہ کرنے کی ایک تدبیر نکالی وہ یہ کہ ایک روز یہودیوں سے یہ کہا کہ اگر بالفرض عیسیٰ (علیہ السلام) حق پر ہوں تو ہمارے کافر اور دوزخی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اگر عیسائی جنت میں گئے اور ہم دوزخ میں گئے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی حیلہ سے ان کو گمراہ کروں تا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ یہود کو یہ سمجھا کر اپنے اس گھوڑے پر سوا ہوا جس پر سوار ہو کر عیسائیوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے سر پر مٹی ڈالی اور اپنے اس فعل سے ندامت اور توبہ ظاہر کرتا ہوا نصاریٰ کے مجمع میں آیا تو انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا میں تمہارا دشمن پولوس ہوں مجھ کو آسمان سے یہ ندا آئی ہے تیری توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک تو نصرانی نہیں ہوگا اس لیے میں یہودیت سے تائب ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں انہوں نے اس کو کلیسا میں داخل کر کے نصرانی بنالیا اور اس کو ایک حجرے میں جگہ دے دی سال بھر تک وہ وہاں رہا اور اس عرصہ میں اس نے انجیل کی تعلیم حاصل کی ایک سال کے بعد اس نے کہا مجھے آسمان سے یہ ندا دی گئی ہے کہ اللہ نے تیری توبہ قبول کی۔ نصاریٰ نے اس کے اس قول کی تصدیق کی اور ان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی اور ان کی نظروں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا۔ جب نصاریٰ میں اس کی شان بڑھ گئی تو بیت المقدس چلا گیا اور وہاں جا کر مخفی طور پر اپنی تعلیم کے لیے تین آدمیوں کو منتخب کیا۔ ایک کا نام نسطور دوسرے کا نام یعقوب اور تیسرے کا نام ملکان تھا ان تینوں کو اپنا شاگرد بنایا۔ نسطور کو یہ تعلیم دی کہ عیسیٰ اور مریم اور خدا یہ تین خدا ہیں اور یعقوب کو یہ سکھایا کہ عیسیٰ انسان نہیں تھا بلکہ وہ خدا کا بیٹا تھا اور ملکان کو یہ پڑھایا کہ عیسیٰ بعینہ اللہ ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جب یہ تعلیم ان کے دلوں میں گھر کر گئی تو اس نے ان میں سے ہر ایک کو خلوت میں بلایا اور کہا کہ تو میرا خاص اور معتمد رفیق ہے فلاں ملک میں چلا جا اور وہاں جا کر لوگوں کو یہ تعلیم دے اور انجیل کی طرف لوگوں کو بلا۔ پھر اس نے لوگوں کو بلا کر یہ کہا کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ مجھ سے راضی ہو گئے ہیں اور اب میں عیسیٰ کے نام پر اپنی جان قربان کروں گا پھر وہ مذبح میں گیا اور اپنے آپ کو ذبح کر لیا پھر اس کے تینوں شاگرد ملک میں متفرق ہو گئے ایک روم میں پہنچا دوسرا بیت المقدس اور تیسرا کسی اور ملک میں اور ان میں سے ہر ایک نے لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف بلایا اور جو پولوس نے اس کو تعلیم دی تھی اس میں لوگوں نے ان کا اتباع کی اس طرح عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے

(تفسیر کبیر ص 631 ج 4)

اہل کتاب اس قول کے ذریعہ سے اگلے کافروں کے قول سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کا عقیدہ ابنیت یا الوہیت پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے جس طرح وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسی طرح یہ عزیر اور مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔ توحید کی روشنی کو چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی طرف جا رہے ہیں۔

یہ تو ان کے اقوال کفریہ کا بیان تھا اب آگے ان کے افعال کفریہ ذکر کرتے ہیں کہ ان اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے کہ جو فتویٰ دیدیں اس کو حکم خداوندی کی طرح واجب العمل سمجھتے ہیں اور ان کے قول کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں اگرچہ وہ توریت اور انجیل کے نصوص کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو ایسی بے چون و چرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے جو شرک ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں عالم کا قول عوام کو سند ہے جب کہ وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہا یا طمع سے کہا تو پھر سند نہیں، اور ان لوگوں نے مسیح بن مریم کو بھی رب بنایا حالانکہ تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی پرستش کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں نہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت ہے اور نہ کسی کی بے چون وچرا اطاعت واجب ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ بیٹی ہے یہ تو بیان تھا اتباع باطل اور دین حق سے انحراف کا اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ دین حق کے ابطال اور اس کی رد میں کس درجہ ساعی اور کوشاں ہیں۔ وہ یہ کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور ہدایت کو یعنی دین اسلام کو اپنے مونہوں سے پھونک مار مار کر بجھادیں یعنی دین اسلام کا نور اور آفتاب ہدایت چمک اٹھا ہے یہ لوگ اپنے واہی تباہی اعتراضات سے دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے ہیں کہ وہ پھیلنے نہ پائے گویا کہ یہ لوگ پھونکیں مار کر سورج کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلادے اگرچہ کافروں کو برا معلوم ہو یعنی یہ کافر دین اسلام کے مٹانے کی لاکھ کوشش کریں بھلا کہیں ان کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اللہ اپنے نور کو تمام جہان میں پھیلادے گا اور یہ کافر اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں گے۔ چراغ ہو تو منہ کی پھونکوں سے بجھ بھی جائے بھلا کہیں آفتاب کا نور بھی پھونکوں سے بجھتا سنا ہے اور نور اسلام تو آفتاب کے نور سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہے وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے۔ اگرچہ مشرکین کو برا معلوم ہو اس آیت میں غلبہ اسلام کی پیش گوئی ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا اور قیامت تک باقی رہے گا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ....

یہود ونصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں:

اس آیت میں اول تو اہل کتاب کے علماء اور مشائخ یعنی درویشی اختیار کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ یہ لوگ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ پرہیز بھی کرتے ہوں گے اس لیے لفظ کثیرا کا اضافہ فرمادیا۔ ان کا باطل طریقہ پر مال کھانا اس طرح سے تھا کہ توریت شریف میں تحریف کرتے تھے اور اپنے پاس سے احکام بنادیتے تھے اور اس پر اپنے عوام سے پیسے لے کر کھا جاتے تھے۔ اہل ایمان کو خطاب فرما کر اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی حرام خوری کا تذکرہ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اندر بھی اس طرح کے علماء اور مشائخ ہو سکتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جھوٹے پیر جو گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا یہی حال ہے۔ نہ صاحب شریعت، نہ صاحب طریقت اندر سے خالی ہیں۔ تصوف سے عاری ہیں طالب دنیا ہیں فکر آخرت نہیں خوف وخشیت نہیں تقویٰ نہیں۔ لوگوں سے مال وصول کرنے کے لیے طرح طرح کے ڈھنگ بنا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے، جو کچھ کسی شخص کو اس کے دیندار اور صالح ہونے کے خیال سے دیا جائے اس کا لینا اس شخص کے لیے حلال نہیں ہے جو اندر سے فاسق ہو، اگر دینے والے کو اس کا اندرونی حال معلوم ہوتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان لوگوں نے رسول اللہ

ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جن کے تشریف لانے کا انتظار تھا لیکن ان لوگوں نے آپ کی صفات کو بدل دیا اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا جو طریقہ اسلام کے عہد اول میں تھا ابھی تک وہی ہے یہودیت اور نصرانیت کے ذمہ دار یہ جانتے ہوئے کہ اسلام دین حق ہے نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری جماعتیں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ مختلف طریقوں سے یہ لوگ مسلمان نوجوانوں کو اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مال کا لالچ بھی دیتے ہیں۔ عورتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان نوجوان ان کے قابو میں نہیں آتے جب اسلام دل میں رچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے قلوب کی گہرائی سے نہیں نکال سکتی۔ جتنے اموال کفر اور شرک کو پھیلانے کے لیے خرچ کیے جاتے ہیں اور اسلام کو پھیلنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ صفر کے درجہ میں ہی رہتا ہے۔

اسلام کے عہد اول سے جو دشمنان اسلام کی کوششیں رہی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں ان کو دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت مکہ مکرمہ کے ایک گھر سے بھی آگے نہ بڑھتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو آگے بڑھایا اور کروڑوں افراد اس وقت سے آج تک اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور برابر داخل ہو رہے ہیں۔ دشمنوں کی کوششیں فیل ہیں۔ اسلام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ پھیل رہا ہے۔ یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور ایشیاء کے بہت سے ممالک کے غیر مسلم اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اسلام قبول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب انشاء اللہ رکنے والا نہیں ہے دلیل و حجت سے اسلام ہمیشہ غالب ہے اور اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بھی اب پورے عالم میں گھر گھر میں داخل ہو رہا ہے۔

دشمنان اسلام ہمیشہ سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل اسلام کے ساتھ ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری کوششیں اسلام کے خلاف کامیاب نہیں ہیں پھر بھی اپنی ناسمجھی سے اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا پھر بھی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ یورپ امریکہ میں لاکھوں مسلمان رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کی اذانیں سنتے ہیں۔ نمازیں دیکھتے ہیں۔ اسلام پھیل رہا ہے۔ چرچ بک رہے ہیں۔ ان کی جگہ مسجدیں بن رہی ہیں پھر بھی ہوش کی آنکھیں نہیں کھولتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کی مخالفت سے اسلام کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جو لوگ کفر اور شرک والے ادیان کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے عوام کو اسلام پر آنے نہیں دیتے۔ اور ان کو کفر ہی پر مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنتوں کے باوجود ان کے عوام کے دل اپنے دین سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرکاری کاغذات میں پیدائشی طور پر ان کا جو دین لکھ دیا گیا تھا وہ دل سے اس سے منحرف ہیں گو زبان سے اظہار نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان کے عوام کا اپنے دینوں سے قلوب کے اعتبار سے منحرف ہونا انشاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گا۔ اور وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔

جو لوگ ادیان باطلہ کے داعی اور قائد ہیں وہ اپنی جانوں اور اپنی عوام کی جانوں پر رحم کھائیں اور اسلام قبول کریں اور اپنے عوام کو بھی اس کی دعوت دیں اگر یہ لوگ اسلام کی طرف آگے نہ بڑھے تو انہیں میں سے آگے بڑھنے والے، آگے بڑھ جائیں گے اور اسلام قبول کر کے ان پر لعنت کریں گے جو اسلام سے روکتے رہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے اپنے

کو اور اپنے عوام کو بچائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیں۔ ہم بالکل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے لیے وعید ذکر فرمائی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یَکْنِزُوْنَ کو ماقبل پر معطوف نہیں فرمایا بلکہ اسم موصول لا کر مستقل جملہ کے ذریعہ چاندی سونا جمع کرنے والوں کے لیے وعید بیان فرمائی الفاظ کے عموم میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ بھی داخل ہیں جو مال جمع کرنے کی وجہ سے توریت شریف کے احکام میں تحریف کرتے تھے اور اس امت کے وہ افراد بھی مراد ہیں جو سونا چاندی جمع کریں اور اس میں سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں خرچ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا (وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ) (اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے) بشارت خوش کرنے والی چیز کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہ مال جمع کرنے کو اپنے لیے اچھا سمجھتے تھے، ان کے گمان کے برخلاف ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ عذاب کو اچھا سمجھتے ہو تو خوش ہو جاؤ۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا....

پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے کفر و شرک، گمراہی اور بداعمالیوں کا ذکر تھا، ان دو آیتوں میں بھی اسی سلسلہ کا ایک مضمون اور عرب جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم بد کا بیان اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی ہدایت ہے وہ رسم بد ایک واقعہ سے متعلق ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے اور ان میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے تین مہینے مسلسل ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب کا۔
تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے، سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل و قتال بھی ممنوع تھا۔
مکہ مکرمہ کے عرب چونکہ اسمٰعیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں، اس لئے یہ سب لوگ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نبوت و رسالت کے قائل اور ان کی شریعت کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، اور چونکہ ملت ابراہیم میں بھی ان چار مہینوں (یعنی اشہر حرم) میں قتل و قتال اور شکار ممنوع تھا، عرب جاہلیت پر اس حکم کی تعمیل اس لئے سخت دشوار تھی کہ دور جاہلیت میں قتل و قتال ہی ان کا پیشہ بن کر رہ گیا تھا، اس لئے اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لئے طرح طرح کے حیلے نکالے کبھی اشہر حرم کے کسی مہینہ میں جنگ کی ضرورت پیش آئی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا اگلا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً محرم آگیا تو کہتے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں بلکہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا، اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا، یا یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا، محرم بعد میں آئے گا اس طرح محرم کو صفر بنا دیا، غرض سال بھر میں چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے لیکن لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعیین کا لحاظ نہ کرتے تھے، جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں جس کو چاہیں مقدم

کردیں جس کو چاہیں موخر کردیں، اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے گذر گئے اور سال کے صرف دو ہی مہینے باقی رہ گئے تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے، اور کہتے کہ اب کے برس سال چودہ مہینوں کا ہوگا، اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے۔ غرض دین ابراہیمی کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل وقتال سے باز رہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے جو ترتیب مہینوں کی متعین فرمائی اور اسی ترتیب سے چار مہینوں کو اشہر حرم قرار دیا، اس میں طرح طرح کی تاویلیں کرکے اپنی اغراض نفسانی کو پورا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہوگیا تھا کہ کونسا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کونسا ذی القعدہ ذی الحجہ یا رجب کا ہے، ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبر کو موسم حج میں تمام کفار ومشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگرچہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا، مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ کا قرار پایا تھا، اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی القعدہ مقرر تھا، پھر ۱۰ھ میں جب رسول کریم ﷺ نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ((ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموت والارض)) یعنی زمانہ پھر پھرا کر پھر اپنی اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، یعنی جو مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔

یہ تھی وہ رسم جاہلیت جو مہینوں کی تعداد اور ترتیب اور تعیین میں کمی بیشی اور ردوبدل کرکے کی جاتی تھی، جس کے نتیجہ میں ان تمام احکام شرعیہ میں خلل آتا تھا جو کسی خاص مہینہ یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق ہیں، یا جو سال کے شروع یا ختم سے متعلق ہیں، مثلاً عشرہ ذی الحجہ میں احکام حج اور عشرہ محرم کے روزے اور ختم سال پر زکوٰۃ وغیرہ کے احکام۔

بات تو مختصری تھی کہ مہینہ کا نام بدل کر مقدم وموخر کر دیا کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیا لیکن اس کے نتیجہ میں سینکڑوں احکام شرعیہ کی تحریف ہو کر عمل برباد ہوا، قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں اس رسم جاہلیت کی خرابی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہے: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، اس میں لفظ عدۃ تعداد کے معنی میں ہے اور شہور شہر کی جمع ہے، شہر کے معنی مہینہ ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے اس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔

اس کے بعد فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ کا لفظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ بات ازل سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی، پھر يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فرما کر اشارہ کر دیا کہ قضاء خداوندی اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہو چکی تھی، لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعیین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان زمین پیدا کئے گئے۔

پھر ارشاد فرمایا: مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، ان کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا، ایک تو اس لئے کہ ان میں قتل وقتال حرام ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں، ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے، ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہوگیا، مگر دوسرا حکم احترام وادب اور ان

میں عبادت گزاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ یوم النحر میں رسول کریم ﷺ نے ان مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک مہینہ رجب کا ہے، مگر ماہ رجب کے معاملہ میں عرب کے دو قول مشہور تھے، بعض قبائل اس مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں، اس قبیلہ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کو رجب مضر فرما کر یہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے، اس سے ماہ رجب مراد ہے۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ، یہ ہے دین مستقیم یعنی مہینوں کی تعیین اور ترتیب اور ان میں ہر مہینہ خصوصاً اشہر حرم کے متعلق جو احکام ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم ازلی کے مطابق رکھنا ہی دین مستقیم ہے، اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تغیر و تبدل کرنا کج فہمی اور کج طبعی کی علامت ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ یعنی ان مقدس مہینوں میں تم اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا کہ ان کے معینہ احکام و احترام کی خلاف ورزی کر دیا ان میں عبادت گذاری میں کوتاہی کرو۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں سے بچائے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔

یہاں تک مشرکین مکہ کی ایک خاص رسم جاہلیت کا بیان اور اس کا ابطال تھا، آخر آیت میں پھر اس حکم کا اعادہ ہے جو شروع سورۃ میں دیا گیا تھا کہ میعاد معاہدہ ختم ہونے کے بعد تمام مشرکین و کفار سے جہاد واجب ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلٰى غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانُوْا فِيْ عُسْرَةٍ وَشِدَّةِ حَرٍّ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الْمُثَلَّثَةِ وَاجْتِلَابِ هَمْزَةِ الْوَصْلِ اَيْ تَبَاطَأْتُمْ وَمِلْتُمْ عَنِ الْجِهَادِ اِلَى الْاَرْضِ ؕ وَالْقُعُوْدِ فِيْهَا وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِيْخِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَذَّاتِهَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ اَيْ بَدَلَ نَعِيْمِهَا فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي جَنْبِ مَتَاعِ الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٣٨﴾ حَقِيْرٌ اِلَّا بِاِدْغَامِ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ لَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ تَنْفِرُوْا تَخْرُجُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْجِهَادِ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ مُؤْلِمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اَيْ يَاْتِ بِهِمْ بَدَلَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ اَيِ اللّٰهَ اَوِ النَّبِيَّ شَيْئًا ؕ بِتَرْكِ نَصْرِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُ دِيْنِهٖ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُ نَصْرُ دِيْنِهٖ وَنَبِيِّهٖ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ اَيِ النَّبِيَّ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ

حِينَ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَكَّةَ اَىْ اَلْجَاَهُ اِلَى الْخُرُوْجِ لِمَّا اَرَادُوْ قَتْلَهُ اَوْ حَبْسَهُ اَوْ نَفْيَهُ بِدَارِ النَّدْوَةِ
ثَانِىَ اثْنَيْنِ حَالٌ اَىْ اَحَدُ اثْنَيْنِ وَالْاٰخَرُ اَبُوْبَكْرٍ الْمَعْنٰى نَصَرَهُ فِىْ مِثْلِ تِلْكَ الْحَالَةِ فَلَا يَخْذُلُهُ فِىْ غَيْرِهَا
اِذْ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهُ هُمَا فِى الْغَارِ نَقْبٌ فِىْ جَبَلِ ثَوْرٍ اِذْ بَدَلٌ ثَانٍ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ اَبِىْ بَكْرٍ وَقَدْ قَالَ لَهُ
لَمَّا رَاٰى اَقْدَامَ الْمُشْرِكِيْنَ لَوْ نَظَرَ اَحَدُهُمْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ لَاَبْصَرَنَا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ بِنَصْرِهٖ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ طُمَاْنِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ قِيْلَ عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيْلَ عَلٰى اَبِىْ بَكْرٍ وَاَيَّدَهٗ
اَىِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا مَلٰٓئِكَةٍ فِى الْغَارِ وَمَوَاطِنَ قِتَالِهٖ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا اَىْ دَعْوَةَ الشِّرْكِ السُّفْلٰى ۭ الْمَغْلُوْبَةَ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ اَىْ كَلِمَةُ الشَّهَادَةِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ الظَّاهِرَةُ
الْغَالِيَةُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ فِىْ مُلْكِهٖ حَكِيْمٌ (۴۰) فِىْ صُنْعِهٖ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا نِشَاطًا وَغَيْرَ نُشَاطٍ وَقِيْلَ
اَقْوِيَاءَ وَضُعَفَاءَ اَوْ اَغْنِيَاءَ وَفُقَرَاءَ وَهِىَ مَنْسُوْخَةٌ بِاٰيَةِ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ الخ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ
اَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۴۱) اَنَّهٗ خَيْرٌ لَّكُمْ فَلَا تَثَاقَلُوْا وَنَزَلَ فِى
الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ تَخَلَّفُوْا لَوْ كَانَ مَا دَعَوْتَهُمْ اِلَيْهِ عَرَضًا مَتَاعًا مِنَ الدُّنْيَا قَرِيْبًا سَهْلَ الْمَاْخَذِ وَّسَفَرًا
قَاصِدًا اَوْسَطًا لَّاتَّبَعُوْكَ طَلَبًا لِلْغَنِيْمَةِ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ الْمَسَافَةُ فَتَخَلَّفُوْا وَ
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ لَوِ اسْتَطَعْنَا الْخُرُوْجَ لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ
ع ۶ ۵ ۱۲ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (۴۲) ع فِىْ قَوْلِهِمْ ذٰلِكَ

ترجمہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین کی طرف گرے جارہے ہو۔ (اثَّاقَلْتُمْ اصل میں تثاقلتم تھا تاء کو ثاء مثلثہ سے بدل کر تاء میں ادغام کر کے ہمزہ وصل لے آئے۔ تَبَاطَئْتُمْ وَمِلْتُمْ عَنِ الْجِهَادِ یعنی تم لوگ جہاد کے لئے اٹھنے اور چلنے میں تاخیر کر کے زمین یعنی وطن کی طرف بیٹھے رہنے کی طرف مائل ہو رہے ہو۔ اور استفہام توبیخ یعنی تنبیہ کے لئے ہے۔ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ کیا تم دنیا کی زندگی پر (اور اس کی لذتوں پر) بمقابلہ آخرت کے (یعنی آخرت کی نعمت کے بدلے) راضی ہو گئے؟ سو دنیا کی زندگی کا نفع تو آخرت کے (نفع کے) مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل (حقیر) ہے۔ اِلَّا تَنْفِرُوْا الخ (الا اس میں ان شرطیہ کا ادغام ہے نفی میں دونوں جگہوں میں اگر (نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے) نہیں نکلو گے تو اللہ

تعالیٰ تم کو دردناک (تکلیف دہ) عذاب دیگا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا (یعنی تمہارے بدلے ان لوگوں کو لے آئے گا اور تم اس کو (یعنی اللہ کو یا نبی کو) کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے (اس کی مدد چھوڑ کر اس لئے کہ اللہ اپنے دین کی مدد کرنے والا ہے) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (اور اسی میں اپنے دین اور اپنے نبی کی مدد بھی شامل ہے)۔ وَلَا تَضُرُّوْهُ اگر تم لوگ اس کی (یعنی اس کے نبی کی) مدد نہیں کرو گے پس تحقیق اللہ انکی مدد کر چکا ہے اس وقت جب کہ کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکالا (یعنی کفار مکہ نے آپ کو نکلنے پر مجبور دیا تھا جب کفار مکہ نے دارالندوہ میں مشورہ کر کے ارادہ کر لیا تھا آپ کے قتل یا قید یا شہر بدر کرنے کا) ایسی حالت میں کہ وہ رسول دو میں کے دوسرے تھے) ثَانِيَ اثْنَيْنِ حال ہے اخرجہ کی ضمیر سے یعنی اس حال میں آپ کو نکالا کہ آپ صرف دو میں سے ایک آپ تھے اور دوسرے ابوبکر تھے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی اس نازک حالت میں مدد فرمائی تو اسکے علاوہ دوسرے حال میں بھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ الخ (اذ بدل ہے ماقبل کے اذ سے ہے) جب کہ وہ دونوں غار میں (یعنی کوہ ثور کے سوراخ میں) چھپے تھے اذ یقول لصاحبہ الخ (جب حضرت ابو بکرؓ نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا تو آنحضرت ﷺ سے کہا یا رسول اللہ اگر ان مشرکین میں سے کسی نے اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے، آپؐ نے فرمایا: تم غم نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بعض منافقین کو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دیدی تھی اپنے اجتہاد سے اس پر بطور تنبیہ آپؐ کے لئے کلام نازل ہوا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اثَّاقَلْتُمْ: یہ اصل میں تثاقلتم ہے ملتی اختیار کرنا۔

قوله: وَمِلْتُمْ عَنِ الْجِهَادِ: اس کو مقدر مانا کیونکہ الی تثاقل کا صلہ نہیں بن سکتا اور اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ میلان کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: بَدَلَ نَعِيْمِهَا: من مقابلہ کے لئے ہے ابتدائیہ نہیں مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ متروک آخرت کی نعمتیں ہوئیں ذات آخرت کا ترک نہیں۔

قوله: يَاْتِ بِهِمْ: یعنی ایک قوم ماخوذ ہے متروک نہیں کیونکہ جس کی طرف فعل بذات خود متعدی ہو وہ ماخوذ ہوتا ہے بخلاف لفظ تبدیل کے۔

قوله: اَيِ النَّبِيَّ: ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جیسا سابقہ کلام میں کیونکہ اس کی ذات کسی کی محتاج نہیں۔

قوله: اَحَدُ: یعنی آپ دو میں سے ایک تھے یہ نہیں کہ آپ دو کے مغائر ہوں اور ان کے تیسرے ہوں۔

قوله: اَلْمَغْلُوْبَۃَ: شِرک کو نیچا کرنا مطلوب کرنا کہلاتا ہے۔

قوله: فَلَا تَثَاقَلُوْا: یہ جزاء محذوف ہے نہ کہ ما قبل

قوله: مَتَاعًا مِنَ الدُّنْيَا: دنیا کے منافع جو پیش نظر ہوتے ہیں۔

قوله: الشُّقَّةُ: اس سے مراد وہ سفر ہے جو مشقت آمیز ہو۔

قوله: يُهْلِكُوْنَ: یہ سَيَحْلِفُوْنَ کا بدل ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ....

قصہ غزوۂ تبوک اور مسلمانوں کو جہاد و قتال کی تاکید اور منافقوں کو تہدید شدید:

آیات مذکورہ میں رسول کریم ﷺ کے غزوات میں سے ایک اہم غزوہ کا بیان اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام اور ہدایات ہیں، یہ غزوہ غزوہ تبوک کے نام سے موسوم ہے اور رسول کریم ﷺ کا تقریباً آخری غزوہ ہے۔

تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے، شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھا، رسول کریم ﷺ ۸ ہجری میں جب فتح مکہ اور غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اس وقت جزیرۃ العرب کے اہم حصے اسلامی حکومت کے زیر نگیں آچکے تھے اور مشرکین مکہ کی ہشت سالہ مسلسل جنگوں کے بعد اب مسلمانوں کو ذرا سکون کا وقت ملا تھا۔

مگر جس ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ نازل فرما کر پورے عالم کی فتوحات اور اس میں اپنے دین حق کو غالب کرنے کی بشارت دے دی تھی اس کو اور اس کے رفقاء کار کو فرصت کہاں، مدینہ پہونچتے ہی ملک شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگ جو شام سے زیتون کا تیل لا کر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ شاہ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام تبوک میں سرحد شام پر جمع کر دی ہیں اور فوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی دے کر مطمئن اور خوش کر دیا ہے، اور عرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی ساز باز ہے ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں۔

جب رسول کریم ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے یہ ارادہ فرمالیا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پیش قدمی کر کے وہیں مقابلہ کیا جائے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں۔ (تفسیر مظہری بحوالہ محمد بن یوسف صالحی)

یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا، اور مدینہ کے حضرات عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پورے سال کے گزارہ کا مدار تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیبیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہو جاتی ہیں اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم پر خالی ہاتھ ہوتے ہیں،

ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب آمدنی کی امید، اس پر مزید موسم گرما کی شدت اس قوم کے لئے جس کو ابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ سال مسلسل جنگوں کے بعد ذرا دم لینے کا موقع ملا تھا، ایک انتہائی صبر آزما امتحان تھا۔

مگر وقت کا تقاضا تھا اور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لئے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی، اور یہاں ہرقل شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ تھا، اس لئے رسول کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کو اس جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیدیا، اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکت جہاد کے لئے دعوت دی تھی۔

یہ اعلان عام اسلام کے فداکاروں کا ایک سخت امتحان تھا، اور منافق دعویداروں کا امتیاز بھی، اس کے علاوہ لازمی نتیجہ کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہوگئے، قرآن کریم نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جدا جدا ارشادات فرمائے ہیں۔

ایک حالت ان کامل مکمل حضرات کی تھی جو بلا تردد جہاد کے لئے تیار ہوگئے، دوسرے وہ لوگ جو ابتداء کچھ تردد کے بعد ساتھ ہوگئے، ان دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا: الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ. یعنی وہ لوگ قابل مدح ہیں جنہوں نے سخت تنگی کے وقت رسول کریم کا اتباع کیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے قلوب لغزش کرنے لگے تھے۔

تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بنا پر اس جہاد میں نہ جاسکے، اس کے متعلق قرآن کریم نے: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى. میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرمادیا۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کاہلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اور وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اور وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا. تینوں آیتیں ایسے ہی حضرات کے بارے میں نازل ہوئیں، جن میں ان کی کاہلی پر زجر و تنبیہ بھی ہے اور بالآخر ان کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت بھی۔

پانچواں طبقہ منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو چھپا نہ سکا اور شرکت جہاد سے الگ رہا، اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔

چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہولیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے: وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ. وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ. وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا.

لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکت جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگئے، اسی لئے اس جہاد میں نکلنے والے اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی، جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہرقل شاہ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب

طاری ہوگیا، مقابلہ پر نہیں آیا، رسول کریم ﷺ اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہوگئے تو واپس تشریف لے آئے۔

جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بنا پر شریک جہاد نہیں ہوئے، پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا، جس کے ضمن میں یہ بھی واضح ہوگیا کہ:

دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تمام جرائم کی بنیاد ہے: کیونکہ مرض کا جو سبب اور علاج اس جگہ بیان فرمایا گیا ہے اگرچہ اس جگہ اس کا تعلق ایک خاص واقعہ سے تھا، لیکن اگر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی سستی اور غفلت اور تمام جرائم اور گناہوں کا اصلی سبب یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے اسی لئے حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((حب الدنیا راس کل خطیئۃ)) یعنی دنیا کی محبت ہر خطاء وگناہ کی بنیاد ہے اسی لئے آیت مذکورہ میں فرمایا گیا کہ:

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا کہ جب تمہیں اللہ کے راستہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین کو لگے جاتے ہو (حرکت کرنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کے بدلے صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہوگئے۔

تشخیص مرض کے بعد اس کا علاج اگلے جملہ میں اس طرح ارشاد ہوا کہ:

دنیوی زندگی سے نفع اٹھانا تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل وحقیر ہے" جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی فکر آخرت کی دائمی زندگی کی چاہئے، اور یہ فکر آخرت ہی درحقیقت سارے امراض کا واحد اور مکمل علاج ہے اور انسداد جرائم کے لئے بے نظیر نسخہ اکسیر ہے۔

عقائد اسلام کے بنیادی اصول تین ہیں، توحید، رسالت اور آخرت، ان میں عقیدہ آخرت درحقیقت اصلاح عمل کی روح اور جرائم اور گناہوں کے آگے ایک آہنی دیوار ہے، اگر غور کیا جائے تو بدیہی طور پر معلوم ہوگا کہ دنیا میں امن وسکون اس عقیدہ کے بغیر قائم ہی نہیں ہوسکتا آج کی دنیا میں مادی ترقیات اپنے شباب کو پہنچی ہوئی ہیں، جرائم کے انسداد کے لئے بھی کسی ملک و قوم میں مادی تدبیروں کی کوئی کمی نہیں، قانون کی جکڑ بندی اور اس کے لئے انتظامی مشینری روز بروز ترقی پر ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی آنکھوں دیکھا حال ہے کہ جرائم ہر جگہ اور ہر قوم میں روز بروز ترقی ہی پر ہیں، ہماری نظر میں اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ مرض کی تشخیص اور علاج کا رخ صحیح نہیں، مرض کا سرچشمہ مادہ پرستی اور مادیات میں انہماک اور آخرت سے غفلت و اعراض ہے، اور اس کا واحد علاج ذکر اللہ اور آخرت کی فکر ہے، جس وقت اور جس جگہ بھی دنیا میں اس اکسیری نسخہ کو استعمال کیا گیا پوری قوم اور اس کا معاشرہ صحیح انسانیت کی تصویر بن کر فرشتوں کے لئے قابل رشک ہوگیا، عہد رسالت اور عہد صحابہ کرام کا مشاہدہ اس کے لئے کافی دلیل ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ....

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے:

اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول کریم ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے

کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اوّل تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غارِ ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو ناکام واپس کر دینا اور پھر غارِ ثور سے نکال کر پیچھا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سفرِ ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر لٹا دیا اور آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں اس پر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، وہ لوگ آپ کو تلاش کرنے کے لیے چل دیئے۔ اور غارِ ثور کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) آپ نے تین دن غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتے تھے۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکڑی نے غار کے دروازہ پر جالا بن دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جالا ٹوٹا ہوا ہوتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی نازل فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ غمگین نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

غارِ ثور کے ذکر کے ساتھ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا بھی فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کی ایسے لشکروں کے ذریعہ سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ ان لشکروں سے کیا مراد ہے صاحب معالم التنزیل نے اس بارے میں تین قول لکھے ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لیے بھیجے گئے تھے کہ کافروں کی آنکھوں کو پھیر دیں۔ اور ان کی نظریں آپ پر نہ پڑیں۔ دوم یہ کہ فرشتوں نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے واپس ہو گئے۔ سوم یہ کہ خاص اسی موقعہ پر فرشتے نازل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بدر میں مدد کے لیے جو فرشتے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ گویا وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا جملہ مستانفہ ہے جس میں بدر کے موقعہ پر جو مدد ہوئی تھی وہ یاد دلائی، پھر فرمایا: وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى (اور اللہ نے کافروں کے کلمہ کو نیچا کر دیا) اس سے کلمہ شرک مراد ہے جو قیامت تک کے لیے نیچا ہو گیا۔ شرک والے اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے، وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کلمۃ اللہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ یہ ہمیشہ سے بلند ہے اور بلند رہے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ کافروں کے کلمہ سے ان کا وہ مشورہ مراد ہے جس میں انہوں نے طے کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت مراد ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۹۶ ج ۲)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسی کا ارادہ غالب ہے وہ حکیم بھی ہے اس کی طرف سے کبھی ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان مشکلات میں پھنس

جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات دے دیتا ہے۔اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ اہل ایمان کا ایمان مضبوط تر ہو جائے اور پھر مشکلات و مصائب سے نہیں گھبراتے،اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے اہل ایمان کو بڑی بڑی مشکلات سے نجات دی ہے۔

فائدہ: اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ سفر ہجرت میں اور غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے خادم خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ جو فرمایا اس سے حضرت ابوبکر ہی مراد ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں ان کے صاحب ہونے کی تصریح ہے اس لیے حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی صحابیت کا منکر کافر ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لیا، یار غار بنایا۔انہوں نے پورے سفر میں خدمت کی تکلیفیں اٹھائیں،سواری کا انتظام کیا اپنے غلام کو روزانہ دودھ بھیجنے پر مامور کیا،ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر روزانہ رات کو حاضر ہوتے تھے اور مشرکین کے مشوروں سے مطلع کرتے تھے۔یہ ساری محنت اور قربانی روافض کے نزدیک کوئی چیز نہیں (دشمن کو تو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے) ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر تھے۔ان کی بات سے رسول اللہ ﷺ پر حرف آتا ہے کہ آپ نے ایک کافر کو ساتھ لیا اور اپنا رفیق سفر اور راز دار بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لیا جبکہ وہ مخلص مسلمان تھے۔ان بغض رکھنے والوں کو اور کوئی بات نہ ملی تو یہ نکتہ نکالا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور پر کافروں کے پہنچنے سے گھبرا گئے۔یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔یہ امور طبعیہ میں سے ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے جب ان کے سامنے جادوگروں نے لاٹھیاں ڈالیں اور وہ سانپ بن گئیں تو ان کے جی میں خوف کا احساس ہوا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس سے پہلے ان کی لاٹھی کو سانپ بنا کر پھر سانپ کی لاٹھی بنا کر دکھا دیا تھا اور جب فرعون کو تبلیغ کرنے کے لیے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا: (لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى) اس سب کے باوجود جب جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی صورت میں نظر آئیں تو طبعی طور پر خوف محسوس کرنے لگے۔یہ خوف طبعی تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی غار ثور کے منہ پر دشمنوں کے پہنچنے سے طبعی طور پر فکر لاحق ہو گیا تو اس میں کون سے اشکال و اعتراض کی بات ہے؟ روافض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انزال سکینہ کا ذکر فرماتے ہوئے: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ فرمایا علیہما نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل نہیں ہوئی۔یہ بھی ان لوگوں کی ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بلا واسطہ سکینہ نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے تسلی دی آپ نے: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا مَعَنَا میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلا شبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) روافض اس کو نہیں دیکھتے اور عَلَيْهِ کی ضمیر کو دیکھتے ہیں۔اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ عَلَيْهِ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں۔ایک یہ کہ اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہو۔اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ضمیر راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔یہ بھی درست ہے بلکہ اقرب ہے کیونکہ قریب ترین مرجع صاحبہ ہے اور یہ احتمال اس لیے بھی اقرب ہے کہ حضرت صدیق اکبر ہی کو فکر لاحق ہوئی تھی جسے فکر لاحق ہو انزال سکینہ اسی پر ہونا چاہیے۔یہ بالکل قرین قیاس ہے۔رسول اللہ ﷺ تو بہت ہی مطمئن تھے اور آپ کو پہلے ہی سے سکینہ حاصل تھا۔ورنہ گھبراہٹ کا الزام رسول اللہ ﷺ پر آجاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بزدلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا: ان اقتل فانا رجل واحد و ان قتلت هلكت الامة (اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک مقتول ہوگئی تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی)۔

درمنثور (ص ۲٤۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔
پھر جب غار ثور میں پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف دہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر انہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ملا لہٰذا انہوں نے اس پر ایڑھی لگا دی اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر بلا لیا۔ آپ تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی آنکھ نہ کھل جائے سوراخ کے منہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذرا سی حرکت کی۔ تکلیف کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے تو کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپ نے اپنا لعابِ مبارک لگا دیا جس کی وجہ سے ان کی تکلیف جاتی رہی۔ (درمنثور ص ۲٤۱ ج ۲ و مشکوٰۃ المصابیح ص ٥٥٦)
اس جاں نثاری اور فداکاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ لِصَاحِبِہٖ سے ساتھی ہونا مراد ہے صحابی ہونا نہیں۔ یہ بھی ان کی جہالت کی بات ہے۔ صحابی اسی کو تو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت ایمان دیکھ لے اور ایمان پر اس کی موت ہو جائے۔ سورۃ الفتح میں شرکاء حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے جو فرمایا ہے: (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ) اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مؤمن ہونے کی بھی شہادت ہے اور سکینہ نازل ہونے کی بھی، بیعت حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی تھی اگر انزال سکینہ ایمان کے لیے شرط ہے تو حدیبیہ کے تمام حاضرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمانے کی خبر دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لیکن کچھ لوگ نہ اللہ سے راضی ہیں نہ اللہ کے رسول سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کفر کے قائل ہیں اور انہیں یہ فکر نہیں کہ ہمیں خود مسلمان ہونا چاہیے۔ قرآن کا منکر اپنے ایمان کی فکر تو کرے۔ جسے شقاوت گھیر لے اور جس پر گمراہی مسلط ہو جائے اسے کہاں

سے ہدایت نصیب ہوگی۔ (فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ) (پس بے شک ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنیے۔ ان کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو وہ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن عمر (رضی اللہ عنہ) کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ رات تو یہی غار ثور والی جس کا ذکر اوپر ہوا اور دن وہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہوگئے ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہ دیں گے اور بعض نے کہا نہ نماز پڑھیں گے نہ زکوٰۃ دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے ان سے جہاد کا اعلان فرمادیا۔ میں خیر خواہ بن کر ان کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ لوگوں کو مانوس رکھئے اور نرمی اختیار فرمایئے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم جاہلیت کے زمانہ میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بزدل بن گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ وحی آنا ختم ہوگیا۔ اللہ کی قسم اگر ایک رتی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ کی مد میں دیتے تھے اور اسے روک لیں گے۔ تب بھی ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اللہ کی قسم ان کی رائے صحیح تھی ان کا یہ دن بھی ایسا ہے کہ میرے سارے اعمال اس کے برابر نہیں ہوسکتے۔ (درمنثور ص ۲۴۲ ج ۳)

وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذِنَ لِجَمَاعَةٍ فِي التَّخَلُّفِ بِاجْتِهَادٍ مِنْهُ فَنَزَلَ عِتَابًا لَهُ وَقَدَّمَ الْعَفْوَ تَطْمِيْنًا لِقَلْبِهِ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ فِي التَّخَلُّفِ وَهَلَّا تَرَكْتَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فِي الْعُذْرِ وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ فِيْهِ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فِي التَّخَلُّفِ عَنْ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ فِي التَّخَلُّفِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ شَكَّتْ قُلُوْبُهُمْ فِي الدِّيْنِ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَتَحَيَّرُوْنَ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً اُهْبَةً مِنَ الْاٰلَةِ وَالزَّادِ وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ اَيْ لَمْ يُرِدْ خُرُوْجَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ كَسَّلَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ الْمَرْضٰى وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ اَيْ قَدَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا فَسَادًا بِتَخْذِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ اَيْ اَسْرَعُوْا بَيْنَكُمْ بِالْمَشْيِ بِالنَّمِيْمَةِ يَبْغُوْنَكُمُ اَيْ يَطْلُبُوْنَ لَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ بِاِلْقَاءِ الْعَدَاوَةِ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ مَا يَقُوْلُوْنَ سَمَاعَ قُبُوْلٍ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ لَكَ مِنْ قَبْلُ اَوَّلَ مَا قَدِمْتَ الْمَدِيْنَةَ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ اَيْ اَجَالُوا الْفِكْرَ فِيْ كَيْدِكَ وَاِبْطَالِ دِيْنِكَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ النَّصْرُ وَظَهَرَ عَزَّ اَمْرُ اللّٰهِ دِيْنُهٗ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ لَهٗ فَدَخَلُوْا فِيْهِ ظَاهِرًا وَمِنْهُمْ

مَنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ فِي التَّخَلُّفِ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ وَهُوَ الْجَدُّ بْنُ قَيْسٍ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ هَلْ لَكَ فِيْ جِلَادِ بَنِيْ
الْاَصْفَرِ فَقَالَ اِنِّيْ مُغْرَمٌ بِالنِّسَآءِ وَاَخْشٰى اِنْ رَأَيْتُ نِسَآءَ بَنِي الْاَصْفَرِ اَنْ لَا اَصْبِرَ عَنْهُنَّ فَاَفْتَتِنُ قَالَ تَعَالٰى
اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ بِالتَّخَلُّفِ وَقُرِئَ سَقَطَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَا مَحِيْصَ لَهُمْ
عَنْهَا اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ كَنَصْرٍ وَغَنِيْمَةٍ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ شِدَّةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا
اَمْرَنَا بِالْحَزْمِ حِيْنَ تَخَلَّفْنَا مِنْ قَبْلُ قَبْلَ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةِ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ بِمَا اَصَابَكَ قُلْ
لَّهُمْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ اِصَابَتَهُ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ نَاصِرُنَا وَمُتَوَلِّيْ اُمُوْرِنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ اَيْ تَنْتَظِرُوْنَ اَنْ يَّقَعَ بِنَآ اِلَّآ
اِحْدَى الْعَاقِبَتَيْنِ الْحُسْنَيَيْنِ ؕ تَثْنِيَةُ حُسْنٰى تَانِيْثُ اَحْسَنَ النَّصْرُ اَوِ الشَّهَادَةُ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ نَنْتَظِرُ
بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ بِقَارِعَةٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ بِاَنْ يَّاذَنَ لَنَا بِقِتَالِكُمْ
فَتَرَبَّصُوْٓا بِنَا ذٰلِكَ اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾ عَاقِبَتَكُمْ قُلْ اَنْفِقُوْا فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ
يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ مَا اَنْفَقْتُمُوْهُ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَالْاَمْرُ هُنَا بِمَعْنَى الْخَبَرِ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ
تُقْبَلَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ فَاعِلُ مَنَعَهُمْ وَاَنْ تُقْبَلَ مَفْعُوْلُهُ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَ
لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى مُتَثَاقِلُوْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾ النَّفَقَةَ لِاَنَّهُمْ يَعُدُّوْنَهَا
مَغْرَمًا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اَيْ لَا تَسْتَحْسِنْ نِعَمَنَا عَلَيْهِمْ فَهِيَ اِسْتِدْرَاجٌ اِنَّمَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ اَيْ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بِمَا يَلْقَوْنَ فِيْ جَمْعِهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ وَفِيْهَا
مِنَ الْمَصَائِبِ وَتَزْهَقَ تَخْرُجَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَيُعَذِّبُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اَشَدَّ الْعَذَابِ وَ
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ اَيْ مُؤْمِنُوْنَ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ خَافُوْنَ اَنْ
تَفْعَلُوْا بِهِمْ كَالْمُشْرِكِيْنَ فَيَحْلِفُوْنَ تَقِيَّةً لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً يَلْجَاُوْنَ اِلَيْهِ اَوْ مَغٰرٰتٍ سَرَادِيْبَ اَوْ
مُدَّخَلًا مَوْضِعًا يَدْخُلُوْنَهُ لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ يُسْرِعُوْنَ فِيْ دُخُوْلِهٖ وَالْاِنْصِرَافِ عَنْكُمْ
اِسْرَاعًا لَا يَرُدُّهُ شَيْءٌ كَالْفَرَسِ الْجَمُوْحِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ يَعِيْبُكَ فِيْ قَسْمِ الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا

مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ مِنَ الْغَنَائِمِ وَنَحْوِهَا وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اٰتٰهُمُ

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا كَافِيْنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ مِنْ غَنِيْمَةٍ اُخْرٰى

ع ۱۴ مَا يَكْفِيْنَا اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَنْ يُّغْنِيْنَا وَجَوَابُ لَوْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

ترجمہ: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ الخ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے لوگوں کو (جہاد سے پیچھے رہنے کی) اجازت کیوں دیدی (اور کیوں نہیں آپ نے انکو ان کے حال پر چھوڑ دیا' یہاں تک کہ آپ پر وہ لوگ ظاہر ہو جاتے جو لوگ (اپنے عذر میں) سچے ہیں اور آپ جان لیتے ان لوگوں کو جو (اپنے عذر میں) جھوٹ بولنے والے ہیں' جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ویقین رکھتے ہیں وہ اپنی جانوں سے جہاد کرنے کے بارے میں پیچھے رہنے کے متعلق کبھی) اجازت نہ مانگیں گے۔ اور اللہ پر ہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الخ (التَّخَلُّفِ کی یعنی جہاد سے پیچھے رہنے کی) آپ سے اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں (دین اسلام کے بارے میں (سو وہ اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں (سرگرداں پھرتے ہیں)۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ الخ اور اگر وہ لوگ (آپ کے ساتھ) نکلنے کا ارادہ کرتے تو ضرور اس کے لئے کوئی سامان تیار کرتے۔ اُهْبَةً: ساز وسامان یعنی ہتھیار اور زاد راہ کچھ' لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا پسند نہیں کیا (یعنی ان کے نکلنے کو نہیں چاہا) اس لئے اللہ نے ان کو حرکت کرنے سے روک دیا (ان کو کاہل اور بوجھل کر دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا تم لوگ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو (یعنی جس طرح اپاہج مریض لوگ اور عورتیں اور بچے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا۔ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ الخ اگر وہ لوگ تم میں شامل ہو کر (جہاد کے لئے) نکلتے تو سوائے فتنہ وفساد کے اور کوئی شئی زیادہ نہ کرتے (مسلمانوں کو ذلیل کر کے فساد برپا کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پھیلانے کے لئے دوڑے دوڑے پھرتے (یعنی تمہارے درمیان چغلیاں پھیلانے میں تیزی کرتے وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ اور تم میں بعض ان کے جاسوس بھی ہیں یعنی جو وہ لوگ کہتے ہیں اس کو سماع قبول کرتے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ الخ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی (آپ کے لئے) فتنہ پردازی کی فکر میں لگ چکے ہیں (جب شروع شروع میں آپ مدینہ آئے۔ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ الخ اور (اس کے علاوہ بھی) آپ کی کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے (یعنی آپ کی تدبیر اور آپ کے دین کو باطل وبرباد کرنے میں فکر دوڑاتے رہے) یہاں تک کہ اللہ کا حق وعدہ (مدد کا وعدہ) آ گیا اللہ کا حکم (اللہ کا دین) غالب رہا اور اسلام کی فتح وسربلند کو ناپسند کرتے رہے اس سے ناخوش تھے مگر ظاہراً اس دین میں داخل ہو گئے)۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ الخ اور ان منافقوں میں سے بعض شخص وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھ کو (جہاد میں نہ جانے یعنی گھر بیٹھ رہنے کی) اجازت دیدیجئے اور مجھ کو فتنہ میں نہ ڈالئے (اور وہ منافق (جد بن قیس تھا جس سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی الاصفر یعنی رومیوں سے قتال وجہاد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو جد نے عرض کیا میں عورتوں کا دلدادہ شیفتہ آدمی ہوں اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے رومیوں کی عورتوں کو دیکھ لیا تو صبر وضبط نہ کر سکونگا اور فتنہ میں پڑ جاؤں گا حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا خوب سن لو کہ یہ لوگ فتنہ میں تو پڑ ہی

چکے ہیں (تخلف کے ذریعہ یعنی جہاد سے باز رہ کر اور ایک قراءت میں سقط ہے اور بے شک دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (جس سے انکو چھٹکارا نہیں ہے)۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ الخ اگر آپ کو کوئی بھلائی (مثلاً غیبی مدد اور مال غنیمت) پہونچتی ہے تو ان کو بری معلوم ہوتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت (مشقت) پہونچتی ہے تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا معاملہ اختیار کرلیا تھا (دانائی اور دور اندیشی کے ذریعہ جس وقت جو ہم نے تخلف کیا) اس (مصیبت) سے پہلے۔ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ اور (یہ کہہ کر) چلے جاتے ہیں خوش خوش (آپ کی مصیبت سے)۔ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا ... اے نبی آپ ان (منافقوں) سے فرما دیجئے کہ ہم کو ہرگز نہیں پہونچے گی مگر وہ چیز جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے (جس مصیبت کا پہونچنا) وہی ہمارا مالک ہے) وہی ہمارا مددگار و کارساز ہے) اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ اصل میں تتربصون تھا اس میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے اصل میں) آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں (دو انجاموں) ہی میں سے ایک بھلائی کے (وقوع کے) منتظر رہتے ہو (لفظ حسنیین تثنیہ ہے حسنی کا جو احسن کا مؤنث ہے اور دو بھلائیوں سے مراد امداد الٰہی یا شہادت ہے۔ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تم پر عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے (آسمانی عذاب) یا ہمارے ہاتھوں سے (بایں طور کہ تمہارے قتل کی ہم کو اجازت دیدے) پس تم ہمارے انجام کے منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ (تمہارے انجام کے) منتظر ہیں قُلْ اَنْفِقُوْا اے نبی آپ ان منافقین سے خرچ کے متعلق کہہ دیجئے کہ تم (طاعت الٰہی میں) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا (کیونکہ بلاشبہ تم نافرمانی کرنے والے لوگ ہو اور یہاں امر بمعنی خبر ہے۔ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ تا کے ساتھ یا کے ساتھ اور ان کی خیرات قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ (مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ کا فاعل ہے اور اَنْ تُقْبَلَ اس کا مفعول ہے)۔ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اور وہ نہیں حاضر ہوتے نماز کے لئے مگر کاہلی کے ساتھ اور (نیک کام میں خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ (کیونکہ وہ اس خرچ کو تاوان سمجھتے ہیں)۔ فَلَا تُعْجِبْكَ الخ تو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں (یعنی ان پر ہماری نعمتوں کو آپ اچھا نہ خیال فرمائیں کیونکہ یہ تو استدراج یعنی ڈھیل ہے اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان ہی (نعمتوں) کے ذریعہ انہیں دنیا کی زندگی میں بھی گرفتار عذاب رکھے (جو مشقت اموال کے جمع کرنے میں پاتے ہیں اور ان کی دیکھ ریکھ حفاظت میں جو مصیبت پہونچتی ہے) اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں (تا کہ آخرت میں انہیں سخت ترین عذاب دے)۔ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ الخ اور یہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تحقیق وہ تم ہی میں سے ہیں (یعنی مسلمان ہیں) حالانکہ (واقع میں) وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ لوگ ڈرپوک ہیں اس بات سے ڈرتے ہیں کہ تم لوگ ان کے ساتھ وہی سلوک کرو گے جو مشرکوں کے ساتھ کرتے چنانچہ بچنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں)۔ وَيَجِدُوْنَ مَلْجَاً اگر یہ پائیں کوئی جائے پناہ (کہ اس میں پناہ لیں) یا کہیں پہاڑ وغیرہ میں) غار (تہ خانے) یا کوئی گھسنے کی جگہ (جس میں یہ لوگ داخل ہو سکیں) تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر اس طرف چل دیتے سرپٹ تیزی کے ساتھ (اور تم سے تیزی کے ساتھ پھر جاتے کہ کوئی چیز ان کو تم لوگوں کی طرف لوٹا نہیں سکتی جیسے بے لگام گھوڑا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ الخ اور ان منافقین میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو

صدقات (تقسیم کرنے) کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا تو اگر ان صدقات میں سے انکو مل جاتا تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے انکو نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے (مال غنیمت وغیرہ میں سے) ان کو دیا اور یہ کہتے کہ ہم کو اللہ کا دیا) کافی ہے قریب ہے کہ آئندہ اللہ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول (دوسرے اموال غنائم میں سے) ہم کو عنایت کریں گے جو ہم کو کفایت کریگا تحقیق ہم (دل سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی ہم کو غنی بنا دے اور لو کا جواب لَوْ لَکَانَ خَيْرًا لَّهُمْ محذوف ہے۔ یعنی یہ ان کے لیے اچھا ہوتا۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فَنَزَلَ عِتَابًا : آپ کو ترک افضل پر عتاب ہو۔

قوله: هَلَّا تَرَكْتَهُمْ : اس کو مقدر ماننا ضروری ہے تاکہ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ کے متعلق ہو سکے۔

قوله: فِي التَّخَلُّفِ : اَنْ یہ محذوف کا صلہ ہے نہ کہ مذکور کا اس کا قرینہ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ ہے۔ اس سے مراد پیچھے رہنے کی فقط اجازت ہے۔ یہ اَنْ تفسیریہ نہیں۔

قوله: لَمْ يُرِدْ خُرُوْجَهُمْ : کرہ اللہ انبعاثهم کی یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا پسند ہی نہ تھا۔

قوله: كَسَّلَهُمْ: یہ ثبط کا معنی کیا یعنی جانے کے لئے ان کا میلان نہایت کمزور تھا۔ یہ تقدیر الٰہی جو ان کے متعلق تھی اس کو تمثیل میں ذکر فرمایا۔

قوله: اَسْرَعُوْا: یہ وضع البیر سے لیا گیا جس کا معنی تیزی کرنا ہے۔ يَبْغُوْنَكُمُ یہ حال ہے۔

قوله: مَا يَقُوْلُوْنَ : مَا يَقُوْلُوْنَ یہ من لهلم کی جگہ مقدر ہے کیونکہ ذوات کا سماع تو محال ہے۔

قوله: بَنِي الْاَصْفَرِ : اصفر حبشی اور اس کی رومی بیوی کی اولاد کو بَنِي الْاَصْفَرِ کہا جاتا ہے۔

قوله: لَا مَحِيْصَ: کوئی پناہ گاہ نہیں یعنی ان کے اسباب کا احاطہ کرنے والا ہے۔

قوله: بِالْحَزْمِ : احتیاطی اور یقینی معاملہ کو اختیار کر لیا۔

قوله: اِصَابَتِه : کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ تا موصولہ کی لوٹنے والی ضمیر مقدر ہے۔

قوله: اَنْ يَّقَعَ : اس کو مقدر مانا تاکہ اشارہ کر دیا جائے کہ تربص کا صلہ الی ہوتا ہے با نہیں۔

قوله: مَا اَنْفَقْتُمُوْهُ : اس میں ماقبل سے ربط کا بیان ہے اَنْفِقُوْا سے سمجھی جانے والی ضمیر نائب فاعل ہے لَنْ يُتَقَبَّلَ کی مطلب یہ ہے تم پسند و ناپسند جو خرچ کرو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔

قوله: مُتَثَاقِلُوْنَ : یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ قصداً اس کو بوجھ قرار دیتے ہیں طبعی طور پر نہیں۔

قوله: يَعُدُّوْنَهَا: یہاں کرامت سے طبعی مراد نہیں بلکہ اختیاری مراد ہے۔
قوله: اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ: اَنْ کو مقدر مانا کیونکہ حرف جر اسم کے خواص سے ہے۔
قوله: تَخْرُجَ اَنْفُسُهُمْ: یعنی مشکل سے ان کی جان نکلے۔
قوله: يَلْجَأُوْنَ اِلَيْهِ: یعنی پہاڑ کی چوٹی یا قلعہ میں پناہ لیں۔
قوله: كَالْفَرَسِ الْجَمُوْحِ: وہ گھوڑا جو سواری کے وقت منہ زور ہو۔
قوله: فِي قَسْمِ الصَّدَقٰتِ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ صدقات کی تقسیم میں وہ طعنہ زنی کرتے ہیں نفس صدقات میں نہیں۔
قوله: كَافِيْنَا اللّٰهُ: حَسْبُنَا مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔
قوله: مَا يَكْفِيْنَا: یہ سَيُؤْتِيْنَا کا مفعول ہے۔
قوله: اَنْ يُّغْنِيَنَا: یعنی فی اَنْ يُّغْنِيَنَا یہ مقدر ماننے سے رٰغِبُوْنَ کے لزوم پر اشکال نہ رہے۔
قوله: وَجَوَابُ لَوْ: جواب اس کا محذوف ہے، اور وہ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ہے اور اس کا ماقبل تمام شرط کے موقع پر ہے۔

تفسیر مقبولین

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ....

اس پورے رکوع کی سترہ آیتوں میں بیشتر ان منافقین کا ذکر ہے، جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے غزوہ تبوک میں نہ جانے کی اجازت رسول کریم ﷺ سے حاصل کر لی تھی، اس کے ضمن میں بہت سے احکام و مسائل اور ہدایات ہیں۔

پہلی آیت میں ایک لطیف انداز سے رسالت مآب ﷺ سے اس بات کی شکایت ہے کہ ان منافقین نے جھوٹ بول کر اپنے آپ کو معذور ظاہر کیا اور آپ نے قبل اس کے کہ ان کے حال کی تحقیق کر کے جھوٹ سچ کا پتہ لگاتے ان کو رخصت دیدی، جس کی بنا پر یہ لوگ خوشیاں مناتے اور یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خوب دھوکہ دیا، اگرچہ اگلی آیتوں میں حق تعالیٰ نے اس کا بھی اظہار فرمایا کہ یہ لوگ محض حیلہ جوئی کے لئے عذر پیش کر رہے تھے، ورنہ اگر ان کو اجازت نہ دی جاتی جب بھی یہ لوگ جانے والے نہ تھے اور ایک آیت میں اس کا بھی اظہار فرمایا کہ اگر بالفرض یہ لوگ اس جہاد میں جاتے بھی تو ان سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا، بلکہ ان کی سازش اور فتنہ پردازی سے اور خطرہ ہوتا۔

لیکن منشاء یہ ہے کہ ان کو اگر اجازت نہ دی جاتی تو پھر بھی یہ جانے والے تو نہ تھے، مگر ان کا نفاق کھل جاتا، اور ان کو مسلمانوں پر یہ طعنے کسنے کا موقع نہ ملتا کہ ہم نے ان کو خوب بیوقوف بنایا، اور مقصد درحقیقت عتاب نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ آئندہ ان لوگوں کی چالوں سے باخبر رہیں، اور صورۃ جو ایک قسم کا عتاب بھی ہے تو کس لطف عنایت کے ساتھ کہ عتاب کی بات جو لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ سے شروع ہوئی ہے، یعنی آپ نے ان لوگوں کو کیوں اجازت دے دی اس کے ذکر کرنے سے پہلے ہی عَفَا

اللّٰہُ عَنْکَ ذکرفرمادیا،جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کومعاف فرمادیا۔

اوررسول کریم ﷺ کے منصب ومقام اورآپ کے تعلق مع اللہ پرنظر رکھنے والے حضرات نے فرمایاہے کہ آنحضرت ﷺ کوجوغایت تعلق حضرت حق جل شانہ کے ساتھ تھااس کے پیش نظرآپ کاقلب مبارک اس کاتحمل ہی نہ کرسکتاتھاکہ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملہ میں آپ سے جواب طلب کیاجائے،اگرشروع میں لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ کے الفاظ ذکرفرمادیئے جاتے جن میں صورۃ جواب طلبی کاعنوان ہے توآنحضرت ﷺ کاقلب مبارک اس کاتحمل نہ کرسکتا،اس لئے اس سے پہلے عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ فرماکرایک طرف تواس پرمطلع کردیاکہ کوئی ایساکام ہوگیاہے جواللہ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا،دوسری طرف اس کی معافی کی اطلاع پہلے دے دی تاکہ اگلاکلام قلب مبارک پرزیادہ شاق نہ ہو۔

اورلفظ معافی سے یہ شبہ نہ کیاجائے کہ معافی توجرم وگناہ کی ہواکرتی ہے،اوررسول اللہ ﷺ گناہ سے معصوم ہیں توپھر معافی کے یہاں کیامعنی ہوسکتے ہیں وجہ یہ ہے کہ معافی جیسے گناہ کی ہوتی ہے ایسی ہی خلاف اولیٰ اورناپسندیدہ چیز کے لئے بھی معافی کااستعمال کیاجاسکتاہے،اوروہ عصمت کے منافی نہیں۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ....

غلط گوغلط کارکفارومنافق:

عذرکرنے والوں کے غلط ہونے کی ایک ظاہری دلیل یہ بھی ہے کہ اگران کاارادہ ہوتاتوکم ازکم سامان سفرتوتیارکرلیتے لیکن یہ تواعلان اورحکم کے بعدبھی کئی دن گذرنے کے باوجودہاتھ پرہاتھ دھرے بیٹھے رہے ایک تنکابھی ادھرسے ادھرنہ کیا دراصل اللہ کوان کاتمہارے ساتھ نکلناپسندہی نہ تھااس لئے انہیں پیچھے ہٹادیااورقدرتی طورپران سے کہہ دیاگیاکہ تم توبیٹھنے والوں کاہی ساتھ دو۔ان کے ساتھ کوناپسندرکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورے نامراداعلیٰ درجے کے بزدل بڑے ہی ڈرپوک ہیں اگریہ تمہارے ساتھ ہوتے توپتہ کھڑکااوربندہ سرکاکی مثل کواصل کردکھاتے اوران کے ساتھ ہی تم میں بھی فسادبرپاہوجاتا۔یہ ادھرکی ادھرادھرکی ادھرلگابکربجھاکربات کابتنگڑبناکرآپس میں پھوٹ اورعداوت ڈلوادیتے اورکوئی نیافتنہ کھڑاکرکے تمہیں آپس میں ہی الجھادیتے۔ان کے ماننے والے ان کے ہم خیال ان کی پالیسی کواچھی نظرسے دیکھنے والے خودتم میں بھی موجود ہیں وہ اپنے بھولے پن سے ان کی شرانگیزیوں سے بے خبررہتے ہیں جس کانتیجہ مؤمنوں کے حق میں نہایت برانکلتاہے آپس میں شروفسادپھیل جاتاہے۔مجاہدوغیرہ کاقول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندرکچھ لوگ ایسے بھی ہیں جوان کے حامی اور ہمدردہیں یہ لوگ تمہاری جاسوسی کرتے رہتے ہیں اورتمہاری پل پل کی خبریں انہیں پہنچاتے رہتے ہیں۔لیکن یہ معنی کرنے سے وہ لطافت باقی نہیں رہتی جوشروع آیت سے ہے یعنی ان لوگوں کاتمہارے ساتھ نہ نکلنااللہ کواس لئے بھی ناپسندرہاکہ تم میں بعضے وہ بھی ہیں جوان کی مان لیاکرتے ہیں یہ توبہت درست ہے لیکن ان کے نہ نکلنے کی وجہ کے لئے جاسوسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔اسی لئے قتادہ وغیرہ مفسرین کایہی قول ہے۔امام محمدبن اسحاق فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول اورجدبن قیس بھی تھااوریہی بڑے بڑے رؤساءاورذی اثرمنافق تھے اللہ نے انہیں دورڈال دیااگریہ ساتھ ہوتے توان کے سامنے ان کی بات مان لینے والے وقت پران کے ساتھ ہوکرمسلمانوں کے نقصان کاباعث بن جاتے محمدی لشکر

میں ابتری پھیل جاتی کیونکہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے ظاہری اسلام اور چرب کلامی پر مفتون تھے اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔ یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی سچ ہے پورا علم اللہ ہی کو ہے غائب حاضر جو ہو چکا ہو اور ہونے والا ہو سب اس پر روشن ہے۔ اسی اپنے علم غیب کی بنا پر وہ فرماتا ہے کہ تم مسلمانو! ان کا نہ نکلنا ہی غنیمت سمجھو یہ ہوتے تو اور فساد و فتنہ برپا کرتے نہ خود جہاد کرتے نہ کرنے دیتے۔ اسی لئے فرمان ہے کہ اگر کفار دوبارہ بھی دنیا میں لوٹائے جائیں تو نئے سرے سے پھر وہی کریں جس سے منع کئے جائیں اور یہ جھوٹے کے جھوٹے ہی رہیں۔ ایک اور آیت میں ہے کہ اگر علم اللہ میں ان کے دلوں میں کوئی بھی خیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ عزوجل انہیں ضرور سنا دیتا لیکن اب تو یہ حال ہے کہ سنیں بھی تو منہ موڑ کر لوٹ جائیں اور جگہ ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ تم آپس میں ہی موت کا کھیل کھیلو یا جلاوطن ہو جاؤ تو سوائے بہت کم لوگوں کے یہ ہرگز اسے نہ کرتے۔ حالانکہ ان کے حق میں بہتر اور اچھا یہی تھا کہ جو نصیحت انہیں کی جائے یہ اسے بجا لائیں تاکہ اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں اور راہ مستقیم دکھائیں۔ ایسی آیتیں اور بھی بہت ساری ہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ....

فتنہ وفساد کی آگ اور منافقین:

اللہ تعالیٰ منافقین سے نفرت دلانے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا بھول گئے مدتوں تو یہ فتنہ وفساد کی آگ سلگاتے رہے ہیں اور تیرے کام کے الٹ دینے کی بیسیوں تدبیریں کر چکے ہیں مدینے میں آپ کا قدم آتے ہی تمام عرب نے ایک ہو کر مصیبتوں کی بارش آپ پر برسا دی۔ باہر سے وہ چڑھ دوڑے اندر سے یہود مدینہ اور منافقین مدینہ نے بغاوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں سب کی کمانیں توڑ دیں ان کے جوڑ ڈھیلے کر دیئے ان کے جوش ٹھنڈے کر دیئے بدر کے معرکے نے ان کے ہوش حواس بھلا دیئے اور ان کے ارمان ذبح کر دیئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے صاف کہہ دیا کہ بس اب یہ لوگ ہمارے بس کے نہیں رہے اب تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ظاہر میں اسلام کی موافقت کی جائے دل میں جو ہے سو ہے وقت آنے دو دیکھا جائے گا اور دکھا دیا جائے گا۔ جیسے جیسے حق کی بلندی اور توحید کا بول بالا ہوتا گیا یہ لوگ حسد کی آگ میں جلتے گئے آخر حق نے قدم جمائے، اللہ کا کلمہ غالب آ گیا اور یہ یونہی سینہ پیٹتے اور ڈنڈے بجاتے رہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ....

اس کے بعد ایک منافق کے بیان کردہ عذر کا تذکرہ کیا اور فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اور ان میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے معالم التنزیل (ص ۲۹۹ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جد بن قیس ایک منافق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے غزوۂ تبوک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کیا تجھے رومیوں سے جنگ کرنے میں رغبت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا حال یہ ہے کہ عورتوں سے مجھے عشق ہے اور عورتوں کو دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا رومیوں کی گورے رنگ کی لڑکیاں دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہوگا آپ

مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے۔ میں مال سے امداد کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے یہ بہانہ تلاش کیا تھا اور منافقت کے سوا اس کی کوئی معذوری نہ تھی۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کو اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (خبردار! وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا اور منافقت اختیار کرنا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (۴۹) (اور بلاشبہ جہنم کافروں کو اپنے گھیرے میں لینے والی ہے) یہ ان کے اس فتنہ کی سزا ہے جس میں وہ پڑ چکے ہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ....

منافقین کی بدباطنی کا مزید تذکرہ:

ان آیات میں منافقین کی مزید بدباطنی کا اظہار فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ ایمان کے مدعی ہیں کہ آپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے ان کا یہ حال ہے کہ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے مثلاً دشمن سے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بری لگتی ہے وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں کہ آپ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر مل جائے۔ اور اگر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے۔ یہ باتیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں، مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر حال میں رہے، خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی (ص ۱۱٤ ج ۱۰) میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ منافقین غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا۔ اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ صحیح سالم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس تشریف لا رہے ہیں تو انہیں یہ برا لگا۔ اس پر آیت شریفہ: اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ نازل ہوئی۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا...

منافقین کا مال مقبول نہیں:

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت: قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ میں رومیوں کی عورتیں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں گا۔ اس لیے مجھے ساتھ نہ لے جائیے لیکن مال کے ذریعہ آپ کی مدد کر دوں گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ قبول نہ ہونے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ مال لے کر آؤ گے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبول نہ فرمائیں گے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب نہ دے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔ آیت کا سبب نزول خواہ جد بن قیس ہی کا واقعہ ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو

شامل ہیں۔

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ ....

اس کے بعد فرمایا: فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ.... (کہ ان کے مال او اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں) کیونکہ یہ چیزیں مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مردود ہوتے تو ان کے اموال اور اولاد میں کثرت کیوں ہوتی۔ یہ کثرت بطور استدراج ہے جو ان کے لیے باعث عذاب ہے۔ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا (اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کے ذریعہ انہیں عذاب دے) پہلا عذاب تو یہ ہے کہ مال جمع کرنے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مصیبت جھیلتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کا ذرا دھیان نہیں کرتے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو تکلیف اٹھائی جائے وہ ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ نیز یہ مال ان کے لیے اس لیے بھی دنیا میں عذاب بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے شرما کر تھوڑی زکوٰۃ بھی دے دیتے ہیں اور جہاد میں بھی خرچ کرتے ہیں جس سے ان کا دل دکھتا ہے۔ یہ دل کا دکھنا بھی عذاب ہے۔ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتے تو یہ خرچ کرنا خوشی کا باعث بن جاتا۔ اور اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اولاد کی پرورش اور پرداخت میں بہت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور اس تکلیف پر کسی ثواب کی امید نہیں پھر بعض مرتبہ ان کے بیٹے جہاد میں مقتول ہو جاتے ہیں اور اس قتل پر بھی رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے شہادت کے ثواب کا یقین نہیں رکھتے۔

پھر فرمایا: تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝ اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔ (تاکہ آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں) اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ رہتے ہیں اس کی کتاب سنتے ہیں معجزات دیکھتے ہیں، پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اب کفر پر ہی مریں گے۔

وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ ...

پھر منافقین کی قسموں کا ذکر فرمایا: وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ (اور ان کا یہ طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں) سچے مؤمن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مؤمن سمجھتے ہیں اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مؤمن نہیں ہیں اس لیے اہل ایمان اس سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہٰذا بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ (اور وہ تم میں سے نہیں ہیں)۔

وَلٰكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ۝ (لیکن بات یہ ہے کہ وہ ڈرنے والے لوگ ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ایمان کا دعویٰ نہ کریں تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین اور یہود کے ساتھ ہوا۔ اب جبکہ مدینہ دارالاسلام بن گیا اور کافر ہو کر جینے کا موقعہ نہ رہا۔ تو جھوٹ موٹ ایمان کا دعویٰ کر دیا تاکہ جان مال محفوظ رہے اور جو منافع مسلمانوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ حاصل ہوتے رہیں۔ ڈرپوک آدمی کھل کر سامنے نہیں آ سکتا۔ اس لیے ان لوگوں نے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور قسموں کے ذریعہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں تاکہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں۔

پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں، اس لیے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کے لیے دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے۔ اور پوری طرح طوطا چشمی اختیار کرلیں گے۔ تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں ہے۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور قسمیں کھا کے تمہیں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ....

تقسیم صدقات وغنائم پر بعض منافقین کا طعن اور اس کا جواب

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ...

(ربط) ان آیات میں تقسیم صدقات کے بارے میں منافقین کے ایک طعن کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کا منشاء صرف حرص اور طمع تھا۔ بعض منافقین نے تقسیم صدقات کے بارے میں آپ پر ناانصافی کا الزام لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ لوگوں کا یہ طعن محض حرص اور طمع پر مبنی ہے کہ اگر ان لوگوں کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دیدیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے اس لیے آئندہ آیات میں صدقات کے مصارف بیان فرمائیں گے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون صدقہ دینے کے قابل ہیں اور کون نہیں اور ان منافقین میں کی ایک نوع وہ ہے جو آپ پر تقسیم صدقات کے بارے میں ناانصافی کا عیب لگاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ معاذ اللہ آپ تقسیم صدقات میں عدل وانصاف کا لحاظ نہیں رکھتے۔ بخاری وغیرہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طعن کرنے والا ذوالخویصرہ تمیمی تھا جو خارجیوں کا راس الرئیس اور اصل اصول تھا اور بعض نے اس کا شان نزول اور لوگوں کو بتلایا پس خوب سمجھ لو کہ ان کا یہ طعن خود غرضی کی راہ سے ہے سو ان صدقات میں سے اگر ان کو ان کے حسب منشاء دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں۔ اور پھر آپ کی تقسیم پر ان کو کوئی اعتراض نہیں رہتا اور اگر ان صدقات میں سے ان کو ان کی خواہش کے موافق نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اس حرف گیری کا منشاء صرف خود غرضی ہے جو خود اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے خیرات اور صدقات اور مال غنیمت میں سے ان کو دیا اور یہ کہتے کہ ہمیں کافی ہے اللہ کا فضل قریب ہے کہ آئندہ اللہ ہم کو اپنے فضل وکرم سے اور اس کا رسول اپنے لطف وعنایات سے عطا کرے گا۔ تحقیق ہم دل وجان سے اللہ کی طرف راغب ہیں اور اس کے فضل وکرم کے امیدوار ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ الزَّكوات مَصْرُوْفَةٌ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يَقَعُ مَوْقَعًا مِنْ كِفَايَتِهِمْ وَالْمَسٰكِيْنِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يَكْفِيْهِمْ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا اَيِ الصَّدَقَاتِ مِنْ جَابٍ وَقَاسِمٍ وَكَاتِبٍ وَحَاشِرٍ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ لِيُسْلِمُوْا اَوْ يَثْبُتَ اِسْلَامُهُمْ اَوْ يُسْلِمَ نُظَرَاؤُهُمْ اَوْ يَذُبُّوْا عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ اَقْسَامٌ وَالْاَوَّلُ

وَالْاٰخِيْرُ لَا يُعْطَيَانِ الْيَوْمَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ لِعِزِّ الْاِسْلَامِ بِخِلَافِ الْاٰخَرِيْنِ فَيُعْطَيَانِ عَلَى الْاَصَحِّ وَفِي
فَكِّ الرِّقَابِ اَيِ الْمُكَاتَبِيْنَ وَالْغٰرِمِيْنَ اَهْلِ الدَّيْنِ اِنْ اِسْتَدَانُوْا لِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ اَوْ تَابُوْا وَلَيْسَ لَهُمْ وَفَاءٌ اَوْ
لِاِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَلَوْ اَغْنِيَاءَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيِ الْقَائِمِيْنَ بِالْجِهَادِ مِمَّنْ لَا فَيْءَ لَهُمْ وَلَوْ اَغْنِيَاءَ وَابْنِ
السَّبِيْلِ الْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ فَرِيْضَةً نُصِبَ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِخَلْقِهٖ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾
فِيْ صُنْعِهٖ فَلَا يَجُوْزُ صَرْفُهَا لِغَيْرِ هٰؤُلَاءِ وَلَا مَنْعُ صِنْفٍ مِنْهُمْ اِذَا وُجِدَ فَيَقْسِمُهَا الْاِمَامُ عَلَيْهِمْ عَلَى السَّوَاءِ
وَلَهٗ تَفْضِيْلُ بَعْضِ اٰحَادِ الصِّنْفِ عَلٰى بَعْضٍ وَاَفَادَتِ اللَّامُ وُجُوْبَ اِسْتِغْرَاقِ اَفْرَادِهٖ لٰكِنْ لَا يَجِبُ عَلٰى
صَاحِبِ الْمَالِ اِذَا قَسَمَ لِعُسْرِهٖ بَلْ يَكْفِيْ اِعْطَاءُ ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ وَلَا يَكْفِيْ دُوْنَهَا كَمَا اَفَادَتْهُ صِيْغَةُ
الْجَمْعِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ شَرْطَ الْمُعْطٰى مِنْهَا الْاِسْلَامُ وَاَنْ لَا يَكُوْنَ هَاشِمِيًّا وَلَا مُطَّلِبِيًّا وَمِنْهُمْ اَيِ
الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ بِعَيْبِهٖ وَنَقْلِ حَدِيْثِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ اِذَا نُهُوْا عَنْ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَبْلُغَهٗ هُوَ اُذُنٌ
اَيْ يَسْمَعُ كُلَّ قِيْلٍ وَيَقْبَلُهٗ فَاِذَا حَلَفْنَا لَهٗ اَنَّا لَمْ نَقُلْ صَدَّقَنَا قُلْ هُوَ اُذُنُ مُسْتَمِعُ خَيْرٍ لَّكُمْ لَا مُسْتَمِعُ
شَرٍّ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ يُصَدِّقُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ فِيْمَا اَخْبَرُوْهُ بِهٖ لَا لِغَيْرِهِمْ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلْفَرْقِ بَيْنَ
اِيْمَانِ التَّسْلِيْمِ وَغَيْرِهٖ وَرَحْمَةٌ بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى اُذُنٌ وَالْجَرِّ عَطْفًا عَلٰى خَيْرٍ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ
الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ فِيْمَا بَلَغَكُمْ
عَنْهُمْ مِنْ اَذَى الرَّسُوْلِ اَنَّهُمْ مَا اَتَوْهُ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ بِالطَّاعَةِ اِنْ
كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ حَقًّا وَتَوْحِيْدُ الضَّمِيْرِ لِتَلَازُمِ الرِّضَائَيْنِ اَوْ خَبَرُ اللّٰهِ اَوْ رَسُوْلِهٖ مَحْذُوْفٌ اَلَمْ ربع
يَعْلَمُوْا اَنَّهٗ اَيِ الشَّاْنُ مَنْ يُّحَادِدِ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ جَزَاءً خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ يَخَافُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مِنَ النِّفَاقِ وَهُمْ مَعَ ذٰلِكَ يَسْتَهْزِءُوْنَ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اَمْرُ تَهْدِيْدٍ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مُظْهِرٌ مَّا
تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اِخْرَاجَهٗ مِنْ نِفَاقِكُمْ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ عَنِ اسْتِهْزَائِهِمْ بِكَ وَالْقُرْاٰنِ وَهُمْ سَائِرُوْنَ

مَعَكَ اِلٰى تَبُوْكَ لَيَقُوْلُنَّ مُعْتَذِرِيْنَ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ۚ فِى الْحَدِيْثِ لِنَقْطَعَ بِهِ الطَّرِيْقَ وَلَمْ

نَقْصُدْ ذٰلِكَ قُلْ لَهُمْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا عَنْهُ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ

اِيْمَانِكُمْ ؕ اَىْ ظَهَرَ كُفْرُكُمْ بَعْدَ اِظْهَارِ الْاِيْمَانِ اِنْ نَّعْفُ بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ وَالنُّوْنِ مَبْنِيًّا لِلْفَاعِلِ

عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ بِاِخْلَاصِهَا وَتَوْبَتِهَا كَمَخْشِيِّ بْنِ حُمَيْرٍ نُعَذِّبْ بِالتَّاءِ وَالنُّوْنِ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ

ع ۸ ۱۴ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ مُصِرِّيْنَ عَلَى النِّفَاقِ وَالْاِسْتِهْزَاءِ

وز الكــــريم اتيتــــه بخديعـــة ۔۔۔ فـــرايتـــه فيمـــا تـــروم يـــارع
فـــاعلم بانــك لــم تخـــادع جـــاهلا ۔۔۔ ان الـــكريم لفضـــله متخـــادع

ترجمہ: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ الخ صدقات (یعنی زکوۃ معروضہ) صرف حق ہے فقیروں کا (فقیر وہ شخص ہے جو اس قدر نہ پائے کہ اس کے موقع کفایت میں واقع ہو اور مسکینوں (جو بقدر کفایت اپنے پاس مال نہیں پاتے ہیں) وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا اور ان کارکنوں کا حق ہے جو ان صدقات پر متعین ہیں (یعنی مالداروں سے زکوۃ وصول کرنے والے) اور فقیروں و مسکینوں میں تقسیم کرنے والے) اور زکوۃ کے حسابات لکھنے والے منشی وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کی تالیف قلب کی جائے (یعنی جن کی دلجوئی منظور ہے تاکہ اسلام قبول کرلیں یا نومسلم اپنے اسلام پر پختہ ہوجائیں یا اس مسلمان کے امثال مثلاً خاندان والے اسلام قبول کرلیں یا ایسے غیر مسلم جو مسلمانوں سے مدافعت کریں یہ مذکورہ چار اقسام ہیں ان میں اول اور اخیر کی دو قسموں کو امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں دیا جائے گا چونکہ اسلام کو عزت و شوکت حاصل ہوچکی ہے البتہ باقی دو قسموں کو اصح قول کی بناپر دیا جائے گا۔ وَفِى الرِّقَابِ اور غلاموں (یعنی مکاتبین) کی گردن چھڑانے میں صرف کیا جائے۔ وَالْغٰرِمِيْنَ اور قرض داروں کو قرض ادا کرنے میں (ایسے قرض دار جنہوں نے گناہ کے علاوہ یعنی جائز کاموں میں قرض لیا ہو یا قرض لیا تو تھا گناہ کے کام میں لیکن توبہ کرلی مگر قرض ادا کرنے کے لئے مال نہ ہو یا مسلمانوں کی باہمی اصلاح کے لیے لیا اگرچہ وہ خود مالدار ہی کیوں نہ ہوں) وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد فی سبیل میں جانے والے ہوں اور ان کے لئے فئی نہ ہو اگرچہ وہ مالدار ہوں۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ اور مسافروں کی امداد میں کہ جن کے لئے مال منقطع ہونے کی وجہ سے سفر جاری رکھنا دشوار ہوگیا ہو۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ الخ یہ حکم مقرر ہے اللہ کی طرف سے (فَرِيْضَةً منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بڑا جاننے والا ہے اور اپنے کام میں بڑی حکمت والا ہے، فَلَا يَجُوْزُ صَرْفُهَا لِغَيْرِ هٰؤُلَاءِ پس ان لوگوں کے علاوہ ان مالوں کو خرچ کرنا جائز نہیں اور نہ ان اقسام میں سے کسی قسم کو محروم کرنا جائز ہے جب کہ پائے جائیں یعنی موجود ہوں پس ان سب پر برابر تقسیم کردے، البتہ امام کے لئے جائز ہے کہ کسی قسم کے بعض کو بعض پر ترجیح دے۔ اور لام سے یہ فائدہ معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر صنف کے تمام افراد کا استغراق واجب ہے یعنی ہر صنف کے تمام افراد کو دینا چاہئے لیکن نہایت دشوار ہے اس لئے صاحب مال پر تقسیم کرتے وقت یہ وجوب ساقط ہے یعنی پابندی لازم نہیں دشواری کی وجہ سے بلکہ ہر صنف میں سے تین کو

دے دینا کافی ہے اس سے کم دینا کافی نہیں جیسا کہ جمع کے صیغہ سے بات معلوم ہوتی ہے وَ بَیِّنَتِ السُّنَّةُ الخ اور سنت نے بیان فرمادیا کہ جس شخص کو زکوۃ دی جائے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے اور یہ کہ ہاشمی اور مطلبی نہ ہو۔ وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الخ اور ان میں سے (یعنی منافقین میں سے) کچھ لوگ وہ ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذاء دیتے ہیں (ان میں عیب لگا کر اور ان کی باتیں نقل کر کے) اور (جب انہیں روکا جاتا ہے اس حرکت سے کہ کہیں آپ کو گزند پہنچ جائے) تو کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک کان ہیں (یعنی سن لیتے ہیں ہر بات کو جو کہی جاتی ہے اور قبول کر لیتے ہیں یعنی مان لیتے ہیں تو جب ان کے سامنے قسم کھالیں گے کہ ہم نے نہیں کہا ہے تو ہمیں بھی سچا مان لیں گے: قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ آپ فرمادیجئے کہ (وہ نبی) وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بھلائی و بہتری کی ہو شر اور بگاڑ کی بات نہیں سنتے۔ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ يُصَدِّقُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الخ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مؤمنین (مخلصین کی باتوں) کا یقین کرتے ہیں (تصدیق کرتے ہیں جس بات کی وہ آپ کو اطلاع دیتے ہیں نہ کہ مؤمنین کے علاوہ دوسروں یعنی منافقوں کی اور لام للمؤمنین میں زائد ہے ایمان تسلیم اور ایمان تصدیق میں فرق واضح کرنے کے لئے۔ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ اور تم میں سے جو خالص ایماندار ہیں ان کے لئے آپ مجسمہ رحمت ہیں (رحمۃ رفع کے ساتھ اذن پر عطف ہوگا اور جر کی صورت میں خیر پر عطف ہوگا) اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذاء پہونچاتے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے) يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ الخ (اے مسلمانو) یہ منافقین تمہارے سامنے اللہ کی (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں اس سلسلے میں جو ان کی طرف رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہونچانے کی جو خبریں تمہیں پہونچی ہیں ان کی یہ تردید کرتے ہیں یعنی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی ہے) تا کہ تم کو راضی کریں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ اس کو راضی کریں (اطاعت کے ذریعہ) اگر یہ لوگ سچے ایماندار ہیں وتوحید الضمیر لتلازم الرضائین، اس میں ضمیر تثنیہ کے بجائے ضمیر واحد اس لئے لائی گئی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول دونوں کی رضاء ایک دوسرے کے لئے لازم ہے ایک ہی ہے یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول میں سے کسی ایک کی خبر محذوف ہے اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ (اَنَّهٗ میں ضمیر شان ہے) کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (نافرمانی کرے گا) پس بلاشبہ اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے (بطور سزا) ہمیشہ اسی آگ میں رہے گا اور یہ بڑی رسوائی ہے يَحْذَرُ يَخَافُ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ منافق لوگ (طبعاً) اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر (یعنی مسلمانوں پر) کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان منافقوں کے دلوں کی بات (یعنی نفاق) سے مسلمانوں کو آگاہ کر دے (اس کے باوجود یہ لوگ استہزا کرتے ہیں) قُلِ اسْتَهْزِءُوْا الخ آپ فرمادیجئے کہ اچھا تم استہزا کرتے رہو (یہ امر تہدیدی ہے) بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس چیز کو جس سے (یعنی تمہارے اس نفاق کو جس کے اظہار سے) تم ڈر رہے ہو۔ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اور (ظاہر ہو جانے کے بعد) اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں گے آپ کی ذات کے ساتھ اور قرآن مجید کے ساتھ استہزا کے متعلق درانحالیکہ یہ لوگ آپ کے ساتھ تبوک کی طرف جارہے تھے) تو کہہ دیں گے (معذرت کرتے ہوئے) کہ ہم تو محض مشغلہ اور دل لگی کر رہے تھے بات میں تا کہ بات چیت میں ہم راستہ کاٹ لیں اور ہمارا مقصد استہزا نہیں تھا) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے، لَا تَعْتَذِرُوْا تم اب عذر مت کرو (یعنی

بہانے مت بناؤ، تحقیق کہ تم نے اپنے ایمان کے (دعویٰ کے) بعد کفر کیا ہے (یعنی اظہار ایمان کے بعد تمہارا کفر ظاہر ہو گیا) اِنْ نَّعْفُ الخ ایک قراءت یاء کے ساتھ بصیغہ مجہول ہے اِنْ نُّعْفَ یعنی اگر تم میں سے کچھ لوگوں کو ان کے اخلاص اور توبہ کی وجہ سے جیسے مخشی بن حمیر جیسے کو معاف کر دیا جائے' دوسری قراءت نون کے ساتھ بصیغہ معروف ہے اِنْ نَّعْفُ اگر ہم تم میں سے ایک فریق کا قصور معاف کر دیں گے (جو صدقِ دل سے توبہ کر لیں گے) تو دوسرے فریق کو عذاب دیں گے۔ اس سبب سے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے یعنی وہ مسلمان نہیں ہوئے اپنے نفاق اور استہزاء پر قائم رہے۔ منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں (یعنی دین میں ایک دوسرے کے مشابہ اور ہم جنس ہیں جیسے ایک چیز کے اجزاء ایک دوسرے کے ہم جنس ہوتے ہیں) ایک دوسرے کو بری بات (کفر اور گناہ) کا حکم دیتے ہیں اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں (یعنی ایمان اور اللہ کی فرمانبرداری سے روکتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ سے) اپنے ہاتھوں کو سمیٹ لیتے ہیں اللہ کو بھول گئے (اللہ کی فرمانبرداری چھوڑ دی) تو اللہ نے بھی ان کو فراموش کر دیا (یعنی اپنے لطف و کرم سے ان کو نظر انداز کر دیا) (س) اللہ تعالیٰ تو نسیان اور بھول سے پاک ہیں؟ (ج) یہاں مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے احکام کو اس طرح چھوڑ دیا جیسے بھول گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ثواب آخرت اور لطف و کرم کے معاملہ میں ان کو اس طرح چھوڑ دیا کہ نیکی اور ثواب میں کہیں ان کا نام نہ رہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلزَّكٰوةُ: عام کو ذکر کر کے خاص فرض زکوٰۃ مراد لی۔

قوله: مَصْرُوْفَةٌ: سے اشارہ کیا کہ ان مصارف میں تقسیم کی جائے گی ان کی مملوک نہ ہوگی۔

قوله: مِنْ كِفَايَتِهِمْ: یعنی ان کے پاس نہ کمائی کا ذریعہ اور نہ مال ہے جو ان کی ضرورت کو پورا کرے۔

قوله: اَلَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ: مال و کاروبار تو ہو مگر کفایت نہ کرے۔

قوله: لِيَسْلِمُوْا: وہ قوم کے سردار تھے اسلام نہ لائے لیکن ان کو اس لئے دیا تاکہ مانوس ہو کر اسلام کو قبول کر لیں یا اس پر پختہ ہو جائیں۔

قوله: اَوْ يَسْلِمُ: وہ شرفاء ہیں اسلام قبول کیا ان کو اس لئے دیا تاکہ ان کے ہم مثل لوگ اسلام کی عزت افزائی دیکھ اسلام لے آئیں۔

قوله: اَقْسَامٌ: یہ خبر ہے اس کا مبتداء المؤلفة القلوب محذوف ہے۔

قوله: فِيْ فَكِّ: اس سے اشارہ کیا کہ گردن خرید کر آزاد کرنے میں خرچ نہیں ہو سکتی۔

قوله: وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: آخری چار میں الٰی کی بجائے فی کو صلہ میں لائے۔ اس سے اشارہ کیا کہ استحقاق میں یہ سابقین سے زیادہ ہیں کیونکہ فی دعا کے لئے ہے بس اس کو لا کر خبردار کر دیا کہ ان میں زکوٰۃ لگانا زیادہ بہتر ہے۔

قوله:مُطَّلِبِيًّا :اس سے مراد مطلب بن عبد مناف ہے، نہ کہ عبد المطلب۔

قوله:بَيْنَ اِيْمَانِ التَّسْلِيْمِ :اس سے تصدیقی ایمان مراد ہے جو کفر کی ضد ہے وہ با سے متعدی ہوتا ہے ایمان امان یہ لام سے متعدی ہوتا ہے۔

قوله:مِنْكُمْ :اے منافقین اس طرح کہ تم سے تمہارا ظاہری ایمان قبول کرلیا اور تمہارے راز نہیں کھولے۔

قوله:يُشَاقِقِ :اس کا معنی مخالفت کرنا آتا ہے۔

قوله:أَمْرُ تَهْدِيْدٍ:اس سے اشارہ کیا کہ استہزاء کا امر تہدیدی ہے۔

قوله:إِخْرَاجَه:یہ تحذرون کا مفعول مقدر ہے۔

قوله:ظَهَرَكُفْرُكُمْ:سے قَدْ كَفَرْتُمْ کی تفسیر کرکے اشارہ کیا کہ کفر تو پہلے ہی تھا۔اب کھل کر سامنے آ گیا۔

تفسیر مقبولین

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ....

خلاصہ تفسیر:

(فرض) صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات (کی تحصیل وصول کرنے) پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (صرف کیا جائے) اور قرض داروں کے قرضہ (ادا کرنے) میں اور جہاد والوں کے سامان) میں اور مسافروں کی (امداد) میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

معارف ومسائل، مصارف الصدقات:

اس سے پہلی آیتوں میں صدقات کے بارے میں رسول کریم کا ذکر تھا، جن میں منافقین نے آنحضرت ﷺ پر یہ الزام لگایا تھا آپ (معاذ اللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے، جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصارف صدقات کو متعین فرما کر ان کی اس غلط فہمی کو دور کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات خود متعین فرمادی ہے کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں، اور رسول کریم ﷺ تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے۔

اس کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابوداؤد اور دار قطنی نے حضرت زیاد بن حارث صدائی کی روایت سے نقل کی ہے، یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر مسلمانوں کا روانہ فرمارہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ لشکر نہ بھیجیں، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ سب

مطیع وفرمانبردار ہوکر آجائیں گے، پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہو گئے، اس پر آپ نے فرمایا: ((انا اخاصداء المطاع فی قومه)) جس میں گویا ان کو یہ خطاب دیا گیا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور مقتدا ہیں میں نے عرض کیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کو ہدایت ہوگئی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لئے حاضر ہوا، آپ نے اس کو یہ جواب دیا کہ:
صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اُس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے، اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمھیں دے سکتا ہوں، انتہی۔ (تفسیر قرطبی، ص ۱۶۸ ج ۸)

آیت کا شان نزول معلوم کرنے کے بعد آیت کی مکمل تفسیر اور تشریح سننے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ جل شانہ نے تمام مخلوقات انسان وحیوان وغیرہ کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا، اور ساتھ ہی اپنی حکمت بالغہ سے ایسا نہیں کیا کہ سب کو رزق میں برابر کر دیتے، غنی وفقیر کا فرق نہ رہتا، اس میں انسان کی اخلاقی تربیت اور نظام عالم سے متعلق سینکڑوں حکمتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں غریب فقیر کا حصہ لگا دیا، ارشاد فرمایا: وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ، جس میں بتلا دیا کہ مالداروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے ایک معین مقدار کا حصہ فقراء کے لئے رکھ دیا ہے، جو ان فقراء کا حق ہے۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مال داروں کے مال میں سے جو صدقہ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے یہ کوئی ان کا احسان نہیں، بلکہ فقراء کا ایک حق ہے، جس کی ادائیگی ان کے ذمہ ضروری ہے، دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے، یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اس میں کمی بیشی کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقدار بھی بتلانے کا کام رسول کریم ﷺ کے سپرد فرمایا، اور اسی لئے آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام کو صرف زبانی بتلا دینے پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروق اعظم اور عمرو بن حزم کو سپرد فرمائے جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور ہر نصاب میں سے مقدار زکوٰۃ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے واسطہ سے متعین کر کے بتلا دیئے ہیں، اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کو کمی بیشی یا تغیر وتبدل کا کوئی حق نہیں۔

صدقہ، زکوٰۃ کی فرضیت صحیح یہ ہے کہ اوائل اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیر نے سورۃ مزمل کی آیت: فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ یہ سورۃ بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے، اس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی ہے، البتہ روایات حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں زکوٰۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، نصابوں کا تعین اور مقدار زکوٰۃ کا بیان بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوا ہے، اور پھر زکوٰۃ وصدقات کی وصول یابی کا نظام حکمانہ انداز کا تو فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔

اس آیت میں باجماع صحابہ وتابعین اسی صدقہ واجبہ کے مصارف کا بیان ہے جو نماز کی طرح مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ جو مصارف اس آیت میں متعین کے گئے ہیں وہ صدقات فرض کے مصارف ہیں، نفلی صدقات میں روایات کی تصریحات کی بنا پر بہت وسعت ہے وہ ان آٹھ مصارف میں منحصر نہیں ہیں۔

اگر چہ اوپر کی آیات میں صدقات کا لفظ عام صدقات کے لئے استعمال ہوا ہے، جس میں واجب اور نفلی دونوں داخل ہیں، مگر اس آیت میں باجماع امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان مراد ہے، اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ صدقہ مطلقاً بولا گیا ہے اور کوئی قرینہ نفلی صدقہ کا نہیں ہے تو وہاں صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔

اس آیت کو لفظ انما سے شروع کیا گیا ہے، یہ لفظ حصر و انحصار کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس شروع ہی کے کلمہ نے بتلا دیا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں تمام صدقات واجبہ صرف انہیں میں خرچ ہونے چاہئیں ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف خیر میں صدقات واجبہ صرف نہیں ہو سکتے، جیسے جہاد کی تیاری یا بناء مسجد و مدارس یا دوسرے رفاہ عام کے ادارے، یہ سب چیزیں بھی اگر چہ ضروری ہیں، اور ان میں خرچ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے، مگر صدقات فرض جن کی مقداریں متعین کر دی گئی ہیں، ان کو ان میں نہیں لگایا جا سکتا۔

آیت کا دوسرا لفظ صدقات، صدقہ کی جمع ہے، صدقہ لغت میں اس مال کے جزء کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لئے خرچ کیا جائے (قاموس) امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر رہا ہوں، اسی لئے جس صدقہ میں کوئی نام و نمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔

لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رو سے عام ہے، نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لئے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لئے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً، اور آیت زیر بحث اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ وغیرہ، بلکہ قرطبی کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اٹھوا دینا بھی صدقہ ہے' کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لئے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دیدینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

تیسرا لفظ اس کے بعد لِلْفُقَرَآءِ سے شروع ہوا ہے، اس کے شروع میں حرف لام ہے جو تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے معنی جملہ کے یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف انہی لوگوں کا حق ہے جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

اب ان آٹھ مصارف کی تفصیل سنئے جو اس کے بعد مذکور ہیں:

ان میں پہلا مصرف فقراء ہیں، دوسرا مساکین، فقیر اور مسکین کے اصلی معنی میں اگر چہ اختلاف ہے، ایک کے معنے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو، دوسرے کے معنی ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو، لیکن حکم زکوٰۃ میں دونوں یکساں ہیں اختلاف نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے، ضروریات میں رہنے کا امکان استعمالی برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں، نصاب یعنی سونا ساڑھے سات تولہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس کی قیمت جس کے پاس ہو اور وہ قرضدار بھی نہ ہو نہ اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے نہ دینا، اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحب نصاب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز نہیں، اور جو شخص

صاحب نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہے اور ایک دن کا گذارہ اس کے پاس موجود ہے اس کو اگرچہ دینا جائز ہے مگر یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے، اس میں بہت سے لوگ غفلت برتتے ہیں، سوال کرنا ایسے لوگوں کے لئے حرام ہے، ایسا شخص جو کچھ سوال کر کے حاصل کرتا ہے اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کا انگارہ فرمایا ہے۔

(ابوداؤد بروایت علی مرتضیٰ)

حاصل یہ ہے کہ فقیر اور مسکین میں زکوٰۃ کے باب میں کوئی فرق نہیں، البتہ وصیت کے حکم میں فرق پڑتا ہے کہ مساکین کے لئے وصیت کی ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، اور فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، جس کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں، فقیر اور مسکین کے دونوں مصرفوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ جس کو مال زکوٰۃ دیا جائے وہ مسلمان ہو اور حاجات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال کا مالک نہ ہو۔

اگرچہ عام صدقات غیر مسلموں کو بھی دیئے جاسکتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تصدقوا علی اھل الادیان کلھا: یعنی ہر مذہب والے پر صدقہ کرو۔ لیکن صدقہ زکوٰۃ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی کہ مال زکوٰۃ صرف مسلمانوں کے اغنیاء سے لیا جائے، اور انہی کے فقراء پر صرف کیا جائے، اس لئے مال زکوٰۃ کو صرف مسلم فقراء و مساکین ہی پر صرف کیا جاسکتا ہے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات یہاں تک کہ صدقۃ الفطر بھی غیر مسلم فقیر کو دینا جائز ہے۔ (ہدایہ)

اور دوسری شرط مالک نصاب نہ ہونے کی خود فقیر و مسکین کے معنی سے واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ یا تو اس کے پاس کچھ نہ ہوگا، یا کم از کم مال نصاب کی مقدار سے کم ہوگا، اس لئے ان دونوں مصرفوں کے بعد اور چھ مصارف کا بیان آیا ہے، ان میں پہلا مصرف عاملین صدقہ ہیں۔

تیسرا مصرف الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا، یہاں عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات زکوٰۃ و عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کا فریضہ براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے، جس کا ذکر اسی سورت میں آگے آنے والی اس آیت میں ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً. یعنی وصول کریں آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ، اس آیت کا مفصل بیان تو آئندہ آئے گا، یہاں یہ بتلانا منظور ہے کہ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ صدقات وصول کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اعوان اور مددگاروں کے نہیں کر سکتا، انہی اعوان اور مددگاروں کا ذکر مذکور الصدر آیت میں وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

انہی آیات کی تعمیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام کو صدقات وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے، اور آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق زکوٰۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں

وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ کسی غنی یعنی مال دار کے لئے حلال نہیں، بجز پانچ شخصوں کے، ایک وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا ہے اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں، اگر چہ وہ شخص کہ اگر چہ اس کے پاس مال ہے مگر وہ موجودہ مال سے زیادہ کا مقروض ہے، چوتھے وہ شخص جو صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے، پانچویں وہ شخص جسکو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ تحفہ پیش کر دیا ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ عاملین صدقہ کو اس میں سے کتنی رقم دی جائے سو اس کا حکم یہ ہے کہ ان کی محنت وعمل کی حیثیت کے مطابق دی جائے گی۔ (احکام القرآن جصاص، قرطبی)

البتہ یہ ضروری ہوگا کہ عاملین کی تنخواہیں نصف زکوٰۃ سے بڑھنے نہ پائیں، اگر زکوٰۃ کی اصول یابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی، نصف سے زائد صرف نہیں کیا جائے گا۔

(تفسیر مظہری ظہیریہ)

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملین صدقہ کو جو رقم مد زکوٰۃ سے دی جاتی ہے وہ بحیثیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لئے باوجود غنی اور مال دار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں، اور زکوٰۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارف زکوٰۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے جس میں رقم زکوٰۃ بطور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے، اور نہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مال زکوٰۃ دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

اسی لئے یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مال زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مال دار کے لئے اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل موکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل مختار بنا دے، اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کر دے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بری ہو جاتا ہے، تو جب رقم زکوٰۃ عاملین صدقہ نے فقراء وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کر لی تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے اب جو رقم بطور حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے وہ مال داروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضہ خدمت دیدیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غرباء کا وکیل ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، امیر مملکت جس جس کو صدقات وصول یابی پر عامل بنا دے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عاملین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضہ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنا دے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل

شدہ مال سے ادا کر دے تو یہاں نہ تو دینے والا بطور زکوٰۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

فائدہ: تفصیل مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آجکل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں بلکہ اصحاب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں، ان کی طرف سے مال زکوٰۃ کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لئے ان کے قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں، اور امیر المؤمنین کی ولایت عامہ کی بناء پر جو خود بخود وکالت فقراء حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لئے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں انکا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو۔

اس معاملہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے، بہت سے ادارے زکوٰۃ کا فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھے رہتے ہیں، اور اصحاب زکوٰۃ سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی، حالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہو گی جب ان کی رقم مصارف زکوٰۃ میں صرف ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکوٰۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لئے جائز ہے نہ لینے والوں کے لئے۔

ایک اور سوال عبادت پر اجرت:

یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اشارات اور احادیث رسول ﷺ کی بہت سی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی عبادت پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے، مسند احمد کی حدیث میں بروایت عبدالرحمٰن بن شبل منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اقرأوا القرآن ولا تاکلوا بہ)) "یعنی قرآن پڑھو، مگر اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ"۔ اور بعض روایات میں اس معاوضہ کو قطعہ جہنم فرمایا ہے جو قرآن پر لیا جائے، اس کی بناء پر فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ طاعات و عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صدقات وصول کرنے کا کام ایک دینی خدمت اور عبادت ہے رسول کریم ﷺ نے اس کو ایک قسم کا جہاد فرمایا ہے، اس کا مقتضی یہ تھا کہ اس پر بھی کوئی اجرت و معاوضہ لینا حرام ہوتا، حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت نے صراحۃً اس کو جائز قرار دیا، اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اس کو داخل فرمایا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا کہ جو عبادات فرض یا واجب عین ہیں ان پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے، لیکن جو فرض کفایہ ہیں ان پر کوئی معاوضہ لینا اسی آیت کی رو سے جائز ہے، فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام پوری امت یا پورے شہر کے ذمہ فرض کیا گیا ہے، مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اس کو کریں، اگر بعض لوگ ادا کر لیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں، البتہ

اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ امامت وخطابت کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ بھی واجب علی العین نہیں بلکہ واجب علی الکفایہ ہیں، انتہی۔ اسی طرح تعلیم قرآن وحدیث اور دوسرے دینی علوم کا بھی یہی حال ہے، کہ یہ سب کام پوری امت کے ذمہ فرض کفایہ ہیں، اگر بعض لوگ کرلیں تو سب سبکدوش ہوجاتے ہیں، اس لئے اگر اس پر کوئی معاوضہ اور تنخواہ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

چوتھا مصرف مصارف زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات دیئے جاتے تھے، عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں تین چار قسم کے لوگ شامل تھے، کچھ مسلمان کچھ غیر مسلم، پھر مسلمانوں میں بعض تو وہ لوگ تھے جو غریب حاجت مند بھی تھے، اور نو مسلم بھی، ان کی دل جوئی اس لئے کی جاتی تھی کہ اسلام پر پختہ ہوجائیں، اور بعض وہ تھے جو مالدار بھی تھے اور مسلمان ہوگئے تھے، مگر ابھی تک ایمان کا رنگ ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا، اور بعض وہ لوگ تھے جو خود تو پکے مسلمان تھے مگر ان کی قوم کو ان کے ذریعہ شر سے بچنے کے لئے ان کی دل جوئی کی جاتی تھی، اور بعض وہ تھے جن کے بارے میں یہ تجربہ تھا کہ نہ تبلیغ وتعلیم سے اثر پذیر ہوتے ہیں، نہ جنگ وتشدد سے بلکہ احسان وحسن سلوک سے متاثر ہوتے ہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ تو یہ چاہتے تھے کہ خلق خدا کو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ایمان میں لے آئیں، اس کے لئے ہر وہ جائز تدبیر کرتے تھے جس سے یہ لوگ متاثر ہوسکیں، یہ سب قسمیں عام طور پر مؤلفۃ القلوب میں داخل سمجھی جاتی ہیں، جن کو صدقات کا چوتھا مصرف اس آیت میں قرار دیا ہے۔

چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب میں، ان کے متعلق گذشتہ صفحات میں یہ بتلایا جاچکا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات سے حصہ دیا جاتا تھا، عام خیال کے مطابق ان میں مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کے لوگ تھے، غیر مسلموں کی دل جوئی اسلام کی ترغیب کے لئے اور نو مسلموں کی دل جوئی اسلام پر پختہ کرنے کے لئے کی جاتی تھی، عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ان کو رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک خاص علت اور مصلحت کے لئے جس کا ذکر ابھی آچکا ہے صدقات دیئے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبکہ اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہوگئی اور کفار کے شر سے بچنے یا نو مسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت ختم ہوگئی، اس لئے ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا جس کو بعض فقہاء نے منسوخ ہوجانے سے تعبیر فرمایا، فاروق اعظم حسن بصری، ابوحنیفہ، مالک بن انس رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف یہی قول منسوب ہے۔

اور بہت سے حضرات نے فرمایا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ منسوخ نہیں، بلکہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانہ میں اس کو ساقط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط کردیا گیا، آئندہ کسی زمانہ میں پھر ایسی ضرورت پیش آجائے تو پھر دیا جاسکتا ہے، امام زہری، قاضی عبدالوہاب ابن عربی، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، لیکن تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ غیر مسلموں کو صدقات وغیرہ سے کسی وقت کسی زمانہ میں حصہ نہیں دیا گیا، اور نہ وہ مؤلفۃ القلوب میں داخل ہیں، جن کا ذکر مصارف صدقات میں آیا ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ان سب لوگوں کے نام تفصیل کے ساتھ شمار کئے ہیں جن کی دلجوئی کے لئے رسول کریم ﷺ نے مد صدقات سے حصہ دیا ہے، اور یہ سب شمار کرنے کے بعد فرمایا: وبالجملة فکلھم مؤمن ولم یکن فیھم کافر، یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب سب کے سب مسلمان ہی تھے، ان میں کوئی کافر شامل نہیں تھا۔

اسی طرح تفسیر مظہری میں ہے: لم یثبت ان النبی ﷺ اعطی احدا من الکفار للایلاف شیئا من الزکوٰۃ، یعنی یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کافر کو مال زکوٰۃ میں سے اس کی دلجوئی کیلئے حصہ دیا ہو، اس کی تائید تفسیر کشاف کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مصارف صدقات کا بیان یہاں ان کفار منافقین کے جواب میں آیا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر تقسیم صدقات کے بارے میں اعتراض کیا کرتے تھے کہ ہم کو صدقات نہیں دیتے، اس آیت میں مصارف صدقات کی تفصیل بیان فرمانے سے مقصد ہے کہ ان کو بتلا دیا جائے کہ کافر کا کوئی حق مال صدقات میں نہیں ہے، اگر مؤلفۃ القلوب میں کافر بھی داخل ہوں تو اس جواب کی ضرورت نہ تھی۔

تفسیر مظہری میں اس مغالطہ کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا ہے جو بعض روایات حدیث کے سبب لوگوں کو پیش آیا ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض غیر مسلموں کو کچھ عطیات دیئے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان بن امیہ کو کافر ہونے کے زمانے میں کچھ عطیات دیئے، اس کے متعلق امام نووی کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ یہ عطیات زکوٰۃ کے مال سے نہ تھے، بلکہ غزوہ حنین کے مال غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا اس میں سے دیئے گئے، اور یہ ظاہر ہے کہ بیت المال کی اس مد سے مسلم وغیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے، پھر فرمایا کہ امام بیہقی، ابن سید الناس، امام ابن کثیر وغیرہم سب نے یہی قرار دیا ہے کہ یہ عطاء مال زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت سے تھی۔

ایک عظیم فائدہ:

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اموال صدقات اگرچہ بیت المال میں جمع کئے جاتے تھے مگر ان کا حساب بالکل جدا تھا، اور بیت المال کی دوسری مدات جیسے خمس غنیمت یا خمس معادن وغیرہ ان کا حساب جدا، اور ہر ایک کے مصارف جدا تھے، جیسا کہ حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں چار مد علیحدہ رہنی چاہئیں، اور اصل حکم یہ ہے کہ صرف حساب علیحدہ رکھنا نہیں بلکہ ہر ایک مد کا بیت المال الگ ہونا چاہئے تاکہ ہر ایک کو اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط قائم رہے، البتہ اگر کسی وقت کسی خاص مد میں کمی ہو تو دوسری مد سے بطور قرض لے کر اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے یہ مدات بیت المال یہ ہیں:

اول خمس غنائم: یعنی جو مال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہو اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر کے باقی پانچواں حصہ: بیت المال کا حق ہے، خمس معادن یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، خمس رکاز: یعنی جو قدیم خزانہ کسی زمین سے برآمد ہو اس کا بھی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، یہ تینوں قسم کے خمس بیت المال کی ایک ہی مد میں داخل ہیں۔

دوسری مد صدقات ہیں، جس میں مسلمانوں کی زکوۃ، صدقۃ الفطر، اور ان کی زمینوں کا عشر داخل ہے۔

تیسری مد خراج اور مال فئی ہے، جس میں غیر مسلموں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور ان کا جزیہ اور ان سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور وہ تمام اموال داخل ہیں جو غیر مسلموں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحانہ طور پر حاصل ہوں۔

چوتھی مد ضوائع کی ہے، جس میں لاوارث مال، لاوارث شخص کی میراث وغیرہ داخل ہیں، ان چار مدات کے مصارف اگرچہ الگ الگ ہیں، لیکن فقراء و مساکین کا حق ان چاروں مدات میں رکھا گیا ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومت میں قوم کے اس ضعیف عنصر کو قوی کرنے کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے، جو درحقیقت اسلامی حکومت کا طرۂ امتیاز ہے ورنہ دنیا کے عام نظاموں میں ایک مخصوص طبقہ ہی بڑھتا رہتا ہے، غریب کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا، جس کے رد عمل نے اشتراکیت اور کمیونزم کو جنم دیا، مگر وہ بالکل ایک غیر فطری اصول اور بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہوجانے کے مرادف اور انسانی اخلاق کے لئے سم قاتل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں چار بیت المال چار مدات کے لئے الگ الگ مقرر ہیں اور فقراء و مساکین کا حق چاروں میں رکھا گیا ہے، ان میں سے پہلی تین مدوں کے مصارف خود قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ متعین فرما کر واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں، پہلی مد یعنی خمس غنائم کے مصارف کا بیان سورۃ انفال دسویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے، اور دوسری مد یعنی صدقات کے مصارف کا بیان سورۂ توبہ کی مذکور الصدر ساٹھویں آیات میں آیا ہے، جس کی تفصیل اس وقت زیر بحث ہے، اور تیسری مد جس کو اصطلاح میں مال فئی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا بیان سورۂ حشر میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اسلامی حکومت کی اکثر مدات فوجی اخراجات اور عمال حکومت کی تنخواہیں وغیرہ اسی مد سے خرچ کی جاتی ہیں، چوتھی مد یعنی لاوارث مال رسول کریم ﷺ کی ہدایات اور خلفائے راشدین کے تعامل سے اپاہج محتاجوں اور لاوارث بچوں کے لئے مخصوص ہے۔

(شامی، کتاب الزکوٰۃ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے بیت المال کی چاروں مدات بالکل الگ الگ رکھنے اور اپنے اپنے معینہ مصارف میں خرچ کرنے کی جو ہدایات دی ہیں، یہ سب قرآنی ارشادات اور رسول کریم ﷺ پھر خلفائے راشدین کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہیں۔

محققین، محدثین و فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ کسی کافر کو کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اور نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں، اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے وہ مد صدقات وزکوۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت میں سے دیا گیا ہے، جس میں سے ہر حاجت مند مسلم وغیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے، تو مؤلفۃ القلوب صرف مسلم رہ گئے، اور ان میں جو فقراء ہیں ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں تو امام شافعی امام احمد کے نزدیک چونکہ تمام مصارف زکوۃ میں فقر و حاجت مندی شرط نہیں، اس لئے وہ مؤلفۃ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحب نصاب ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک عاملین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقر و حاجت مندی شرط ہے، اس لئے مؤلفۃ

القلوب کا حصہ بھی ان کو اسی شرط کے ساتھ دیا جائے گا کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں جیسے غارمین اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ حاجتمند ہوں، گو وہ اپنے مقام میں مال دار ہوں۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء و مساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں فقر و حاجت مندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط کی ہے، جن حضرات نے یہ شرط رکھی ہے وہ مؤلفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو حاجتمند اور غریب ہوں، بہر حال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں تک صدقات کے آٹھ مصارف میں سے چار کا بیان آیا ہے، ان چاروں کا حق حرف لام کے تحت بیان ہوا، لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ، آگے جن چار مصارف کا ذکر ہے ان میں عنوان بدل کر لام کی جگہ حرف فی استعمال فرمایا: وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ، زمخشری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ آخری چار مصرف بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے، جس کی وجہ سے معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہئے، اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورت مند ہونا ہے، کیونکہ جو شخص کسی کا مملوک غلام ہے وہ بہ نسبت عام فقراء کے زیادہ تکلیف میں ہے، اسی طرح جو کسی کا قرضدار ہے اور قرضخواہوں کا اس پر تقاضا ہے وہ عام غرباء فقراء سے زیادہ تنگی میں ہے کہ اپنے اخراجات کے فکر سے بھی زیادہ قرضداروں کے قرض کی فکر اس کے ذمہ ہے۔

ان باقی ماندہ چار مصارف میں سب سے پہلے وَفِي الرِّقَابِ کا ذکر فرمایا ہے، رقاب رقبہ کی جمع ہے، اصل میں گردن کو رقبہ کہتے ہیں، عرف میں اس شخص کو رقبہ کہہ دیا جاتا ہے جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ رقاب سے مراد اس آیت میں کیا ہے؟ جمہور فقہاء و محدثین اس پر ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو جس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں مکاتب کہا جاتا ہے ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دیدیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے، اور آقا کو لا کر دے، آیت مذکورہ میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں سے حصہ دے کر اس کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے۔

یہ قسم غلاموں کی باتفاق مفسرین و فقہاء لفظ وَفِي الرِّقَابِ کی مراد ہے کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے، ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ اس کو جائز نہیں سمجھتے، اور حضرت امام مالک بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ وَفِي الرِّقَابِ کو صرف مکاتب غلاموں کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں، اور ایک روایت میں امام مالک سے یہ بھی منقول ہے وَفِي الرِّقَابِ میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ (احکام القرآن ابن عربی مالکی)

جمہور ائمہ وفقہاء جو اس کو جائز نہیں رکھتے، ان کے پیش نظر ایک فقہی اشکال ہے کہ اگر رقم زکوٰۃ سے غلام کو خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی، کیونکہ صدقہ وہ مال ہے جو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے، رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ دی جارہی ہے، اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی، یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام کو پہنچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کر دیا، مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا، اور حقیقی معنی کو بلا وجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی عام مراد لینے کا بلاضرورت کوئی جواز نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جارہے ہیں، اس لئے وَفِی الرِّقَابِ کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے، اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا، پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اشکال کی وجہ سے جمہور ائمہ اور فقہاء نے فرمایا کہ وَفِی الرِّقَابِ سے مراد صرف غلام مکاتب ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضہ میں دے دیا جائے جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہوگا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

چھٹا مصرف اَلْغٰرِمِیْنَ، غارم کی جمع ہے، جس کے معنی مدیون یعنی قرضدار کے ہیں یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پانچواں اور چھٹا مصرف جو حرف فی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے استحقاق میں پہلے چاروں مصارف سے زیادہ ہے، اس لئے غلام کی گلوخلاصی کے لئے یا قرضدار کو ادائے قرض کے لئے دینا عام فقراء ومساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے، شرط یہ ہے کہ اس قرضدار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے، کیونکہ غارم لغت میں ایسے ہی قرضدار کو کہا جاتا ہے، اور بعض ائمہ فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اس نے کسی ناجائز کام کے لئے نہ لیا ہو، اور اگر کسی گناہ کے لئے قرض کرلیا جیسے شراب وغیرہ یا شادی غمی کی ناجائز رسمیں وغیرہ تو ایسے قرضدار کو مد زکوٰۃ سے نہ دیا جائے گا، تاکہ اس کی معصیت اور اسراف بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

ساتواں مصرف فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ہے، یہاں پھر حرف فی کا اعادہ کیا گیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اسمیں دو فائدے ہیں ایک تو غریب مفلس کی امداد دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت، کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے، جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو، یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرے، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں، اس لئے مال زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی، اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں۔ (روح بحوالہ ظہیریہ)

اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لئے نشر واشاعت کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے مگر مال دار صاحب

نصاب کو نہیں دیا جاسکتا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں میں جو فی سبیل اللہ کی تفسیریں مذکور ہیں فقر و حاجتمندی کی شرط ملحوظ ہے، غنی صاحب نصاب کا اس مد میں بھی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ اس کا موجودہ مال اس ضرورت کو پورا نہ کرسکتا ہو، جو جہاد یا حج کے لئے درپیش ہے، تو اگرچہ بقدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اس کو غنی کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کو غنی کہا گیا ہے، مگر وہ بھی اس اعتبار سے فقیر و حاجتمند ہی ہوگیا، کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لئے درکار ہے وہ اس کے پاس موجود نہیں، فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ آیت صدقات میں جتنے مصرف ذکر کئے گئے ہیں ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجتمندی کی بناء پر مستحق ہیں، لفظ فقیر، مسکین میں تو یہ ظاہر ہی ہے، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن السبیل کے الفاظ بھی اس طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بناء پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین کو بطور معاوضہ خدمت دیا جاتا ہے، اسی لئے اس میں غنی و فقیر برابر ہیں، جیسے غارمین کے مصرف میں بیان کیا جاچکا ہے کہ جس شخص کے ذمہ دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

تنبیہ: لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم ﷺ کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کردیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت میں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا، اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کرکے مصرف زکوٰۃ قرار دیدیا، جو سراسر غلط ہے، اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم ﷺ سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو۔ (مبسوط سرخسی، ص ۱۰، ج ۳)

امام ابن جریر، ابن کثیر، قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصرف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصرف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر میں اور فقہاء شافعیہ میں ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور

فقہاء مالکیہ میں سے دردیر نے شرح مختصر خلیل میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے مغنی میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کرلیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ مین اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات وعبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہوتو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے، اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرمادیئے۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جاسکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم ﷺ کے بیان اور صحابہ وتابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

آٹھواں مصرف ابْنِ السَّبِيْلِ ہے، سبیل کے معنی راستہ، اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن عربی محاورات میں ابن اور اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ابْنِ السَّبِيْلِ راہ گیر ومسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے، اور مصارف زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہ ہو، اگر چہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، ایسے مسافر کو مال زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے، جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کرلے، اور وطن واپس جاسکے۔

یہاں تک ان آٹھ مصارف کا بیان پورا ہو گیا جو آیت مذکورہ میں صدقات وزکوٰۃ کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں، اب کچھ ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ان تمام مصارف سے یکساں ہے۔

مسئلہ تملیک:

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگر چہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہونچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا اور وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہوسکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دیجائے اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے، اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دیجائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کردے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں

کیا جا سکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگر چہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہونچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقیہ شافعی امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفیان ثوری اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان آٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

اسی طرح فقیہ حنبلی موفق نے مغنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کی سبیلوں کی تعمیر، یا سڑکوں کی درستی یا مردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارف صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ایتاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے: اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ. وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ. اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ. وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ. وغیرہ اور لفظ ایتاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا والایتاء الاعطاء وخص وضع الصدقة فی القران بالایتاء، یعنی ایتاء کے معنی عطاء فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔

اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ یعنی دے دو عورتوں کو ان کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ، اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجتمند کو اس کا مالک بنا دیا جائے۔

کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے اسی طرح امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (جصاص، ص ۱۵۲ ج ۲)

ادائے زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل:

مسئلہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو صدقات وصول کرنے کے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ: خذها من اغنيائهم وردها فى فقرائهم، یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء میں صرف کردو، اس کی بناء پر فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بلا ضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی میں نہ بھیجی جائے، بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقراء اس کے زیادہ حق دار ہیں، البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے اس میں دوہرے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر و فاقہ اور اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جاسکتا ہے، کیونکہ مقصد صدقات دینی کا فقراء کی حاجت کو رفع کرنا ہے، اسی وجہ سے حضرت معاذ یمن کے صدقات میں اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقراء مہاجرین کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیں۔ (قرطبی بحوالہ دارقطنی)

اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے، مگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے اس کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اداء زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے۔ (قرطبی)

مسئلہ: جس مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دیدے، جیسے تجارتی کپڑا، برتن، فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکال کر وہ مستحقین میں تقسیم کرے، احادیث صحیحہ سے ایسا کرنا ثابت ہے (قرطبی) ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت ہی دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں پیسوں کو کسی بھی ضرورت کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

مسئلہ: اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ وصدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے، ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا، اس میں یہ بھی ضرورت نہیں کہ ان کو یہ جتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں، کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جاسکتا ہے، تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ: جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں، اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں، اس کے متعلق روایات حدیث اور اقوال فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے، آپ نے ان کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کے لئے فرمایا کافی مقدار جمع ہوگئی تو وہ ان کو دے دیگئی، آنحضرت ﷺ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے۔ (قرطبی)

البتہ قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے لئے مجھے زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہئے (قرطبی) اور ظاہر ہے کہ غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کر لینا دشوار نہیں، ان مصارف میں حسب موقع تحقیق کر لینا چاہئے۔

مسئلہ: مال زکوٰۃ [illegible] ماں باپ دادا دادی نانا نانی اور [illegible] بیٹا بیٹی پوتا پوتی [illegible]
نہیں [illegible] ان کو [illegible] اصل ان کے پاس رکھنا [illegible] ان لوگوں [illegible]
ہوتے ہیں۔ شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو اپنی زکوٰۃ دی [illegible] استعمال [illegible]
اور اولاد کا معاملہ ہے اولاد کی اولاد اور دادا پردادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دے دی، بعد میں معلوم ہوا [illegible]
کا غلام یا کافر تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینی چاہئے کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے وہ اس کی ملک
سے نکلا ہی نہیں، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اور کافر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مالدار یا سید ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو
زکوٰۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ رقم زکوٰۃ اس کی ملک سے نکل کر محل ثواب میں پہنچ چکی ہے، اور تعیین مصرف میں جو غلطی
اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہوگئی وہ معاف ہے۔ (درمختار) آیت صدقات کی تفسیر اور اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل بقدر
ضرورت پوری ہوگئی۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ....

تبوک میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے از راہ تمسخر کہا۔ اس شخص (محمد ﷺ) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے
شہروں کو فتح کر لینے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا
ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسیوں میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ یہ ہمارے قراء (صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو،
جھوٹے اور نامردے کیا روم کی باقاعدہ فوجوں سے جنگ کریں گے وغیر ذالک من الھفوات۔ اس قسم کے مقولے جو
مسلمانوں کو روم سے مرعوب و ہیبت زدہ کرنے اور شکستہ خاطر بنانے کے لیے کہہ رہے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نقل
ہوئے۔ آپ ﷺ نے بلا کر باز پرس کی تو کہنے لگے کہ حضرت! ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑا ہی رکھتے ہیں محض خوش وقتی و دل
لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے کہ ہاتوں میں با آسانی سفر کٹ جائے۔

یعنی کیا دل لگی اور خوش وقتی کا موقع و محل یہ ہے کہ اللہ، رسول اور ان کے احکام کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے؟ خدا اور رسول کا
استہزاء اور احکام الٰہیہ کا استخفاف تو وہ چیز ہے کہ اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر کیا جائے، وہ بھی کفر عظیم ہے۔ چہ جائیکہ
منافقین کی طرح از راہ شرارت و بد باطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ....

اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو ضرور سزا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے۔ یعنی
اگر توبہ کرنے اور خلوص نیت رکھنے کی وجہ سے ہم تم میں سے بعض لوگوں کا قصور معاف کر بھی دیں گے تب بھی دوسرے منافقوں
کو (جنہوں نے سچے دل سے) توبہ نہ کی ہوگی عذاب دیں گے کیونکہ نفاق پر جمے رہنے، رسول کو ایذا دینے اور قرآن و رسول
سے استہزاء کرنے کے وہ مجرم ہیں (اور یہ جرائم ایسے نہیں کہ بغیر خالص توبہ کے معاف کئے جا سکیں)۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ صرف ایک شخص مخشی بن حمیر اشجعی کا جرم معاف کیا گیا (ابن اسحاق کی مراد شاید یہ ہے کہ عَنْ طَآئِفَةٍ سے مراد صرف ایک شخص ہے یا یہ مراد ہے کہ روایۃً صرف ایک شخص کا قصور معاف ہونا ثابت ہے باقی لوگوں کا علم نہیں) مخشی منافقوں کے ساتھ ہنستا تو تھا مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور سب سے الگ الگ راستہ میں چل رہا تھا' بلکہ منافقوں کی بعض باتوں کو پسند بھی نہ کرتا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے نفاق سے توبہ کی اور دعا کی: اے اللہ! میں ایسی آیت سن رہا ہوں جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک مل رہی ہے۔ اس کے سننے سے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرز جاتے ہیں۔ اے اللہ! میری موت اپنی راہ میں قتل کی شکل میں مقدر کر دے (اور یہ بھی) کوئی نہ کہے کہ میں نے غسل دیا' میں نے دفن کیا (یعنی مجھے کوئی غسل بھی نہ دے نہ دفن کرے) چنانچہ جنگ یمامہ میں یہ شہید ہو گئے اور سوائے ان کے کسی مسلمان کو معلوم بھی نہ ہوا کہ وہ کہاں شہید ہوئے (اور جنازہ کہاں گیا) مخشی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا نام اور ولدیت بدل دیجئے (گویا کفر کے زمانہ کے نام سے بھی ان کو نفرت ہو گئی تھی) حضور ﷺ نے ان کا نام عبد الرحمٰن یا عبد اللہ رکھ دیا۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ اَیْ مُتَشَابِهُوْنَ فِی الدِّیْنِ كَاَبْعَاضِ الشَّیْءِ وَ الْوَاحِدِ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ الْكُفْرِ وَ الْمَعَاصِیْ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ الْاِیْمَانِ وَ الطَّاعَةِ وَ یَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ ؕ عَنِ الْاِنْفَاقِ فِی الطَّاعَةِ نَسُوا اللّٰهَ تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ فَنَسِیَهُمْ ؕ تَرَكَهُمْ مِنْ لُطْفِهٖ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ هِیَ حَسْبُهُمْ ۚ جَزَاءً وَ عِقَابًا وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۶۸﴾ دَائِمٌ اَنْتُمْ اَیُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا تَمَتَّعُوْا بِخَلَاقِهِمْ نَصِیْبِهِمْ مِنَ الدُّنْیَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ اَیُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ فِی الْبَاطِلِ وَ الطَّعْنِ فِی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَالَّذِیْ خَاضُوْا ؕ اَیْ كَخَوْضِهِمْ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ خَبَرُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۙ قَوْمِ صَالِحٍ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ قَوْمِ شُعَیْبٍ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ قُرٰی قَوْمِ لُوْطٍ اَیْ اَهْلُهَا اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ بِالْمُعْجِزَاتِ فَكَذَّبُوْهُمْ فَاُهْلِكُوْا فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ بِاَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِغَیْرِ ذَنْبٍ وَّ لٰكِنْ

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (بِاِرْتِكَابِ الذُّنُوْبِ) وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ (لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ عَنْ اِنْجَازِ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ) حَكِيْمٌ (لَا
يَضَعُ شَيْئًا اِلَّا فِيْ مَحَلِّهٖ) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ (اِقَامَةٍ) وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ) هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع ۹ ۱۵

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں، بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ بلاشبہ منافق ہی فاسق ہیں۔ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کو کافی ہے سزا اور عذاب کی رو سے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص لعنت کی ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے) اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے (ہمیشہ قائم رہنے والا۔ انتم ایہا المنافقون کالذین من قبلکم الخ (اے منافقو تم کفر و نفاق میں) ان لوگوں کے مانند ہو جو تم سے پہلے (زمانہ میں) ہو چکے ہیں وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے سو انہوں نے اپنے حصہ سے (یعنی اپنے دنیوی حصہ سے) خوب فائدہ اٹھایا' تم نے بھی (اے منافقو) اپنے دنیاوی حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی (برائیوں اور نبی اکرم ﷺ پر طعن کرنے میں) اس طرح گھس گئے ہو جس طرح وہ گھسے تھے (ان کے گھسنے کی طرح اور جس طرح انہوں نے ایمان والوں کے ساتھ استہزا کیا تھا ویسا ہی تم نے کیا)۔ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو کر رہے اور ایسے ہی لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ الخ کیا ان لوگوں کو ان کی خبر نہیں پہونچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور قوم عاد (یعنی ھود علیہ السلام کی قوم اور قوم ثمود (یعنی صالح علیہ السلام کی) اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور اہل مدین (یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم۔ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اور الٹی ہوئی بستیاں (قری قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں مراد بستی والے ہیں۔ ان سب کے پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل (معجزات) لے کر آئے (مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی چنانچہ سب ہلاک و برباد ہو گئے پس اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا (تاکہ بغیر جرم کے ان پر عذاب نازل کر دے) لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (جرائم کا ارتکاب کر کے نافرمانیاں کر کے)۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں نیک باتوں کا (آپس میں) حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحمت فرمائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ

غالب ہے (اللہ تعالیٰ کو ان کے وعدہ اور وعید پورا کرنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی) حکمت والا ہے (ہر چیز اسی کے محل پر رکھتا ہے)۔ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں گے اور (وعدہ کر رکھا ہے) نفیس مکانوں کا جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی (جو ان سب نعمتوں سے بڑی چیز ہے) یہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی) بڑی کامیابی ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَیْ مُتَشَابِهُوْنَ: یعنی حقیقی بعضیت مراد نہیں بلکہ مشابہت مراد ہے۔

قوله: عَنِ الْاِنْفَاقِ فِي الطَّاعَةِ: قبض الید یہ بخل سے مجاز ہے۔

قوله: تَرَكَهُمْ مِنْ لُطْفِه: یہ حال مقدرہ ہے یہاں نسیان کو ترک سے مجاز قرار دیا گیا۔

قوله: اَنْتُمْ اَيُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ كَالَّذِيْنَ کا کاف یہ محل رفع میں مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یہ محل نصب میں مفعول نہیں۔

قوله: نَصِيْبِهِمْ مِنَ الدُّنْيَا: یہ خلق ہے مشتق ہے اور اس کا معنی اندازہ ہے یعنی انسان کے لئے جو خیر مقدر کیا گیا۔

قوله: كَخَوْضِهِمْ: مصناف کو حذف اور ضمیر کو جمع لا کر اشارہ کیا کہ الذی سے نون گرا ہوا ہے۔

قوله: قَوْمِ نُوْحٍ: قوم نوح کو غرق، قوم ہود کو ہوا اور قوم صالح کو زلزلہ اور قوم شعیب کو آگ بادل سے ہلاک کیا۔

قوله: اَهْلُهَا: اس میں مضاف محذوف ہے۔

قوله: اِقَامَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ عدن اقامت کے معنی میں ہے۔

قوله: اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہر کامیابی و سعادت کا سبب ہے۔ اس سے اشارہ ہے کہ من تفضیلیہ مقدر ہے۔

تفسیر مقبولین

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ ....

منافقین اور منافقات کا اعمال و صفات میں تشابہ مع بیان وعید:

(ربط): گزشتہ آیات میں منافقین کے اعمال فاسدہ اور افعال خبیثہ کو بیان کیا اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام منافقین اور منافقات ان قبائح اور فضائح میں ایک دوسرے کے مماثل اور متشابہ ہیں اور اسلام کی عداوت میں سب ایک ہیں۔ مرد اور عورت

سب کا ایک ہی مذہب ہے جو بری خصلتیں ان کے مردوں میں ہیں وہی ان کی عورتوں میں بھی ہیں جس طرح مرد خبیث ہیں اسی طرح عورتیں بھی خبیث ہیں۔ سب کے دل ملتے جلتے ہیں پھر ان منافقوں کو متنبہ کرنے کے لیے گزشتہ امتوں کے کافروں کے حالات یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو وہ مال و دولت اور قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھے مگر جب انہوں نے ہمارے احکام سے سرکشی کی اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی تو انہیں اس کا کیا نتیجہ ملا تمہیں معلوم نہیں کہ قوم عاد اور ثمود کا اور ان بستیوں کا جب الٹی گئیں اس سرکشی اور نافرمانی کی بدولت کیا انجام ہوا ذرا سوچو اور عبرت پکڑو آخر تم خدائی قہر سے اس قدر بے فکر کیوں بیٹھے ہو۔

ربط دیگر: گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جن کا نفاق غزوہ تبوک سے متعلق اب ان آیات میں عام منافقین کے حال کا بیان ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بدباطنی اور اخلاق ذمیمہ میں سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں گویا کہ مرد اور عورت سب ایک ہی مٹی کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں یعنی سب نفاق اور بدباطنی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور سب اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں ان منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو بری بات کا حکم دیتے ہیں یعنی کفر اور شرک اور مخالفت اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور معقول اور پسندیدہ کام سے منع کرتے ہیں یعنی ایمان و اسلام اور اتباع رسول سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں عاجز اور محتاجوں کی مدد سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے فَنَسِيَهُمْ یعنی ان لوگوں نے اللہ کے حکم کو فراموش کیا اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے فراموش اور نظر انداز کر دیا۔ تحقیق جنس منافقین خواہ وہ مرد ہوں یا عورت فاسق کامل یہی لوگ ہیں ہر ایک گناہگار اور ہر کافر فاسق ہے مگر منافقوں کا فسق سب سے بڑھ کر ہے یہ لوگ اگرچہ خدا کو فراموش کر چکے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے قہر اور انتقام سے فراموش اور خاموش نہیں۔

وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے مرد ہوں یا عورت دوزخ کی آگ کا وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں گے وہ ان کو کافی ہے یعنی ان کے کفر و نفاق کی کافی سزا ہے اور مزید برآں اللہ نے ان پر خاص لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگا۔

اے منافقو! کفر اور نفاق اور حق کی عداوت میں تمہاری حالت ان لوگوں کے مانند ہے جو تم سے پہلے تھے جیسے وہ رسول کی نافرمانی کرکے دوزخی ہوئے ویسے ہی تم بھی رسول کی نافرمانی کر کے دوزخی بنے وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال و اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے سو انہوں نے اپنے دنیوی حصہ یعنی مال و اولاد سے فائدہ اٹھایا یعنی دنیاوی لذتوں اور شہوتوں میں مبتلا رہے اور آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی پس اب ان کے بعد تم نے بھی اپنے دنیاوی حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگ دنیا سے فائدہ اٹھا گئے تھے تم اس بارہ میں بالکل ان کے مانند ہو اور ان کے نقش قدم پر ہو اور تم بھی بری باتوں میں اسی طرح گھس گئے ہو جس طرح وہ گھسے تھے۔ یعنی جس طرح انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا تھا ویسا ہی تم نے بھی کیا ایسے ہی کافروں اور منافقوں کے تمام حسنات دنیا اور آخرت میں نیست و نابود اور تباہ اور برباد ہوئے جن کے اعمال خیر پر بھی دنیا و آخرت میں کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں خسارہ اور نقصان میں ہیں۔ جب کھیتی کاٹنے کا وقت آیا تو ساری کھیتی جل کر تباہ ہو گئی یہی حال ان لوگوں کا ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ پچھلوں کے حال اور مآل کا خیال کریں۔

کیاان منافقوں اور کافروں کوان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جوان سے پہلے گذرے ہیں اور عذاب و وبال آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق تھے اور آخرت سے بے فکر تھے۔ان کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً قوم نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہوئی اور قوم عاد جو آندھی سے ہلاک ہوئی اور قوم ثمود جو زلزلہ سے ہلاک ہوئی اور قوم ابراہیم علیہ السلام جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئی اور نمرود مردود مچھر کے ڈنگ مارنے سے ہلاک ہوا اور اہل مدین جو شعیب علیہ السلام کی قوم تھی وہ یوم ظلہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور الٹی ہوئی بستیوں والے یعنی قوم لوط کی بستیاں وہ بھی ہلاک ہوئے ان سب کے پاس ان کے رسول اور پیغمبر اپنی نبوت ورسالت کے روشن دلائل اور صاف صاف نشانیاں لے کر آئے اور عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا مگر ان ظالموں نے ایک نہ سنی بالآخر تباہ اور برباد ہوئے سواللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور بلا جرم کے ان پر عذاب نازل کردے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ان کی عقوبت میں جلدی نہیں کی پیغمبر بھیج کر ان پر اپنی حجت پوری کردی جب کسی طرح ہمارے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے استہزاء اور تمسخر سے باز نہ آئے تب ان پر عذاب اتارا ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا خود انہی لوگوں نے تمرد اور سرکشی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس اس زمانہ کے کفار اور منافقین کو بھی ان سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انبیاء کرام کی تکذیب کا انجام ایسا ہوتا ہے تم بھی ویسے ہی کرتوت کر رہے ہو تم بھی اسی انجام بد کے مستحق ہو۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ....

مدح اہل ایمان مع بشارت غفران ورضوان:

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے فضائح اور قبائح اوصاف قبیحہ اور اعمال شنیعہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ سب کے سب ان قبائح اور فضائح میں ایکدوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔اب بطور مقابلہ مؤمنین کے صفات خیر اور اعمال فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اطاعت شعار اور مخلص اور وفادار بندوں کا یہ حال ہے جو منافقوں کے حال کے برعکس ہے جس طرح منافقین اور منافقات رذائل میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے اسی طرح مؤمنین اور مؤمنات فضائل میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔

اور اس کے بعد ان سے جو رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔اس کا ذکر کیا اور یہ بتلایا کہ ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر جو نعمت ان کو ملے گی وہ یہ ہوگی کہ ان محبین مخلصین کو دائمی رضا کا پروانہ ملے۔اللھم اجعلنا منھم آمین برحمتك یا ارحم الراحمین یاذاالجلال والاکرام۔اور خلفاء راشدین کا اوصاف مذکور کے ساتھ موصوف ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہٰذا وہ اس بشارت کے اولین مستحق اور سزاوار ہیں غرض یہ کہ اوپر کی آیتوں میں منافقین کے فضائح اور قبائح کا ذکر تھا۔اب ان آیتوں میں اہل ایمان کے مدائح کا بیان ہے جیسا کہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء۔ضد کے ذکر کرنے سے اصل شیٔ کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور کارساز ہیں اور صفات فاضلہ میں ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں زبان سے حکم کرتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور فعل ان کا یہ ہے کہ نماز کو ٹھیک طرح سے پابندی

کے ساتھ پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ دل وجان سے وہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہیں۔ ایسے لوگوں پر جن میں یہ صفات جمع ہوں ان پر اللہ ضرور اپنی خاص رحمت فرمائے گا۔ جس سے ان کی نفسانیت پر مغلوب ہو روحانیت اور نورانیت غالب رہے گی۔ تحقیق اللہ غالب ہے جو چاہے کرے حکمت والا ہے۔ ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے۔

وعدہ کیا ہے اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور وعدہ کیا ہے ان سے پاکیزہ گھروں اور نفیس مکانوں کا عدن کے باغوں میں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عدن وسط جنت کا نام ہے یعنی جنت کے درمیانی حصہ کو عدن کہتے ہیں۔ جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عدن کے معنی اقامت کے ہیں اور یہ لفظ کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ جنت کی صفت ہے اور کل جنت عدن ہے یعنی ہمیشگی کی جگہ ہے اور ان سب نعمتوں کے علاوہ اللہ کے طرف سے خوشنودی سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے جنت اسی وجہ سے جنت اور نعمت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہے یہ یعنی خدا کی رضامندی یہی بڑی کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں تمام سعادتوں اور تمام کرامتوں کا مبدا اور منتہا یہی رضائے خداوندی ہے۔ صحیحین وغیرہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ اہل جنت کو ندا دے گا کہ اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: لبیک ربنا وسعدیک والخیر فی یدیک ہم حاضر ہیں پھر فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہم راضی کیوں نہ ہوں تو نے ہم کو وہ کچھ عنایت فرمایا جو آپ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نہ عطا کروں عرض کریں گے کہ اس سے افضل اور بہتر کون سی چیز ہے فرمائے گا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اب اس کے بعد کبھی تم سے ناخوش اور ناراض نہ ہوں گا۔

نکتہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کی رضامندی سے افضل کوئی نعمت نہیں رضاء خداوندی کا درجہ بہشت سے بھی بڑھ کر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دنیا ہی میں اعلان کر دیا گیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور کرامت ہوگی کہ مرنے سے پہلے ہی صحابہ کرام نے اپنے لیے رضاء خداوندی کا مژدہ جانفزا سن لیا اور قرآن میں تصریح ہے: فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اللہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام فاسق نہ تھے۔ بلکہ صحابہ سے ناراض ہونے والا فاسق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ بِالسَّيْفِ وَالْمُنٰفِقِيْنَ بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ بِالْاِنْتِهَارِ وَالْمَقْتِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ اَلْمَرْجِعُ هِيَ يَحْلِفُوْنَ اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ مَا بَلَغَكَ عَنْهُمْ مِنَ السَّبِّ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ اَظْهَرُوا الْكُفْرَ بَعْدَ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ مِنَ الْفَتْكِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ عِنْدَ عَوْدِهٖ مِنْ تَبُوْكَ وَهُمْ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا فَضَرَبَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وُجُوْهَ الرَّوَاحِلِ لِمَا غَشُوْهُ فَرَدُّوْا

مَا نَقَمُوْٓا انکروا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ بِالْغَنَائِمِ بَعْدَ شِدَّةِ حَاجَتِهِمْ الْمَعْنٰی لَمْ
يَنَلْهُمْ مِنْهُ اِلَّا هٰذَا وَلَيْسَ مِمَّا يُنْقَمُ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا عَنِ النِّفَاقِ وَيُؤْمِنُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا عَنِ
الْاِيْمَانِ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا بالقتل وَ الْاٰخِرَةِ ۚ بِالنَّارِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ
وَّلِيٍّ يَحْفَظُهُمْ مِنْهُ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾ يَمْنَعُهُمْ وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ
فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَهُوَ ثَعْلَبَةُ ابْنُ حَاطِبٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّدْعُوَ لَهٗ اَنْ يَّرْزُقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَيُؤَدِّيَ مِنْهُ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَدَعَا لَهٗ فَوُسِّعَ عَلَيْهِ فَانْقَطَعَ
عَنِ الْجُمُعَةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَنَعَ الزَّكٰوةَ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا عَنْ
طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ اَيْ فَصَيَّرَ عَاقِبَتَهُمْ نِفَاقًا ثَابِتًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ
يَلْقَوْنَهٗ اَيِ اللّٰهَ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ فِيْهِ فَجَاءَ بَعْدَ
ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاتِهٖ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ مَنَعَنِيْ اَنْ اَقْبَلَ مِنْكَ فَجَعَلَ يَحْثُو التُّرَابَ عَلٰى
رَاْسِهٖ ثُمَّ جَاءَ بِهَا اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَلَمْ يَقْبَلْهَا ثُمَّ اِلٰى عُمَرَ فَلَمْ يَقْبَلْهَا ثُمَّ اِلٰى عُثْمَانَ فَلَمْ يَقْبَلْهَا ثُمَّ مَاتَ فِيْ
زَمَانِهٖ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ مَا اَسَرُّوْهُ فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَ نَجْوٰىهُمْ مَا تَنَاجَوْا بِهٖ
بَيْنَهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ مَا غَابَ عَنِ الْعِيَانِ وَلَمَّا نَزَلَتْ اٰيَةُ الصَّدَقَةِ جَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ
كَثِيْرٍ فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ مُرَاءٍ وَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ فَقَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هٰذَا فَنَزَلَ اَلَّذِيْنَ
مُبْتَدَاٌ يَلْمِزُوْنَ يَعِيْبُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ الْمُتَنَفِّلِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا
جُهْدَهُمْ طَاقَتَهُمْ فَيَاْتُوْنَ بِهٖ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ وَالْخَبَرُ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ جَازَاهُمْ عَلٰى
سُخْرِيَتِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ يَا مُحَمَّدُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ تَخْيِيْرٌ لَهٗ فِي
الْاِسْتِغْفَارِ وَتَرْكِهٖ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ يَعْنِي الْاِسْتِغْفَارَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ اِنْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ قِيْلَ الْمُرَادُ بِالسَّبْعِيْنَ الْمُبَالَغَةُ فِيْ كَثْرَةِ

الْاِسْتِغْفَارِ وَفِی الْبُخَارِیْ حَدِیْثُ لَوْ اَعْلَمُ اِنِّیْ لَوْزِدْتُ عَلَی السَّبْعِیْنَ غُفِرَ لَزِدْتُ عَلَیْهَا وَقِیْلَ الْمُرَادُ الْعَدَدُ الْمَخْصُوْصُ لِحَدِیْثِهٖ اَیْضًا وَ سَاَزِیْدُ عَلَی السَّبْعِیْنَ فَبُیِّنَ لَهٗ حَسْمُ الْمَغْفِرَةِ بِاٰیَةِ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

ع ١٠ ٨ ١٢ الْفٰسِقِیْنَ ۠﴿۸۰﴾

ترجمہ: اے نبی کافروں سے (تلوار کے ذریعہ) اور منافقوں سے (زبان اور برہان کے ذریعہ) جہاد کیجئے اور ان سے سختی کیجئے (ڈانٹ ڈپٹ کر اور خفا ہو کر اور انکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے (برا ٹھکانہ ہے) یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ الخ یہ لو (یعنی منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے (وہ بات نہیں کہی، (جو بری بات آپ تک پہنچی ہے) اور حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے (یعنی انہوں نے اپنے کفر کو ظاہر کیا اپنے اسلام کے ظاہر کرنے کے بعد) اور قصد کیا ان لوگوں نے اس چیز کا جس کو وہ حاصل نہ کر سکے (یعنی ان لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو قتل کر دیں تبوک سے واپسی کے وقت عقبہ کی رات قتل کی سازش کی تھی اور یہ لوگ دس سے کچھ زائد تھے، جب یہ لوگ حضور اقدس کے سامنے آئے تو حضرت عمار بن یاسر نے انکی سواریوں کے منہ پر مار مار کر رخ پھیر دیا چنانچہ وہ سب واپس پھر گئے۔ یہ منافقین ایسے ہیں جو نفلی صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جن کو بجز اپنی مشقت کے (اپنی طاقت آمدنی کے) کچھ نہیں پاتے (اسی کو لے کر وہ حاضر ہو جاتے ہیں) پھر ان سے تمسخر کرتے ہیں (یعنی مذاق اڑاتے ہیں) سخر اللہ منہم الخ یہ الذین مبتدا کی خبر ہے) اللہ (قیامت کے دن) ان سے تمسخر کرے گا (یعنی اللہ تعالیٰ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا یعنی تمسخر سے ملے گا) ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ الخ آپ (اے محمد ﷺ) ان منافقین کے لئے دعائے مغفرت کریں یا دعائے مغفرت نہ کریں (آپ کو استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ چونکہ اختیار دیا گیا ہے اسلئے میں استغفار یعنی مغفرت کی دعاء کرنے کا اختیار رکھتا ہوں (رواہ البخاری۔ آپ اگر ان کے لئے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں جب بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (قِیْلَ الْمُرَادُ بِالسَّبْعِیْنَ الخ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ستر کے عدد سے مراد کثرت استغفار میں مبالغہ مقصود گے اور بخاری ایک حدیث ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اگر استغفار کروں گا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عدد مخصوص ہی مراد ہے اسی حدیث کی وجہ سے کہ لَوْزِدْتُ عَلَی السَّبْعِیْنَ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت: سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ الخ سے قطع مغفرت کی وضاحت کر دی یعنی قابل استغفار ہونے کو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا)۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ الخ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ :اس لئے کہ تلوار ان سے ساقط ہے۔

قوله: اَلْمُنَافِقُوْنَ : یہ جلاس کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اگر محمد ہمارے ساتھیوں سے متعلق سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہوئے۔ عامر بن قیسؓ نے فرمایا اللہ کی قسم بات اسی طرح ہے محمد ﷺ سچے ہیں اور تم گدھے سے بدتر ہو۔ آپ نے اس کو بلا کر پوچھا تو اس نے اقرار کر کے سچی توبہ کر لی۔

قوله: اَلْفَتْكِ : یعنی تبوک سے واپسی پر منافقین نے آپ کو اچانک حملہ کر کے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

قوله: اَلْعَقَبَةِ : مشکل پہاڑی گھاٹی۔

قوله: فَضَرَبَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ : آپ کی اونٹنی کی مہار تھامنے والے تھے انہوں نے مار مار کر انکی اونٹنیوں کو بھگا دیا۔

قوله: فَصَيَّرَ عَاقِبَتَهُمْ : اعقب عاقبہ سے ہے تعقیب اور عقوبۃ سے نہیں ہے۔ اشارہ کیا کہ ہمزہ صیرورت کے لئے ہے۔ ضمیر فاعل اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔

قوله: مَا تَنَاجَوْا بِه : اس سے دین کے احکام سے متعلق طعنہ زنی کے کلمات ہیں۔ جس کو وہ اپنی مجالس میں بکتے تھے۔

قوله: جَازَا هُمْ : اس کو مقدر مانا تا کہ سخر اللہ کا مطلب واضح ہو۔

قوله: تَخْيِيْرٌ لَه : یہ امر خبر کے معنی میں ہے۔ گویا اس طرح فرمایا خواہ تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشیں گے۔

قوله: اَلْمُبَالَغَةَ فِيْ كَثْرَةِ الْاِسْتِغْفَارِ : عرب سات یا ستر کا استعمال کثرت کے لئے کرتے ہیں کیونکہ سات تمام اقسام زوج و فرد کو شامل ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ....

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم:

عام کافروں سے اور منافقوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچتی رہتی تھی۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً صبر اور درگزر کا حکم فرمایا تھا پھر جہاد کی اجازت دے دی جیسا کہ سورۂ حج میں (اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا) فرمایا۔ پھر کفار سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم فرما دیا جو اس سورت میں مذکور ہے۔ اوپر جن آیات کا

ترجمہ لکھا گیا ان میں پہلی آیت میں کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لفظ جہاد ہر طرح کی کوشش کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اختیار کی جائیں۔ اس کی ایک صورت قتال کرنا اور جنگ کرنا بھی ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافروں سے جہاد بالسیف یعنی قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقین سے ان کے حال کے مطابق جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی ان سے جہاد باللسان کا حکم فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت کی جاتی رہے اور ان پر حجت قائم کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے منافقین کو قتل نہیں فرمایا کیونکہ یہ ظاہری طور پر اسلام کے دعویدار تھے۔

مزید فرمایا: اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجیے کافروں سے تو جنگ میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔ منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو عامۃ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کیے جائیں اور قوانین اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔ اگر کوئی کام ایسا کر بیٹھیں جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو تو اس کے نافذ کرنے میں مسامحت نہ کی جائے۔ (راجع روح المعانی و معالم التنزیل)

پھر فرمایا: وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے) دنیا میں وہ ایمان سے بچ رہے ہیں اور آخرت میں اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ دوزخ کو معمولی چیز نہ سمجھیں، وہ برا ٹھکانہ ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ ....

منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں:

آگے بڑھنے سے پہلے آیت: (يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا) کا سبب نزول جان لینا چاہیے۔ سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے متعدد روایات لکھی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۱ ج ۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے وہ تمہیں شیطانی آنکھوں سے دیکھے گا جب وہ آ جائے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔ ذرا سی دیر بھی نہ گزری تھی کہ نیلی آنکھوں والا ایک شخص آ گیا اسے رسول اکرم ﷺ نے بلایا اور فرمایا، تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔ وہ فوراً گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا، اور وہ سب لوگ قسم کھا گئے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ اور دوسرا واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ فرمایا اور ان کو رجس یعنی ناپاک بتایا اور ان کی برائیاں بیان کیں اس پر جلاس بن سوید نامی ایک شخص نے کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ سچ ہو تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس کی اس بات کو عامر بن قیس (صحابی رضی اللہ عنہ) نے سن لیا تھا۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے آپ کو جلاس کی بات بتا دی۔ جلاس نے کہا کہ یا رسول اللہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ دونوں منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ جلاس نے نماز عصر کے بعد منبر کے پاس قسم کھالی کہ میں نے نہیں کہا اور مجھ پر عامر نے تہمت باندھی ہے۔ اس کے بعد عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس نے ضرور کہا ہے میں نے اس پر جھوٹ نہیں باندھا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو سچا ہے اس کی سچائی کو ظاہر فرمانے کے لیے اپنے نبی ﷺ پر کوئی آیت نازل فرمائیے، اس

پر رسول اللہ ﷺ نے اور جو منافقین حاضر تھے سب نے آمین کہا ابھی مجلس سے متفرق ہونے نہ پائے تھے کہ آیت شریفہ نازل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا) کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یہ واقعی بات ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے (دل سے تو پہلے بھی کافر تھے ظاہر میں جو اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس دعویٰ کا جھوٹ ہونا علی الاعلان ثابت ہوگیا)

اب هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ سے متعلقہ سبب نزول معلوم کیجیے اور وہ یہ ہے کہ منافقین میں سے بارہ آدمی تبوک کے راستہ میں ایک گھاٹی پر ٹھہر گئے۔ انہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزریں گے تو اچانک رات کے اندھیرے میں آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو ان کی نیتوں کا حال بتا دیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے پاس کسی شخص کو بھیج دیں جوان کا رخ دوسری طرف کو موڑ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے بھیج دیا۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۲ ج ۲) نے بالا جمال یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی (ص ۱۳۹ ج ۱۰) نے بیہقی کی دلائل النبوۃ سے قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو میں آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا اور عمار پیچھے پیچھے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی آگئی تو وہاں بارہ آدمیوں کو پایا جو سواریوں پر سوار تھے اور انہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتادی آپ نے جوز ور سے آواز دی تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ یہ لوگ چہروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ البتہ ہم نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ منافق تھے جو قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو گھاٹی میں نیچے گرادیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان کے قبیلوں کے پاس یہ حکم نہیں بھیجتے کہ ان میں سے ہر ایک کا سر کاٹ کر بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ اہل عرب یوں باتیں کریں کہ محمد ﷺ نے ایک قوم کو ساتھ لے کر قتال کیا یہاں تک کہ جب اللہ نے آپ کو غلبہ دے دیا تو ان لوگوں کو قتل کرنے لگے جو جہادوں میں ساتھ تھے۔ منافقین کی نیتوں اور حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ (انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جس میں کامیاب نہ ہوئے)

منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ کہ ان لوگوں نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا کوئی سبب نہیں ہے ان کو کسی نے تکلیف نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی نے منصوبہ بنایا اگر کوئی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں فضل خداوندی سے مالا مال کر دیا پہلے تنگدست تھے فقیر تھے اسلام آیا تو اس کی برکتیں بھی ساتھ آئیں وہ برکتیں ان کو بھی شامل حال ہوگئیں۔ اللہ کے اس فضل و کرم کا انہوں نے یہ بدلہ دیا کہ داعی اسلام ﷺ کے خلاف منصوبہ بنایا۔ الٹی ہی چال چلے۔ احسان کا بدلہ احسان سے دینے اور شکر گزار ہونے کی بجائے برے منصوبے بنانے میں مشغول ہوگئے۔ عام طور

سے تو اسلام کی برکات سب کو شامل تھیں لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں کہ خاص جلاس نامی شخص کو اس کے ایک غلام کے مقتول ہو جانے پر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے بارہ ہزار درہم کی دیت دلا دی تھی۔ یہ معالم التنزیل میں لکھا ہے اور روح المعانی بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جلاس کے ذمہ قرضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے ادا فرما دیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا: فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ (پس اگر یہ توبہ کرلیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا) معالم التنزیل میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو جلاس وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر توبہ پیش فرمائی ہے میں اقرار کرتا ہوں کہ عامر بن قیس نے جو بیان کیا وہ سچ تھا واقعی میں نے یہ بات کہی تھی جو عامر نے میری طرف منسوب کی اور اب میں استغفار کرتا ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات مان لی اور صحیح معنی میں اس نے توبہ کرلی۔

مزید فرمایا: وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ (اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں۔ ایمان خالص پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا)

وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ (یعنی پوری دنیا میں کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچالے) آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی منافقوں کو دنیا میں جس عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بار بار رسوائی ہونا۔ اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا، سب کی نظروں سے گر جانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروت کا معاملہ کیا جاتا رہا اس لیے مفسرین نے عذاب دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ....

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا:

منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اس لیے اہل ایمان کو طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے ان تکلیفوں میں یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کو طعن اور طنز اور مسخرہ بازی کا نشانہ بناتے تھے۔ صحیح بخاری (ص ۶۷۳ ج ۲) میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا تھا تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنی کمروں پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے)۔ اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے اور عاصم بن عدی نے سو وسق کھجوریں حاضر کر دیں اس پر منافقین نے طنز کیا کہنے لگے اجی کچھ نہیں، یہ تو ریاکاری ہے، ایک صحابی حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صاع کی کیا ضرورت تھی؟ (چونکہ یہ صدقہ تھوڑا سا تھا اس لیے ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو عقیل نے خوب زیادہ محنت کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں (ایک صاع ساڑھے سیر کا ہوتا ہے) ان میں سے ایک صاع گھر والوں کو دے دیا اور ایک صاع لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کر

دی، آپ نے فرمایا اس کو مال صدقہ میں ڈال دو۔ منافق ان کا تمسخر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تمسخر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تمسخر پر سزا دے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۵ ج ۲، ص ۳۷۶ ج ۲)

حضرت ابو عقیل جو محنت مشقت کر کے تھوڑی سی کھجوریں کسب کر کے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ (جو لوگ اپنی محنت مشقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں) اس میں صدقہ کرنے کے لیے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں، محنت و مشقت سے کچھ مال حاصل کر کے اللہ کی رضامندی کے لیے پیش کر دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے کے لیے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی و مالی عبادات کا ذوق ہو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ حضرات صحابہ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں۔ منافقین چونکہ کافر ہیں (اگرچہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) اس لیے ان کے ساتھ آخرت میں کافروں والا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کی مغفرت کا کوئی راستہ نہیں اس کو واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ کما فی سورۃ المنافقین: (سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ) یعنی آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں (یہ ان کے لیے برابر ہے) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ (اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

(انوار البیان)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ عَنْ تَبُوْكَ بِمَقْعَدِهِمْ بِقُعُوْدِهِمْ خِلٰفَ اَیْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَا تَنْفِرُوْا لَا تَخْرُجُوْا اِلَی الْجِهَادِ فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا مِنْ تَبُوْكَ فَالْاَوْلٰی اَنْ تَتَّقُوْهَا بِتَرْكِ التَّخَلُّفِ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ مَا تَخَلَّفُوْا فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا فِی الدُّنْيَا وَّ لْيَبْكُوْا فِی الْاٰخِرَةِ كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ خَبَرٌ عَنْ حَالِهِمْ بِصِيْغَةِ الْاَمْرِ فَاِنْ رَّجَعَكَ رَدَّكَ اللّٰهُ مِنْ تَبُوْكَ اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ مِمَّنْ تَخَلَّفَ بِالْمَدِيْنَةِ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ مَعَكَ اِلٰی غَزْوَةٍ اُخْرٰی فَقُلْ لَّهُمْ لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝٨٣ الْمُتَخَلِّفِيْنَ عَنِ الْغَزْوِ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ وَلَمَّا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنِ اُبَيٍّ نَزَلَ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ لِدَفْنٍ
اَوْزِيَارَةٍ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨٤ كَافِرُوْنَ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ
اَوْلَادُهُمْ ؕ لا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ تخرج اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ۝٨٥ وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَيْ طَائِفَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَنْ اَيْ بِاَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ
اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ ذوو الغنى مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٨٦ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ
الْخَوَالِفِ جَمْعُ خَالِفَةٍ اَيِ النِّسَاءِ اللَّاتِيْ تَخَلَّفْنَ فِي الْبُيُوْتِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٨٧
الْخَيْرَ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ فِي
الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٨٨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٨٩ ع ۱۱ ۱۷

ترجمہ: فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ الخ جولوگ (غزوہ تبوک سے) پیچھے چھوڑ دئے گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے۔ اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو مکروہ سمجھا اور (آپس میں بعض بعض سے) کہنے لگے کہ گرمی میں (جہاد کے لئے) نہ نکلو، اے نبی آپ کہہ دیجئے جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ سخت گرم ہے (تبوک کی گرمی سے اس لئے مخالفت چھوڑ کر نارِ جہنم کی گرمی سے بچنا زیادہ بہتر ہے) کاش کہ یہ منافقین سمجھتے ہوتے (یعنی اس کو جان لیتے کہ جہنم کی گرمی کیسی ہے تو بیٹھے نہیں رہتے) تھوڑے دنوں (دنیا میں) ہنس لیں اور (آخرت میں) بہت دنوں (یعنی ہمیشہ روتے رہیں)۔ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ الخ تو اگر اللہ تعالیٰ آپ کو (سفر تبوک سے) واپس لائے ان میں سے کسی گروہ کی طرف (یعنی منافقین میں سے جو مدینہ میں رہ گئے تھے ان کی طرف) پھر یہ لوگ (کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ) نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ کبھی ہرگز نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔ تحقیق تم پہلی بار اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے (سو اب دوسری بار بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو (یعنی جو لوگ غزوہ سے پیچھے رہنے والے ہیں یعنی عورتوں اور بچے وغیرہ جیسے اپاہج) وَلَمَّا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنِ اُبَيٍّ نَزَلَ (یہاں سے مفسر علامؒ آئندہ آیت: وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ کا شان نزول بیان کر رہے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق مر گیا تو آپؐ اس کے مسلمان بیٹے کی خاطر اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے جس طرح آنحضرت ﷺ نے اس کی زندگی میں اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اسی طرح اس کے مرنے

کے بعد بھی اس کے مسلمان بیٹے کے اصرار پر آپ نے اسکے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اور نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ منافق تھا آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: استغفر لهم اولا تستغفر لهم الخ۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے یعنی ممانعت نہیں کی ہے میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کرونگا اور جب آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی پر نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی اور ان منافقوں میں سے کوئی مرجائے تو آپ ان میں سے کسی کی بھی جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔ مسئلہ ۱۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ مسئلہ ۲۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کیلئے جانا حرام ہے عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی مجبوری کے لئے تو وہ اس کے منافی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مرجائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان دار اس کو اسی طرح بغیر رعایت طریق مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے اور تعجب میں نہ ڈالیں آپ کو ان منافقین کے مال اور اولاد اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان مجرمین کو ان کے مال و اولاد کے سبب دنیا میں عذاب دے اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ الخ اور جب کوئی سورت (قرآن کا کوئی حصہ) نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہوکر جہاد کرو تو جو ان میں سے قدرت والے (دولت والے) ہیں وہ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجئے تاکہ ہم رہ جائیں گھر بیٹھنے والوں کے ساتھ، وہ لوگ اس بات پر راضی ہوگئے کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہیں (خوالف خالفة کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں جو مردوں کے جانے کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں) اور ان کے دلوں پر (کفر و نفاق) کی مہر لگادی گئی ہے جس سے وہ بھلائی (کو نہیں سمجھتے، لیکن رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ شامل ہوکر ایمان لائے ان لوگوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے (دنیا اور آخرت میں) خوبیاں ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِقُعُودِهِمْ: مقعد کا لفظ مصدر میمی ہے ظرف نہیں اسی لئے اس کی تفسیر قعود مصدر سے کی گئی ہے۔

قوله: خِلَفَ اَیْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ: یہ مقعد کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ خلاف کا معنی بعد اور خلاف ہے۔

قوله: مَا تَخَلَّفُوا: یہ لو مقدر کا جواب ہے۔ ماقبل جواب نہیں۔

قوله: خَبَرٌ عَنْ حَالِهِمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ضحک کا امر نہیں بلکہ ان کی حالت کی اطلاع ہے۔

قوله: اَوَّلَ مَرَّةٍ: معرفہ متعددہ کی طرف جو اسم مضاف ہو اس میں تذکیر و تانیث ہر دو درست ہے جیسے کہتے ہیں افضل

النساء وغیرہ۔

قوله: وَلَمَّا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یعنی آپ نے نماز کا ارادہ فرمایا۔

قوله: لِدَفْنٍ اَوْزِيَارَةٍ: جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کو دفن کر لیتے تو اس کی قبر پر رک جاتے اور اس کے لیے دعا فرماتے تھے۔

قوله: طَائِفَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ: اس سے مراد ایک سورۃ ہو یا سورۃ کا کچھ حصہ۔ کیونکہ سورۃ کا اطلاق تمام سورت پر اور بعض پر اور قرآن کا اطلاق بعض یا تمام قرآن پر ہوتا رہتا ہے۔

قوله: فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ: خیرات یہاں مطلق بھلائی کے معنی میں ہے۔ یہاں حور کے معنی میں نہیں۔

تفسیر مقبولین

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ....

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ گئے:

ان آیات میں بھی منافقین کی مذمت ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ تشریف لے گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کو پیچھے رہ جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اچھا ہوا ہم نہ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہمراہ نہ جانے پر خوشی منائی اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جانے پر افسوس تو کیا ہوتا دوسروں کو بھی جانے سے روک رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ گرمی میں مت نکلو۔ ایسی سخت گرمی میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا کی گرمی کا تو خیال کیا۔ دوزخ کی آگ کی گرمی سے بچنے کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ وہ دنیا والی گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اور اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی جائے، دنیا کی گرمی تو قابل برداشت ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تھے کوئی پگھل تو نہیں گئے، تکلیف تو ہوئی مگر خیریت کے ساتھ واپس آ گئے دوزخ کی آگ کی کس کو سہار ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا جلانے کو (تو) یہی بہت ہے آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دنیا کی آگ کی بہ نسبت دوزخ کی آگ میں ۶۹ درجہ زیادہ گرمی بڑھا دی گئی ہے۔ ہر درجہ کی گرمی اسی قدر ہے جتنی دنیا کی آگ کی گرمی ہے۔ (بخاری ص ۴۶۲ ج ۱) دنیا کی گرمی سے گھبرا کر فرائض اور واجبات چھوڑنے والے اس پر غور کر لیں۔ ان لوگوں کا خود جانے کا ارادہ نہ تھا اور تکوینی طور پر بھی ان کے بارے میں یہی فیصلہ تھا کہ یہ لوگ نہ جائیں جیسا کہ: (وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ) میں فرمایا ہے اس لیے اَلْمُخَلَّفُوْنَ فرمایا کہ یہ لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ ....

یعنی یہ دنیا میں تھوڑا سا ہنس لیں اور آخرت میں زیادہ روئیں گے۔ یہاں تھوڑی سی خوشی ہے جس میں ہنسی بھی ہے اور دوسروں کا مذاق بنانا بھی ہے جس کو خوش طبعی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آخرت میں کافروں کی جو بدحالی ہوگی اس پر جو روئیں گے اس رونے کا تصور کریں تو یہاں کی ذرا سی خوشی کو بھول جائیں۔ وہاں تو ان کا رونا ہی رونا ہے۔ حضرت عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دوزخی اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہوں گے بلکہ) وہ آنسوؤں کی جگہ خون سے روئیں گے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک (ص ٦٠٥ ج ٤، و قال هذا حديث صحيح الاسناد و أقرة الذهبی) (حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اسے یہی مقام دیا ہے)

جو لوگ دنیا میں اللہ کے خوف سے روتے ہیں ان کا یہ رونا رحمت اور نعمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور ایک وہ آنکھ جس نے فی سبیل اللہ (جہاد میں) چوکیداری کرتے ہوئے رات گزاری۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھ تاکہ تجھے نقصان نہ پہنچاوے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے۔ (یعنی بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکل کیونکہ باہر فتنے ہیں اور گناہوں کے کام ہیں اور اپنے گناہوں پر روتا رہ)۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

جو لوگ آخرت کے فکرمند نہیں ہیں وہ یہاں نہیں روتے انہیں وہاں رونا ہوگا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (ان کاموں کے بدلے جو یہ کیا کرتے تھے) یعنی ان کا یہ بہت زیادہ رونا کفر و نفاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوگا۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ ....

یعنی اگر اللہ آپ کو غزوۂ تبوک کے سفر سے ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائیں جو آپ کے واپس پہنچنے تک مدینہ میں موجود ہوں اور پھر آپ کو کسی دوسرے موقعہ پر جہاد کے لیے جانا ہو اور یہ لوگ ہمراہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے فرما دیں کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ یعنی میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا۔ چونکہ تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا لہٰذا اب بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں (یعنی بوڑھے بچے اور عورتیں) تم انہیں میں رہو۔ وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تو بغیر معذوری ہی کے ان کے ساتھ رہ جاؤ میں تمہیں ساتھ نہیں لیتا۔ قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهى للمبالغة (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ خبر دینا ہے نہی کے معنی میں مبالغہ کی وجہ سے)۔

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دنیا سازی

کے طور پر ہے۔ جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے۔ لہٰذا تم پیچھے رہ جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کرلو جھوٹی اجازت لے کر اہل ایمان کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔ فھو خبر بمعنی الخبر و ھو المتبادر من لفظ التنزیل العزیز۔ (پس وہ خبر ہے اور خبر ہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا....

منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہونے کی ممانعت:

صحیح بخاری (ص ٦٧٣، ص ٦٧٤ ج ٢) میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہوگئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرمادیں جو اسے بطور کفن پہنا دیا جائے آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرمادیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے۔ آپ نے پھر بھی اس کی نماز پڑھادی اس پر آیت بالا (وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا) (آخر تک) نازل ہوئی۔ فتح الباری (ص ٣٣٦ ج ٨) میں ہے کہ آپ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ کی خوشی کے لیے اور قبیلہ خزرج کی تالیف قلب کے لیے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا۔ میں نے تو یہ عمل اس لیے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں اھ روح المعانی (ص ١٥٤ ج ١٠) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ افراد مسلمان ہو جائیں گے، پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ عبداللہ بن ابی کو جو آپ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ تفسیر و حدیث کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا تو اس وقت ان کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قدآور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا ان کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا۔ لہٰذا آپ نے اس کی مکافات کے لیے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے کے لیے عنایت فرمادیا۔ (روح المعانی ص ١٥٤ ج ١٠)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الذَّالِ فِي الْاَصْلِ اَيِ الْمُعْتَذِرُوْنَ بِمَعْنَى الْمَعْذُوْرِيْنَ وَقُرِئَ بِهٖ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِيُؤْذَنَ لَهُمْ فِي الْقُعُوْدِ لِعُذْرِهِمْ فَاَذِنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فِي ادِّعَاءِ الْاِيْمَانِ مِنْ مُنَافِقِي الْاَعْرَابِ عَنِ الْمَجِيْءِ لِلْاِعْتِذَارِ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ كَالشُّيُوْخِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى كَالْعُمْيِ وَالزَّمْنٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا

يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ فِی الْجِهَادِ حَرَجٌ اِثْمٌ فِی التَّخَلُّفِ عَنْهُ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ فِیْ حَالِ قُعُوْدِ هِمْ بِعَدَمِ الْاِرْجَافِ وَالتَّثْبِيْطِ وَالطَّاعَةِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ بِذٰلِكَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ طَرِيْقٍ بِالْمُؤَاخَذَةِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لَّهُمْ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾ بِهِمْ فِی التَّوْسِعَةِ فِیْ ذٰلِكَ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ مَعَكَ اِلَى الْغَزْوِ وَهُمْ سَبْعَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَقِيْلَ بَنُوْ مُقْرِنٍ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ حَالٌ تَوَلَّوْا جَوَابُ اِذَا اَیِ انْصَرَفُوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ تَسِيْلُ مِنَ لِلْبَيَانِ الدَّمْعِ حَزَنًا لِاَجْلِ اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فِی الْجِهَادِ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ فِی التَّخَلُّفِ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ

ترجمہ: اصل میں میں تاء کو ذال میں ادغام کر کے یعنی معتذرون معنی میں معذرین کے ہے اور ایک قراءت میں معتذرون بھی آیا ہے اور آئے دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے آپ ﷺ کے پاس تا کہ ان کو (جہاد سے پیچھے رہنے کی یعنی ان کے عذر کی وجہ سے گھر بیٹھے رہنے کی اجازت مل جائے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اجازت دے دی) اجازت مل جائے اور (ان دیہاتیوں میں سے) جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے (دعویٰ ایمان میں) بالکل ہی جھوٹ بولا تھا وہ معذرت کے لئے بھی آنے سے بالکل ہی بیٹھ رہے ان میں جو کافر رہیں گے ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى الخ اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقت میں معذور نہیں تھے مگر باوجود قدرت کے نفاق کی وجہ سے جہاد میں جانا نہیں چاہتے اور جھوٹے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں ایسے لوگوں کا عذر عند اللہ مقبول نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو در حقیقت معذور ہیں اور ضعیف بوڑھے اور بیمار کمزور ہیں اور ان کے عذر واقعی ہیں ایسے لوگوں کے عذر اللہ کے نزدیک مقبول ہیں چنانچہ ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ الخ ضعیفوں (جیسے بوڑھے لوگ) پر گناہ نہیں اور نہ بیمار پر (جیسے اندھا اپاہج وغیرہ) اور نہ ان لوگوں پر جن کو (سامان جہاد کی تیاری میں) خرچ کرنے کو میسر نہیں (ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں) جب کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خلوص رکھیں (یعنی اپنے گھر بیٹھ رہنے میں فتنہ پردازی اور شرکت جہاد سے لوگوں کو باز رکھنے میں نہ لگے اور اطاعت میں لگے رہیں) ایسے نیکوکاروں پر کوئی الزام یعنی مواخذہ نہیں (اور اللہ تعالیٰ (ان لوگوں کو بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے (ان کے ساتھ کہ اس میں ان کو آسانی پہنچادی) وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جب وہ آپ کے پاس آئیں (اس غرض سے) کہ آپ ان کو سواری دیں (تا کہ وہ آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہو جائیں اور وہ سارے انصاری تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بنو مقرن تھے) تو آپ نے ان کو جواب دیا کہ میں اپنے پاس کوئی سواری نہیں پاتا ہوں جس پر تم کو سوار کر دوں (یہ جملہ حال ہے اور تولوا اذا کا جواب ہے)۔ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ تو وہ واپس ہوتے ہیں اس حال میں ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے

اس غم میں کہ (تَسِيْلُ مِنَ لِلْبَيَانِ الدَّمْعِ میں من بیانیہ ہے) وہ (جہاد میں) خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے۔ إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ الخ جزایں نیست کہ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں، حالانکہ وہ دولتمند ہیں انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں، اور اللہ نے ان لوگوں پر مہر کردی ہے پس وہ نہیں جانتے ہیں (اس طرح کی آیت پہلے بھی گزر چکی ہے۔)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِاِدْغَامِ التَّاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ باب افتعال سے ہے یہ حقیقی معذور لوگ تھے۔

قوله: قَعَدَ الَّذِيْنَ: یہ منافقین ہیں جو ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرکے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ناراض کرلیا۔

قوله: بِعَدَمِ الْاِرْجَافِ: اس کا تعلق نَصَحُ سے ہے۔

قوله: لِاَجْلِ: اس کا تعلق حَزَنًا سے ہے اس میں اشارہ کردیا کہ یہ لام اجلیہ مقدر ہے کیونکہ ان اپنے مدخول سمیت مفرد ہے اس کا تعلق سابقہ حروف جر سے ضروری ہے۔

تفسیر مقبولین

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ....

(ربط): اوپر کی آیتوں میں شہر مدینہ کے منافقوں کے احوال بیان کیے اب اس آیت میں منافقین اور ان کے اعذار کاذبہ کا حال بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور آئے جنگ تبوک کی روانگی کی وقت دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے جنہوں نے قلت مال اور کثرت عیال کا ذکر کیا تا کہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ معذرون کی اصل معتذرون ہے جو اعتذار سے مشتق ہے اور اعتذار کا استعمال عذر کاذب اور عذر صادق دونوں میں صحیح ہے اس بناء پر مفسرین میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عذر کرنیوالے دیہاتی اپنے عذر میں سچے تھے یا جھوٹے تھے بعض کہتے ہیں کہ سچے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ جھوٹے تھے بہر حال انکا عذر سچا ہو یا جھوٹا مطلب یہ ہے کہ ان دیہاتیوں نے جہاد میں جانے سے عذر کیا اور آں حضرت ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی اور ان دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو عذر کرنے بھی نہ آئے اور انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کرکے خدا اور رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ بلا اجازت مانگے ہی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بالکل ہی چھپ کر گھروں میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے کے لیے بھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے ان میں سے جو آخر تک کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب پہنچے گا اور جو توبہ کرلیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی

آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور بعضے تو اس قدر بے باک نکلے کہ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے بھی نہ آئے اور ظاہرداری کا بھی خیال نہ کیا۔

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ ....

مؤمنین صادقین کے اعذار صادقہ کا ذکر

(ربط): اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقت میں معذور نہیں تھے مگر باوجود قدرت کے نفاق کی وجہ سے جہاد میں جانا نہیں چاہتے اور جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں۔ ایسوں کے عذر خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو درحقیقت معذور ہیں اور ضعیف اور بوڑھے اور بیمار اور ناتواں ہیں اور ان کے عذر سچے اور واقعی ہیں ایسے لوگوں کے عذر اللہ کے نزدیک مقبول ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ناتوانوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ نہیں کہ جس سے سامان جہاد مہیا کر سکیں ایسے لوگ اگر جہاد میں نہ جائیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جھوٹے عذر کر کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت فرمائی تھی۔ اب اس آیت میں واقعی اہل عذر کا بیان فرمایا کہ وہ جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں۔

❶ کمزور اور ناتواں یعنی بوڑھے اور بچے اور عورتیں اور نحیف اور لاغر لوگ جو جہاد کی مشقت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

❷ مریض بیمار اور معذور اس میں اندھے اور لولے اور لنگڑے بھی داخل ہیں۔

❸ غریب و نادار جن کے پاس نہ سواری ہے نہ ہتھیار اور نہ اس قدر روپیہ ہے جس سے جہاد کا سامان مہیا کر سکیں ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوگ دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ اور مخلص ہوں معذوری کی وجہ سے اگر جہاد میں شرکت نہ کر سکیں تو مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت کریں ایسے نیکوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جو خیر خواہ ہو اور معذوری کی وجہ سے کوئی خدمت انجام نہ دے سکے اس پر کوئی ملامت اور عتاب نہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر نیکوں سے نادانستہ کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں کہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کو سواری دیں تو آپ نے ان کو یہ جواب دیا کہ میں اپنے پاس سواری نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ اس وقت نہایت افسردگی کی حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ وہ جہاد میں خرچ کرنے کو اپنے پاس کچھ نہیں پاتے۔ اس قسم کے لوگ اگر جہاد میں نہ جا سکیں تو ان پر کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ یہ سات آدمی تھے۔ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے کہ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی سواری کا کچھ انتظام کر دیجئے تاکہ ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد میں چلیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کر دوں اس پر وہ غم کے مارے روتے

ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوئے یہ سات آدمی تھے جو اس رونے کی وجہ سے بکائین کے نام سے مشہور ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

1۔ سالم بن عمیر۔ 2۔ علبہ بن زید۔ 3۔ ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب 4۔ عمرو بن حمام بن جموح۔ 5۔ عبداللہ بن معقل۔ 6۔ عرباض بن ساریہ۔ 7۔ ہرمی بن عبداللہ مزنی۔ رضی اللہ عنہم۔ یہ ساتوں آدمی جو روتے ہوئے واپس ہوئے انصار میں سے تھے (روح المعانی)

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ....

(اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دے دیں ان کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کرادوں)۔ البدایہ والنہایہ (ص ۵ ج ۵) میں لکھا ہے کہ سات افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سالم بن عمیر، دوسرے علبہ بن زید، تیسرے ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب چوتھے عمرو بن الحمام، پانچویں عبداللہ بن معقل چھٹے حرمی بن عبداللہ اور ساتویں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے دل سے پوری طرح تیار ہیں آپ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں لیکن سواری نہ ہونے سے مجبور ہیں آپ ہمیں سواری عنایت فرمادیں: قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تاکہ تمہارے لیے سواری کا انتظام کردوں۔

تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ (وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے) اول تو یہ حضرات معذور تھے واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا۔ اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیں۔ جب آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا کہ اب تو ہم نے اپنی آخری کوشش کرلی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا حرج ہے؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اور رنج بھی معمولی نہیں۔ ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں گھلے جارہے تھے کہ ہائے ہمارے پاس انتظام نہیں ہے انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔ اس موقعہ پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنا بنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے، ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لیے تڑپ رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرام ؓ نے امت کے لیے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بعض حضرات کے لیے سواری کا انتظام فرمادیا۔ اور بعض حضرات کے لیے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی راستہ میں یامین بن عمیر نضری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ یہ دونوں روتے ہوئے جارہے تھے۔ یامین نے دریافت کیا تم کیوں رو رہے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تاکہ آپ کے ساتھ سفر میں جائیں۔ آپ ہمارے لیے سواری

کا انتظام فرما دیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو عنایت فرما دیتے ہمارا رونا اسی وجہ سے ہے کہ شرکت جہاد سے رہ جا رہے تھے۔ اس پر یامین نے اپنی ایک اونٹنی پیش کر دی اور اپنے پاس سے بطور توشہ کھجوریں بھی دے دیں اور علبہ بن زید کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے اور یوں دعا کی کہ اے اللہ آپ نے جہاد کا حکم فرمایا اور اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لیے قوت حاصل کر لیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول کو (اس وقت) مال عطا فرمایا تا کہ میرے لیے سواری کا انتظام فرما دیتے۔ اب میں جہاد سے محرومی کے بدلہ میں یہ کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا۔ کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا آج رات جس نے صدقہ دیا ہو وہ کھڑا ہو جائے اس پر علبہ بن زید کھڑے ہوئے اور اپنا حال بیان کیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لیے مقبول زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے قبیلے کے چند افراد نے بھی حضرت ابو موسیٰ کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لیے سواری کا انتظام کیا جائے اس وقت آپ نے ان کے لیے چھ اونٹوں کا انتظام فرما دیا۔ (ایضاً ص ٦٠ ج ٥)

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ....

یعنی الزام انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت لیتے ہیں رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے غزوہ میں جا سکتے ہیں اور ان کو ضعف اور مرض بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں جاتے اپنے آپ کو عورتوں کے زمرہ میں شمار کر لیا نہ وہ گئیں اور نہ یہ لوگ جانے پر راضی ہوئے۔ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۳﴾ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہٰذا وہ نہیں جانتے کہ دنیاوی تکلیف اٹھا کر آخرت کے بہت بڑے ثواب اور بلند درجات کا مستحق ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ فِي التَّخَلُّفِ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ مِنَ الْغَزْوِ قُلْ لَّهُمْ لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ
نُصَدِّقَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ اَيْ اَخْبَرَنَا بِاَحْوَالِكُمْ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ
تُرَدُّوْنَ بِالْبَعْثِ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَيِ اللّٰهِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ مِنْ تَبُوْكَ اَنَّهُمْ مَعْذُوْرُوْنَ فِي التَّخَلُّفِ لِتُعْرِضُوْا
عَنْهُمْ ۭ بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَةِ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ قَذَرٌ لِخُبْثِ بَاطِنِهِمْ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ
الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَيْ عَنْهُمْ وَلَا يَنْفَعُ رِضَاكُمْ مَعَ سَخَطِ اللّٰهِ اَلْاَعْرَابُ اَهْلُ الْبَدْوِ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ
نِفَاقًا مِنْ اَهْلِ الْمُدُنِ لِجَفَائِهِمْ وَغِلَظِ طِبَاعِهِمْ وَبُعْدِهِمْ عَنْ سِمَاعِ الْقُرْاٰنِ وَّ اَجْدَرُ اَوْلٰى اَنْ اَيْ بِاَنْ
اَلَّا مِنَ الْاَحْكَامِ وَالشَّرَائِعِ يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ بِخَلْقِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ فِيْ صُنْعِهٖ
بِهِمْ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ غَرَامَةً وَخُسْرَانًا لِاَنَّهٗ لَا يَرْجُوْ ثَوَابَهٗ
بَلْ يُنْفِقُهٗ خَوْفًا وَ هُمْ بَنُوْ اَسَدٍ وَ غِطْفَانُ مَغْرَمًا يَنْتَظِرُ وَّ يَتَرَبَّصُ دَوَائِرَ الزَّمَانِ اَنْ يَنْقَلِبَ عَلَيْكُمْ
فَيَتَخَلَّصَ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭ بِالضَّمِّ وَالْفَتْحِ اَيْ يَدُوْرُ الْعَذَابُ وَالْهَلَاكُ عَلَيْهِمْ لَا عَلَيْكُمْ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ
السَّوْءِ ۭ لِاَقْوَالِ عِبَادِهٖ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ بِاَفْعَالِهِمْ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ كَجُهَيْنَةَ وَمُزَيْنَةَ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فِيْ سَبِيْلِهٖ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ تُقَرِّبُهٗ قُرُبٰتٍ وَسِيْلَةً اِلٰى عِنْدَ اللّٰهِ وَ دَعَوَاتِ صَلَوٰتِ
لَهُمُ الرَّسُوْلِ ۭ اَيْ نَفَقَتَهُمْ اَلَآ اِنَّهَا بِضَمِّ الرَّاءِ وَسُكُوْنِهَا قُرْبَةٌ عِنْدَهٗ لَّهُمْ ۭ جَنَّتِهٖ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ
ع ١٢ ١٠ ١ رَحْمَتِهٖ ۭ لِاَهْلِ طَاعَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾ بِهِمْ

ترجمہ: وہ تمہارے پاس معذرت کرنے آئیں گے (جہاد میں پیچھے رہ جانے کے سلسلے میں) جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے (جہاد سے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ "معذرت کی باتیں نہ بناؤ" اب ہم تم پر یقین کرنے والے نہیں ہیں (تمہیں سچا نہیں سمجھیں گے) اللہ نے ہم کو تمہارے حالات سے باخبر کر دیا ہے (تمہارے حالات کی خبر دے دی ہے) اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے کام کو دیکھ لیں گے اور پھر (قیامت میں) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی ہوئی اور ظاہر ہر طرح کی باتوں سے واقف کار ہے یعنی (اللہ) پس وہ تمہیں بتلا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو (لہٰذا وہ اس پر تم کو

بدلہ بھی دے گا) جب تم لوٹ کے ان سے ملو گے (تبوک سے واپس ہونے پر جہاد میں شریک نہ ہونیکا عذر کرتے ہوئے) تو یہ تمہارے سامنے بالیقین اللہ کی قسم کھائیں گے تا کہ تم ان سے درگذر کرو (ملامت نہ کر کے) سو چاہئے کہ تم ان سے درگذر ہی کرلو یہ ناپاک ہیں (باطنی خباثت کی وجہ سے یہ لوگ گندے ہیں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اس چیز کے بدلہ کے طور پر جو وہ کماتے رہے ہیں یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ لہٰذا اگر تم راضی بھی ہو گئے تو اللہ ایسے بدعمل لوگوں سے راضی ہونے والے نہیں ہیں (اور اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے تمہارا راضی ہونا نفع بخش نہ ہو سکے گا) دیہاتی (دیہات کے باشندے) کفر ونفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں (شہریوں کے مقابلے میں اپنے اکھڑپنے اور قرآن سننے سے دور رہنے کی وجہ سے) اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اللہ نے اپنے پیغمبر پر جو احکام نازل کیے ہیں ان سے ناآشنا ہیں (یعنی احکام اور شریعت کی باتیں) اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو) اور (ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں) بڑی حکمت رکھنے والے ہیں اور ان دیہاتیوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو خرچ کرتے ہیں (اللہ کے راستے میں) اسے جرمانہ سمجھ کر (تاوان اور ڈنڈ سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے ثواب کی امید نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں ڈر کر کرتے ہیں اور وہ قبیلہ بنواسد وبنوغطفان کے لوگ ہیں) اور آس لگائے بیٹھے ہیں (انتظار میں ہیں) کہ تم پر کوئی گردش آئے زمانہ کا کوئی چکر ایسا آئے کہ جو تمہارے خلاف ہو جائے اور انہیں کسی طرح نجات مل جائے) حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن انہیں پر آنے والے ہیں (لفظ سوء ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے یعنی تباہی اور عذاب کی گردش کا رخ خود ان کے خلاف ہوگا نہ کہ تمہارے) اور اللہ اپنے بندوں کی سب باتیں) سنتا ہے اور ان کے کاموں سے) پوری طرح باخبر ہے اور دیہات کے رہنے والوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں (جیسے قبیلہ جہنیہ اور مزنیہ کے لوگ) اور (راہ خدا میں) جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس سے اللہ کی قربت اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں تو سن رکھو کہ یہ (خرچ کرنا) بے شک ان کے لیے قرب ہی کا باعث ہے لفظ "قربة" راء کے سکون کے ساتھ ہے ان کے لیے (اللہ کے نزدیک) اللہ انہیں اپنی رحمت (جنت) کے دروازہ میں داخل کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ (فرمانبرداروں کی) بڑی بخشش کرنے والے ہیں اور (ان پر) بڑا رحم کرنے والے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِاَخْوَالِكُمْ : یہاں اخبار حالات کے معنی میں ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ تھے۔

قوله: اَللّٰهُ : اس سے اشارہ دیا کہ بظاہر یہاں عالم الغیب کی بجائے عَلَيْهِ ضمیر کافی تھی مگر وصف لا کر بتلایا کہ وہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر وباطن سے واقف ہے۔

قوله: لِتَعْرِضُوْا عَنْهُمْ : اور ان پر عتاب نہ کر کے ان پر خوش ہو جاؤ۔ اگر تم راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہ ہوگا۔

قوله: عَنْهُمْ : یہاں ضمیر کی جگہ ظاہر لائے۔ تا کہ اس بات کی صراحت ہو کہ وہ فاسق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راضی نہ ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے۔

قوله: فَاِنْ : ان مصدریہ ہے تفسیریہ نہیں کیونکہ اس کی شرط نہیں اور با کو ماقبل سے ربط کے لیے مقدر مانا۔

قوله: غَرَامَةً : اس سے اشارہ کیا کہ مغرما مصدر میمی ہے، ظرف نہیں

قوله: دَوَائِرَ الزَّمَانِ : حوادث دہر پر بولا جاتا ہے۔

قوله: دَآئِرَةُ السَّوْءِ : دائرۃ کی نسبت سوء کی طرف اس میں اظہار مبالغہ کے لیے ہے۔

قوله: تُقَرِّبُه : اس سے اشارہ کیا کہ قربات مصدر ہے جمع نہیں کیونکہ یہ یتخذ کا دوسرا مفعول ہے جبکہ پہلا ما ینفق ہے۔ اور مفرد ہے اس کا معنی سبب قربت ہے۔

قوله: وَسِيْلَةً : اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ جو وہ خرچ کرتا ہے وہ نہ عین دعا ہے اور نہ عین قربہ ہے۔

قوله: جَنَّتِه : ان کے احوال کا ذکر کر کے محل مراد لیا اور یہ مجاز ہے۔

تفسیر مقبولین

یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ ۔۔۔۔

ربط: اوپر ان منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے غزوۂ تبوک کی روانگی کے وقت طرح طرح کے عذر اور حیلے بہانے تراشے تھے اب ان آیات میں ان منافقین کے متعلق خبر دی جاتی ہے جو اس غزوہ سے واپس آنے کے بعد تمہارے پاس آ کر اپنے نہ جانے کے عذر بیان کریں گے۔ یہ آیتیں غزوۂ تبوک کی واپسی سے پہلے نازل ہوئیں جن میں یہ خبر دے دی گئی کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی واپسی کے بعد آپ ﷺ کے پاس آ کر آپ کے ساتھ نہ جانے کے عذر بیان کریں گے اور قسمیں کھائیں گے مگر اے نبی آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ اب کوئی عذر نہ کرو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری اندرونی کیفیت سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے اور نہ تمہاری کوئی بات سنیں گے اور اگر تم اپنے سچے ہونے پر اصرار کرتے ہو تو خیر اب اس قصہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا کہ کیا کرتے ہو ظاہر کے مطابق تم سے معاملہ کیا جائے گا اور باطن کا حال عالم الغیب والشہادۃ کے حوالہ کیا جائے گا ان آیات میں حق تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم ان کا عذر قبول نہ کرنا اور نہ ان کے حلف کو سچا سمجھنا بلکہ ان کو گندہ اور ناپاک سمجھ کر اعراض کرنا اور منہ پھیر لینا یہ لوگ خبیث اور گندے اور ناپاک باطن ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے یہ لوگ قابل التفات نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے مسلمانوں کو ان کے جھوٹ کی خبر دے دی تا کہ وقت پر خوب فضیحت اور رسوا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ نادان منافق تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے۔ جب تم غزوہ تبوک سے ان کی طرف مدینہ واپس آؤ گے۔ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ تم حیلے بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں اور حالات سے ہم کو خبر دے

دی ہے اور آئندہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے کاموں کو دیکھے گا۔ اور اس کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کرے گا۔ پھر تم قیامت کے دن عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے سو وہ تم کو آگاہ کردے گا۔ جو کچھ تم کرتے تھے یعنی تمہارے نفاق کو ظاہر کردے گا۔ جس سے تم سب کے سامنے رسوا ہوؤ گے۔

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ .....

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی:

ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے۔ اوّل تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔ اور علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہئے کہ اللہ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائے۔ ایمان و یقین اور علم و عمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بھی بچیں اور نفاق سے بھی، اور اللہ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم و عمل سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر بھی شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ٤ ج ١١) أشد كفرا و نفاقا من اهل الحضر الكفار و المنافقين لتوحشهم و قساوة قلوبهم وعدم مخالطتهم اهل الحكمة و حرمانهم استماع الكتاب و السنة و هم أشبه شئ بالبهائم ا ھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دیہاتوں کے کفار و منافقین اپنے کفر اور نفاق میں سخت اس لیے ہیں کہ ان کی طبیعت نا مانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے اور کتاب و سنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)۔

دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من سكن البادية جفا و من اتبع الصيد غفل و من اتى السلطان افتتن)) (جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہوا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جاتا رہا وہ فتنے میں پڑ گیا) در حقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آجاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے علم سے بھی محروم رہتے ہیں اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کردیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار نہیں اس لیے یہ خرچ ان کے نفسوں پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تاوان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے گردشوں کے منتظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ ممالک فتح ہوئے منافق اور کافر ذلیل ہوئے۔ اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف تھیں دل ہی دل میں رہ گئیں وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر و نفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احوال و اعمال کے مطابق سزا دے دے گا۔ دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ... اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان

لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ان کا مقصد اجر وثواب حاصل کرنا اور اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے دعائیں لینا ہے۔ لہٰذا جو مال خرچ کرتے ہیں اور جو مال خرچ کیا ہے بطور تاوان بددلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ کی نزدیکی کا سبب ہیں اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ عزوجل غفور ہے رحیم ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَهُمْ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا اَوْ جَمِيْعُ الصَّحَابَةِ وَالَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ بِاِحْسَانٍ فِى الْعَمَلِ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَرَضُوْا عَنْهُ بِثَوَابِهٖ وَاَعَدَّ
لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ وَفِىْ قِرَائَةٍ بِزِيَادَةِ مِنْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (100) وَ
ربع مِمَّنْ حَوْلَكُمْ يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ كَاَسْلَمَ وَاَشْجَعَ وَغِفَارٍ وَمِنْ اَهْلِ
الْمَدِيْنَةِ ۛ مُنَافِقُوْنَ اَيْضًا مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَجُّوْا فِيْهِ وَاسْتَمَرُّوْا لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ خِطَابٌ لِلنَّبِىِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِالْفَضِيْحَةِ اَوِ الْقَتْلِ فِى الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ ثُمَّ
يُرَدُّوْنَ فِى الْاٰخِرَةِ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (101) هُوَ النَّارُ وَقَوْمٌ وَاٰخَرُوْنَ مُبْتَدَأٌ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ مِنَ التَّخَلُّفِ
نَعْتُهٗ وَالْخَبَرُ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَهُوَ جِهَادُهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ وَهُوَ تَخَلُّفُهُمْ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (102) نَزَلَتْ فِىْ اَبِىْ لُبَابَةَ وَجَمَاعَةٍ اَوْثَقُوْا اَنْفُسَهُمْ فِىْ سَوَارِى
الْمَسْجِدِ لَمَّا بَلَغَهُمْ مَا نُزِّلَ فِى الْمُتَخَلِّفِيْنَ وَحَلَفُوْا اَنْ لَا يَحُلَّهُمْ اِلَّا النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَّهُمْ
لَمَّا نَزَلَتْ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا مِنْ ذُنُوْبِهِمْ فَاَخَذَ ثُلُثَ اَمْوَالِهِمْ وَتَصَدَّقَ
بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اُدْعُ لَهُمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ رَحْمَةٌ لَّهُمْ ؕ وَقِيْلَ طَمَانِيَةٌ بِقَبُوْلِ تَوْبَتِهِمْ وَاللّٰهُ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (103) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ يَقْبَلُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ
هُوَ التَّوَّابُ عَلٰى عِبَادِهٖ بِقَبُوْلِ تَوْبَتِهِمُ الرَّحِيْمُ (104) بِهِمْ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ وَالْقَصْدُ بِهٖ تَهْيِيْجُهُمْ اِلَى
التَّوْبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَقُلْ لَهُمْ اَوْ لِلنَّاسِ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ
سَتُرَدُّوْنَ بِالْبَعْثِ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَىِ اللّٰهِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (105) فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

وَاٰخَرُوْنَ مِنَ الْمُتَخَلِّفِيْنَ مُرْجَوْنَ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ مُؤَخَّرُوْنَ عَنِ التَّوْبَةِ لِاَمْرِ اللّٰهِ فِيْهِمْ بِمَا يَشَاءُ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ بِاَنْ يُمِيْتَهُمْ بِلَا تَوْبَةٍ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِخَلْقِهٖ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ وَهُمُ الثَّلَاثَةُ الْاٰتُوْنَ بَعْدُ مِرَارَةُ بْنُ الرَّبِيْعِ وَكَعْبُ بْنُ مَالِكٍ وَهِلَالُ بْنُ اُمَيَّةَ تَخَلَّفُوْا كَسْلًا وَمَيْلًا اِلَى الدَّعَةِ لَا نِفَاقًا وَلَمْ يَعْتَذِرُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَغَيْرِهِمْ فَوُقِّفَ اَمْرُهُمْ خَمْسِيْنَ لَيْلَةً وَهَجَرَهُمُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَلَتْ تَوْبَتُهُمْ بَعْدُ مِنْهُمْ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا وَهُمُ اثْنَا عَشَرَ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ ضِرَارًا مُضَارَّةً لِاَهْلِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَّكُفْرًا لِاَنَّهُمْ بَنَوْهُ بِاَمْرِ اَبِيْ عَامِرِ الرَّاهِبِ لِيَكُوْنَ مَعْقِلًا لَهٗ يَقْدِمُ فِيْهِ مَنْ يَاتِيْ مِنْ عِنْدِهٖ وَكَانَ ذَهَبَ لِيَاتِيَ بِجُنُوْدٍ مِنْ قَيْصَرَ لِقِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ بِقُبَاءٍ بِصَلٰوةِ بَعْضِهِمْ فِيْ مَسْجِدِهِمْ وَاِرْصَادًا ترقبا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط اَيْ قَبْلَ بِنَائِهٖ وَهُوَ اَبُوْعَامِرِ الْمَذْكُوْرُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ مَا اَرَدْنَا بِبِنَائِهٖ اِلَّا الْفِعْلَةَ الْحُسْنٰى ط مِنَ الرِّفْقِ بِالْمِسْكِيْنِ فِي الْمَطَرِ وَالْحَرِّ وَالتَّوْسِعَةِ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ فِيْ ذٰلِكَ وَكَانُوْا سَاَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّصَلِّيَ فِيْهِ فَنَزَلَ لَا تَقُمْ تُصَلِّ فِيْهِ اَبَدًا ط فَاَرْسَلَ جَمَاعَةً هَدَمُوْهُ وَحَرَّقُوْهُ وَجَعَلُوْا مَكَانَهٗ كُنَاسَةً تُلْقٰى فِيْهَا الْجِيَفُ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ بُنِيَتْ قَوَاعِدُهٗ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ وُضِعَ يَوْمَ حَلَلْتَ بِدَارِ الْهِجْرَةِ وَهُوَ مَسْجِدُ قُبَاءٍ كَمَا فِي الْبُخَارِيِّ اَحَقُّ مِنْهُ اَنْ اَيْ بِاَنْ تَقُوْمَ تُصَلِّيَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ هُمُ الْاَنْصَارُ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَيْ يُثِيْبُهُمْ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ فِيْ صَحِيْحِهٖ عَنْ عُوَيْمِرِ بْنِ سَاعِدَةَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُمْ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ فِي الطُّهُوْرِ فِيْ قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ فَمَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِيْ تَطَهَّرُوْنَ بِهٖ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا نَعْلَمُ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ لَنَا جِيْرَانٌ مِنَ الْيَهُوْدِ فَكَانُوْا يَغْسِلُوْنَ اَدْبَارَهُمْ مِنَ الْغَائِطِ فَغَسَلْنَا كَمَا غَسَلُوْا وَفِيْ حَدِيْثٍ رَوَاهُ الْبَزَّارُ فَقَالُوْا كُنَّا نَتْبَعُ الْحِجَارَةَ بِالْمَاءِ فَقَالَ هُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مَخَافَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَجَاءِ رِضْوَانٍ مِنْهُ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا طَرَفٍ

جُرُفٍ بِضَمِّ الرَّاءِ وَسُكُوْنِهَا جَانِبٍ هَارٍ مُشْرِفٍ عَلَى السُّقُوْطِ فَانْهَارَ بِهٖ سَقَطَ مَعَ بَانِيْهِ فِيْ نَارِ
جَهَنَّمَ ؕ خَبَرٌ تَمْثِيْلٌ لِلْبِنَاءِ عَلٰى ضِدِّ التَّقْوٰى بِمَا يَؤُلُ اِلَيْهِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَيِ الْاَوَّلُ خَيْرٌ وَهُوَ مِثَالُ
مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَالثَّانِيْ مِثَالُ مَسْجِدِ الضِّرَارِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ
بَنَوْا رِيْبَةً شكا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ تنفصل قُلُوْبُهُمْ ؕ بِاَنْ يَمُوْتُوْا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بخلقه
ع ١٣ ١١ ٢ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ في صنعه بهم

تَرْجَمَہ: اور جو لوگ پہل کرنے والے ہیں مہاجرین وانصار میں سے (اس سے بدر میں شہید ہونے والے مراد ہیں یا تمام صحابہؓ) اور جتنے لوگ ان کی پیروی کرنے والے ہیں (قیامت تک) اخلاص کے ساتھ (عمل میں) تو اللہ ان سب سے (ان کی پیروی سے) راضی ہوا اور وہ سب اس سے (اس کے بدلہ سے) خوش ہیں اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور ایک قراءت میں لفظ من زیادہ ہے وہ دائمی طور پر اس میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور تمہارے آس پاس (اے اہل مدینہ!) کچھ دیہاتی منافق (جیسے قبیلہ اسلم اور اشجع اور غفار کے لوگ) اور کچھ مدینہ والوں میں (بھی ایسے منافق) رہتے ہیں جو نفاق میں پوری طرح منجھے ہوئے ہیں (حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں اور اس پر ڈٹے رہتے ہیں) آپ انہیں نہیں جانتے (نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے) ان کو تو ہم ہی جانتے ہیں ہم انہیں دوہری سزا دیں گے (دنیا میں ان کی رسوائی ہوگی اور قتل ہوں گے اور قبر میں جا کر مبتلائے عذاب ہوں گے) پھر وہ (آخرت میں) بڑے بھاری عذاب (دوزخ) کی طرف بھیجے جائیں گے اور کچھ لوگ اور ہیں (مبتدا ہے) جنہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلیا ہے (جہاد میں نہ جانے کے متعلق) یہ مبتدا کی صفت ہے اور خبر آ گے ہے) انہوں نے ملے جلے کام کیے تھے۔ کچھ اچھے (اس سے پہلے جہاد میں شرکت کرنا) اور کچھ برے (یعنی حالیہ جہاد میں شرکت نہ کرنا) تو کچھ بعید ہے کہ (اللہ) ان پر توجہ مبذول فرماتے بلاشبہ اللہ بڑے ہی بخشنے والے، بڑی رحمت والے ہیں۔ اگلی آیت ابولبابہ جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جب انہیں جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کے بارے میں وعیدوں کا نازل ہونا معلوم ہوا اور انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک اللہ کے رسول ﷺ ہی ان کو نہیں کھولیں گے وہ یوں ہی بندھے رہیں گے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے دست مبارک سے کھول ڈالا۔) آپ (ﷺ) ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک صاف کر دیں گے (ان کی خطاؤں سے چنانچہ آپ نے ان سے تہائی مال لے کر صدقہ کر دیا) نیز آپ ان کے حق میں دعائے خیر کیجئے (انہیں برکت کی دعا دیجئے) یقیناً آپ کی دعاء ان کے دلوں کے لیے سکون (راحت) ہے۔ (اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی قبولیت توبہ کے اطمینان کرنے کے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور بڑا ہی رحمت والا ہے (ان پر ،الم یعلموا استفہام تقریری ہے اور مقصد توبہ اور صدقہ کی ترغیب دینا

ہے) آپ (ان سے یا عام لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ (جیسے چاہو) عمل کیے جاؤ اب اللہ دیکھ لے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے اور ضرور تمہیں اسی کے پاس (قیامت میں) جانا ہے جس کے علم سے نہ تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہوگی اور نہ چھپی ہوئی (یعنی اللہ) سو وہ تمہیں تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا (پس وہ تمہیں اس پر بدلہ دے گا) اور کچھ اور لوگ ہیں (جہاد میں شریک نہ ہونے والوں میں سے) جن کا معاملہ ملتوی ہے (یہ لفظ ہمزہ اور بلا ہمزہ کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی توبہ کا معاملہ معلق ہے) اللہ کا حکم آنے تک (ان کے بارے میں جو چاہے حکم دے دے) وہ انہیں عذاب دے (بلا توبہ موت دے کر) یا ان کی توبہ قبول فرمالے اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو خوب جاننے والے ہیں) ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں) بڑی حکمت والے ہیں (اور وہ تین حضرات تھے جو ابھی تک نہیں آسکے تھے مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، یہ لوگ سستی اور آرام طلبی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے یہ منافق نہیں تھے مگر دوسروں کی طرح آپ ﷺ کی خدمت میں معذرت کے لیے حاضر بھی نہ ہوسکے جس کی وجہ سے ان کا معاملہ پچاس دن تک لٹکا رہا اور تمام صحابہؓ نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا یہاں تک کہ پھر ان کی توبہ قبول ہوگئی۔) اور (منافقین میں سے) بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد کھڑی کی (وہ بارہ منافق تھے) اس غرض سے کہ نقصان پہنچائیں (مسجد قبا والوں کو نقصان پہنچانے کے لیے) اور کفر کریں (ابو عامر راہب کے مشورہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی تا کہ اس کے لیے یہ ایک سازش گاہ بن سکے اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے آس پاس آئیں جائیں اور ابو عامر قیصر روم کے پاس نبی کریم ﷺ کے خلاف فوج کشی کرنے کے لیے گیا ہوا تھا) اور ایمانداروں میں تفرقہ ڈالیں (مسجد قبا کے نمازیوں کو توڑنے کے لیے) اور ان لوگوں کے لیے کمین گاہ بنائیں جو آج سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں (یعنی اس مسجد ضرار کے بنانے سے پہلے (اس سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے) وہ ضرور قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب (اس کے بنانے سے) اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی (کا کام) ہو (بارش اور گرمی کے موسم میں غریبوں کے لیے آسانی اور مسلمانوں کے لیے سہولت ہو) اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں (اس بارے میں ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تھی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تم کبھی اس مسجد میں (نماز پڑھنے کے لیے) کھڑے نہ ہونا (چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت بھیج کر اس مسجد کو منہدم کرا دیا اور آگ لگوا دی اور وہاں کوڑا کباڑ مراد چیزیں پھنکوا دیں) البتہ جس مسجد کی بنیاد (داغ بیل) اول دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مسجد قبا مراد ہے جس کی بنیاد ہجرت کے سلسلہ میں تشریف آوری کے وقت رکھی گئی تھی جیسا کہ بخاری میں ہے) وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لیے) کھڑے ہوں وہاں ایسے آدمی ہیں (انصار) کہ وہ خوب پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں (یعنی انہیں ثواب دیں گے لفظ یتطہرون میں دراصل تاء کا ادغام طاء میں ہو رہا ہے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں عویم بن ساعدہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ قباء والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تمہاری مسجد کے واقعہ میں حق تعالیٰ نے تمہاری پاکی کی تعریف کی ہے تو وہ کون سی پاکی ہے جو تم کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے پڑوس میں یہودی رہتے ہیں اور قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرنے کے عادی ہیں ہم بھی ان

کی دیکھا دیکھی میں یہی کرنے لگے اور بزار کی حدیث ہے کہ ہم لوگ پانی کے ساتھ پتھر یا ڈھیلوں کو بھی استعمال کرتے تھے، بہرحال آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس یہی بات ہے لہٰذا آئندہ بھی اسی پر عمل کرتے رہو) کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی (کی امید) پر رکھی ہو یا وہ جس نے ایک کھائی (گھاٹی) کے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی (لفظ جرف راء کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ ہے کنارہ کے معنی ہیں) جو گرنے ہی کو ہے (گرنے کے قریب ہے) پھر وہ اس کو لے کر (بنانے والے سمیت) جہنم کی آگ میں گر پڑی کیا وہ بہتر ہے۔ یہ مثال ہے اس عمارت کی جو تقویٰ کے خلاف بنیاد پر بنائی گئی ہو اور استفہام تقریری یعنی اول بہتر ہے جس کی مثال مسجد قبا ہے اور دوسری مسجد ضرار کی مثال ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتے یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی ہاں مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں (یا مر جائیں) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں (اپنی مخلوق کے بارے میں) اور ان کے ساتھ کارروائی میں) بڑی حکمت والے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَجُّوْا فِيْهِ :عرب کہتے ہیں مرد علی الشئی۔ اس میں مہارت حاصل کی اور اس پر دوام اختیار کیا۔

قوله: وَقَوْمٌ :قوم اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ موصوف محذوف ہے۔

قوله: مُبْتَدَأٌ :یہ گزشتہ پر عطف نہیں کیونکہ حکم میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔

قوله: وَّاٰخَرَ سَيِّئًا :یہ اس طرح ہے جیسے عرب بولتے ہیں بعت الشاء شاۃ ودرھما۔ میں نے بکری کو بکری اور درہم کے بدلے بیچا۔

قوله: سَوَارِي :جمع ساریہ ستون۔

قوله: تُطَهِّرُهُمْ :صدقہ کی صفت ہے ضمیر صدقہ کی طرف لوٹنے والی ہی رابطہ ہے جبکہ مؤنث غائب کا مان جائے۔ اگر صیغہ مخاطب کا ہو تو پھر بِهَا ضمیر ہوگی اور اس کا تعلق دونوں فعلوں تُطَهِّرُ اور تُزَكِّيْ سے ہوگا۔ اس صورت میں یہ فاصدق واکن، کی قسم سے ہوگا۔

قوله: مُرْجَوْنَ :یعنی وہ اس بات پر رکے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنا حکم ظاہر فرمادے۔

قوله: مُؤَخَّرُوْنَ :یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا ہے کہ یہ ارجاء بمعنی تاخیر ہے۔

قوله: إِمَّا يَتُوْبُ :اما تردید یہ بندوں کے لحاظ سے ہے۔

قوله: مِنْهُمْ :یعنی منافقین سے۔ مِنْهُمْ کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ الَّذِيْنَ۔ مبتداء اور اس کی خبر محذوف ہے یہ آخرون کا معطوف نہیں کیونکہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ یہ منافقین سے متعلق ہے اور وہ مؤمنین سے۔

قوله: بَنَوْهُ بِاَمْرِ اَبِیْ عَامِرٍ : یہ ابو عامر راہب ہے جو حنین کے بعد شام بھاگا اور قنسرین میں اپنے انجام کو پہنچا۔

قوله: الْفِعْلَةَ : الحسنی اس لیے مؤنث ہے کہ اس کا موصوف مؤنث مقدر ہے۔

قوله: مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ : مِنْ مکان و زمان میں ابتداء غایت کے لیے آتا ہے۔

قوله: وُضِعَ : یہ یَوْمٍ کی صفت ہے ای اول یوم وضع المسجد۔

قوله: اَفَمَنْ اَسَّسَ : اس کا معنی یہ ہے کہ آیا وہ شخص جس نے اپنے دین کی بنیاد مضبوط قاعدہ کے مطابق رکھی ہو اور وہ تقویٰ ہے۔

قوله: وَ رَجَاءِ رِضْوَانٍ : اس سے اشارہ کیا کہ رضوان سے پہلے مصناف محذوف ہے اس کا عطف تقویٰ پر ہے اسم اللہ پر نہیں۔

قوله: عَلٰی ضِدِّ التَّقْوٰی : جس پر انہوں نے اپنے دین کی بنیاد رکھی وہ باطن ہونے مٹنے اور آگ میں جا پڑنے اور رضامندی کے مقابلہ میں واقع ہے۔

قوله: بِمَا یَؤُلُ : کہہ کر اشارہ کیا کہ یہ گرنا تو قیامت میں ہوگا مگر یہاں آئندہ کے لحاظ سے خبر دی۔

قوله: تَفَصِلَ : تفصّل کہہ کر اشارہ کیا کہ تَقَطَّعَ لازم یہاں تفصّل کے معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ....

سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین سے اللہ تعالیٰ راضی ہے:

اس آیت میں حضرات مہاجرین اور انصار میں جو سابقین اولین تھے ان کی تعریف فرمائی۔ اور جنہوں نے احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان کی بھی تعریف فرمائی، اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کی اخروی نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا کہ ان کے لیے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جن حضرات نے اسلام کی طرف سبقت کی مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے اور جن حضرات نے ان کا اتباع کیا اور یہ اتباع اخلاص کے ساتھ تھا ان سب کی فضیلت اور منقبت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے۔ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان میں وہ صحابہ بھی ہیں جو ان کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ لوگ بھی ہیں جو صحابیت کے عظیم مرتبہ سے مشرف نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سابقین اولین مہاجرین و انصار کی راہ پر چلے۔ جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے بارے میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ یہ حضرات جنتی

ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، سابقین اولین میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان صحیح نہیں ان کے عقیدہ میں تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب دوزخ میں ہیں اور خاص کر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا اور ہمیشہ ہمیشہ ان کے جنت میں رہنے کی خوشخبری دے دی تو اس پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بدا ہو گیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس وقت معلوم نہیں تھا جب رضا مندی کا اعلان فرمایا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) اپنی بات کی پچ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلان کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ملحدوں اور زندیقوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ (مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ) (جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑا ہے) آیت بالا میں مہاجرین و انصار میں جو سابقین اولین تھے وہ اور ان کا اتباع کرنے والوں کی منقبت بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد والے رکوع میں مطلق مہاجرین و انصار کی تعریف فرمائی۔ اور سورۃ الفتح کی آیت: (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ) میں ان سب حضرات سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ پھر سورۃ الفتح کے ختم پر تمام صحابہ کی تعریف بیان فرمائی۔ اور فرمایا: (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ....) اور آخر میں ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرات مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے والے جنتی ہیں:

فائدہ: وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ[1] جو فرمایا ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اعلان ہو گیا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اتباع کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں اہل السنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ بہت سے فرقے اسلام کے دعویدار ہیں لیکن ان میں جو بھی کوئی حضرات صحابہؓ کے دین پر نہیں ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔ قرآن مجید بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ملا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی انہی حضرات کے ذریعہ پہنچے ہیں جو ہر مسلمان کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جو لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کو مسلمان نہیں مانتے ان کے پاس خود ان کے دعویٰ کے مطابق نہ تو وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔ اور اسی لیے ان کی زندگی میں اسلامی اعمال نہیں ہیں آیت بالا میں اور سورۃ نساء کی آیت (وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ) میں حضرات صحابہؓ اور ان کے متبعین کو اور اہل ایمان کو معیار حق قرار دیا ہے آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا: ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)) (تمہارے لیے میری سنت اور میری خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا ضروری ہے اس کو تھامے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو) (مشکوۃ المصابیح ص۔ ۲۰) پھر جب تہتر فرقوں کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا تو اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کونسا ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا: ((مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ)) کہ جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو جماعت اس طریقہ پر ہوگی وہ نجات والی ہے (مشکوۃ المصابیح ص ۳۰) اس میں بھی حضرات صحابہ کو معیار حق بتایا، اب ہر مدعی اسلام سوچ لے کہ وہ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے راستہ پر ہے یا نہیں، اپنے افکار، عقائد و اعمال کا جائزہ لے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۚ ....

منافقت کے خوگر شہری:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو بتلاتا ہے کہ مدینے کے اردگرد رہنے والے گنواروں میں اور خود اہل مدینہ میں بہت سے منافق ہیں۔ جو برابر اپنے نفاق کے خوگر ہو چکے ہیں۔ تمرد فلاں علی اللہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ تم تو انہیں جانتے نہیں ہم جانتے ہیں۔ اور آیت میں ہے اگر ہم چاہیں تو ان کو تجھے دکھادیں اور تو ان کی علامات اور چہروں سے انہیں پہچان لے۔ یقیناً تو انہیں انکی باتوں کے لب و لہجے سے جان لے گا۔ غرض ان دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہ سمجھنا چاہیے۔ نشانیوں سے پہچان لینا اور بات ہے اور اللہ کی طرف کا قطعی علم کہ فلاں فلاں منافق ہے اور چیز ہے پس بعض منافق لوگوں کی منافقت حضرت محمد ﷺ پر کھل گئی تھی مگر آپ ﷺ کا تمام منافقوں کو جاننا ممکن نہیں تھا۔ آپ ﷺ تو صرف اتنا جانتے تھے کہ مدینے میں بعض منافق ہیں۔ صبح و شام وہ دربار رسالت میں حاضر رہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ اس قول کی صحت مسند احمد کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مکے کا ہمارا کوئی اجر نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس تمہارے اجر آ ہی جائیں گے گو تم لومڑی کے بھٹ میں ہو۔ پھر آپ نے ان کے کان سے اپنا منہ لگا کر فرمایا کہ میرے ان ساتھیوں میں بھی منافق ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ بعض منافق غلط سلط باتیں بک دیا کرتے ہیں، یہ بھی ایسی ہی بات ہے۔ (وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ) (التوبہ: ۷۴) کی تفسیر میں ہم کہہ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بارہ یا پندرہ منافقوں کے نام بتائے تھے۔ پس اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک ایک کر کے تمام منافقوں کا آپ ﷺ کو علم تھا۔ نہیں بلکہ چند مخصوص لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کرا دیا تھا واللہ اعلم۔ ابن عساکر میں ہے کہ حرملہ نامی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا ایمان تو یہاں ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اور نفاق یہاں ہے اور ہاتھ سے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور نہیں ذکر کیا اللہ کا مگر تھوڑا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! اسے ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل دے اور اسے میری اور مجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت عنایت فرما اور اس کے کام کا انجام بخیر کر۔ اب تو وہ کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ میرے ساتھی اور بھی ہیں جن کا میں سردار تھا، وہ سب بھی منافق ہیں اگر اجازت ہو تو انہیں بھی لے آؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو جو ہمارے پاس آئے گا ہم اسکے لیے استغفار کریں گے اور جو اپنے دین (نفاق) پر اڑا رہے گا اللہ ہی اس کے ساتھ اولیٰ ہے۔ تم کسی کی پردہ دری نہ کرو۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ

تکلف سے اوروں کا حال بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی ہے۔ اس سے خود اس کی حالت پوچھو تو یہی کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔ حالانکہ انسان اپنی حالت سے بہ نسبت اوروں کی حالت کے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ یہ لوگ وہ تکلف کرتے ہیں جو تکلف انبیاء علیہم السلام نے بھی نہیں کیا۔ نبی اللہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے: وما علمی بما کانا یعملون، ان کے اعمال کا مجھے علم نہیں۔ نبی اللہ حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں: وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (الانعام: ۱۰۴) میں تم پر کوئی نگہبان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: (لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ) (التوبہ: ۱۰۱) تو انہیں نہیں جانتا ہم ہی جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فلاں تو نکل جا تو منافق ہے اور اے فلاں تو بھی یہاں سے چلا جا تو منافق ہے۔ پس بہت سے لوگوں کو آپ ﷺ نے مسجد سے چلے جانے کا حکم فرمایا۔ ان کا نفاق مسلمانوں پر کھل گیا یہ پورے رسوا ہوئے۔ یہ تو مسجد سے نکل کر جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ آپ ان سے ذرا کترا گئے یہ سمجھ کر کہ شاید نماز ہو چکی اور یہ لوگ فارغ ہو کر جا رہے ہیں اور میں غیر حاضر رہ گیا۔ اور وہ لوگ بھی آپ سے شرمائے یہ سمجھ کر کہ ان پر بھی ہمارا حال کھل گیا ہوگا۔ اب مسجد میں آ کر دیکھا کہ ابھی نماز تو ہوئی نہیں۔ تو ایک شخص نے آپ کو کہا لیجئے خوش ہو جایئے۔ آج اللہ نے منافقوں کو خوب شرمندہ و رسوا کیا۔ یہ تو تھا پہلا عذاب جبکہ حضور ﷺ نے انہیں مسجد سے نکلوا دیا۔ اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ دو مرتبہ کے عذاب سے مجاہد کے نزدیک مراد قتل وقید ہے۔ اور روایت میں بھوک اور قبر کا عذاب ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں عذاب دنیا اور عذاب قبر مراد ہے۔ عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں دنیا کا عذاب تو مال واولاد ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: (فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ) (التوبہ: ۵۵) یعنی تجھے انکا مال اور انکی اولادیں اچھی نہ لگنی چاہییں اللہ کا ارادہ تو ان کی وجہ سے انہیں دنیا میں عذاب دینا ہے۔ پس یہ مصیبتیں ان کے لیے عذاب ہیں ہاں مؤمنوں کے لیے اجر وثواب ہیں۔ اور دوسرا عذاب جہنم کا آخرت کے دن ہے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں پہلا عذاب تو یہ کہ اسلام کے احکام بظاہر ماننے پڑے، اسکے مطابق عمل کرنا پڑا جو دلی منشا کے خلاف ہے۔ دوسرا عذاب قبر کا۔ پھر ان دونوں کے سوا دائمی جہنم کا عذاب۔ قتادہ کہتے ہیں کہ عذاب دنیا اور عذاب قبر پر عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جانا ہے۔ مذکور ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کے نام بتائے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ ان میں سے چھ کو دبیلہ کافی ہوگا جو جہنم کی آگ کا انگارا ہوگا۔ جو ان کے شانے پر ظاہر ہوگا اور سینے تک پہنچ جائے گا۔ اور چھ بری موت مریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ کوئی ایسا ویسا داغدار شخص مرا ہے تو انتظار کرتے کہ اس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پڑھتے تو آپ بھی پڑھتے ورنہ نہ پڑھتے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میں بھی ان میں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں آپ ان منافقوں میں نہیں۔ اور آپ کے بعد مجھے اس سے کسی پر بے خوفی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ....

مؤمنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے:

جو منافقین غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان چند مؤمنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تو رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادم ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سایوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لیے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے ہمیں نہ کھولیں، آپ کا جب ان کی طرف گزر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ ان کو نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے، آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہٰذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کرونگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا .... نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلص مؤمن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزو اعظم ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ بھی کر لی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی ادائے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لیے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور نیک عمل کو برے عمل کے ساتھ ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوشخبری دی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی) اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

(انوار البیان)

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ....

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں انہیں نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہٰذا ہم ان کا صدقہ کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر آیت کریمہ: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ (اور آپ ان کے لیے دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے) وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال ظاہرہ باطنہ جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ کن لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کیے۔ اور جن مخلصین نے سچے دل سے توبہ کی اور اخلاص کے ساتھ اپنے اموال پیش کیے اللہ تعالیٰ کو ان کا بھی علم ہے، جن حضرات نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا یہ کتنے حضرات تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ دس افراد تھے اور سعید بن جبیر اور زید بن اسلم نے فرمایا کہ آٹھ افراد تھے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ یہ سات آدمی تھے۔ حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچ آدمی تھے ان سب میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگرچہ مشہور یہ ہے کہ ان کا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دینا قتل بنی قریظہ کے سلسلہ میں تھا (کہ انہوں نے انہیں پہلے سے اشارہ کرکے بتا دیا تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے) معالم التنزیل (ص ۳۲۳-۳۲۴ ج ۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اگرچہ چند خاص افراد کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں کے لیے عام ہے۔ جو گناہوں میں بھی ملوث رہتے ہیں اور نیک اعمال بھی کرتے ہیں ۱ھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہوں میں لگا رہتا ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو گناہ گار ہوں۔ نیک کاموں میں کیا لگوں، اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاں تک ممکن ہو نیک کاموں کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ نیک کام سیئات کا کفارہ بھی بنتے رہتے رہیں گے اور توبہ کی توفیق ہونے کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی بشرط اخلاص نیک اعمال نیکیوں ہی میں شمار ہوتے ہیں (الا ما کان حابطا للاعمال)

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا....

منافقوں کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء:

پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا (تخلف عن الجہاد) مگر صحت اعتقاد اور اعتراف خطا کی بدولت معافی مل گئی۔ یہاں ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن بداعتقادی کی وجہ سے وبال بن گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کرکے آئے تو اول مدینہ سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں فروکش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر مدینہ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی، اس محلہ میں جہاں آپ بیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کرلی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جاکر دو رکعت نماز پڑھتے اور بڑی فضیلت اس کی بیان فرماتے تھے۔ بعض منافقین نے چاہا کہ پہلوں کی ضد پر اسی کے قریب ایک اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں۔ اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قبا سے ہٹا کر ادھر لے آئیں۔ فی الحقیقت اس ناپاک تجویز کا محرک اصلی ایک شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج اس کے زہد و درویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے حضور ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان و عرفان کا آفتاب چمکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا

نور آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا حضور ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں ٹھیک ملت ابراہیمی لے کر آیا ہوں۔ کہنے لگا کہ میں پہلے سے اس پر قائم ہوں لیکن تم نے اپنی طرف سے ملت ابراہیم میں اس کے خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور ﷺ نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔ آخر اس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اس کو وطن سے دور و تنہا غربت و بیکسی کی موت مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آمین خدا ایسا ہی کرے۔ جنگ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور مسلمانوں کا عروج و فروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا۔ تاکہ کفار مکہ کو حضور ﷺ کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے۔ چنانچہ معرکہ احد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔ مبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصار مدینہ کو جو عہد جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ احمق یہ نہ سمجھا کہ پیغمبرانہ تصرف کے سامنے اب وہ پرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔ آخر انصار نے جو اسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے جواب دیا کہ او فاسق دشمن خدا! تیری آنکھ خدا کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔ کیا رسول خدا کے مقابلہ میں ہم تیرا ساتھ دیں گے؟ انصار کا مایوس کن جواب سن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آکر کہنے لگا کہ اے محمد! ﷺ آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کے لیے اٹھے گی میں برابر اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ احد میں اسی کی شرارت سے حضور ﷺ کو زخم پہنچا۔ دونوں صفوں کے درمیان اس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ وہیں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملک شام پہنچا۔ اور منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار محمد ﷺ کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دے گا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا۔ (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنا لو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہو سکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور میں بذات خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو۔ یہ خبیث مقاصد تھے جن کے لیے مسجد ضرار تعمیر ہوئی اور حضور ﷺ کے روبرو بہانہ یہ کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں، ناتوانوں اور ارباب حوائج کو مسجد قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مسجد بنائی گئی ہے تاکہ نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجد قبا میں تنگی مکان کی شکایت نہ رہے حضور ﷺ ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے موجب برکت و سعادت ہو۔ یہ اس لیے کہ حضور ﷺ کا طرز عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حسن ظن کی بنا پر ان کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ اس وقت تبوک جانے کے لیے پابرکاب تھے۔ فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو سکے گا۔ جب حضور ﷺ تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے، تب جبرائیل یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا۔ آپ ﷺ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام از راہ خداع و فریب مسجد رکھا تھا) گرا کر پیوند زمین بنا دو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا اس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق

کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعا اور حضور ﷺ کی آمین کے موافق قنسرین) ملک شام (میں تنہا سخت بے کسی کی موت مرا۔ (فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) (الانعام:۴۵) سے یہی ابو عامر فاسق مراد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ يَبْذُلُوْهَا فِيْ طَاعَتِهِ كَالْجِهَادِ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ جُمْلَةُ اِسْتِئْنَافٍ بَيَانٌ لِلشِّرَاءِ وَفِيْ قِرَائَةٍ بِتَقْدِيْمِ الْمَبْنِيِّ لِلْمَفْعُوْلِ اَيْ فَيُقْتَلُ بَعْضُهُمْ وَيُقَاتِلُ الْبَاقِيْ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا مَصْدَرَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمَحْذُوْفِ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اَيْ لَا اَحَدَ اَوْفٰى مِنْهُ فَاسْتَبْشِرُوْا فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ الْبَيْعُ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾ اَلنَّيْلُ غَايَةُ الْمَطْلُوْبِ اَلتَّآئِبُوْنَ رَفْعٌ عَلَى الْمَدْحِ بِتَقْدِيْرِ مُبْتَدَاٍ مِنَ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ الْعٰبِدُوْنَ الْمُخْلِصُوْنَ الْعِبَادَةَ لِلّٰهِ الْحٰمِدُوْنَ لَهٗ عَلٰى كُلِّ حَالٍ السَّآئِحُوْنَ الصَّائِمُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ اَيِ الْمُصَلُّوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ لِاَحْكَامِهٖ بِالْعَمَلِ بِهَا وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ بِالْجَنَّةِ وَنَزَلَ فِيْ اِسْتِغْفَارِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِعَمِّهٖ اَبِيْ طَالِبٍ وَاسْتِغْفَارِ بَعْضِ الصَّحَابَةِ لِاَبَوَيْهِ الْمُشْرِكَيْنِ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ذَوِيْ قَرَابَةٍ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ اَلنَّارِ بِاَنْ مَاتُوْا عَلَى الْكُفْرِ وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ بِقَوْلِهٖ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ رَجَاءَ اَنْ يُّسْلِمَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ بِمَوْتِهٖ عَلَى الْكُفْرِ تَبَرَّاَ مِنْهُ وَتَرَكَ الْاِسْتِغْفَارَ لَهٗ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ كَثِيْرُ التَّضَرُّعِ وَالدُّعَاءِ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ صَبُوْرٌ عَلَى الْاَذٰى وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ لِلْاِسْلَامِ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ مِنَ الْعَمَلِ فَلَا يَتَّقُوْهُ فَيَسْتَحِقُّوا الْاِضْلَالَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَمِنْهُ مُسْتَحِقُّ الْاِضْلَالِ وَالْهِدَايَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ مَا لَكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ يَحْفَظُكُمْ مِنْهُ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾ يَمْنَعُ عَنْكُمْ ضَرَرَهٗ لَقَدْ

تَابَ اللّٰهُ اَیْ اَدَامَ تَوْبَتَهٗ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ اَیْ وَقْتِهَا
وَهِيَ حَالُهُمْ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ كَانَ الرَّجُلَانِ يَقْتَسِمَانِ تَمْرَةً وَالْعَشَرَةُ يَعْتَقِبُوْنَ الْبَعِيْرَ الْوَاحِدَ وَاشْتَدَّ
الْحَرُّ حَتّٰى شَرِبُوا الْفَرْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَمِيْلُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ عَنْ اِتِّبَاعِهٖ
اِلَى التَّخَلُّفِ لِمَا هُمْ فِيْهِ مِنَ الشِّدَّةِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ بِالثَّبَاتِ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ تَابَ وَّعَلَى
الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ عَنِ التَّوْبَةِ عَلَيْهِمْ بِقَرِيْنَةِ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اَیْ مَعَ
رَحْبِهَا اَیْ سَعَتِهَا فَلَا يَجِدُوْنَ مَكَانًا يَطْمَئِنُّوْنَ اِلَيْهِ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ قُلُوْبُهُمْ لِلْغَمِّ وَالْوَحْشَةِ
بِتَاخِيْرِ تَوْبَتِهِمْ فَلَا يَسَعُهَا سُرُوْرٌ وَلَا اُنْسٌ وَّظَنُّوْٓا اَيْقَنُوْا اَنْ مُخَفَّفَةٌ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ
ع ۱۳ ۸ ۲ تَابَ عَلَيْهِمْ وَفَّقَهُمْ لِلتَّوْبَةِ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی (تاکہ جہاد وغیرہ نیک کاموں میں اس کو صرف کریں) اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لیے جنت ہو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں جس میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں (یہ جملہ مستانفہ ہے، شراء کا بیان ہے اور ایک قراءت میں صیغہ مجہول پہلے ہے یعنی بعض شہید ہوجاتے ہیں اور باقی لڑتے رہتے ہیں) اس پر ان سے سچا وعدہ کیا گیا ہے (یہ دونوں مصدر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں) توراۃ انجیل قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ (یعنی اس سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں) سو خوشیاں کرو (اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا جاتا ہے) اپنے اس سودے پر جو اللہ تعالیٰ سے تم نے کیا ہے (اور یہی تجارت) ہے جو بڑی سے بڑی کامیابی ہے (کامیابی جو انتہائی مطلوب ہے) وہ توبہ کرنے والے (اس پر رفع مدح کی وجہ سے ہے اور مبتدا محذوف ہے یعنی کفر و شرک سے توبہ کرنے والے ہیں) عبادت گزار (اللہ کے لیے خالص عبادت کرنے والے) اللہ کی حمد و ثناء کرنے والے (ہر حال میں) روزے دار (روزے رکھنے والے) رکوع سجدہ کرنے والے (نمازی) نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے (اللہ کے احکام پر عمل کرکے) اور ایسے ایمانداروں کو آپ خوشخبری سنا دیجئے (جنت کی) اور لائق نہیں نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو، کہ مشرکین کے لیے دعاء مغفرت مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار (قرابت دار) ہی ہوں اس بات کے واضح ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں (بشرطیکہ یہ لوگ کفر کی حالت میں مرجائیں اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لیے بخشش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کردیں جو انہوں نے اس سے کرلیا تھا (اس کے مسلمان ہونے کی توقع پر یہ کہہ دیا تھا کہ میں بارگاہ الٰہی میں تمہارے لیے استغفار کروں گا لیکن واضح ہوگیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے (کفر پر مرجانے کی وجہ سے) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے اور استغفار کرنا چھوڑ دیا بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام بڑے درد مند (بے حد عاجزی کرنے والے) بڑے ہی بردبار

تھے (مصیبتوں میں صبر کرنے والے)۔اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو (اسلام کی) ہدایت کے بعد گمراہ کردے جب تک ان پر وہ ساری باتیں واضح نہ کردے جن سے انہیں بچنا چاہئے (پس جب وہ ایسے کاموں سے نہ بچے تو گمراہی کے مستحق ہوگئے) بے شک اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں (وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہدایت پانے کا مستحق کون ہے اور گمراہ کرنے کا مستحق کون ہے) بے شک آسمان وزمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور (اے لوگو!) تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے (جو تمہاری حفاظت کرسکے) اور نہ کوئی مددگار ہے (جو تمہیں نقصان سے بچا سکے) یقیناً اللہ مہربان ہوا (یعنی ہمیشہ سے مہربان ہے) پیغمبر کے حال پر اور مہاجرین وانصار کے حال پر بھی جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں پیغمبر کا ساتھ دیا (یعنی تنگی کے وقت بھی جب کہ غزوہ تبوک میں ان کی یہ حالت تھی کہ دو دو آدمی ایک کھجور میں شریک تھے اور دس دس آدمی باری باری ایک ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور انتہائی گرمی سے بلبلا کر لید ھ نچوڑ کر پینے پر مجبور ہوگئے) جب کہ ایسی حالت ہوگئی تھی قریب تھا (لفظ یزیغ تاء اور یاء کے ساتھ ہے یعنی مائل ہوجائیں) ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں (انتہائی مشکلات کی وجہ سے آپ کے ساتھ چلنے سے)۔ پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہوگیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر شفیق اور مہربان ہیں ان تین شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا (توبہ سے بچے رہ جانے کی وجہ سے اگلے الفاظ کے قرینہ کی وجہ سے) یہاں تک کہ زمین اپنی کشادگی کے باوجود بھی جب ان کے لیے تنگ ہوگئی (یعنی اپنی وسعت کے باوجود کوئی جگہ انہیں اطمینان کی نصیب نہیں ہوسکی) اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے (ان کے دلوں پر غم و وحشت سوار ہوگئی تھی توبہ کا معاملہ ملتوی ہونے کی وجہ سے اس میں خوشی اور محبت کی رمق باقی نہیں رہی تھی) اور انہوں نے سمجھ لیا تھا (جان لیا تھا) کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اس کے دامن میں پس پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی (انہیں توبہ کی توفیق دے کر) تا کہ وہ آئندہ بھی اللہ کی طرف جھکتے رہا کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی مہربان رحم والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يَبْذُلُوْهَا : یہ ایک تمثیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مال وجان کو خرچ کر کے جنت کو پا لینے کی بیان کی ہے۔

قوله: جُمْلَةُ اِسْتِيْنَافٍ : یہ کہہ کر بتلایا کہ اس کا ماقبل سے تعلق نہیں۔

قوله: بِفِعْلِهِمَا : اس کا قرینہ یہ ہے کہ شراء یہ وعدے کے معنی میں ہے۔

قوله: رَفْعٌ عَلَى الْمَدْحِ : اس سے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع نہیں ورنہ خبر کا محتاج ہوگا۔

قوله: بِتَقْدِيْرِ مُبْتَدَا : سے اشارہ ملا کہ اَلتَّآئِبُوْنَ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: عَلٰى كُلِّ حَالٍ : یعنی ہر حال میں شکر ہے فقط نعمتیں ملنے کے وقت نہیں۔

قوله: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ : اس سے اشارہ کیا کہ اس سے مذکور لوگ مراد ہیں پھر تعظیم کے لیے مبشر کو حذف کر دیا۔

قوله: فِيْ اِسْتِغْفَارِهٖ ﷺ : جب خواجہ ابو طالب نے کلمہ پڑھنے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے لیے

استغفار کرتا رہوں گے جب تک مجھے اس سے روکا نہ گیا تو یہ آیت اتری۔

قوله:بِاَنْ مَاتُوْا عَلَى الْكُفْرِ :زندوں کے لیے استغفار کہ اللہ تعالیٰ سے ایمان کی توفیق مانگی جائے درست ہے۔

قوله:مَّا يَتَّقُوْنَ :ممانعت کے سبب جس سے بچنا لازم ہے۔ یہ درحقیقت ان لوگوں کے عذر کا بیان جو استغفار برائے مشرکین پر مواخذہ سے ڈرے۔

قوله:مِنَ الْعَمَلِ :یہ قید بڑھا کر اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اعتقاد کا مدار سماع پر موقوف نہیں بلکہ عقلاً واجب ہے۔

قوله:اَیْ وَقْتِهَا :یہاں ساعت کا معروف معنی مراد نہیں بلکہ مطلق وقت، گھڑی مراد ہے۔

قوله:ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ :اس لیے کہ دل کا میلان زیغ کی طرف یہ ایک قسم کا گناہ ہے۔

قوله:تَابَ :اس کا اشارہ دیا کہ اس کا عطف قریب پر نہیں بلکہ عَلَيْهِمْ پر ہے۔

قوله:قُلُوْبُهُمْ :انفس کی تفسیر قلوب سے اس لیے کی کہ ذات کی تنگی کا کوئی معنی نہیں۔

قوله:سُرُوْرٌ :یہ یسع کا فاعل ہے۔

قوله:اَيْقَنُوْا :ظن کی تفسیر ایقان سے کرنا احوال مؤمن کے مناسب ولائق ہے۔

قوله:وَفَّقَهُمْ :کو مقدر مان کر لِلتَّوْبَةِ کی تاویل کردی کہ توفیق مراد ہے۔ فتدبر

تفسیر مقبولین

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ....

ربط: اوپر کی آیتوں میں ان منافقین کے فضائح اور قبائح کا بیان تھا۔ جنہوں نے جہاد سے کنارہ کشی کی تھی۔ اب ان آیات میں مجاہدین کے فضائل اور ان کی صفات فاضلہ کو بیان کرتے ہیں۔ جنہوں نے راہ خداوندی میں اپنی جانبازی اور سرفروشی کے جوہر دکھائے جس سے مقصود جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ تم نے منافقین کا حال سن لیا۔ اور اس کے بعد مؤمنین مقصرین کا بھی حال معلوم کرلیا جن کی توبہ قبول ہوئی اب سنو کہ مؤمنین صادقین اور محبین مخلصین کیسے ہوتے ہیں ان کی صفات یہ ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ ایسے مؤمنین کو بشارت سنا دیں اور مبارک باد دے دیں اور بتلا دیں کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی سودمند تجارت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض انکی جانوں اور مالوں کو خرید لیا:

معالم التنزیل (ص ۳۲۹ ج ۲) اور ابن کثیر (ص ۳۹۱ ج ۲) میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرات انصار لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے جو چاہیں مشروط فرمالیں آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے اس بات

کومشروط کرتا ہوں کہ اس کی عبادت کروگے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری
اسی طرح حفاظت کروگے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں
گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے ہم اس معاملہ کو فسخ نہیں
کریں گے اس پر آیت شریفہ: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى آخر تک نازل ہوئی۔ اس آیت میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی
جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے
پھر بھی اس نے نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اس کی راہ میں مقتول ہوجانے پر کچھ بھی عطا نہ
فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمالیا اور ذرا سی
قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا وعدہ فرمادیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔ توریت، انجیل اور قرآن میں یہ وعدہ فرمایا
ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا وعدہ سچا بھی ہے اور اسے ہر طرح کی قدرت بھی
حاصل ہے۔ دنیا والے بعض مرتبہ وعدہ کرلیتے ہیں اور وعدہ سچا بھی ہوتا ہے لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے
سے عاجز ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا بندے

اس پر خوشی منائیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطاء فرمایا تھا یعنی جان اور مال وہ اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں اپنا ذاتی کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ
خرچ کریں گے اس کے عوض انہیں جنت ملے گی۔ جنت کے سامنے اس معمولی سی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیا تھوڑا سا اور
ملا بے حساب وہ بھی دائمی ابدالآباد کے لیے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: ثامنهم الله عزوجل
فاغلی لهم کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لین دین کا معاملہ کیا اور بہت زیادہ قیمتی چیز عطا فرمائی، حضرت حسن نے فرمایا کہ:
اسعوا الی بیعة ربیحة یعنی نفع والی بیع کی طرف دوڑو جس کا معاملہ اللہ نے ہر مؤمن سے کیا ہے۔

آیت کریمہ میں فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۔ فرمایا کہ مؤمنین اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کافروں کو قتل کرتے ہیں اور
مقتول ہوجاتے ہیں۔ دونوں حالتیں مؤمن کے لیے خیر ہیں اور بعض مجاہدین کو دونوں ہی باتیں نصیب ہوجاتی ہیں اولاً
کافروں کو قتل کرتے ہیں پھر خود مقتول ہوجاتے ہیں۔ سورۂ نساء میں فرمایا: (وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ
يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا) (اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر وہ مقتول ہوجائے یا غالب ہوجائے تو ہم اسے
عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے) مؤمن کا قاتل ہونے میں بھی فائدہ ہے اور مقتول ہونے میں بھی۔ اگر مال غنیمت مل گیا تو
وہ بھی خیر اس سے ثواب باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ مقصود نہ ہو۔ مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے
لیے گھر سے نکلا اور اس کا یہ نکلنا (کسی دنیاوی مقصد کے لیے نہیں ہے) صرف اللہ کی رضامندی کے لیے اور اللہ کے رسولوں
کی تصدیق کرتے ہوئے نکلا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اس کو ثواب
اور غنیمت کے مال کے ساتھ اس کے گھر واپس لوٹادے گا جہاں سے وہ گیا تھا۔ (رواہ مالک فی المؤطا اول کتاب الجہاد)

مطلب یہ ہے کہ اگر شہید ہو گیا تو اس شہادت کی وجہ سے مستحق جنت ہو گیا اور اگر زندہ واپس آ گیا تب بھی نقصان میں نہیں۔ آخرت کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔ اور بعض مرتبہ اس ثواب کے ساتھ مال غنیمت بھی مل جاتا ہے۔ وھو فی صحیح البخاری (ص ۳۹۱ ج ۱) توکل الله للمجاهد فی سبیله یتوفاه أن یدخله الجنه أو یرجعه سالماً مع اجر و غنیمة۔ (صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے ضمانت دی ہے کہ یا تو اسے شہادت دے کر جنت میں داخل کرے گا یا وہ صحیح سالم واپس لوٹے گا تو اجر اور مال غنیمت اس کے ساتھ ہیں)۔

فائدہ: جہاد کی فضیلت بتاتے ہوئے جو (وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ) فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لیے بھی جہاد مشروع تھا۔ یہ جو مشہور ہے کہ شریعت عیسویہ میں جہاد نہیں تھا یہ ان لوگوں کی تحریف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ وفیه دلیل علی أن أهل الملل کلهم امروا بالجهاد علی ثواب الجنة۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ....

مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت:

صحیح البخاری (ص ۱۸۱ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جب (آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا) ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو میں اس کو (تمہاری سفارش کے لیے) اللہ کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ آپ برابر یہ بات فرماتے رہے لیکن وہ دونوں شخص جو موجود تھے یعنی ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابو طالب سے کہتے رہے، کیا تم عبدالمطلب کے دین سے ہٹ رہے ہو؟ بالآخر ابو طالب نے یہ کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر اسی پر ابو طالب کو موت آ گئی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا آخر تک نازل فرمائی۔

سنن الترمذی ابواب التفسیر (سورۃ القصص) میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دو، میں قیامت کے دن تمہارے لیے گواہی دوں گا تو اس پر ابو طالب نے کہا اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ میں اس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو میں اسے پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ (بالآخر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور دین شرک پر ہی ان کی موت ہو گئی) چونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے قلب میں ان کے ایمان لانے کا بہت بڑا داعیہ تھا (اس لیے) اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ: (اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ) (سورۃ قصص رکوع ۶) نازل فرمائی۔ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت فرما

دی۔ سوتم قبروں کی زیارت کرو وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۴)

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ .....

حضرت ابراہیم کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا:

مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت بیان فرمانے کے بعد فرمایا: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ .... (اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس لیے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو ایمان کی دعوت دی، توحید کی طرف بلایا۔ بت پرستی چھوڑنے کے لیے کہا اس نے نہ مانا۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تو اپنی بات سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا: (سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا) (سورۃ مریم رکوع ۳) (اب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) اس وعدہ کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ سورۃ شعراء میں مذکور ہے۔ (وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ) (اور میرے باپ کو بخش دیجیے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا) سورۃ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ کہ جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کی طرف سے بیزار ہو گئے۔ صاحب روح المعانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ ان کے باپ کی موت کفر پر ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے بیزاری کا اظہار کر دیا اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ اگر تَبَيَّنَ لَهٗ کا مطلب یہ لیا جائے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے تو سورۂ شعراء میں جو (كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ) ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باپ کو بخش دیجیے جو گمراہوں میں سے ہے۔ كَانَ اپنے معروف معنی میں نہ ہوگا۔ اور چونکہ کافروں کی مغفرت نہیں ہو سکتی اس لیے دعائے مغفرت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس کو بخش دے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ دعا باپ کی موت سے پہلے کی تھی۔ بعض حضرات نے فَلَمَّا تَبَيَّنَ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کی دشمنی پر اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا موت آنے تک برابر مصر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس بات کی وحی آ گئی تو انہوں نے بیزاری اختیار کر لی (کما ذکرہ فی الروح) اس صورت میں سورۃ شعراء میں جو (اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ) ہے اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ جب میں اپنا وطن چھوڑ کر چلا ہوں اس وقت میرا باپ گمراہوں میں سے تھا اب مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ ایمان کی توفیق دے کر اسے بخش دیا جائے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کفر ہی پر مرے گا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بہر حال اب کسی کافر کے لیے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں جو (اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ) فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور ان کے ساتھی جو توحید اور اعمال میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوہ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ کہ بلاشبہ ابراہیم بڑے رحم دل تھے بردبار تھے۔ ان کے باپ نے بڑی

سخت باتیں کیں انہوں نے حلم سے کام لیا اور شفقت کی وجہ سے استغفار کا وعدہ بھی فرمالیا۔ جب تک استغفار کے نفع کی امید تھی اس کے لیے استغفار کیا پھر جب یہ واضح ہوگیا کہ استغفار کرنا اس لیے فائدہ مند نہیں ہوسکتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

مضمون بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے کسی کافر سے کیسا ہی تعلق ہو خواہ اپنا رشتہ دار ہی ہو اور خواہ کیسا ہی محسن ہو اس کے لیے استغفار کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما دیا کہ کافر اور مشرک کی کبھی بھی بخشش نہ ہوگی تو اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا یوں ہی بے سود ہے۔ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے آپ کی بہت مدد کی۔ دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان کا بڑا کردار ہے۔ جب ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت فرمادی گئی تو آگے اور کسی کے لیے اس کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے؟ اگر کسی کے والدین یا دونوں میں ایک کافر یا مشرک ہو تو مغفرت کی دعا کرنا ممنوع ہے۔

بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں وہ مرجاتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا عقیدہ کفریہ تھا بعض لیڈر اور رؤساء، وزراء ایسے شخص کی نماز جنازہ میں حاضر ہوجاتے ہیں بلکہ نماز پڑھا دیتے ہیں اور اسے رواداری کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اول تو قرآنی ممانعت کی واضح خلاف ورزی ہے دوسرے حاضرین کو اور جس فرقہ کا یہ شخص تھا اس فرقہ کو اس دھوکہ میں ڈالتے ہیں کہ کفریہ عقیدہ والے کی بھی مغفرت ہوسکتی ہے (العیاذ باللہ) قرآن کے خلاف کیسی جسارت ہے؟ بہت سے لیڈر اور صحافی کفریہ عقیدہ والوں کی موت کے بعد ''مرحوم'' لکھ دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگئی یا اس پر رحمت ہوجائے یہ رواداری شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ....

تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے:

اس کے بعد ان تین حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو مخلص بھی تھے۔ اور غزوہ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں صاف صاف عرض کردیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے یہ حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیت کریمہ (وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ) میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہوچکا ہے یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کردیا گیا تھا۔ ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور اپنے نفسوں میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی ان کا جینا بہت زیادہ دشوار اور دوبھر ہوگیا۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور اوپر مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئے تھے جن کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالک کی زبانی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب المغازی (ص ٦٣٤ ج ٢) میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے فارغ ہوکر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے زیادہ فکر لاحق ہوگئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے

عذر پیش کردوں گا۔ اور اپنے گھر والوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا۔ جب آپ بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال تھا وہ بالکل ختم ہوگیا اور میں نے یہ طے کرلیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے ہی آئے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ جب آپ اپنے اس عمل سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ آ گئے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسی سے کچھ اوپر تھے۔ آپ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور ان کے لیے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرما دیا۔

حضرت کعب نے بیان کیا میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ مسکرائے جیسے کوئی غصہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آ جا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کیا واقعتا میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کرلوں تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کردے گا۔ اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں، اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقعہ پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لیے انہوں نے اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کر سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کر دیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کیے اور پھر رسول اللہ ﷺ کا استغفار فرمانا تمہارے لیے کافی ہو جاتا، اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کرلیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کردوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا ہے اور ان کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں۔ جو ان کا حال ہوگا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لہٰذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے

دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی، آپ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لیے آپ ہونٹ ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرما لیتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا۔ لیکن میرے جو دو ساتھی تھے وہ تو بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے یہ نسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والا ہے) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لیے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہٰذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آ گئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ ہلال بن امیہ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر یہ عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گیا اور زمین بھی میرے لیے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بلند آواز سنی جبل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ یہ

آواز سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمالی۔ یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا۔ اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سنا دی۔ اس شخص کی آواز گھوڑ سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگرچہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لیے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ صحابہ کرام مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارکبادی دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔ (وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر سبھی اٹھتے تو مسجد نبوی جو سکون و اطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہو گیا)۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے (کمافی حاشیۃ البخاری عن القسطلانی) رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی خوشی کا موقعہ آتا تھا تو آپ کا چہرہ انور ایسا روشن ہو جاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنی توجہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے خرچ کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو، تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیبر کے مال غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مبتلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ باقی زندگی بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے آیت شریفہ: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ سے لے کر وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ تک آیات نازل فرمائیں۔ حضرت کعب نے یہ بھی فرمایا کہ نعمت اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہو کر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہو جاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہو گئے۔

فوائد ضروریہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، سچی بات کہیں، سچ ہی میں نجات ہے۔ اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔ منافقین نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں جانیں چھڑالیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مؤمنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا اعلان فرما دیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کی پول کھل ہی جاتی ہے۔ اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

(۲) امیر المؤمنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آ جائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

(۳) بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلا ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے ہی اوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ تو ہم تمہاری قدردانی کریں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچے پڑ جاتے اور شاہ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرے اور استقامت پر رہے۔

(٤) حضرت کعب رضی اللہ عنہ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے، جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

(٥) جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آ جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہ جو حضرت کعب بن مالک کے چچازاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام کلام کی ممانعت تھی۔

(٦) جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا تو حضرات صحابہ نے کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلدی سے بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو اسے بشارت دینی چاہئے اور اس میں جلدی کرنی چاہئے۔

(٧) پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جوق در جوق ان سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیاں رہے یہ مبارکبادی توبہ قبول ہونے پر تھی، معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر

کسی کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اسے مبارک بادی دینا چاہئے۔

(۸) جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت کعب پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک بادی دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارک بادی کے ساتھ عملی طور پر مبارکباد دینا بھی مستحب ہے۔

(۹) آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لیے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔ اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطور شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلاۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جائے اور قبول کرانے کے لیے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے۔ حضرت کعب نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے بطور صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلوٰۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔

(۱۰) حضرت کعب نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کر دوں، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو میں اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑ جائے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آ جائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کر دینا تاکہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعب کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیت تھی، اس لیے جتنا مال روک لیا تھا۔ اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

(۱۱) جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعب نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لیے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ مَعَاصِيْهِ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ فِى الْاِيْمَانِ وَالْعُهُوْدِ بِاَنْ تَلْزَمُوا الصِّدْقَ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِذَا غَزَا وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ اَنْ يَصُوْنُوْهَا عَمَّا رَضِيَهُ لِنَفْسِهٖ مِنَ الشَّدَائِدِ وَهُوَ نَهْيٌ بِلَفْظِ الْخَبَرِ ذٰلِكَ اَيِ النَّهْيُ عَنِ التَّخَلُّفِ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ عَطَشٌ وَّلَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ جُوْعٌ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى وَطْاً يَّغِيْظُ يُغْضِبُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ لِلّٰهِ نَّيْلًا قَتْلًا اَوْ اَسْرًا اَوْ نَهْبًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اَیْ اَجْرَهُمْ بَلْ یُثِیْبُهُمْ وَلَا یُنْفِقُوْنَ فِیْهِ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَلَوْ تَمْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا بِالسَّیْرِ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ذٰلِكَ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَیْ جَزَائَهٗ وَلَمَّا وُبِّخُوْا عَلَی التَّخَلُّفِ وَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَرِیَّةً نَفَرُوْا جَمِیْعًا فَنَزَلَ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا اِلَی الْغَزْوِ كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا فَهَلَّا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ قَبِیْلَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ جَمَاعَةٌ وَمَكَثَ الْبَاقُوْنَ لِّیَتَفَقَّهُوْا اَیِ الْمَاكِثُوْنَ فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْهِمْ مِنَ الْغَزْوِ بِتَعْلِیْمِ مَا تَعَلَّمُوْهُ مِنَ الْاَحْكَامِ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع ۱۵ ۴ عِقَابَ اللّٰهِ بِاِمْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَنَهْیِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ فَهٰذِهٖ مَخْصُوْصَةٌ بِالسَّرَایَا وَالَّتِیْ قَبْلَهَا بِالنَّهْیِ عَنْ تَخَلُّفِ اَحَدٍ فِیْمَا اِذَا خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو (گناہ ترک کر کے) اور سچوں کے ساتھ رہو (ایمان اور عہد کے بارے میں سچ کی پابندی کرو۔) مدینہ کے رہنے والوں اور جو دیہاتی کے گرد وپیش ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیں (غزوہ کے موقع پر) اور نہ یہ زیبا تھا کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (کہ جن مصائب سے آپ ﷺ کو دوچار ہونا پسند کرتے ہیں ان سے یہ لوگ اپنا بچاؤ کرنے لگیں۔ الفاظ تو یہاں نہی کے ہیں مگر مقصود خبر ہے) یہ (یعنی جہاد میں نہ جانے سے روکنا) اس لیے (اس سبب سے) ہے کہ انہیں جو پیاس لگی ہے اور جو محنت (تکلیف) انہوں نے جھیلی ہے اور جو بھوک لگی ہے اللہ کی راہ میں اور وہ قدم جو چلتا ایسا چلنا (یہ مصدر ہے روندنے کے معنی ہیں) جو کفار کے لیے غیظ (غضب) کا باعث ہوتا ہے اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی (انہیں قتل کیا یا گرفتار کیا یا لوٹا) ان سب پر ان کے نام ایک نیک کام لکھا گیا ہے (اسی کے مطابق بدلہ ملے گا) یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے (بلکہ انہیں اجر مرحمت فرماتے ہیں) اور وہ کوئی رقم خرچ نہیں کرتے وہ چھوٹی ہو (جیسے کھجور) یا بڑی اور کوئی میدان (چل کر) انہیں طے کرنا نہیں پڑے گا مگر ان کے نام ان کی نیکی لکھی گئی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرما دے (یعنی جو کچھ انہوں نے کیا اس کا اجر چونکہ تبوک میں نہ جانے پر لوگوں کو جھڑ جھڑا دیا گیا تھا اس لیے پھر بعد میں جب کسی موقع پر نبی کریم ﷺ نے کہیں کوئی فوجی دستہ بھیجنا چاہا سب نکل کھڑے ہوئے پس ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت (خاندان) میں سے ایک مختصر حصہ (جماعت) نکل جایا کرے (اور باقی لوگ ٹھہرے رہیں) تا کہ یہ (باقی ماندہ) لوگ دنیا کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور جب یہ لوگ (جہاد سے نمٹ کر) اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو لوگوں کو ڈرائیں (جو احکام انہوں نے خود سیکھے ہیں وہ دوسروں کو سکھلا کر) تا کہ وہ لوگ بچیں (اللہ کے عذاب سے شرعی احکام کی پابندی کر کے اور ممانعتوں سے بچ کر، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ یہ حاکم معمولی لڑائیوں کے متعلق ہے لیکن آیتیں جن میں نہ جانے والوں کی سرزنش کی گئی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ بنفس نفیس آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے جائیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فِي الْاِيْمَانِ: اس سے اشارہ کیا مکان ومعاملہ میں ساتھ کافی نہیں اصل ایمان میں ساتھ مفید ہے۔
قوله: مَصْدَرٌ: موطئا یہ مصدر میمی ہے ظرف نہیں۔
قوله: وَلَا يَنَالُوْنَ: جو تکلیف ان کو پہنچے، نال منہ کم کرنے کو کہتے ہیں۔
قوله: اَجْرَهُمْ: یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لا کر اشارہ کیا وہ مخلص ہیں ان کا اجر ضائع نہ ہوگا۔
قوله: ذٰلِكَ: کتب کی ضمیر انفاق کی طرف راجع ہے۔ اور وادی کا طے کرنا بھی اسی تاویل میں ہے۔
قوله: جَزَائَه: اس سے اشارہ کیا کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بہترین بدلہ ملے گا اور اس کے علاوہ کو ان کا اجر بڑھانے کے لیے ساتھ ملایا جائے گا۔
قوله: جَمَاعَةٌ: گویا طائفہ اور فرقہ باہمی فرق کی ترکیب سے اس کو اخذ کیا گیا ہے کیونکہ قلیل کثیر کی بنسبت تیزی کرتا ہے۔
قوله: وَالَّتِي قَبْلَهَا: یہ نہی سرایا وغزوات سے متعلق ہے اور پہلے والی تخلف سے متعلق تھی (کذا قال ابن عباس)

تفسیر مقبولین

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ....

ربط: ان آیات میں متخلفین پر عتاب عام فرمایا ہے کہ جن اہل مدینہ اور اعراب نے اس غزوہ میں آرام طلبی کی بناء پر رسول کا ساتھ نہیں دیا اور ان خیرات وبرکات سے محروم رہے کہ جو آپ کے رفقاء سفر کو نصیب ہوئیں اور آئندہ کے لیے نصیحت کی کہ مسلمانوں کو یہ سزاوار نہیں کہ جب کوئی موقعہ جاں نثاری کا آئے تو رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی راحت اور حفاظت کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مقدم سمجھیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والوں کو روا نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ کے ہمراہ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ روا تھا کہ اپنی جانوں کو رسول اللہ ﷺ کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں کہ اپنی جان کی تو فکر کریں اور رسول خدا تکلیفیں اٹھائیں اور ان کو آپ کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ آئے اپنے لیے تو عیش وآرام پسند کریں اور رسول اللہ ﷺ کو جہاد کی شدت اور مشقت میں چھوڑ دیں۔ اور یہ یعنی جہاد میں آپ ﷺ کے ساتھ جانا اس لیے بھی ضروری تھا کہ علاوہ ادائے حق محبت کے اگر یہ لوگ جہاد میں حضور پرنور ﷺ کے ساتھ رہتے تو ان کو اجر عظیم ملتا۔ کیونکہ جو لوگ سفر جہاد میں آپ کے ساتھ رہتے ہیں ان کو راہ خدا میں یعنی جہاد میں جو پیاس اور رنج ومحنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے اور جو قدم وہ دشمن کی زمین پر رکھتے ہیں۔ جس سے کافر غیظ اور طیش میں آتے ہیں اور جو چیز وہ دشمن سے چھینتے ہیں اور اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کو گرفتار کرتے ہیں یا قتل کرتے ہیں یا شکست دیتے یا ان سے مال غنیمت

حاصل کرتے ہیں۔ ان سب پر ان کے لیے نیک عمل کا ثواب لکھا جاتا ہے باوجودیکہ ان میں بعض افعال غیر اختیاری ہیں۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ اس درجہ عظیم ہے کہ اس کے ضمن میں افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ سب ہی پر ثواب لکھا جاتا ہے حتی کہ جہاد کے گھوڑے کے کودنے اور پھاندنے اور لید کرنے پر بھی اجر ملتا ہے اور اس وعدے میں تخلف کا احتمال نہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

مطلب یہ ہے کہ مجاہدین کو ان کے ہر عمل پر اجر ملتا ہے کسی حالت میں ان کا ثواب ضائع نہیں جاتا۔ پس ایسی حالت میں جہاد سے جان چرانا اور رسول کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ....

جہاد اور تفقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت:

دین اسلام کامل ہے، مکمل ہے، جامع ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس میں اعتقادیات بھی ہیں اور عبادات بھی، اخلاق بھی ہیں اور آداب بھی، معاشرت کے طریقے بھی ہیں اور معاملات کے احکام بھی، بیاہ شادی بھی ہے اور اولاد کی پرورش بھی، مال کمانے کے جتنے طریقے ہیں ان کے احکام بھی بتائے ہیں۔ کفر کو مٹانے اور اہل کفر کو نیچا دکھانے کا اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے جہاد اور قتال بھی مشروع ہے اور یہ بھی دین کا ایک ضروری اور بہت اہم کام ہے۔ جسے حدیث شریف میں چوٹی کا عمل بتلایا ہے (ذروة سنامه الجهاد) لیکن اگر سارے ہی افراد جہاد میں لگ جائیں تو تعلیم و تعلم کا کام کون کرے جس کے ذریعہ علم و اعمال زندہ رہتے ہیں۔ اور فضائل و مسائل کا پتہ چلتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

جہاد کی قسمیں:

اس لیے عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں ہے۔ فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دشمن کسی علاقہ پر دھاوا بول دیں۔ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ پس جہاد فرض کفایہ ہے اور دین کی دوسری ضروریات بھی ہیں۔ خصوصاً جبکہ علوم اسلامیہ کا جاننا، اور پہنچانا اور پھیلانا بھی لازم ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر وقت جہاد کے لیے ہر ہر فرد نکل کھڑا ہو، اسی کو فرمایا: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً .... کہ اہل ایمان کو یہ نہ چاہئے کہ سب ہی نکل کھڑے ہوں ہاں ایسا ہو کہ جہاد میں بھی جاتے رہیں ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت جایا کرے۔ اور علوم میں مشغول رہنے والے بھی ہوں۔ جہاد میں جانے والے جہاد کو قائم رکھیں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا رہے۔

تفقیہ اور تفقہ کی ضرورت:

جو لوگ جہاد میں نہ نکلیں وہ دینی سمجھ حاصل کریں۔ یعنی ایک جماعت علوم دینیہ پڑھانے والوں کی بھی رہے۔ جن کے ساتھ علوم دینیہ حاصل کرنے والے لگے رہیں اور سرسری علوم پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ تفقہ فی الدین حاصل ہونا ضروری ہے۔ علوم کی وسعت بھی حاصل ہو اور علوم کی گہرائی میں اتریں، تاکہ اس قابل ہو جائیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ کس آیت اور کس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ سے تعبیر فرمایا جو لوگ جہاد میں نہیں گئے وہ وطن میں رہ کر علم دین حاصل کریں

اور جولوگ جہاد میں گئے وہ بھی واپس آ کر علم حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ علم دین سے نابلد رہیں۔ اگر جاہل محض رہیں گے تو جہاد سے متعلقہ اعمال شرعیہ کی تعمیل نہ کر سکیں گے۔ جب یہ لوگ جہاد سے واپس آ جائیں تو وہ جو حضرات علم کی تحصیل میں مشغول تھے ان واپس آنے والوں کو اللہ سے ڈرائیں یعنی دینی احکام سکھائیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہیں۔ اسی کو فرمایا: لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۝ جہاد میں جانے والے نوبت بہ نوبت جایا کریں۔ ایک جماعت جہاد میں چلی گئی (جن کے پاس ضروری علم پہلے سے ہے) اور جب یہ جماعت واپس آ جائے تو یہ علوم دینیہ میں مشغول ہو جائے اور دوسری جماعت چلی جائے۔ جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لیے جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور ان کی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جایا کرے۔ جولوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آ جائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں، قرآن وحدیث کی تعلیم دیں۔

بطور فرض کفایہ امت مسلمہ کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ علوم شرعیہ کو محفوظ رکھیں اور ان کو پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ قرآن مجید کا محفوظ رکھنا (مطبوعہ مصاحف پر بھروسہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ دیا جائے) قرآن کی تفاسیر کو محفوظ رکھنا احادیث شریفہ اور ان سے متعلقہ علوم کو محفوظ رکھنا، قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے جو احکام و مسائل مجتہدین نے مستنبط کیے ہیں ان کو محفوظ رکھنا بلکہ علوم عربیہ صرف ونحو، معانی و بیان اور عربی لغات کا باقی رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ ان چیزوں پر قرآن وحدیث کا فہم موقوف ہے۔ اگر یہ چیزیں محفوظ نہ ہوں گی تو ملحدین اور زنادقہ اپنے پاس سے غلط ترجمے کریں گے اور قرآن وحدیث کے مفاہیم اور معانی بدل دیں گے۔ ہر شخص پر عقائد اسلامیہ کا جاننا اور ان کا عقیدہ رکھنا، نماز کے احکام و مسائل جاننا اور نماز کو سیکھنا اور یاد رکھنا، طہارت ونجاست کے مسائل جاننا، اور ان تمام احکام کا جاننا جن سے ہر شخص کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے یہ فرض عین ہے۔ جولوگ تجارت کرتے ہیں ان کو تجارت کے مسائل جاننا فرض عین ہے اسی طرح جولوگ زراعت میں صنعت وحرفت میں ملازمت میں لگے ہوئے ہیں اپنے اپنے مشاغل اور مکاسب کے بارے میں احکام و مسائل سیکھیں جو ان پر فرض عین ہے تا کہ خلاف شرع طریقوں سے مال نہ کھائیں۔ محنت بھی کریں اور مال حرام ملے اور مال کمانے میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر کے گنہگار ہوں اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کریں۔ جن کے پاس مال ہے وہ خصوصیت کے ساتھ وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے مسائل معلوم کریں۔

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی طرح اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں زندگی گزار لیتے ہیں نہ میاں بیوی کے حقوق کا پتہ، نہ اولاد کی تعلیم و تادیب کی خبر، نہ ماں باپ اور دیگر اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا فکر، نہ حلال کمانے کا دھیان۔ یہ طریقہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔

فقہ دینی سمجھ کا نام ہے عہد اول میں اس کا مفہوم بہت زیادہ عام تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: معرفۃ النفس مالھا و ماعلیھا کہ ہر شخص کا یہ پہچان لینا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ میں دنیا اور آخرت میں کن کن چیزوں کا مسئول ہوں اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں جن کا انجام دینا میرے ذمے لازم ہے۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد

ان سب کو جاننے اور جاننے کے مطابق عمل کرے۔اس میں پورے دین کا سمجھنا اور اپنی جان پر نافذ کرنا آ گیا۔ درحقیقت یہ فقہ کی بہت جامع تعریف ہے۔اور لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ کے مفہوم میں یہ سب احکام ومسائل آ جاتے ہیں احکام ومسائل کا جو علم ہے اور جو امور روح قلب اور تزکیہ نفس سے متعلق ہیں فقہ ان سب کو شامل ہے۔حضرت حسن سے کسی نے کچھ دریافت کیا انہوں نے کچھ جواب دے دیا، سائل نے کہا دوسرے فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ اس کے بعد فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: انما الفقيه الزاهد في الدنيا، الراغب في الاخرة، البصير بدينه المداوم على عبادة ربه الورع الكاف عن اعراض المسلمين العفيف عن اموالهم الناصح لجماعتهم۔ یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، مسلمانوں کی بے آبروئی کے درپے نہ رہتا ہو (یعنی ان کی غیبتیں نہ کرتا ہو۔ ان پر تہمت نہ دھرتا ہو) ان کے مالوں سے دور رہتا ہو، اور مسلمانوں کی جماعت کا خیر خواہ ہو۔ (روح المعانی ص ۴۸ ج ۱۱)

تفقہ فی الدین بہت بڑی دولت ہے جس کو بھی حاصل ہو جائے وہ بڑا سعادت مند ہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) کہ اللہ تعالیٰ جس کو خیر سے نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تفقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا: ((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) کہ اے اللہ! اسے تفقہ فی الدین نصیب فرما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تفقهوا قبل أن تسودوا یعنی اس سے پہلے فقیہ بن جاؤ کہ تم کو سرداری سپرد کی جائے یعنی نوعمری ہی سے فقہ میں لگنا چاہئے۔ (صحیح بخاری ص ۱۷ ج ۱)

جو حضرات آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ نے کیا یہ بھی تفقہ فی الدین ہے اور جو لوگ اصلاح قلوب اور تزکیہ نفوس کے شغل میں لگے ہوئے ہیں اور امت کی اصلاح کی اجتماعی اور انفرادی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں وہ بھی تفقہ فی الدین میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فقہ کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور گویا اس کو بدعت سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے اور حدیث شریف میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہیں اسے تفقہ فی الدین سے نواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کیا ضرورت؟ حدیث دیکھ کر عمل کرلیں گے۔ حالانکہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ناسخ منسوخ دیکھنا پڑتا ہے ظاہری طور پر جو تعارض ہو اس کے رفع کرنے کے لیے تطبیق بین الاحادیث کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قال صاحب الدر المختار واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر مايحتاج لدينه وفرض كفاية وهو مازاد عليه لنفع غيره ومندوبا وهو التبحر في الفقه وعلم القلب، وحرام وهو علم الفلسفة والشعبدة والتنجيم والرمل وعلوم الطبعيين والسحر والكهانة اه. قال الشامي في حاشية قوله علم القلب أي علم الاخلاق وهو علم يعرف به انواع الفضائل وكيفية اكتسابها وأنواع الرذائل وكيفية اجتنابها۔

(صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ جان لے! ایک علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور وہ علم کی اتنی مقدار ہے جو دین پر عمل کے لیے ضروری ہو اور ایک علم فرض کفایہ ہے یہ وہ ہے جو اپنے عمل سے زائد ہو دوسرے سے نفع کے لیے اور ایک مندوب ہے اور

یہ فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور دلوں کا عمل ہے۔ اور ایک علم حرام ہے اور یہ فلسفہ، شعبدہ بازی، نجوم، رمل مادہ پرستی کا علم اور جادو و کہانت کا علم ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں کہا ہے علم دل سے مراد ہے علم اخلاق اور یہ وہ علم ہے جس سے فضائل کی اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور برائیوں کی اقسام اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے)۔

(رد المحتار ص ۳۰ ج ۱)

فائدہ: لفظ لِيَتَفَقَّهُوْا باب تفعل سے ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقہ تفقہ سے حاصل ہوگا یعنی اس میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہ ہوگا۔ نیز صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ لِيُنْذِرُوْا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین پڑھانے والے کی غرض ارشاد و انذار ہونی چاہئے یعنی امور خیر کی تعلیم دے اور گناہوں کی تفصیل بتائے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے۔ اور متعلم کا مقصود بھی خوف و خشیت ہو، وہ علم حاصل کر کے شریعت پر چلنے کی نیت کرے اور خوف و خشیت کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے۔ دنیا حاصل کرنے اور بڑا بننے کی نیت سے علم نہ پڑھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آ گئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔

(رواہ الدارمی فی سننہ ص ۸۰ ج ۱)

چونکہ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کے بعد وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ بھی فرمایا اس لیے اصحاب علم پر ضروری ہے کہ جو لوگ بھی علم دین حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچیں ان کی خیر خواہی، ہمدردی اور دلداری کریں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔ (یہ حضرات صحابہ کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے تاکہ وہ تفقہ فی الدین حاصل کریں۔ سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اس کی وصیت کرتا ہوں۔ راوی حدیث حضرت ابو سعید خدری کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے: مَرْحَبًا بوصية رسول الله ﷺ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤ گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے۔ جبکہ وہ فقیہ ہو جائیں (رواہ مسلم ص ۳۰۷) جب اسلام میں داخل ہو کر فقیہ ہوں گے تو اپنی استعداد کو دینی سمجھ کے مطابق خرچ کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد)) یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

فقیہ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہزار عابدوں سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص صرف عبادت گزار ہو شیطان کے مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا شیطان اسے آسانی سے ورغلا دیتا ہے اور جو شخص فقیہ ہو وہ

شیطان کے داؤ گھات مکروفریب اور بہکانے کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ وہ اپنے علم وفقہ کے ذریعہ خود بھی شیطان کے مکرو فریب سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اسے دوسروں تک پہنچادے۔ کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچادیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۳۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث شریفہ کے ظاہری الفاظ سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان میں وہ مسائل بھی ہیں جن کی طرف ہر شخص کا ذہن نہیں پہنچتا، جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کی دولت سے نوازا ہے وہ ان مسائل اور احکام کو سمجھتے ہیں، اور احادیث کی عبارات اور سیاق کلام، طرز بیان، وجوہ دلالت سے انہیں وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو ان کو نہیں ملتیں جو فقہ سے عاری ہیں۔ اسی فقہ یعنی دینی سمجھ کو کام میں لانے کا نام استنباط ہے۔

یہ تو معلوم ہوگیا کہ دین اسلام میں تفقہ فی الدین کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے لیکن اس میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے ایک جماعت تو ایسی ہے جسے فقہ کے نام سے ہی چڑ ہے اور ساتھ ہی ان میں یہ غفلت ہے کہ احادیث شریفہ کی پوری کتابیں بھی نہیں پڑھتے پڑھاتے چند منتخب احادیث یاد کر کے فتوے دینے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امام بخاری اور امام شافعی اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے جس نے اساتذہ سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی خود رو عالم ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنی سمجھ سے دینی احکام بتانے اور فتوے دینے کا حق ہے ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں یہ لوگ نہ عربی جانتے ہیں نہ صرف ونحو سے واقف ہیں۔ نہ وجوہ استنباط سے باخبر ہیں نہ فصاحت وبلاغت کی کتابیں پڑھیں نہ لغات پر حاوی ہیں۔ حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کو بھی نہیں جانتے لیکن اپنی جاہلانہ سمجھ سے فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد ختم نہیں ہوا اور اس بات کی لپیٹ میں وہ اپنے کو مجتہد قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اجتہاد کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ میں نے ان لوگوں کے لیے چند سوال رکھے ہیں۔ عزیز طلبہ سے ان لوگوں کا واسطہ پڑ جائے تو ان سے دریافت کرلیں کہ لَمُتَّبِعِيْ کیا صیغہ ہے؟ دونوں کے حروف اصلی بتائیں؟ اور حروف محذوفہ اور زائد بیان فرمائیں؟ اور یہ بتائیں کہ يَخِصِّمُوْنَ اور (اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْ) اور وَادَّكَرَ کیا صیغہ ہے کس باب سے ہے اور یہ بھی واضح کریں کہ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ اور فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ میں کتنے کلمات ہیں؟ ان میں اسم، فعل حروف کیا کیا ہیں اور ساتھ ہی معرب ومبنی کی تعیین بھی کرتے چلیں؟

اجتہاد، استنباط اور تفقہ کوئی حلوہ کا لقمہ نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے مجتہد اور فقیہ بن جائے۔ یہ ضروری باتیں دور حاضر کے بے پڑھے مجتہدوں سے امت کو محفوظ رکھنے کے لیے لکھی گئی ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر جو اوپر لکھی گئی یہ اس بنیاد پر ہے کہ لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کی ضمیر اس جماعت کی طرف راجع ہو جو جہاد کے لیے نکلنے والوں کے ساتھ نہ گئے اور گھروں میں رہ گئے اور ان کا یہ رہنا اس لیے ہے کہ علم دین حاصل کریں اور

مجاہدین واپس ہوں تو ان کو علم سکھائیں۔صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بہت سے حضرات نے لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کی ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع کی ہے جو گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے اس صورت میں باہر نکلنے والوں سے علم کے لیے سفر کرنے والے مراد ہیں۔اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کے لیے جماعتیں جاتی ہیں اسی طرح طلب علم کے لیے بھی اہل ایمان باہر نکلیں اور باہر نکل کر علم حاصل کریں۔پھر واپس ہو کر ان لوگوں کو دین سکھائیں اور اللہ سے ڈرائیں جو طلب علم کے لیے باہر نہ گئے تھے۔یہ تفسیر سیاق کلام سے قریب تر ہے۔صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر لکھ کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب دیہاتوں میں چلے گئے تھے۔وہ وہاں کی چیزوں سے منتفع ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کی ہدایت کے کام میں مشغول رہے۔اس پر لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے پاس آ کر بس گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے یہ بات سن کر انہیں رنج ہوا اور دیہات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔جس سے ان کی پریشانی دور ہو گئی کیونکہ جو علم حاصل کیا ہے دیہات میں رہ کر اس کا پھیلانا اور ہدایت دینے کی کوشش کرنا بھی ایمانی تقاضوں میں شامل ہے لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کا مرجع جو بھی ہو اور ترجمہ اور تفسیر میں جو رخ بھی اختیار کیا جائے ہر حال میں آیت شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک جماعت کا تفقہ فی الدین میں مشغول ہونا ضروری ہے۔یہ لوگ خود علم دین حاصل کریں اور پھر اپنی قوم کو علمی باتیں بتائیں،اوامر و نواہی سے آگاہ کریں تاکہ قوم کے افراد گنہگاری سے بچ سکیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا دین اسلام میں بہت پھیلاؤ ہے۔انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔اسلام کے تمام علوم کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔یہ علوم قرآن کریم میں اور احادیث شریف میں کتب تفسیر میں شروح حدیث میں۔فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں۔پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ پورے دین کو علماً و عملاً محفوظ رکھے۔ان علوم کی تعلیم و تدریس ہوتی رہے۔خود بھی پڑھیں۔اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں۔اور تمام مسلمانوں کے لیے یہ مواقع فراہم کریں کہ ان علوم میں مشغول ہو سکیں۔اس میں کتابیں لکھنا بھی ہے مدارس کا قیام بھی ہے اور مدارس کی امداد بھی ہے۔بعض علاقوں میں کچھ لوگوں نے ایسے مدارس قائم کیے جن کے نصاب سے کتاب الجہاد اور کتاب العتاق وغیرہ کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان پر عمل تو نہیں رہا لہٰذا ان کے پڑھانے کی ضرورت نہیں، یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔عمل ہو یا نہ ہو ہر حال میں پورے دین کو باقی رکھنا اور محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔اگر بعض علوم کو چھوڑ دیا اور بعض علوم کو نصاب سے خارج کر دیا تو جب کبھی حالات پلٹا کھائیں گے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کا موقعہ آ جائے گا جن پر آج عمل کرنے کا موقعہ نہیں ہے تو اس وقت بھولے ہوئے احکام پر کیسے عمل ہوگا؟ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔یہ بھی تو امت ہی کا قصور ہے نہ جہاد چھوڑتے جو فرض کفایہ ہے نہ یہ دن دیکھنے میں آتے کہ احکام جہاد و احکام استرقاق کو نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ کرتے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ اَيِ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ مِنْهُمْ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً شِدَّةً اَيْ اَغْلِظُوْا عَلَيْهِمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَمِنْهُمْ اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ مَّنْ يَّقُوْلُ لِاَصْحَابِهٖ اِسْتِهْزَاءً اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا

تَصْدِيقًا قَالَ تَعَالٰى فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا لِتَصْدِيْقِهِمْ بِهَا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ يَفْرَحُوْنَ
بِهَا وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضُعْفُ اِعْتِقَادٍ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ كُفْرًا اِلٰى كُفْرِهِمْ
لِكُفْرِهِمْ بِهَا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَ لَا يَرَوْنَ بِالْيَاءِ اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اَنَّهُمْ
يُفْتَنُوْنَ يُبْتَلَوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ بِالْقَحْطِ وَالْاَمْرَاضِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ مِنْ نِفَاقِهِمْ وَ لَا
هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ يَتَّعِظُوْنَ وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فِيْهَا ذِكْرُهُمْ وَقَرَأَهَا النَّبِيُّ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۚ
يُرِيْدُوْنَ الْهَرَبَ وَيَقُوْلُوْنَ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِذَا قُمْتُمْ فَاِنْ لَمْ يَرَهُمْ اَحَدٌ قَامُوْا وَاِلَّا ثَبَتُوْا ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۚ
عَلٰى كُفْرِهِمْ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْهُدٰى بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ الْحَقَّ لِعَدَمِ تَدَبُّرِهِمْ لَقَدْ
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَيْ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزِيْزٌ شَدِيْدٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ اَيْ
عَنَتُكُمْ اَيْ مَشَقَّتُكُمْ وَلِقَاؤُكُمُ الْمَكْرُوْهَ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ اَنْ تَهْتَدُوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ شَدِيْدُ
الرَّحْمَةِ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ يُرِيْدُ لَهُمُ الْخَيْرَ فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْاِيْمَانِ بِكَ فَقُلْ حَسْبِيَ كَافِيَّ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ بِهِ وَثِقْتُ لَا بِغَيْرِهِ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكُرْسِيِّ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُ اَعْظَمُ ع ۱۶ ۵
الْمَخْلُوْقَاتِ رَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ اٰخِرُ اٰيَةٍ نَزَلَتْ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اِلٰى
اٰخِرِ السُّوْرَةِ

ترجمہ: مسلمانو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں (جو زیادہ نزدیک ہوں سب سے پہلے ان سے) اور چاہئے کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں (یعنی ان پر سختی کرو) اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو متقی ہیں (مدد اور اعانت کے لحاظ سے) اور جب (قرآن کی) کوئی سورۃ اترتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض لوگ کہتے ہیں (اپنے ساتھیوں سے تمسخر کے طور پر) اس سورۃ نے تم میں سے کس کے ایمان (تصدیق) میں اضافہ کیا۔ (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سو حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا (کیونکہ وہ ان آیات کی تصدیق کرتے ہیں) اور وہ اس پر خوشیاں منا رہے ہیں (خوش ہو رہے ہیں) جن کے دلوں میں روگ (اعتقاد کی کمزوری ہے) تو بلاشبہ اس سورت نے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی (ان آیات کا کفر کرنے کی وجہ سے کفر دوگنا ہو گیا) اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے اور کیا انہیں دکھلائی نہیں دیتا (یرون یاء) کے ساتھ ہے منافقین مراد ہیں اور تاء کے ساتھ ہو تو مسلمان کو خطاب ہے) کہ یہ لوگ کسی نہ کسی آفت (مصیبت) میں پھنسے رہتے ہیں آئے سال ایک دو مرتبہ (قحط سالی کی دلدل میں) پھر بھی باز نہیں آتے (اپنے

نفاق سے) اور نہ نصیحت (کچھ) پکڑتے ہیں اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے (جس میں ان کا ذکر ہوتا ہے اور پھر اسے رسول اللہ ﷺ پڑھ کر سناتے ہیں) تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (جن میں ان کا ذکر ہوتا ہے اور پھر اسے رسول اللہ ﷺ پڑھ کر سناتے ہیں) تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (بھاگنے کی سوچتے ہوئے کہنے لگتے ہیں) تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑی؟ جب تم کھڑے ہوئے تھے پس اگر کسی نے دیکھا تو کھڑے ہو گئے وہ ٹھہر جاتے) پھر چل دیئے (اپنے کفر کی طرف) اللہ نے ان کے دل ہی پھیر دیئے (راہ ہدایت سے) کیونکہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے (غور نہ کرنے کی وجہ سے حق کو نہیں سمجھتے)۔ تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں (یعنی محمد ﷺ جو تمہارے ہی ہم جنس ہیں) ان پر بہت ہی شاق (ناگوار) گزرتا ہے تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا (یعنی تمہاری تکلیف، مشقت اور مصیبت سے دوچار ہونا (انہیں کھٹکتا ہے) وہ تمہاری بھلائی (ہدایت) کے لیے بڑے ہی خواہشمند ہیں وہ مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والے (بڑے ہی شفیق) مہربان ہیں (مسلمانوں کا بھلا چاہتے ہیں) اس پر بھی اگر یہ لوگ آپ پر ایمان لانے سے) سرتابی کریں تو ان سے کہہ دو میرے لیے اللہ کا سہارا بس (کافی) ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا (اسی پر اعتماد کیا کسی دوسرے پر نہیں) وہ عرش عظیم (کرسی) کا مالک ہے خاص طور پر عرش کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بڑھ کر ہے حاکم نے مستدرک میں ابی ابن کعب سے روایت کی ہے کہ سب سے آخری آیت: لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ الخ ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اِسْتِهْزَاءً: اس سے اشارہ کیا کہ یہ بطور استفسار نہیں بلکہ بطور تمسخر تھا۔

قوله: وَهُمْ كٰفِرُوْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ ان میں کفر مستحکم ہو چکا ہے۔

قوله: يَقُوْلُوْنَ: اس کو مقدر مانے بغیر عبارت درست نہیں بنتی۔

قوله: وَ اِلَّا ثَبَتُوْا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ ثُمَّ انْصَرَفُوْا اس کا عطف مقدر ہے۔

قوله: صَرَفَ اللّٰهُ: ان کے متعلق بددعا کی کیونکہ وہ مقام کے موافق ہے، یہ خبر نہیں۔

قوله: بِاَنَّهُمْ: با کا تعلق انصرفوا سے ہے صرف سے نہیں کیونکہ وہ جملہ معترضہ دعائیہ ہے۔

قوله: الْحَقَّ: یہ مفعول ہے۔

قوله: مِنْكُمْ: وہ تمہاری جنس سے عربی، قرشی تمہاری مثل ہے۔

قوله: عَنِتُّمْ: مَا مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ۔

قوله: اَنْ تَهْتَدُوْا: اس قید کو بڑھا کر اشارہ کیا کہ حرص تو وقتی غیر موجود امر پر ہوتی ہے۔

قوله: شَدِيْدُ الرَّحْمَةِ: فواصل کے لحاظ سے اس طرح لائے۔

تفسیر مقبولین

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ ....

منافقوں کی کافرانہ باتیں:

اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی۔ اور کیا اضافہ ہوا؟ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں ان کے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزول سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کے دل کی ناپاکی میں اس سے اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہو چکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے اب جو نئی سورت نازل ہوگئی اس کے بھی منکر ہو گئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا لہٰذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہوگیا۔ اور یہ کفر پر جمنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا ان کے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا یہ منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریق کار ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لیے ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہیں، اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی کھسکتے ہوئے دیکھ نہ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہو تو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں اور جب دیکھا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑ رہی ہے تو چپکے سے چل دیتے تھے۔ اپنے خیال میں انہوں نے بڑی ہوشیاری کی، لیکن اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ اس موقعہ میں ہوتا تھا جب کوئی ایسی آیت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں زجر و توبیخ کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ

سُوْرَةُ يُوْنُسَ ۱۰ مَكِّيَّةٌ ۵۱ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۱۰۹ — رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

سورۂ یونس مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور گیارہ رکوع

منزل ۳ الٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِکَ تِلْكَ اَیْ هٰذِهِ الْاٰیَاتُ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ
الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ الْمُحْكَمِ اَكَانَ لِلنَّاسِ اَیْ اَهْلِ مَكَّةَ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ وَالْجَارُ وَالْمَجْرُوْرُ حَالٌ مِنْ قَوْلِهٖ
عَجَبًا بِالنَّصْبِ خَبَرُ كَانَ وَبِالرَّفْعِ اِسْمُهَا وَالْخَبَرُ وَهُوَ اِسْمُهَا عَلَى الْاُوْلٰى اَنْ اَوْحَيْنَآ اَیْ اِیْحَاؤُنَا اِلٰى
رَجُلٍ مِّنْهُمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ مُفَسِّرَةٌ اَنْذِرِ خَوِّفِ النَّاسَ الْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ وَ
وقف النبی علیہ السلام بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ اَیْ بِاَنَّ لَهُمْ قَدَمَ سَلَفَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اَیْ اَجْرًا حَسَنًا بِمَا قَدَّمُوْا مِنَ
الْاَعْمَالِ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ الْمُشْتَمِلَ عَلٰى ذٰلِكَ لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢﴾ بَيِّنٌ وَفِیْ قِرَاءَةٍ لَسَاحِرٌ
وَالْمُشَارُ اِلَيْهِ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَیْ فِیْ قَدْرِهَا لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَوْ شَاءَ لَخَلَقَهُنَّ فِیْ لَمْحَةٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ
لِتَعْلِيْمِ خَلْقِهِ التَّثَبُّتَ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ بَيْنَ الْخَلَائِقِ مَا مِنْ زَائِدَةٌ
شَفِيْعٍ يَشْفَعُ لِاَحَدٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ ذٰلِكُمُ الْخَالِقُ الْمُدَبِّرُ اللّٰهُ
رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ وَحِّدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الذَّالِ اِلَيْهِ تَعَالٰى مَرْجِعُكُمْ
جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ مَصْدَرَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ اِنَّهٗ بِالْكَسْرِ اِسْتِئْنَافًا وَالْفَتْحِ عَلٰى
تَقْدِيْرِ اللَّامِ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اَیْ بَدَأَهٗ بِالْاِنْشَاءِ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بِالْبَعْثِ لِيَجْزِیَ لِيُثِيْبَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ مَاءٍ بَالِغٍ نِهَايَةَ الْحَرَارَةِ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ

مُؤْلِمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ اَيْ بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً ذَاتَ ضِيَاءٍ اَيْ نُوْرٍ
وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مِنْ حَيْثُ سَيْرِهٖ مَنَازِلَ ثَمَانِيَةً وَّ عِشْرِيْنَ مَنْزِلًا فِيْ ثَمَانٍ وَّ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً مِنْ كُلِّ
شَهْرٍ وَّ يَسْتَتِرُ لَيْلَتَيْنِ اِنْ كَانَ الشَّهْرُ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا وَلَيْلَةً اِنْ كَانَ تِسْعَةً وَّ عِشْرِيْنَ يَوْمًا لِتَعْلَمُوْا بِذٰلِكَ
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ لَا عَبَثًا تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ يُفَصِّلُ
بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ يُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ يَتَدَبَّرُوْنَ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِالذَّهَابِ وَالْمَجِيْءِ
وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ مِنْ مَلٰٓئِكَةٍ وَّ شَمْسٍ وَّقَمَرٍ وَّنُجُوْمٍ وَّغَيْرِ ذٰلِكَ وَفِي وَ
الْاَرْضِ مِنْ حَيَوَانٍ وَّجِبَالٍ وَّبِحَارٍ وَّ اَنْهَارٍ وَّ اَشْجَارٍ وَّغَيْرِهَا لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى لِقَوْمٍ
يَّتَّقُوْنَ ۝ فَيُؤْمِنُوْنَ خَصَّهُمْ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بِالْبَعْثِ وَ رَضُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بَدَلَ الْاٰخِرَةِ لِاِنْكَارِهِمْ لَهَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا سَكَنُوْا اِلَيْهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا دَلَائِلِ
وَحْدَانِيَّتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ تَارِكُوْنَ النَّظَرَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ مِنَ الشِّرْكِ
وَالْمَعَاصِيْ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ يُرْشِدُهُمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ بِهٖ بِاَنْ يَّجْعَلَ
لَهُمْ نُوْرًا يَّهْتَدُوْنَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا دُعَاؤُهُمْ
فِيْهَا طَلَبُهُمْ لِمَا يَشْتَهُوْنَهٗ فِي الْجَنَّةِ اَنْ يَّقُوْلُوْا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اَيْ يَا اَللّٰهُ فَاِذَا مَا طَلَبُوْهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ
تَحِيَّتُهُمْ فِيْمَا بَيْنَهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنْ مُفَسِّرَةٌ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ع ۱۰/۶

ترجمہ: یہ (آیتیں) ایسی کتاب کی آیتیں ہیں (مراد قرآن ہے بواسطہ من) جو پُراز حکمت (مضبوط) ہے کیا لوگوں کو (مکہ والوں کو استفہام انکاری ہے اور جار مجرور ترکیب میں حال واقع ہے اگلے لفظ سے) اس بات سے تعجب ہوا (یہ لفظ نصب کے ساتھ تو کان کی خبر ہے اور رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اور اس صورت میں اس کی خبر آگے ہے جو پہلی صورت میں کان کا اسم تھا اس بات سے کہ ہم نے وحی بھیج دی (یعنی ہمارا وحی بھیجنا) انہیں میں ایک شخص (محمد ﷺ) پر کہ (ان مفسرہ ہے) سب لوگوں (کافروں) کو ڈرایئے (عذاب کا خوف دلایئے اور جو ایمان لے آئے انہیں یہ خوشخبری سنایئے کہ پروردگار کے یہاں ان کے لیے اچھا مقام ہے (یعنی ان کے اعمال کا بہترین صلہ ہوگا) کافر کہنے لگے بلاشبہ یہ (قرآن) جو ان مضامین پر مشتمل ہے) کھلا (صریح) جادو ہے اور ایک قراءت میں ساحر ہے اس صورت میں مشار الیہ نبی کریم ﷺ ہوں گے بلاشبہ تمہارے

پروردگار تو وہی اللہ ہیں جنہوں نے آسمان کو اور زمین کو کل چھ دنوں میں پیدا کیا (دنیا کے دنوں کے لحاظ سے یعنی اتنے متعینہ وقت میں کیونکہ اس وقت نہ تو سورج تھا نہ چاند کہ جن سے دنوں کا اندازہ کیا جاتا اور اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک لمحہ میں پیدا فرما سکتا تھا لیکن مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینے کے لیے ایسا کیا ہے۔ پھر اپنے عرش پر متمکن ہوا (جو تمکن اس کے شایان شان ہو) اور (مخلوق کے) تمام کاموں کا بندوبست کر رہے ہیں، کوئی سفارشی نہیں (جو کسی کی سفارش کرے) اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر (کفار کے اس قول کی تردید ہوگئی کہ بت ہمارے سفارشی ہو جائیں گے یہ (پیدا کرنے والا اور بندوبست کرنے والا) اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے لہٰذا اسی کی بندگی کرو (توحید بجالاؤ) کیا تم غور وفکر سے کام نہیں لیتے (دراصل اس میں تاء کا ادغام ذال میں ہو رہا ہے) تم سب کو بالآخر اسی (اللہ) کی طرف لوٹنا ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یہ دونوں مصدر ہیں جو اپنے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں) بے شک وہی ہے (ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتح کے ساتھ لام کو مقدر ماننے کی صورت میں) جو پہلی بار پیدا کرتا ہے (پیدائش شروع بھی وہی کرتا ہے) اور پھر دوبارہ بھی پیدا کرے گا (قیامت کے دن) تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ (ثواب) عطا کرے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو انہیں کھولتا ہوا پانی (جو انتہائی طور پر گرم ہوگا) پینے کو ملے گا اور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ان کے کفر کی پاداش میں (یعنی ان کے کفر کی وجہ سے یہ سزا انہیں ملے گی) وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا (روشنی والا (نور) بنایا اور چاند کو نورانی اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ (اس کی رفتار کے اعتبار سے) ٹھہرا دیا (ہر مہینہ کی اٹھائیس راتوں میں اٹھائیس منزلیں طے کرتا ہے اگر پورا مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے تو دو رات اور انتیس تاریخ کا چاند ہونا ہوتا ہے تو صرف ایک رات چھپا رہتا ہے) تاکہ تم (اس کے ذریعہ برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو، اللہ نے یہ سب (ذکر کردہ) چیزیں نہیں بنائیں مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ (بیکار فائدہ نہیں کہ اللہ اس سے بالا ہے) ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے (تدبر کرنے والے) ہیں وہ دلیلیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے بلاشبہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آنے میں (ان کے آنے جانے اور کمی زیادتی میں) اور ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں (فرشتے، سورج، چاند ستارے وغیرہ) اور زمین میں (جانور پہاڑ، سمندر، نہریں، درخت وغیرہ) پیدا کی ہیں نشانیاں ہیں (جو اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں (اور ایمان لے آتے ہیں خاص طور پر ان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اس سے یہی لوگ نفع اٹھانے والے ہیں) جنہیں ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (قیامت کے دن) اور وہ صرف دنیاوی زندگی ہی پر مگن ہیں (آخرت کے بجائے) کیونکہ وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (مطمئن ہو گئے) اور جو لوگ ہماری نشانیوں (دلائل وحدانیت) سے بالکل غافل ہیں (ان میں قطعاً نظر نہیں کرتے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے (ان کے کرتوتوں (شرک اور گناہوں) کی وجہ سے، جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا پروردگار ان پر راہ کھول دے گا (ان کو ایک نور عطا فرمائے گا جس سے وہ قیامت کے دن راہنمائی پا سکیں گے) ان کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی جب کہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں میں ہوں گے ان کا نعرہ (ان کی پکار جب کہ وہ جنت میں کچھ کہنا چاہیں گے) یہ ہوگا کہ خدایا! ساری پاکیاں آپ ہی کے لیے ہیں (یعنی پس جب وہ کسی چیز کی طلب کریں گے تو فوراً

اسے اپنے سامنے پائیں گے) اور ان کا (باہمی) سلام جنت میں یہ ہوگا السلام علیکم اور اخیر بات یہ ہوگی (ان مفسرہ ہے) کہ الحمد للہ رب العلمین۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هٰذِهِ الْاٰيَاتُ: اشارہ قریب سے تفسیر کر کے بتلایا وہی آیات مراد ہیں جن پر یہ سورت مشتمل ہے۔

قوله: وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اضافت لازمی ہے۔

قوله: اَلْمُحْكَمِ: اس سے اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی باتیں پختہ دلائل والی ہیں۔

قوله: اَهْلِ مَكَّةَ: یہ کہہ کر الف لام کے عہدی ہونے کی طرف اشارہ کیا کیونکہ اولین مخاطب وہی تھے۔

قوله: حَالٌ مِنْ قَوْلِهٖ: یہ صفت نہیں بن سکتی کیونکہ صفت کبھی موصوف سے پہلے نہیں آتی۔

قوله: اَنْ اَوْحَيْنَا: یہ مقدر خبر ہے۔ اس کی تاویل مصدر سے کی تا کہ کان کا اسم یا خبر بن سکے۔

قوله: اَنْ مُفَسِّرَةٌ: کیونکہ ایحاء میں قول کا معنی ہے۔ یہ ناصبہ نہیں ہے کیونکہ موحیٰ جملہ ہوتا ہے۔

قوله: الْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ: اس سے قرینہ تقابل کی وجہ سے کافر مراد ہیں۔

قوله: اَجْرًا حَسَنًا: یہ قدم صدق کی تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ آگے بڑھنے والے کو اسی طرح قدم بولتے ہیں جیسے نعمت کو اور صدق کی طرف اضافت فضل میں اضافہ کو ظاہر کرتی ہے۔

قوله: اَلتَّثَبُّتَ: دیر کرنا۔

قوله: بِالْاِنْشَاءِ: اس سے تعبیر کیا کیونکہ مخلوق پہلے ثابت ہونے والی ہے۔

قوله: ذَاتَ ضِيَاءٍ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: مَنْزِلًا فِيْ ثَمَانٍ: اس سے اشارہ کیا کہ قدرہ کی ضمیر صرف قمر کی طرف ہے۔ اور تخصیص کی وجہ تیز رفتاری ہے۔

قوله: اَلْحِسَابَ: مہینوں اور ایام کے معاملات کے سلسلہ میں اوقات۔

قوله: سَكَنُوْا اِلَيْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ وہ اپنی ہمتوں کو لذائذ دنیا میں بند کرنے والے ہیں۔

قوله: دَلَائِلِ وَحْدَانِيَّتِنَا: اس سے اشارہ کیا آیات سے دلائل عقلیہ ونقلیہ مراد ہیں۔

قوله: طَلَبُهُمْ: یہاں ان کی پسندیدہ اشیاء میسر ہوں گی تو دعاء یہاں طلب کے معنی میں ہے۔

قوله: يَقُوْلُوْا: اس کو مقدر مانا تا کہ سبحانک کا دعا پر حمل کرنا درست ہو۔

تفسیر مقبولین

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ ..... الی ..... لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اظہارِ عظمتِ قرآن واثباتِ رسالتِ محمدیہ:

ربط: گزشتہ سورت کی آخری آیتوں میں دو باتوں کا ذکر تھا۔ اول: نزول وحی کے وقت مضامین قرآن پر ہنسنا اور ازراہ حقارت ایک کا دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرنا جس سے ان کا مقصود وحی کے ساتھ استہزاء کرنا ہوتا تھا۔ واذا ما انزلت سورۃ نظر بعضھم الی بعض میں اسی امر کا ذکر تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو آپ کی نبوت ورسالت پر تعجب تھا کہ یہ شخص ہم جیسا ایک بشر اور انسان ہے یہ کیسے نبی ہوسکتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ میں اس کا جواب دیا گیا۔ یہ شخص اگرچہ تمہاری ہی جنس سے ہے مگر فضائل وکمالات کے اعتبار سے سب سے افضل اور اکمل ہے۔

پس اس سورت کے آغاز میں بھی انہی دو باتوں کو بیان کرتے ہیں۔ اول قرآن کی عظمت اور جلالت شان کو بیان کرتے ہیں کہ وہ سراپا نور حکمت ہے اور چشمۂ ہدایت ہے اور اس کے دلائل وبراہین نہایت قوی ہیں۔ دوم: نبی کریم کی عظمت وجلالت قدر بیان کرتے ہیں کہ وہ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ ایک عجیب مرد کامل ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: الٓرٰ۔ اس قسم کے الفاظ کو جو بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں حروف مقطعہ کہتے ہیں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کے حروف کتاب خداوندی کے رموز ہیں جن کی مراد کلام خداوندی سمجھے اور ان کے معنی اور تاویل کی فکر میں نہ پڑے بلکہ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل سورۃ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہ سورت آیتیں ہیں پر حکمت کتاب کی جو سراپا نور اور حکمت اور منبع ہدایت وموعظت اور نسخۂ شفا ہے یا حکیم کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں کہ اس کی ہر بات پکی ہے ہر قسم کے عیب اور غل سے پاک ہے جس میں غلطی اور خطاء کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف وتبدیل سے محفوظ ہیں اور اس کے علوم ومعارف عقل اور حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں اور اس کے تمام اخبار اور قصص ٹھیک اور واقع کے مطابق ہیں خلاصۂ کلام یہ کہ یہ آیتیں ایک محکم اور مضبوط کتاب کی ہیں جس سے تم کو تنفر ہے اور جب اس کتاب حکیم کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو تم اس کی سراپا حکمت وموعظت باتوں کا تمسخر کرتے ہو اور جس مرد کامل اور مرد حکیم پر یہ کتاب حکیم نازل ہو رہی ہے اس کی نبوت ورسالت پر تم تعجب کرتے ہو حالانکہ یہ کتاب مستطاب اس مرد کامل کی نبوت اور رسالت کی روشن دلیل ہے۔

کیا لوگوں کے لیے یہ بات باعث تعجب ہوئی کہ ہم نے لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے انہیں میں کے ایک مرد کامل کی طرف وحی بھیجی جس کے حسب اور نسب اور امانت ودیانت سے یہ لوگ بخوبی واقف ہیں اور اس وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے ڈرائے اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں ان کو خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے ان کے پروردگار

کے ہاں پایہ صدق یعنی بہت بلند مرتبہ ہے اور کیسی سعادت اور فلاح ازل میں ان کے لیے لکھی جا چکی ہے اور بشارت ونذارت کوئی امر تعجب نہیں بلکہ لوگوں کو حیوانات کی طرف مہمل چھوڑ دینا کہ انسان ہو کر شتر بے مہار کی طرح پھرا کرے جہاں چاہے منہ مارے اور جس مادہ سے چاہے جفتی کرے (جیسا کہ یورپ میں ہو رہا ہے) یہ امر سراسر خلاف حکمت اور لائق تعجب ہے۔ ایحسب الانسان ان یترک سدی۔ بشارت اور نذارت سے انسان کی تکمیل اور اصلاح ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندہ اور مرد کامل پر لوگوں کی ہدایت اور ان کی بشارت ونذارت کا مضمون بذریعہ وحی نازل فرمائے تو کوئی تعجب کی وجہ نہیں مگر یہ کافر تعجب سے گزر کر طعن وتشنیع تک پہنچ گئے اور آپ کے معجزات کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے وحی قرآن کی تاثیر بلیغ کو دیکھ کر قرآن کو جادو بتلایا اور یہ بالکل غلط ہے ایسی سراپا حکمت وموعظت کتاب کا جادو ہونا اور ایسے صاحب کرامات ومعجزات کا جادوگر ہونا ناممکن اور محال ہے آپ تو خدا کے رسول ہیں خدا کی صفات وکمالات کو بیان کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ آیت: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ میں آتا ہے اور یہ معجزات آپ کی نبوت ورسالت کے دلائل اور براہین ہیں کفار عرب اللہ کے رسول کو جادوگر بتلاتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ دراصل ان کا متکبر اور مغرور شخص جو صفات فرعونیہ کا حامل ہے اصل جادوگر وہ ہے جس نے تمہاری عقل کو مسحور کر دیا ہے فرعون کی طرح علو اور استکبار کا طالب ہے خدا کے برگزیدہ بندے کے سامنے تواضع اور انکساری کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ بشر کے لیے نبوت ممکن نہیں لوگ اپنی جہالت سے بلا دلیل بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آں حضرت کو رسول بنا کر بھیجا تو اہل عرب نے اس کو ایک تعجب انگیز امر سمجھا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بالا اور برتر ہے کہ محمد ﷺ جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بشر اور تمہارے ہم جنس انسان پر وحی کا نازل ہونا قابل تعجب نہیں اور نہ یتیم اور فقیر ہونے کے اعتبار سے قابل تعجب ہے اس لیے کہ نبوت کے لیے مالدار ہونا شرط نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ ہونا شرط ہے اور یہ صفت آپ میں علی وجہ الکمال موجود ہے آپ کی ذات بابرکت مکارم اخلاق اور محاسن کا منبع اور سرچشمہ ہے اور انبیاء سابقین کی طرح آپ بھی خدا کی طرف سے بشیر ونذیر بن کر آئے ہیں اور تمام انبیاء سابقین جنس بشر سے تھے۔ فرشتہ نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے فرشتہ ہونا ضروری نہیں اور فقیری اور درویشی نبوت ورسالت میں قادح نہیں آپ سے پہلے بھی جنس بشر سے بہت سے نبی گزر چکے ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی رہی اس لیے نبوت اور وحی کوئی عجیب چیز نہیں جب کبھی خدا کی طرف سے کوئی نبی آیا تو ان کے ہم جنس معاندین نے اس وقت بھی تعجب سے یہی کہا جو اس وقت کے معاندین کہہ رہے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: والی عاد اخاهم هودا۔ والی ثمود اخاهم صالحا۔ الی۔ او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم اور جس طرح گزشتہ قرون کے لوگ۔ اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا کہتے تھے اسی طرح کفار قریش کو رسول بشری پر تعجب ہوا اور اس کی نبوت کا انکار کیا اور جس طرح ان کے ہم جنس معاندین نے انبیاء سابقین کے معجزات دیکھ کر انبیاء کو جادوگر بتلایا اور اس طرح اس زمانہ کے معاندین اور کفار مکہ آں حضرت ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں: ان هذا الساحر مبین اور ان کا یہ قول بالکل غلط ہے اور ظاہر البطلان ہے اس لیے

کہ جو شخص مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کے حقائق اور معارف بیان کرتا ہو اور حلال وحرام کی تفصیل کرتا ہو وہ کہاں سے جادوگر ہوسکتا ہے اور کتاب حکیم جو اس پر نازل ہو رہی ہے وہ کہاں سے جادو ہوسکتی ہے اس لیے کہ سحر تو محض ایک ملمع کاری ہوتی ہے اور یہ کتاب حکیم تو حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کی ہدایت اور رہنمائی کرتی ہے۔

قدم صدق کی تفسیر:

قَدَمَ صِدْقٍ کے معنی میں اہل تفسیر کے کئی قول ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وقل رب ادخلنی مدخل صدق اور ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ اس سے مراد سعادت ازلیہ ہے اور زجاج کہتے ہیں کہ اس سے مراد درجہ عالیہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ مراد ہے اور زید بن اسلم اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مراد ہے اور قدم کی اضافت صدق کی طرف۔ موصوف کی صفت کی طرف ہے چونکہ وہ مرتبہ عالیہ اور سعادت ازلیہ صدق واخلاص کے بدولت ملے گا یا اس کا وقوع حق اور صدق یعنی قطعی اور یقینی ہے اس لیے قدم کو صدق کی طرف مضاف کر دیا گیا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ....

ذکر تکوین عالم برائے اثبات ربوبیت رب اکرم:

ربط: اوپر قرآن کریم کی عظمت اور نبوت ورسالت کی حقانیت کا ذکر تھا اب ان آیات میں تکوین عالم کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے اللہ کی معرفت اور اس کی ربوبیت کا علم حاصل ہو جو بعثت کا اولین مقصد ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود وہ ذات بابرکات ہے جس نے چھ دن میں عرش سے لے کر فرش تک تمام کائنات کو پیدا کیا اور یہ تمام کارخانہ اسی کی تدبیر اور حکمت سے چل رہا ہے اسی پروردگار عالم نے تمہاری ہدایت اور تربیت کے لیے ایک مرد کامل کو مبعوث کیا ہے اور اس مرد کامل پر جو کتاب بذریعہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ سحر نہیں بلکہ کیمیائے سعادت اور نسخۂ ہدایت ہے جس سے مقصود تمہاری اصلاح اور تربیت ہے پس اگر تمہارا پروردگار تمہاری تربیت اور ہدایت کے لیے کسی برگزیدہ بندہ پر وحی کے ذریعے کوئی کتاب نازل کرے تو کیوں تعجب کرتے ہو۔

اس کتاب کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کے احکام پر عمل کریں جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور یقین رکھیں کہ ایک دن ان اعمال پر جزاء سزا بھی ضرور ملنی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق تمہارا مربی اور مدبر امور وہ اللہ ہے جس نے محض اپنی قدرت سے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا ہے اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں بنا دیتا اس نے کسی حکمت سے جتنی دیر چھ دن میں لگتی ہے اتنی دیر میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جن سے بڑھ کر دنیا کا کوئی جسم طویل عریض نہیں تم اگر ایک معمولی مکان بنانا چاہو تو مہینے اور سال خرچ ہو جاتے ہیں اور آسمان اور زمین کو پیدا کرنا یہ اس کے کمال قدرت کی روشن دلیل ہے اور تمام عقلاء کی عقلیں اس اقتدار عظیم کو دیکھ کر حیران اور انگشت بدنداں ہیں اور کیوں نہ ہو ایسا اقتدار عظیم اندازہ فہم اور ادراک بشری سے کہیں بالا اور برتر ہے پس اگر ملیک مقتدر نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری جنس میں سے ایک رسول تمہاری طرف بھیجا تو کیوں تعجب کرتے ہو اور آسمان سے زمین پر نزول وحی کا کیوں انکار کرتے ہو پھر آسمان اور زمین کی پیدائش سے بڑھ کر عجیب امر یہ ہے کہ وہ احکم الحاکمین اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہوا۔

یعنی جلوہ فرما ہوا جو سب مخلوقات میں سب سے بڑا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عرش پر قائم ہونا اس بناء پر نہیں کہ وہ کسی عرش یا فرش کا محتاج ہے اس لیے کہ وہ کون ومکان اور زمین وزماں کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ اسی طرح وہ مکان وزمان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے موجود ہے معاذ اللہ عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور اس کی نشست گاہ نہیں کیونکہ جس چیز کے لیے مکان اور جہت ہو وہ متناہی اور محدود ہوتی ہے اور جو محدود ہے وہ مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہے مخلوق نہیں غرض حق جل شانہ کے عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور عرش اس کا مکان ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بلا تشبیہ اور تمثیل کے یوں سمجھو کہ عرش عظیم بمنزلہ سریر سلطنت اور تخت شاہی کے ہے جس پر رب کریم اپنی شان کے مطابق بلا تمکن اور استقرار کے جلوہ فرما ہے اور عرش عظیم معاذ اللہ اس کا مکان نہیں بلکہ اس کی شان احکم الحاکمین کی جلوہ گاہ ہے جہاں سے احکام خداوندی کا صدور ہوتا ہے۔ اور کائنات کے ہر امر کی بلا شرکت غیرے وہ تدبیر کرتا ہے کسی سفارش کرنے والے کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے سفارش کا کوئی حرف اپنی زبان سے نکال سکے۔ پس جو ذات اس خلق اور تقدیر اور تدبیر اور عظمت اور حکمت کے ساتھ موصوف ہے وہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور تم کو معلوم ہے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یا اپنے دل میں فکر نہیں کرتے کہ عبادت اسی ذات کا حق ہے جو اس قدرت اور حکمت اور عظمت کے ساتھ موصوف ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم اس کے دلائل وحدانیت میں غور نہیں کرتے کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق وتکوین میں اور اسکی تدبیر اور تصرف میں مستقل ہے وہ کسی کے اذن کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکین کا یہ زعم کہ بت خدا کے یہاں ہماری شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے۔ (لطائف ومعارف)

1۔ حق جل شانہ نے ان آیات میں عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق وتکوین کو بیان کیا تا کہ تم کو صانع عالم کی معرفت حاصل ہو اس لیے کہ آسمان وزمین کا اجسام عظیمہ ہونا اور بے شمار اجزاء سے انکا مرکب ہونا اور مختلف صفات اور مختلف حالات اور مختلف کیفیات کے ساتھ ان کا موصوف ہونا اور قسم قسم کے تغیرات اور انقلابات ان میں واقع ہونا یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ اجرام علویہ واجسام سفلیہ کی یہ حرکات وسکنات خود ان کے اختیار میں نہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مادہ اس کے ذرات بسیطہ کی حرکت قدیم ان تغیرات اور تنوعات کی علت ہے اس لیے کہ باتفاق فلاسفۂ جدید وقدیم مادہ میں نہ کوئی ادراک اور شعور ہے اور نہ کسی قسم کا ارادہ اور اختیار ہے۔ مادہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی جسم کو حرکت دے سکے یا کسی کوکب اور سیارہ کی حرکت کی جہت اور سمت کو بدل سکے یا اس کی روشنی میں کوئی کمی اور زیادتی کر سکے یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر سکے پس جس مادہ کی مجبوری اور لاچارگی اور درماندگی کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات سے وہ اندھا اور گونگا اور بہرا اور ایک اپاہج سب کچھ ہے وہ ان اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ کے تغیرات اور انتقالات کی علت کیسے ہوسکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ کون ومکان اور زمین وآسمان کسی قادر حکیم اور صناع علیم کی صنعت کا کرشمہ ہیں۔ اور سب اس کی تدبیر محکم کے تابع ہیں کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ مادہ عالم کے ذرات بسیط مل کر کتنی ہی کانفرنسیں کریں اور کتنی ہی کمیٹیاں بنائیں اور زمین آسمان کے قلابے بھی ملائیں مگر یہ دریافت کرنے سے عاجز اور درماندہ ہیں کہ یہ کارخانہ عالم کس طرح چل رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن بھی ہیں اور حادث بھی ہیں۔ عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کا امکان ہے کہ یہ ذات یا یہ صفت معدوم ہو جائے یا اس میں کوئی تغیر اور تبدل ہو جائے اور عقلاً یہ امر بدیہی ہے کہ کوئی ممکن اور حادث بغیر واجب قدیم کے سہارے کے قائم نہیں رہ سکتا۔ پس یہ تمام ممکنات خداوندحی وقیوم کے سہارے قائم ہیں خوب سمجھ لو کہ کائنات عالم کا امکان ذاتی اور امکان صفاتی اور حدوث ذاتی اور حدوث صفاتی ان میں سے ہر ایک وجود صانع کی دلیل قطعی ہے اس اجمال کی تفصیل کے لیے امام رازی کی تفسیر کبیر دیکھیں۔ جزاہ اللہ تعالی عن الاسلام والمسلمین خیرا۔ آمین۔

2۔ اللہ تعالی نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں اس لیے پیدا کیا تا کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے اور تا کہ وقتاً فوقتاً اللہ کی قدرت کے کرشمے ظاہر ہوں اور کل یوم ھو فی شان کا جلوہ نظر آئے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انسان کو ایک لمحہ میں پیدا کر دے مگر اس نے انسان کی پیدائش کے لیے مدت مقرر کر دی ہے جن میں اس کی حکمتیں ہیں جن کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں اسی طرح آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کو سمجھو اہل ظاہر اور حشویہ استوی علی العرش کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کا انتظام کر رہا ہے۔ (دیکھو تفسیر وحیدی صفحہ 207)

اہل حق یہ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت میں حق جل شانہ کے لیے جو صفات وافعال ثابت کیے گئے ہیں۔ ہم ان پر بلا تشبیہ وتمثیل کے اور بلا جمود اور بلا تعطیل کے ایمان لاتے ہیں اور حسب ارشاد باری تعالی: لیس کمثلہ شیئ اور لم یکن لہ کفوا احد۔ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو نہ کوئی مکان گھیرے ہوئے ہے اور نہ کوئی زمانہ اس پر گزرتا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی حد ہے اور نہ نہایت اور نہ اس کے لیے کوئی جہت اور سمت ہے اس کی ذات بابرکت۔ مخلوقات کی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اس بنا پر اہل حق یہ کہتے ہیں کہ استوی علی العرش سے معاذ اللہ یہ مراد نہیں کہ خداوند ذوالجلال۔ بادشاہوں کی طرح تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کلام خداوند ذوالجلال والاکرام کی حکمرانی سے کنایہ ہے چونکہ سلاطین عالم۔ عرش (تخت) پر بیٹھ کر حکمرانی کرتے ہیں اس لیے سمجھانے کے لیے اللہ کی حکومت اور حکمرانی کو استوی علی العرش سے تعبیر کر دیا گیا اہل عرب اپنے محاورات میں بولتے۔ فلان استوی علی العرش یعنی فلاں اپنے عرش (یعنی سریر سلطنت) پر متمکن ہو گیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں کو سلطنت حاصل ہو گئی اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ استوی علی العرش سے تمکن اور استقرار اور بیٹھنے کے معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور کائنات عالم کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد سریر سلطنت پر قائم ہوا اور مخلوقات پر حکمرانی کرنے لگا کیونکہ حکمرانی کے لیے محکوم چاہئے۔ اس لیے اس احکم الحاکمین نے اپنی قدرت ازلیہ سے اول محکوم کو پیدا کیا اور پھر حکمرانی اور تدبیر کرنے لگا۔ اس کی حاکمیت اور مالکیت اور رزاقیت وغیرہ وغیرہ قدیم اور ازلی ہے مخلوقات کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کی صفات کمالیہ کا ظہور ہو۔

جو دمحتاج گدایاں چوں گدا۔ آب می گوید کہ ای طالب بیا

یہ قفال مروزی کا قول ہے جس کا امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے اور سورۃ اعراف میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے

غرض یہ کہ استوی علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تخت پر بیٹھنا مراد نہیں بلکہ حکمرانی اور تدبیر سے کنایہ ہے۔ اور چونکہ عرش آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اس لیے حکمرانی سے کنایہ کے لیے استواء کے ساتھ علی العرش کا لفظ ذکر کیا۔ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص فعل مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا۔ اور صوفیائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے اور امام ابوبکر بن فورک کہتے ہیں کہ استواء سے علو اور رفعت کے معنی مراد ہیں اور امام بخاری نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ لفظ ثم کلام عرب میں متعدد معنی کے لیے آتا ہے۔

اول: تراخیٔ رتبہ بیان کرنے کے لیے جیسے: ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ یعنی استقامت کا مرتبہ ربنا اللہ کہنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

دوم: بمعنی قبل جیسے ثم استوی علی العرش معناہ قبل ذلک استوی علی العرش کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ قول وکان عرشہ علی الماء اس پر دلالت کرتا ہے کہ عرش کا وجود آسمان وزمین کی پیدائش سے مقدم ہے۔

سوم: بمعنی واؤ۔ جیسے ثم کان من الذین امنوا ومعناہ ومع ذلک کان من الذین امنوا۔

چہارم: بمعنی ابتداء واستیناف جیسے الم نہلک الاولین ثم نتبعھم الاخرین۔ معناہ نحن نتبعھم۔

پنجم: بمعنی تعجب جیسے الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور۔ ثم الذین کفروا بربھم یعدلون۔ معناہ تعجبوا منھم کیف یکفرون بربھم اور آیت ہذا یعنی ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ میں لفظ ثُمَّ تفخیم شان کے لیے یعنی عرش کا مرتبہ آسمان وزمین سے بڑھ کر ہے پس لفظ ثُمَّ اس جگہ تراخی رتبہ کے لیے ہے نہ کہ تراخی وقت کے لیے۔

5۔ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ تمام کائنات عالم قادر مختار اور صانع کردگار کی صنعت ہیں فلاسفہ اور دھریین کہتے ہیں کہ یہ سب اقتضاء طبیعت ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اگر طبیعت کا وجود تسلیم کرلیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ طبیعت سے جو شیٔ حاصل اور موجود ہوتی ہے وہ بقدر حاجت اور بقدر ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بقدر طاقت اور قوت ہوتی ہے۔ آگ جس چیز کو جلاتی ہے وہ اپنی قوت اور طاقت کے بمقدار جلاتی ہے نہ بمقدار ضرورت وحاجت۔ عاقل اور دانا کا کام ہے کہ آگ کو بقدر ضرورت استعمال کرے۔

پانی اپنی طاقت اور قوت کے بمقدار بہے گا اور بہائے گا اور حکیم اور دانا پانی کو بقدر ضرورت اور بقدر حاجت استعمال کرے گا۔

عمارت کی بلندی پانی اور قلعی اور چونہ کی طبیعت پر موقوف نہیں بلکہ معمار کے اختیار اور اس کے تصرف پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے تابع ہے اسی طرح سمجھو کہ اس سرائے فانی کی تمام عمارت اس کے بنانے والے کی قدرت اور اختیار اور اس کی حکمت اور مصلحت کے تابع ہے اس میں آسمان وزمین کی طبیعت اور مزاج کو دخل نہیں۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَنَزَلَ لَمَّا اسْتَعْجَلَ الْمُشْرِكُوْنَ الْعَذَابَ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ اَيْ كَاسْتِعْجَالِهِمْ

بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ بِالرَّفْعِ وَالنَّصَبِ بِأَنْ يُهْلِكَهُمْ وَلٰكِنْ
يُمْهِلُهُمْ فَنَذَرُ نَتْرُكُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَحَيِّرِيْنَ وَإِذَا
مَسَّ الْإِنْسَانَ الْكَافِرَ الضُّرُّ الْمَرَضُ وَالْفَقْرُ دَعَانَا لِجَنْبِهٖٓ أَيْ مُضْطَجِعًا أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا أَيْ فِيْ
كُلِّ حَالٍ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ عَلٰى كُفْرِهٖ كَأَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ أَيْ كَأَنَّهٗ لَّمْ يَدْعُنَآ
إِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ كَمَا زُيِّنَ لَهُ الدُّعَاءُ عِنْدَ الضَّرِّ وَالْإِعْرَاضُ عِنْدَ الرَّخَاءِ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ
الْمُشْرِكِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْأُمَمَ مِنْ قَبْلِكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَمَّا ظَلَمُوْا
بِالشِّرْكِ وَقَدْ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الدَّالَّاتِ عَلٰى صِدْقِهِمْ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا عَطْفٌ
عَلٰى ظَلَمُوْا كَذٰلِكَ كَمَا أَهْلَكْنَا أُولٰئِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ الْكَافِرِيْنَ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ يَا أَهْلَ
مَكَّةَ خَلٰٓئِفَ جَمْعُ خَلِيْفَةٍ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ فِيْهَا وَهَلْ تَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ
فَتُصَدِّقُوْا رُسُلَنَا وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا الْقُرْاٰنُ بَيِّنٰتٍ ظَاهِرَاتٍ حَالٌ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا
لَا يَخَافُوْنَ الْبَعْثَ ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ لَيْسَ فِيْهِ عَيْبُ اٰلِهَتِنَا أَوْ بَدِّلْهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِكَ قُلْ مَا
يَكُوْنُ يَنْبَغِيْ لِيْٓ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ قِبَلِ نَفْسِيْ إِنْ مَا أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ إِنِّيْٓ أَخَافُ إِنْ
عَصَيْتُ رَبِّيْ بِتَبْدِيْلِهٖ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ
أَدْرٰىكُمْ أَعْلَمَكُمْ بِهٖ وَلَا نَافِيَةٌ عَطْفٌ عَلٰى مَا قَبْلَهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَامٍ جَوَابِ لَوْ أَيْ لَأَعْلَمَكُمْ بِهٖ عَلٰى
لِسَانِ غَيْرِيْ فَقَدْ لَبِثْتُ مَكَثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا سِنِيْنًا أَرْبَعِيْنَ مِّنْ قَبْلِهٖ لَا أُحَدِّثُكُمْ بِشَيْءٍ أَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ أَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ قِبَلِيْ فَمَنْ أَيْ لَا أَحَدَ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ أَوْ
كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ الْقُرْاٰنِ إِنَّهٗ أَيِ الشَّانُ لَا يُفْلِحُ يُسْعَدُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ الْمُشْرِكُوْنَ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ أَيْ غَيْرِهٖ مَا لَا يَضُرُّهُمْ إِنْ لَمْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يَنْفَعُهُمْ إِنْ عَبَدُوْهُ وَهُوَ الْأَصْنَامُ وَيَقُوْلُوْنَ عَنْهَا
هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ لَهُمْ أَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ تُخْبِرُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَیْ لَوْ كَانَ لَهٗ شَرِیْكٌ لَعَلِمَهٗ اِذْلَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِیْهًا لَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ⑱ مَعَهٗ وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ وَّهُوَ الْاِسْلَامُ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰی نُوْحٍ
وَ قِیْلَ مِنْ عَهْدِ اِبْرَاهِیْمَ اِلٰی عَمْرِو بْنِ لُحَیٍّ فَاخْتَلَفُوْا ؕ بِاَنْ ثَبَتَ بَعْضٌ وَ كَفَرَ بَعْضٌ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاخِیْرِ الْجَزَاءِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ اَیِ النَّاسِ فِی الدُّنْیَا فِیْمَا فِیْهِ
یَخْتَلِفُوْنَ ⑲ مِنَ الدِّیْنِ بِتَعْذِیْبِ الْكَافِرِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ لَوْ لَآ هَلَّا اُنْزِلَ عَلَیْهِ عَلٰی مُحَمَّدٍ
اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ كَمَا كَانَ لِلْاَنْبِیَآءِ مِنَ النَّاقَةِ وَ الْعَصَا وَ الْیَدِ فَقُلْ لَهُمْ اِنَّمَا الْغَیْبُ مَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ اَیْ
اَمْرُهٗ لِلّٰهِ وَ مِنْهُ الْاٰیَاتُ فَلَا یَاْتِیْ بِهَا اِلَّا هُوَ وَ اِنَّمَا عَلَیَّ التَّبْلِیْغُ فَانْتَظِرُوْا ۚ الْعَذَابَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ
مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ⑳ ع ۲ ۱۰ ۷

ترجمہ: (مشرکین نے جب نزول عذاب کا مطالبہ کیا تو اگلی آیت نازل ہوئی) اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کو برائی (جیسے وہ لوگ) جلدی مانگتے ہیں بھلائی کو تو ختم کر دی جائے (مجہول و معروف دونوں طرح ہے) ان کی عمر (رفع و نصب دونوں طرح ہے یعنی لوگوں کو تباہ کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ ٹلاتے رہتے ہیں) پس جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں سو ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں (کہ وہ حیران و متردد رہتے ہیں) اور جب کبھی انسان (کافر) کو کوئی دکھ (بیماری تنگ دستی) پہنچتا ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے خواہ کسی حال میں ہو، کروٹ کے بل لیٹا ہو، بیٹھا ہو کھڑا ہو (ہر حال میں) لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے ہیں تو پھر اسی طرح (اپنے کفر پر) چل دیتا ہے گویا کہ (ان مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی کانہ) رنج و مصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا اسی طرح (جیسے مصیبت کے وقت دہائی دینا اور مصیبت ہٹ جانے پر بھی انجان بن جانا خوشنما معلوم ہوتا ہے) خوشنما کر دیئے گئے ہیں حد سے گزرنے والوں (مشرکین) کی نگاہوں میں ان کے کارنامے اور تم سے پہلے (اے مکہ والو!) کتنی ہی امتیں گزری ہیں کہ جب انہوں نے ظلم (شرک) کی راہ اختیار کی تو ہم انہیں ہلاک کر دیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں (جو ان کی صداقت پر گواہ ہیں) لے کر آئے مگر وہ اس پر بھی ایمان نہیں لائے (اس کا عطف ظلموا پر ہے) مجرموں (کافروں) کو ہم اسی طرح ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں (جیسا کہ ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا ہے) پھر تمہیں (اے مکہ والو!) ان امتوں کے بعد ہم نے دنیا میں ان کا جانشین (خلائف خلیفہ کی جمع ہے) کیا ہے تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو؟ اس دنیا میں آیا ان لوگوں کی حالت دیکھ کر ان سے عبرت پکڑتے ہو اور ہمارے رسولوں کو سچا سمجھتے ہو؟) اور جب تم ہماری کھلی کھلی (واضح) آیتیں (قرآن کی) انہیں پڑھ کر سناتے ہو تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی کوئی امید نہیں (قیامت کا ڈر نہیں ہے) وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لا کر سناؤ (جس میں ہمارے معبودوں کی برائیاں نہ ہوں) یا اس میں کچھ ردو بدل کر دو (اپنی طرف سے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ

کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ تبدیلی کر دوں میں تو اس حکم میں تابعداری سے یہ نہیں ہو سکتا (یہ میرے بس میں نہیں ہے) کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ تبدیلی کر دوں (اس کے حکم میں ردوبدل کر کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں (اس کے حکم میں ردوبدل کر کے) تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے (روز قیامت) آپ یوں کہئے اگر خدا کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو قرآن سناتا اور نہ تمہیں اس سے خبردار کرتا اس میں لا نافیہ ہے جس کا ما قبل پر عطف ہو رہا ہے اور ایک قراءت میں لام کے ساتھ ہے لو کے جواب میں اور معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو تمہارے علاوہ کسی اور ذریعہ سے تمہیں اس کی اطلاع دیتا) پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں میں عمر کا ایک بڑا حصہ (چالیس سال) بسر کر (گزار) چکا ہوں (جس میں کبھی ایک بات بھی اس طرح کی تم سے بیان نہیں کی) کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے ہو؟ (کہ یہ کلام میری اپنی طرف سے نہیں ہو سکتا) پھر بتاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے؟ (کوئی نہیں ہو سکتا) جو اپنی طرف سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افتراء کرے (شریک کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) یا اس (قرآن) کی آیتوں کو جھٹلائے یقیناً مجرم (مشرک) لوگ فلاح نہیں پاتے اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں (اگر ان کی پوجا نہ کی جائے) اور نہ فائدہ (اگر ان کی پوجا کی جائے مراد بت ہیں) اور (ان بتوں کے متعلق) کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں (ان سے) کہہ دو کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر (اطلاع) دینا چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں نہ تو آسمانوں میں نہ زمینوں میں (یہ استفہام انکاری ہے یعنی اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو ضرور اللہ کو معلوم ہوتا کیونکہ کوئی چیز بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے پاک (صاف) اور برتر ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ (اس کے ساتھ) کر رہے ہیں اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے (ایک دین اسلام پر تھے آدم علیہ السلام سے لے کر نوح تک اور بعض کی رائے میں ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے لے کر عمرو بن لحی کے زمانہ تک) پھر یہ الگ الگ ہو گئے (بعض تو ایمان پر قائم رہے اور بعض نے کفر کا راستہ اختیار کیا) اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی (قیامت تک عذاب ملتوی کرنے کی) تو (ان لوگوں کے درمیان دنیا ہی میں) کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جن (مذہبی) باتوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں (اس طرح کہ کافروں کو عذاب دیا جاتا) اور یہ لوگ (مکہ والے) یوں کہتے ہیں کہ ان (محمد ﷺ) پر ان کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟ (جیسا کہ پچھلے انبیاء پر اونٹنی، لاٹھی، اور ید بیضاء کے معجزات اتر چکے ہیں) سو (ان سے) کہہ دو غیب کا علم (جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں ان کی خبر) تو صرف اللہ ہی کو ہے (معجزات بھی انہیں میں داخل ہیں اس لیے ان کو وہی ظاہر کر سکتا ہے میرا کام تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے) بس انتظار کرو (عذاب کا ایمان نہ لانے کی صورت میں) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله : كَاسْتِعْجَالِهِمْ: کاف کو مقدر مانا کیونکہ استعجال بالخیر یہ تعجیل شر نہیں اس کی اصل یہ ہے **وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ** تعجیله لهم الخیر۔ تو گویا ان کے جلد خیر مانگنے کو ان کو جلد خیر دینے کی جگہ لائے۔ تاکہ سرعت قبولیت

معلوم ہوا اور ان کا جلد مانگنا اس کا جلد دینا ہو جائے۔

قوله: وَلٰكِنْ يُّمْهِلُهُمْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ فنذر کا عطف محذوف پر ہے اس پر شرطیت دلالت کرتی ہے۔

قوله: وقَدْ: قد کو بڑھایا کیونکہ ماضی اس کے بغیر حال نہ بن سکے گا۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰى ظَلَمُوْا: اس سے اشارہ ہے کہ اس کا عطف جاءت پر نہیں کیونکہ ان کا معلوم عدم ایمان اس کے ہاں انکے ہلاک کیے جانے کا سبب ظلم کی طرح بنے گا پس عطف درست نہیں۔

قوله: قبل: یعنی تِلْقَآءِ مصدر ہے جو ظرف کے معنی میں لیا گیا ہے۔

قوله: لَوْشَآءَ اللّٰهُ: شاء کا مفعول محذوف ہے۔ ای غیر ذلك

قوله: جَوَابِ لَوْ: اس کا جواب لَوْ پر عطف کیا گیا ہے۔

قوله: لَاَعْلَمَكُمْ: وہ حق جس کے سواء چارہ نہیں اگر میں اس کے لیے نہ بھی بھیجا جاتا تو اور کسی کو بھیج دیا جاتا میری تلاوت آیات صرف مشیت الٰہی سے ہے اپنی جانب سے نہیں۔

قوله: لَا اُحَدِّثُكُمْ بِشَيْءٍ: قرآن جیسی اور نہ اس پر مجھے قدرت ہے اور نہ میں اس کے علم و بیان سے متصف ہوتا کہ تم مجھ پر اس کے ایجاد کی تہمت دھرتے اس سے ثابت ہوا کہ قرآن معجزہ ہے۔

قوله: اِذْلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ: آسمان و زمین کی تخصیص تاکید نفی کی خاطر ہے۔ جو ان میں موجود نہیں وہ معدوم ہے۔

تفسیر مقبولین

منکرین آخرت کی عذاب کے لیے جلدی اور اس کا جواب:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ....

اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو آخرت کے منکر ہیں، اسی وجہ سے جب ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ بطور استہزا کہنے لگتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ عذاب ابھی بلا لو یا یہ کہ پھر یہ عذاب جلد کیوں نہیں آجاتا جیسے نضر بن حارث نے کہا تھا یا اللہ اگر یہ بات سچی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے۔

پہلی آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں، یہ عذاب موعود فوراً اس وقت بھی نازل فرما سکتے ہیں مگر وہ اپنی حکمت بالغہ اور لطف و کرم سے ایسا نہیں کرتے یہ نادان جو اپنے حق میں بد دعا کرتے اور مصیبت طلب کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کی بد دعا کو بھی اسی طرح جلد قبول فرما لیا کرتے جس طرح ان کی اچھی دعا کو اکثر کر لیتے ہیں تو یہ سب ہلاک ہو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعائے خیر اور اچھی دعا کے متعلق تو حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اکثر جلد قبول کر لیتے ہیں اور کبھی کسی حکمت و مصلحت سے قبول نہ ہونا اس کے منافی نہیں، مگر جو انسان کبھی اپنی نادانی سے اور کبھی کسی غصہ اور رنج سے اپنے لیے یا اپنے اہل وعیال کے لیے بددعا کر بیٹھتا ہے یا انکار آخرت کی بنا پر عذاب کو کھیل سمجھ کر اپنے لیے دعوت دیتا ہے اس کو فوراً قبول نہیں کرتے بلکہ مہلت دیتے ہیں تاکہ منکر کو غور وفکر کرکے اپنے انکار سے باز آنے کا موقع ملے اور اگر کسی وقتی رنج و غصہ یا دل تنگی کے سبب بددعا کر بیٹھا ہے تو اس کو اس کی مہلت مل جائے کہ اپنے بھلے برے کو دیکھے اور انجام پر نظر ڈال کر اس سے باز آ جائے۔

امام ابن جریر طبری نے بروایت قتادہ اور بخاری ومسلم نے بروایت مجاہد نقل کیا ہے کہ اس جگہ بددعا سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصہ کی حالت میں اپنی اولاد یا مال و دولت کے تباہ ہونے کی بددعا کر بیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ایسی دعا قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے۔ امام قرطبی نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیز کی بددعا اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہیں فرماویں، اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج وغصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی)

اس کے باوجود بعض اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی آتی ہے جس میں انسان کی زبان سے جو بات نکلے وہ فوراً قبول ہو جاتی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد اور مال کے لیے کبھی بددعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیت دعا کا ہو اور یہ بددعا فوراً قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے) صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے غزوہ بواط کے واقعہ کے تحت نقل کی گئی ہے۔

ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا اصل خطاب اگرچہ منکرین آخرت اور ان کے فوری مطالبہ عذاب سے متعلق ہے لیکن اس کے عموم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج وغصہ کی وجہ سے اپنے یا اپنے مال واولاد کے لیے بددعا کر بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت اس کے فضل وکرم کی وجہ سے دونوں کے ساتھ یہی ہے کہ ایسی بددعاؤں کو فوراً نافذ نہیں فرماتے، تاکہ انسان کو سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ مل جائے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ.....

اس آیت میں انسان کی ایک اور بے راہی بیان فرمائی جو اس کی طبیعت بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے ہوئے بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف پہنچ جانے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورۂ زمر میں فرمایا: (وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ

يَدْعُوٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴿ (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے پھر جب وہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس سے پہلے جس کے لیے پکار رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لیے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرے)

پھر انسان کا یہ بھی مزاج ہے کہ حدود سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے گناہ کے کام کرتا ہے اور گناہ کے کاموں کو اچھا بھی سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ (اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے وہ کام مزین کر دیئے گئے جو وہ کرتے ہیں)۔

قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۳۴۵ ج ۲) معناه لو یعجل الله الناس اجابة دعاءهم فی الشر والمکروه استعجالهم بالخیر ای کما یحبون استعجالهم بالخیر لقضی الیهم اجلهم ای لاهلک من دعا علیه واماته' وفی روح المعانی (ص ۷۸ ج ۱۱) والاصل علی ما قال ابو البقاء تعجیلا مثل تعجیلهم 'فحذف تعجیلا و صفته المضافة واقیم المضاف الیه مقامها۔ اه۔ (علامہ بغوی معالم میں لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر اور تکلیف وہ معاملہ میں بھی ان کی دعاء اسی طرح قبول کرتا جیسا کہ یہ بھلائی میں جلدی ملنے کو پسند کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی یعنی جس کے خلاف یہ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا اور موت دے دیتا۔ اور روح المعانی میں ہے اور ابو البقا کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبارت تھی تعجیلاً مثل تَعْجِيْلِهِمْ پھر تعجیلاً اور اس کی صفت جو کہ مضاف ہے اسے حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس جگہ رکھا گیا)۔

آیت شریفہ کے مضمون سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ شر کی دعا نہیں مانگنی چاہیے' انسان شر کی بھی دعا کرتا ہے اور خیر کی بھی دعا کرتا ہے۔ اور دونوں کی قبولیت کے لیے جلدی مچاتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دعائیں قبول فرماتا ہے' شر کی دعا جلد قبولیت نہیں پاتی' اور خیر کی دعاء عموماً جلدی قبول فرما لیتا ہے مؤمن بندوں کو چاہیے کہ شرعی نقصان مرض و تکلیف کی دعا نہ کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اور اپنے اموال کے لیے بد دعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بد دعا قبولیت کی گھڑی میں کر بیٹھو اور تمہاری یہ بد دعا قبول ہو جائے۔ (رواہ مسلم) دعا ہمیشہ خیر کی کرے اور جلدی نہ مچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعاء قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچائے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی مچانا کیا ہے؟ فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے تو دعا کی پھر دعا کی مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی پھر دعا سے تنگ دل ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے (رواہ مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ دعاء خیر میں برابر لگا رہے تنگ دل ہو کر دعا نہ چھوڑے۔

آیت شریفہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھ' تکلیف میں مبتلا ہو یا کوئی مصیبت آئی ہوئی ہو یا آرام و راحت اور خیر و خوبی سے مالا مال ہو ہر حال میں دعا کرتے رہنا چاہیے' یہ جو بندوں کا طریقہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑی بڑی دعائیں کرتے ہیں وظیفے پڑھتے ہیں، تسبیحیں گھس دیتے ہیں اور پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں

اور بالکل ہی بھول جاتے ہیں گویا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا ہی نہ تھا' مصیبت آئی تو اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور جب اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی تو اب سارا بھروسہ اسباب پر کرلیا اور ساری خیر وخوبی کو اپنی ہنر مندی اور سمجھداری کی طرف منسوب کردیا یہ سب آداب عبودیت کے خلاف ہے سورۂ زمر میں فرمایا: (فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ) (پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے اسے چاہئے کہ آسائش کے زمانے میں زیادہ دعا کیا کرے۔ (رواہ الترمذی)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ ....

ربط: گزشتہ آیت میں کفار ومشرکین کا مستحق عذاب ہونا بیان کیا اب ان آیات میں کفار سابقین کا نافرمانی کے جرم میں ہلاک ہونا ذکر کرتے ہیں تاکہ حاضرین اور موجودین اور آنحضرتؐ ان سابقین کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ کی یہ قدیم سنت ہے کہ جو لوگ انبیاء ومرسلینؑ کے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد ان کی تکذیب پر کمر بستہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانی عذاب سے ہلاک کر ڈالا مگر ایک زمانہ کے بعد ہلاک کیا فوراً نہیں ہلاک کیا۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے پکڑنے پر جلدی نہیں کرتا اس لیے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حلم سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے اہل مکہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اور شرک کیا اور انبیاء کرام کی تکذیب کی اور ان کی آیات بینات اور حجج واضحات کا انکار کیا اور ہم نے محض ان کے ظلم پر نہیں پکڑا بلکہ بعد اس کے کہ ان کے پاس ان کے رسول اپنی نبوت ورسالت کے روشن دلائل لے کر آئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوگئی اور غایت عناد کی وجہ سے وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے جس طرح ہم نے ان کو ہلاک کیا اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

پھر ان کے ہلاک اور برباد کرنے کے بعد زمین میں تم کو ان کا جانشین کیا اور ان کے بجائے تم کو آباد کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ایمان لاتے ہو یا تکذیب کرتے ہو تمہارا اعمال کے موافق ہم معاملہ کریں گے۔

عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان پچھلوں سے عبرت پکڑے اور بلاء اور قہر کے نازل ہونے سے پہلے اپنی حالت درست کرلے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ....

منکرین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے:

معالم التنزیل (ص ۳۴۷ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ سے مشرکین مکہ مراد ہیں اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے یوں کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم

آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیں جس میں لات اور عزیٰ اور منات کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر بھی نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل نہیں کی ہیں تو آپ اپنے پاس سے بنادیں یا اس قرآن کو بدل ہی دیں۔ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت لکھ دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جن پانچ آدموں نے یہ بات کہی تھی ان کے نام یہ ہیں (۱) عبداللہ بن امیہ (۲) ولید بن مغیرہ (۳) مکرز بن حفص (٤) عمرو بن عبداللہ بن ابی قیس (٥) عاص بن عامر بن ہشام' ان لوگوں کی اس بات پر آیت بالا نازل ہوئی کہ جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (یعنی آخرت کو نہیں مانتے) یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے پاس سے بدل دوں' میں تو صرف وحی کا پابند ہوں' میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں نہ اپنے پاس سے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اسے بدل سکتا ہوں۔ وحی کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے میں تمہیں جیسے اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ایسے ہی اپنے بارے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بڑے دن کا عذاب پہنچ جائے گا۔ میرا کام صرف پہنچانے کا ہے اپنے پاس سے قرآن بنانے کا نہیں ہے' میں تو اللہ کا بندہ ہوں' نافرمانی کروں تو عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہوں میں اللہ کا مامور ہوں اللہ کے حکم دینے پر تم کو اس کی کتاب سناتا ہوں وہ نہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں بتاتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

مخاطبین کو یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ میں عرصہ دراز تک تمہارے اندر رہا ہوں یعنی اسی سرزمین پر چالیس سال تک زندگی گزاری ہے اس دوران میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھ پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ اگر میں اپنے پاس سے بنا کر کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے تمہارے اندر اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا تو اس سے بہت پہلے ایسا کر چکا ہوتا' جب یہ میرا کلام نہیں ہے تو اس میں کیسے ترمیم کر دوں؟ تم مجھ سے کیسے کہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے بنا کر لے آؤں' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

آخر میں فرمایا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بول سکتا اور اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ ہاں تم لوگ جو اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو یہ ظلم تمہاری اپنی جانوں پر ہے اور سراپا جرم ہے (اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ) ''بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے''۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ اَیْ کُفَّارَ مَکَّۃَ رَحْمَةً مَطَرًا وَخِصْبًا مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ بُؤْسٍ وَّجَدْبٍ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ بِالْاِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيْبِ قُلِ لَهُمْ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ مُجَازَاۃً إِنَّ رُسُلَنَا الْحَفَظَةَ يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝٢١ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ يَنْشُرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ السُّفُنِ وَجَرَيْنَ بِهِم فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ لَيِّنَةٍ وَّفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ شَدِيْدَۃُ الْهُبُوْبِ تَكْسِرُ كُلَّ شَيْءٍ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوٓا۟

الدُّعَاءَ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَنْجَيْتَنَا مِنْ
اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ اَیْ اُهْلِكُوْا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ
هٰذِهِ الْاَهْوَالِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ الْمُوَحِّدِيْنَ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ ۭ بِالشِّرْكِ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ ظُلْمُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ لِاَنَّ اِثْمَهٗ عَلَيْهَا هُوَ تَتَمَتَّعُوْنَ فِيْهَا
قَلِيْلًا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَنُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَفِيْ قِرَائَةٍ
بِنَصَبِ مَتَاعٍ اَیْ تَتَمَتَّعُوْنَ اِنَّمَا مَثَلُ صِفَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ مَطَرٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
بِسَبَبِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ وَاشْتَبَكَ بَعْضُهٗ بِبَعْضٍ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ مِنَ الْبُرِّ وَالشَّعِيْرِ وَغَيْرِهِمَا وَالْاَنْعَامُ ۭ
مِنَ الْكَلَاءِ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا بُهْجَتَهَا مِنَ النَّبَاتِ وَازَّيَّنَتْ بِالزَّهْرِ وَاَصْلُهٗ تَزَيَّنَتْ
اُبْدِلَتِ التَّاءُ زَايًا وَاُدْغِمَتْ فِي الزَّايِ ثُمَّ اُجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ الْوَصْلِ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ
مُتَمَكِّنُوْنَ مِنْ تَحْصِيْلِ ثِمَارِهَا اَتٰىهَآ اَمْرُنَا قَضَاؤُنَا اَوْ عَذَابُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا اَیْ زَرْعَهَا
حَصِيْدًا كَالْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ اَیْ كَاَنَّهَا لَّمْ تَغْنَ تَكُنْ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ اَیِ السَّلَامَةِ وَهِيَ الْجَنَّةُ بِالدُّعَاءِ اِلَى
الْاِيْمَانِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ هِدَايَتَهٗ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾ دِيْنِ الْاِسْلَامِ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا بِالْاِيْمَانِ
الْحُسْنٰى الْجَنَّةَ وَزِيَادَةٌ ۭ هِيَ النَّظْرُ اِلَيْهِ تَعَالٰى كَمَا فِيْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ وَلَا يَرْهَقُ يُغْشِيْ وُجُوْهَهُمْ
قَتَرٌ سَوَادٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ كَاٰبَةٌ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ عَطْفٌ عَلٰى لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا اَیْ وَلِلَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ عَمِلُوا الشِّرْكَ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ زَائِدَةٌ عَاصِمٍ ۚ مَانِعٍ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ اُلْبِسَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا بِفَتْحِ الطَّاءِ جَمْعُ قِطْعَةٍ وَ
اِسْكَانِهَا اَیْ جُزْئًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ اُذْكُرْ وَيَوْمَ
نَحْشُرُهُمْ اَیِ الْخَلْقَ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ نُصِبَ بِالْزَمُوْا مُقَدَّرًا اَنْتُمْ تَاكِيْدٌ
لِلضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ فِي الْفِعْلِ الْمُقَدَّرِ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ اَیِ الْاَصْنَامُ فَزَيَّلْنَا مَيَّزْنَا بَيْنَهُمْ

وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا فِيْ اٰيَةٍ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ وَ قَالَ لَهُمْ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا
تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ مَا نَافِيَةٌ وَقُدِّمَ الْمَفْعُوْلُ لِلْفَاصِلَةِ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ مُخَفَّفَةٌ اَيْ اِنَّا كُنَّا
عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ اَيْ ذٰلِكَ الْيَوْمُ تَبْلُوْا مِنَ الْبَلْوٰى وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَائَيْنِ مِنَ التِّلَاوَةِ كُلُّ
نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ قَدَّمَتْ مِنَ الْعَمَلِ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ الثَّابِتِ الدَّائِمِ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ
ع ۳ ۱۰ ۸ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ عَلَيْهِ مِنَ الشُّرَكَاءِ

تَرْجَمَہ: اور جب چکھائیں ہم لوگوں (کفار مکہ) کو دکھ تکلیف (تنگی قحط سالی) کے بعد اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا مزہ تو اس وقت بنانے لگے حیلے ہماری نشانیوں میں (تمسخر کرنے اور جھٹلانے لگتے ہیں) تم (ان سے) کہہ دو اللہ جلد بنا سکتا ہے حیلے (سزا دینے کے ذریعہ) ہمارے فرشتے (محافظین) تمہاری ساری مکاریاں قلمبند کر رہے ہیں (لفظ یکتبون تاء اور یاء کے ساتھ ہے) وہی تم کو پھراتا ہے (اور ایک قراءت میں ینشرکم ہے) خشکی اور تری میں یہاں تک کہ جب تم جہاز میں سوار ہوتے ہو اور جہاز موافق (نرم) ہوا پا کر تمہیں لے چلتے ہیں (لفظ بھم میں صیغہ خطاب سے التفات ہے) اور مسافر خوش ہوتے ہیں پھر اچانک تند ہوا (ایسے سخت جھکڑ جن سے ہر شئی تہس نہس ہو جائے) کے جھونکے آ جاتے ہیں اور ہر طرف سے موجیں گھیر لیتی ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ بس اب ان میں آ گھرے (پھنس گئے) تو اس وقت خالص اعتماد کر کے (دعائیں) اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں خدایا! اگر (لام قسمیہ ہے) اس (وحشت ناک) حالت سے آپ ہمیں نجات دے دیں تو ہم ضرور آپ کے شکر (توحید) گزار ہوں گے پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک ملک میں ناحق (شرک کرے) سرکشی اور فساد کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی (ظلم) کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے (کیونکہ ظلم کا گناہ ظالم ہی کو ہوگا) یہ دنیا کی زندگی کے فائدے ہیں (دنیا میں تھوڑے دنوں اکڑ لو) پھر تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے (مرنے کے بعد) اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم دنیا میں جو کچھ کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی (لہٰذا تمہیں اس پر بدلہ دے گا اور ایک قراءت میں متاع منصوب ہے یعنی تم فائدہ اٹھاتے رہو) دنیا کی زندگی کی مثال (حالت) تو بس ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے (بارش کا) پانی برسایا پھر اس پانی (کی وجہ) سے خوب گنجان ہو کر نکلے زمین کی نباتات (ایک دوسرے میں گندھ کر) جو انسانوں کی غذا میں کام آتی ہے (گیہوں جو وغیرہ) اور جانوروں کے چارہ میں کام آتی ہے (گھاس پھوس) یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق کے سارے زیور پہن چکی (لہلہاتی ہوئی گھاس سے) اور خوب شاداب ہو گئی (سرسبزی سے اصل میں تزینت تھا تاء کو زاء سے بدل کر زاء میں ادغام کر دیا گیا ہے پھر ہمزہ وصل کر گیا) اور زمین کے مالک سمجھے کہ اب فصل بہار ہمارے قابو میں آ گئی ہے (اس کے پھلوں پر اب ہم قابض ہو چکے ہیں) تو اچانک ہماری طرف سے کوئی حادثہ (فیصلہ یا عذاب) آ پڑا رات کے وقت یا دن کے وقت سو ہم نے اسے (کھیت کو) ایسا صاف کر کے رکھ دیا (جیسے درانتیوں سے کاٹ دیا جائے) گویا کہ (ان مخففہ یعنی کانھا) ایک دن پہلے تک اس کا نام و نشان تک نہ تھا اسی طرح ہم

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے (یعنی جنت کی طرف ایمان کی دعوت دیتے ہوئے) اور جسے چاہتا ہے (ہدایت دیتا ہے) اسے سیدھی راہ (اسلام) پر لگا دیتا ہے جن لوگوں نے نیکی کی (ایمان لائے) ان کی بھلائی (جنت) ہوگی اور اس سے بھی کچھ زیادہ (اللہ کے جمال کی طرف نظر کرنا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے) ان کے چہروں پر نہ تو کالک (سیاہی) تھپے گی (چھائے گی) اور نہ ذلت (پھٹکار) برسے گی ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہنے والے اور جن لوگوں نے (اس کا عطف لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا پر ہے یعنی وَ لِلَّذِيْنَ ہے) بدکام کیے (شرک کیا) تو برائی کا نتیجہ ویسا ہی نکلے گا اور ان پر ذلت چھا جائے گی اللہ سے بھی انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا (من زیادہ ہے) ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی جیسے پرت کے پرت ان کے چہروں پر اڑھا دیئے (پہنچا دیئے) گئے ہوں (لفظ قطعا طاء کے فتحہ اور سکون کے ساتھ قطعۃ کی جمع ہے بمعنی ٹکڑا) اندھیری رات کے سوا ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جبکہ ہم سب (مخلوقات) کو اپنے حضور جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے ٹھہرو! (لفظ مکان الزموا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) تم (یہ فعل مقدر کی ضمیر مستتر کی تاکید ہے عطف کو صحیح کرنے کے لیے) اور وہ سب معبود جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا (بت) پھر پھوٹ ڈال دیں گے (الگ الگ کر دیں گے) ان میں (اور مسلمانوں میں جیسا کہ دوسری آیت: **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** میں ہے اور (اب سے شرکاء کہیں گے تم نے ہماری عبادت نہیں کی تھی (ما نافیہ ہے اور مفعول کو فاصلہ کی رعایت سے مقدم کیا گیا ہے) سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے کہ (ان مخففہ ہے یعنی انا تھا) ہم تمہاری پرستشوں سے یکسر بے خبر تھے اس مقام پر (اس دن) جانچ لے گا (یہ لفظ بلوی سے ماخوذ ہے اور ایک قراءت میں یہ لفظ دو تاء کے ساتھ آیا ہے تلاوت سے مشتق کر کے) ہر آدمی جو کچھ کہ وہ پہلے کر چکا ہے (کارنامہ انجام دے چکا ہے) سب اللہ کے حضور جو ان کا مالک حقیقی (ثابت اور قائم رہنے والا) ہے لوٹائے جائیں گے اور جاتا رہے گا (غائب ہو جائے گا) ان کے پاس سے جو جھوٹ باندھا کرتے تھے (اللہ پر شرکاء کے ذریعہ)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُجَازَاةً : مکر کا لفظ ان کو دی جانے والی سزا پر بولا گیا۔

قوله: اَلْحَفَظَةَ : اس انتقام کا یقینی ہونا ظاہر کیا کہ انکی تدابیر تو ہمارے فرشتوں سے بھی مخفی نہیں چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ سے ہوں۔

قوله: اُهْلِكُوْا : یعنی ان پر چھٹکارے کی تمام راہیں بند کر دی گئیں جیسے دشمن پر گھیرا ڈال لے۔

قوله: اَلدُّعَاءَ : اس سے اشارہ کیا کہ یہاں دین دعا کے معنی میں ہے نہ کہ ایمان کے معنی میں۔

قوله: هٰذِهٖ : اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ متاع مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یہ بَغْيُكُمْ کی خبر نہیں۔

قوله: صِفَةُ : اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مثل صفت کے معنی میں ہے اپنے معروف معنی میں نہیں۔

قوله: بُهْجَتَهَا : یہ کلام بطور تمثیل دکھاذ کر کی گئی ہے زمین کی رونق وزینت نباتات ہے۔

قوله: زَرْعَهَا : ضمیر ارض کی طرف مضاف محذوف ہے۔

قوله: كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ : گویا زمین آباد ہی نہ تھی۔ نفس زمین کو معدومہ قرار دیا۔ فعلی بمعنی مفعول ہے۔

قوله: مُظْلِمًا : یہ لیل سے حال ہے صفت نہیں۔

قوله: اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ : تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے بلکہ شیاطین کے کہنے پر ان کی عبادت کرتے تھے۔

قوله: اِنْ : یہ مُخَفَّفَةٌ من المثقلہ ہے نافیہ اور شرطیہ نہیں۔

قوله: ذٰلِكَ الْيَوْمُ : مکان کا نام تو زمانے کے لیے مستعار استعمال کیا گیا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ....

رسالت محمدیہ کے متعلق مشرکین کے ایک معاندانہ سوال کا جواب:

ربط: اس آیت میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب تک آپ ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نہ دکھائیں گے اس وقت تک ہم آپ کی نبوت کو نہ مانیں گے حالانکہ قرآن خود ایک معجزہ تھا جسے وہ دیکھ چکے تھے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ فلاں قسم کا معجزہ دکھلاؤ گے تو ایمان لائیں گے۔ یہ خود اس کے معاند اور ضدی ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا حاصل جواب یہ ہے کہ میری نبوت کے دلائل اور براہین کا تم بار بار مشاہدہ کر چکے ہو اور میری صداقت کا نشان دیکھ چکے ہو۔ تمہاری فرمائش کے مطابق نشان دکھانا ضروری نہیں اور نہ مفید ہے اور نہ مصلحت ہے یہ دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے۔ مجرموں کو مہلت دینا ضروری ہے تم جیسے معاندین کا جواب صرف اتنا ہے کہ نتیجہ کا انتظار کرو کہ تمہاری اس تکذیب کا کیا نتیجہ تمہارے سامنے آتا ہے (یہ فرمانا کہ نتیجہ کا انتظار کرو یہ بھی ایک دلیل تھی) باقی معجزہ کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

وہی جانے کہ کب ظاہر کرے۔ یہ غیب کی بات ہے مجھے اس کا علم نہیں اور کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی جیسے ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں نازل کی گئی۔ سو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارا یہ سوال معاندانہ ہے تم میری صداقت کے بہت سے نشان دیکھ چکے ہو۔ باقی ایسا نشان جسے دیکھ کر لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں اس عالم شہادت میں نہیں دکھلایا جا سکتا۔ یہ امر مصلحت کے خلاف ہے باقی رہا یہ امر کہ آئندہ کیا ہوگا۔ سو کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے بس تم انتظار کرو تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی عنقریب دیکھ لو گے کہ خدائے تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ دے گا۔ میری صداقت اور

میرے دین کی حقانیت تم پر ظاہر ہو جائے گی۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں کہ ہم کہاں سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے فرمایا آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل ہوں گے اور برباد ہو جائیں گے سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے حالانکہ اصل فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں ہے۔ انتہی۔

آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ ان مشرکوں کی عادت یہ ہے کہ جب اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں تو مجبور ہو کر حق کی طرف جھکتے ہیں اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اپنی سابقہ شرارت کی طرف لوٹ جاتے ہیں یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے۔

اور جب ہم ان لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں بعد اس مصیبت اور تکلیف کے جو ان کو پہنچی ہے تو فوراً ہی ہماری قدرت کی نشانیوں میں حیلے بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ کفار مکہ پر اللہ تعالیٰ نے قحط ایسا مسلط کیا جس میں وہ سات برس متواتر مبتلا رہے یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرنے لگے اور انہوں نے مرداروں کی ہڈیاں پیس کر کھائیں تو گھبرا کر حضور پرنور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی دعا سے ان کا قحط دور کر دیا۔ بلا کا دور ہونا تھا کہ پھر وہی شرارتیں کرنے لگے۔ بجائے اس کے کہ آپ کی دعا سے سات سالہ قحط کے دور ہونے کو خدا کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ اور آپ کی نبوت وصداقت کا نشان جان کر ایمان لاتے۔ اپنی سابقہ سرکشی اور عناد کی طرف رجع کر کے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے لگے بلکہ اس انعام الٰہی کی نسبت کواکب اور نجوم کی طرف کرنے لگے کہ یہ بارش فلاں ستارہ اور فلاں برج کی تاثیر سے ہوئی ہے۔ اے نبی آپ ان مکاروں سے کہہ دیجئے کہ اللہ حیلہ اور تدبیر میں تم سے زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ تمہارے حیلہ اور بہانے کی خدا کی تدبیر کے سامنے کیا حقیقت ہے اور تحقیق ہمارے فرشتے یعنی کراماً کاتبین تمہارے مکر اور حیلے لکھتے رہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن تم کو اس کی پوری سزا ملے جب تمہاری تدبیر ہمارے فرشتوں پر پوشیدہ نہیں تو ہم پر کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے مکر سے اللہ تعالیٰ کا استدراج اور امہال مراد ہے کہ مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑتا ہے یہاں تک کہ مجرم نشۂ غفلت میں چور ہو کر یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں آئے گا اور اس کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف مہلت ہے پس جب کفر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو غفلت اور بے خبری میں اس کو پکڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کے مکر سے مہلت دینا اور اور غفلت اور بے خبری کی حالت میں یکایک پکڑ لینا مراد ہے لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ خدا کے حلم اور بردباری سے مغرور نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کب پکڑ لے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ....

ربط: اوپر توحید کا بیان تھا۔ اب پھر توحید کا مضمون بیان ہوتا ہے جو زجر اور وعید کو بھی متضمن ہے اور اثبات صانع کی دلیل بھی ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت: وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا کی تفسیر اور تشریح ہے جس میں ضراء کے بعد رحمت پہنچنے کی اور پھر رحمت اور نعمت ملنے کے بعد ان کے مکر فی الآیات کی مثال بیان کی گئی ہے کیونکہ مثال سے شئے کی حقیقت اور کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

حکایت: امام جعفر صادق سے کسی نے سوال کیا کہ میرے لیے اثبات صانع کی کوئی دلیل ذکر کیجئے تو فرمایا کہ بتلا تو کیا پیشہ کرتا ہے اس نے کہا میں بحری تجارت کرتا ہوں کشتیوں پر سامان لادتا ہوں اور لے جاتا ہوں۔ فرمایا کبھی ایسی صورت بھی پیش آئی ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی ہو اور تو ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا ہو اور ہر طرف سے تیز ہوائیں آ رہی ہوں۔ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ ایسا بھی پیش آیا ہے تو امام جعفر نے کہا اس وقت تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا گریہ وزاری کی اور دعا مانگی تو امام جعفر نے فرمایا۔ پس تیرا خدا وہ ہے جس سے تو اس وقت دعا مانگ رہا تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ 576 ج 4)

غرض یہ کہ گزشتہ آیات کی طرح آئندہ آیات میں بھی توحید کا مضمون مع الزام اور مع زجر ووعید کے بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں وہ اللہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری یعنی جنگل اور دریا میں پیدل اور سواریوں پر پھراتا ہے۔ یعنی تم پیدل اور سواریوں پر خشکی میں اور کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو کر سمندروں میں پھرتے ہو تا کہ اپنی معاش پیدا کرو تم کو چاہئے کہ اللہ کے اس احسان کا شکر ادا کرو۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اپنی سواریوں کو یعنی تم کو لے کر موافق ہوا کے ساتھ روانہ ہوتی ہیں اور وہ کشتیوں کے سوار اس ہوا سے خوش ہوتے ہیں اور اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ گویا مقصد حاصل ہو گیا۔ ناگہاں اس حالت میں دفعۃً ان پر ایک تند و تیز ہوا آئی اور ہر طرف سے موج ان پر چڑھ آتی ہے اور دریا کے تلاطم سے کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگتی ہے اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم بلاؤں میں گھر گئے۔ یعنی اب کوئی دم میں کشتی ڈوبی اور وہ ہلاک ہوئے تو اس وقت اللہ کو اپنے اوپر سے بلا دفع کرنے کو پکارنے لگتے ہیں درآنحالیکہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اس میں کوئی آمیزش شرک کی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کی رحمت سے نعمت میں رہے تو مست رہے اور جب خدا کی رحمت مبدل بہ زحمت ہو گئی تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگے۔ اس لیے کہ جانتے ہیں کہ مصیبت سے بچانے والا صرف اللہ ہے اس لیے ایسے وقت میں صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور بتوں کو بھول جاتے ہیں اور اس وقت یہ کہتے ہیں اے اللہ اگر تو نے ہم کو اس ڈوبنے کی مصیبت سے بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تیری توحید پر قائم رہیں گے۔

پھر جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی تو فعل شاکرین کا کرتے مگر بجائے اس کے فعل مشرکین کرنے لگے۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہے تمہاری یہ سرکشی دنیاوی زندگی کا چندروزہ فائدہ ہے آخرت میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی پھر اس چندروزہ زندگی کے بعد تم سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے سو اس وقت ہم تم کو تمہارے اعمال سے خبردار کریں گے۔ اور ان کے مناسب تم کو جزا دیں گے اس تمام بحری سفر کی مثال کا خلاصۂ مطلب وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گزری اور کام بن گیا۔ پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آ جاتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا سبب کھڑا کر دے اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے انتہی کلامہ۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ....

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی:

یہاں جس نے نیک اعمال کیے اور باایمان رہا وہاں اسے بھلائیاں اور نیک بدلے ملیں گے۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ ایک ایک نیکی بڑھا چڑھا کر زیادہ ملے گی ایک کے بدلے سات سات سو تک۔ جنت حور قصور وغیرہ وغیرہ آنکھوں کی طرح طرح کی ٹھنڈک، دل کی لذت اور ساتھ ہی اللہ عزوجل کے چہرے کی زیارت یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا لطف و رحم۔ ہے بہت سے سلف خلف صحابہ وغیرہ سے مروی ہے کہ زیادۃ سے مراد اللہ عزوجل کا دیدار ہے۔ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے اور اس وقت ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا کہ اے جنتیو! تم سے اللہ کا ایک وعدہ ہوا تھا، اب وہ بھی پورا ہونے کو ہے۔ یہ کہیں گے الحمد للہ ہمارے میزان بھاری ہو گئے، ہمارے چہرے نورانی ہو گئے، ہم جنت میں پہنچ گئے، ہم جہنم سے دور ہوئے، اب کیا چیز باقی ہے؟ اس وقت حجاب ہٹ جائے گا اور یہ اپنے پاک پروردگار کا دیدار کریں گے۔ واللہ کسی چیز میں انہیں وہ لذت و سرور نہ حاصل ہوا ہوگا جو دیدار الٰہی میں ہوگا۔ (مسلم وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ منادی کہے گا حسنیٰ سے مراد جنت تھی اور زیارت سے مراد دیدار الٰہی تھا۔ ایک حدیث میں یہ فرمان رسول اللہ ﷺ سے بھی مروی ہے۔ میدان محشر میں ان کے چہروں پر سیاہی نہ ہوگی نہ ذلت ہوگی۔ جیسے کہ کافروں کے چہروں پر یہ دونوں چیزیں ہوں گی۔ غرض ظاہری اور باطنی اہانت سے وہ دور ہوں گے۔ چہرے پرنور دل راحتوں سے مسرور۔ اللہ ہمیں بھی انہیں میں کرے آمین۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ لَهُمْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بِالْمَطَرِ وَالْاَرْضِ بِالنَّبَاتِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ اَیْ خَلَقَهَا وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ بَیْنَ الْخَلَائِقِ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ لَهُمْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَتُؤْمِنُوْنَ فَذٰلِكُمُ الْفَعَّالُ لِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ الثَّابِتُ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَیْ لَيْسَ بَعْدَهٗ غَيْرُهٗ فَمَنْ اَخْطَاَ الْحَقَّ وَهُوَ عِبَادَةُ اللّٰهِ وَقَعَ فِی الضَّلَالِ فَاَنّٰى كَيْفَ تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ كَذٰلِكَ كَمَا صَرَفَ هٰؤُلَاءِ عَنِ الْاِيْمَانِ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا كَفَرُوْا وَهِیَ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَةَ اَوْهِیَ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ تُصْرَفُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ مَعَ قِيَامِ الدَّلِيْلِ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ بِنَصْبِ الْحُجَجِ وَخَلْقِ الْاِهْتِدَاءِ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِیْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ

يَهْدِيْ إِلَى الْحَقِّ وَهُوَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْ يَهْتَدِيْ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ
اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ وَتَوْبِيْخٍ اَيِ الْاَوَّلُ اَحَقُّ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵ هٰذَا الْحُكْمَ الْفَاسِدَ مِنْ اِتِّبَاعِ
مَالَا يَحِقُّ اِتِّبَاعُهٗ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ فِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اِلَّا ظَنًّا ۭ حَيْثُ قَلَّدُوْا فِيْهِ اٰبَاءَهُمْ اِنَّ الظَّنَّ لَا
يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ فِيْمَا الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ الْعِلْمُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ وَمَا
كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى اَيْ اِفْتِرَاءً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ وَلٰكِنْ اُنْزِلَ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ الْكُتُبِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ تَبْيِيْنَ مَا كَتَبَ اللّٰهُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَغَيْرِهَا لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷ مُتَعَلِّقٌ بِتَصْدِيْقِ اَوْ بِاُنْزِلَ الْمَحْذُوْفِ وَقُرِئَ بِرَفْعِ تَصْدِيْقٍ وَتَفْصِيْلٍ بِتَقْدِيْرِ هُوَ اَمْ بَلْ
يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ اِخْتَلَقَهٗ مُحَمَّدٌ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ عَلٰى وَجْهِ الْاِفْتِرَاءِ
فَاِنَّكُمْ عَرَبِيُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلِيْ وَادْعُوْا لِلْاِعَانَةِ عَلَيْهِ مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝۳۸ فِيْ اَنَّهُ اِفْتِرَاءٌ فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ اَيْ
بِالْقُرْاٰنِ وَلَمْ يَتَدَبَّرُوْهُ وَلَمَّا لَمْ يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ عَاقِبَةُ مَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ كَذٰلِكَ التَّكْذِيْبِ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ اَيْ اٰخِرَ اَمْرِهِمْ مِنَ
الْهَلَاكِ فَكَذٰلِكَ يُهْلَكُ هٰؤُلَاءِ وَمِنْهُمْ اَيْ اَهْلِ مَكَّةَ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ لِعِلْمِ اللّٰهِ ذٰلِكَ مِنْهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ
لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ اَبَدًا وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ ع ۱۰

تَرْجَمَہ: تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان (بارش) سے اور زمین سے (نباتات کے ذریعہ) کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا (سمع بمعنی اسماع ہے یعنی کس نے سننے کی طاقت پیدا کی ہے) اور دیکھنا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر کون ہے جو تمام کارخانہ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟ یہ بول اٹھیں گے کہ (وہ) اللہ ہے پس تم (ان سے) کہو ایسا ہی ہے تو پھر تم ڈرتے نہیں؟ (تمہیں ایمان لے آنا چاہئے تھا) یہی (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اللہ ہے جو تمہارا پروردگار حقیقی ہے پھر بتاؤ سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ (استفہام تقریری ہے یعنی وضوح کے بعد حق کو تسلیم نہ کرنا گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس جو حق یعنی حق تعالیٰ کی عبادت سے ہٹے گا وہ گمراہی میں پڑ جائے گا) تم منہ پھیرے کدھر جا رہے ہو؟ (دلائل موجود ہوتے ہوئے ایمان سے روگردانی کر رہے ہو) اسی طرح (جیسے

ان لوگوں کو ایمان سے پھیر دیا ہے) آپ کے پروردگار کا فرمان ان لوگوں پر صادق آ گیا جو سرکش ہیں (کافر ہیں وہ فرمان الٰہی یا تو لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ الخ ہے یا پھر اگلی بات ہے) کہ وہ ایمان لانے والے نہیں، اے پیغمبر! ان سے پوچھئے کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی پیدائش شروع کرے اور پھر اسے دوہرائے؟ تم کہو یہ تو اللہ ہے جو پیدا کرتا ہے پھر اسے دہرائے گا پس غور کرو تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر لے جا رہی ہے؟ (دلیل ہوتے ہوئے اس کی عبادت سے کہاں پھرے جا رہے ہو؟) ان سے پوچھو کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے (دلائل قائم کر کے اور سیدھی راہ چلنے کی توفیق بخش کر) تم کہہ دو اللہ ہی حق کا راستہ دکھاتا ہے پھر جو حق کا راستہ دکھائے (یعنی اللہ) وہ اس کا حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے (اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، استفہام تقریری ہے توبیخ کے لیے یعنی پہلی ہی صورت والی ہستی حق دار ہے) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ (اس طرح کے غلط فیصلے کہ جو پیروی کے لائق نہیں اس کی پیروی کی جائے) اور ان لوگوں میں (بت پرستی کے متعلق) زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں (چنانچہ ایسی باتوں میں یہ لوگ اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہیں) اور فی الحقیقت سچائی اور حق کے پہچاننے میں بے اصل خیالات ذرا بھی مفید نہیں ہو سکتے (جہاں مقصد علم کا حاصل کرنا ہو) یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے (لہٰذا وہ اس پر انہیں بدلہ دے گا) اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے اسے گھڑ لائے بلکہ یہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضرور یہ کی تفصیل ہے (یعنی احکام وغیرہ جو اللہ نے فرض کیے ہیں) اس میں کوئی شبہ نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی جانب سے ہے (اس کا تعلق تصدیق کے ساتھ ہے یا انزل محذوف کے ساتھ ہے اور تصدیق و تفصیل کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے ھو کی تقدیر کے ساتھ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص (محمد ﷺ) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ تم کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو قرآن جیسی ایک سورۃ بنا کر پیش کر دو (جو فصاحت و بلاغت میں قرآن کا نمونہ ہو تم بھی بنا لاؤ آخر تم بھی میری طرح فصیح عربی بولنے والے ہو) اور خدا کے سوا (علاوہ) جن جن ہستیوں کو اپنی مدد (اعانت) کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو (اس سلسلہ میں کہ یہ قرآن من گھڑت ہے لیکن تمہیں اس پر قدرت حاصل نہیں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) نہیں یہ بات نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے (قرآن کا اور اس میں تدبر کرنے کا) اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا (قرآن میں جو وعیدیں ہیں ان کا انجام) اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے اسی طرح (جیسے انہوں نے جھٹلایا) ان لوگوں نے بھی (اپنے نبی کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں تو دیکھو کہ ظلم کرنے والوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے (جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا (یعنی ان کا انجام تباہی ہوا پس ایسے ہی یہ بھی برباد ہوں گے) اور ان (مکہ والوں میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لائیں گے (علم الٰہی کے مطابق) کچھ ایسے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں (کبھی بھی) اور آپ کا پروردگار مفسدین کو خوب جانتا ہے (یہ ان کے لیے دھمکی ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله:بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ :لام استغراقی ہے پس یہ جمع کے معنی میں ہوگا۔

قوله:هٰؤُلَآءِ :اسم باری تعالیٰ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله:فَتُؤْمِنُوْنَ:اس سے مراد شرک سے بچنا ہے۔

قوله:اَلْفَعَّالُ :کمال امتیاز کی وجہ سے یہ محسوس کے قائم مقام ہے۔

قوله:اوھی:صورت اول میں یہ قول علت ہے یعنی اس لیے کہ وہ ایمان نہ رکھتے تھے۔

قوله:بِنَصْبِ الْحُجَجِ :ہدایت سے یہاں مراد راستہ دکھانا اور بیان ووضاحت نہیں۔

قوله:يَهِدِّيْ:یہ اصل میں يَهْتَدِيْ تھا تعلیل سے اس طرح بنا۔

قوله:اَحَقُّ اَنْ يُتَّبَعَ:اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْ کی خبر ہے جو قرینہ ماقبل سے حذف کردی گئی ہے۔

قوله:لَايُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ:حق سے یہاں علم مراد ہے معنی یہ ہے۔وہ قطعا علم کی جگہ کام نہیں دے سکتا۔

قوله:اِفْتِرَاءً :ان ناصبہ مصدریہ ہے تفسیریہ نہیں اس لیے کہ اس کی شرط نہیں پائی جاتی۔

قوله:اُنْزِلَ :اس سے اشارہ کیا فعل محذوف کی علت ہونے کی وجہ سے تصدیق محذوف ہے۔

قوله:مُتَعَلِّقٌ بِتَصْدِيْقِ :یہ لاریب سے متعلق نہیں۔

قوله:لَعلَم الله :اس سے اشارہ کیا کہ وہ عنقریب ایمان لاکر توبہ کریں گے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ....

ربط:گزشتہ آیات میں بھی دلائل قاطعہ کے ساتھ اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان تھا۔اب ان آیات میں پھر یہی ابطال شرک کا مضمون اس طرح بیان ہوتا ہے کہ منکر کو سوائے اعتراف اور اقرار کے کوئی چارہ نہ رہے۔

احقاق توحید وابطال شرک:

ان آیات میں حق تعالیٰ نے بطلان شرک پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ قابل پرستش اور لائق عبادت وہ ذات ہے جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور کافر بھی اس کا انکار نہیں کرسکتے۔کہ یہ اوصاف بجز وحدہ لاشریک لہ کے کسی اور میں نہیں پائے جاتے تو پھر کیوں دوسروں کی پرستش کرتے ہیں۔اور اس مقام پر الوہیت کے چار خواص ذکر کیے جن کو بت پرست بھی اللہ

کے لیے مخصوص مانتے ہیں۔

1۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ: یعنی آسمان اور زمین سے مخلوق کو روزی دینا۔

2۔ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ: یعنی حاسہ سمع وبصر کا مالک ہونا جس کو چاہا شنوا اور بینا بنایا اور جس کو چاہا بہرا اور نابینا بنایا۔

3۔ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ: یعنی مردہ سے زندہ کو پیدا کرنا اور اس کے برعکس یعنی موت اور حیات کا اس کے اختیار میں ہونا۔

4۔ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ: یعنی تدبیر عالم علوی وسفلی۔ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے اور اس کے علاوہ اور بھی الوہیت کے خواص مختصر کا بیان فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ قابل پرستش وہ ذات ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں کہ وہ رزق کا۔ اور ارشاد کا مالک ہو ان دلائل کو بصورت استفہام وسوال پیش کیا اور جواب ان کے سپرد کیا تا کہ حجت اور الزام مکمل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول: اے نبی آپ ان مشرکوں سے پوچھیے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے یعنی آسمان سے کون مینہ برساتا ہے اور زمین سے کون اناج اور درخت اگاتا ہے جس پر تمہاری روزی کا دارومدار ہے مطلب یہ ہے کہ بتلاؤ کہ تمہارا رازق کون ہے۔

دلیل دوم: اور پوچھئے کہ وہ کون ہے کہ جو تمہاری شنوائی اور بینائی کا مالک ہے یعنی کون ہے جس نے تم کو سماعت اور بصارت عطا کی بتلاؤ تو سہی کہ سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں کس نے دی ہیں اور کون ان کا محافظ ہے۔

دلیل سوم: اور وہ کون ہے کہ جو زندہ کو مردہ سے نکالتا، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا۔ جس کی صدہا مثالیں ہیں انسان جاندار ہے اور نطفہ بے جان ہے اللہ نطفہ سے انسان نکالتا ہے اور انسان میں سے نطفہ۔ پرندہ جاندار ہے اور انڈہ بے جان۔ اللہ پرندہ میں سے انڈہ نکالتا ہے اور انڈے میں سے پرندہ۔ مؤمن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔ اللہ مؤمن سے کافر کو نکالتا ہے اور کافر سے مؤمن کو نکالتا ہے۔

دلیل چہارم: اور بتلاؤ کہ کون ہے جو آسمان اور زمین کی تدبیر کرتا ہے اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے پس کافران سوالات مذکورہ کے جواب میں مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ ایسی صفتوں والا تو اللہ ہی ہے کیونکہ اس میں انکار اور مکابرہ کی گنجائش نہیں اور عالم کے اس نظام محکم کو دہر یا مادہ کی طرف منسوب کرنا محض حماقت ہے بس ان کا یہ اقرار دلیل ہے اس بات پر کہ بت پرستی کا طریقہ باطل ہے پس اے نبی! آپ ﷺ ان سے کہیے کہ جب تم یہ اقرار کر چکے کہ ایسی صفتوں والا صرف اللہ ہے تو پھر تم خدا کے قہر وعذاب سے ڈرتے کیوں نہیں۔

پس خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئی۔ وہ مستحق عبادت ہے۔ بت جو کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتے وہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتے۔ پس اس صریح اور واضح حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا رہا۔ پھر تم حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کہاں پھرے جا رہے ہو۔ یعنی جب کہ تم نے خدا کی ہستی اور اس کے مالک اور قادر اور نافع اور

نہ ہونے کا اقرار کرلیا تو پھر وہ کیا چیز ہے جو تم کو حق سے باطل کی طرف مائل اور منحرف کر رہی ہے۔

اسی طرح تیرے پروردگار کی قضا ایسے بدکاروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو دائرہ اصلاح سے نکل گیا اور اس نے تمرد اختیار کرلیا وہ کہاں سے ایمان لائے گا۔ یعنی اللہ کو ان کے عناد کا پہلے ہی سے علم تھا اس نے ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خدا کا نوشتہ ان کے حق میں پورا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کے انکار کی کوئی وجہ تو ہے نہیں اس پر اگر کوئی ایمان نہ لائے تو سمجھ کہ اس کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔

دلیل دیگر:

اب پھر اس مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک اور دلیل بیان کرتے ہیں جس میں مشرکین کی غایت تقبیح اور غایت تفضیح ہے۔
اے نبی آپ ان مشرکین سے پوچھیے کہ بھلا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرے پھر وہی مرنے کے بعد اس کو پہلی صورت پر دوبارہ پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ ان شرکاء میں سے کوئی بھی یہ قدرت نہیں رکھتا۔ پس اگر وہ اپنی عار اور شرکاء کی توہین کی وجہ سے اس سوال کا جواب دینے میں تامل کریں تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ تم ان دلائل قاطعہ کے ہوتے ہوئے کہاں راہ حق سے بہکے جا رہے ہو مطلب یہ ہے کہ جن کو تم شریک خدائی ٹھہراتے ہو نہ وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں بلکہ یہ وصف سوائے ذات خداوندی کے کسی میں نہیں پایا جاتا پھر کسی اور کی کیوں عبادت کرتے ہو۔ اس سوال کا جواب ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ایسا بدیہی امر ہے کہ کسی کو اس میں انکار کی مجال نہیں اور چونکہ مشرکین معاد اور حشر کے منکر ہیں اس لیے وہ اس کا جواب نہیں دیں گے کہ کہیں اقرار کر کے پکڑ میں نہ آ جائیں۔ پس ثابت ہوا کہ معبود حقیقی وہ ہے جو مبدئ اور معید ہو اور اس سوال سے مقصود ان کی جہالت اور حماقت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ دلیل جس طرح اثبات وحدانیت کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح اثبات معاد کے لیے بھی کافی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جب خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بتوں کا عجز تم پر ظاہر ہو گیا تو پھر تعجب ہے کہ تم جان بوجھ کر خدائے قادر کی عبادت سے منہ موڑتے ہو اور عاجز بتوں کو پوجتے ہو۔

دلیل دیگر بر ابطال شرک:

اے نبی! آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھائے اور حق اور باطل کے فرق کو بتلا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معبودوں میں کوئی بھی ایسا نہیں کیونکہ بت تو بینائی اور شنوائی اور گویائی سب سے کورے ہیں تو پھر آپ ﷺ ان سے یہ کہیے کہ اللہ ہی لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتا ہے اب آپ ﷺ ان سے یہ سوال کیجئے کیا وہ شخص جو دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے یا وہ شخص کہ جس کو بغیر کسی کی رہنمائی کے خود بھی راستہ دکھائی نہ دیتا ہو یعنی اللہ جو حق کی راہ دکھاتا ہے اور دلائل اور براہین سے حق اور باطل کے فرق کو تم پر واضح کرتا ہے وہی اتباع اور اطاعت کا زیادہ مستحق ہے۔ بت نہیں ہیں جو دوسروں کو ہدایت کرنا تو کجا ان کا حال تو یہ ہے کہ بغیر دوسرے کے بتلائے راہ نہیں پا سکتے۔ بتوں کو راہ دکھلانے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ ان کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں اور اگر بت بہت بھاری اور وزنی ہو تو چوپایہ پر باندھ کر اور لاد کر ایک جگہ

سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ بت ایسے عاجز ہیں کہ جب تک کوئی ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کرے تو خود نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم کو کیا ہو گیا کیسا برا فیصلہ کرتے ہو۔ فیصلہ سے مراد ان کا یہ اعتقاد کہ بت اللہ کے شریک اور مستحق عبادت ہیں۔ ان آیات: قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ الخ میں بھی اسی سابق مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک دلیل کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو تمہارے شرکاء کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے یعنی دینی اور دنیوی منافع کی کسی کو تعلیم نہیں دے سکتے اور نہ کسی کو مضرت سے بچنے کی تدبیر بتا سکتے ہیں بلکہ یہ وصف اللہ ہی کی ذات میں پایا جاتا ہے پھر تم اسے چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ غرض یہ کہ اس تمام کلام سے مشرکین پر رد کرنا اور ان پر حجت قائم کرنا ہے جس نے ان باتوں کا اقرار کر لیا۔ اس پر الزام ظاہر ہے اور جس نے از راہ عناد اقرار نہ کیا تو اس پر بالبداہت حجت قائم ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ 335 جلد 8)

خاتمہ کلام:

یہاں تک ابطال شرک پر ایسے دلائل قائم فرمائے کہ جن کے جواب سے مشرکین بھی عاجز تھے۔ اب اخیر میں یہ بتلاتے ہیں کہ تم نے جو عقیدہ بنا رکھا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں محض تمہارا گمان اور خیال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اکثر ان میں سے صرف اٹکل پر چل رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بے دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ تحقیق بے دلیل گمان اور خیال علم حق اور اعتقاد حق کے مقابلہ میں ذرہ برابر کارآمد نہیں ان کا یہ گمان ہے کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے انہیں عذاب حق سے نہیں بچا سکے گا۔ تحقیق اللہ کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کرتے ہیں ان کے جھوٹے دعوے اور بے دلیل اپنے گمان کی پیروی اور ان کی بدکرداریاں خدا سے مخفی نہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ....

قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل' اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج:

توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب کتاب اللہ کی حقانیت بیان فرمائی جس کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی مزید تصدیق ہو گئی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے اول تو ان کی تردید فرمائی کہ یہ ایسی کتاب نہیں ہے کہ جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اس سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھیجے ہیں اس میں ان کی بھی تفصیل ہے۔ پھر ان لوگوں کو چیلنج کیا اور فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ قرآن اپنے پاس سے بنا لیا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا ساری مخلوق میں سے اس مقصد کے لیے جس جس سے مدد لے سکتے ہو ان سب سے مدد لے لو۔ سورۂ بقرہ کی آیت (رکوع ۳) (وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا) کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ سورۂ ھود (رکوع ۲) میں فرمایا ہے کہ تم اس جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ' پہلے قرآن کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا پھر ایک سورت تک بات آ گئی' آج تک کوئی بھی قرآن کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہیں لا سکا' اور نہ کبھی لا سکیں گے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

(قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا) (آپ فرما دیجئے کہ اگر سارے انسان اور سارے جنات اس بات کیلئے جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا بنا کر لے آئیں تو نہیں لاسکیں گے اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں)۔

جب قرآن کی سچائی ثابت ہوگئی تو قرآن لانے والا یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی بھی ثابت ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علمی میں نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں غور کرتے تو اس کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں آجاتی اب جبکہ جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں تو اس جھٹلانے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ یعنی ان کی اس تکذیب کا برا انجام سامنے آئے گا۔ دنیا میں ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور کفر پر مرنے کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر عذاب آچکا ہے۔ دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا؟ پھر فرمایا ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ اپنا کام کیے جائیں۔ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں ایمان لانا نہیں ہے آپ کو دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو ایمان نہ لائے گا اس کی سزا بھگت لے گا۔ اللہ تعالیٰ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے کفر کی سزا دے دے گا۔ مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں حجت قائم ہونے پر بھی حق کو نہیں مانتے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لیے ہے تمہارا عمل تمہارے لیے ہے۔ تم میرے عمل سے بری ہو میں تمہارے عمل سے بری ہوں مجھے میرے عمل کا ثواب ملے گا تم اپنی بدعملی کی سزا بھگتو گے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَيْ لِكُلٍّ جَزَاءُ عَمَلِهٖ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَ
اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (۴۱) وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اِذَا قَرَأْتَ
الْقُرْاٰنَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِيْ عَدَمِ الْاِنْتِفَاعِ بِمَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ وَلَوْ كَانُوْا مَعَ الصَّمَمِ لَا
يَعْقِلُوْنَ (۴۲) يَتَدَبَّرُوْنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (۴۳)
شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِيْ عَدَمِ الْاِهْتِدَاءِ بَلْ هُمْ اَعْظَمُ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي
الصُّدُوْرِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۴۴) وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ
اَيْ كَاَنَّهُمْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا فِي الدُّنْيَا اَوِ الْقُبُوْرِ اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ لِهَوْلِ مَا رَاَوْا وَجُمْلَةُ التَّشْبِيْهِ حَالٌ مِّنَ
الضَّمِيْرِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِذَا بُعِثُوْا ثُمَّ يَنْقَطِعُ التَّعَارُفُ لِشِدَّةِ الْاَهْوَالِ
وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ اَوْ مُتَعَلِّقُ الظَّرْفِ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ وَمَا كَانُوْا

مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَ اِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الزَّائِدَةِ نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ

فِيْ حَيَاتِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ فَذَاكَ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قَبْلَ تَعْذِيْبِهِمْ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ

شَهِيْدٌ مُطَّلِعٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ مِنْ تَكْذِيْبِهِمْ وَكُفْرِهِمْ فَيُعَذِّبُهُمْ اَشَدَّ الْعَذَابِ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ

رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ اِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوْهُ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ فَيُعَذَّبُوْا وَيُنَجَّى الرَّسُوْلُ وَمَنْ

صَدَّقَهٗ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ بِتَعْذِيْبِهِمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ فَكَذٰلِكَ يُفْعَلُ بِهٰؤُلَاءِ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

بِالْعَذَابِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ فِيْهِ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا اَدْفَعُهٗ وَّلَا نَفْعًا اَجْلِبُهٗ اِلَّا مَا شَآءَ

اللّٰهُ ۭ اَنْ يُّقْدِرَنِيْ عَلَيْهِ فَكَيْفَ اَمْلِكُ لَكُمْ حُلُوْلَ الْعَذَابِ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ مُدَّةٌ مَعْلُوْمَةٌ لِهَلَاكِهِمْ

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ يَتَاَخَّرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَتَقَدَّمُوْنَ عَلَيْهِ قُلْ

اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِيْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ اَيِ اللّٰهِ بَيَاتًا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا اَيُّ شَيْءٍ يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ اَيِ

الْعَذَابِ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ الْمُشْرِكُوْنَ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ وَجُمْلَةُ الْاِسْتِفْهَامِ جَوَابُ

الشَّرْطِ كَقَوْلِكَ اِنْ اَتَيْتُكَ مَاذَا تُعْطِيْنِيْ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّهْوِيْلُ اَيْ مَا اَعْظَمَ مَا اسْتَعْجَلُوْهُ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ

حَلَّ بِكُمْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ اَيِ اللّٰهِ اَوِ الْعَذَابِ عِنْدَ نُزُوْلِهٖ وَالْهَمْزَةُ لِاِنْكَارِ التَّاْخِيْرِ فَلَا يُقْبَلُ مِنْكُمْ وَيُقَالُ لَكُمْ

آٰلْـٰٔنَ تُؤْمِنُوْنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ اِسْتِهْزَاءً ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

اَيِ الَّذِيْ تَخْلُدُوْنَ فِيْهِ هَلْ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءً بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ يَسْتَخْبِرُوْنَكَ

اَحَقٌّ هُوَ ۭ اَيْ مَا وَعَدْتَنَا بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ وَالْبَعْثِ قُلْ اِيْ نَعَمْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ بِفَائِتِيْنَ الْعَذَابَ

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو (ان سے) کہہ دو میرے لیے میرا عمل ہے تمہارے لیے تمہارا (یعنی ہر ایک کو اس کے کیے کا پھل ملے گا) میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں (یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہے) اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ کی باتوں کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں (جب آپ تلاوت فرماتے ہیں) پھر کیا آپ بہروں کو بات سنائیں گے (انہیں بہروں سے اس لیے تشبیہ دی کہ قرآن کی تلاوت سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا) گو ان کو (بہرے ہونے کے ساتھ) سمجھ بھی نہ ہو (تدبر نہ کرتے ہوں) اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کو تکتے رہتے ہیں پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں

گے اگرچہ انہیں کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو (انہیں اندھوں سے تشبیہ دی ہے راہ سجھائی نہ دینے میں) بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں کیونکہ یہ ظاہری آنکھوں کا جانا نہیں بلکہ اندرونی بینائی کا ختم ہوجانا ہے) یہ یقینی بات ہے اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے مگر خود انسان ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں اور جس دن کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (یہ لوگ) اس سے زیادہ (دنیا میں یا قبروں میں) نہیں ٹھہرے جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھہر جائیں (ہولناک منظر کی وجہ سے اور جملہ تشبیہ ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے) ایک دوسرے کو پہچانیں گے (قبروں سے اٹھتے ہی ایک دوسرے کو پہچانیں گے بعد میں پھر ہولناکیوں کی وجہ سے جان پہچان ختم ہوجائے گی یہ جملہ حال مقدرہ ہے یا ظرف کے متعلق ہے) بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی خسارے میں رہے جنہوں نے (قیامت میں) اللہ سے ملنے کو جھٹلا دیا اور وہ کبھی راہ پانے والے نہ تھے اور یا (ان شرطیہ کے نون کا مازائدہ میں ادغام ہو رہا ہے) جن جن باتوں کا ہم نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے ان میں سے بعض باتیں آپ کو دکھلا دیں گے (یعنی عذاب آپ کی زندگی ہی میں جواب شرط محذوف ہے یعنی تب تو خیر) یا ہم آپ کو وفات دیدیں (ان پر عذاب آنے سے پہلے) تب تو ہمارے پاس انہیں آنا ہی ہے پھر اللہ ان کے سب کاموں پر مطلع ہے (یعنی جو انہوں نے تکذیب اور کفر اختیار کیا ہے لہٰذا انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا (اور سابقہ امتوں میں سے) ہر امت کے لیے ایک رسول آچکا ہے پھر جب کسی امت میں ان کا رسول آچکتا ہے (اور وہ لوگ اس کے جھٹلانے پر تل جاتے ہیں) تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے (کہ انہیں عذاب میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور رسول اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو بچا لیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا (کہ بلا جرم ان کو عذاب دے دیا جائے ایسے ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا) اور یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم (اس بارے میں) سچے ہو تو بتلاؤ یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا آپ فرما دیجئے کہ میں تو خود اپنی جان کا نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتا (کہ اس کو ہٹا سکوں) اور نہ نفع کا مالک ہوں (کہ اسے حاصل کر سکوں) وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے (جس چیز پر مجھے قدرت دینا چاہتا ہے پھر بھلا تم پر عذاب اتارنے کا مجھے کیا اختیار ہے؟) ہر امت کے لیے مقررہ وقت ہے (ان کی بربادی کی مدت متعین ہے) جب وہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں (اس سے) نہ ایک گھڑی آگے (سرک سکتے ہیں) تم ان لوگوں سے کہو کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا (یہ بتلاؤ) اگر تم پر (اللہ کا) عذاب رات کو آ پڑے یا دن میں تم پر مسلط ہوجائے تو تم کیا کرو گے کوئی چیز ایسی ہے جس (عذاب) کے لیے مجرم (مشرک) جلدی مچا رہے ہیں؟ (اس میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے اور جملہ استفہام جواب شرط ہے جیسے کہا جائے: "ان اتیتک ماذا تعبینی" اور مقصد ڈرانا ہے یعنی کونسی ایسی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے یہ جلدی مچا رہے ہیں) پھر کیا جب وہ آ ہی پڑے گا اور ہمزہ تاخیر کے انکار کے لیے ہے پس اس وقت تمہارا ایمان لانا مقبول نہیں ہوگا تم سے یوں کہا جائے گا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھو (جس میں تم پختہ رہو گے) تم کو تو تمہارے ہی کیے کا بدلہ ملا ہے اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں (پوچھتے ہیں) کہ کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟ یعنی عذاب یا قیامت کی بابت جو آپ وعدہ کر رہے ہیں تم کہو ہاں (بے شک) قسم ہے میرے پروردگار کی یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے (عذاب سے بھاگ نہیں سکتے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كَاَنَّهُمْ : یہ ان مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔

قوله: وَجُمْلَةُ التَّشْبِيْهِ حَالٌ :اس میں عدم وصل کا بیان ہے یہ یوم کی صفت نہیں۔

قوله: وتقدیر حال: حال مقدرہ اس طرح ہوگا: حال کونهم مشبهين بمن لم يلبث الا ساعة۔ ان کے مشابہ ہونے کی حالت اس آدمی جیسی ہے جو ایک گھڑی ٹھہرا ہو۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ :اس میں عدم وصل کو بیان کر دیا کہ یہ صفت نہیں کیونکہ ضمیر کی صفت نہیں آتی۔

قوله: اَوْمُتَعَلِّقُ الظَّرْفِ :وہ ظرف یوم ہے۔ تقدیر یہ ہے يتعارفون يوم يحشرهم

قوله: قدخسر الذين: یہ سابقہ کلام کا تتمہ ہے۔

قوله: بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ :اس سے اشارہ ہے کہ موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔

قوله: اَشَدَّ الْعَذَابِ :اس میں زھد کا ذکر کیا اور مراد اس کا نتیجہ اور مقتضی لیا۔

قوله: فَكَذَّبُوْهُ: اس کو مقدر مانا کیونکہ تکذیب سے پہلے تو قضا بالفصل کی ضرورت نہیں۔

قوله: اَنْ يُّقْدِ رَنِیْ: اس کا مفعول خاص ہے نہ کہ عام۔

قوله: يَسْتَاْخِرُوْنَ: یہاں یستاخرون جو کہ باب استفعال ہے وہ تفعل کے معنی میں ہے۔

قوله: لَيْلًا :مصدر کا ذکر کیا کیونکہ بیات بمعنی بیتوتۃ (رات گزارنا) اور مراد اس سے وقت ہے۔

قوله: اَیُّ شَیْءٍ: اِنْ مَاذَا یہ تمام اَیُّ شَیْءٍ کے معنی میں استفہام ہے۔

قوله: مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ :اس میں یہ دلالت ہے کہ وعید آنے سے پہلے وہ اپنے جرم سے پناہ طلب کریں۔

قوله: وَالْمُرَادُبِهِ التَّهْوِيْلُ :اس سے خوف دلانا مراد ہے استعلام مقصود نہیں۔

قوله: وَ يُقَالُ لَكُمْ :اس کو مقدر مانا گیا تاکہ عطف درست ہو سکے۔

قوله: تُؤْمِنُوْنَ :اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مقولہ جملہ ہوتا ہے۔

قوله: اَيِ الَّذِیْ تَخَلَّدُوْنَ فِيْهِ :یعنی عذاب کی اَلْخُلْدِ کی طرف اضافت مجازی ہے جو عذاب والے کے اعتبار سے ہے۔

قوله: اَحَقٌّ هُوَ: یہ سوال کفار بطور انکار کرتے ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ....

مشرکین سے اجتناب فرمالیجئے:

فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر یہ مشرکین تجھے جھوٹا ہی بتلاتے رہیں تو تو ان سے اور ان کے کاموں سے اپنی بے زاری کا اعلان کردے۔ اور کہہ دے کہ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ میرے اعمال میرے ساتھ۔ جیسے کہ سورۂ قل یا ایہا الکافرون میں بیان ہوا ہے۔ اور جیسے کہ حضرت خلیل اللہ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہیں۔ جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ ان میں سے بعض تیرا پاکیزہ کلام بھی سنتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کا بلند و بالا کلام بھی ان کے کانوں میں پڑ رہا ہے۔ لیکن ہدایت نہ تیرے ہاتھ نہ ان کے ہاتھ گو یہ فصیح وصحیح کلام دلوں میں گھر کرنے والا، انسانوں کو پورا نفع دینے والا ہے۔ یہ کافی اور وافی ہے لیکن بہروں کو کون سنا سکے؟ یہ دل کے کان نہیں رکھتے۔ اللہ ہی کے ہاتھ ہدایت ہے۔ یہ تجھے دیکھتے ہیں، تیرے پاکیزہ اخلاق، تیری ستھری تعلیم تیری نبوت کی روشن دلیلیں ہر وقت ان کے سامنے ہیں لیکن ان سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مؤمن تو انہیں دیکھ کر ایمان بڑھاتے ہیں لیکن ان کے دل اندھے ہیں عقل و بصیرت ان میں نہیں ہے۔ مؤمن وقار کی نظر ڈالتے ہیں اور یہ حقارت کی۔ ہر وقت ہنسی مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ پس اپنے اندھے پن کی وجہ سے راہ ہدایت دیکھ نہیں سکتے۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت کار ہے کہ ایک تو دیکھے اور سنے اور نفع پائے دوسرا دیکھے سنے اور نفع سے محروم رہے۔ اسے اللہ کا ظلم نہ سمجھو وہ تو سراسر عدل کرنے والا ہے، کسی پر بھی کوئی ظلم وہ روا نہیں رکھتا۔ لوگ خود اپنا برا آپ ہی کر لیتے ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کی زبانی فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام کر دیا ہے۔ خبردار ایک دوسرے پر ظلم ہرگز نہ کرنا۔ اس کے آخر میں ہے اے میرے بندو! یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جنہیں میں جمع کر رہا ہوں پھر تمہیں ان کا بدلہ دونگا۔ پس جو شخص بھلائی پائے وہ اللہ کا شکر بجالائے اور جو اس کے سوا کچھ اور پائے وہ صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے۔ (مسلم)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ....

تکذیب کرنے والوں کی بے حسی، عذاب آنے کی وعید:

گزشتہ آیات میں مکذبین اور معاندین کا ذکر تھا، ان آیات میں ان کے مزید عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔ اوّلاً تو یہ فرمایا کہ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں لیکن ان میں نہ حق طلبی ہے نہ ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ لہٰذا ان کی حالت بہرے انسانوں کی طرح ہوگئی۔ جیسے بہروں کو سنانا فائدہ مند نہیں ہوسکتا اسی طرح ان کو سنانا اور نہ سنانا برابر ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ بہروں کی مانند ہیں بلکہ سمجھ سے بھی محروم ہیں۔ انہیں کان

لگانے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ان کا ارادہ بھی حق کے قبول کرنے کا نہیں۔ لہٰذا دیکھا ان دیکھا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اندھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں' آپ اندھوں کو کیسے ہدایت دیں گے۔ حالانکہ وہ دیکھ نہیں رہے۔ اس مضمون کو سورۂ انفال میں یوں بیان فرمایا: (وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ) (اور تم لوگ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا....

تحقیق معاد مع جوابات شبہات کفار و ذکر حسرت مکذبین رسالت در روز قیامت:

ربط: گزشتہ آیات میں مکذبین رسالت کی تکذیب اور ان کی قلت تفکر اور عدم تدبر کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ان مکذبین کی حسرت کا بیان ہے جو ان کو روز قیامت میں پیش آئے گی۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ کافر جس چندروزہ ناز و نعمت پر اترا رہے ہیں اور اس کے نشہ میں نعیم ابدی اور عیش جاودانی پر لات مار رہے ہیں جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آ جائے گا۔ جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں اور قیامت کے دن ان کو اپنی طویل زندگی ایک گھڑی سے بھی کم معلوم ہوگی اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور یہ مال و اسباب جس پر آج ان کو ناز ہے وہ آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور اگر بالفرض عذاب الٰہی کے بدلہ میں کچھ فدیہ دینا چاہیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اور عذاب الٰہی سے کسی طرح رہائی نہ ہوگی۔ نیز ان آیات میں منکرین نبوت کے پانچویں شبہ کا جواب دیا گیا ہے وہ یہ کہ جب آنحضرت ﷺ ان کو عذاب الٰہی سے ڈراتے اور ایک زمانہ گزر جاتا کہ وہ عذاب نازل نہ ہوتا تو یہ کہتے: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (وہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا) اس شبہ کے دو جواب دیئے اول یہ کہ اے نبی! آپ یہ کہہ دیجئے کہ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کی حکمت اور مشیت کے تابع ہے اللہ نے جس کام کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے وہ اس سے پہلے نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ بالفرض اگر وہ عذاب تمہاری فرمائش کے مطابق جلدی نازل ہو جائے تو تم کو کیا فائدہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کوئی بچاؤ تو کر نہیں سکتے۔ اور اگر یہ کہو کہ عذاب دیکھ کر ہم ایمان لے آئیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر اور مفید نہیں۔ وہ ایمان اضطراری ہے، اختیاری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جو عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اس کا وقت پوچھتے ہیں یہ سب عبث اور بیکار ہے۔ عذاب الٰہی کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ناگہاں آیا کرتا ہے کبھی دن میں کبھی رات میں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ جب کہ سب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کرے اور اس دن ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ دنیا میں یا برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے قیامت کی شدت اور ہول سے گزشتہ زندگی ایک ساعت معلوم ہوگی۔ اور جب قبر سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا کہ مفارقت کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھوڑی دیر کی جدائی میں آدمی بھولتا نہیں مگر یہ حال ابتداء حشر میں ہوگا اس کے بعد جب قیامت کی شدت اور دہشت ہوگی تو یہ جان پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے بے شک گھاٹے میں رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا۔ یعنی حساب و کتاب اور جزا و سزا کے منکر ہوئے اور نہ تھے وہ دنیا میں راہ پانے والے بہت تھوڑی سی زندگی کے لیے غیر متناہی زمانہ کی مصیبت مول لے لی اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے دنیا میں ان کو اپنی معرفت اور اطاعت کا سامان دیا

یعنی عقل وشعور اور قدرت واختیار دیا مگر سب کا سب اپنی جہالتوں میں ضائع کر دیا اور اے نبی! اگر ہم اس عذاب اور وعید میں کا کچھ حصہ جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کی زندگی ہی میں آپ کو دکھلا دیں یا دنیا میں اس عذاب کو دکھلانے سے پہلے ہی آپ کو وفات دے دیں تو بہر حال ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کافروں سے جو وعدہ عذاب کا کیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا۔ کچھ عذاب تو آپ کی زندگی میں ہوگا اور کچھ آپ کے بعد اور آخرت کا عذاب آخرت میں چنانچہ حق جل شانہ نے فتوحات اور غلبہ اسلام کے جو وعدے کیے تھے ان میں سے بعض کا ظہور تو حضور پر نور ﷺ کی زندگی میں ہو گیا اور واقعہ کا باقی ماندہ حصہ خلفاء راشدین کے دور خلافت میں پورا ہوا اور آخرت کا عذاب قیامت کو ہوگا معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے غلبہ اسلام اور فتوحات کا وعدہ فرمایا مگر اس کا کوئی وقت معین نہیں فرمایا۔ اور آپ کی تسلی کے لیے یہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو فتوحات اور غلبہ اسلام کا غیر موقت وعدہ کیا ہے وہ ضرور اپنے وقت پر پورا ہوگا ان میں سے بعض فتوحات آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوں گی، جیسے بدر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت آپ ﷺ کو دکھلا دی اور اور بعض فتوحات آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء کے ہاتھوں واقع ہوں گی۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا آپ ﷺ مطمئن اور بے فکر رہیں پھر اللہ تعالیٰ مطلع ہے ان اعمال پر جو وہ کر رہے ہیں۔ ان کو ان کی سزا دے گا۔ حضرت شاہ عبد القادر فرماتے ہیں یعنی غلبہ اسلام کچھ حضرت کے روبرو ہوا اور باقی آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے گویا کہ نَتَوَفَّيَنَّكَ میں اس طرف اشارہ ہے، واللہ اعلم۔

اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہوا ہے سو جب ان کا رسول ان کے پاس آ گیا یعنی معجزات اور آیات لے کر آیا اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو گئی۔ مگر انہوں نے اس رسول کو جھٹلایا تو وہ لوگ مبتلائے عذاب ہے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا یعنی رسول جھٹلانے والوں کے درمیان عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا کہ رسول اور اس کے متبعین کو نجات ہوئی اور جھٹلانے والے ہلاک ہوئے اور اس فیصلہ میں ان پر ظلم نہیں کیا جاتا کیونکہ ظلم جب ہوتا کہ جب ان کو بے قصور عذاب دیا جاتا۔ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سن کر استہزاء یہ کہتے ہیں اے نبی! اور اے مسلمانو! یہ نزول عذاب کا وعدہ اور وعید کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ (اے نبی!) آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجئے کہ مجھے عذاب نازل کرنے کا تو کیا اختیار ہوتا میں تو اپنی ذات کے لیے نقصان اور نفع کا مالک نہیں یعنی میں تو بشر ہوں مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی ذات کے لیے کوئی نفع حاصل کر سکوں یا اپنے سے کسی ضرر کو دور کر سکوں جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے پھر میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں اللہ نے عذاب کا وعدہ کیا ہے مگر اس کا وقت نہیں بتلایا کہ کب آئے گا جب اللہ کو منظور ہوگا وہ نازل کر دے گا۔ جلدی کیوں مچاتے ہو ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے تمہارے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ پس جب ان کا وقت معین آ پہنچتا ہے تو وہ اپنے وقت معین سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح تم اپنے وقت مقررہ پر غارت ہو گے اے نبی! آپ کافروں سے کہہ دیجئے بتلاؤ تو سہی کہ اگر وہ عذاب جس کے نازل کرنے کی جلدی کر رہے ہو رات کو یا دن کو ناگہانی طور پر وہ عذاب آ جائے بہر حال

وہ عذاب ہی تو ہوگا تو یہ مجرم کس چیز کو جلدی مانگ رہے ہیں یعنی عذاب میں کوئی خوبی اور لذت نہیں جس کے لیے تم اس قدر بے تاب ہو رہے ہو اور اگر یہ کہو کہ اگر ہم پر عذاب نازل ہوا تو ہم اس کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں تو کیا پھر جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جب ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ جب ایمان لانا کوئی مفید نہیں اس وقت ہم کہیں گے کہ اب تم نے اس کا یقین کیا اور اس سے پہلے تم بطور مذاق اس کے نزول میں جلدی مچایا کرتے تھے سو اب اس کا مزہ چکھو اس وقت کے ایمان اور یقین سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پھر ان ظالموں سے جنہوں نے رسول کی تکذیب کی کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ نہیں جزاء دیئے جارہے تم مگر اس کفر اور معصیت کی جسے تم ساری عمر کماتے رہے اور دنیا کی محبت میں آخرت سے اندھے بنے رہے

اور یہ کافر بطور تعجب اور بطریق دل لگی آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ عذاب جس کا آپ ﷺ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یا بعث اور قیامت اور معاد جس سے آپ ﷺ ہم کو ڈراتے ہیں حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے ہاں قسم ہے میرے پروردگار کی البتہ تحقیق وہ عذاب موجود یا بعث اور معاد بلاشبہ حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے اور تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم خدا کو اپنے پکڑنے سے عاجز کرسکو۔ اور اس کے عذاب اور قہر کو روک سکو۔ تمہارا مر کر مٹی میں مل جانا اور ریزہ ریزہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کرسکتا کہ وہ تم کو دوبارہ زندہ کرسکے اور تمہیں کفر وشرک کے عذاب کا مزہ چکھائے اور آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ کفر وشرک کا جرم اس قدر عظیم ہے کہ اگر ہر نفس کے پاس جس نے کفر اور شرک کرکے اپنی جان پر ظلم کیا ہے روئے زمین کا مال ومتاع ہو تو وہ قیامت کے دن اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے یہ سب کچھ فدیہ دینے کے لیے تیار ہوگا مگر قبول نہ ہوگا۔ پس اے انسان! آج جس دنیا کے پیچھے تو دیوانہ بنا ہوا ہے اور آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہے کل کو عذاب آخرت سے رہائی کے لیے تو ہی تمام خزائن واموال کو فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہوگا اللہ تو دنیا میں تجھ سے کچھ مال نہیں مانگتا صرف ایک آسان بات چاہتا ہے کہ تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت اور شرمندگی کو اپنے یاروں اور ہواخواہوں سے چھپائیں گے۔ تاکہ دوسرے لوگ ان کو ملامت نہ کریں اور سب کے سامنے فضیحت نہ اور دیکھنے والے اور زیادہ نہ ہنسیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اسرار کے معنی اظہار کے ہیں۔ یہ لغات متضادہ میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرکین عذاب آخرت کو دیکھ کر اپنے اعمال پر اظہار ندامت کریں گے شاید اظہار ندامت سے کچھ کام چل جائے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کردیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ان کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنا ان کا قصور ہوگا آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اس کو کسی کے فدیہ کی حاجت نہیں آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کا وعدہ ثواب اور عذاب کے بارے میں حق ہے۔ اس کے وقوع پر کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں اس لیے وہ دنیا پر مغرور ہیں اور آخرت سے دور ہیں اور قصور عقل سے فقط دنیاوی زندگانی کو حیات سمجھتے ہوئے ہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس اسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور مرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور حساب وکتاب ہوگا لہٰذا آخرت کو حق سمجھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔

(معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ كَفَرَتْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِنَ الْاَمْوَالِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ مِنَ الْعَذَابِ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ عَلٰى تَرْكِ الْاِيْمَانِ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ اَيْ اَخْفَاهَا رُؤَسَاؤُهُمْ عَنِ الضُّعَفَاءِ
الَّذِيْنَ اَضَلُّوْهُمْ مَخَافَةَ التَّعْيِيْرِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْخَلَائِقِ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾
شَيْئًا اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ حَقٌّ ثَابِتٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
اَيِ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ ذٰلِكَ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ كِتَابٌ فِيْهِ مَا لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ وَ
شِفَاۗءٌ دَوَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ مِنَ الْعَقَائِدِ الْفَاسِدَةِ وَالشُّكُوْكِ وَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَّرَحْمَةٌ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ بِهٖ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ الْاِسْلَامِ وَبِرَحْمَتِهٖ الْقُرْاٰنِ فَبِذٰلِكَ الْفَضْلِ وَالرَّحْمَةِ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ
هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ مِنَ الدُّنْيَا بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِيْ مَّآ اَنْزَلَ خَلَقَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ
رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ كَالْبَحِيْرَةِ وَالسَّائِبَةِ وَالْمَيْتَةِ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ فِيْ ذٰلِكَ
التَّحْرِيْمِ وَالتَّحْلِيْلِ لَا اَمْ بَلْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ تَكْذِبُوْنَ بِنِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اَيْ اَيُّ شَيْءٍ ظَنُّهُمْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهٗ لَا يُعَاقِبُهُمْ لَا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ
ع ۶ ۱۱ عَلَى النَّاسِ بِاِمْهَالِهِمْ وَالْاِنْعَامِ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اوراگر ہر ظالم (کافر) کے قبضہ میں وہ سب کچھ آجائے جوروئے زمین میں ہے (سب مال ودولت) تو وہ ضرور اپنے فدیہ میں دے دے (عذاب قیامت سے بچنے کے لیے) اور دل ہی دل میں پچھتانے لگے (ایمان نہ لانے پر) جب انہوں نے اپنے سامنے عذاب دیکھا (سرداروں نے ان عوام سے چھپانا چاہا جن کو بے عزتی کے اندیشہ سے گمراہ کیا تھا) پھر ان (مخلوق) کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر کسی طرح کی زیادتی واقع ہو یادرکھو آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ بات کبھی مت بھولو کہ اللہ کا وعدہ (قیامت اور جزاء کے بارے میں) حق ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ (اس بات کو) جانتے ہی نہیں، وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے (آخرت میں لہٰذا وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا) اے لوگو! (مکہ والو!) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آگئی جو نصیحت ہے (کتاب جس میں تمہارے نفع اور نقصان کی باتیں درج ہیں یعنی قرآن کریم) اور دلوں کے تمام روگوں کے لیے شفاء ہے (یعنی فاسد عقائد اور شکوک سے) اور اللہ کی رحمت

(قرآن) ہے پس چاہئے کہ اس (فضل و رحمت) پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بدر جہا بہتر ہے جسے وہ (دنیا میں) جمع کرتے رہتے ہیں (یہ لفظ یا اور تا دونوں طرح ہے) آپ ان سے کہئے کیا تم نے اس پر بھی غور کیا (ذرا یہ تو بتلاؤ) کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لیے پیدا کی ہے تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دیا اور بعض کو حلال سمجھ لیا ہے (جیسے بحیرہ، سائبہ اور مردار جانور) تو پوچھو کہ کیا اللہ نے اجازت دی ہے (اس کو حرام حلال کرنے کی؟ نہیں ایسا نہیں ہے) یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟ جھوٹ بولتے ہو اللہ کی طرف (اس کی نسبت کرتے ہوئے (اور جن لوگوں کی جرأتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افتراء پردازی کر رہے ہیں انہوں نے کیا سمجھ رکھا ہے (ان کا کیا گمان ہے) قیامت کی نسبت (کیا ان کا خیال ہے کہ ان پر عذاب نہیں ہوگا؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا) واقعی اللہ لوگوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے (کہ انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہے بلکہ ان پر انعام کرتا رہتا ہے) لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَخْفَاهَا : یہ تفسیر کر کے اَسَرُّوا کے دیگر معانی اخلاص، اظہار سے احتراز کیا۔

قوله: كِتَابٌ فِيهِ : آنے کی نسبت موعظہ کی طرف جس میں نصیحت ہو اس کے لحاظ سے مجازی ہے۔

قوله: اَلْاِسْلَام : اس سے اشارہ کیا کہ ہر جگہ فضل و رحمت سے قرآن مراد نہیں۔

قوله: مِنَ الدُّنْيَا : مِنَ تفضیلیہ مقدر ہے۔

قوله: وَالتَّاءِ : اس سے اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ اے مخاطبین! جس چیز کو تم جمع کر رہے ہو وہ اس سے بہتر ہے پس اس پر مؤمنوں کو خوش ہونا چاہئے۔

قوله: بَلْ : اس سے اشارہ ہے کہ اَمْ منقطعہ ہے متصلہ نہیں۔

قوله: اَيُّ شَيْءٍ : مَا استفہامیہ ہے موصولہ اور نافیہ نہیں۔

قوله: لَا : اس سے اشارہ ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے

تفسیر مقبولین

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ....

فیصلہ روز جزاء باوجود اپنی ساری ہولناکیوں کے بہر حال عادلانہ ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہو جائے جیسا کہ غضبناک دیوی، دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ .... یوم قیامت کے ہول و شدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو۔ تو اپنی جان بچانے کو اس سب کے دے ڈالنے پر وہ

آمادہ ہوجائیں گے۔ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ.... یعنی ہر ہر مشرک۔ای اشرکت و کفرت (قرطبی) وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ: یہ ندامت کا اخفاء مزید فضیحت ورسوائی کے خوف سے ہوگا۔اور ندامۃ سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونا دھونا، منہ پیٹنا وغیرہ۔المراد اخفاء اثارھا کالبکاء وعض الید (روح) لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ یہ اخفاء ندامت شروع شروع ہوگا۔ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑلیں گے تو اس پر بھی قادر نہ رہیں گے اور اس قید کے بعد اس آیت اور ان آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا جن میں مشرکوں منکروں کے جزع وفزع کا بیان ہے۔وھذا قبل الاحراق بالنار فاذا وقعوا فی النار الھتھم النار عن التصنع (قرطبی) قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ'' سے مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سرداروں اور چیلوں کے درمیان فیصلہ حق وانصاف ہی سے ہوگا۔ای بین الرؤساء والسفل بالعدل (قرطبی)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ....

قرآن موعظت ہے، سینوں کیلئے شفا ہے اور ہدایت ورحمت ہے:

منکرین سے خطاب کرنے کے بعد مؤمنین کو خطاب فرمایا لیکن اسے يٰاَيُّهَا النَّاسُ سے شروع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب بھیجی ہے اور ہدایت نازل فرمائی ہے وہ تمام انسانوں کیلئے ہے سب انسان اسے قبول کریں۔جن لوگوں نے اسے قبول کرلیا ان کے لیے خوشخبری ہے۔انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام اور رحمت واکرام پر خوش ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ نے وہ کچھ عطا فرمایا جس کے مقابلہ میں ساری دنیا ہیچ ہے' دنیا میں لوگ جو کچھ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔قرآن مجید کو موعظت (نصیحت) اور سینوں کے لیے شفا اور مؤمنین کے لیے ہدایت اور رحمت بتایا۔موعظت' نصیحت کو کہتے ہیں جس میں برائیوں کو چھوڑنے اور حکام پر عمل کرنے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اختیار کرنے کی تلقین اور تعلیم ہو اور آخرت کے احوال اور اہوال کی تذکیر ہو۔قرآن مجید میں بار بار ان سب امور کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

قرآن مجید کو شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ بھی فرمایا یعنی اس کے ذریعہ دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایات پر عمل کرے اس کا دل روحانی بیماریوں سے شفایاب ہوجاتا ہے۔حسد' کینہ' تکبر' بخل' خود پسندی اور حب دنیا اور وہ سب امور جو انسان کے دل کو تباہ کرتے ہیں قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے اس علاج کو اختیار کرے تو شفا حاصل ہوگی۔
نیز قرآن مجید کو ہدایت اور رحمت بھی فرمایا اس میں لفظ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ کا اضافہ فرمادیا۔قرآن مجید ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لیے ہے لیکن چونکہ اس سے اہل ایمان ہی مستفید ہوتے ہیں اور اسے اپنے لیے ذریعہ ہدایت اور رحمت بنالیتے ہیں۔اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کے لیے ہدایت اور رحمت ہونے کا تذکرہ فرمایا۔یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں قرآن کے لیے (هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ) فرمایا ہے مزید فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہوجائیں۔صاحب مدارک التنزیل لکھتے ہیں کہ فضل اور رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہے۔
اللہ تعالیٰ شانہ نے فضل فرمایا کہ قرآن مجید نازل فرمایا اور دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جو رحمت عظیمہ ہے اور

انعام برانعام ہے۔ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ ان پر جتنی بھی خوشی کی جائے اور مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دنیا میں ہدایت پر ہونا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال ہونا اس پر خوش ہونا اور چیز ہے اور دنیاوی نعمتوں پر اترانا دوسری چیز ہے پہلی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری چیز سے منع فرمایا ہے۔ دنیاوی مال اور جاہ پر اترانا مست ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیتا ہے اور اس میں دوسروں کی تحقیر بھی ہوتی ہے۔ اس لیے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے: (حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً) اور سورۂ قصص میں فرمایا: (اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ) آخرت سے متعلقہ اعمال اور نعمتوں پر خوش ہونے میں چونکہ حب دنیا کا دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا ذریعہ ہے اس لیے محمود ہے آیت بالا میں اسی کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اہل دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں نعمت اسلام اور نعمت قرآن کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں کیونکہ دنیا تھوڑی ہے اور فانی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ ....

مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام وحلال کے باب میں بڑی گڑبڑ کی ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے۔ اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنہیں شریعت الٰہی حرام قرار دے نہ کہ وہ جنہیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھیرا رہے ہو۔ اتنی دوررس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قرب وبعد، جلی وخفی، سارے فوائد ونقصانات پر محیط ہو، بجز شریعت الٰہی کے اور کہیں ممکن نہیں، بعض کج فہموں نے آیت کو نفی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے اور استنباط مسائل کو اس کی رو سے ناجائز ٹھیرانا چاہا ہے۔ حالانکہ فقیہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں وہ صرف اپنے فہم وذکاء سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے جو ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ بنیاد تو بہر حال کلام باری ہی رہتا ہے۔ استدل بهذه الاية من نفى القياس وهذا بعيد فان القياس دليل الله تعالىٰ فيكون التحريم والتحليل۔ من الله تعالىٰ (قرطبی) ربما احتج بعض من نفاة القياس بهذه الاية فى ابطاله لانه زعم ان القائس يحرم بقياسه ويحل وهذا جهل من قائله لان القياس دليل الله تعالىٰ كما ان حجة العقل دليل الله تعالىٰ وكالنصوص والسنن كل هذه دلائل فالقائس انما يتبع موضع الدلالة على الحكم فيكون الله هو المحرم والمحلل بنصبه الدليل عليه (جصاص) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ان غالی صوفیہ کا رد ہے، جو مباحات کو بر بناء تقشف وزہد اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کر لیتے ہیں۔ ہاں بہ طور اپنے معالجہ کے کوئی شخص اپنے لیے کسی چیز کو ترک کر دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (تفسیر ماجدی)

وَمَا تَكُوْنُ يا محمد فِىْ شَاْنٍ امر وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ اى من الشان او الله مِنْ قُرْاٰنٍ انزله عليك وَّلَا تَعْمَلُوْنَ خاطبه وامته مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا رقباء اِذْ تُفِيْضُوْنَ تاخذون فِيْهِ ؕ اى العمل وَمَا يَعْزُبُ يغيب عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ وزن ذَرَّةٍ اصغر نملة فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَا

اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ اللّٰهَ بِامْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فُسِّرَتْ فِيْ حَدِيْثٍ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ بِالرُّؤْيَا الصَّالِحَةِ يَرَاهَا الرَّجُلُ
الْمُؤْمِنُ اَوْ تُرٰى لَهٗ وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ بِالْجَنَّةِ وَالثَّوَابِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ لَا خُلْفَ لِمَوَاعِيْدِهٖ ذٰلِكَ
الْمَذْكُوْرُ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ لَكَ لَسْتَ مُرْسَلًا وَغَيْرَهٗ اِنَّ اِسْتِيْنَافٌ الْعِزَّةَ
الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ بِالْفِعْلِ فَيُجَازِيْهِمْ وَيَنْصُرُكَ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وقف لازم
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ عَبِيْدًا وَمِلْكًا وَخَلْقًا وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ
اَصْنَامًا شُرَكَآءَ ؕ لَهٗ عَلَى الْحَقِيْقَةِ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ اِنْ مَا يَتَّبِعُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ اِلَّا الظَّنَّ اَيْ ظَنَّهُمْ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ
تَشْفَعُ لَهُمْ وَاِنْ مَا هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ يَكْذِبُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ
النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِسْنَادُ الْاِبْصَارِ اِلَيْهِ مَجَازٌ لِاَنَّهٗ مُبْصَرٌ فِيْهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى
وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَّاتِّعَاظٍ قَالُوا اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ
الْمَلٰٓئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ سُبْحٰنَهٗ ؕ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنِ الْوَلَدِ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ عَنْ كُلِّ
اَحَدٍ وَاِنَّمَا يَطْلُبُ الْوَلَدَ مَنْ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا اِنْ مَا
عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ حُجَّةٍ بِهٰذَا ؕ اَيِ الَّذِيْ تَقُوْلُوْنَهٗ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ اِسْتِفْهَامُ
تَوْبِيْخٍ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ اِلَيْهِ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَا يُسْعَدُوْنَ لَهُمْ مَتَاعٌ
قَلِيْلٌ فِي الدُّنْيَا يَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ مُدَّةَ حَيَاتِهِمْ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ بِالْمَوْتِ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ ع ۱۲ المنزلة وقف لازم
بَعْدَ الْمَوْتِ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

ترجمہ: اور (اے محمدؐ!) آپ کسی حال میں ہوں اور آپ کوئی سی بھی آیت پڑھ کر سناتے ہو (وہ آیت آپ کے حال سے متعلق ہو یا اللہ سے) قرآن کی (جو آپ پر نازل ہوا ہے) اور تم کوئی سا بھی کام کرتے ہو (اس میں آپ کو اور آپ کی امت کو خطاب کیا ہے) مگر ہمیں سب کی خبر رہتی ہے (ہم نگراں ہیں) جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب سے

کوئی چیز ذرہ (کے وزن کے) برابر بھی (جو چیونٹی سے کم مقدار ہوتی ہے) غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک واضح کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لیے نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کی غمگینی (آخرت میں) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور زندگی میں ڈرتے ہی رہے (اللہ سے اس کے حکام کی تعمیل اور اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے (جس کی تفسیر ایک حدیث میں آتی ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اچھے خواب مراد ہیں جو مومن خود دیکھے یا اس مومن کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے) اور آخرت کی زندگی میں بھی (جنت وثواب کی خوشخبری ہے) اللہ کے فرمان اٹل ہیں کبھی بدلنے والے نہیں (اس کی دھمکیاں کبھی خلاف نہیں ہوسکتیں) اور یہی (مذکورہ باتیں) سب سے بڑی کامیابی ہے اور آپ ان کی باتوں سے آزردہ نہ ہوں (اس قسم کی باتیں کہ جو آپ کو سناتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں) بے شک (جملہ مستانفہ ہے) ساری عزتیں (قوتیں) اللہ ہی کے لیے ہیں وہ (باتیں) سننے والا اور (کاموں کو) جاننے والا ہے (لہٰذا وہ انہیں سزا دے گا اور تمہاری مدد کرے گا) یاد رکھو وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں اللہ کے تابع فرمان ہیں (بندہ اور غلام اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے) اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں (یعنی بتوں کو جو غیر اللہ ہیں) پکارتے ہیں (اللہ کا شریک حقیقی مان کر حالانکہ اللہ اس سے کہیں برتر ہے) تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ محض وہم وگمان کی وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض بے سند بات کی پیروی کرتے ہیں (یعنی یہ کہ بت ہمارے معبود ہیں اور ہمارے سفارشی ہوں گے) اور محض اپنی اٹکلیں دوڑا رہے ہیں (اس بارے میں جھوٹ بکتے ہیں) وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کا وقت بنایا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو (دکھلانے کی نسبت دن کی طرف مجازاً ہے ورنہ وہ تو دیکھنے کا وقت ہوتا ہے) بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (جن سے اللہ تعالیٰ کی یکتائی معلوم ہوتی ہے) جو سنتے ہیں (غور اور نصیحت کا سننا) کہتے ہیں (یہود ونصاریٰ اور جو لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے ہیں) اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا ہے (حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں) سبحان اللہ (اسی کے لیے اولاد سے پاکی ہے) وہ تو بے نیاز ذات ہے (سب سے اور اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جو اولاد کا محتاج ہو) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے (غلام، مخلوق اور بندہ ہونے کے لحاظ سے) تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے (جو کچھ تم بک رہے ہو) کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے؟ (استفہام توبیخی ہے) آپ کہہ دیجئے جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں (اولاد کی نسبت کرکے) وہ بھی فلاح پانے والے نہیں (کامیاب نہیں ان کے لیے) صرف دنیا ہی کی تھوڑی سی پونجی ہے (زندگی بھر جس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں) پھر ہماری طرف لوٹنا ہے (مرکر) تب ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے (مرنے کے بعد) کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَمْرٍ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں شَاْنٍ کا اصل معنی قصد یہاں مراد نہیں بلکہ معاملہ مراد ہے۔

قوله: مِنَ الشَّانِ : یہ معنی امر ہے ضمیر کو اس کی طرف لوٹایا کیونکہ قرآن امور میں سب سے عظیم تر امر ہے۔

قوله: هُمْ : اس سے اشارہ کیا کہ اَلَّذِیْنَ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ منصوب نہیں

قوله: اَصْنَامًا : یہ یَدْعُوْنَ کا مفعول اور شرکاء یہ یتبع کا مفعول ہے۔ یہ اس طرح بنا یدعون من دون اللہ شرکاء۔ تو ایک پر اکتفاء کیا یدعون کا مفعول ضروری ہے۔ جب شرکاء یتبع کا مفعول بن گیا تو یدعون کا مفعول مقدر ماننا پڑا وہ اصناماً ہے۔

قوله: لِاَنَّہٗ مُبْصَرٌ فِیْهِ : ظرف سے رخ اس لیے موڑا تا کہ ظرف مجرد اور ظرف سببی میں فرق واضح ہو کیونکہ دن ابصار کا سبب ہے۔

قوله: قَالَ تَعَالٰی لَهُمْ : اس سے اشارہ کیا کہ یہ ان کا مقولہ نہیں بلکہ مقولہ خداوندی ہے۔

قوله: لَهُمْ مَتَاعٌ : اس سے اشارہ کر دیا کہ متاع مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ....

پہلے قرآن کریم کے اوصاف بیان کیے تھے کہ وہ سراپا نور ہدایت، شفائے قلوب، نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ ہیں۔ پھر اشارہ کیا کہ ہدایت وبصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر لوگ اپنے اوہام وخیالات کے اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خدا پر افتراء کر کے اس کے فضل وانعام کی ناقدری کرتے ہیں۔ اس آیت میں متنبہ کیا کہ لوگ کس حال میں ہیں اور پیغمبر ﷺ کی کیا شان ہے۔ آپ شب وروز مالک حقیقی کی وفاداری، ہمدردی خلائق کی جن شؤن عظیمہ کے مظہر بنتے ہیں، خصوصاً آپ ﷺ کی جو امتیازی شان قرآن پڑھنے پڑھانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے یعنی قرآن کے ذریعے سے جو جہاد آپ کر رہے ہیں وہ سب خدا کے حضور میں ہے اور لوگ جو کچھ اچھا یا برا معاملہ کرتے ہیں وہ سب بھی خدا کی نظر کے سامنے ہیں۔ جس وقت مخلوق کوئی کام شروع کرتی اور اس میں مشغول ومنہمک ہو جاتی ہے، خواہ اسے خدا کا تصور نہ آئے۔ لیکن خدا اس کو برابر دیکھ رہا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ زمین وآسمان میں کہیں ایک ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی بڑی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کے علم محیط سے غائب ہو۔ بلکہ علم الٰہی سے نیچے اتر کر تمام مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا حال کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ثبت ہے۔ جسے عالم تدبیر میں صحیفہ علم الٰہی کہنا چاہیے۔ جب حق تعالیٰ پر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پوشیدہ نہیں تو ان مکذبین معاندین کے معاملات واحوال کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، پھر روز جزاء کی کارروائی کے متعلق یہ کیا خیال کر رہے ہیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کی ہر چھوٹی بڑی حرکت خدا کے سامنے ہے وہاں کوئی خیانت اور چوری نہیں چل سکے گی۔ ہر عمل کی سزا مل کر رہے گی۔ اور جس طرح دشمنوں کے معاملات اس کے سامنے ہیں، ان کے بالمقابل دوستوں کا ذرہ ذرہ حال بھی اس کے علم میں ہے، اگلی آیات میں ان کو بشارت سنائی گئی۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہوں گے نہ غمگین:

یہ تین آیات ہیں ان میں اولیاء اللہ کی فضیلت اور ولایت کی حقیقت بتائی اور یہ بتایا کہ اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے' ولی دوست اور قریب کو کہتے ہیں۔ اولیاء کون لوگ ہیں اس کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ کا کوئی دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ خواہ کیسی ہی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک اللہ کا مقرب اور مقبول بندہ اور اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ اہل ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی صفات کے کم وبیش ہونے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے میں اور عبادت' تلاوت' ذکر کی کیفیات اور کمیات کے اختلاف سے فرق مراتب ہوجاتا ہے اور کون شخص کس درجہ کا ولی ہے بندے اس کے ظاہری حالات سے اندازہ لگا سکتے ہیں' چونکہ ہر ایک کے ظاہر وباطن کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لیے فرق مراتب کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام اتباع سنت کا دھیان۔ نوافل کی کثرت۔ ذکر اللہ کی مشغولیت اور صفت احسان (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ) کا حصول۔ خشوع خضوع' اخلاص' مکارم اخلاق' محاسن الافعال ان سب چیزوں کے ذریعہ حسب مراتب درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔ صحیح مسلم (ص ۴۷ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ)) ستر سے کچھ اوپر ایمان کے شعبے میں سے سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا ہے (یعنی سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ طیبہ پر ایمان لانا ہے) اور ان میں سب سے کم درجہ کی بات یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹادی جائے' اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اس میں ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے بتائے ہیں جس میں ادنیٰ شعبہ یہ بتایا ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹادی جائے' اور خصوصیت کے ساتھ حیاء کو ایمان کے شعبوں میں شمار فرمایا ہے ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے موافق ہو اور اللہ کی رضا کے لیے ہو وہ سب قرب خداوندی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق ان اعمال سے ہے جن کے ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ میں بیان فرمادیا۔ حرام سے لے کر مکروہ تنزیہی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں ان سے بچنا بھی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی عبادت ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

(اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ) کہ تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ' ایسا کرنے سے تو دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰) جو شخص مامورات پر عمل کرتا رہے اور منہیات سے بچتا رہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے اتباع کا اہتمام کرتا رہے جسے (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) میں بیان

فرمایا ہے ایسے شخص کو اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے قرب الٰہی حاصل ہوگا اور اسی درجہ کی ولایت حاصل ہوگی جس درجہ کے اعمال ہوں گے اور جس قدر دنیاوی اشغال وافکار سے ذہن فارغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوگی اسی قدر قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللّٰہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیًا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب إلی مما افترضته علیه وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبته فاذا احببتهٔ فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصره به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس سے اعلان جنگ کیا اور میرے بندے کا میرے فرائض کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ بھی تقرب بڑھتا رہتا ہے ان امور کو سامنے رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ولایت' فرائض واجبات اور مستحبات اور مندوبات اور اتباع سنت کے اہتمام اور ترک منہیات کا نام ہے یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ولی وہ ہے جس سے کوئی کرامت صادر ہو یا صوفیہ کے کسی سلسلہ میں داخل ہو یا کسی خانقاہ کا گدی نشین ہو یا نسب کے اعتبار سے سید ہو وہ ولی ہے خواہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور کیسا ہی دنیا دار ہو اور کیسا ہی تارک فرائض اور مرتکب محرمات ہو۔ یہ جہالت کی بات ہے' جو شخص متبع شریعت نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اب تو گدیاں عموماً جلب زر ہی کے لیے رہ گئی ہیں۔

جہاں کہیں تھوڑا بہت ذکر وشغل اور ریاضت ہے وہ بھی منکرات کے ساتھ ہے۔ قلب جاری ہے لیکن اکل حلال کا اہتمام نہیں۔ بینک میں کام کرتے ہیں پھر بھی صوفی ہیں داڑھی کٹی ہوئی ہے پھر بھی بزرگ ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے اور مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں پڑھتا ہوں بزرگی کے ڈھنگ رہ گئے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ ولایت اتباع شریعت کا نام ہے اور حضرات صوفیاء کرام اسی کے لیے محنت اور ریاضت کراتے تھے کہ شریعت طبیعت ثانیہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا آسان ہو جائے۔ اب تو گدی نشینوں کے نزدیک ولایت اور بزرگی کا مفہوم ہی پلٹ گیا۔

یہاں تک تو ولایت کی حقیقت بیان کی گئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کون ہیں' اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء اللہ کے لیے جس انعام کا وعدہ فرمایا وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ) (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ: لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ کی خوشخبری مؤمنین صالحین کے لیے ہے اور دونوں آیتوں کے ملانے سے ولایت کا مصداق بھی

معلوم ہو گیا (جس کی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں بہت سے ایسے بندے ہوں گے جو نہ نبی ہیں نہ شہید ہیں قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان کے اس مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ کے نزدیک ہے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے قرآن کی وجہ سے محبت کریں گے ان کی آپس کی یہ محبت نہ آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ہوگی اور نہ اموال کے لین دین کی وجہ سے (یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہوگی) اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر بیٹھے ہوں گے جس دن لوگ خوف زدہ ہوں گے۔ یہ خوف زدہ نہ ہوں گے اور جس دن لوگ رنجیدہ ہوں گے اس دن یہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہی آیت: لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے اس سے قیامت کے دن بے خوف اور بہ اطمینان ہونا مراد ہے لہٰذا یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ حضرات انبیاء کرام کو خوف لاحق ہوا اور بعض احوال میں غمگین ہوئے اسی طرح بہت سے اولیاء اللہ پر بعض حالات میں خوف اور حزن یعنی غم طاری ہوا کیونکہ یہ دنیاوی احوال ہیں آخرت میں یہ حضرات خوف وحزن سے محفوظ ہوں گے۔ یہ جو فرمایا کہ حضرات انبیاء اور شہداء بھی ان کا مرتبہ دیکھ کر ان پر رشک کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرات انبیاء اور شہداء خوفزدہ اور غمگین ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کے مسائل حل کرنے اور ان کے بارے میں گواہی دینے اور ان کی سفارشیں کرنے میں مشغول ہوں گے اور حضرات شہدا کرام بھی سفارش میں لگے ہوئے ہوں گے دوسرے اولیاء اللہ بے فکر بے غم ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں کی تعریف کریں گے جنہوں نے اللہ کے لیے آپس میں محبت کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہر مؤمن کو کچھ نہ کچھ ولایت کا درجہ حاصل ہے اس درجہ کی وجہ سے جنت کا داخلہ مل جائے گا اور جنہوں نے گناہوں کے ذریعے اس ولایت کو مکدر کر دیا ان میں سے جو شخص سزا پانے کے لیے دوزخ میں جائے گا وہ بھی سزا پا کر اسی ولایت کی وجہ سے جو اسے حاصل تھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی ولایت کی لاج رکھتا اور گناہوں سے بچتا جس سے اونچے درجہ کی ولایت حاصل ہوتی تو دوزخ میں نہ بھیجا جاتا۔

اولیاء اللہ کے لیے مزید انعام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ کہ اولیا کے لیے دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اس بشارت سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کی پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خوابیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لیے دیکھ لی جائے۔ (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ مؤمن بندے ایسے خواب دیکھ لیتے ہیں جن میں ان کے لیے خیر وخوبی کی اور حسن خاتمہ کی اور اعمال کے مقبول عند اللہ ہونے کی نیز جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو ایسی خوابیں

دکھائی جاتی ہیں جن میں کسی مؤمن بندے کے لیے بشارت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت کا ایک مصداق بیان فرما دیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایئے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں (اس کی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جبکہ اس نے وہ عمل اللہ کے لیے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مؤمن کے لیے ایک بشارت ہے جو اس دنیا میں اسے مل گئی۔ (رواہ مسلم ص ۳۳۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح بندہ سے لوگوں کا محبت کرنا ان کی تعریف کرنا اور ان کو اچھا سمجھنا اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کسی کو اچھا کہنا یہ اس کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث موت اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس میں موت کے وقت اللہ کی رضا مندی کی بشارت کا ذکر ہے۔ نیز قبر میں بشارت دیئے جانے کا ذکر بھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱٤۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا اور ان کے اعمال کا بہت اچھا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ (ع ۳) میں فرمایا (وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ) اور سورۃ بقرہ (ع ۱۹) (وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ) اور سورۂ بقرہ (ع ۲۸) میں (وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ) فرمایا ہے۔ بشارتیں اس دنیا میں دے دی گئیں لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ اللہ کی باتوں یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں ان کے مطابق انعام دیا جائے گا۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ (یہ بشارت بڑی کامیابی ہے)۔

وَاتْلُ یَا مُحَمَّدُ عَلَيْهِمْ اَیْ کُفَّارِ مَکَّةَ نَبَاَ خبر نُوْحٍ ۘ وَیُبْدَلُ مِنْهُ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ شَقَّ عَلَيْكُمْ مَّقَامِیْ لُبْثِیْ فِیْکُمْ وَ تَذْكِيْرِیْ وَعْظِیْ اِیَّاکُمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ اَعْزِمُوْا عَلٰی اَمْرٍ تَفْعَلُوْنَهٗ بِیْ وَ شُرَكَآءَكُمْ اَلْوَاوُ بِمَعْنٰی مَعَ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً مَسْتُوْرًا بَلْ اَظْهِرُوْهُ وَجَاهِرُوْنِیْ بِهٖ ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ اَمْضُوْا فِیَّ مَا اَرَدْتُّمُوْهُ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ تُمْهِلُوْنَ فَاِنِّیْ لَسْتُ مُبَالِیًا بِکُمْ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ عَنْ تَذْكِیْرِیْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ ثَوَابٍ عَلَيْهِ فَتَوَلَّوْا اِنْ مَا اَجْرِیَ ثَوَابِیْ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَیْ مَنْ مَعَهٗ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

بِالطُّوفَانِ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ فَكَذٰلِكَ نَفْعَلُ مَنْ كَذَّبَكَ ثُمَّ بَعَثْنَا
مِنْ بَعْدِهٖ اَیْ نُوْحٍ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ كَاِبْرَاهِيْمَ وَهُوْدٍ وَصَالِحٍ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ فَمَا
كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ اَیْ قَبْلَ بَعْثِ الرُّسُلِ اِلَيْهِمْ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ نَخْتِمُ عَلٰی قُلُوْبِ
الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ فَلَا تَقْبَلُ الْاِيْمَانَ كَمَا طَبَعْنَا عَلٰی قُلُوْبِ اُولٰٓئِكَ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ قَوْمِهٖ بِاٰيٰتِنَا التِّسْعِ فَاسْتَكْبَرُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ قَالَ مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَسِحْرٌ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَتٰی بِهٖ وَاَبْطَلَ سِحْرَ السَّحَرَةِ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَ
الْاِسْتِفْهَامُ فِی الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا لِتَرُدَّنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ
لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ الْمُلْكُ فِی الْاَرْضِ ؕ اَرْضِ مِصْرَ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ مُصَدِّقِيْنَ وَقَالَ
فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَائِقٍ فِیْ عِلْمِ السِّحْرِ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی بَعْدَ
مَا قَالُوْا لَهٗ اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا حِبَالَهُمْ
وَعِصِيَّهُمْ قَالَ مُوْسٰی مَا اِسْتِفْهَامِيَّةٌ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ بَدَلٌ وَفِیْ قِرَائَةٍ بِهَمْزَةٍ وَاحِدَةٍ
اِخْبَارٌ فَمَا مَوْصُوْلَةٌ مُبْتَدَاٌ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ سَيُمْحِقُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ
ع ۸ ۱۲ ۱۳ يُثْبِتُ وَيُظْهِرُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ بِمَوَاعِيْدِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع

ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ!) انہیں (کفار مکہ کو) نوح کا حال (خبر) سنایئے (آگے بدل واقع ہو رہا ہے) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم پر یہ بات شاق (گراں گزرتی ہے کہ میں تم میں کھڑا ہوں (رہوں) اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ (تم کو) میری نصیحت (وعظ) ہے تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے تم میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو (یعنی جو کچھ کارروائی تم کرنا چاہتے ہو اسے پختہ کرلو) اور اپنے شریکوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو (واؤ مع کے معنی میں ہے) پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہوا ہے اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کہیں کوئی پہلو نظر سے رہ نہ جائے (پوشیدہ بلکہ اسے بھی برملا ظاہر کردو) پھر جو کچھ میرے خلاف کرنا ہے کر گزرو (جو کچھ ارادہ ہوا سے پورا کرلو) اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (دیر نہ کرو، مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے) پھر بھی اگر (میرے وعظ سے) روگردانی کیے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا (کچھ ثمن کہ جس کی وجہ سے تم جان بچاتے پھرتے ہو) میرا معاوضہ (ثواب) تو صرف اللہ کے ذمہ ہے مجھے حکم دیا گیا

ہے کہ اس کے فرمانبرداروں میں شامل رہوں اس پر بھی لوگوں نے انہیں جھٹلایا (اس لیے ہم نے انہیں اوران کی کشتی کے سوار ساتھیوں کو بچالیا اوران (ساتھیوں) کو ہم نے (زمین میں) جانشین بنالیا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں انہیں ہم نے (طوفان میں) غرق کردیا تو دیکھو ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو خبردار کردیئے گئے تھے؟ ان کی تباہی کی نسبت، پس یہی انجام ان لوگوں کا بھی ہوگا جو آپ کو جھٹلائیں گے) پھر نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا (جیسے ابراہیم، ہود، صالح علیہم السلام) وہ ان کے پاس روشن دلیلیں (معجزات) لے کرآئے اس پر بھی ان کی قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں (ان کے پاس پیغمبروں کے آنے سے پہلے) وہ اسے مان لیں، سو دیکھو جو لوگ حد سے گزر جاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں (پس ان کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے) پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور (اس کی قوم کے) درباریوں کی طرف اپنی (نو) نشانیوں سمیت بھیجا مگر انہوں نے (ایمان لانے سے) گھمنڈ کیا اور وہ لوگ جرائم پیشہ تھے پھر جب ہماری جانب سے سچائی ان پر نمودار ہوگئی تو کہنے لگے یقیناً صریح (کھلا ہوا) جادو ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم سچائی کے حق میں جب وہ نمودار ہوگئی ایسی بات کہتے ہو؟ (کہ وہ جادو ہے) کیا یہ جادو ہے؟ (حالانکہ اس کو پیش کرنے والا کامیاب ہوگا اور جادوگروں کا جادو ٹوٹ گیا) حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے؟ (دونوں جگہ استفہام انکاری ہے) انہوں نے کہا کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک (مصر) میں تم دونوں بھائیوں کے لیے سرداری ہو جائے ہم تمہیں ماننے والے (سچا سمجھنے والے) نہیں ہیں۔ فرعون بولا میری سلطنت میں جتنے ماہر جادوگر (جو جادوگری میں یکتائے فن) ہوں سب کو میرے دربار میں حاضر کردو جب جادوگر آ موجود ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (جب کہ جادوگروں نے پوچھا کہ آپ پہل کرتے ہیں یا ہم پہلے کریں؟) تمہیں جو کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو جب انہوں نے ڈال دیا (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم جو کچھ (ما استفہامیہ ہے مبتدا ہے جس کی خبر آگے ہے) بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے (یہ بدل ہے اور ایک قراءت میں ہمزہ کے ساتھ اخبار ہے پس ما موصولہ مبتدا ہے) اور یقیناً اللہ اسے ملیامیٹ (درہم برہم) کردے گا اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا۔ وہ حق کو اپنے وعدے کے مطابق ضرور ثابت (ظاہر) کردکھائے گا اگرچہ مجرم لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَعْزِمُوْا عَلٰی اَمْرٍ: یہ اجماع عزم کے معنی میں ہے۔ اتفاق کے معنی میں نہیں۔

قوله: عَلٰی اَمْرٍ تَفْعَلُوْنَہٗ: عَلٰی کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ عزم علی کے بغیر متعدی نہیں ہوتا۔

قوله: اَلْوَاوُ: یہ مع کے معنی میں ہے بعد والا اسم مفعول معہ ہے۔

قوله: فَتَوَلَّوْا: یعنی اس پر تم سے کوئی مزدوری کا مطالبہ نہیں کرتا کہ جس کے بوجھ کی وجہ سے تم منہ موڑو۔

قوله: الفینه: مفرد لاکر اشارہ کیا کہ فلک یہاں مفرد ہے نہ کہ جمع۔

کی طرف اشارہ کیا۔

قوله: قَبْلَ بَعْثِ الرُّسُلِ :اس میں قبل کے معنی ہونے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا۔

قوله: اَنَّہ لَسِحْرٌ:اس میں اشارہ ہے کہ ان کے قول کا مقولہ محذوف ہے ماقبل اس کا قرینہ ہے نہ کہ اَسِحْرٌ هٰذَا

قوله: اَلْمِلْكُ :اَلْكِبْرِيَآءُ کی بادشاہت سے تفسیر فِي الْاَرْضِ کے قرینہ کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ عموماً بادشاہ متکبر ہوتے ہیں۔

قوله: زَائِقٍ فِيْ عِلْمِ :فِيْ عِلْي کے معنی میں ہے جو اظہار مبالغہ کے لیے ہے۔

قوله: بَدَلٌ :اَلسِّحْرُ یہ جِئْتُمْ بِهٖ سے حذف مبتداء کے ساتھ بدل ہے تقدیر یہ ہے اھو سحر

قوله: :ابوعمرو کی قراءت میں اَلسِّحْرُ یہ دو ہمزہ سے ہوگا ما استفہامیہ اور السحر یہ ما استفہامیہ کا بدل بنے گا معنی یہ ہوگا تم کیا لائے ہو؟ کیا وہ جادو ہے؟

دوسرے قراء کے ہاں ایک ہمزہ ہے ما موصولہ اور یہ جئتم صلہ مل کر مبتداء اور السحر اس کی خبر ہے۔ جملہ فریہ ہوا یعنی جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے نہ وہ جو کہ میں لایا ہوں۔

تفسیر مقبولین

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ....

نوح علیہ السلام کی قوم کا کردار:

اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دے کہ ان کا اور ان کی قوم کا کیا حشر ہوا جس طرح کفار مکہ تجھے جھٹلاتے اور ستاتے ہیں، قوم نوح نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ بالآخر سب کے سب غرق کر دیئے گئے، سارے کافر دریا برد ہو گئے۔ پس انہیں بھی خبردار رہنا چاہیے اور میری پکڑ سے بے خوف نہ ہونا چاہئے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مرتبہ ان سے صاف فرما دیا کہ اگر تم پر یہ گراں گزرتا ہے کہ میں تم میں رہتا ہوں اور تمہیں اللہ کی باتیں سنا رہا ہوں، تم اس سے چڑتے ہو اور مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو تو سنو میں صاف کہتا ہوں کہ میں تم سے نڈر ہوں ۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ میں تمہیں کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ میں تم سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ تم سے جو ہو سکے کر لو۔ میرا جو بگاڑ سکو بگاڑ لو۔ تم اپنے ساتھ اپنے شریکوں اور اپنے جھوٹے معبودوں کو بھی بلا لو اور مل جل کر مشورے کر کے بات کھول کر پوری قوت کے ساتھ مجھ پر حملہ کرو، تمہیں قسم ہے جو میرا بگاڑ سکتے ہو اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو، مجھے بالکل مہلت نہ دو، اچانک گھیر لو، میں بالکل بے خوف ہوں، اس لیے کہ تمہاری روش کو میں باطل جانتا ہوں۔ میں حق پر ہوں، حق کا ساتھی اللہ ہوتا ہے، میرا بھروسہ اسی کی عظیم الشان ذات پر ہے، مجھے اس کی قدرت کی بڑائی معلوم ہے۔ یہی حضرت ہود نے فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جس جس کی بھی تم پوجا کر رہے ہو۔ میں تم سے اور ان سے بالکل بری ہوں، خوب کان کھول کر سن لو، اللہ بھی سن رہا ہے تم سب مل کر میرے خلاف کوشش کرو، میں تو تم سے مہلت بھی نہیں مانگتا۔ میرا بھروسہ اپنے اور تمہارے حقیقی مربی پر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں اگر تم اب بھی مجھے جھٹلاؤ میری اطاعت سے منہ پھیر لو تو میرا اجر ضائع نہیں جائے گا۔ کیونکہ میرا اجر دینے والا میرا مربی ہے، مجھے تم سے کچھ نہیں لینا۔ میری خیر خواہی، میری تبلیغ کسی معاوضے کی بنا پر نہیں، مجھے تو جو اللہ کا حکم ہے میں اس کی بجا آوری میں لگا ہوا ہوں، مجھے اس کی طرف سے مسلمان ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سو الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔ اللہ کا پورا فرمان بردار ہوں۔ تمام نبیوں کا دین اول سے آخر تک صرف اسلام ہی رہا ہے۔ گو احکامات میں قدرے اختلاف رہا ہو۔ جیسے فرمان ہر ایک کے لیے راہ اور طریقہ ہے دیکھئے یہ نوح علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں یہ ہیں ابراہیم علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں۔ اللہ ان سے فرماتا ہے اسلام لا۔ وہ جواب دیتے ہیں رب العلمین کے لیے میں اسلام لایا۔ اسی کی وصیت آپ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو کرتے ہیں کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو پسند فرمالیا ہے۔ خبردار یاد رکھنا مسلم ہونے کی حالت میں ہی موت آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی دعا میں فرماتے ہیں اللہ مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ اگر تم مسلمان ہو تو اللہ پر توکل کرو۔ آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کرنے والے جادوگر اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں تو ہمیں مسلمان اٹھانا بلقیس کہتی ہیں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوتی ہوں۔ قرآن فرماتا ہے کہ تورات کے مطابق وہ انبیاء حکم فرماتے ہیں جو مسلمان ہیں۔ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں آپ گواہ رہیے ہم مسلمان ہیں۔ خاتم الرسل سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع کی دعا کے آخر میں فرماتے ہیں۔ میں اول مسلمان ہوں یعنی اس امت میں۔ ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم انبیاء ایسے ہیں جیسے ایک باپ کی اولاد دین ایک اور بعض بعض احکام جداگانہ۔ پس توحید میں سب یکساں ہیں گو فروعی احکام میں علیحدگی ہو۔ جیسے وہ بھائی جن کا باپ ایک ہو مائیں جدا جدا ہوں۔ پھر فرماتا ہے قوم نوح نے نوح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا بلکہ انہیں جھوٹا کہا آخر ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ نوح نبی علیہ السلام کو مع ایمانداروں کے اس بدترین عذاب سے ہم نے صاف بچالیا۔ کشتی میں سوار کر کے انہیں طوفان سے محفوظ رکھ لیا۔ وہی وہ زمین پر باقی رہے پس ہماری اس قدرت کو دیکھ لے کہ کس طرح ظالموں کا نام ونشان مٹا دیا اور کس طرح مؤمنوں کو بچالیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا ....

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور انکے مقابلہ میں جادوگروں کا شکست کھانا:

ان آیات میں اول تو اجمالی طور پر ان پیغمبروں کی آمد اور تبلیغ اور قوموں کی تکذیب کا حال بیان فرمایا جو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تھے۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو پہلے سے جس کفر پر جمے ہوئے تھے اسی پر جمے رہے اور حق کو قبول نہ کیا ان لوگوں کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر لگادی گئی۔ لہٰذا حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا جو ہماری آیات ومعجزات لے کر پہنچے جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس ان دونوں حضرات نے حق پیش کیا اور توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑنے کا حکم فرمایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا' جیسا کہ سورۂ مؤمنون میں ان کا قول نقل فرمایا ہے: (اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ) (کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے) یہ لوگ پہلے سے مجرم تھے کافر تھے اور کفر پر ہی پر جمے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کی ان سے کہا کہ اپنے رسول ہونے کی نشانی پیش کرو انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو بہت زیادہ سفید تھا اور اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی تو وہ اژدھا بن گئی اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم حق کو جادو کہتے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا یہ جادو ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ تو دنیا میں ذلیل رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے تباہی ہے اور خاص کر جو شخص جادو کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرے وہ تو اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ بات بیان فرمائی کہ دیکھو میں تو کامیاب ہوں اور کامیاب رہوں گا اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے گا وہ ناکام ہوگا۔

فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے جی ہاں ہم نے سمجھ لیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے اس سے تم ہمیں ہٹا دو اور جب ہم تم پر ایمان لے آئیں تو پھر زمین میں تمہارا ہی حکم چلے اور تمہیں ہی سرداری مل جائے اور تم ہی صاحب اقتدار ہو جاؤ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اہل دنیا' دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور جس طرح خود دنیا کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی طالب دنیا ہے۔ اور اس کی ساری محنت کوشش اس لیے ہے کہ اسے ملک مل جائے۔ آخرت کی بڑائی اور بلندی ان کے سامنے ہوتی ہی نہیں۔ فرعون نے اور اس کی جماعت نے موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) سے یہی کہا کہ تم دنیا کے طالب ہو سرزمین مصر کی حکومت چاہتے ہو (والعیاذ باللہ)۔

چونکہ ان کی لاٹھی والا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے یوں کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اس لیے جادو کا مقابلہ کرانے کے لیے جادوگروں کو طلب کرنے کی سوجھی۔ فرعون نے کہا میری قلم رو میں جتنے بھی ماہر جادوگر ہیں سب کو بلالو۔ چنانچہ جادوگر بلائے گئے اور مقابلے کی بات چلی جب وہ لوگ سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ بولئے آپ اپنی لاٹھی ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں جو ان کے جادو کی وجہ سے دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اژدھا بن گئی۔ اور ان کی ڈالی ہوئی چیزوں کو اس نے چٹ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ دیکھو تم جو کچھ لے کر آئے ہو جادو ہے اور میں جو کچھ لے کر آیا ہوں وہ جادو نہیں ہے۔ فرعون اسے جادو کہہ رہا ہے۔ بلاشبہ ابھی ابھی اللہ تمہارے جادو کو باطل قرار دے گا۔ چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ جادوگر اپنی جادوگری میں ناکام ہوئے پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا) اللہ کے نبی کے مقابلہ میں جو شخص آئے گا وہ فسادی ہوگا وہ مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا۔ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین کو یہ ناگوار ہو) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ کا وعدہ تھا اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وہ پورا ہوا۔ فرعون اور فرعونیوں کو اور جادوگروں کو شکست فاش ہوئی۔ فالحمد للہ علی ما قضی۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ طائفۃ مِّنْ اَولادِ قَوْمِهٖ ای فرعون عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ

يَفْتِنَهُمْ ۖ يصرفهم عن دينهم بتعذيبه وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ مُتَكَبِّر فِي الْاَرْضِ ۚ ارض مصر وَ اِنَّهٗ
لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ المتجاوزين الحد بادعاء الربوبية وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ
فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ اى لا تظهرهم علينا فيظنوا انهم على الحق فيفتتنوا بنا وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ اتخذا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ
قِبْلَةً مصلى تصلون فيه لتأمنوا من الخوف وكان فرعون منعهم من الصلوة وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۖ
اتموها وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ بالنصر والجنة وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ
اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا اٰتيتهم ذلك لِيُضِلُّوْا فى عاقبته عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ دينك رَبَّنَا اطْمِسْ
عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ امسخها وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اطبع عليها واستوثق فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ المؤلم دعا عليهم وامن هرون على دعائه قَالَ تعالى قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا
فمسخت اموالهم حجارة ولم يؤمن فرعون حتى ادركه الغرق فَاسْتَقِيْمَا على الرسالة والدعوة
الى ان ياتيهم العذاب وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ فى استعجال قضائى روى انه مكث
بعدها اربعين سنة وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ لحقهم فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ۖ
مفعول له حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ اى بانه وفى قراءة بالكسر استئنافا لَآ اِلٰهَ اِلَّا
الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ كرره ليقبل منه فلم يقبل ودس جبرئيل فى
فيه من حمأة البحر مخافة ان تناله الرحمة وقال له آٰلْـٰٔنَ تؤمن وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ بضلالك واضلالك عن الايمان فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ نخرجك من البحر بِبَدَنِكَ
جسدك الذى لا روح فيه لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ بعدك اٰيَةً ۖ عبرة فيعرفوا عبوديتك ولا يقدموا على
مثل فعلك وعن ابن عباس ان بعض بنى اسرائيل شكوا فى موته فاخرج لهم ليروه وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

ع ۱۴ النَّاسِ اَیْ اَھْلِ مَکَّۃَ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ لَا یَعْتَبِرُوْنَ بِھَا

ترجمہ: پس اس پر بھی موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر تھوڑے آدمی ایمان لاسکے جو (فرعون) کی قوم کے (نوجوانوں) میں سے تھے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں (کسی عذاب میں مبتلا کر کے ہمیں مذہب سے نہ پھیر لیں) اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (مغرور) بادشاہ تھا اور بالکل ہی ہاتھ چھوڑ رکھا تھا (خدائی کا دعویٰ کر کے حد سے بڑھ گیا تھا) اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم سچ مچ اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہو تو صرف اسی پر بھروسی کرو انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، پروردگار! ہمیں اس ظالم طبقہ کے لیے تختہ مشق مت بنا (یعنی ہم پر ان کو غلبہ نہ دے کہ انہیں یہ گمان کرنے کا موقع ملے کہ وہ حق پر ہیں جس سے وہ ہمیں فتنہ میں مبتلا کردیں) اور اپنی رحمت کے صدقے ہمیں ان کافروں کے پنجہ سے نجات بخش، ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو (نماز کے لیے مساجد بناؤ تاکہ خوف سے مامون رہو فرعون نے انہیں نماز پڑھنے سے منع کردیا تھا اور نماز قائم کرو (پوری کرو) اور ایمان لانے والوں کو (نصرت اور جنت کی) بشارت دو اور موسیٰ علیہ السلام نے دعاء مانگی خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور طرح طرح کے مال و دولت بخشے ہیں تو خدایا! کیا (آپ نے انہیں یہ سب کچھ اس لیے دیا ہے کہ) تیری راہ (دین) سے لوگوں کو (انجام کار) بھٹکائیں، خدایا! ان کے مال و دولت کو مٹا دے (محو کردے) اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے (مہر لگا کر سخت کردے) کہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک اپنے سامنے دردناک عذاب نہ دیکھ لیں (جو تکلیف دہ ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے رہے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) تم دونوں کی دعاء قبول کرلی ہے (چنانچہ ان کا مال تو پتھروں کی صورت میں تبدیل کردیا اور فرعون ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے ڈوبنے کا وقت آ گیا) پس اب تم دونوں ثابت رہو (رسالت اور پیغام رسالت پر یہاں تک کہ ان پر عذاب الٰہی آ جائے) اور ان کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے (میرے فیصلے کے متعلق جو جلد بازی مچانے کو نہیں جانتے، روایت ہے کہ اس کے بعد چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے رہے یعنی قبولیت دعاء میں چالیس سال لگ گئے) پھر ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار اتار دیا، یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا (پیچھے لگ لیے) ظلم و شرارت کرنے کے لیے (یہ مفعول لہ ہے) مگر جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ فرعون ڈوبنے لگا تو اس وقت پکار اٹھا میں یقین کرتا ہوں کہ (ایک قراءت میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے) اس کی ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی فرمانبرداری میں داخل ہوتا ہوں (اس بات کو اس لیے دہرایا کہ شاید اس کا ایمان قبول ہوجائے مگر قبول نہیں ہوا اور جبرئیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رحمت الٰہی اسے نواز دے اور اس سے کہنے لگے) ہاں اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور دنیا کے فساد کرنے والوں میں ایک فساد کرنے والا تھا (خود گمراہ رہا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیے رکھا) پس آج ہم بچا لے رہے ہیں (سمندر سے نکال رہے ہیں تیری لاش (بے جان جسم) کو تاکہ (تیرے بعد) آنے والوں کے لیے سامان عبرت ہو (نشانی ہو جس سے تیرے بندے ہونے کو

جان سکیں اور تیری جیسی حرکت نہ کرسکیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ بنی اسرائیل کو چونکہ اس کے مرنے میں شبہ تھا اس لیے لاش ظاہر کردی گئی تاکہ وہ بچشم خود دیکھ لیں اور اکثر (مکہ کے) لوگ ہماری نشانیوں سے یکسر غافل رہتے ہیں۔ (ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰى: یعنی آپ کے ابتداء نبوت میں۔

قوله: فِرْعَوْنَ: ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف۔

قوله: اَرْضَ مِصْرَ: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ لام عہد خارجی کا ہے۔

قوله: مُصَلًّى: یہاں ذکر قبلہ کا کر کے مراد مجازاً توجہ کا مقام مراد لیا گیا ہے۔

قوله: فِیْ عَاقِبَتِہٖ: اس سے اشارہ ہے کہ لام عاقبت کا ہے نہ کہ علت ہے۔

قوله: دِیْنِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ سبیل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اس لیے وہی تو اس کی بارگاہ تک پہنچانے والا ہے۔

قوله: لَحِقَهُمْ: یہ تفسیر اس محاورہ عرب کے مطابق کی کہ میں نے اسکا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس کے پیچھے لگ کر اس کو جالیا۔

قوله: مَفْعُوْلٌ لَہٗ: اس سے وضاحت کی یہ حال کی وجہ سے منصوب نہیں بلکہ مَفْعُوْلٌ لَہٗ ہونے کی وجہ سے ہے۔

قوله: بِالْكَسْرِ اِسْتِیْنَافًا: یہ امنت کی تفسیر ہونے کی وجہ سے اس کا بدل ہے اور جملہ مستانفہ ہے۔

قوله: آلْئٰنَ تُؤْمِنُ: آلْئٰنَ کا عامل محذوف ہے اور ماسبق اس کا قرینہ ہے عَصَیْتَ نہیں۔

قوله: بِضَلَالِكَ: کافر کا جب کوئی جرم گنائیں فسق وغیرہ تو وہ اس کی انتہائی سرکشی مراد ہوتی ہے۔

قوله: بِبَدَنِكَ: یہ حال کی جگہ ہے اس وقت تیرے بے روح جسم کو بچائیں گے۔

قوله: لِیَرَوْہُ: مطلب یہ ہوا کہ پانی پر تیرنا یہ اس کی موت کا نشان ہوگا کیونکہ بعض اسرائیلیوں نے اس کی موت سے انکار کیا تھا۔

قوله: لَا یَعْتَبِرُوْنَ بِهَا: اس سے حقیقی غفلت مراد نہیں۔

تفسیر مقبولین

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ ....

بزدلی ایمان کے درمیان دیوار بن گئی:

ان زبردست روشن دلیلوں کے اور معجزوں کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت کم فرعونی ایمان لا سکے۔ کیونکہ ان کے دل میں فرعون کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ خبیث رعب دبدبہ والا بھی تھا اور ترقی پر بھی تھا۔ حق ظاہر ہو گیا تھا لیکن کسی کو اس کی مخالفت کی جرات نہ تھی ہر ایک کا خوف تھا کہ اگر آج میں ایمان لے آیا تو کل اس کی سخت سزاؤں سے مجبور ہو کر دین حق چھوڑنا پڑے گا۔ پس بہت سے ایسے جانباز موحد جنہوں نے اس کی سلطنت اور سزا کی کوئی پرواہ نہ کی اور حق کے سامنے سر جھکا دیا۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر فرعون کی بیوی تھی اس کی آل کا ایک اور شخص تھا جو فرعون کا خزانچی تھا۔ اس کی بیوہ تھی وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے حضرت موسیٰ پر بنی اسرائیل کی تھوڑی سی تعداد کا ایمان لانا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ذریت سے مراد قلیل ہے یعنی بہت کم لوگ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اولاد بھی مراد ہے۔ یعنی جب حضرت موسیٰ نبی بن کر آئے اس وقت جو لوگ ہیں ان کی موت کے بعد ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ ایمان لائے۔ امام ابن جریر تو قول مجاہد کو پسند فرماتے ہیں کہ قومہ میں ضمیر کا مرجع حضرت موسیٰ ہیں کیونکہ یہی نام اس سے قریب ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ ذریت کے لفظ کا تقاضا جوان اور کم عمر لوگ ہیں اور بنو اسرائیل تو سب کے سب مؤمن تھے جیسا کہ مشہور ہے یہ تو حضرت موسیٰ کے آنے کی خوشیاں منا رہے تھے ان کی کتابوں میں موجود تھا کہ اس طرح نبی اللہ آئیں گے اور ان کے ہاتھوں انہیں فرعون کی غلامی کی ذلت سے نجات ملے گی ان کی کتابوں کی یہی بات تو فرعون کے ہوش و حواس گم کیے ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ کی دشمنی پر کمر کس لی تھی اور آپ کی نبوت کے ظاہر ہونے سے پہلے اور آپ کے آنے سے پہلے اور آپ کے آجانے کے بعد ہم تو اس کے ہاتھوں بہت ہی تنگ کیے گئے ہیں۔ آپ نے انہیں تسلی دی کہ جلدی نہ کرو۔ اللہ تمہارے دشمن کا ناس کرے گا، تمہیں ملک کا مالک بنائے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ پس یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آیت سے مراد قوم موسیٰ کی نئی نسل ہو۔ اور یہ کہ بنو اسرائیل میں سے سوائے قارون کے اور کوئی دین کا چھوڑنے والا ایسا نہ تھا جس کے فتنے میں پڑ جانے کا خوف ہو۔ قارون گو قوم موسیٰ میں سے تھا لیکن وہ باغی تھا فرعون کا دوست تھا۔ اس کے حاشیہ نشینوں میں تھا، اس سے گہرے تعلق رکھتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ملئھم میں ضمیر فرعون کی طرف عائد ہے اور بطور اس کے تابعداری کرنے والوں کی زیادتی کے ضمیر جمع کی لائی گئی ہے۔ یا یہ کہ فرعون سے پہلے لفظ ال جو مضاف تھا محذوف کر دیا گیا ہے۔ اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام رکھ دیا ہے۔ ان کا قول بھی بہت دور کا ہے۔ گو امام ابن جریر نے بعض نحویوں سے بھی ان دونوں اقوال کی حکایت کی ہے اور اس سے اگلی آیت جو آرہی ہے وہ بھی دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل سب مؤمن تھے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ ....

آیات مذکورہ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل وقوم فرعون کے کچھ حالات اور ان سے متعلقہ احکام مذکور ہیں پہلی آیت میں ایک خاص واقعہ سے متعلق حکم ہے وہ یہ کہ بنی اسرائیل جو دین موسوی پر عامل تھے یہ سب عام عادت کے مطابق نمازیں صرف اپنے صومعوں (عبادت گاہوں) میں ادا کرتے تھے، اور پچھلی امتوں کے لیے حکم بھی یہی تھا کہ ان کی نماز اپنے گھروں میں ادا نہیں ہوتی تھی، یہ خصوصی سہولت امت محمدیہ کو عطا ہوئی کہ ہر جگہ جہاں چاہیں نماز ادا کرلیں، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اپنی چھ خصوصیات میں سے ایک یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے کہ نماز ہر جگہ ادا ہو جاتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ فرض نمازوں کا مسجدوں میں ہی ادا کرنا جماعت کے ساتھ سنت مؤکدہ قرار دیا گیا، اور نفلی نمازوں کا گھروں میں ادا کرنا افضل ہے، رسول کریم ﷺ کا عمل اسی پر تھا کہ مسجد میں صرف فرض نماز پڑھتے تھے، سنن اور نوافل گھر میں جا کر ادا فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے مذہب کے مطابق اس کے پابند تھے کہ نماز صرف اپنے عبادت خانوں میں ادا کریں، فرعون جو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتا اور ان پر ظلم ڈھاتا تھا، اس نے یہ دیکھ کر ان کے تمام عبادت خانوں کو مسمار کر دیا تا کہ یہ اپنے مذہب کے مطابق نماز نہ پڑھ سکیں، اس پر حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دونوں پیغمبروں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو وہ حکم دیا جو اس آیت میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے مصر میں مکان نئے بنائے جائیں اور ان مکانات کا رخ قبلہ کی طرف ہو، تا کہ وہ انہی سکونتی مکانات میں نماز ادا کر سکیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں میں اگرچہ عام حکم یہی تھا کہ نمازیں صرف عبادت خانوں میں پڑھی جائیں، لیکن اس خاص حادثہ کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لیے اس کی عارضی اجازت دے دی گئی کہ گھروں ہی میں نماز ادا کرلیا کریں اور اپنے گھروں کا رخ قبلہ کی طرف سیدھا رکھیں، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس ضرورت کے وقت بھی ان کو مخصوص گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی جن کا رخ قبلہ کی طرف کیا گیا تھا، عام گھروں اور عام مقامات پر نماز کی اجازت اس وقت بھی نہیں تھی، جس طرح امت محمدیہ کو شہر اور جنگل کے ہر مقام پر نماز ادا کرنے کی سہولت حاصل ہے۔ (روح)

یہاں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں بنی اسرائیل کو جس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد کون سا قبلہ ہے، کعبہ یا بیت المقدس؟ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کعبہ ہے اور کعبہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کا قبلہ تھا۔ (قرطبی و روح) بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ تمام انبیاء سابقین کا قبلہ اصل میں کعبہ ہی تھا۔

اور جس حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ یہود اپنی نمازوں میں صخرہ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے ہیں اس کو اس زمانہ پر محمول کیا جائے گا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے، یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ قیام مصر کے زمانہ میں آپ کا قبلہ بیت اللہ ہی ہو۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لیے استقبال قبلہ کی شرط انبیاء سابقین کے زمانہ میں بھی تھی، اسی طرح طہارت اور ستر عورت کا تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں شرط نماز ہونا بھی معتبر روایات سے ثابت ہے۔

گھروں کو قبلہ رخ بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان میں نمازیں ادا کی جائیں اس لیے اس کے بعد اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا حکم دے کر یہ ہدایت کر دی گئی کہ اگر فرعون عبادت گاہوں میں نماز ادا کرنے سے روکتا ہے تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی اپنے

گھروں میں ادا کرو۔

آخر آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرکے حکم دیا گیا کہ مؤمنین کو آپ خوشخبری سنا دیں کہ ان کا مقصود پورا ہوگا، دشمن پر ان کو غلبہ نصیب ہوگا اور آخرت میں جنت ملے گی۔ (روح)

آیت کے شروع میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو بصیغہ تثنیہ خطاب کیا گیا کیونکہ مکانات قبلہ رخ کرکے ان میں نماز پڑھنے کی اجازت انہیں کا کام تھا، اس کے بعد بصیغہ جمع سب بنی اسرائیل کو شامل کرکے اقامت نماز کا حکم دیا گیا کیونکہ اس حکم میں پیغمبر اور امت سب داخل ہیں، آخر میں بشارت دینے کا حکم خاص موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا کیونکہ اصل صاحب شریعت نبی آپ ہی تھے، بشارت جنت دینے کا آپ ہی کو حق تھا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ....

فرعون کی لاش کی حفاظت نشان عبرت کے طور پر:

ارشاد فرمایا گیا کہ اب ہم تیری لاش کو ہی بچالیں گے تاکہ تو نشان عبرت بن جائے اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے کہ یہ ہے انجام اس شخص کا جو کہ (اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى) کا دعویدار تھا تاکہ اس طرح ایک طرف تو بنی اسرائیل کو اس کی موت کا یقین ہو جائے جو کہ صدیوں سے اس کی غلامی میں جکڑے ہوئے طرح طرح سے اس کے ظلم و ستم سہہ رہے تھے کہ ان کو ایسے جابر ظالم کے مرنے کا یقین ہی نہیں آرہا تھا (ابن کثیر وغیرہ) اور دوسری طرف خود اس کی اپنی قوم قبط کی آنکھیں بھی کھل جائیں کہ جس کی وہ پوجا کر رہے تھے اس کا آخری انجام یہ ہے۔ اسی لیے حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ (ننجیک) یہاں پر نجوہ سے ماخوذ و مشتق ہے۔ جس کے معنی بلند جگہ کے آتے ہیں۔ یعنی اس کی لاش کو اس کی موت کے بعد ہم نے سمندر کے کنارے ایک اونچی جگہ پر ڈال دیا تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لیے نشان عبرت بن جائے۔ چنانچہ وہ جگہ جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر آج تک موجود اور معروف ہے جہاں فرعون کی لاش پڑی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک گرم پانی کا ایک چشمہ بھی موجود ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے اور علاقے کے باشندے اسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہیں پڑی ہوئی ملی تھی۔ سو اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون ہے جس کا نام تاریخی روایات اور اثریات میں منفتہ ذکر کیا گیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے میوزیم میں موجود ہے جس کو حنوط کے ذریعے محفوظ کرلیا گیا تھا۔ 1907ء میں حفریات اور آثار قدیمہ کے ایک ماہر مسٹر ایسٹ سمتھ نے جب اس کی ممی پر سے پٹیاں کھولیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کہ اس کے کھارے پانی میں غرق ہونے کی ایک کھلی علامت تھی۔ بہر کیف فرعون کی غرقابی کے بعد اس کی لاش کو محفوظ رکھ دیا گیا تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لیے عبرت بن سکے۔ اور دنیا دیکھ سکے کہ اپنی خدائی کا دعویدار کس انجام سے دوچار ہوا؟ (تفسیر مدنی کبیر)

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا اَنْزَلْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ مَنْزِلَ كَرَامَةٍ وَهُوَ الشَّامُ وَمِصْرُ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝٩٣ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ بِإِنْجَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعْذِيبِ الْكَافِرِينَ فَإِنْ كُنْتَ
يَا مُحَمَّدُ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْقَصَصِ فَرْضًا فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ لِتَّوْرٰةَ مِنْ
قَبْلِكَ ۚ فَإِنَّهُ ثَابِتٌ عِنْدَهُمْ يُخْبِرُونَكَ بِصِدْقِهِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَشُكُّ وَلَا أَسْأَلُ لَقَدْ جَاءَكَ
الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝٩٤ الشَّاكِّينَ فِيهِ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ
فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝٩٥ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ وَجَبَتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بِالْعَذَابِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٩٦ وَلَوْ
جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝٩٧ فَلَا يَنْفَعُهُمْ حِينَئِذٍ فَلَوْلَا فَهَلَّا كَانَتْ قَرْيَةٌ أُرِيدَ
أَهْلُهَا آمَنَتْ قَبْلَ نُزُولِ الْعَذَابِ بِهَا فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا لٰكِنْ قَوْمَ يُونُسَ ۖ لَمَّا آمَنُوا عِنْدَ رُؤْيَةِ
أَمَارَاتِ الْعَذَابِ الْمَوْعُودِ وَلَمْ يُؤَخِّرُوا إِلٰى حُلُولِهِ كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
مَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِينٍ ۝٩٨ انْقِضَاءِ آجَالِهِمْ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۖ أَفَأَنْتَ
تُكْرِهُ النَّاسَ بِمَا لَمْ يَشَأِ اللّٰهُ مِنْهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝٩٩ لَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا
بِإِذْنِ اللّٰهِ ۖ بِإِرَادَتِهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ الْعَذَابَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ يَتَدَبَّرُونَ آيَاتِ اللّٰهِ قُلِ
لِكُفَّارِ مَكَّةَ انْظُرُوا مَاذَا أَيِ الَّذِي فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ مِنَ الْآيَاتِ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ
مَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ جَمْعُ نَذِيرٍ أَيِ الرُّسُلُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فِي عِلْمِ اللّٰهِ أَيْ مَا تَنْفَعُهُمْ
فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ بِتَكْذِيبِكَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ مِنَ الْأُمَمِ أَيْ مِثْلَ وَقَائِعِهِمْ مِنَ
الْعَذَابِ قُلْ فَانْتَظِرُوا ذٰلِكَ إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ
الْمَاضِيَةِ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْعَذَابِ كَذٰلِكَ ۚ الْإِنْجَاءِ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ النَّبِيَّ ع ۱۰ ۱۱ ۱۵
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ حِينَ تَعْذِيبِ الْمُشْرِكِينَ

ترجمہ: اور جگہ دی (اتارا) ہم نے بنی اسرائیل کو اچھے مقام پر (عزت کی جگہ میں اور وہ شام اور مصر کا خطہ ہے) اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا پھر جب بھی انہوں نے اختلاف کیا (کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر اختیار کیا) تو علم کی روشنی ضرور ان پر نمودار ہوگئی قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن

میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں (یعنی دین کی بات کہ اہل ایمان کی نجات ہوگیا ور اہل کفر کو عذاب) اور اگر آپ کو (اے
محمد ﷺ کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے آپ پر (قصے) اتارے ہیں (بالفرض) تو آپ ان لوگوں سے پوچھ کر دیکھئے جو
آپ سے پہلے کتاب (تورات) پڑھتے ہیں کیونکہ یہ واقعات ان کے یہاں ثابت ہیں ان کے سچ ہونے کی آپ کو یہ اطلاع
دیں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ مجھے شک ہے اور نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت کہ یقیناً سچائی ہے جو آپ کے پروردگار کی
طرف سے آپ پر اتری ہے آپ ہرگز شک (شبہ) کرنے والوں میں نہ ہوں اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی
نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے جن لوگوں پر آپ کے پروردگار کا فرمان (عذاب) صادق آ گیا (ثابت
ہوگیا) وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے اگر ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آ جائیں جب بھی یہ نہ مانیں گے یہاں تک کہ وہ
دردناک عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں (مگر اس وقت ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوگا) پھر کیوں نہ کوئی بستی (اہل بستی مراد
ہیں) ایسی نکلی کہ یقین کر لیتی (اس عذاب پر نازل ہونے سے پہلے) اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی بجز یونس علیہ السلام
کی قوم کے کہ جب یہ لوگ ایمان لے آئے (مقررہ عذاب کی علامات دیکھتے ہی اور عذاب اترنے کا انتظار انہوں نے نہیں
کیا) تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب ان پر سے ٹال دیا جو دنیاوی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک زندگی
کے سروسامان سے فائدہ اٹھانے کی مہلت دے دی (مدت زندگی ختم ہونے تک) اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی
روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا آپ ان پر زبردستی کر سکتے ہیں (جب کہ اللہ ان سے نہ چاہے) کہ وہ
ایمان ہی لے آئیں (ہرگز نہیں) حالانکہ کسی کا ایمان لانا اللہ کے حکم (ارادہ) کے بغیر اس کے اختیار میں نہیں اور اللہ (عذاب
کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے (اللہ کی نشانیوں میں غور نہیں کرتے) آپ (کفار مکہ سے) کہئے کہ جو
کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (وہ نشانیاں جو اللہ کی یکتائی پر دلالت کرنے والی ہیں) ان سب پر نظر ڈالو لیکن
جو لوگ (علم الٰہی) میں ایمان لانے والے نہیں ہوتے ان کے لیے نہ تو نشانیاں ہی کچھ سودمند ہوتی ہیں اور نہ دھمکیاں (نذر
نذیر کی جمع ہے مراد رسول ہے) ہی فائدہ پہنچاتی ہیں (انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا) پھر اگر یہ لوگ (آپ کو جھٹلا کر) صرف ان
لوگوں کے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (سابقہ امتوں میں یعنی جیسے ان پر عذاب واقع ہوا ہے)
تو کہہ دو! اچھا (اس کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں پھر ہم بچا لیتے تھے (یہ مضارع
ہے ماضی کا حالت کی حکایت کے لیے) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (عذاب سے) اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری
ٹھہرا لیا ہے کہ سب ایمان والوں کو بچا لیں (نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو مشرکین کو تکلیفیں پہنچاتے وقت)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِاَنْ اٰمَنَ: بعض لوگ تورات پر یا محمد ﷺ پر ایمان لائے۔
قوله: مِنَ الْقِصَصِ فَرْضًا: یہ بالفرض والتقدیر کیا گیا ورنہ ان کی ذات تو شک سے بری الذمہ ہے۔
قوله: بِالْعَذَابِ: اس قید سے اشارہ کیا کہ ان کی موت کفر پر آئے گی۔

قولہ: اُرِیْدَ اَهْلُهَا :اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قولہ: فَنَفَعَهَا اِیْمَانُهَا :اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبول فرمائیں اور عذاب کو ہٹادیں۔

قولہ: نُزُوْلِ الْعَذَابِ بِهَا :ان کی طرف عذاب کا بھیجنا مؤخر نہ کیا جیسا فرعون کے لیے مؤخر کیا۔

قولہ: لٰكِنَّ :الا کا یہ معنی کر کے اشارہ کیا یہ مستثنیٰ منقطع ہے، متصل نہیں۔

قولہ: لَا :استفہام انکاری ہے۔

قولہ: فِيْ عِلْمِ اللهِ :اس قید سے اشارہ کیا کہ علم الٰہی میں جو ایمان نہ لائیں گے وہ مراد ہیں نہ کہ جو فی الحال ایمان نہ لائیں گے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ....

تتمہ قصہ موسویہ:

ربط: یہ قصہ موسویہ کا تتمہ اور خاتمہ ہے جس میں اول اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمت عظمیٰ یاد دلائی کہ ہم نے تم کو کیسے موذی سے نجات دی اور ملک مصر اور ملک شام کا تم کو وارث بنایا اور پھر بنی اسرائیل کی شکایت کی کہ تم نے کفران نعمت کیا اور علم آجانے کے بعد تم نے اختلاف کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارنے اور فرعون کے غرق کرنے کے بعد ایک اچھے ٹھکانہ پر جا بٹھایا یعنی ان کو ملک شام میں آباد کر دیا اور سرزمین مصر کا مالک بنا دیا اور ہم نے پاکیزہ چیزیں ان کو کھانے کو دیں۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی ذلت کو عزت میں بدل دیا۔ اور ان کے فقر و تنگدستی کو مال و دولت سے بدل دیا ان کو چاہئے تھا کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی محبت اور اطاعت میں غرق ہو جاتے کہ اس نے دشمن کی عزت و دولت اس سے چھین کر تم کو دے دی لیکن یہ تو اختلاف میں بڑھ گئے پس انہوں نے نہیں اختلاف ڈالا دین حق میں یعنی اپنے دین کے بارے میں یا آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں یہاں تک کہ ان کے پاس احکام توریت کا علم پہنچ گیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اصل عزت و ہدایت اتباع شریعت میں ہے مال و دولت کی عزت چند روزہ اور فانی ہے۔ چاہئے تھا کہ سب اتباع شریعت پر متفق ہو جاتے۔ جس کے ذریعے یہ عزت ملی لیکن افسوس کہ مختلف ہو گئے یا یہ معنی ہیں کہ بنی اسرائیل کو علم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی نعتیں اور صفتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور بنی اسرائیل آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کی آمد اور ظہور کے منتظر تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا تو از راہ حسد و عداوت آپ کے بارے میں اختلاف کیا بعض آپ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا (اے نبی) کچھ شک نہیں کہ تیرا پروردگار قیامت کے دن ظاہر کر دے گا کہ ان کا یہ اختلاف حسد اور عداوت

اور جہالت پر مبنی تھا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ ....

عذاب دیکھ کر یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا:

اس سے پہلے فرعون کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا' لیکن اس کا ایمان لانا نامقبول ہوا۔ دو
آیات میں واضح طور پر بتایا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ سورۂ ہود میں فرمایا: (يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ
النَّارَ) (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا) اور سورۂ والنازعات میں
(فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى) (سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا) اور سورۂ قصص
میں فرمایا: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى
النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝ (ہم نے
اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا پیشوا بنایا
جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے۔ اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا
دی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)۔

اور سورۃ والذاریات میں فرمایا: (فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ) (سو ہم نے اس کو اور
اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا) اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب عذاب نظر آ
جائے اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ سورۂ مؤمن میں فرمایا: (فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ
اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ) (سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا
عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر
خسارہ میں رہ گئے)۔

اس قانون سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا استثناء فرمایا۔ ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو ایمان قبول کر لیا۔ اس پر
اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی چیزوں کے ذریعہ
فائدہ پہنچایا' ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی موت پر مرتا رہا اور عذاب کے ذریعہ اجتماعی طور پر جو ہلاکت کا معاملہ تھا وہ ختم ہو
گیا۔ آیت بالا میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینویٰ بستی کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے
جو موصل کی سرزمین (عراق) میں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان پر محنت کرتے رہے ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے
ایمان قبول نہ کیا بالآخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تین دن کے اندر تم پر عذاب آ جائے گا وہ آپس میں کہنے لگے
کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ تو بولا نہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ تیسری رات کو یہ یہاں رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ رات کو رہ گئے تو ہم
سمجھیں گے کہ عذاب کچھ نہیں صرف دھمکی ہے اور انہوں نے ہمارے ساتھ رات نہ گزاری تو ہم سمجھ لیں گے کہ صبح کو عذاب
آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی رات وہاں سے نکل گئے جب صبح ہوئی تو ان کی قوم نے اپنی آنکھوں سے عذاب کے

آثار دیکھ لیے۔ آسمان پر سخت سیاہ بادل چھا گئے اور دھواں نازل ہونے لگا جوان کی بستی اور ان کے گھروں کی چھتوں پر چھا گیا۔ جب ہلاکت کا یقین ہو گیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توبہ کی طرف متوجہ فرما دیا۔ وہ اپنی جانوں، عورتوں، بچوں اور جانوروں کو لے کر میدان میں نکل گئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن لیے اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی اور ایمان قبول کیا اور خوب زیادہ چیخے چلائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یونس جو کچھ لے کر آئے تھے ہم اس پر ایمان لائے۔ اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب روک دیا، ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ عذاب سے قوم ہلاک نہ ہوئی تو قوم کے سامنے آنے میں حجاب محسوس ہوا۔ لہٰذا وہاں سے چلے گئے دریا کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی حرکت کرنے لگی۔ ملاحوں نے کہا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے لہٰذا ہم قرعہ ڈال لیتے ہیں جس کا نام نکلے گا اسے دریا میں ڈال دیں گے۔ تین مرتبہ قرعہ ڈالا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا انہوں نے فرمایا کہ میں وہ غلام ہوں جو اپنے آقا کے فرمان کا انتظار کیے بغیر بھاگ آیا ہوں، لہٰذا انہوں نے اپنی جان کو سمندر میں ڈال دیا (چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لیے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبد آبق (بھاگنے والا غلام) میں ہی ہوں۔ کشتی کے سارے سواروں کو بچانے کے لیے مجھے ہی اپنی جان کو سمندر میں ڈال دینا چاہئے۔ لہٰذا سمندر میں خود سے چھلانگ لگا دی اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ وہیں اللہ کو یاد کرتے رہے اور تسبیح میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں آپ کی حفاظت فرمائی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں کسی جگہ **ذُوالنُّوْنِ** اور کسی جگہ **صَاحِبِ الْحُوْتِ** فرمایا ہے (دونوں کا ترجمہ ہے مچھلی والا) ان کا مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ سورۃ انبیاء (ع ۶) اور سورۃ صافات (ع ۵) اور سورۃ ن والقلم (ع ۲) میں مذکور ہے۔ سورۃ صافات میں کشتی میں سوار ہونے اور قرعہ ڈالنے پھر سمندر سے باہر ڈال دیئے جانے اور ان کے اوپر کدو کا درخت اگا دینے کا تذکرہ ہے اور وہاں یوں فرمایا ہے: **(فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ)** جیسا کہ یہاں ایمان لانے پر عذاب ٹل جانے اور بعد میں آئندہ کچھ زمانہ تک دنیا سے نفع حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آثار دیکھنے پر بھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں عذاب سے ہلاک نہ فرمایا۔ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے تکوینی اور تشریعی قانون نافذ فرمائے، اور جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے نجات دے۔

قال صاحب الروح (ص ۱۹۳ ج ۱۱) وظاهر الآية يستدعي ان القوم شاهدوا العذاب لمكان (كَشَفْنَا) وهو الذي يقتضيه اكثر الاخبار واليه ذهب كثير من المفسرين، ونفع الايمان لهم بعد المشاهدة من خصوصياتهم فان ايمان الكفار بعد مشاهدة ما وعدوا به ايمان باس غير نافع لارتفاع التكليف حينئذ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہوں نے عذاب دیکھا تھا لفظ "كَشَفْنَا" کی وجہ سے اور اکثر احادیث بھی اسی کا تقاضا کرتی ہیں اور اکثر مفسرین کی رائے بھی یہی ہے اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان کا نافع ہونا اسی قوم کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ عذاب موعود کے مشاہدہ کے بعد کافروں کا ایمان لانا ایمان باس ہے جو کہ نفع

مند نہیں ہے کہ اس وقت شرعی تکلیف ختم ہو جاتی ہے)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِیْ اَنَّہٗ حَقٌّ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِہٖ وَھُوَ الْاَصْنَامُ لِشَکِّکُمْ فِیْہِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ بِقَبْضِ اَرْوَاحِکُمْ وَ
اُمِرْتُ اَنْ اَیْ بِاَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَقِيْلَ لِیْ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ مَائِلًا اِلَیْہِ وَ
لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ تَعْبُدْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ اِنْ عَبَدْتَہٗ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ اِنْ لَمْ
تَعْبُدْہُ فَاِنْ فَعَلْتَ ذٰلِکَ فَرْضًا فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ يُصِبْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ کَفَقْرٍ
وَمَرَضٍ فَلَا كَاشِفَ رَافِعَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ دَافِعَ لِفَضْلِهٖ ۭ اَلَّذِیْ اَرَادَکَ بِہٖ
يُصِيْبُ بِهٖ اَیْ بِالْخَیْرِ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ
قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ لِاَنَّ ثَوَابَ اِھْتِدَائِہٖ لَہٗ وَمَنْ ضَلَّ
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ لِاَنَّ وَبَالَ ضَلَالِہٖ عَلَیْھَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ فَاُجْبِرُکُمْ عَلَی الْھُدٰی وَاتَّبِعْ
مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ عَلَی الدَّعْوَۃِ وَ اَذَاھُمْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ فِیْھِمْ بِاَمْرِہٖ وَهُوَ خَيْرُ
ع ۱۱ ۱۶ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ اَعْدَلُھُمْ وَقَدْ صَبَرَ حَتّٰی حَکَمَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ بِالْقِتَالِ وَاَھْلِ الْکِتَابِ بِالْجِزْیَۃِ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے لوگو! (مکہ والو!) اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شک میں ہو (کہ وہ حق ہے یا نہیں؟) تو اللہ کے علاوہ جن ہستیوں کی تم بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا (یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کی کیونکہ تمہیں اس میں شک ہے) میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری روح نکال کر) اور مجھے اسی کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں کے زمرہ میں رہوں اور مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کرلوں ہر طرف سے ہٹ کر (اس کی طرف جھک جاؤں) اور ایسا ہرگز نہ کرنا کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو (بندگی مت کرو) کیونکہ وہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی کر بھی لو) اور نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی نہ کرو) اگر تم نے ایسا کیا (بالفرض) تو پھر تم بھی یقیناً شرک کرنے والوں میں شمار ہو گے اور اگر اللہ کے حکم سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے (جیسے فاقہ یا بیماری) تو جان لو کہ اسے دور کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں (جو تمہارے متعلق اس نے طے کرلیا ہے) وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل مبذول فرمادے وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! (مکہ والو!)

تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سچائی پہنچ چکی ہے جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا (کیونکہ ہدایت پانے کا ثواب اسی کو ملے گا) اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اسی کے آگے آئے گی (کیونکہ اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا) میں تم پر نگران نہیں (کہ تمہیں ہدایت کے قبول کرنے پر مجبور کرسکوں) آپ پر وحی کی جاتی ہے اس پر چلتے رہئے اور جمے رہئے (اپنی دعوت پر اور ان کی ایذا رسانیوں پر) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے (اس کے بارے میں اپنا کوئی حکم بھیج کر) اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (انصاف کا فیصلہ نبی کریم ﷺ نے صبر سے کام لیا یہاں تک کہ مشرکین سے آپ کو جہاد کرنے کا اور اہل کتاب پر جزیہ واجب کرنے کا حکم ہوگیا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: المضارع لحكاية الحال: اس سے اشارہ کیا کہ تجی مضارع ہے مگر ماضی کی حالت کو بیان کے لیے آیا ہے۔

قوله: بِقَبْضِ اَرْوَاحِكُمْ: اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے اور وہ ارواح ہیں۔

قوله: اَیْ بِاَنْ: ان مصدریہ ہے تفسیریہ نہیں کیونکہ اس کی شرط موجود نہیں جار کو حذف کردیا۔

قوله: اَلَّذِیْ اَرَادَكَ: مطلب یہ ہے کہ فضل کی اضافت عہد کے لیے ہے۔

قوله: فَأُجِيرُكُمْ عَلَى الْهُدٰى: میں بشیر ونذیر ہوں۔

قوله: عَلَى الدَّعْوَةِ: اس قید کو بڑھا کر ماقبل سے اس کا ربط پیدا کردیا۔

تفسیر مقبولین

قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ....

اثبات توحید وحقانیت دین اسلام:

(ربط): ابتداء سورت سے یہاں تک اصول دین۔ توحید ورسالت اور حشر نشر اور قیامت اور دین اسلام کی حقانیت کو روشن دلیلوں سے واضح کیا گیا اور یہ ثابت کردیا گیا کہ کفار کا دین اٹکل کے تابع ہے۔ اور حق سے دور ہے۔ اور اس کی ہر بات مشکوک اور مشتبہ ہے۔ اب آں حضرت ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ان منکرین اور مرتابین سے علی الاعلان یہ کہہ دیں کہ اگر اب بھی تم کو میرے اس روشن دین کے بارے میں شک اور تردد ہے تو خیر ہو مگر تم اس خیال خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے مہمل اور باطل دین کو قبول کرلوں گا۔ میں تمہارے اس مہمل اور شکی اور وہمی دین سے بیزار ہوں مجھے اللہ کی طرف صراط مستقیم پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا اصل اصول توحید اور توکل ہے میں تمہارے ان فرضی معبودوں سے سخت نفور اور بیزار ہوں

جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں میں تو اس خدا وند قدوس کا پرستار ہوں جس کے قبضہ قدرت میں تمہاری جان ہے۔ اور جو تمہاری موت وحیات کا ملک ہے۔ یہ میرے دین کا خلاصہ ہے جس میں ذرہ برابر مجھے شک نہیں۔ آپ ﷺ ان لوگوں سے جو آپ کے دین کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں یہ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف شک میں پڑے ہوئے ہو تو میں تمہارے سامنے اپنے دین کا خلاصہ بیان کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں خدا کے سوا ان چیزوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو کیونکہ وہ کسی نفع وضرر کے مالک نہیں۔ لیکن میں اس قادر مطلق کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو موت دیتا ہے۔ یعنی جو تمہاری موت وحیات کا مالک ہے اور تمہارا وجود اور عدم وجود اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور مجھ کو منجانب اللہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خدا کے ماننے والوں میں سے ہوں جو موت وحیات اور نفع اور ضرر کا مالک ہے۔

اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا کہ تو اپنا رخ سیدھا دین اسلام کی طرف رکھ یک سو ہو کر۔ یعنی دین اسلام اور توحید خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہ درآنحالیکہ تو اور تیرا چہرہ حنیف ہو یعنی صرف ایک خدا کی طرف متوجہ ہو اور تیرا رخ سوائے خدا کے کسی طرف نہ ہو اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو۔ ظاہر و باطن توحید کے رنگ میں ایسا رنگا ہوا ہو کہ شرک جلی یا خفی کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو مت پکار کہ جو نہ تجھے کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان ہی پہنچا سکے۔ پس اگر تو نے ایسا کیا یعنی ایسی چیز کو پکارا تو اس میں شک نہیں کہ تو اس وقت ظالموں میں سے ہوگا یعنی یہ تیرا پکارنا بے محل ہوگا۔

خوب جان لے کہ نفع وضرر کا مالک سوائے خدا کے کوئی نہیں کیونکہ اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ بیماری یا محتاجگی میں مبتلا کرے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی کوتاہیوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو روکتا نہیں۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ ....

اتمام حجت اور تبلیغ دعوت:

ربط: جب دین اسلام اور اس کے اصول کی حقانیت ظاہر ہوگئی تو بطور اتمام حجت کافروں سے خطاب ہوتا ہے کہ دیکھو تمہارے پاس دین حق آ گیا اور نبی کے ذریعہ سے تم تک پہنچ گیا اور اللہ کی حجت تم پر پوری ہوگئی اب تم حق تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ پیش نہیں کر سکتے۔ اب اگر اس سے ہدایت حاصل کر لو تو تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ تمہارا ہی نقصان ہے رسول کا کام خبر دے دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں اور اس کے بعد آپ کو صبر کرنے اور وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا جس سے مقصود آپ کی تسلی ہے کہ اگر یہ معاندین آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور برابر اسی سابقہ عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپ صبر کیجئے عنقریب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا یعنی حسب وعدہ آپ ﷺ کو غالب اور منصور کرے گا۔ یہ مضمون گویا کہ تمام سورت کا خلاصہ اور اجمال ہے۔ ایسا اختتام بلاشبہ حسن اختتام اور مسک الختام کا مصداق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجئے اے لوگو تحقیق تمہارے پاس حق آ چکا ہے تمہارے پروردگار کی

طرف سے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پروردگار کی طرف سے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے اب تمہارے پے کوئی عذر لاعلمی اور بے خبری کا باقی نہیں رہا۔ پس جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی یعنی ایمان لایا اور اطاعت کی۔ پس جز ایں نیست وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا یعنی کفر پر اڑا رہا۔ اور خدا اور اس کے رسول کو نہ مانا تو اس کی گمراہی کا وبال اس کی ذات پر ہوگا۔ ساری روئے زمین کے باشندے بھی اگر کفر کرنے لگیں تو خدا کی عظمت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی اور نہ رسول خدا کا کوئی نقصان ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا نگہبان اور داروغہ نہیں کہ تمہارے کفر کے متعلق مجھ سے باز پرس ہو میں تو فقط پہنچانے والا ہوں۔ اور بس۔

اور اے نبی آپ تو اس چیز کی پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے آپ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیجئے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے اور اگر تبلیغ اور دعوت اسلام پر یہ لوگ آپ کو ایذا پہنچائیں تو آپ صبر کیجئے یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے۔ کہ حق کو غلبہ دے اور کفر کو ذلیل و خوار کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ وہ ظاہر و باطن اور ماضی اور حال اور استقبال سب کو یکساں جانتا ہے اور اس کے حکم اور فیصلہ میں بھول چوک اور غلطی کا امکان نہیں۔

لہٰذا اے نبی کریم! آپ ان دشمنوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے۔ اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار فرمائیے۔ وہ انشاء اللہ حسب وعدہ آپ کو فتح و نصرت عطا کرے گا یا جہاد اور جزیہ کا حکم نازل کرے گا۔

سُوْرَةُ هُوْدٍ

سُوْرَةُ هُوْدٍ ۱۱ — الْمَكِّيَّة ۵۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۱۲۳ — رُكُوْعَاتُهَا ۱۰

سورہ ہود مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی ایک سو تیئس آیتیں اور دس رکوع ہیں

الٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ بِعَجِيْبِ النَّظْمِ وَ بَدِيْعِ الْمَعَانِيْ ثُمَّ فُصِّلَتْ بُيِّنَتْ بِالْاَحْكَامِ وَالْقِصَصِ وَالْمَوَاعِظِ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَيِ اللّٰهِ اَيْ بِاَنْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ بِالْعَذَابِ اِنْ كَفَرْتُمْ وَّ بَشِيْرٌ ۝۲ بِالثَّوَابِ اِنْ اٰمَنْتُمْ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ مِنَ الشِّرْكِ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِرْجِعُوْا اِلَيْهِ بِالطَّاعَةِ يُمَتِّعْكُمْ فِي الدُّنْيَا مَّتَاعًا حَسَنًا بِطِيْبِ عَيْشٍ وَسِعَةِ رِزْقٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى هُوَ الْمَوْتُ وَّ يُؤْتِ فِي الْاٰخِرَةِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فِي الْعَمَلِ فَضْلَهٗ جَزَاءَهٗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ اَيْ تُعْرِضُوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴ وَ مِنْهُ الثَّوَابُ وَالْعَذَابُ وَنَزَلَ كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْمَنْ كَانَ يَسْتَحْيِيْ اَنْ يَّتَخَلّٰى اَوْ يُجَامِعَ فَيُفْضِيَ اِلَى السَّمَاءِ وَقِيْلَ فِي الْمُنَافِقِيْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ اَيِ اللّٰهِ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَتَغَطَّوْنَ بِهَا يَعْلَمُ تَعَالٰى مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ فَلَا يُغْنِيْ اِسْتِخْفَاؤُهُمْ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵ اَيْ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ

ترجمہ: یہ کتاب جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں (انوکھی عبارت اور بہترین معانی کے ساتھ) پھر کھول کھول کر واضح کردی گئی ہیں (احکام، واقعات اور نصیحتیں بیان کی گئی ہیں) ایک حکمت والی باخبر ذات (اللہ) کی طرف سے ہے یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یقین کرو کہ میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا (عذاب سے کفر کرنے کی صورت میں) اور خوشخبری دینے والا ہوں (ثواب کی، ایمان کی صورت میں) اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلبگار ہو (شرک سے) پھر

اس کی طرف (فرمانبرداری کرکے) متوجہ ہو جاؤ (رجوع کرو) تمہیں (دنیا میں) زندگی کے فوائد بہت اچھی طرح بہرہ مند کرے گا (اچھی زندگی اور وسعت رزق کے ساتھ) ایک مقررہ وقت (مرنے) تک اور عطا کرے گا (آخرت میں) زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب (جزاء) لیکن اگر تم نے روگردانی کی (دوتاء میں سے ایک تاء حذف ہے یعنی اگر تم نے منہ پھیرا) تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے (قیامت کا دن) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اس کی قدرت سے کوئی باہر نہیں (اور اسی میں ثواب وعذاب بھی ہے جیسا کہ بخاری نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو بیت الخلاء جانے کے وقت یا ہم بستر ہوتے ہوئے آسمان کا سامنا ہونے سے شرم محسوس کرتے تھے اور بعض کی رائے ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے) یاد رکھو کہ وہ لوگ دوہرا کیے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ اپنی باتیں اللہ سے چھپا سکیں یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں (ڈھانپتے ہیں) وہ اس وقت بھی سب کچھ جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ ظاہر باتیں کرتے ہیں (اس لیے چھپانا نہیں ہے) وہ تو سینوں کے اندر کے راز جاننے والا ہے (یعنی دلوں میں جو باتیں ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هٰذَا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ کتاب مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ مبتداء نہیں کہ اس کی خبر و حکمت آیاتہ کو مانیں۔

قوله: بِعَجِيْبِ النَّظْمِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ محکم ہے اس میں لفظ و معنی کے اعتبار سے کوئی خلل آ ہی نہیں سکتا۔

قوله: أَيِ اللّٰهِ: حکیم وخبیر یہ غیر کی صفت نہیں بن سکتے۔

قوله: بِالْعَذَابِ اِنْ كَفَرْتُمْ: واوا تو زبر و تقسیم کے لیے ہے۔ جمع کے لیے نہیں۔

قوله: مِنَ الشِّرْكِ: اس قید کا اضافہ کیا تاکہ تو بہ اسے استدراک نہ کرنا پڑے کیونکہ استغفار یہ تو بہ کو مستلزم ہے۔

قوله: هُوَ الْمَوْتُ: اجل سے مراد انتہاء مدت ہے تمام مراد نہیں۔

قوله: فِي الْعَمَلِ: نہ کہ دنیا وغیرہ میں۔

قوله: جَزَائَه: یعنی مضاف محذوف ہے۔

قوله: فَيُفْضِيْ اِلَى السَّمَاءِ: یعنی وہ اس کو اہل سماء تک پہنچا دے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم کرلے۔

قوله: وَقِيْلَ فِي الْمُنَافِقِيْنَ: پس معنی یہ ہے کہ وہ تحریف کرکے اور حق سے اپنے سینے پھیرتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپ سکیں۔

قوله: بِمَا فِي الْقُلُوْبِ: اس سے مراد جو سینوں میں ہے نہ کہ صاحب سینہ۔

تفسیر مقبولین

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝

یعنی یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت پختہ ہیں۔ نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقعہ کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہوسکتی ہے جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہوسکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی پند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات دعاوی کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح، مائدہ قرآنی کے ذریعے سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال و ابہام کی وجہ سے کتاب معمہ اور چیستان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بہ موقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ نزولی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اتارا بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا۔ قرآن میں ان تمام باریکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کلام میں توقع کی جاسکتی ہے۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ....

جو پچھلی تقصیرات معاف کرائے اور آئندہ کے لیے خدا کی طرف دل سے رجوع ہو، تو دنیا کی زندگی اچھی طرح گزرے کیونکہ مؤمن قانت خواہ کسی حال میں ہو مگر خدا کے فضل و کرم کی بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور مستقبل کی عظیم الشان خوشحالی کے تصور میں اس قدر مگن رہتا ہے کہ یہاں کی بڑی بڑی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ جب خیال کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہا ہوں جس کا صلہ مجھ کو ضرور ایک دن عرش والی سرکار سے ملنے والا ہے تو اپنی کامیابی اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کر کے اس کا دل جوش مسرت سے اچھلنے لگتا ہے۔ اسے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں وہ سکون قلبی اور راحت باطنی نصیب ہوتی ہے جو بادشاہوں کو بیشمار سامانوں اور اموال و خزائن سے حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ بعض اوقات یہاں کے چند روزہ تکلیفوں اور سختیوں میں وہ لذت پاتے ہیں جو اغنیاء و ملوک اپنے عیش و تنعم میں محسوس نہیں کرتے۔ ایک محب وطن سیاسی قیدی کو اگر فرض کیجئے یقین ہو جائے کہ میری اسیری سے ملک اجنبیوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا اور مجھے قید سے نکلتے ہی ملک کی جمہوریہ کا صدر بنا دیا جائے گا تو کیا اسے جیل خانہ کی بند کوٹھڑی میں سرور و اطمینان کی

کیفیت اس بادشاہ سے زیادہ حاصل نہ ہوگی؟ جس کے لیے ہر قسم کا سامان عیش وطرب فراہم ہیں مگر اندیشہ لگا ہوا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ تخت شاہی سے اتارا جانے والا ہے۔ اس پر دنیا کے جیل خانہ میں ایک مومن قانت کی زندگی کو قیاس کرلو۔ جو جس قدر زیادہ بڑھ کر عمل کرے گا اسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ حصہ پائے گا۔ آخرت میں اجر و ثواب اور دنیا میں مزید طمانیت حاصل ہوگی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ....

سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ مجرم حاضر ہو، حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۔ مجرمین کی کل کارروائیاں اس کے علم میں ہوں۔ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ میں بتلا دیا کہ مجرم وغیر مجرم سب کو خدا کے یہاں حاضر ہونا ہے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ میں قدرت واختیار کا عموم بیان فرمایا اور اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (ہود: ۵) سے بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ تک اس کے علم محیط کی وسعت کو ظاہر کیا کہ خدا ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی تہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر بھی مطلع ہے۔ پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح اس سے مخفی رکھ کر نجات پا سکتا ہے۔ (تنبیہ) ان آیات کے شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے صحیح ترین روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بخاری میں ہے کہ بعض مسلمانوں پر حیاء کا اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجا یا جماع وغیرہ ضروریات بشری کے وقت کسی حصہ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبہ حیاء سے جھکے جاتے اور شرم گاہ کو چھپانے کے لیے سینہ کو دوہرا کیے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تادب مع اللہ اور غلبہ حیاء سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ صوفیہ کی اصطلاح میں مغلوب الحال کہلاتے ہیں چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں ایسا غلو اور تعمق آئندہ امت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لیے قرآن نے اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ سے ان کی اصلاح فرما دی یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کو کھولنے میں خدا سے حیاء آتی ہے اس لیے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے؟ جب انسان اس سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا پھر ضروریات بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سبب نزول سے مناسبت رکھنا ضروری نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا مِنْ زَائِدَةٌ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ هِيَ مَادَبَّ عَلَيْهَا اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا تَكَفَّلَ بِهٖ فَضْلًا مِنْهُ وَيَعْلَمُ
مُسْتَقَرَّهَا مَسْكَنَهَا فِي الدُّنْيَا اَوِ الصُّلْبِ وَمُسْتَوْدَعَهَا بَعْدَ الْمَوْتِ اَوْ فِي الرَّحِمِ مِمَّا ذُكِرَ كُلٌّ فِيْ
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا
الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ وَّكَانَ عَرْشُهٗ قَبْلَ خَلْقِهِمَا عَلَى الْمَآءِ وَهُوَ عَلٰى مَتْنِ الرِّيْحِ لِيَبْلُوَكُمْ مُتَعَلِّقٌ
بِخَلْقٍ اَيْ خَلَقَهُمَا وَمَا فِيْهِمَا مَنَافِعَ لَكُمْ وَمَصَالِحَ لِيَخْتَبِرَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اَيْ اَطْوَعُ لِلّٰهِ وَ
لَئِنْ قُلْتَ يَا مُحَمَّدُ لَهُمْ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ مَا هٰذَآ الْقُرْاٰنُ
النَّاطِقُ بِالْبَعْثِ اَوِ الَّذِيْ تَقُوْلُهٗ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ بَيِّنٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ وَالْمُشَارُ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰى مَجِيْءِ اُمَّةٍ جَمَاعَةِ اَوْقَاتٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ اِسْتِهْزَاءً
مَا يَحْبِسُهٗ يَمْنَعُهُ مِنَ النُّزُوْلِ قَالَ تَعَالٰى اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا مَدْفُوْعًا عَنْهُمْ وَحَاقَ نَزَلَ
ع ۸ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ مِنَ الْعَذَابِ

ترجمہ: اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر (ما زائدہ ہے اور دابۃ سے مراد وہ چیز ہے جو زمین پر چلے) نہیں ہے جس کے رزق کا بندوبست اللہ پر نہ ہو (جو اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لیا ہے) اور وہ نہ جانتا ہو کہ زمین میں اس کا ٹھکانہ کہاں ہے (دنیا میں رہنے کی جگہ یا باپ کی پیٹھ میں ٹھہرنا) اور وہ جگہ کہاں ہے جو انجام کار اس وجود کے سپرد کی جائے گی (مرنے کے بعد یا ماں کے رحم کی قرارگاہ) یہ سب (ذکر) واضح کتاب میں درج ہے (لوح محفوظ مراد ہے) اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا (جس کی ابتداء اتوار کو اور آخر جمعہ کا دن ہے) اور اس کے تخت کی فرمانبرداری (آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے) پانی پر تھی (اور پانی ہوا پر تھا) تاکہ تمہیں آزما سکے (اس کا تعلق خلق کے ساتھ ہے یعنی آسمان و زمین اور اس میں رہنے والی مخلوق کو تمہارے منافع اور مصالح کے لئے پیدا فرمایا تاکہ تمہیں آزمائے) کہ تم میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے (اللہ کا زیادہ سے زیادہ فرمانبردار) اور اگر آپ (اے محمدؐ) ان لوگوں سے کہو کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں گے کہ یہ (قرآن جس سے قیامت کا ہونا معلوم ہے یا وہ بات جو تم کہہ رہے ہو) تو صریح جادو کی باتیں ہیں (اور ایک قراءت میں لفظ ساحر ہے جس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں) اور اگر ان پر عذاب نازل کرنا ہم ملتوی کردیتے تھوڑے دنوں (کے آنے) تک تو یہ کہنے لگتے ہیں (مذاق اڑانے کے طور پر) کہ کون سی چیز عذاب کو روک رہی ہے؟ (عذاب آنے میں کیا رکاوٹ ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سو سن رکھو جس دن ان پر عذاب آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا (ہٹے گا) اور جس بات (عذاب) کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ہنسی انہیں آلے گی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: تُكَفِّلُ بِهٖ فَضْلًا مِّنْهُ: یہ مقدر مان کر بتلایا کہ کفالت اس پر لازم نہیں اس نے محض فضل سے اپنے ذمہ کرلی ہے۔

قوله: مِمَّا ذُكِرَ: کل کی تنوین یہ مضاف الیہ کا بدل اور اس کا فائدہ ما سبق سے ربط ہے تاکہ وہ مبتداء بن سکے۔

قوله: عَلَى الْمَآءِ: اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے اس کے نیچے اور کوئی مخلوق نہ تھی۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ فرش پانی پر تھا۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقٍ: یعنی قریب کان عرشہ سے متعلق نہیں کیونکہ اختیار تو ان اشیاء کی تخلیق سے متعلق ہے کیونکہ یہ ان کے وجود ومعاش کے اسباب ہیں اور صفات باری تعالیٰ کے دلائل ہیں پس شکر واطاعت کو لازم کرنے والے ہیں۔

قوله: لِيَخْتَبِرَكُمْ: یعنی تم سے مختبر کا سا معاملہ کرتے۔

قوله: أَطْوَعُ لِلّٰهِ: سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مطیع صیغہ تفضیل افضل محاسن پر تحریض کے لئے لائے۔

قوله: جَمَاعَةٍ: اس سے لوگوں کی جماعت مراد نہیں۔

قوله: اِسْتِهْزَاءً: کفار یہ بات بطور استفسار نہ کرتے بلکہ بطور استہزاء وتمسخر کرتے تھے۔

تفسیر مقبولین

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ....

ربط: پچھلی آیت میں حق تعالیٰ کے علم محیط کا ذکر تھا جس سے کائنات کا کوئی ذرہ اور دلوں کے چھپے ہوئے راز بھی مخفی نہیں، آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت میں اس مناسبت سے انسان پر ایک عظیم الشان احسان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ اس کے رزق کی کفالت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی اور نہ صرف انسان کی بلکہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی، وہ جہاں کہیں رہتا ہے یا چلا جاتا ہے اس کی روزی اس کے پاس پہنچتی ہے۔

زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

ارشاد فرمایا کہ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں۔ انسان ہوں یا حیوان چھوٹے ہوں یا موٹے جانور ہوں' کیڑے مکوڑے ہوں ان سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے' یعنی ان کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لگا لیا ہے' یہ اس کا فضل وکرم ہے مہربانی ہے کیونکہ اس پر کسی کا کوئی حق اور رزق واجب نہیں ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کے جو ٹھکانے ہیں اسے سب کا علم ہے اور اسے سب کے رہنے کی جگہوں کا پتہ ہے ایسا نہیں کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو بھول گیا ہو وہ اپنے علم کے موافق

اپنی ساری مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ پہاڑوں کے اندر رہنے والے کیڑے اور زمین کے سوراخوں میں آباد ہونے والی چیونٹیاں اور دوسری مخلوق اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے جانور سب اس کے علم میں ہیں وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر:

مستقر و مستودع کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ ہم نے جو ترجمہ میں ان دونوں کا معنی اختیار کیا ہے وہ شان رازقیت کی توضیح سے قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رہنے والوں کے ٹھکانے دو طرح کے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن میں ان کا مستقل قیام ہے اور کچھ عارضی ٹھکانے ہیں جہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں ٹھکانوں پر رزق پہنچاتا ہے۔ بعض چیزیں ایک براعظم میں پیدا ہو رہی ہیں اور دوسرے براعظم کے لوگ کھا رہے ہیں یہ سب کے سامنے ہے اور یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے صاحب روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ مستقر سے ماں کا رحم اور مستودع سے موت آنے کے مواقع مراد ہیں اور مطلب اس کا یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر رزق پانے والے کی ابتدائی حالت کا علم ہے کہ اسے کس وقت سے رزق کی حاجت ہوتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی حاجت کب ختم ہوگی یعنی موت کے وقت رزق کی حاجت ختم ہو جائے گی اور موت کب ہوگی' کہاں ہوگی اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ رزق پانے والے کی زندگی جس جگہ ختم ہوگی اس جگہ کا اس کو علم ہے وہ اس کے وہاں پہنچنے تک اس کو رزق دیتا رہے گا۔

رزق مقدر پورا کیے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی:

اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے جتنا رزق مقدر فرما دیا ہے اس کو پورا کیے بغیر وہ دنیا سے نہیں جا سکتا' جتنا رزق مقدر ہے وہ مل کر ہی رہے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میرے دل میں جبرائیل امین نے یہ بات ڈال دی ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے' سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبی کا خیال رکھو اور رزق ملنے میں دیر ہو جائے تو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب نہ کرو کیونکہ اللہ کا فضل اس کی نافرمانی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ (رواہ الحاکم کمافی الترغیب ص ۵۳۰ ج ۲)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اسی طرح طلب کر لیتا ہے جس طرح سے موت طلب کر لیتی ہے۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والبزار کمافی الترغیب ص ۵۳۰ ج ۲)

اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو وہ اسے پکڑ لے گا جیسا کہ اسے موت پکڑ لے گی۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر باسناد حسن کمافی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی آپ نے اسے لے لیا وہیں پر ایک سائل موجود تھا وہ کھجور آپ نے انہیں عطا فرما دی اور فرمایا کہ خبردار اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آ جاتی۔

(رواہ الطبرانی باسناد جید کمافی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ....

دوسری آیت میں حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت قاہرہ کا ایک اور مظہر ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے عرش رحمن پانی پر تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے پانی پیدا کیا گیا ہے اور آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کی تفصیل سورۂ حم سجدہ کی آیت (۱۰،۱۱) میں اس طرح آئی ہے کہ دو دن میں زمین بنائی گئی دو دن میں زمین کے پہاڑ، دریا، درخت اور جانداروں کی غذا وبقاء کا سامان بنایا گیا، دو دن میں سات آسمان بنائے گئے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ آسمان سے مراد وہ تمام علویات ہیں جو اوپر کی سمت میں ہیں اور زمین سے مراد تمام سفلیات ہیں جو نیچے کی جہت میں ہیں، اور دن سے مراد وہ مقدار وقت ہے جو آسمان زمین کی پیدائش کے بعد آفتاب کے طلوع سے غروب تک ہوتا ہے اگرچہ آسمان زمین کی پیدائش کے وقت نہ آفتاب تھا نہ اس کا طلوع وغروب۔

حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں یہ بھی تھا کہ ان تمام چیزوں کو ایک آن میں پیدا فرمادیں مگر اس نے اپنی حکمت سے اس عالم کے نظام کو تدریجی بنایا ہے جو انسان کے مزاج کے مناسب ہے۔

آخر آیت میں آسمان وزمین کے پیدا کرنے کا مقصد یہ بتلایا ہے: لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا، یعنی یہ سب چیزیں اس لیے پیدا کی گئیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں کہ کون تم میں سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا خود کوئی مقصد نہ تھا بلکہ ان کو عمل کرنے والے انسانوں کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ وہ ان چیزوں سے اپنے معاش کا فائدہ بھی حاصل کریں اور ان میں غور کرکے اپنے مالک اور رب کو بھی پہچانیں۔

حاصل یہ ہوا کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے اصل مقصود انسان ہے بلکہ انسان میں بھی اہل ایمان ہیں اور ان میں بھی وہ انسان جو سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ سارے بنی آدم میں سب سے اچھا عمل کرنے والے ہمارے رسول اللہ (ﷺ) ہیں، اس لیے یہ کہنا صحیح ہوا کہ تمام کائنات کے پیدا کرنے کا اصل مقصد رسول کریم (ﷺ) کا وجود باجود ہے۔ (مظہری)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حق تعالیٰ نے اس جگہ اَحْسَنُ عَمَلًا فرمایا ہے، یعنی کون اچھا عمل کرنے والا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالح نماز، روزہ، تلاوت وذکر کی عملی کثرت اور بہت بڑی مقدار سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظر حسن عمل پر ہے، اسی حسن عمل کو ایک حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہو اور کوئی دنیوی غرض اس میں نہ ہو اور اس عمل کی صورت بھی وہ اختیار کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، جس کو رسول کریم (ﷺ) نے اپنے عمل سے بتلایا اور امت کے لیے اتباع سنت کو لازم قرار دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑا عمل جو پورے اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ہو وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم ہوں۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ الْكَافِرَ مِنَّا رَحْمَةً غِنًى وَصِحَّةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ قنوط مِنْ رَحْمَةِ

اللّٰهِ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ شَدِيْدُ الْكُفْرِبِهٖ وَ لَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ فَقْرٍ وَشِدَّةٍ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ
السَّيِّاٰتُ الْمَصَائِبُ عَنِّيْ ؕ وَلَمْ يَتَوَقَّعْ زَوَالَهَا وَلَا يَشْكُرُ عَلَيْهَا اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَرِحٌ بَطِرٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ عَلى
النَّاسِ بِمَا اُوْتِىَ اِلَّا لٰكِنْ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا عَلَى الضَّرَّاءِ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ فِى النَّعْمَا اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾ هُوَ الْجَنَّةُ فَلَعَلَّكَ يَا مُحَمَّدُ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ فَلَا تُبَلِّغُهُمْ اِيَّاهُ لِتَهَاوُنِهِمْ بِهٖ
وَ ضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ بِتِلَاوَتِهٖ عَلَيْهِمْ لِاَجْلِ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ
يُصَدِّقُهٗ كَمَا اقْتَرَحْنَا اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ فَلَا عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ لَا الْاِتْيَانُ بِمَا اقْتَرَحُوْهُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾ ؕ حَفِيْظٌ فَيُجَازِيْهِمْ اَمْ بَلْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ الْقُرْاٰنَ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ فِى
الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ مُفْتَرَيٰتٍ فَاِنَّكُمْ عَرَبِيُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلِىْ تَحَدَّاهُمْ بِهَا اَوَّلًا ثُمَّ بِسُوْرَةٍ وَّ ادْعُوْا
لِلْمُعَاوَنَةِ عَلٰى ذٰلِكَ مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾ فِىْ اَنَّهُ افْتَرَاهُ
فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اَىْ مَنْ دَعَوْتُمُوْهُمْ لِلْمُعَاوَنَةِ فَاعْلَمُوْٓا خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنَّمَآ اُنْزِلَ مُتَلَبِّسًا
بِعِلْمِ اللّٰهِ وَلَيْسَ افْتِرَاءً عَلَيْهِ وَ اَنْ مُخَفَّفَةٌ اَىْ اَنَّهٗ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ بَعْدَ هٰذِهِ
الْحُجَّةِ الْقَاطِعَةِ اَىْ اَسْلِمُوْا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا بِاَنْ اَصَرَّ عَلَى الشِّرْكِ وَقِيْلَ هِىَ
الْمُرَائِيْنَ نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ اَىْ جَزَاءَ مَا عَمِلُوْهُ مِنْ خَيْرٍ كَصَدَقَةٍ وَصِلَةِ رَحْمٍ فِيْهَا بِاَنْ نُوَسِّعَ
عَلَيْهِمْ رِزْقَهُمْ وَ هُمْ فِيْهَا اَىِ الدُّنْيَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾ يُنْقَصُوْنَ شَيْئًا اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى
الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ بَطَلَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا اَىِ الْاٰخِرَةِ فَلَا ثَوَابَ لَهُمْ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ بَيَانٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَوِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَهِىَ
الْقُرْاٰنُ وَ يَتْلُوْهُ يَتْبَعُهٗ شَاهِدٌ يُصَدِّقُهٗ مِّنْهُ اَىْ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ جِبْرَئِيْلُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ اَىِ الْقُرْاٰنِ كِتٰبُ
مُوْسٰٓى التَّوْرٰةُ شَاهِدٌ لَهٗ اَيْضًا اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ حَالٌ كَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ اُولٰٓىِٕكَ اَىْ مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ اَىْ بِالْقُرْاٰنِ فَلَهُمُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ جَمِيْعِ الْكُفَّارِ فَالنَّارُ

مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اَیْ اَھْلُ
مَكَّةَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ اَیْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ
اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیْ جُمْلَةِ الْخَلْقِ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ جَمْعُ شَاهِدٍ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ
يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَى الْكُفَّارِ بِالتَّكْذِيْبِ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ
عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَيَبْغُوْنَهَا يَطْلُبُوْنَ
السَّبِيْلَ عِوَجًا ۭ مُعْوَجَّةً وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تَاكِيْدٌ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ اللّٰهَ فِي
الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهٖ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ اَنْصَارٍ يَمْنَعُوْنَهُمْ عَذَابَهٗ يُضٰعَفُ لَهُمُ
الْعَذَابُ ۭ بِاِضْلَالِهِمْ غَيْرَهُمْ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ لِلْحَقِّ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اَیْ لِفَرْطِ
كَرَاهَتِهِمْ لَهٗ كَاَنَّهُمْ لَمْ يَسْتَطِيْعُوْا ذٰلِكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ
عَلَيْهِمْ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ عَلَى اللّٰهِ مِنْ دَعْوَى الشَّرِيْكِ لَا جَرَمَ حَقًّا اَنَّهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا سَكَنُوْا وَاطْمَاَنُّوْا وَاَنَابُوْا اِلٰى
رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ صِفَةُ الْفَرِيْقَيْنِ الْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ
كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ هٰذَا مَثَلُ الْكَافِرِ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هٰذَا مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝ ع ۲ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ تَتَعِظُوْنَ

ترجمہ: اور اگر ہم چکھا دیں آدمی (کافر) کو اپنی طرف سے رحمت (مالداری اور تندرستی) پھر اس سے (وہ چھین لیں) تو وہ ناامید ہوتا ہے (مایوس اللہ کی رحمت سے) ناشکرا (انتہائی منکر نعمت) ہوتا ہے اور اگر اسے کسی تکلیف (تنگدستی و سختی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں تو پھر کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد (مصائب) دور ہو گئے (حالانکہ اس کے دور ہونے کی اس کو توقع نہیں تھی نہ اس پر اس نے شکر ادا کیا) وہ اترانے والا (ایسی خوشی جس میں اتراہٹ ہو) شیخی خور ہوتا ہے (لوگوں کے سامنے اپنی خوشحالی پر) مگر ہاں جو لوگ مستقل مزاج (مصائب پر صبر کرنے والے) ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (اچھی حالت میں بھی) ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے بخشش و بڑا اجر (جنت) ہے پھر کیا (اے محمدؐ!) آپ ان احکام میں سے جو آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجے جاتے ہیں بعض کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں (سستی کی بناء پر ان کی تبلیغ نہیں کرنا چاہتے) اور

آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے (ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنے کی وجہ سے کیونکہ) وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا (جو ان کی تصدیق کرتا جیسا کہ ہماری فرمائش بھی تھی) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (تبلیغ کے علاوہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ان کی فرمائش پوری کرنا آپ کے ذمہ نہیں) اور ہر چیز پر اللہ نگہبان ہے (نگران کار ہے لہٰذا وہی تمہیں بدلہ دے گا) پھر کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے یہ (قرآن) اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے آپ جواب دیجئے تم بھی دس سورتیں، (فصاحت اور بلاغت میں) اس جیسی گھڑی ہوئی لے آؤ (کیونکہ میری طرح تم بھی تو فصیح عرب ہو پہلے پورے قرآن کا چیلنج دیا گیا پھر صرف ایک سورت پر اکتفا کر لیا گیا) اور (اپنی مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو پکار سکتے ہو پکار لو اگر تم سچے ہو (اس کہنے میں کہ یہ قرآن گھڑا ہوا ہے) پھر (جنہیں تم اپنی مدد کے لئے پکارو) اگر تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو (مشرکین سے خطاب ہے) کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے (آراستہ ہو کر) نازل ہوا ہے (خود ساختہ نہیں ہے) اور یہ بات بھی سچ ہے کہ (ان مخففہ ہے اصل میں انہ تھا) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اب بتلاؤ کہ پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ (اس قطعی دلیل کے بعد یعنی مسلمان ہو جاؤ) جو کوئی محض دنیا کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے (شرک پر جما رہتا ہے اور بعض نے ریاکار مراد لئے ہیں) تو اس کی کوشش و عمل کے نتائج ہم پورے پورے دیتے ہیں (یعنی اچھے کاموں کا صلہ دیتے ہیں مثلاً انہوں نے اگر صدقہ کیا ہو یا صلہ رحمی کی ہو) دنیا ہی میں (اس طرح کہ ان کی روزی میں فراخی دیتے ہیں) اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں رہتی (کہ کچھ گھٹا کر دیا جائے) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ سب اکارت ہو جائے گا (بیکار ثابت ہوگا یعنی آخرت میں انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں سب نیست و نابود ہونے والا ہے پھر دیکھو جو لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (نبی کریم ﷺ یا مسلمان، اور دلیل سے مراد قرآن ہے) اور ایک گواہ (جو اس کی تصدیق کرے) اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ (پیچھے) ہو (یعنی جبرئیلؑ) اور ایک اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات بھی شاہد ہو) پیشوائی کرتی ہو اور سراپا رحمت آچکی ہو (کیا اس شخص کی حالت اس کے برابر ہو سکتی ہے جو ایسا نہ ہو ہرگز نہیں) یہی لوگ (یعنی جن کے پاس دلیل موجود ہے) ہیں جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں (اس لئے ان کے لئے جنت بھی ہے) اور (کفار کے) مختلف گروہوں میں سے جو قرآن کا انکار کرے گا تو یقین کرو کہ آگ ہی اس کا ٹھکانہ ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے پس آپ اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک (شبہ) میں نہ پڑنا بلکہ بلاشبہ وہ تمہارے پروردگار کی جانب سے سچی کتاب ہے البتہ بہت سے (مکہ والے) لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کر کے) جو ایسا کر رہے ہیں وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کئے جائیں گے (قیامت کے دن سب مخلوق کے ساتھ) اور گواہی دینے والے فرشتے گواہی دیں گے (اشھاد، شاہد کی جمع ہے وہ فرشتے جو انبیاء کے حق میں ان کی تبلیغ کی اور کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے) کہ یہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں سب سن لو کہ ان ظالموں (مشرکوں) پر خدا کی پھٹکار جو دوسروں کو بھی اللہ کی راہ (دین اسلام) سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالنے کی تلاش میں رہا کرتے تھے (غلط راستے

[illegible]

ہیں؟ (ہرگز نہیں) کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے [illegible]

تنطقون کے معنی میں ہے [illegible]

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: الکافر: الانسان میں الف لام عہد کا ہے اور کافر مراد ہے۔

قوله: قنوط من رحمة اللہ: کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد نہیں۔

قوله: شدید الکفر به: یہ فعول کے وزن پر کفور مبالغہ کے معنی میں ہے۔

قوله: لکن: اس سے اشارہ کیا کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ کیونکہ الذین صبروا اس میں داخل نہیں تھے۔

قوله: لاجل ان: ان مصدریہ ہے مفسرہ نہیں اور لام اجلیہ مقدر ہے تاکہ اس معنی سے ظاہر ہو جائے۔

قوله: کما اقترحنا: اس کا معنی فرمائش کرنا۔

قوله: بل: یہ ام کے معنی میں منقطعہ ہے۔

قوله: فی الفصاحة: نفس الفاظ میں نہیں بلکہ فصاحت وبلاغت میں وہ معجز ہے۔

قوله: من دعوتموهم: اس میں خبردار کیا کہ یستجیبوا لکم کی ضمیر اصنام اور لکم کی مشرکین کی طرف لوٹتی ہے۔

قوله: متلبسا: اس میں باالصاق سببیت کے لئے نہیں۔

قوله: أسلموا: یہ استفہام تقریری اور ایجابی ہے۔

قوله: شاهد له ایضا: اس میں اشارہ ہے کہ من قبله کتاب موسیٰ الایہ جملہ ابتدائیہ ہے۔ شاهد پر معطوف نہیں۔

توراۃ قرآن کے موافق ہونے کی وجہ سے اس پر شاہد ہے۔

قوله: دِيْنِ الْاِسْلَامِ: سبیل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ سبیل کا لفظ مذکر و مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

قوله: حَقًّا: لا جرم۔ مرکب کلمہ کا یہ معنی ہے (۲) اس کا معنی لامحالہ یعنی بہر حال بھی ہے۔ (۳) لا یہ ماقبل بات کی نفی کرتا ہے اور جرم کسب کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے ان کی بات کا نتیجہ آخرت کا خسارہ ہے۔

قوله: اطمئنوا بها: خبط ہموار زمین وہ پرسکون ہو گئے۔

تفسیر مقبولین

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ....

(ربط) گزشتہ آیت میں تکوین عالم اور اس کی غرض وغایت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو تمہاری آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ کون اچھا عمل کرتا ہے اب اس آیت میں بعث بعد الموت اور عمل کی جزا وسزا کو بیان کرتے ہیں کیونکہ مکلفین کے ابتلاء وامتحان کے لیے جزا اور سزا ضروری ہے اور جزا اور سزا کے لیے حشر ونشر ضروری ہے لہٰذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہو جائے تو انسان کو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ عذاب کا وعدہ غلط ہے۔ عذاب ضرور آئیگا مگر اپنے وقت پر آئیگا اور جب عذاب آئے گا تو اس سے کچھ بچ نہیں سکے گا اور ان کے مسخرہ پن کی سزا ان کو مل جائے گی اور اے نبی ﷺ! اگر آپ ان منکرین حساب وکتاب سے یہ کہیں کہ تم مرنے کے بعد یہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں اور حشر نشر کے منکر ہیں تو ضرور بالضرور جواب میں یہ کہیں گے کہ نہیں ہے یہ حشر ونشر کی بات مگر کھلا جادو۔ یعنی دوبارہ زندگی کی بات مثل جادو کے دھوکہ اور فریب سے جس کی حقیقت کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ اس قرآن میں جادو کی باتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونگے اور اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب اور مؤاخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے اس سے وعدہ کیا ہے اور ایک وقت مقررہ تک اس عذاب موعود کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ملتوی رکھیں تو یہ لوگ از راہ تمسخر یہ کہیں گے کہ کس چیز نے اس عذاب موعود کو نازل اور واقع ہونے سے روک رکھا ہے جس عذاب کے ہم آپکے نزدیک مستحق ہیں یعنی محمد ﷺ جس عذاب کی ہم کو دھمکیاں دیتے ہیں وہ سب جھوٹی ہیں اگر سچا ہے تو عذاب ہم پر نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سن لو۔ جس دن وہ عذاب موعود ان پر آ جائے گا تو پھر وہ کسی طرح ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کے رہے گا اور وہی عذاب ان کو آ کر گھیرے گا جس کا یہ ٹھٹھا اڑاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں کسی حکمت سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے۔ جب عذاب اپنے وقت معین پر نازل ہوگا تو ساری کسر نکل جائے گی اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت سے اس عذاب کے نزول کا وقت نہیں بتلایا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ ـــ

انسان کا نفسیاتی تجزیہ:

سوائے کامل ایمان والوں کے عموماً لوگوں میں جو برائیاں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ راحت کے بعد کی سختی پر مایوس اور محض ناامید ہو جاتے ہیں اللہ سے بدگمانی کر کے آئندہ کے لیے بھلائی کو بھول بیٹھتے ہیں گویا کہ نہ کبھی اس سے پہلے کوئی آرام اٹھایا تھا نہ اس کے بعد کسی راحت کی توقع ہے۔ یہی حال اس کے برخلاف بھی ہے اگر سختی کے بعد آسانی ہوگئی تو کہنے لگتے ہیں کہ بس اب برا وقت ٹل گیا۔ اپنی راحت اپنی تن آسانیوں پر مست و بے فکر ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کا استہزاء کرنے لگتے ہیں۔ اکڑ فوں میں پڑ جاتے ہیں اور آئندہ کی سختی کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ ہاں ایماندار اس بری خصلت سے محفوظ رہتے ہیں، وہ دکھ درد میں صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں راحت و آرام میں اللہ کی فرمان برداری کرتے ہیں۔ یہ صبر پر مغفرت اور نیکی پر ثواب پاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے کہ مؤمن کو کوئی سختی کوئی مصیبت کوئی دکھ، کوئی غم ایسا نہیں پہنچتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف نہ فرماتا ہو، یہاں تک کہ کانٹا لگنے پر بھی۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ سراسر بہتر ہے۔ یہ راحت پا کر شکر کرتا ہے اور بھلائی سمیٹتا ہے۔ تکلیف اٹھا کر صبر کرتا ہے، نیکی پاتا ہے اور ایسا حال مؤمن کے سوا اور کسی کا نہیں ہوتا۔ اسی کا بیان سورۃ والعصر میں ہے۔ یعنی عصر کے وقت کی قسم تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کریں اور ایک دوسرے کو دین حق کی اور صبر کی ہدایت کرتے رہیں یہی بیان (اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا) (المعارج: ۷۰) میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ....

مشرکین مکہ شرک و بت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے مشرکانہ خرافات پر جس قدر ان کی تحمیق و تجہیل کی جاتی اسی قدر ان کے غصہ کی آگ بھڑکتی تھی۔ کبھی کوشش کرتے تھے کہ آپ کو اس معاملہ میں ذرا ڈھیلا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی اور تساہل برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے مایوس ہوتے تو محض دق کرنے کو عجیب بیہودہ فرمائشیں کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ خدا کے یہاں سے مال و دولت کا بڑا خزانہ آنا چاہیے تھا۔ یا آسمان سے ایک فرشتہ آتا جو آپ کے ہمراہ تصدیق کے لیے ہر طرف جایا کرتا۔ (لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ) (ہود: ۱۲) گویا جب آپ کے پاس اپنی بات منوانے کے لیے نہ مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی، پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن ہے کبھی ایسا خیال بھی دل میں گزرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے، تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ موثر اور مفید ہو، یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں ان کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں بہر حال وہ ایسا نازک اور پر خطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے نرغہ میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھٹلاتا کوئی طعن کرتا کوئی مذاق اڑاتا

تھا۔ اس ماحول کا تصور کرو اور اس مبلغ اعظم کی قوت قلب اور ہمت مردانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد واتکال ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا۔ آپ جب محزون ودلگیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اس سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکرمند اور غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مراعات کا خیال لائیں کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی نے جو چیزیں آپ کو سکھلائی ہیں اور جس بے خوف وخطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کے بعض حصہ کو ان لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں جب یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو تنگدل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ کا کام صرف بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے ان کی ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ خدا تعالیٰ جس کے سپرد ہر چیز ہے، ان کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کیجئے اور صبر واستقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہیے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ....

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ: کیا کفار کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے قرآن خود اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے: (اگر یہ بات ہے) تو پھر تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر پیش کرو۔

ایک شبہ: سورۂ یونس میں آیا ہے: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهَا ایک سورت اس جیسی پیش کرو۔ مگر غیر مسلم ایک سورت بھی قرآن جیسی پیش نہیں کر سکے، اب یہاں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی، اس کے کیا معنی؟ جو شخص سائل کو ایک روپیہ دینے سے قاصر رہا ہو، اس سے کیا دس روپے طلب کئے جا سکتے ہیں؟ کیا اس قسم کا کلام نامناسب بلکہ مہمل نہیں سمجھا جائے گا؟

ازالہ: سورۂ ہود کی یہ آیت جس میں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے، پہلے نازل ہوئی پھر جب دس سورتیں نہیں پیش کی جا سکیں تو سورۂ یونس میں صرف ایک ہی سورت پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ سورۂ یونس کا نزول اس سورت کے بعد ہوا۔

مبرد نے اس جواب کو خلاف واقعہ قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ سورۂ یونس ہی پہلے نازل ہوئی۔ پھر شبہ کا جواب کیا ہوگا؟ مبرد نے کہا: دونوں سورتوں میں مثلیت کا مفہوم جدا جدا ہے۔ سورۂ یونس میں قرآن جیسی ایک سورت پیش کرنے کی دعوت دی، یعنی غیبی اطلاعات، احکام، وعدۂ ثواب اور وعید عذاب میں گزشتہ آسمانی کتابوں کے طرز پر کوئی ایک سورت بنالاؤ۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اب اس سورت میں دس سورتیں بنا کر پیش کرنے کی دعوت دی جو صرف بلاغت اور حسن طرز میں قرآن جیسی ہوں میں کہتا ہوں: جب وہ لوگ ایسا بھی نہ کر سکے تو پھر سورۃ البقرہ میں فرمایا: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (یعنی ندرت، اسلوب اور بلاغت کلام میں دس سورتیں قرآن جیسی پیش نہیں کر سکتے تو) صرف ایک ہی سورت صرف عبارت کی ساخت کے لحاظ سے اس کی طرح بنالاؤ۔

مفتریٰت (دس سورتیں) خودساختہ۔ اپنی طرف سے بنائی ہوئی:

آخر تم لوگ بھی میری طرح خالص عرب اور قادر الکلام ہو بلکہ بڑے مشاق ہو، باہم سیکھتے سکھاتے اور کہتے بتاتے ہو۔ اور اللہ کو چھوڑ کر (اور جن کو چاہو) اور جن کو بلا سکتے ہو، اپنی مدد کیلئے بلالو اگر تم سچے ہو (تو ایسی کوشش کر دیکھو)۔ اگر نہ کر سکو اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام

ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اتارا ہے۔ بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہوسکتا اس کی ذات وصفات میں کون شریک ہوسکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں کیا اسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انتظار ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ....

اللہ جل شانہ پہ بہتان باندھنے والے:

جو لوگ اللہ کے ذمے بہتان باندھ لیں، ان کا انجام اور قیامت کے دن کی ساری مخلوق کے سامنے کی ان کی رسوائی کا بیان ہورہا ہے۔ مسند احمد میں صفوان بن محرز کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا پھر پوچھنے لگا کہ آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قیامت کے دن کی سرگوشی کی بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ اللہ عزجل مؤمن کو اپنے سے قریب کرے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور اسے لوگوں کی نگاہوں سے چھپالے گا اور اسے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا کہ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ اور فلاں بھی اور فلاں بھی؟ یہ اقرار کرتا جائے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ بس اب ہلاک ہوا۔ اس وقت ارحم الراحمین فرمائے گا کہ میرے بندے دنیا میں میں ان پر پردہ ڈالتا رہا سن آج بھی میں انہیں بخشتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ اسے دے دیا جائے گا۔ اور کفار اور منافقین پر تو گواہ پیش ہوں گے جو کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جو اللہ پر جھوٹ بولتے تھے یاد رہے کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے۔

یہ لوگ اتباع حق، ہدایت اور جنت سے اوروں کو روکتے رہے اور اپنا طریقہ ٹیڑھا ترچھا ہی تلاش کرتے رہے ساتھ ہی قیامت اور آخرت کے دن کے بھی منکر ہی رہے اور اسے مانا ہی نہیں۔ یاد رہے کہ یہ اللہ کے ماتحت ہیں وہ ان سے ہر وقت انتقام لینے پر قادر ہے، اگر چاہے تو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی پکڑ لے لیکن اس کی طرف سے تھوڑی سی ڈھیل انہیں مل گئی ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دے دیتا ہے بالآخر جب پکڑتا ہے تب چھوڑتا ہی نہیں۔ ان کی سزائیں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔ اس لیے کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں سے انہوں نے کام نہ لیا۔ سننے سے کانوں کو بہرہ رکھا۔ حق کی تابعداری سے آنکھوں کو اندھا رکھا جہنم میں جاتے وقت خود ہی کہیں گے کہ (لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر) یعنی اگر سنتے ہوتے عقل رکھتے ہوتے تو آج دوزخی نہ بنتے یہی فرمان (الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ زدناھم عذابا فوق العذاب الخ) میں ہے کہ کافروں کے لیے اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے لیے عذاب پر عذاب بڑھتا چلا جائے گا۔ ہر ایک حکم عدولی پر، ہر ایک برائی کے کام پر سزا بھگتیں گے۔ پس صحیح قول یہی ہے کہ آخرت کی نسبت کے اعتبار سے کفار بھی فروع شرع کے مکلف ہیں۔ یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور خود اپنے تئیں جہنمی بنایا۔ جہاں کا عذاب ذرا سی دیر بھی ہلکا نہیں ہوگا۔ آگ کے شعلے کم ہونے تو کہاں اور تیز تیز ہوتے جائیں گے جنہیں انہوں نے گھڑ لیا تھا یعنی بت اور اللہ کے شریک وغیرہ آج وہ ان کے کسی کام نہ آئیں گے بلکہ نظر بھی نہ پڑیں گے بلکہ اور نقصان پہنچائیں گے۔ وہ تو ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے شرک سے صاف مکر جائیں گے۔ گو یہ انہیں باعث عزت سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ان کے لیے باعث

گے کہ ان مشرکوں نے انہیں پوجا۔ یہ ارشاد خلیل الرحمن علیہ السلام کا اپنی قوم سے تھا کہ ان بتوں سے گوتم دنیوی تعلقات وابستہ رکھو لیکن قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کر دیں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگیں گے۔ اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور کوئی کسی کو کوئی مدد نہ پہنچائے گا۔ یہی مضمون (اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (البقرہ:۱۶۶)) میں ہے یعنی اس وقت پیشوا لوگ اپنے مریدوں سے دست بردار ہو جائیں گے عذاب الٰہی آنکھوں دیکھ لیں گے اور باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں وہ بھی ان کی ہلاکت اور نقصان کی خبر دیتی ہیں۔ یقیناً یہی لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ جنت کے درجوں کے بدلے انہوں نے جہنم کے گڑھے لیئے۔ اللہ کی نعمتوں کے بدلے جہنم کی آگ قبول کی۔ میٹھے ٹھنڈے خوشگوار جنتی پانی کے بدلے جہنم کا آگ جیسا کھولتا ہوا گرم پانی انہیں حور عین کے بدلے لہو پیپ اور بلند و بالا محلات کے بدلے دوزخ کے تنگ مقامات انہوں نے لیے، رب رحمن کی نزدیکی اور دیدار کے بدلے اس کا غضب اور سزا انہیں ملی۔ بیشک یہاں یہ سخت گھاٹے میں رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ اَیْ بِاَنِّیْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْکَسْرِ عَلٰی حَذْفِ الْقَوْلِ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿٢٥﴾
بَیِّنُ الْاِنْذَارِ اَنْ اَیْ بِاَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ اِنْ عَبَدْتُّمْ غَیْرَهٗ عَذَابَ یَوْمٍ
اَلِیْمٍ ﴿٢٦﴾ مُؤْلِمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ وَهُمُ الْاَشْرَافُ مَا نَرٰىكَ اِلَّا
بَشَرًا مِّثْلَنَا وَلَا فَضْلَ لَكَ عَلَیْنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا اَسَافِلُنَا كَالْحَاكَةِ وَ
الْاَسَاكِفَةِ بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ اَیْ اِبْتِدَاءً مِنْ غَیْرِ تَفَكُّرٍ فِیْكَ وَنَصْبُهٗ عَلَی الظَّرْفِ اَیْ وَقْتَ
حُدُوْثِ اَوَّلِ رَاْیِهِمْ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَتَسْتَحِقُّوْنَ بِهِ الْاِتِّبَاعَ مِنَّا بَلْ نَظُنُّكُمْ
كٰذِبِیْنَ ﴿٢٧﴾ فِیْ دَعْوَی الرِّسَالَةِ اَدْرَجُوْا قَوْمَهٗ مَعَهٗ فِی الْخِطَابِ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اَخْبِرُوْنِیْ اِنْ
كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ بَیَانٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً نُبُوَّةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ خُفِیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ وَفِیْ قِرَاءَةٍ
بِتَشْدِیْدِ الْمِیْمِ وَالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا اَنُجْبِرُكُمْ عَلٰی قُبُوْلِهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾ لَا نَقْدِرُ
عَلٰی ذٰلِكَ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ عَلٰی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ مَالًا ؕ تُعْطُوْنِیْهِ اِنْ مَا اَجْرِیَ ثَوَابِیْ اِلَّا عَلَی
اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَمَا اَمَرْتُمُوْنِیْ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ بِالْبَعْثِ فَیُجَازِیْهِمْ یَاْخُذُ لَهُمْ
مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ وَطَرَدَهُمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ یَمْنَعُنِیْ

مِنَ اللّٰہِ اَیْ عَذَابِہٖ اِنْ طَرَدْتُّھُمْ ؕ اَیْ لَانَاصِرَلِیْ اَفَلَا فَھَلاَّ تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِی
الْاَصْلِ فِی الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَنِّیْ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ
مَلَكٌ بَلْ اَنَابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ تَحْتَقِرُ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا ؕ اَللّٰہُ
اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ۚ قُلُوْبِھِمْ اِنِّیْٓ اِذًا اِنْ قُلْتُ ذٰلِكَ لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۳۱ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا
خَاصَمْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ بِہٖ مِنَ الْعَذَابِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۳۲ فِیْہِ
قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآءَ تَعْجِیْلَہٗ لَكُمْ فَاِنَّ اَمْرَہٗ اِلَیْہِ لَااِلَیَّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝۳۳ بِفَائِتِیْنَ
اللّٰہَ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ اَیْ
اِغْوَائَكُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَیْہِ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْ ھُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴ قَالَ تَعَالٰی اَمْ
بَلْ یَقُوْلُوْنَ اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ افْتَرٰىہُ ؕ اِخْتَلَقَ مُحَمَّدٌ نِ الْقُرْاٰنَ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُہٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ اَیْ عُقُوْبَتُہٗ
ع ۱۱/۳ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝۳۵ ع مِنْ اِجْرَامِكُمْ فِیْ نِسْبَةِ الْاِفْتِرَاءِ اِلَیَّ

ترجمہ: اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ میں (یعنی ہانی (ان سے پہلے با مقدر مان کر) اور ایک قراءت میں ھمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے قول کو مقدر ماننے کی صورت میں) تم کو ڈر کی بات سنانے والا ہوں کھول کر (واضح طور پر) کہ (یعنی ان سے پہلے با مقدر ہے) تم نہ پرستش کرو اللہ کے سوا میں ڈرتا ہوں تم پر (اگر تم نے غیر اللہ کی پرستش کی) دردناک دن کے عذاب سے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دینے والا ہو) پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے (اشراف قوم) ہم تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو (تمہیں ہمارے مقابلہ پر کوئی بڑائی حاصل نہیں ہے) اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلتے ہیں انہیں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں کے بالکل ہی رذیل ہیں (کمینے جیسے جولا ہے، موچی) اور وہ بھی سرسری نظر سے بے سوچ سمجھے تمہارے پیچھے ہو لئے (لفظ راء ھمزہ کے ساتھ ہے اور بغیر ھمزہ کے یعنی انہوں نے تمہارے متعلق کچھ غور و فکر بھی نہیں کیا، اس پر نصب ظرفیت کی بناء پر ہے یعنی سرسری نظر کے وقت) ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی بھی بات زیادہ نہیں پاتے (جس کی وجہ سے ہم تمہیں پیروی کے لائق سمجھیں) بلکہ تمہیں جھوٹا کہتے ہیں (نبوت کے دعویٰ میں اور خطابت میں نبی کی قوم کو بھی شامل کیا) نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر بھی غور کیا؟ (مجھے ذرا یہ تو بتلاؤ) کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر قائم ہوں اور اس نے اپنی جانب سے رحمت (نبوت) بھی عنایت فرمادی مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے (نہ سوجھے اور ایک قراءت میں لفظ عمیت میم کی تشدید کے ساتھ اور صیغہ مجہول سے ہے) تو کیا ہم اسے تمہارے گلے مڑھ دیں (زبردستی اس کو منوائیں) اور تم اس سے

بیزاری کئے چلے جاؤ؟ (یعنی ہم ایسا نہیں کر سکتے) لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں میں تم سے (تبلیغ) پر کچھ مال نہیں مانگتا (کہ تم مجھے دو) میری مزدوری (ثواب) تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور میں نہیں دھتکارنے والا ایمان والوں کو جیسا کہ تم چاہتے ہو انہیں بھی اپنے پروردگار سے ایک دن ملنا ہے (قیامت کے دن کہ وہی انہیں ملنا عطا کرے گا ہاں ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہوگا وہ انہیں خود رسوا کرے گا اور دھکے دے گا) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو (انجام سے بے خبر ہو) اے میری قوم! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے باہر نکال کروں تو اللہ (کے عذاب) کے مقابلہ میں کوئی ہے جو میری مدد کر (کے مجھے بچا) لے گا (یعنی مجھے کوئی نہیں بچا سکتا) کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے؟ دراصل اس میں تائے ثانی کا ذال میں ادغام ہو رہا ہے) بمعنی تتعظون) اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں فرشتہ ہوں (بلکہ تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں) اور نہ ان تمام لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری نگاہیں کمتر سمجھتی ہیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہرگز انہیں ثواب نہیں دے گا ان کے دل میں جو کچھ ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے (اگر ایسی بات کہوں تو تو ایسی صورت میں میں ظالم ٹھہروں گا وہ لوگ کہنے لگے اے نوح علیہ السلام! تم ہم سے بحث کر چکے (جھگڑ چکے) اور خوب بحث کر چکے سو جس (عذاب) کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اب لے آؤ اگر تم سچے ہو (اس بارمیں) نوح علیہ السلام بولے لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا (اگر اس کو جلدی منظور ہوگا کیونکہ یہ تو اس کے اختیار میں ہے نہ کہ میرے اختیار میں) اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر (یعنی اللہ سے بچ کر نہیں جا سکتے) اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے تو میں کتنا ہی تم کو نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت کچھ سود مند نہ ہوگی (ان یغویکم اغواء کے معنی میں ہے اور جواب شرط محذوف ہے وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ اس پر دلالت کرتا ہے وہی تمہارا پروردگار ہے اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے (حکم خداوندی ہوا) کیا یہ (کفار مکہ) کہتے ہیں گھڑ لیا قرآن کو؟ (محمدؐ نے گھڑ لیا ہے قرآن کو) کہہ دیجئے اگر میں گھڑ لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ (یعنی اس کی سزا) اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو (قرآن کو اپنے جی سے گھڑ لینے کی نسبت میری طرف کر کے جس جرم کا ارتکاب تم کر رہے ہو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِاَنِّیْ :ان مصدریہ ہے نہ کہ مفسرہ۔

قوله: بِاَنْ :یہ اِنِّیْ کا بدل ہے با کا اضافہ رابطہ کے لئے ہے۔

قوله: وَهُمُ الْاَشْرَافُ :ملاء کے مطلق ہونے کی وجہ بیان کی کہ وہ معززین ہیں جو دلوں کو رعب اور مجالس کو عظمت سے بھر دیتے ہیں۔

قوله: اَسَافِلُنَا :یہ اَرَاذِلُ کا معنی ہے۔ یہ اسم کی طرح ہونے کی وجہ سے اس کی جمع اس وزن پر آئی ہے۔

قوله: كَالْحَاكَةِ :جمع حائك (جولاہا)

قوله: اِبْتِدَاءً: بادی کا لفظ بداء معنی ابتداء سے نہ کہ بدو سے۔

قوله: وَنَصْبُہٗ عَلَی الظَّرْفِ: یہ اتبعک کا ظرف ہے یعنی ابتدائی رائے میں انہوں نے بلا سوچ و بچار تمہاری پیروی کرلی ہے اگر یہ سوچتے تو تمہاری پیروی نہ کرتے۔

قوله: عَلٰی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَۃِ: اگرچہ وہ مذکور نہیں مگر وہ مذکور سے معلوم ہے۔

قوله: تَزْدَرِیْ: از دراء باب افعال سے بنا ہے اس کا معنی عیب جوئی کرنا۔

قوله: غواؤکم: ان مصدر یہ ہے تفسیر یہ نہیں۔

قوله: وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ: بذات خود میری نصیحت تمہارے کام نہیں آسکتی۔ یہ جملہ دال علی الجزاء ہے۔

قوله: عُقُوْبَتُہٗ: یہ اِجْرَامِیْ اجرم سے ہے یہاں مراد اس کی سزا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

قوم نوح علیہ السلام کے شبہات اور ان کے جوابات:

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اہل حق اور اہل باطل کا برابر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ بینا اور نابینا اور شنوا اور بہرے کا برابر ہونا ناممکن ہے۔ پس غور کرلو کہ ان دو مختلف اور متضاد فریقین کا انجام کیسے یکساں ہوسکتا ہے۔

اب آگے اسی مضمون کی تائید اور تاکید کے لیے چند عبرتناک واقعات بیان کرتے ہیں جن میں اول قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے کہ جو صدہا سال کی نصیحت کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے بالآخر غرق ہوئے یہ قصہ اگرچہ سورۃ یونس میں مذکور ہوچکا ہے مگر یہاں کچھ زائد حالات کا ذکر ہے جن سے جدید فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ساڑھے نوسو برس قوم کو نصیحت کرتے رہے اس کے بعد طوفان آیا۔ طوفان کے ساٹھ برس بعد تک زندہ رہے اس قسم کے واقعات سے کفار کو تنبیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تکذیب سے دلگیر نہ ہوں اطمینان اور صبر کے ساتھ دعوت اور تبلیغ میں لگے رہیں۔

نکتہ: سورۃ یونس میں نوح علیہ السلام کا قصہ استعجال عذاب کے جواب میں ذکر کیا اور یہاں کفار کی ایذاء رسانی اور ان کے تمسخر کے جواب میں ذکر کیا کہ نوح علیہ السلام نے ان کے ایذاء اور تمسخر پر صبر کیا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان مسخروں کو ہلاک کیا۔ (تفسیر کبیر ص ۶۸ ج ۵)

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف جو حق کے بارے میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے تھے رسول بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام نے ان سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے لیے کھول کر ڈرانے والا ہوں یعنی اسباب عذاب اور وجوہ خلاص کو بیان کرنے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تحقیق میں تم کو ایک بڑے دردناک دن کے عذاب سے

ڈراتا ہوں۔

قوم کا جواب:

پس ان کی قوم کے جو لوگ کافر تھے ان کے سردار جواب میں یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام! اول تو ہم تم کو اپنے جیسا ہی آدمی دیکھتے ہیں یعنی تم میں کوئی خاص فضیلت اور خصوصیت اور امتیاز نہیں پاتے جس کی بناء پر ہم آپ علیہ السلام کو نبی مانیں جیسے انسان تم ہو ویسے ہی انسان ہم بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم پر وحی آئے اور ہم پر نہ آئے اور دوم یہ کہ ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں سے رذیل اور کمینہ ہیں اور یہ پیروی بھی انہوں نے بے سوچے سرسری نظر سے کر لی ہے اگر وہ غور و فکر کرتے تو وہ بھی آپ علیہ السلام کی پیروی نہ کرتے ان بے سمجھ لوگوں نے سادہ لوحی سے آپ علیہ السلام کے سحر کو معجزہ اور آپ علیہ السلام کی شبہات کو دلائل اور براہین سمجھ لیا ہے مطلب یہ ہے کہ نہ آپ علیہ السلام میں کوئی شان امتیازی ہے اور نہ آپ علیہ السلام کے پیروؤں میں کوئی خاص خصوصیت ہے بلکہ وہ رذیل اور بے عقل اور جاہل لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے معززین کے لیے باعث عار اور ننگ ہے اور آج کل بھی ایسا طبقہ موجود ہے کہ جو اہل ایمان کو عموماً اور علما کو خصوصاً حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور ان کو بیوقوف سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ طبقہ دنیاوہ مال و جاہ میں ان سے کم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شرف و عزت کا دارومدار مال و دولت پر ہے جس کے پاس مال نہیں وہ ان کے نزدیک رذیل ہے اگرچہ عقل و فہم میں ان سے کہیں بلند ہو اور ہم آپ لوگوں سے کس بات میں کم ہیں۔ ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کسی قسم کی برتری نہیں دیکھتے تم ہم سے نہ مال و دولت میں زیادہ ہو اور نہ عزت و وجاہت میں ہم سے بڑھ کر ہو پھر کیوں آپ علیہ السلام کے تابع اور پیرو بنیں۔ بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو تم نے ایک بات بنا لی ہے اور چند بے وقوفوں نے بے سوچے سمجھے ہاں میں ہاں ملا دی ہے ایسے حقیر اور فقیر اور بے عقل اور جاہلوں کی اتباع آپ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ان ملعونین اور مغرورین و متکبرین کی جہالت آمیز تقریر تھی جو ختم ہوئی اب آئندہ آیت میں نوح علیہ السلام کا جواب باصواب آتا ہے اب اس کو سنیئے اور خوب کان لگا کر سنیئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب:

نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ اے میری قوم تمہارا میری بشری اور ظاہری صورت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ میں اور تم برابر ہیں یہ تمہاری جہالت اور حماقت ہے صورت بشریہ میں سب انسان شریک ہیں مگر باطنی فضائل و کمالات میں مختلف ہیں۔ بیشک انسان ہونے میں میں اور تم برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری صورت کے اعتبار سے اگرچہ مجھ کو تمہاری ہی جیسی صورت عطاء کی ہے مگر باطنی فضائل و کمالات کے اعتبار سے مجھ کو تم سے جدا اور ممتاز بنایا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آیا ہوں میں تمہارے مثل کیسے ہو سکتا ہوں صورت بشریہ کے اعتبار سے اگرچہ تمہارے مثل ہوں مگر فضائل و کمالات اور آیات بینات کے اعتبار سے تم سے ممتاز اور بالکل جدا ہوں۔ بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں جو میری صداقت پر گواہ ہو اور جس سے میری نبوت ثابت ہوتی ہو اور دی ہو اس نے اپنے پاس سے مجھے اپنی خاص رحمت یعنی نبوت و ہدایت کاملہ اور طہارت فاضلہ جس کو دیکھ کر ایک نظر میں صاحب بصر سمجھ جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی بنائی ہوئی بات نہیں پھر یہ روشن حقیقت تمہاری آنکھ بند کر لینے کی وجہ

سے تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی تکبر اور غرور نے تم کو اندھا بنا دیا اس لیے تم کو میری نبوت نظر نہیں آتی تو بتلاؤ ایسی صورت میں میں کیا کروں مجبور ہوں کیا اس رحمت اور ہدایت کو ہم زبردستی تمہارے سر لگا دیں درآنحالیکہ تم اس سے بیزار اور متنفر ہو اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی تم کو گوارا نہیں۔ مشعل ہدایت تمہارے سامنے کر دی ہے اب دیکھنا اور نہ دیکھنا تمہارا کام ہے باقی کسی کو ہدایت یاب کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ میری نبوت تو دلائل اور براہین سے روز روشن کی طرح واضح ہے مگر تم کو اس لیے نظر نہیں آتی کہ تم دل کے اندھے ہو یا آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے جو تم کو رحمت دی تم نے اس کی قدر نہ جانی بلکہ تکذیب کے درپے ہو تو کیا میں باوجود تمہاری اس کراہت اور نفرت کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں۔ یہاں تک کافروں کے پہلے شبہ اور اعتراض کا جواب ہوا کہ تم ہم جیسے بشر ہو اب ان کے دوسرے شبہ اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ دوسرا شبہ انکا یہ تھا کہ آپ علیہ السلام کے اتباع کرنے والے حقیر اور ذلیل لوگ ہیں سو یہ اعتراض بھی جہالت اور حماقت پر مبنی ہے عزت اور ذلت کا دارومدار مال و دولت پر مبنی نہیں بلکہ اتباع پر ہے جس غریب و فقیر نے دولت حق اور باطل کے فرق کو سمجھ کر حق کا اتباع کیا وہ عزت والا ہو گیا اور جس دولت مند نے حق سے منہ موڑا وہ ذلیل و خوار ہوا لہٰذا معلوم ہوا کہ اراذل اور ضعفاء اور فقراء کا اتباع نبوت اور صداقت میں قادح نہیں پھر یہ کہ اراذل صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہیں پس تم جیسے اہل عقل اور اہل فہم کا نبوت کو قبول کرنا تم پر حجت ہے یہ غرباء اور فقراء اگر مال و دولت میں تم سے کم ہیں تو عقل اور فہم میں تم سے بڑھ کر ہیں اور اگر برابر بھی ہوں تو ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں اور تمہاری آنکھوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے تم کو یہ روشن حقیقت نظر نہیں آتی جو ان فقراء اور ضعفاء کو نظر آ رہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ و رسالت پر کوئی مال نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ جز ایں نیست کہ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جس کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا مقصود تو نصیحت اور تبلیغ رسالت ہے میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے مال و دولت پر میری نظر نہیں۔ اس لیے میری نظر میں امیر و فقیر اور دولت مند اور حاجت مند سب برابر ہیں ظاہری صورت کے اعتبار سے بیشک میں بشر ہوں مگر حقیقت باطنہ کے لحاظ سے فرشتہ بلکہ فرشتہ سے بڑھ کر ہوں حرص اور طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جو طمع اور غرض سے پاک ہو وہ کیوں جھوٹ بولے گا۔ تم درہم و دینار کے بندے ہو اور میں خالص خدا کا بندہ ہوں۔ میری نظر صرف خدا پر ہے مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے اگر عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو اور تم میرے متبعین کی ظاہری شکستگی اور تنگدستی کو دیکھ کر انہیں رذیل کہتے اور حقیر سمجھتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تب تم میرے پاس بیٹھو۔ اور میری بات سنو تو خوب سمجھ لو کہ میں اہل ایمان کو اپنی مجلس اور صحبت سے ہانک دینے والا نہیں میں تمہاری درخواست کی بناء پر ضعفاء مؤمنین اور فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ تحقیق یہ درویشان اسلام عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں قیامت کے دن ان کے ایمان اور اعمال صالحہ سے ان کی کرامت ظاہر ہوگی اور مؤمن کو دنیا و مافیہا سے دس گنا زیادہ دولت ملے گی۔ اور یہ دولت مند کافر مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہ ہوں گے ولیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جاہل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت اور موٹر بنگلہ کو عزت سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز اور مقرب ہیں دل سے

ان کو حقیر وذلیل اور زبان سے ان کو کمینہ اور رذیل کہتے ہو تم ایسی جاہل قوم ہو کہ تمہیں عزت وذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ خداوند ذوالجلال سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت ہے اور خداوند تعالیٰ سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنفقین لا یعلمون۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور اے میری قوم! اگر بالفرض والتقدیر تمہاری رعایت سے ان غرباء اور فقراء کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دوں تو بتلاؤ کون مجھ کو اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔ غریب طالب حق کو دولتمند کی رعایت سے مجلس سے نہیں ہٹایا جا سکتا یہ بے انصافی اور ظلم ہے میں تمہاری رعایت سے خدا کے مخلص بندوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا اگر خدانخواستہ ایسا کروں تو مجھے خدا کی گرفت سے کون بچا سکے گا کیا بھلا تم غور نہیں کرتے کہ ایمان اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ملتی ہے۔ محض دنیاوی مال و دولت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت ورسالت کا منصب عطاء کیا اور ان فقراء مؤمنین کو ولایت باکرامت کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

بعد ازاں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں کے اور بعض اقوال کا جواب ارشاد فرمایا اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جس کے نہ ہونے کو خساست اور رذالت سمجھتے ہو اور مال ودولت کے نہ ہونے کو کاذب ہونے کی دلیل قرار دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ بل نظنکم کاذبین۔ خوب سمجھ لو کہ رسول کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ خزانوں کا مالک میرے نزدیک مال ودولت کا وجود اور عدم سب برابر ہے۔ میرے نزدیک عزت کا دارومدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور مال ودولت کا نہ ہونا کاذب ہونے کی دلیل نہیں کیا فقیر، کاذب اور مالدار صادق ہوتا ہے اور نہ میں غیب دان ہوں کہ لوگوں کے باطن کی خبر دوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں تو میرا یہ دعویٰ کب ہے کہ میں فرشتہ ہوں مگر تمہاری یہ جہالت ہے کہ تم بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے ہو فرشتوں کا رتبہ تو انبیاء سے کم ہی ہے البتہ میں بشر ہوں مگر مؤید بہ معجزات ہوں تم عجیب نادان ہو کہ شجر اور حجر کو تو خدا اور معبود سمجھتے ہو اور بشر کے نبی ہونے کے منکر ہو صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہوں لیکن کمالات بشریہ اور فضائل انسانیہ میں تم سے ممتاز اور جدا ہوں یہ تو اپنے متعلق ارشاد فرمایا اب آگے اپنے متبعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اگر یہ لوگ مثل ظاہر کے باطن میں بھی مؤمن بنیں تو ان کو بہتر جزا ملے گی جو تمام روئے زمین کی سلطنت اور اس کے خزانوں سے بہتر ہوگی چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لیے میں اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرتا ہوں باطن کی خبر تو اللہ تعالیٰ جانے اگر میں ان کو نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں سے ہوں گا کہ محض شبہ اور گمان کی بناء پر ان کو نکال دیا۔ انبیاء کرام کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ظاہر کے مطابق معاملہ کریں۔

الغرض تمہارے یہ تمام شبہات اور اعتراضات سب لایعنی اور مہمل ہیں اور جو میں کہتا ہوں وہ حق اور صحیح ہے اور دلیل اور برہان سے ثابت ہے۔ جب کفار نوح علیہ السلام کے جوابات سے لاجواب ہوئے تو یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام تو نے ہمارے

ساتھ مباحثہ اور مجادلہ کیا اور بحث کو بہت بڑھایا اور طول دیا۔ خیر اب بحث تو چھوڑ و۔ پس اگر آپ علیہ السلام سچوں میں سے ہیں تو آپ علیہ السلام وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ علیہ السلام ہم کو ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اور مجھے رسول نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ اب آپ بحث کو چھوڑ یئے اور عذاب لائیے تو نوح علیہ السلام نے ان کو جواب میں کہا میرے اختیار میں دعوت ونصیحت تھی وہ کر چکا۔ باقی عذاب کا لانا وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جز ایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ہی عذاب لائے گا جب اس کو منظور ہوگا۔ دیر میں آئے یا سویر میں اور پھر تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں نے تم کو کر دی۔ اب آخری بات یہ ہے جس پر میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میری نصیحت تم کو سودمند نہ ہوگی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے اور رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو بدل سکے۔ وہی تمہارا مربی اور محسن ہے اس نے تمہاری ہدایت کے لیے پیغمبر بھیج تم کو چاہئے تھا کہ اس کے حکموں پر چلتے مگر از راہ عناد تم مجرم بنے اور ایک دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کی جزا پاؤ گے۔ کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے یہ پیغام اپنی طرف سے بنالیا ہے یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔ اے نوح علیہ السلام آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں بری ہوں اس جرم سے جس کے تم مرتکب ہو مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت نوح علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنالائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے حضرت نوح علیہ السلام کوئی کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ اس لیے یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کے کلام کو درمیان قصہ نوح علیہ السلام ذکر فرمایا یہاں تک جتنے سوالات اور جوابات ذکر کیے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے اس لیے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح علیہ السلام کا باقی قصہ ذکر ہوتا ہے۔

لطائف ومعارف:

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

اشقیاء را دیدہ بینا نبود نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ اس لیے ان کی نظر میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

انبیاء کرام علیہم السلام کے ہمسری کے مدعی تھے اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستہ خوابیم و خود

اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں کھانے اور سونے کے دونوں پابند ہیں، پھر ہم میں اور ان میں فرق کیا رہا۔

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

اور کور باطنی سے یہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دوگوں زنبور خوردند از محل لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل

دونوں قسم کے زنبور (بھڑ) ایک ہی جگہ سے پھلوں کا رس چوستی ہیں مگر ایک زنبور سے ڈنگ پیدا ہوتا ہے اور دوسرے زنبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دوگون آہو گیا خوردند آب زیں یکے سرگیں شد وزاں مشک ناب

اس شعر میں ایک دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے تو مینگیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک نکلتی ہے۔

ہر دو نے خوردند از یک آب خور آں یکے خالی و آں پر از شکر

یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قدم کی نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے اور دوسری شکر اور رس سے پر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس قسم کی سو ہزار نظیریں دیکھو گے ان میں ستر سال کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا واں خورد گردد ہمہ نور خدا

خدا کا نافرمان غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور خدا کا فرمانبردار کھاتا ہے تو اس سے نور خدا یعنی معرفت اور محبت خداوندی پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد واں خرد زاید ہمہ نور احد

یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل وحسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نور خدا پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست آب تلخ و آب شیریں را صفاست

سعید اور شقی کا صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ آب تلخ اور آب شیریں ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں میں صفائی موجود ہے مگر حقیقت مختلف ہے۔ جس کا فرق چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کفار نے محض ظاہری مشابہت کی بنا پر انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے ہمسر اور برابر جانا یہی ان کی کور باطنی اور بے عقلی کی دلیل ہے رہبر کا کام راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی گم گشتہ راہ کو لق ودق میدان میں کوئی رہنما مل جائے جو راستہ سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں یہ کہے کہ تم تو مجھ جیسے انسان ہو میں تم کو ہادی کیسے مانوں اور تمہارے کہنے پر کیسے چلوں تو یہی جواب اس کی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے بلاشبہ وہ ہادی طریق صورت وشکل میں تم ہی جیسا انسان ہے مگر وہ منزل مقصود کی راہ سے بخوبی واقف ہے اور تم بے خبر ہو۔

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ مِنَ الشِّرْكِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَا تَذَرْ الخ فَاَجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰی دُعَاءَهٗ وَقَالَ **وَاصْنَعِ**

الْفُلْكَ السَّفِيْنَةَ بِأَعْيُنِنَا بِمَرْأًى مِنَّا وَحِفْظِنَا وَ وَحْيِنَا أَمْرِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ كَفَرُوْا
بِتَرْكِ إِهْلَاكِهِمْ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ حِكَايَةُ حَالٍ مَاضِيَةٍ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ
جَمَاعَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ اِسْتَهْزَءُوْا بِهٖ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾
إِذَا نَجَوْنَا وَغَرِقْتُمْ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ يَأْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ يَنْزِلُ
عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ دَائِمٌ حَتّٰى غَايَةٌ لِلصُّنْعِ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا بِإِهْلَاكِهِمْ وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَامَةً لِنُوْحٍ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا فِي السَّفِيْنَةِ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ أَيْ ذَكَرٍ وَأُنْثٰى أَيْ مِنْ كُلِّ
أَنْوَاعِهِمَا اثْنَيْنِ ذَكَرًا وَأُنْثٰى وَهُوَ مَفْعُوْلٌ وَفِي الْقِصَّةِ إِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوْحٍ السِّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَ غَيْرَهُمَا
فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ فِيْ كُلِّ نَوْعٍ فَتَقَعُ يَدُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الذَّكَرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْأُنْثٰى فَيَحْمِلُهُمَا فِي
السَّفِيْنَةِ وَ أَهْلَكَ أَيْ زَوْجَتَهٗ وَأَوْلَادَهٗ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ أَيْ مِنْهُمْ بِالْإِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُهٗ
كَنْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَيَافِثَ فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةً وَ مَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ إِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾
قِيْلَ كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاءَهُمْ وَقِيْلَ جَمِيْعُ مَنْ كَانَ فِي السَّفِيْنَةِ ثَمَانُوْنَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَ نِصْفُهُمْ
نِسَاءٌ وَ قَالَ نُوْحٌ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسٰهَا ۭ بِفَتْحِ الْمِيْمَيْنِ وَضَمِّهِمَا مَصْدَرَانِ أَيْ
(قرأ حفص بفتح الميم وامالة الراء)
جَرْيُهَا وَرُسُوُّهَا أَيْ مُنْتَهٰى سَيْرِهَا إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْنَا وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ
مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ فِي الْاِرْتِفَاعِ وَالْعِظَمِ وَ نَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ كَنْعَانَ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ عَنِ السَّفِيْنَةِ يّٰبُنَيَّ
ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ إِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ يَمْنَعُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا
عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ عَذَابِهٖ إِلَّا لٰكِنْ مَنْ رَّحِمَ ۚ اللّٰهُ فَهُوَ الْمَعْصُوْمُ قَالَ تَعَالٰى وَ حَالَ بَيْنَهُمَا
الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ قِيْلَ يٰٓأَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ الَّذِيْ نَبَعَ مِنْكِ فَشَرِبَتْهُ دُوْنَ مَا نَزَلَ مِنَ
السَّمَاءِ فَصَارَ أَنْهَارًا وَبِحَارًا وَ يٰسَمَآءُ أَقْلِعِيْ أَمْسِكِيْ عَنِ الْمَطَرِ فَأَمْسَكَتْ وَ غِيْضَ نَقَصَ الْمَآءُ وَ
قُضِيَ الْأَمْرُ تَمَّ أَمْرُ هَلَاكِ قَوْمِ نُوْحٍ وَ اسْتَوَتْ وَقَفَتِ السَّفِيْنَةُ عَلَى الْجُوْدِيِّ جَبَلٌ بِالْجَزِيْرَةِ بِقُرْبِ
الْمَوْصِلِ وَ قِيْلَ بُعْدًا هَلَاكًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الْكٰفِرِيْنَ وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِيْ ع

كَنْعَانُ مِنْ اَهْلِیْ وَ قَدْ وَعَدْتَنِیْ بِنَجَاتِهِمْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ الَّذِیْ لَا خُلْفَ فِیْهِ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ
الْحٰكِمِیْنَ ۝۴۵ اَعْلَمُهُمْ وَ اَعْدَلُهُمْ قَالَ تَعَالٰی یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ النَّاجِیْنَ اَوْ مِنْ اَهْلِ دِیْنِكَ
اِنَّهٗ سُوَالُكَ اِیَّایَ بِنَجَاتِهٖ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَلَا نَجَاةَ لِلْكٰفِرِیْنَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ مِیْمِ عَمِلَ
فِعْلٌ وَ نَصْبِ غَیْرَ فَالضَّمِیْرُ لِابْنِهٖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ بِالتَّخْفِیْفِ وَ التَّشْدِیْدِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ مِنْ اِنْجَاءِ
اِبْنِكَ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝۴۶ بِسُوَالِكَ مَا لَمْ تَعْلَمْ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ
اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ مَا فَرَطَ مِنِّیْ وَ تَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۴۷ قِیْلَ یٰنُوْحُ
اهْبِطْ اِنْزِلْ مِنَ السَّفِیْنَةِ بِسَلٰمٍ بِسَلَامَةٍ اَوْ بِتَحِیَّةٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ خَیْرَاتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ
مَّعَكَ فِی السَّفِیْنَةِ اَیْ مِنْ اَوْلَادِهِمْ وَ ذُرِّیَّتِهِمْ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اُمَمٌ بِالرَّفْعِ مِمَّنْ مَّعَكَ سَنُمَتِّعُهُمْ فِی
الدُّنْیَا ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۴۸ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُمُ الْكُفَّارُ تِلْكَ اَیْ هٰذِهِ الْاٰیَاتُ الْمُتَضَمِّنَةُ قِصَّةَ
نُوْحٍ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ یَا مُحَمَّدُ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا
قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ فَاصْبِرْ عَلَی التَّبْلِیْغِ وَ اَذٰی قَوْمِكَ كَمَا صَبَرَ نُوْحٌ اِنَّ الْعَاقِبَةَ
ع ۴ الْمَحْمُوْدَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۴۹

معانقۃ اللہ الرسول علی الصبر احسن والعلی

ترجمہ: اورنوح علیہ السلام پر وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر کچھ غم (رنج) نہ کھاؤ (یعنی شرکیہ کام پر چنانچہ پھر نوح نے قوم کے حق میں رَبِّ لَا تَذَرْ الخ سے بددعا کی اور اللہ نے ان کی بددعا قبول فرما کر حکم دیا کہ) اور ہماری نگرانی (ہمارے سامنے اور ہماری حفاظت) میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کردو اور ان ظالموں کے بارے میں (جنہوں نے کفر کیا ہے) اب ہم سے کچھ گفتگو نہ کرنا (کہ انہیں ہلاک نہ کیا جائے) یقیناً یہ سب غرق کئے جائیں گے چنانچہ نوح کشتی بنانے لگے (یہ حال ماضیہ کی حکایت ہے) جب ان میں سے کسی جماعت کا گزر نوح علیہ السلام پر ہوتا تو لوگ مذاق اڑانے لگتے (نوح علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھے کرتے) نوح علیہ السلام انہیں جواب دیتے کہ اگر تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو اس طرح ہم بھی ہنسیں گے (جب ہم بچ جائیں گے اور تم ڈوب جاؤ گے) وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے (یہ من موصولہ علم کا مفعول واقع ہو رہا ہے) جس پر عذاب آتا ہے کہ اسے رسوا کردے اور پھر ہمیشہ کا عذاب بھی اس پر نازل ہو یہاں تک کہ (یہ کشتی بنانے کی غایت ہے) جب وہ وقت آ گیا کہ (انہیں ہلاک کرنے کے متعلق) ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور نے جوش مارا (جو روٹیاں پکانے کا تھا اس سے پانی ابلنے لگا اور نوح علیہ السلام کو عذاب کی یہی علامت بتائی گئی تھی) تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جوڑے (یعنی ایک نر

اور ایک ایک مادہ جانور ہر قسم کے جانوروں سے) دو دو (نر اور مادہ ترکیب میں یہ مفعول ہے اور ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے لئے درندے پرندے وغیرہ سب جانور اکٹھے کر دیئے چنانچہ جب پکڑنے کے لئے وہ ہاتھ بڑھاتے تو غیر اختیاری طور پر ان کا دایاں ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا غرضیکہ اس طرح انہوں نے جانوروں کو کشتی میں چڑھالیا) لے لو اور اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کو بھی سوار کر لو مگر اہل وعیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے بارے میں پہلے کہا جا چکا ہے (یعنی جن کے ہلاک ہونے کا حکم ہو چکا ہے آپ کی بیوی اور کنعان لڑکا برخلاف سام حام یافث کے چنانچہ ان تینوں صاحبزادوں کو ان کی بیویوں سمیت ساتھ لے لیا) اور ان لوگوں کو بھی لے لو جو ایمان لا چکے ہیں اور نوح پر بہت ہی کم لوگ ایمان لا سکے (بعض کی رائے میں چھ مرد اور عورتیں تھیں اور بعض نے کشتی پر موجود سب کی مجموعی تعداد اسی ۸۰ بتلائی ہے جن میں سے آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں) اور (نوح نے) ساتھیوں سے کہا کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اسے چلنا ہے اور اللہ ہی کے نام سے اسے ٹھہرنا ہے (دونوں کی انتہاء ہے) بے شک میرا پروردگار بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (کہ اس نے تمہیں ہلاک نہیں کیا) اور ایسی موجوں میں جو (بلند اور بڑی ہونے میں) پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں کشتی انہیں لیجا رہی ہے اور نوح نے اپنے بیٹے (کنعان) کو پکارا وہ (کشتی سے) ایک طرف کنارے پر کھڑا تھا اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ کہنے لگا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا نوح نے کہا آج اللہ کے قہر (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر ہاں وہی جس پر اللہ رحم کر دے (وہی بچ سکتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اتنے میں ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی پس وہ بھی غرق ہو گیا اور حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا (جو تیرے اندر سے نکلا تھا چنانچہ زمین نے سارا پانی چوس لیا البتہ آسمان سے جو پانی برسا تھا وہ ندی نالوں، دریاؤں، سمندروں کی شکل میں باقی رہ گیا) اور اے آسمان! تھم جا (برسنے سے رک جا پس وہ بھی ٹھہر گیا) اور سکھا دیا گیا پانی (گھٹ گیا) اور قصہ ختم ہوا (قوم نوحؑ کے ہلاک ہونے کا حادثہ پورا ہو گیا) اور کشتی جودی (ایک پہاڑ ہے موصل کے قریب ایک جزیرہ میں) پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ نامرادی (تباہی) ظلم کرنے والے (کافروں کے) گروہ کے لئے ہے اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور عرض کیا خدایا! میرا بیٹا (کنعان) تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے (جن کے بارے میں آپ نے نجات کا وعدہ کر رکھا ہے) اور یقیناً آپ کا وعدہ سچا ہے آپ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں (جو آپ سے زیادہ باخبر اور منصف ہو) فرمایا (حق تعالیٰ نے) اے نوح! وہ تمہارے گھر کے لوگوں میں شمار نہیں (جو نجات پانے والے یا آپ کے دین پر ہوں) واقعہ یہ ہے کہ یہ (تمہارا اس کی نجات کے متعلق سفارش کرنا ہی) ٹھیک کام نہیں ہے (کیونکہ وہ کافر ہے اور کافروں کی نجات نہیں ہوگی اور ایک قراءت میں فعل کے میم کا کسرہ پڑھا گیا ہے غیر منصوب ہے پس اس صورت میں ضمیر ابن کی طرف لوٹ رہی ہے) پس جس بات کی تمہیں خبر نہ ہو (یعنی اپنے بیٹے کی رہائی) اس بارے میں مجھ سے درخواست مت کرو (لفظ تسئلن تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان مت بن جاؤ (جس بات کا پتہ نہ ہو اس کا سوال کر کے) عرض کیا باری تعالیٰ! میں اس بات سے آپ کے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں جس کی حقیقت کا مجھے علم نہ ہو اگر آپ نے مجھے (میری کوتاہی پر) معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ حال

کشتی سے اتر آؤ (کشتی سے باہر نکل آؤ) ہماری طرف سے سلامتی (سلام لوگوں میں سے ہو جاؤں گا حکم ہوا اے نوح! اب کشتی سے اتر آؤ (کشتی سے باہر نکل آؤ) ہماری طرف سے سلامتی (سلام بمعنی سلامتی ہے یا سلام کرنا مراد ہے) اور برکتیں (بھلائیاں) لے کر جو آپ پر اور آپ کے ساتھ والی جماعت پر ہوں (جو کشتی میں ساتھ رہیں یعنی ان کی اولاد اور نسل پر، مراد تمام اہل ایمان ہیں) اور کتنی ہی جماعتیں ہیں (رفع کے ساتھ ہے آپ کے ساتھیوں میں سے) جنہیں ہم (دنیا میں) چند روزہ عیش دیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا (آخرت میں اس سے مراد کفار ہیں) یہ قصہ (یعنی یہ آیتیں جن میں نوح کے واقعہ کی تفصیل ہے) غیب کی خبروں میں سے ہے (جو باتیں آپ کے سامنے کی تھیں) جسے وحی کے ذریعہ ہم بتلا رہے ہیں (اے محمدؐ) اس (قرآن) سے پہلے نہ تو یہ خبریں آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو پتہ تھا پس صبر کیجئے (تبلیغ کے سلسلہ میں اور اپنی قوم کی ایذا رسانی پر جیسے نوحؑ نے صبر کیا تھا) (نیک) انجام متقیوں کے لئے ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِاَعْيُنِنَا: یہ موضع حال میں ہے یعنی میں اس کو اپنی نگرانی میں محفوظ رکھوں گا بناوٹ و چلاؤ میں ٹیڑھ نہ ہوگا یہ بطور تمثیل ہے۔

قوله اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝: ان کے متعلق غرق کا فیصلہ ہو چکا اب رکنے کی کوئی راہ نہیں۔

قوله: حِكَايَةُ حَالٍ مَاضِيَةٍ: گزشتہ خبر کو بطور حکایت زمانہ حال میں بیان کیا۔

قوله: اِسْتَهْزَءُ وْا بِهٖ: اس لئے پانی سے دور جنگل میں انہوں نے کشتی بنائی یا ان کا مضحکہ اڑایا کہ پہلے تو نبی تھا اب بڑھئی بن گیا۔

قوله: غَايَةٌ لِلصَّنْعِ: یہ صنع کی غایت ہے یا تیہ اور یحل کی نہیں کیونکہ تنور کا جوش مارنا جاء کا معطوف ہے اور وہ عذاب کی آمد سے پہلے ہے۔

قوله: عَلَامَةٌ لِنُوْحٍ: چشمے پھوٹنے کی بطور خرق عادت یہ ابتداء تھی۔

قوله: مِنْ كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا: نر و مادہ تمام نوع کے استغراق کے لئے کل آیا ہے۔

قوله: وَهُوَ مَفْعُوْلٌ: اثْنَيْنِ احمل کا مفعول ہے جبکہ حمل کو اضافت سے پڑھا جائے۔

قوله: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا: ارْكَبُوْا سے متصل یہ واؤ سے حال ہے اى ارْكَبُوْا فِيْهَا مسمين اللّٰهِ

قوله: جَرْيُهَا وَرُسُوُّهَا: یہ دونوں مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے

قوله: فی معزل: یہ مفعل کے وزن پر دوری کے معنی میں ہے۔

قوله: تَكُنْ: اِلَّی کا معنی تَكُنْ سے کر کے اشارہ کیا یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

قوله: الَّذِیْ نَبَعَ مِنْكَ: اس میں زمین کی طرف پانی کے نسبت کرنے کی وجہ بتلائی کہ پانی اس سے پھوٹا تھا۔
قوله: اَمْسِكِیْ: قلع یہ نزع کے معنی میں نہیں ہے۔
قوله: فَاَمْسَكَتْ: اس سے اشارہ کیا کہ غیض کا عطف مقدر پر ہے جو کہ امر کا جواب ہے۔
قوله: النَّاجِیْنَ: یہ اہل کی صفت ہے یا ضمیر ک محذوف کا مضاف ہے
قوله: اِنَّه سُوَالُكَ: اِنَّه کی ضمیر سوال کی طرف ہے ابن کی طرف نہیں۔
قوله: وَ نَصَبُ غَیْرَ: یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ای عملاً غَیْرَ صَالِحٍ
قوله: التَّشْدِیْدِ: ابن کثیر نے نون مشدد اور فتحہ سے پڑھا: فَلَا تَسْئَلَنِّ
قوله: مِنْ اَوْلَادِهِمْ: یہ امم کہنے کی وجہ ہے حالانکہ وہ تھوڑے تھے مطلب یہ ہے۔من ابتداء غایت کے لئے ہے۔
ای عَلٰی اُمَمٍ ناشئة مِّمَّنْ مَّعَكَ
قوله: بِالرَّفْعِ: یہ امم مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر سَنُمَتِّعُهُمْ ہے پس معنی یہ ہے مِمَّنْ مَّعَكَ سَنُمَتِّعُهُمْ فِی الدُّنْیَا
قوله: هٰذِهِ الْاٰیَاتُ: یہ هٰذِهِ کے مؤنث ہونے کی طرف اشارہ ہے۔حالانکہ خبر مذکر ہے۔فتدبر

تفسیر مقبولین

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ....

قوم نوح کا مانگا ہوا عذاب اسے ملا:

قوم نوح نے جب عذابوں کی مانگ جلدی مچائی تو آپ نے اللہ سے دعا کی الٰہی زمین پر کسی کافر کو رہتا بستا نہ چھوڑ۔ پروردگار میں عاجز آ گیا ہوں، تو میری مدد کر۔اسی وقت وحی آئی کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا تو ان پر افسوس نہ کر نہ ان کا کوئی ایسا خاص خیال کر۔ہمارے دیکھتے ہی ہماری تعلیم کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اب ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، ہم ان کا ڈبو دینا مقرر کر چکے ہیں۔بعض سلف کہتے ہیں حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر تختے بنالو۔اس میں ایک سو سال گزر گئے پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے ایک قول ہے چالیس سال لگے واللہ اعلم۔امام محمد بن اسحٰق توراۃ سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی لکڑی کی یہ کشتی تیار ہوئی اس کا طول اسی (۸۰) ہاتھ تھا اور عرض پچاس (۵۰) ہاتھ کا تھا۔اندر باہر سے روغن کیا گیا تھا پانی کاٹنے کے پر پرزے بھی تھے قتادہ کا قول ہے کہ لمبائی تین سو ہاتھ کی تھی۔ابن عباس کا فرمان ہے کہ طول بارہ سو ہاتھ کا تھا اور چوڑائی چھ سو ہاتھ کی تھی۔کہا گیا ہے کہ طول دو ہزار ہاتھ اور چوڑائی ایک سو ہاتھ کی تھی واللہ اعلم۔اس کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ کی تھی اس میں تین درجے تھے ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔سب سے نیچے کے حصے میں

چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصے میں انسان تھے اور اوپر کے حصے میں پرندے تھے۔ ان میں چھوٹا دروازہ تھا، اوپر سے بالکل بند تھی۔ ابن جریر نے ایک غریب اثر عبداللہ بن عباس سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ بحکم الٰہی کسی ایسے مردہ کو جلاتے جس نے کشتی نوح دیکھی ہو تو ہمیں اس سے معلومات ہوتیں آپ نے انہیں لے کر ایک ٹیلے پر پہنچ کر وہاں کی مٹی اٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے حام بن نوح کی پھر آپ نے ایک لکڑی اس ٹیلے پر مار کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو اسی وقت ایک بڈھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھاپے میں مرا تھا۔ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوانی میں لیکن اب دل پر دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہو گئی اس دہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا اچھا حضرت نوح کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کرو۔ اس نے کہا وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی تین درجوں کی تھی۔ ایک میں جانور اور چوپائے تھے، دوسرے میں انسان، تیسرے میں پرند، جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر نر مادہ نکل آئے اور وہ میل کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کیے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے سوال کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرقاب ہونے کا علم کیسے ہو گیا؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کوے کو خبر لینے کے لیے بھیجا لیکن وہ ایک لاش پر بیٹھ گیا، دیر تک وہ واپس نہ آیا تو آپ نے اس کے لیے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی۔ اسی لیے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا اس سے معلوم ہو گیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔ آپ نے اس کی گردن میں خضرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لیے امن وانس کی دعا کی پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔ حواریوں نے کہا اے رسول اللہ آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلیے کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے ساتھ کیسے آسکتا ہے جب کہ اس کی روزی نہیں۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جا، وہ اسی وقت مٹی ہو گیا۔ نوح علیہ السلام تو کشتی بنانے میں لگے اور کافروں کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے اور طعنہ دیتے کیونکہ انہیں جھوٹا جانتے تھے اور عذاب کے وعدے پر انہیں یقین نہ تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے اچھا دل خوش کر لو وقت آرہا ہے کہ اس کا پورا بدلہ لے لیا جائے۔ ابھی جان لو گے کہ کون اللہ کے عذاب سے دنیا میں رسوا ہوتا ہے اور کس پر اخروی عذاب آچمٹتا ہے جو کبھی ٹالے نہ ٹلے۔

قوم نوح پر عذاب الٰہی کا نزول:

حسب فرمان ربی آسمان سے موسلا دھار لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین سے بھی پانی ابلنے لگا اور ساری زمین پانی سے بھر گئی اور جہاں تک منظور رب تھا پانی بھر گیا اور حضرت نوح کو رب العالمین نے اپنی نگاہوں کے سامنے چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور کافروں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ تنور کے ابلنے سے بقول ابن عباس یہ مطلب ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے بھی پانی ابل پڑا۔ یہی قول جمہور سلف وخلف ہے کا ہے۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ تنور صبح کا نکلنا اور فجر کا روشن ہونا ہے یعنی صبح کی روشنی اور فجر کی چمک لیکن زیادہ غالب پہلا قول ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں یہ

تنورکونے میں تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے ہند میں ایک نہر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں جزیرہ میں ایک نہر ہے جسے عین الوردہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ الغرض ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی نوح علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اپنے ساتھ کشتی میں جاندار مخلوق میں سے ہر قسم کا ایک ایک جوڑا نر مادہ سوار کرلو۔ کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کے لیے بھی یہی حکم تھا۔ جیسا نباتات۔ کہا گیا ہے کہ پرندوں میں سب سے پہلے درہ کشتی میں آیا اور سب سے آخر میں گدھا سوار ہونے لگا۔ ابلیس اس کی دم میں لٹک گیا جب اس کے دو اگلے پاؤں کشتی میں آگئے اس کا اپنا دھڑ اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکا کیونکہ دم پر اس ملعون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوح جلدی کر رہے تھے یہ بہتیرا چاہتا تھا مگر پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا آج تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو آیا تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ ہی آیا۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ شیر کو اپنے ساتھ لے جانا مشکل ہو گیا، آخر اسے بخار چڑھ آیا تب اسے سوار کرلیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ (ﷺ) فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی اپنی کشتی میں سوار کر لیے تو لوگوں نے کہا شیر کی موجودگی میں یہ مویشی کیسے آرام سے رہ سکیں گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخار ڈال دیا۔ اس سے پہلے زمین پر یہ بیماری نہ تھی۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی یہ ہمارا کھانا اور دیگر چیزیں خراب کر رہے ہیں تو اللہ کے حکم سے شیر کی چھینک میں سے ایک بلی نکلی جس سے چوہے دبک کر کونے کھدرے میں بیٹھ رہے۔ حضرت نوح کو حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو مگر ان میں سے جو ایمان نہیں لائے انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپ کا لڑکا حام بھی انہیں کافروں میں تھا وہ الگ ہو گیا۔ یا آپ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ کے رسول کی منکر تھی اور اپنی قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھالے لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ساڑھے نو سو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپ پر بہت ہم کم لوگ ایمان لائے تھے ابن عباس فرماتے ہیں کل اسی آدمی تھے جن میں عورتیں بھی تھیں کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب بہتر (۷۲) اشخاص تھے۔ ایک قول ہے صرف دس (۱۰) آدمی تھے ایک قول ہے حضرت نوح تھے اور ان کے تین لڑکے تھے سام، حام، یافث اور چار عورتیں تھیں۔ تین تو ان تینوں کی بیویاں اور چوتھی حام کی بیوی اور کہا گیا ہے کہ خود حضرت نوح کی بیوی۔ لیکن اس میں نظر ہے ظاہر یہ ہے حضرت نوح کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہوئی۔ اس لیے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھی تو جس طرح لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی اسی طرح یہ بھی۔ واللہ اعلم واحکم۔ (تفسیر ابن کثیر)

کشتی نوح پر کون کون سوار ہوا؟

حضرت نوح جنہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے ان سے فرمایا کہ آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اس کا پانی پر چلنا اللہ کے نام کی برکت سے ہے اور اسی طرح اس کا آخری ٹھہراؤ بھی اسی پاک نام سے ہے۔ ایک قراءت میں مجرھا و مرسھا بھی ہے۔ یہی اللہ کا آپ کو حکم تھا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ تو کہنا (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (المؤمنون: ۲۸) اور یہ بھی دعا کرنا کہ (اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ اس لیے مستحب ہے کہ تمام کاموں کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لی جائے خواہ کشتی پر سوار ہونا ہو، خواہ جانور پر سوار ہونا ہو، جیسے فرمان باری ہے کہ اسی اللہ نے تمہارے لیے تمام جوڑے پیدا کئے ہیں اور کشتیاں اور چوپائے تمہاری سواری کے لیے پیدا کئے ہیں کہ تم ان کی پیٹھ پر سواری کرو، الخ۔ حدیث میں بھی اس کی تاکید اور رغبت آئی ہے، سورۃ زخرف میں اس کا پورا بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ طبرانی

میں ہے حضور (ﷺ) فرماتے ہیں میری امت کے لیے ڈوبنے سے بچاؤ ان کے اس قول میں ـــ (بسم الله الملك وما قدروا الله حق قدره) پوری (بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) (ہود:۴۱) اس دعا کے آخر میں اللہ کا وصف غفور ورحیم اس لیے لائے کہ کافروں کی سزا کے مقابلے میں مؤمنوں پر رحمت ومغفرت کا اظہار ہو۔ جیسے فرمان ہے تیرا ربّ جلد سزا کرنے والا اور ساتھ ہی غفور ورحیم بھی ہے۔ اور آیت میں ہے: (وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ) (الرعد:۶) یعنی تیرا پروردگار لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا بھی ہے اور سخت سزا دینے والا بھی ہے۔ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رحمت وانتقام کا بیان ملا جلا ہے۔

پانی روئے زمین پر پھر گیا ہے، کسی اونچے سے اونچے پہاڑ کی بلندی سے بلند چوٹی بھی دکھائی نہیں دیتی بلکہ پہاڑوں سے اوپر پندرہ ہاتھ اور بقولے اسی میل اوپر کو ہو گیا ہے باوجود اس کی کشتی نوح بحکم الٰہی برابر صحیح طور پر جا رہی ہے۔ خود اللہ اس کا محافظ ہے اور وہ خاص اس کی عنایت ومہر ہے۔ جیسے فرمان ہے: (اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِيَةِ) (الحاقہ:۱۱) یعنی پانی میں طغیانی کے وقت ہم نے آپ تمہیں کشتی میں چڑھا لیا کہ ہم اسے تمہارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں اور آیت میں ہے کہ ہم نے تمہیں اس تختوں والی کشتی پر سوار کرایا اور اپنی حفاظت میں پار اتارا اور کافروں کو ان کے کفر کا انجام دکھا دیا اور اسے ایک نشان بنا دیا کیا اب بھی کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے؟ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو بلایا یہ آپ کے چوتھے لڑکے تھے اس کا نام حام تھا یہ کافر تھا اسے آپ نے کشتی میں سوار ہونے کے وقت ایمان کی اور اپنے ساتھ بیٹھ جانے کی ہدایت کی تاکہ ڈوبنے سے اور کافروں کے عذاب سے بچ جائے۔ مگر اس بدنیت نے جواب دیا کہ نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان باراں سے بچ جاؤں گا۔ ایک اسرائیلی روایت میں ہے کہ اس نے شیشے کی کشتی بنائی تھی واللہ اعلم۔ قرآن میں تو یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھا کہ یہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچنے کا میں جب چوٹی پر جا پہنچوں گا تو یہ پانی میرا کیا بگاڑے گا؟ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ آج عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہیں وہی بچے گا جس پر اللہ کا رحم ہو۔ یہاں عاصم معصوم کے معنی میں ہے۔ جیسے طاعم مطعوم کے معنی میں اور کاسی مکسو کے معنی میں آیا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی ہیں جو ایک موج آئی اور پسر نوح کو لے ڈوبی۔

طوفان نوح علیہ السلام کی روداد:

روئے زمین کے سب لوگ اس طوفان میں جو در حقیقت غضب الٰہی اور مظلوم پیغمبر کی بد دعا کا عذاب تھا غرق ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل نے زمین کو اس پانی کے نگل لینے کا حکم دیا جو اس کا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی آسمان کو بھی پانی برسانے سے رک جانے کا حکم ہو گیا۔ پانی گھٹنے لگا اور کام پورا ہو گیا یعنی تمام کافر نابود ہو گئے، صرف کشتی والے مؤمن ہی بچے۔ کشتی بحکم ربی جودی پر رکی۔ مجاہد کہتے ہیں یہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے سب پہاڑ ڈبو دیئے گئے تھے اور یہ پہاڑ بوجہ اپنی عاجزی اور تواضع کے غرق ہونے سے بچ رہا تھا یہیں کشتی نوح لنگر انداز ہوئی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لیے یہیں ثابت وسالم رکھی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اول لوگوں نے بھی

اسے دیکھ لیا۔ حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط سینکڑوں کشتیاں بنیں بگڑیں بلکہ راکھ اور خاک ہو گئیں۔ ضحاک فرماتے ہیں جودی نام کا پہاڑ موصل میں ہے۔ بعض کہتے ہیں طور پہاڑ کو ہی جودی بھی کہتے ہیں۔ زر بن حبیش وا بواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف کے زاویہ میں نماز بکثرت پڑھتے ہوئے دیکھ کر نوبہ بن سالم نے پوچھا کہ آپ جو جمعہ کے دن برابر یہاں اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کشتی نوح یہیں لگی تھی۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بال بچوں سمیت کل اسی (۸۰) آدمی تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی میں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ شریف کی طرف کر دیا۔ یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جودی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے۔ وہ ایک مردار کے کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ اور پنجوں میں مٹی لے کر واپس آیا۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ پس آپ جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنا ڈال دی جسے ثمانین کہتے ہیں۔ ایک دن صبح کو جب لوگ جاتے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ ایسی زبانیں بولنے لگے جن میں سب سے اعلیٰ اور بہترین عربی زبان تھی۔ ایک کو دوسرے کا کلام سمجھنا محال ہو گیا۔ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب زبانیں معلوم کرا دیں، آپ ان سب کے درمیان مترجم تھے۔ ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ کشتی نوح مشرق مغرب کے درمیان چل پھر رہی تھی پھر جودی پر ٹھہر گئی۔ حضرت قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں رجب کی دسویں تاریخ مسلمان اس میں سوار ہوئے تھے پانچ ماہ تک اسی میں رہے انہیں لے کر کشتی جودی پر مہینے بھر تک ٹھہری رہی۔ آخر محرم کے عاشورے کے دن وہ سب اس میں سے اترے۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن جریر میں ہے، انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا۔ واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی (ﷺ) نے چند یہودیوں کو عاشورے کے دن روزہ رکھے ہوئے دیکھ کر ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا تھا۔ اور اسی دن کشتی نوح جودی پر لگی تھی۔ پس ان دونوں پیغمبروں نے شکر الٰہی کا روزہ اس دن رکھا تھا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا پھر موسیٰ علیہ السلام کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں اور اس دن کے روزے کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ پس آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو آج روزے سے ہو وہ تو اپنا روزہ پورا کرے اور جو ناشتہ کر چکا ہو وہ بھی باقی دن کچھ نہ کھائے۔ یہ روایت اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کے شاہد صحیح حدیث میں بھی موجود ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ظالموں کو خسارہ، ہلاکت اور رحمت حق سے دوری ہوئی۔ وہ سب ہلاک ہوئے ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور (ﷺ) نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر بھی رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک ٹھہرے آپ نے ایک درخت بویا تھا جو سو سال تک بڑھتا اور بڑا ہوتا رہا پھر اسے کاٹ کر تختے بنا کر کشتی بنانی شروع کی۔ کافر لوگ مذاق اڑاتے کہ یہ اس خشکی میں کشتی کیسے چلائیں گے؟ آپ جواب دیتے تھے کہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جب آپ بنا چکے اور پانی زمین سے ابلنے اور آسمان سے برسنے لگا اور گلیاں اور راستے پانی سے

ڈوبنے لگے تو اس بچے کی ماں جسے اپنے اس بچے سے غایت درجے کی محبت کی تھی وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا، تہائی حصے پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر کو چڑھی۔ دو تہائی کو پہنچی جب پانی وہاں بھی پہنچا تو اس نے چوٹی پر جا کر دم لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا اٹھا لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچا اور ماں بچہ دونوں غرق ہو گئے۔ پس اگر اس دن کوئی کافر بھی بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے کہ کعب احبار، مجاہد اور ابن جبیر سے بھی اس بچے اور اس کی ماں کا یہی قصہ مروی ہے۔

نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب:

یاد رہے کہ یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ پروردگار یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میرے اہل میں سے تھا۔ اور میری اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن ہے کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا ان میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا، میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا۔ میں کہہ چکا تھا کہ (وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ) (المؤمنون: ۲۷) یعنی تیرے اہل کو بھی تو کشتی میں چڑھا لے مگر جس پر میری بات بڑھ چکی ہے وہ بوجہ اپنے کفر کے انہیں میں سے تھا جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض لوگوں نے کہا ہے یہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا تھا ہی نہیں کیونکہ آپ کے بطن سے نہ تھا۔ بلکہ بدکاری سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آپ کی بیوی کا اگلے گھر کا لڑکا تھا۔ یہ دونوں قول غلط ہیں بہت سے بزرگوں نے صاف لفظوں میں اسے غلط کہا ہے بلکہ ابن عباس اور بہت سے سلف سے منقول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی۔ پس یہاں اس فرمان سے کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں یہی مطلب ہے کہ تیرے جس اہل کی نجات کا میرا وعدہ ہے یہ ان میں سے نہیں۔ یہی بات سچ ہے اور یہی قول اصلی ہے۔ اس کے سوا اور طرف جانا محض غلطی ہے اور ظاہر خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ اپنے کسی نبی کے گھر میں زانیہ عورت دے۔ خیال فرمایئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جنہوں نے بہتان بازی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ کس قدر غضبناک ہوا اس لڑکے کے اہل میں سے نکل جانے کی وجہ خود قرآن نے بیان فرما دی ہے کہ اس کے عمل نیک نہ تھے عکرمہ فرماتے ہیں ایک قراءت (آیت انہ عمل عملا غیر صالح) ہے مسند کی حدیث میں ہے حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ہود: ۴۶) پڑھتے سنا ہے اور قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر: ۵۳) پڑھتے سنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ (آیت فخانتاھما) کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی یہ مجنون ہے اور حضرت لوط کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے ہاں آتے اپنی قوم کو خبر کر دیتی۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ سچا ہے اس نے اسے حضرت نوح کا لڑکا فرما دیا ہے۔ پس وہ یقیناً حضرت نوح کا ثابت النسب لڑکا ہی تھا۔ دیکھو اللہ فرماتا

ہے: (ونادی نوح ابنہ) اور یہ بھی یادر ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی ایسا ہی حضرت مجاہد سے مروی ہے۔ اور یہی ابن جریر کا پسندیدہ ہے۔ اور فی الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

طوفان نوح کا آخری منظر:

کشتی ٹھہری اور اللہ کا سلام آپ پر اور آپ کے تمام مؤمن ساتھیوں پر اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک جو ایماندار آنے والے ہیں سب پر نازل ہوا۔ ساتھ ہی کافروں کے دنیوی فائدے سے مستفید ہونے اور پھر عذاب میں گرفتار ہونے کا بھی اعلان ہوا۔ پس یہ آیت قیامت تک کے مؤمنوں کی سلامتی اور برکت اور کافروں کی سزا پر مبنی ہے۔ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ فرمالیا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا ابلنا بند ہو گیا ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جو اب تک پانی برسا رہے تھے بند کر دیئے گئے۔ زمین کو پانی کے جذب کر لینے کا حکم ہو گیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا اور بقول اہل توراۃ کے ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کشتی نوح جودی پر لگی۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے۔ پھر آپ نے کوے کو پانی کی تحقیق کے لیے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا، آپ نے کبوتر کو بھیجا جو واپس آیا۔ اپنے پاؤں رکھنے کو اسے جگہ نہ ملی، آپ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا، پھر ساتھ دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا۔ شام کو وہ واپس آیا، اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لیے ہوئے تھا اس سے اللہ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا رہ گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی ہے۔ الغرض پورے ایک سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوح ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اتر آ۔ الخ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَرْسَلْنَا اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِيْلَةِ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَائِدَةٌ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ مَا اَنْتُمْ فِيْ عِبَادَتِكُمُ الْاَوْثَانَ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ كَاذِبُوْنَ عَلَى اللّٰهِ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ عَلَى التَّوْحِيْدِ اَجْرًا اِنْ مَا اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ خَلَقَنِيْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ مِنَ الشِّرْكِ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِرْجِعُوْا اِلَيْهِ بِالطَّاعَةِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ الْمَطَرَ وَكَانُوْا قَدْ مُنِعُوْهُ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا كَثِيْرَ الدُّرُوْرِ وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى مَعَ قُوَّتِكُمْ بِالْمَالِ وَالْوَلَدِ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ مُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ بِبُرْهَانٍ عَلٰى قَوْلِكَ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ اَيْ لِقَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنْ مَا نَّقُوْلُ فِيْ شَانِكَ اِلَّا اعْتَرٰىكَ اَصَابَكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ فَخَبَلَكَ بِسَبِّكَ اِيَّاهَا فَاَنْتَ تَهْذِيْ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ عَلَى وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ بِهٖ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ اِحْتَالُوْا فِيْ هَلَاكِيْ جَمِيْعًا اَنْتُمْ وَاَوْثَانُكُمْ ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾
تُمْهِلُوْنَ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ زَائِدَةٌ دَآبَّةٍ نَسَمَةٌ تَدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا هُوَ
اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اَيْ مَالِكُهَا وَقَاهِرُهَا فَلَا نَفْعَ وَلَا ضَرَرَ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَخُصَّ النَّاصِيَةُ بِالذِّكْرِ لِاَنَّ مَنْ
اُخِذَ بِنَاصِيَتِهٖ يَكُوْنُ فِيْ غَايَةِ الذُّلِّ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾ اَيْ طَرِيْقِ الْحَقِّ وَالْعَدْلِ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ اَيْ تُعْرِضُوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا
غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ بِاِشْرَاكِكُمْ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٥٧﴾ رَقِيْبٌ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا
عَذَابُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ هِدَايَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٨﴾ شَدِيْدٍ
اِشَارَةٌ وَ تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ اِلٰى اٰثَارِهِمْ اَيْ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ وَانْظُرُوْا اِلَيْهَا ثُمَّ وَصَفَ اَحْوَالَهُمْ فَقَالَ
جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ جَمْعٌ لِاَنَّ مَنْ عَصٰى رَسُوْلًا عَصٰى جَمِيْعَ الرُّسُلِ لِاِشْتِرَاكِهِمْ
فِيْ اَصْلِ مَا جَآءُوْا بِهٖ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ وَ اتَّبَعُوْٓا اَيِ السَّفَلَةُ اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾ مُعَانِدٍ مُعَارِضٍ لِلْحَقِّ
مِنْ رُؤَسَائِهِمْ وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً مِّنَ النَّاسِ وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ لَعْنَةً عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ اَلَآ
ع ۱۱ ۵ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا جَحَدُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا ان کے بھائی (قبیلہ میں سے) ہود کو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی (توحید) بجالاؤ اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (من زائدہ ہے) کہ بت پرستی کر کے افتراء پردازیاں کر رہے ہو (خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو) اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس (توحید کی دعوت) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم یہ بھی نہیں سمجھتے ہو؟ اور اے میری قوم کے لوگو اپنے پروردگار سے (شرک کی) (معافی مانگا کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ مانگو (اس کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرو) وہ تم پر خوب (موسلا دھار) بارش برسائے گا (ان پر بارش بند تھی) اور تمہاری قوت میں (مال واولاد کے ذریعہ) اور قوت کا اضافہ کرے گا اور جرم (شرک) کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو، ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود! آپ ہمارے سامنے کوئی ایسی دلیل تو لے کر آئے نہیں (اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہیں کی) ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں (آپ کے بارے میں) ہمارا فیصلہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں ہی میں سے کسی کی مار (آفت) تم پر پڑ گئی ہے (ان کی شان میں برا بھلا کہنے اور بے ادبی کرنے کی وجہ سے تمہارے دماغ میں فتور آ گیا ہے جس سے تم یہ ہذیان بک

رہے ہو) ہوڈ نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اللہ کے شریک ٹھہرا رکھا ہے میں ان سے بیزار ہوں بجز خدا کے لہٰذا تم سب مل کر (تم اور تمہارے معبود) میرے خلاف جو کچھ داؤ گھات (ہلاک کرنے کی تدبیر) کر سکتے ہو ضرور کرو پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے (کوئی حرکت کرنے والی (زمین پر چلنے والی چیز) نہیں ہے (من زائدہ ہے) مگر اس کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے (یعنی اللہ ہی سب کا مالک اور سب پر غالب ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو بھی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا اور خصوصیت کے ساتھ پیشانی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ جس کی پیشانی دوسرے کے قابو میں آجاتی ہے وہ بہت زیادہ بے بس اور عاجز ہو جاتا ہے) بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ (حق وانصاف کے طریقہ) پر ہے پھر بھی اگر تم پھرے رہے (دو تا میں سے ایک حذف ہے یعنی اگر تم نے روگردانی کی) تو جس بات کے لئے میں بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تم تک پہنچادی ہے اور میرا پروردگار کسی دوسرے طبقہ کو تمہاری جگہ دے دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے (اس کے ساتھ شرک کر کے) یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگراں حال (نگہبان) ہے اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت (ہدایت) سے ہود کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ایسے عذاب سے بچایا جو بہت ہی سخت (شدید) تھا یہ عاد کی سرگذشت تھی (اس قوم کے حالات کی طرف اشارہ ہے یعنی ملک میں چل پھر کر ان آثار پر نظر ڈالو، چنانچہ ان احوال کا ذکر کیا جا رہا ہے) جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی (رسول کو جمع کے صیغہ کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا کہ جس شخص نے ایک رسول کی نافرمانی کی اس نے سب رسولوں کی نافرمانی کی کیونکہ اصل دعوت توحید تو سب کی ایک ہی تھی) اور (ان میں سے کمتر درجہ کے لوگ) متکبر اور ضدی لوگوں (حق کا مقابلہ کرنے والے سرکش سرداروں) کے کہنے پر چلتے رہے اس دنیا میں بھی ان پر (لوگوں کی) لعنت علامت پڑی اور قیامت کے دن بھی (سب کے سامنے پھٹکار) پڑے گی خوب سن لو قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا خوب سن لو کہ رحمت الٰہی سے دور ہو گئی ہود کی قوم عاد۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَرْسَلْنَا : اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف نوحا الی قومه پر ہے قریب پر نہیں۔

قوله: مِنَ الشِّرْكِ : جب گزشتہ زمانہ میں انہوں نے کفر کیا ہے تو استغفار کفر سے توبہ کا نام ہے اس لئے اس کا اس پر عطف نہیں ہو سکتا۔

قوله: اَلْمَطَرَ : محل کا ذکر کر کے حال مراد لیا۔

قوله: فِيْ شَانِكَ : اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ تمام اقوال کی نفی ہود علیہ السلام کے حق میں ہے سوائے اس قول کے۔

قوله: مَالِكُهَا : پیشانی کے بال پکڑنا غلبے کی تمثیل ہے

قوله: اِشَارَةَ اِلٰى اٰثَارِهِمْ : اس میں اسم اشارہ کو مؤنث لانے کی وجہ بیان کی کہ اٰثَارِ جمع مکسر ہے۔

قوله: فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ: اس سے اس کلام کا فائدہ بتادیا۔

قوله:: یہ عاد کا عطف بیان ہے۔اس لئے لائے تا کہ عاد ثانیہ سے الکار امتیاز ہو جائے۔

تفسیر مقبولین

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ....

قوم عاد کو ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی سرکشی اور ضد وعناد اور کفر وتکذیب کی سزا کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قوم عاد کی سرکشی ونافرمانی اور ضد وعناد کی تکذیب کا تذکرہ فرمایا یہ لوگ بڑی قوت والے اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے ان کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔سورۃ الفجر میں ہے: (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ . إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ . الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ) (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کی قد وقامت ستون جیسی تھی جن کے شہروں میں ان جیسا پیدا نہیں کیا گیا)۔

اور سورۃ حم سجدہ میں ان کے غرور اور گھمنڈ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: (فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) لیکن قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے کہا کہ زور آوری میں ہم سے زیادہ بڑھ کر کون ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً) (کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا فرمایا ان سے بڑھ کر قوت والا ہے) حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی' توحید کی دعوت دی شرک سے باز آنے کی تلقین فرمائی اور ان سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کی عبادت کرو اور یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں ان کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو یہ تمہارا افتراء ہے اور جھوٹ ہے۔سورۃ اعراف میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی نعمتیں بھی یاد دلائیں اور ان سے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں بسایا ہے ان کے بعد تم زمین میں رہتے سہتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ڈیل ڈول بھی خوب دیا ہے تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو لیکن انہوں نے کہا کہ تم تو بے وقوف آدمی ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔(سورۂ اعراف رکوع ۹) اور انہیں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل وحجت تو لائے نہیں ہو جس کی وجہ سے ہم تمہیں اللہ کا رسول مانیں (یہ انہوں نے عناداً کہا) اور ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔یعنی آسیب وغیرہ پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور میں اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو' اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اب تو میرے اور تمہارے درمیان کھل کر دشمنی ہو گئی تم میرے دشمن ہو اپنی دشمنی میں کوئی کسر نہ اٹھا کر رکھو

مجھے دکھ پہنچانے میں تم سے جو کچھ مکر حیلہ سازی ہو سکے تم سب مل کر اس پر عمل کرو پھر مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو دیکھو تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تم اتنے سارے ہو قوت و شوکت والے ہو میں اکیلا ہوں اللہ کا توکل وہ چیز ہے جسے یہ چیز حاصل ہو جائے اس کے سامنے مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا میں تمہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کی پیشانی اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ مالک ہے قادر ہے قاہر ہے تم بھی زمین پر چلتے پھرتے اس کی مخلوق ہو اور مقہور و مجبور ہو تمہیں اس سے ڈرنا چاہیے بیشک میرے رب کی رضا صراط مستقیم پر چلنے میں ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتیں بھی یاد دلائیں اور آئندہ نعمتیں ملتے رہنے کا عملی طریقہ بتایا اور وہ یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ تمہارا گزشتہ سب کچھ معاف ہو جائے گا اس کے حضور میں توبہ بھی کرو اللہ تعالیٰ تم پر خوب بارش بھیج دے گا جو ضرورت کے وقت خوب برستی رہے گی اور تمہاری جو موجودہ قوت و طاقت و زور آوری ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ تین سال تک بارشیں نہیں ہوئی تھیں اور عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں اولاد پیدا نہ ہوتی تھیں مال و اولاد نہ ہونے سے قوت میں کمی ہو رہی تھی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرو مال بھی ملے گا اور اولاد بھی ہوگی اور ان دونوں کے ذریعے تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے واضح طور پر فرما دیا کہ دیکھو اگر تم روگردانی کرو گے اور جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اسے نہ مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد اللہ دوسری قوم کو زمین میں بسا دے گا اپنے زور و قوت پر جو تمہیں گھمنڈ ہے یہ بیجا ہے اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دے گا تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ جب عذاب آئے گا تو سب پر آئے گا' عذاب کافروں پر آئے گا اہل ایمان کو بچا لے گا۔ ان کی قوم نے کہا کہ تم ہمیں یہ پیغام دے رہے ہو کہ ہم صرف تنہا اللہ کی عبادت کریں اور اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (یہ ہم سے نہیں ہو سکتا) تم جو یہ بار بار کہتے ہو کہ عذاب آئے گا' عذاب آئے گا اگر تم سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔ ایک تو انہوں نے کفر و شرک کو نہیں چھوڑا دوسرے اپنے منہ سے عذاب طلب کیا۔ لہٰذا حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: (قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ) (تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہونے کا فیصلہ ہو چکا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان پر عذاب آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں یعنی اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور باقی قوم کو سخت عذاب میں مبتلا فرمایا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیجی جو سات رات اور آٹھ دن تک برابر چلتی رہی اور وہ ایسے رہ گئے گویا خالی کھجوروں کے تنے ہوں جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے اور سورۃ احقاف میں فرمایا (فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ * تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ) (سو جب انہوں نے بادل کو دیکھا جو ان کی وادیوں کے سامنے آ رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسانے والا ہے' یہ بات نہیں کہ وہ پانی برسائے گا بلکہ وہ چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔ سو وہ لوگ صبح کے وقت اس حال

ہو گئے کہ ان کے رہنے کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ سورۂ حم سجدہ میں ہوگئے کہ ان کے رہنے کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سورۂ حم سجدہ اور سورۃ الذاریات اور سورۃ الحاقہ میں بھی قوم عاد پر سخت ہوا کے عذاب آنے کا ذکر ہے۔ واقعہ عذاب بتا کر ارشاد فرمایا: (وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ) (اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی) یعنی وہ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ان پر لعنت ہوگی (اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ) (خبردار عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) (اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ) (خبردار اللہ کی رحمت سے قوم عاد کیلئے دوری ہے جو ہود کی قوم تھی)۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِيْلَةِ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ اِبْتَدَأَ خَلْقَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا جَعَلَكُمْ عُمَّارًا تَسْكُنُوْنَ بِهَا
فَاسْتَغْفِرُوْهُ مِنَ الشِّرْكِ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِرْجِعُوْا اِلَيْهِ ؕ بِالطَّاعَةِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مِنْ خَلْقِهِ بِعِلْمِهِ
مُّجِيْبٌ (٦١) لِمَنْ سَأَلَهُ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا نَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ سَيِّدًا قَبْلَ هٰذَآ الَّذِيْ
صَدَرَ مِنْكَ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا مِنَ الْاَوْثَانِ وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مِنَ
التَّوْحِيْدِ مُرِيْبٍ (٦٢) مُوْقِعٍ فِي الرَّيْبِ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ بَيَانٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ
مِنْهُ رَحْمَةً نُبُوَّةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ يَمْنَعُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَيْ عَذَابِهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۟ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ بِاَمْرِكُمْ لِيْ
بِذٰلِكَ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ (٦٣) تَضْلِيْلٍ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً حَالٌ عَامِلُهُ الْاِشَارَةُ فَذَرُوْهَا
تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ عَقْرٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ (٦٤) اِنْ عَقَرْتُمُوْهَا فَعَقَرُوْهَا
عَقَرَهَا قُدَارٌ بِاَمْرِهِمْ فَقَالَ صَالِحٌ تَمَتَّعُوْا عِيْشُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ثُمَّ تُهْلَكُوْنَ ذٰلِكَ وَعْدٌ
غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (٦٥) فِيْهِ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا بِاِهْلَاكِهِمْ نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَهُمْ اَرْبَعَةُ اٰلَافٍ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ نَجَّيْنَاهُمْ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ بِكَسْرِ الْمِيْمِ اِعْرَابًا وَفَتْحِهَا بِنَاءً لِاِضَافَتِهِ اِلٰى مَبْنِيٍّ وَهُوَ
الْاَكْثَرُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (٦٦) الْغَالِبُ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ (٦٧) بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ كَاَنَّهُمْ لَّمْ يَغْنَوْا
ع يُقِيْمُوْا فِيْهَا ؕ فِيْ دَارِهِمْ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۠ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (٦٨) ع بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهِ عَلٰى مَعْنَى
الْحَيِّ وَالْقَبِيْلَةِ

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف (ان کی برادری) کے بھائی صالح کو بھیجا صالح نے وعظ کیا اے میری قوم کے لوگو اللہ کی (تنہا) بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا شروع میں (شروع میں بنایا) زمین سے (سب انسانوں کے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر اسی میں تمہیں بسا دیا (تمہیں آباد کر دیا کہ تم اس میں رہنے لگے (پس چاہئے کہ اس سے بخشش مانگو (شرک سے) اور (اطاعت کر کے) اس کی طرف رجوع کرو یقین کرو میرا پروردگار قریب ہے (اپنی مخلوق سے علم کے لحاظ سے) اور قبول کرنے والا ہے (دعاؤں کو) کہنے لگے اے صالح! (اس معاملہ سے) پہلے تو تم ایسے آدمی تھے کہ ہم سب کی امیدیں تم سے وابستہ تھیں (کہ تم ہم میں سردار ہو گئے) پھر کیا تم ہمیں ان چیزوں کی پوجا کرنے سے روکتے ہو) بت پرستی سے) جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں ہمیں اس بات میں بڑا ہی شبہ ہے جس (توحید) کی طرف تم بلا رہے ہو جس نے ہمیں تردد میں ڈال رکھا ہے (دل میں اترتی نہیں ہے) صالح نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت (نبوت) مجھے عطا فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے (عذاب) کے مقابلہ میں میری مدد کرے اگر میں اس کے حکم سے روگردانی کروں پس تم مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے ہو (مجھے اس بات پر آمادہ کر کے) مگر میرا سراسر نقصان کر رہے ہو (گمراہ کر کے) اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے (آیۃ حال ہے جس میں ھذہ اسم اشارہ عمل کر رہا ہے) پس اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اسے کسی طرح کی اذیت نہ پہنچانا (کبھی کوچیں کاٹ دو) ورنہ فوراً تمہیں عذاب آ پکڑے گا (اگر تم نے اس کی ٹانگیں کاٹیں) لیکن لوگوں نے اسے مار ڈالا (قدار نامی شخص نے سب لوگوں کے کہنے سے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں) تو صالح بولے تم اپنے گھروں میں بسر کر لو (مذاق اڑالو) تین دن (پھر تم پر تباہی آنے والی ہے) اور اس وعدہ میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے پھر جب ہمارا حکم (ان کی تباہی کے بارے میں آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لا چکے تھے (چار ہزار آدمی) اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے نجات دی (یومئذ میم کے کسرہ کی صورت میں معرب ہوگا اور میم کے فتح کی صورت میں مبنی ہوگا مبنی کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے اور یہی اکثر کی حالت ہے) بے شک پروردگار ہی قوت اور غلبہ والا (غالب) ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک زور کی کڑک نے آ دبایا جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے (گھٹنوں کے بل مردہ پڑے تھے) گویا (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے کانھم تھا) ان (گھروں) میں کبھی بسے (آباد ہوئے) ہی نہ تھے خوب سن رکھو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی خوب سن لو! ثمود کو رحمت سے دوری ہوگئی (لفظ ثمود منصرف اور غیر منصرف پڑھا گیا ہے قبیلہ کے معنی میں لیتے ہوئے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَرْسَلْنَا: اس کا عطف نوحا الی قومه پر ہے قریب پر نہیں۔

لئے نہیں۔

قوله: جَعَلَكُمْ: یہاں باب استفعال تصیر کے لئے ہے طلب کے لئے نہیں۔

قوله: عُمَّارًا: اس سے اشارہ کہ استعمار عمارت سے یعنی تم کو عمارت بنانے کی قدرت دی یہ عمر سے ماخوذ نہیں۔

قوله: تَسْكُنُوْنَ: اس میں تعمیر کی وجہ بتائی کیونکہ رہائش کا مقام ہی عموماً آباد ہوتا ہے۔

قوله: الَّذِیْ صَدَرَ مِنْكَ: ہماری امیدیں تم سے منقطع ہو چکیں۔

قوله: مُوْقِعٍ فِی الرِّیْبِ: یعنی وہ صاحب ریب نہیں۔

قوله: اِنْ عَقَرْتُمُوْهَا: اس کو اس لئے مقدر مانا تا کہ کلام کی تفریع بٹھائی جاسکے۔

قوله: لکم آیه: یعنی نبوت پر دلالت والی نشانی ہے لکم یہ آیت سے حال ہے نکرہ ہونے کی وجہ سے مقدم کیا۔

قوله: ثُمَّ تُهْلَكُوْنَ: اس کو مقدر مانا کیونکہ اس سے غرض تہدید ہے۔ جو ما سبق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

قوله: وَنَجَّیْنَاهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ مِنْ خِزْیِ متعلق مقدر کے لحاظ سے نَجَّیْنَا مذکور پر معطوف ہے۔

قوله: بِنَاءً لِاِضَافَتِهٖ: ظرف زمان کی اضافت جب اسم مبہم کی طرف ہو تو مضاف الیہ کی وجہ سے مبنی بن جاتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ....

(ربط) اب یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ہے اور حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی امت کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالح علیہ السلام کی امت کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ جس کا نام ثمود ہے اور حجر میں جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے رہا کرتے تھے۔

قوم ثمود کو صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور قوم ثمود کی طرف ہم نے اس کے نسبی اور خاندانی بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالح کو ان کا بھائی اس لحاظ سے کہا کہ وہ اسی خاندان اور قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ قرابت نسبی کے اعتبار سے ان کو بھائی کہا انہوں نے اپنی قوم سے یہ فرمایا اے میری قوم تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم زمین سے بنایا پھر آدم علیہ السلام سے سب آدمی پیدا ہوئے اس لفظ سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت کو بیان فرمایا اور اس لفظ میں اجمالی اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح ایک انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح ایک حیوان (یعنی ناقہ) کا ایک پتھر سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور زمین سے پیدا کرنے کے بعد تم کو زمین میں آباد کیا یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری عمریں دراز کیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے کمال قدرت سے تم کو وجود عطا فرمایا اور تمہاری حیات اور بقاء کا سامان پیدا کیا پس اس منعم حقیقی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو یعنی ایمان لاؤ پھر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تحقیق میرا پروردگار اہل توبہ اور اہل استغفار سے قریب ہے اور ان کی توبہ واستغفار کا قبول کرنے والا ہے۔ قوم کے لوگ بولے اے صالح! تو اس دعوائے نبوت اور

دعوائے توحید سے پہلے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ امید لگایا گیا تھا یعنی تیری فراست اور متانت کو دیکھ کر یہ امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ تو قوم کا ہادی اور ملجا بنے گا مگر تیری ان باتوں نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادا کی راہ روشن کریگا، تو لگا مٹانے"۔ بھلا اے صالح! تو ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ کیا تیرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے قدیم اور آبائی مذہب کو چھوڑ دیں اور جس دین کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے تحقیق ہم اس کے بارے میں بڑے شک میں پڑ گئے ہیں۔ جس نے ہم کو تردد اور اضطراب میں رکھا ہے۔ سبحان اللہ توحید میں تو اضطراب اور خلجان لاحق ہو گیا اور شرک کو اطمینان ہوتا ہے اور حق وہدایت میں ان کو بے چینی اور بے اطمینانی ہوتی ہے ایسوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ صالح علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا اے قوم! بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن اور واضح حجت پر ہوں اور خدا نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت عطاء کی ہو تو میں خدا تعالیٰ کے روشن دلائل کو چھوڑ کر تمہارے شکوک اور اوہام کا پیرو کیسے ہو سکتا ہوں۔ پس اگر اس حالت میں خدا کی نافرمانی کروں اور تبلیغ احکام میں کوتاہی کروں تو بتاؤ کون ہے کہ جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اور عذاب الٰہی سے مجھ کو بچائیگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی معصیت خسران مبین ہے پس تم نافرمانی کا مشورہ دیکر سوائے خسارہ اور نقصان کے میرے حق میں کوئی زیادتی نہیں کرتے۔ اس بحث اور مجادلہ کے بعد قوم نے صالح علیہ السلام سے ثبوت رسالت کے لیے معجزہ طلب کیا کہ پتھر سے اونٹنی نکال کر دکھائیں حضرت صالح علیہ السلام نیت خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ جیسا کہ مفصل قصہ سورۃ اعراف میں گزر چکا اور جب وہ ناقہ پتھر سے نکلی تو صالح علیہ السلام نے اونٹنی کے بارے میں نصیحت شروع کی اور فرمایا اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نبوت کی نشانی ہے کہ دفعۃً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بغیر کسی نر کے حاملہ ہے اور بغیر پیدائش کے پتھر سے نکلی ہے اور بے شمار دودھ دیتی ہے یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور میری نبوت ورسالت کی بھی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے بحکم خداوندی بلا سبب ظاہری کے یکدم پتھر سے نکلی ہے اور یہ میری نبوت کا معجزہ ہے۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۷۲ ج ۵)

غرض یہ کہ یہ اونٹنی اس وقت میری نبوت کی نشانی ہے، اور یہی اونٹنی آئندہ چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ بنے گی اور چونکہ یہ اونٹنی خاص طور پر منجانب اللہ بطور خرق عادت پیدا ہوئی ہے اس لیے اس ناقۃ اللہ کے کچھ حقوق ہیں پس تم اللہ کی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے اور اسی طرح پانی کے بارے میں جتنا چاہے پانی پیے۔ اللہ کی اونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے وہ اللہ کی اونٹنی ہے اللہ کی زمین سے کھائے گی تم پر اس کا دانہ اور چارہ نہیں وہ اونٹنی اس قدر فربہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتے تھے لہٰذا اے میری قوم تم اس اونٹنی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور برائی کے ارادہ سے اس کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ کیونکہ یہ ناقہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ پھر تم کو فوری عذاب آ پکڑے گا۔ یعنی اگر تم نے اس ناقہ کو پکڑا تو تم پر فوری عذاب نازل ہو گا۔ اور تم کو مہلت نہ ملے گی۔ سو انہوں نے باوجود اس نصیحت اور موعظت بلیغہ کے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح علیہ السلام نے فرمایا اچھا تین دن اپنے گھروں میں آرام وراحت کے گزار لو یعنی بدھ اور جمعرات اور جمعہ اور گزار لو۔ اس کے بعد شنبہ کے روز تم پر عذاب آئے گا۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا

کوئی شائبہ نہیں تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے دن ان کے چہرے زرد ہو گئے۔ اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کے روز سیاہ اور ہفتہ کے دن عذاب نازل ہوا۔ پس حسب وعدہ تین دن گزرنے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے ان کو عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا۔ بیشک تیرا پروردگار توانا غالب ہے اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل وخوار کرتا ہے اور جو لوگ ظالم تھے ان کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ سو وہ صبح کو اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے یعنی سب کے سب ایک چنگھاڑ سے مر گئے گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

تین دن کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے سب کا دم نکل گیا۔ چیخ سے دل پھٹ گئے اور گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک کیا۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ کفر کا خمیازہ ایسا ہوتا ہے کہ قوم ثمود اللہ کی رحمت سے دور پھینک دی گئی۔ اور ایسی ہلاک اور برباد ہوئی کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ قصہ سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں ان کا عذاب رجفہ یعنی زلزلہ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ تطبیق وہاں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى اَىْ بِاِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ بَعْدَهٗ قَالُوْا سَلٰمًا ۭ مَصْدَرٌ قَالَ
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ مَشْوِيٍّ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ
بِمَعْنٰى اَنْكَرَهُمْ وَ اَوْجَسَ اَضْمَرَ فِىْ نَفْسِهٖ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ خَوْفًا قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ
لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ لِنُهْلِكَهُمْ وَ امْرَاَتُهٗ اَىْ اِبْرَاهِيْمَ سَارَةُ قَآئِمَةٌ تَخْدِمُهُمْ فَضَحِكَتْ اِسْتِبْشَارًا بِهَلَاكِهِمْ
فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ وَلَدُهٗ تَعِيْشُ اِلٰى اَنْ تَرَاهُ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى كَلِمَةٌ تُقَالُ
عِنْدَ اَمْرٍ عَظِيْمٍ وَالْاَلِفُ مُبْدَلَةٌ مِنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ لِىْ تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ سَنَةً وَّ هٰذَا بَعْلِىْ
شَيْخًا ۭ لَهٗ مِائَةٌ وَ عِشْرُوْنَ سَنَةً وَ نَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَ الْعَامِلُ فِيْهِ مَا فِىْ ذَا مِنَ الْاِشَارَةِ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ
عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ اَنْ يُّوْلَدَ وَلَدٌ لِهَرِمَيْنِ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ قُدْرَتِهٖ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ يا اَهْلَ
الْبَيْتِ ۭ بَيْتِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَحْمُوْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾ كَرِيْمٌ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ الْخَوْفُ
وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى بِالْوَلَدِ اَخَذَ يُجَادِلُنَا يُجَادِلُ رُسُلَنَا فِىْ شَانِ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ
كَثِيْرُ الْاَنَاةِ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾ رَجَّاعٌ فَقَالَ لَهُمْ اَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا ثَلَاثُمِائَةِ مُؤْمِنٍ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ
قَرْيَةً فِيْهَا مِائَتَا مُؤْمِنٍ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا اَرْبَعُوْنَ مُؤْمِنًا قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا

اَرْبَعَةَ عَشَرَ مُؤْمِنًا قَالُوْا لَا قَالَ اَفَرَأَيْتُمْ اِنْ كَانَ فِيْهَا مُؤْمِنٌ وَاحِدٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ
بِمَنْ فِيْهَا الخ فَلَمَّا اَطَالَ مُجَادَلَتَهُمْ قَالُوْا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ الْجِدَالِ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ
رَبِّكَ ۚ بِهَلَاكِهِمْ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ (٧٦) وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ حَزِنَ
بِسَبَبِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا صَدْرًا لِاَنَّهُمْ حِسَانُ الْوُجُوْهِ فِيْ صُوْرَةِ اَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمَهٗ وَّ
قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ (٧٧) شَدِيْدٌ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ لَمَّا عَلِمُوْا بِهِمْ يُهْرَعُوْنَ يُسْرِعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ
قَبْلَ مَجِيْئِهِمْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ هِيَ اِتْيَانُ الرِّجَالِ فِي الْاَدْبَارِ قَالَ لُوْطٌ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ
فَتَزَوَّجُوْهُنَّ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ تُفْضِحُوْنِيْ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَضْيَافِيْ اَلَيْسَ مِنْكُمْ
رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (٧٨) يَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ
حَاجَةٍ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (٧٩) مِنْ اِتْيَانِ الرِّجَالِ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً طَاقَةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ
شَدِيْدٍ (٨٠) عَشِيْرَةٍ تَنْصُرُنِيْ لَبَطَشْتُ بِكُمْ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ ذٰلِكَ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ
يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ بِسُوْءٍ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ طَائِفَةٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ لِئَلَّا يَرٰى عَظِيْمَ
مَا يَنْزِلُ بِهِمْ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ بِالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ اَحَدٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصَبِ اِسْتِثْنَاءٌ مِنَ الْاَهْلِ اَيْ فَلَا تَسْرِ بِهَا
اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ فَقِيْلَ اِنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ بِهَا وَقِيْلَ خَرَجَتْ وَالْتَفَتَتْ فَقَالَتْ وَاقَوْمَاهُ فَجَاءَهَا
حَجَرٌ فَقَتَلَهَا وَسَاَلَهُمْ عَنْ وَقْتِ هَلَاكِهِمْ فَقَالُوْا اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ فَقَالَ اُرِيْدُ اَعْجَلَ مِنْ ذٰلِكَ
قَالُوْا اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (٨١) فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا بِاِهْلَاكِهِمْ جَعَلْنَا عَالِيَهَا اَيْ قُرَاهُمْ سَافِلَهَا بِاَنْ رَفَعَهَا
جِبْرِيْلُ اِلَى السَّمَاءِ وَاَسْقَطَهَا مَقْلُوْبَةً اِلَى الْاَرْضِ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ طِيْنٍ طُبِخَ
بِالنَّارِ مَّنْضُوْدٍ (٨٢) مُتَتَابِعٍ مُّسَوَّمَةً مُعَلَّمَةً عَلَيْهَا اِسْمُ مَنْ يُرْمٰى بِهَا عِنْدَ رَبِّكَ ؕ ظَرْفٌ لَهَا وَمَا هِيَ
الْحِجَارَةُ اَوْ بِلَادُهُمْ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ بِبَعِيْدٍ (٨٣) ع ۱۵

ترجمہ: اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر (یعنی حضرت اسحٰق کی اور ان کے بعد حضرت یعقوب کی) بولے سلام (یہ مصدر رہے) وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا (بھنا ہوا) پھر جب

دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا (اچنبھا) ہوا اور جی میں ڈرے (دل میں خطرہ محسوس کیا) فرشتے بولے ڈرومت ہم تو قوم لوط کی طرف (انہیں ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی تھی (ان کی مدارات کررہی تھیں) وہ ہنس پڑیں (قوم لوط کے ہلاک ہونے کی خوشخبری سن کر) پس ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری سنائی اور اس کے بعد یعقوب کی (جو اسحاق کے فرزند ہوں گے گویا اسحاق اتنے دن زندہ بھی رہیں گے کہ اپنے بیٹے یعقوب کو دیکھ سکیں گے) وہ بولی اے خرابی (یہ لفظ کسی بڑے حادثہ پر بولا جاتا ہے اس میں الف یائے اضافت سے بدلا ہوا ہے) کیا میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں (ننانوے سال کی میری عمر آ گئی) اور یہ خاوند میرا بوڑھا ہے (جن کی ایک سو بیس سال عمر ہے شیخا بر بنائے حال منصوب ہے اور ذرا اس میں اشارہ عامل ہے) یہ تو ایک عجیب بات ہے (کہ ایسے دو بڈھوں کی بھی اولاد ہوگی) فرشتوں نے کہا کہ کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم (قدرت) سے؟ اس خاندان (ابراہیم) پر تو اللہ کی رحمت ہے اور اس کی برکتیں تم پر اے گھر والو! تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑائیوں والا (کریم ہے) پھر جب ابراہیمؑ کے دل سے اندیشہ (خوف) دور ہو گیا اور ان کو (بچہ کی) خوشی کی خبر ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے (ہمارے فرشتوں سے) جھگڑنا شروع کیا حقیقت یہ ہے کہ ابراہیمؑ بڑے ہی بردبار (متحمل) بڑے ہی نرم دل، رقیق القلب (رجوع فرمانے والے) تھے چنانچہ فرشتوں سے کہنے لگے کہ تم ایسی بستی کو تباہ کرنے چلے ہو جس میں تین سو مؤمن رہتے ہیں، فرشتے بولے! کہ نہیں، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ جس بستی میں دو سو مسلمان رہتے ہیں انہیں تباہ کرو گے؟ کہنے لگے نہیں، فرمایا جس میں چالیس مسلمان رہتے ہیں؟ کہنے لگے نہیں پھر حضرت ابراہیم نے پوچھا جس بستی میں چودہ مسلمان رہتے ہوں؟ بولے کہ نہیں، فرمایا کہ اچھا اگر صرف ایک مسلمان رہتا ہو؟ کہا پھر بھی نہیں، فرمایا کہ اس میں لوط علیہ السلام تو رہتے ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا نحن اعلم بمن فیھا الخ، غرضیکہ جب دیر تک اس طرح بحث مباحثہ ہوتا رہا تو فرشتے بولے کہ) اے ابراہیم! اب اس بات (ردوقدح) کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم (ان کی ہلاکت کے بارے میں) آ چکا ہے اور ان پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور پھر جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان فرشتوں کے آنے سے کچھ رنجیدہ (غمگین) ہوئے اور کچھ گھٹے رہے (کیونکہ فرشتے خوبصورت مہمانوں کی شکل میں آئے تھے اس لئے حضرت لوط اپنی قوم کی بدکرداری سے ڈرے) اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری (سخت) ہے اور ان کی قوم کے لوگ دوڑے ہوئے آئے جب انہیں ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا پتہ چلا) اور پہلے (ان کے آنے) سے نامعقول کاموں کے عادی تھے ہی (یعنی لواطت کے، لوط علیہ السلام بولے کہ) اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (تم ان سے شادی بیاہ کر سکتے ہو) یہ تمہارے لئے اچھی خاصی ہیں اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے ساتھ مجھ کو فضیحت (رسوا) مت کرو کیا تم میں کوئی بھلا مانس نہیں؟ (جو اچھی بات کا حکم کرے اور برائی سے روکے) وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ تو جانتے ہیں جو ہمارا مطلب ہے (یعنی لواطت) فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور (بس) چلتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں (میرا خاندان یہاں ہوتا جو میری مدد کرتا تو میں تمہاری اچھی طرح خبر لیتا غرضیکہ جب فرشتوں نے یہ صورتحال دیکھی) تو فرشتے بولے اے لوط! ہم تو تمہارے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں آپ تک ہرگز ان کی رسائی نہ ہوگی (کسی بری نیت

ے) آپ ایسا کیجئے کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل چلئے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے (کہیں اسے وہ ہولناک منظر نظر نہ آ جائے) مگر ہاں آپ کی بیوی نہیں جائے گی (یہ رفع کے ساتھ بدل ہے احد سے اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ اھل سے استثناء ہے یعنی بیوی کو لے کر نہ جائیے) اس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اوروں پر آئے گی (چنانچہ بعض کی رائے ہے کہ وہ بیوی ساتھ نہیں گئی اور بعض کہتے ہیں کہ گئی لیکن مڑ کر جو دیکھا تو بیساختہ ایک طرف تو منہ سے نکلا "ہائے افسوس قوم" اور دوسری طرف ایک دم اس کے پتھر آ کر لگا جس سے وہیں ڈھیر ہو گئی (فرمانے لگے لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے عذاب کا وقت معلوم کیا تو کہنے لگے) ان لوگوں کے لئے عذاب کا وقت مقررہ صبح کا ہے (فرمانے لگے لوط علیہ السلام کہ میں تو اس سے پہلے چاہتا ہوں فرشتوں نے کہا کیا صبح قریب ہی نہیں، پھر جب ہمارا حکم انہیں برباد کرنے کے متعلق آ پہنچا تو ہم نے زمین (بستیوں) کے اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا (حضرت جبرئیل علیہ السلام اس حصہ کو آسمان تک لے گئے اور پھر وہاں سے اوندھا کر کے پٹک دیا) اور اس سرزمین پر کنکر (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسانا شروع کر دیئے لگا تار (مسلسل) جن پر نشان لگے ہوئے تھے (ان پر ان لوگوں کے نام بھی تھے جن کے مارے گئے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربك مسومة کا ظرف ہے) اور یہ (پتھر یا ان کی بستیاں) ان ظالموں (مکہ والوں سے) کچھ دور نہیں ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مَصْدَرٌ: سلامًا مصدر ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے۔

قوله: عَلَیْکُمْ: اس سے اشارہ کیا سلام مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: قَالُوْا لَا تَخَفْ: یہ اس وقت پیش آیا جب انہوں نے خوف و تغیر کا اثر چہرے پر دیکھا۔

قوله: بعد: وراء یہاں بعد کے معنی میں ہے ولد الولد مراد نہیں۔

قوله: عِنْدَ اَمْرٍ عَظِیْمٍ: اس سے اشارہ کیا امر عظیم میں خیر و شر کی تعیین نہیں۔

قوله: عجیب: سے اشارہ کیا کہ ان کو تعجب عادت کے اعتبار سے تھا قدرت کے لحاظ سے نہیں۔

قوله: رَحْمَتُ اللّٰهِ: یہ استینافی کلام ہے۔ اور تعجب سے انکار کرنے کی علت اس میں مذکور ہے۔

قوله: یا اَھْلَ الْبَیْتِ: اھل یہاں نداء کی وجہ سے منصوب ہے جیسا اس قول میں: اللھم اغفر لنا ایتھا العصابة۔

قوله: اَخَذَ: یہ اس کو جواب ہے جو کہ ماضی مقدر ہے کیونکہ مضارع جواب بن نہیں سکتا۔

قوله: یُجَادِلُ رُسُلَنَا: نا کا مضاف محذوف ہے۔

قوله: اَوَّاہٌ: یعنی خوف الٰہی سے بہت آہ بھرنے والا۔

قوله: رَجَّاعٌ: اس کا معنی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا۔

قوله: یُجَادِلُنَا: قَالُوْا مقدر مانا تا کہ فرشتوں کے ساتھ بات چیت منظم ہو جائے کہ خطاب و غیبت جمع ہو

سکیں۔

قوله: حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ: باء سببیہ ہے مع کے معنی میں نہیں۔

قوله: صَدْرًا: یہ شدت انقباض سے کنایہ ہے۔

قوله: فَتَزَوَّجُوهُنَّ: اس وقت بلکہ شروع اسلام میں بھی مسلمان کی کفار سے شادی درست تھی۔

قوله: اَضْيَافِي: ضیفی میں اضافت استغراقی ہے جو تمام مہمانوں کو شامل ہے۔

قوله: طَاقَةً: یعنی تمہارے دفاع کی طاقت نہیں اگر ہوتی میں تم پر غلبہ قوت سے پالیتا یا مضبوط سہارا پالیتا۔

قوله: بِالرَّفْعِ بَدَلٌ: کلام غیر موجب کا استثناء اس میں بدل مختار ہے۔

قوله: اِسْتِثْنَاءٌ مِنَ الْاَهْلِ: یہ اَحَدٌ سے استثناء نہیں بلکہ اھل سے ہے۔

قوله: قَالُوا اَلَيْسَ الصُّبْحُ: یہ لوط علیہ السلام کی جلد جواب طلبی کا جواب ہے کیونکہ استفہام تقریری ہے۔

قوله: اَوْبِلَادُهُمْ: ضمیر بلاد کی طرف لوٹتی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ مکہ کے ظالموں سے قریب ہیں۔

قوله: اَهْلَ مَكَّةَ: یہ اپنے ظلم کے سبب پتھروں کی بارش کے حقدار ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ....

(ربط) اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولد فرزند کی بشارت کا ذکر ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہوگا جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہوگا پھر اس بیٹے کے ایک بیٹا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا۔ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت سارہؓ کی عمر نوے یا نانوے سال کی تھی حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سارہؓ کو تمنا تھی کہ ان کے بھی کوئی بیٹا ہو لیکن کبر سنی کی وجہ سے ناامید ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یہ بشارت بھیجی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بشارت دینے کے لیے تین فرشتے آئے تھے۔ جرائیل اور میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہم السلام اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ یا نو فرشتے آئے تھے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۶۲ ج ۹ و زاد المسیر لابن الجوزی صفحہ ۱۲۷ ج ۴)

ابراہیمؑ کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا اور فرشتوں کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا:

الغرض یہ قصہ من جملہ قصص مذکور کا چوتھا قصہ ہے جو لوط علیہ السلام کے قصہ کی تمہید ہے اسی وجہ سے ماقبل کی طرح ارسلنا ابراہیم الی کذا۔ نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے وہ فرشتے جن کو ہم نے قوم لوط پر عذاب کے لیے بھیجا تھا۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے کے پیدا ہونے کی بشارت لیکر آئے تو بولے کہ ہم تم کو سلام کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وعلیکم السلام چونکہ یہ فرشتے خوبصورت آدمیوں کی شکل میں تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا سامان

کیا۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے دیر نہ کی کہ ان کے کھانے کے لیے ایک بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لے آئے جس سے چربی ٹپکتی تھی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کا اکثر مال یہی گائیں تھیں آپ علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ پندرہ روز کے انتظار کے بعد یہ مہمان آئے تو بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے کھانا لائے مگر وہ مہمان اپنی ہی قسم کے تھے وہ کس طرح کھا سکتے تھے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس بچھڑے کے کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو اس کو اوپرا جانا اور دل میں ان کی طرف سے خوف زدہ ہوئے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں آئے ہیں اگر مہمان ہیں تو کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ خوف کی توجیہ میں یہ فرماتے ہیں کہ فرشتے عذاب الٰہی کو لے کر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور اس وقت یہ فرشتے خدا کی شان غضب اور انتقام کے مظہر تھے اس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہوگئی بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خوف ان پر ظاہر کیا۔ کما قال تعالیٰ: انا منکم وجلون۔ تو بولے تم ڈرو مت ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ ہم تو قوم لوط کی طرف عذاب دیکر بھیجے گئے ہیں اور راستے میں آپ کو بشارت دینے کے لیے اتر گئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؓ کہیں کھڑی سن رہی تھیں۔ پس وہ ہنس پڑیں۔ آیت میں ہنسنے کی وجہ مذکور نہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کا ہنسنا تعجب کی بنا پر تھا کہ عجب بات ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تو مہمان ملے جن کی ضیافت کا سامان کیا پھر وہ فرشتے نکلے۔ یا اس بات پر تعجب ہوا کہ فرشتے آدمی کی صورت میں مہمان بن کر آئے کیا بات ہے یا اس بات پر تعجب ہوا کہ اس قدر خدم اور حشم ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام تین چار آدمیوں سے ڈر گئے۔ یا قوم لوط کی ہلاکت کی خبر سن کر خوش ہوئیں کہ یہ خبیثین اور مفسدین کا گروہ اب ہلاک ہوگا۔ اس قوم نے عورتوں کو خراب کیا اور لڑکوں کو بے حیا اور بدکار بنایا اس لیے ان کا عذاب سن کر خوش ہوئیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے یہ خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں سارہؓ کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے تو یہ خبر سن کر حضرت سارہؓ ہنس پڑیں۔ پس ہم نے فرشتوں کی زبانی سارہ کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی جو اسحٰق نام کے ساتھ موسوم ہوگا اور اسحٰق کے علاوہ یعقوب کی بھی بشارت دی یعنی ایک بشارت تو یہ دی کہ اس سن میں تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحٰق علیہ السلام ہے پھر دوسری بشارت یہ دی کہ تمہارے پوتا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے بعد پوتا بھی دیکھوگی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ اور وہ بیٹا بھی صاحب اولاد ہوگا۔ جس سے تمہاری نسل چلے گی۔ سارہ بولی ہائے میری کمبختی کیا میں اب بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اس وقت میری عمر ننانوے سال کی ہے اور میرا خاوند ہے بہت بوڑھا جس کی عمر اس وقت ایک سو بیس برس کی ہے۔ حضرت سارہؓ کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹا اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ لیکن فرزند نہ عطا ہوا۔ یہاں تک کہ جب بڑھیا ہوگئیں اور مایوس ہوگئیں اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں تحقیق یہ بات تو بہت عجیب ہے کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔ فرشتوں نے حضرت سارہؓ سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ تعجب کی کیا بات ہے خدا ہر امر پر قادر ہے خدا نے صنعت کے لیے کسی آلہ کی اور اس کی فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں۔ دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں اس کی قدرت کے سامنے بوڑھا اور جوان سب برابر ہوتا ہے ابراہیم کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں صبح وشام معجزات

وکرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو تمہارا یہ تعجب بھی عجیب ہے تمہارے حق میں یہ بشارت قابل تعجب نہیں بلکہ تمہارا تعجب قابل تعجب ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قابل تعریف ہے اور بزرگی والا ہے اس کے جود وکرم سے کوئی شئے عجیب نہیں۔ تم بجائے تعجب کے اس کے حمد وشکر میں مشغول ہو جاؤ۔

لطائف ومعارف:

۱۔ بعض علماء نے وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

۲۔ یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجہ رجل بھی اس کے اہل بیت میں سے ہے اس لیے کہ: اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکتہ علیکم اھل البیت۔ یہ خطاب حضرت سارہؓ کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ تھیں اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطہیرا کو سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواج مطہرات کو ہے اس لیے کہ اوپر سے تمام سلسلہ کلام۔ نساء نبی کریم علیہ السلام یعنی ازواج مطہرات کے بارے میں چلا آرہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مقتضائے مشفقت دیگر اہل خانہ کو بھی کمبل اڑھا کر اس دعا میں شامل فرمالیا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہل بیت کے لیے جمع مذکر کا صیغہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم۔ واحد مؤنث کے لیے بطور تعظیم وتکریم استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں یہی خطاب جمع مذکر کے صیغے جمع مؤنث کے لیے بطور تعظیم وتکریم استعمال کیے گئے۔

۳۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اسی آیت سے ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحم:

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم اور ترحم کو بیان کرتے ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی طرف سے پیدا ہوا تھا اور ان کے پاس بیٹے اور پوتے کی پیدا ہونے کی خوشخبری پہنچ گئی۔ تو ادھر سے بےفکر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوئے اور ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث شروع کردی جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ یہ تھا کہ جب فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط کے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہے تم اس بستی کو کیسے ہلاک کرسکتے۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم سوائے ان کی بیوی کے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ بیشک ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور حلیم اور بردبار تھے۔ اس لیے خطا کاروں پر عقوبت میں جلدی نہیں چاہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی طبعی فرط رحمت اور زیادتی شفقت اس اصرار اور مجادلہ کا باعث بنی۔ خداترس بندوں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ عذاب میں تاخیر ہو جائے شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں۔ لیکن آخرکار ملائکہ نے ان کو حکم قضاوقدر سے آگاہ کردیا اور کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام آپ اس بحث کو چھوڑ دیجئے۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ تحقیق تیرے پروردگار کا حکم ان کے بارے میں آپہنچا ہے۔ اب وہ کسی طرح ٹل

نہیں سکتا اور تحقیق ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ان سے ہٹایا نہیں جائیگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی فطری رحم دلی کی بناء پر تعبیر فرمایا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ شفقت ورحمت کے محل نہیں رہے آپ علیہ السلام اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کے متعلق عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ جو کسی طرح واپس نہیں ہو سکتا البتہ جو اہل ایمان ہیں اول ان کو علیحدہ کر دیا جائیگا اس کے بعد عذاب نازل ہوگا تا کہ اہل ایمان کو گزند نہ پہنچے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِیٓءَ بِهِمْ....

فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا، انکی بدکار قوم کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا:

گزشتہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اب اس کے بعد لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اہل سدوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ بستی حمص کے قریب تھی اور اسکے پاس اور بھی کچھ گاؤں تھے جنکی مجموعی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی سوائے اہل ایمان کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ قصہ کا تتمہ ہے یا یوں کہو کہ پہلا قصہ اس قصہ کی تمہید تھا۔ اور اصل مقصود قوم لوط کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل ہوئے کیونکہ وہ فرشتے حسین بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے لوط علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور چونکہ لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کے ناشائستہ افعال کا علم تھا کہ یہ لوگ خلاف فطرت فواحش کے عادی اور خوگر ہیں اس لیے وہ اس قسم کے مہمانوں کی آمد سے گھبرائے اور تنگ دل ہوئے اور کڑھے کہ میں ان بدکردار اور خبیث طینت والوں سے اپنے مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں گا۔ اور اس قدر تنگ دل ہوئے کہ اپنی تنگ دلی کو چھپا نہ سکے۔ اور زبان سے کہنے لگے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ لیا مگر ابھی تک ان پر ظاہر نہ کیا تھا کہ ہم دراصل فرشتے ہیں اور اس ناہنجار اور بدکردار اور بداطوار قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور لوط علیہ السلام ان کو اپنا مہمان سمجھتے رہے اور پریشان رہے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے اور ان کی قوم نے جب یہ خبر سنی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں ایسے خوب صورت لڑکے مہمان آئے ہیں کہ اب تک ان سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہیں آئے تو یہ بداطوار قوم لوط علیہ السلام کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور اس سے پہلے یہ لوگ بدفعلیاں کیا کرتے تھے لواطت اور اغلام اس قوم کی طینت اور عادت بن چکی تھی اور حیاء اور شرم ان سے نکل چکی تھی۔ لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! یہ ہیں میری بیٹیاں یعنی یہ میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں۔ ان سے نکاح کرلو۔ یہ تمہارے لیے پاک ہیں نکاح پاک فعل ہے اور اغلام اور لواطت ناپاک اور گندہ فعل ہے۔ بیٹیوں سے قوم کی لڑکیاں مراد ہیں اس لیے کہ نبی امت کا باپ ہوتا ہے۔ اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اس بری خصلت سے باز آجاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ لڑکے میرے مہمان ہیں تم ان کی بدکاری کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اس میں میری سخت رسوائی ہے کیا تم میں کوئی بھلا مانس شخص نہیں ہے جس میں کچھ بھی غیرت اور حیاء کا مادہ ہو وہ بولے اے لوط! تجھے تو خوب معلوم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی خواہش اور حاجت نہیں اور تحقیق تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارا لڑکوں کی طرف راغب ہونا بخوبی معلوم ہے۔ پس عورتوں کو ہم پر پیش کرنا فضول ہے۔ لوط علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی تو میں خود تم کو دور کر دیتا۔ یا کوئی مضبوط قبیلہ اور کنبہ میرا ماویٰ اور ملجا ہوتا تو اس کی مدد سے تم کو دور کرتا

کہ میرے مہمانوں پر زیادتی کر کے مجھے نضیحت نہ کرنے پاتے اور یہ قوم لوط علیہ السلام کی قرابت دار نہ تھی۔ کیونکہ لوط علیہ السلام پہلے عراق میں اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے جب وہاں سے شام آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تفکات پر پیغمبر کیا اور یہ چند بستیاں تھیں جن میں بڑی بستی سدوم تھی اور کل آبادی چار لاکھ کے قریب تھی اس لیے لوط علیہ السلام نے تمنا کی کہ کاش اس وقت میرے کنبہ والے باقوت وشوکت ہوتے تو تم مجھ پر ظلم نہ کر سکتے۔ غرض یہ کہ خوبصورت مہمانوں کی خبر سن کر اوباشوں نے ہجوم کیا۔ لوط علیہ السلام نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور اندر ہی سے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے رہے ان لوگوں نے چاہا کہ دروازہ توڑ ڈالیں اور اندر گھس آئیں تو لوط علیہ السلام نہایت مضطرب ہوئے۔ ملائکہؑ جب ان کے اضطراب کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ قوم کے لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں اور انکی مدافعت سے عاجز ہیں تب انکو خبر دی کہ ہم فرشتے ہیں پھر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

تو وہ فرشتے بولے اے لوط تم گھبراؤ نہیں ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنا دل قوی رکھو۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا دروازہ کھول دو۔ لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ جبریل علیہ السلام باہر برآمد ہوئے اور ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے ان کی آنکھیں پھوٹ گئیں اور سب اندھے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوط کے مہمان جادوگر ہیں۔ بعد ازاں جبرئیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ تو رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جا اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی جو کافرہ ہے اس سے نہیں رہا جائیگا وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ بلاشبہ اس عورت کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس قوم کو پہنچنے والا ہے یہ حال سن کر لوط علیہ السلام کا اضطراب رفع ہوا اور فرشتوں سے پوچھا کہ کب عذاب آئیگا۔ فرشتوں نے کہا تحقیق ان کو عذاب اور ہلاکت کے وعدہ کا وقت اس رات کی صبح ہے لوط علیہ السلام نے کہا کہ ابھی تو صبح میں دیر ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کیا صبح نزدیک نہیں ہے یہ رات بھر کی تاخیر اس لیے کہ گئی ہے تاکہ لوط علیہ السلام اطمینان کے ساتھ اس بستی سے نکل جائیں۔ ہلاکت کے لیے آخر شب کا وقت اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ وقت سکون اور اطمینان کا ہے سب لوگ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کے لیے متفرق نہیں ہوتے۔ پس جب ہمارا حکم عذاب آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس کی اوپر کی جانب کو نیچے کر دیا اور نچلی جانب کو اوپر کر دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو جدا کر کے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھالیا۔ اور آسمان کی طرف اونچا لے گئے وہاں جا کر انہیں پلٹ دیا اونچے کو نیچا اور نیچے کو اونچا کر دیا۔

غرض یہ کہ جبرائیل امین علیہ السلام کی صفت قرآن میں شدید القویٰ آئی ہے وہ ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور پھر ان کو اوپر سے نیچے پھینک دیا پھر ان پر کھنگر یعنی جھانوے برسائے (جھانوہ اس اینٹ کو کہتے ہیں جو پزاوہ کی آگ سے پک کر سیاہ پتھر کی مانند ہو جائے) اور ایسے پتھر برسائے جو ایک کے بعد ایک متواتر گرتے تھے۔ یعنی پے در پے برس رہے تھے۔ وہ پتھر ایسے تھے کہ خدا کے یہاں سے نشان لگے ہوئے تھے۔ ہر پتھر پر مہر یا نشان اور علامت تھی کہ اس پتھر کے لگنے سے فلاں کافر ہلاک ہوگا۔ یا ہر پتھر پر من جانب اللہ اس کافر کا نام لکھا ہوا تھا جس پر یہ پتھر گرے گا۔ وہ پتھر دنیا کے پتھروں سے بالکل جدا اور ممتاز تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۳ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۵ ج ۲ و تفسیر زاد المسیر ص ۱۴۶)

اور اہل مکہ کو چاہئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی یہ بستیاں مکہ کے ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ملک
شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں پر گزرتے ہیں اور ہلاکت اور بربادی کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ
عبرت پکڑیں۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ نِعْمَةٍ تُغْنِیْكُمْ عَنِ التَّطْفِیْفِ وَ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ اِنْ لَّمْ
تُؤْمِنُوْا عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿٨٤﴾ بِكُمْ یُهْلِكُكُمْ وَوَصْفُ الْیَوْمِ بِهٖ مَجَازٌ لِوُقُوْعِهٖ فِیْهِ وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا
الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ اَتِمُّوْهُمَا بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ لَا تَنْقُصُوْهُمْ مِنْ
حَقِّهِمْ شَیْئًا وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿٨٥﴾ بِالْقَتْلِ وَغَیْرِهٖ مِنْ عَثِیَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ وَ مُفْسِدِیْنَ
حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمَعْنٰی عَامِلِهَا تَعْثَوْا بَقِیَّتُ اللّٰهِ رِزْقُهُ الْبَاقِیْ لَكُمْ بَعْدَ اِیْفَاءِ الْكَیْلِ وَالْوَزْنِ خَیْرٌ لَّكُمْ مِنَ
الْبَخْسِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿٨٦﴾ رَقِیْبٍ اُجَازِیْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ اِنَّمَا بُعِثْتُ نَذِیْرًا
قَالُوْا لَهٗ اِسْتِهْزَاءً یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ بِتَكْلِیْفِنَا اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ مِنَ الْاَصْنَامِ اَوْ
تَرْكَ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اَلْمَعْنٰی هٰذَا اَمْرٌ بَاطِلٌ لَا یَدْعُوْ اِلَیْهِ دَاعِیْ خَیْرٍ اِنَّكَ لَاَنْتَ
الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿٨٧﴾ قَالُوْا ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءً قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ
مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ حَلَالًا اَفَاَشُوْبُهٗ بِالْحَرَامِ مِنَ الْبَخْسِ وَالتَّطْفِیْفِ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ وَاَذْهَبَ
اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ فَاَرْتَكِبُهٗ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ لَكُمْ بِالْعَدْلِ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ قُدْرَتِیْ
عَلٰی ذٰلِكَ وَغَیْرِهٖ مِنَ الطَّاعَاتِ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴿٨٨﴾ اَرْجِعُ وَ یٰقَوْمِ لَا
یَجْرِمَنَّكُمْ یُكْسِبَنَّكُمْ شِقَاقِیْۤ خِلَافِیْ فَاعِلُ یَجْرِمُ وَالضَّمِیْرُ مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ وَالثَّانِیْ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ
اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ مِنَ الْعَذَابِ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ اَیْ مَنَازِلُهُمْ اَوْ زَمَنَ
هَلَاكِهِمْ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ﴿٨٩﴾ فَاعْتَبِرُوْا وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ بِالْمُؤْمِنِیْنَ
وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ مُحِبٌّ لَهُمْ قَالُوْا اِیْذَانًا بِقِلَّةِ الْمُبَالَاةِ یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ نَفْهَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ

فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ ذَلِيْلًا وَ لَوْلَا رَهْطُكَ عَشِيْرَتُكَ لَرَجَمْنٰكَ بِالْحِجَارَةِ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ كَرِيْمٍ
عَنِ الرَّجْمِ وَاِنَّمَا رَهْطُكَ هُمُ الْاَعِزَّةُ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ فَتَتْرُكُوْنَ قَتْلِيْ لِاَجْلِهِمْ
وَلَا تَحْفَظُوْنِيْ لِلّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ اَيِ اللّٰهَ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ مَنْبُوْذًا خَلْفَ ظُهُوْرِكُمْ لَا تُرَاقِبُوْنَهُ اِنَّ رَبِّيْ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ عِلْمًا فَيُجَازِيْكُمْ وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حَالَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۭ عَلٰى
حَالَتِيْ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا
اِنْتَظِرُوْا عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ مُنْتَظِرٌ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا بِاِهْلَاكِهِمْ نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ صَاحَ بِهِمْ جِبْرِيْلُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ اَيْ كَاَنَّهُمْ لَّمْ يَغْنَوْا يُقِيْمُوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا
لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع ۱۲ ۸

ترجمہ: اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو (اللہ کو ایک سمجھو) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں دیکھتا ہوں کہ تم آسودہ حال ہو (نعمت میں خوشحال ہو کہ جو تمہیں ناپ تول میں کمی کرنے سے بے نیاز کئے ہوئے ہے) مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو کہیں تم پر ایسے دن کا عذاب نہ آ جائے جو تم سب کو گھیر لے (اور تم سب کو برباد کر کے رکھ دے اور دن کی صفت لانا مجازاً ہے کیونکہ عذاب سے دن واقع ہوگا) اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ اور تول کو انصاف سے پورا کرو اور نہ گھٹاؤ لوگوں کو ان کی چیزیں (ان کے سامان میں حقوق سے کم مت کرو) اور زمین میں فساد نہ مچاؤ (مار دھاڑ کر کے) لا تعثوا عثی سے بنا ہے ثاء کے کسرہ کے ساتھ افسد کے معنی میں اور مفسدین حال مؤکد واقع ہو رہا ہے اپنے عامل تعثوا کے معنی کے لئے) جو بچ رہے اللہ کا دیا (ناپ تول کرنے کے بعد جو کچھ تمہارے پاس بچ جائے) اس میں تمہارے لئے بہتری ہے (کم کرنے کے مقابلے میں) اگر تم میرا کہنا مانو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (نگراں کہ تمہارے کئے کا بدلہ دیتا ہوں بلکہ میں خبردار کرنے والا ہوں) کہنے لگے (مذاق اڑاتے ہوئے) اے شعیب! کیا تمہاری یہ نمازیں اس کی تعلیم دیتی ہیں کہ (تم ہمیں اس کا پابند کرو کہ) ہم ان معبودوں کی پرستش نہ کریں جن (بتوں کی پوجا ہمارے) باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں یا یہ کہ تم اپنے مالوں میں جو چاہیں تصرف نہ کریں؟ (یعنی تمہاری یہ باتیں غلط ہیں کسی داعی خیر نے یہ باتیں نہیں کہیں) بس تم ہی ایک باوقار اور نیک چلن آدمی رہ گئے ہو (یہ بات لوگوں نے تمسخر کے طور پر کہی تھی) شعیب بولے اے میری قوم کے لوگو! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اللہ اپنی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اللہ اپنی طرف سے مجھے اچھی روزی عطا

کر رہا ہو (رزق حلال، تو کیا پھر بھی اس کٹوتی اور کمی کے ذریعہ حرام کر کے کھاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ اس بات کے خلاف چلنے لگوں جس بات سے تمہیں روکوں (اس کا ارتکاب کرنے لگوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں (انصاف کے ساتھ) میرا کام بنتا ہے (اس کام میں اور دوسری باتوں میں اگر مجھے قدرت حاصل ہو رہی ہے) تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں اور اے میری قوم کے لوگو! کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا اس پر آمادہ نہ ہو جانا میری ضد (مخالفت) میں آکر لفظ شقاق یجرم کا فاعل ہے اور مفعول اول اس کی ضمیر ہے اور مفعول ثانی آگے ہے) کہیں تمہیں بھی ویسی ہی پریشانیاں پیش آجائیں جیسا کہ قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو (عذاب کی شکل میں) پیش آچکی ہیں اور قوم لوط (یعنی ان کے مکانات یا ان کا زمانہ) تو تم سے کچھ دور نہیں (اس لئے تمہیں ان سے عبرت پکڑنی چاہئے) اور دیکھو اللہ سے بخشش طلب کرو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ بلاشبہ میرا پروردگار (اہل ایمان پر) بڑا ہی رحمت والا ہے بڑا ہی محبت والا (دوست) ہے بولے کہ اے شعیبؑ! تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک معمولی (حقیر) آدمی ہو اگر تمہاری برادری (خاندان) کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تمہیں (پتھروں سے) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہمارے سامنے تمہاری کوئی ہستی نہیں ہے (سنگسار کرنے سے باز رکھنے والی البتہ تمہارا خاندان باعزت ہے) شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میرے خاندان کا دباؤ ہوا؟ (کہ خاندان کی وجہ سے تو مجھے مار ڈالنے سے رک گئے مگر اللہ کی وجہ سے میری حفاظت نہیں کر سکتے؟) اور اللہ تمہارے لئے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ پس پشت ڈال دیا کہ اس کا ذرا بھی خیال نہ کیا) یقیناً میرا پروردگار تمہارے کرتوتوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے (یعنی واقف کار ہے لہٰذا وہی تمہیں بدلہ دے گا) اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ (حالت) پر کام کئے جاؤ میں بھی (اپنی حالت پر) مصروف کار ہوں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کس پر (من موصولہ علم کا صلہ واقع ہے) رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے؟ اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو (اپنے انجام کا) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر جب ہمارا حکم (ان کے ہلاک ہونے کے سلسلے میں) آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور اس کے اہل ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز (جبرئیل کی چیخ) نے آپکڑا پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے (گھٹنوں کے بل مرے ہوئے) گویا (ان مخففہ ہے یعنی کانهم تھا) ان گھروں میں کبھی بسے (رہے سہے) ہی نہیں تھے خوب سن لو کہ قبیلہ مدین کے لئے محرومی ہوتی جس طرح قوم ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَوَصْفُ الْيَوْمِ بِهٖ مَجَازٌ: مجازی طور پر اس کو یوم کی صفت قرار دیا گیا۔

قوله: بِالْقَتْلِ: عام بول کر خاص مرادلیا۔

قوله: حَالٌ مُؤَكَّدَةٌ: یہ تاکید معنوی ہے اصطلاحی نہیں۔
قوله: رِزْقُهُ الْبَاقِيْ: بقیۃ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ طاعت کے معنی میں نہیں۔
قوله: بِتَكْلِيْفِنَا: یعنی تمہارا خاص طور پر ہمیں تکلیف دینا یعنی مضاف مقدر اور وہ بِتَكْلِيْفِنَا ہے کیونکہ آدمی کو دوسرے کے فعل کا حکم نہیں کیا جاتا کیونکہ ترک تو فعل کفار ہے اَصَلٰوتُكَ کے مامور شعیب علیہ السلام ہیں۔
قوله: اَوْنَتْرُكَ: اَنْ نَّفْعَلَ کا عطف مَا پر بتاویل مصدر ہے اس وجہ سے کہ ان اس پر داخل ہوا۔
قوله: اَفَاَشُوْبُهُ: جواب شرط محذوف ہے۔
قوله: اَذْهَبُ: اس کو مقدر مانا کیونکہ الی اخالف کا صلہ نہیں بنتا بلکہ اس کا صلہ عن ہے۔ پس اس سے اشارہ کیا کہ یہ اَذْهَبُ کے معنی کو متضمن ہے۔
قوله: لَكُمْ بِالْعَدْلِ: لام مضاف الیہ کا بدل ہے اس سے اشارہ کیا کہ اس سے اسکے اپنے نفس کی اصلاح مراد نہیں۔
قوله: اِيْذَائَنَا: اس سے اشارہ کیا کہ انہوں نے یہ ان کے کلام کی توہین کے لئے کیا۔
قوله: ذَلِيْلًا: اس سے تفسیر کر کے کفار کا طرز عمل بتلایا۔ لا قوۃ لك نہیں کیا۔
قوله: وَ لَوْلَا رَهْطُكَ: کیونکہ وہ ہماری ملت پر ہیں انکی شوکت کا خوف نہیں۔ رَهْطٌ۔ سات سے دس تک بولا جاتا ہے۔
قوله: كَرِيْمٍ عَنِ الرَّجْمِ: العزیز۔ غالب کے معنی میں نہیں جیسا کہ قرآن میں عموماً اسی طرح ہے کیونکہ صرف نفی ضمیر پر ہے عزت پر نہیں۔
قوله: مُنْتَظِرٌ: فعیل بمعنی راقب ہے جیسا کہ صریم بمعنی صارم۔
قوله: صَاحَ بِهِمْ جِبْرِيْلُ: رجفہ، صیحہ اور یوم ظلہ یہ تینوں عذاب اہل مدین کو دیئے گئے۔
قوله: بُعْدًا لِّمَدْيَنَ: اس کا معنی ہلاکت ہے اس لئے کہ اس کا عذاب صیحہ ثمود کے مشابہ تھا اس لئے ان سے تشبیہ دی۔

تفسیر مقبولین

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ....

مدین والوں کو شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور ان لوگوں کا الٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا:

یہ چھٹا قصہ شعیب علیہ السلام کا ہے جو خطیب الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں اور مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے انکا مذہب یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں کے تصرف میں آزاد اور مختار ہیں (جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دار کہتے ہیں) جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں حضرت شعیب علیہ السلام یہ فرماتے تھے کہ یہ اموال اگرچہ تمہارے مملوک ہیں مگر

تمہاری ملکیت مالک حقیقی کی ملکیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ امانت اور دیانت کے ساتھ اور صحیح کمیل اور وزن کے ساتھ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو یہ قوم بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ معاملات دنیاوی میں خیانت اور کم تولنے میں مبتلا تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو توحید کی دعوت دی اور شرک اور کم تولنے کی عادت سے توبہ اور استغفار کی نصیحت کی اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر اللہ کا عذاب آئیگا اور قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ جب ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو آخری درجہ میں یہ فرمایا: اعملوا علی مکانتکم الخ کو خیر ہو تمہارا جی چاہے کرو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کیا رسوائی پہنچنے والی ہے آخر وہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ یہ اندھے اور بہرے شاید اپنے بھائی کی کچھ سنیں اور دیکھیں۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا پھر اس کی اولاد کا بھی یہی نام ہو گیا اور ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اس کا نام بھی مدین رکھا۔ یہ شہر بحر قلزم کے کنارے پر تبوک کے محاذی اس سے چھ مرحلہ دور واقع ہے اور تبوک سے بڑا ہے اور مدین وہی شہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اول مرتبہ مصر سے تنہا نکلے تو اس شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ اب آگے شعیب علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا حال بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قوم کو وہ بات بتائی جو سب سے اول اور مقدم فرض ہے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سے یہ کہا اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ توحید اور عبادت یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا۔ اب آگے مخلوق کا حق بتایا جو باہمی معاملات سے متعلق تھا اور نہ کمی کرو تم پیمانے سے ناپنے کی چیزوں میں اور ترازو سے تولنے کی چیزوں میں۔ تحقیق میں تم کو اچھی حالت یعنی نعمت اور تونگری میں دیکھتا ہوں یعنی تم مفلس اور محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے خیانت کرو بلکہ مالدار اور نعمت والے ہو اس کا حق تو یہ ہے کہ لوگ تم سے بہرہ مند ہوں نہ یہ کہ تم دوسروں کے حق میں سے کمی کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر زیادہ نہیں تولتے تو کم بھی نہ تولو اور تحقیق میں اس خیانت کی وجہ سے تمہاری نسبت ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہوگا۔ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے یا دنیوی عذاب ہلاکت مراد ہے۔ یہ تو ناپ تول میں کمی کی ممانعت ہوئی اب آئندہ آیت میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور اس میں تاکید اور مبالغہ ہے اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ ماپ میں پیمانہ کا اوچھانہ بھرو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کی چیزوں میں ذرہ برابر کمی نہ کرو۔ یعنی کیل اور وزن کی خصوصیت نہیں تمام چیزوں میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو خواہ کسی قسم کی کوئی چیز ہو اس میں کمی نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے حق میں خیانت نہ کرو۔ ایک ہی بات کو تین مرتبہ دھرانے سے مقصود تاکید ہے مگر ہر مرتبہ نئی عبارت سے ادا کیا گیا ہے جس میں خاص بلاغت ہے اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو یعنی رہزنی نہ کرو۔ یہ لوگ رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ ناپ تول میں ہر حق دار کا حق ادا کرنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا حلال مال جو تمہارے پاس باقی رہ جائے اس زیادہ مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو خیانت کر کے تم حاصل کرو۔ کیونکہ حلال مال میں گو وہ قلیل ہو اس میں خیر و برکت ہے۔ اگر ہو تم یقین رکھنے والے تو سمجھ لو کہ برکت حلال میں ہے۔ حرام میں نہیں۔ میں تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تم کو منوا دوں اور نیک راہ پر چلا دوں۔

من آنچہ شرط بلاغت نا قوی گویم تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

حکایت کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم پر تھے ایک وہ کہ جن کو جہاد کا حکم ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعضے وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ صرف تبلیغ رسالت ان کے ذمہ تھا۔ شعیب علیہ السلام ان ہی میں تھے جن کو جہاد کا حکم نہیں تھا وہ دن بھر قوم کو نصیحت فرماتے اور رات بھر نماز پڑھتے۔ (روح البیان ص ۱۷۲ ج ۴)

قوم مردود کا جواب:

قوم کے سردار بولے اے شعیب علیہ السلام ہم نے تمہارا وعظ بن لیا۔ کیا تیری نماز اور عبادت تجھ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے بڑے پوجتے تھے اور سب بتوں کو چھوڑ کر تیرے کہنے سے خالی ایک معبود کے ہو رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کثیر الصلوٰۃ تھے۔ ان کی قوم ان کو نماز پڑھتا دیکھتی تو بطور تمسخر ان سے یہ کہتی۔ یا ہم اپنے مالوں میں سے حسب منشاء تصرف کو نا چھوڑ دیں۔ ہم اپنے مالوں کے مالک اور مختار ہیں جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ تحقیق تو تو بڑا بردبار اور راہ یاب ہے تو ایسی باتیں کیوں کہتا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور استہزاء اور تمسخر تھا۔ جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ یہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تقسیم کیسی۔ مطلب یہ تھا کہ اب ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے اور دغا بازی سے بچنے کا وعظ نہ کہئے۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ بے شک تم اپنے مالوں کے مالک ہو مگر ہم تمہارے وجود کے اور تمہارے مالوں کے مالک مطلق اور مالک حقیقی ہیں تم سب ہمارے بندے اور غلام ہو تم اپنی تجارت اور زراعت میں ہمارے نازل کردہ قانون کے پابند ہو جس طرح تمہارا وجود ہمارا عطیہ ہے اسی طرح تمہارے اموال ہمارے عطا کردہ ہیں ہمارے عطاء کردہ اعضاء اور جوارح سے اور ہمارے حکم کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم ان اموال کے مالک ہو مگر ہماری اس عنایت اور مرحمت کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کی حدود و قیود اور اوامر و نواہی سے آزاد ہو کہ خلاف قانون جو چاہو تصرف کرو شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اشتراکیت کی طرح شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کی منکر نہیں البتہ اس کی آزادی اور مطلق العنانی کی منکر ہے جس طرح ایک مجازی غلام اور خادم کا تصرف اور تجارتی کاروبار مجازی آقا کے ماتحت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندوں کے تمام مالی تصرفات مالک حقیقی اور خداوند احکم الحاکمین کے حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ ملک کی رعایا، حکومت اور صدر مملکت اور وزرائے سلطنت کی مخلوق نہیں اور اپنی ذاتی قدرت اور اختیار میں اور تجارتی کاروبار میں حکومت کے محتاج نہیں مگر بایں ہمہ ملک کی رعایا۔ قانون حکومت کے ماتحت تصرف کر سکتی ہے۔ اس کے خلاف تصرف نہیں کر سکتی۔ پس جبکہ مجازی اور قانونی حکومت میں رعایا کا تصرف قانون حکومت کے ماتحت ہونا تہذیب اور تمدن کے خلاف نہیں۔ تو خدا کی مخلوق کے تصرف کو خدا کے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت قرار دینا کیسے خلاف تمدن ہو سکتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح قوم شعیب علیہ السلام بھی یہی کہتی تھی کہ کیا آپ کی نماز ہم کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ان مغرورین اور متکبرین کا جواب یہ ہے کہ ہاں نماز ایسی ہی باتوں کا حکم دیتی ہے۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (تحقیق نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے) اس لیے شعیب علیہ السلام کی نماز ان کو آمادہ کرتی تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب باصواب:

شعیب علیہ السلام نے جواب دیا اے میری قوم! مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بصیرت اور روشن دلیل اور حجت پر ہوں۔ یعنی علم اور ہدایت پر ہوں جن کی بنا پر تم کو نیکی کا حکم دیتا ہوں اور برائی سے منع کرتا ہوں اور مزید برآں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس سے اچھا رزق یعنی حلال وطیب اور فراخ دیا ہو تو کیا ایسی صورت میں تمہاری جاہلانہ اور احمقانہ باتوں کی وجہ سے حق کی دعوت اور تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دوں اور تم کو بت پرستی اور کیل اور وزن میں کمی کرنے سے منع نہ کروں جبکہ خدا تعالیٰ نے نبوت ورسالت اور حجت واضح اور علم وحکمت کی دولت عطا کی جس سے مجھ کو بصیرت اور نور یقین حاصل ہے اور مال حلال وطیب بھی مجھ کو اتنا دیا کہ جس کے بعد مجھ کو مخلوق کی ضرورت نہیں۔ تو مجھ پر تم بے وقوفوں کی طعن آمیز باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رزق حسن سے نبوت کی نعمت مراد ہے اور میرا یہ ارادہ نہیں کہ جس بات سے تم کو منع کروں اسکے خلاف میں خود کروں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نہیں کہ جن باتوں اور خواہشوں سے تم کو منع کروں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ بلکہ تمہارے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں سوائے تمہاری اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد اور معاملات درست ہو جائیں اور تمہارے اعتقادات اور معاملات سے فسادات دور ہو جائیں۔ اور یہی کمال رشد اور کمال حلم ہے اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی قوت اور طاقت سے یعنی میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں مگر میری طاقت اللہ کی قوت اور اعانت سے ہے۔ اور اس کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ توکل اور اصلاح میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہر کام میں نیت اسی کی کرتا ہوں۔

ترہیب قوم از مخالفت ومعاندت:

اس مواعظت سراپا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اے میری قوم! تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو۔ اور پھر تم کو ویسا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا۔ یا قوم ہود کو ہوا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوئے یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقف ہو اگرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے۔ تم کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑو! اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں۔ ان کو تباہ ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ دیکھ لو کہ پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے روبرو کیسے ہلاک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اس کے حکم پر چلو اور کفر وشرک سے توبہ کرو اور ناپ تول میں کمی کو چھوڑ دو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ استغفار کرنے والوں پر۔ اور بڑا محبت کرنے والا ہے۔ توبہ کرنے سے استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔

کما قال تعالی: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

قوم کا جواب:

قوم کے لوگ جب شعیب علیہ السلام کی اس موعظت سراپا حکمت اور تقریر دل پذیر کے جواب سے لاجواب ہوئے تو ازراہ جہالت وعداوت یہ کہنے لگے اے شعیب تیری بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یعنی تو جو کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دو۔ اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دو۔ تیری یہ باتیں سب تیرے خیالات فاسدہ ہیں قابل توجہ نہیں اور ہم تو تجھے اپنے درمیان کمزور اور ناتواں دیکھتے ہیں تجھ میں کوئی قوت نہیں اور ہم اگر تجھ کو کوئی برائی پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں یا یہ مطلب ہے کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں اور اگر تیرا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے ہم کو تیرے خاندان اور قبیلہ کی عزت اور حرمت کا پاس ہے جو تجھ کو چھوڑ دیا اور تو ہماری نظروں میں کوئی عزت والا نہیں کہ تیری عزت سنگساری سے مانع بنے۔

شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب:

یہ تو قوم کی دھمکیوں کا ذکر ہوا اور بے وقوفوں کا یہی دستور ہے کہ آیات بینات اور روشن دلائل کے مقابلہ میں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ اب آگے ان دھمکیوں کے مقابلہ میں شعیب علیہ السلام کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ جو ان نادانوں کی شفقت سے لبریز ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کے قلبی سکون اور اطمینان کا آئینہ دار ہے کہ وہ قوم کی دھمکیوں سے ذرہ برابر مرعوب نہ تھے بلکہ وعدہ خداوندی پر مطمئن تھے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے ان کی دھمکیوں کے جواب میں کہا! اے میری قوم افسوس اور تعجب ہے کہ میری نبوت ورسالت تو میرے رجم سے مانع نہ ہوئی۔ بلکہ میرے قبیلہ اور خاندان کی قوت وشوکت میرے رجم سے تمہارے لیے مانع بنی کیا میری برادری اور میرا کینہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ہے کہ خاندان کا تو پاس کیا اور جس خدا نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور سچائی کے نشان مجھے دیئے اس کا پاس نہیں کیا اور اللہ کو یعنی اس کے حکم کو تم نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ مگر یاد رکھو کہ عنقریب تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تحقیق میرا پروردگار تمہارے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں تمہارے اعمال کے موافق تم کو جزا دے گا۔ بعد ازاں جب شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں کو عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ کوئی نصیحت ان پر کارگر نہ ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ عذاب کا وعدہ محض دھمکی ہی دھمکی ہے تو اخیر میں یہ فرمایا کہ اچھا اگر تم کو عذاب کا یقین نہیں تو اچھا تم جانو عنقریب پتہ چل جائے گا اور بالآخر ناامید ہو کر یہ کہا اے میری قوم تم اپنی جگہ میں اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تم جان لو گے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا۔ جو اس کو ذلیل وخوار کرے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جو جھوٹا ہے اس وقت طرفین کی عزت اور ذلت کا فیصلہ ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ تم جھوٹے ہو یا میں جھوٹا ہوں اور آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے میں تم کو ڈرا رہا ہوں وہ محض دھمکی نہیں بلکہ وہ اتنا قریب آ گیا کہ اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر انتظار میں بیٹھ جاؤ۔ پس حسب وعدہ چند روز کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا اور جب ہمارا حکم عذاب کے لیے آ پہنچا تو ہم نے فریقین میں سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ عذاب آسمانی سے نجات دی اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک اور معصیت سے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا یکدم ایک سخت آواز

نے آ پکڑا جس سے یک لخت سب کے دل پھٹ گئے اور ایک دم سب مر گئے۔ جبریل امین علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس کی دہشت سے سب کافر مر گئے۔ پس یہ لوگ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ قوم مدین کو ہلاکت اور پھٹکار ایسی ہوئی جیسا کہ قوم ثمود کو ہوئی تھی۔ چونکہ قوم شعیب اور قوم صالح (یعنی قوم ثمود) ایک ہی عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے فرمایا کہ مدین کی ہلاکت ویسی ہی ہے جیسی ثمود کی ہلاکت ہے۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں قومیں عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ قوم ثمود نے نیچے کی جانب سے صیحہ (چنگھاڑ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ اور قوم مدین نے اوپر کی جانب سے صیحہ (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ نیز مدین کو ثمود کے ساتھ اس لیے بھی ذکر کیا کہ دونوں قوموں کی بستیاں قریب تھیں اور کفر اور رہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور دونوں عرب میں تھے اس اعتبار سے تشبیہ معنوی ہو گئی۔

فائدہ: یہاں قوم شعیب کا صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہوا اور سورۃ اعراف میں رجفہ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے عجب نہیں کہ ابتداء میں زلزلہ آیا ہو اور پھر چیخ آئی ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ بُرْهَانٍ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ سَدِيْدٍ يَقْدُمُ يَتَقَدَّمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَتْبَعُوْنَهٗ كَمَا اتَّبَعُوْهُ فِي الدُّنْيَا فَاَوْرَدَهُمُ اَدْخَلَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ هِيَ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ اَيِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ لَعْنَةً بِئْسَ الرِّفْدُ الْعَوْنُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ رِفْدُهُمْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ مِنْهَا اَيِ الْقُرٰى قَاۗىِٕمٌ هَلَكَ اَهْلُهٗ دُوْنَهٗ وَّمِنْهَا حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ هَلَكَ بِاَهْلِهٖ فَلَا اَثَرَ لَهٗ كَالزَّرْعِ الْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ فَمَآ اَغْنَتْ دَفَعَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ عَذَابُهٗ وَمَا زَادُوْهُمْ بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ تَخْسِيْرٍ وَكَذٰلِكَ مِثْلَ ذٰلِكَ الْاَخْذِ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى اُرِيْدَ اَهْلُهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ بِالذُّنُوْبِ اَيْ فَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِنْ اَخْذِهٖ شَيْءٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ رَوَى الشَّيْخَانِ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَأَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الْاٰيَةَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْقَصَصِ لَاٰيَةً لَعِبْرَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ اَيْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ فِيْهِ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (۱۰۳) يَشْهَدُهُ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ وَ مَا
نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (۱۰۴) لِوَقْتٍ مَعْلُوْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ يَاْتِ ذٰلِكَ الْيَوْمُ لَا تَكَلَّمُ فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى
التَّائَيْنِ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ تَعَالٰى فَمِنْهُمْ اَيِ الْخَلْقِ شَقِيٌّ وَّ مِنْهُمْ سَعِيْدٌ (۱۰۵) كُتِبَ كُلُّ ذٰلِكَ فِي الْاَزَلِ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فِيْ عِلْمِهٖ تَعَالٰى فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ صَوْتٌ شَدِيْدٌ وَّ شَهِيْقٌ (۱۰۶) صَوْتٌ ضَعِيْفٌ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اَيْ مُدَّةَ دَوَامِهِمَا فِي الدُّنْيَا اِلَّا غَيْرَ مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ مِنَ
الزِّيَادَةِ عَلٰى مُدَّتِهِمَا مِمَّا لَا مُنْتَهٰى لَهٗ وَالْمَعْنٰى خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۰۷) وَ اَمَّا
الَّذِيْنَ سُعِدُوْا بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا غَيْرَ مَا
شَآءَ رَبُّكَ ؕ كَمَا تَقَدَّمَ وَدَلَّ عَلَيْهِ فِيْهِمْ قَوْلُهٗ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۰۸) مَقْطُوْعٍ وَمَا تَقَدَّمَ مِنَ التَّاْوِيْلِ هُوَ
الَّذِيْ ظَهَرَ لِيْ وَهُوَ خَالٍ عَنِ التَّكَلُّفِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ فَلَا تَكُ يَا مُحَمَّدُ فِيْ مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّمَّا يَعْبُدُ
هٰٓؤُلَآءِ ؕ مِنَ الْاَصْنَامِ اِنَّا نُعَذِّبُهُمْ كَمَا عَذَّبْنَا مَنْ قَبْلَهُمْ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا
يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ اَيْ كَعِبَادَتِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَقَدْ عَذَّبْنَاهُمْ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ مِثْلَهُمْ
نَصِيْبَهُمْ حَظَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ (۱۰۹) ع اَيْ تَامًّا ع ۱۲

ترجمہ: اور البتہ بھیج چکے ہیں ہم موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر (ظاہر و باہر دلیل دے کر) فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس مگر وہ لوگ فرعون کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کی بات کچھ کام کی نہیں تھی وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور لوگ اس کے پیچھے اس طرح چلتے ہوں گے جس طرح دنیا میں چلتے تھے) پھر انہیں آگ میں پہنچائے گا (داخل کر دے گا) اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہاں میں لعنت اور قیامت کے دن بھی (لعنت رہے گی) برا انعام (صلہ) ہے جو ان کو ملا، (انہیں دیا گیا) یہ (مذکورہ واقعات، یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان بستیوں کے تھوڑے سے حالات تھے جنہیں ہم آپ سے (اے محمد ﷺ) بیان کر رہے ہیں ان (بستیوں) میں سے کچھ تو اب تک قائم ہیں، (ان کے رہنے والے، برباد ہو گئے مگر وہ خراب نہیں ہوئیں) اور کچھ بالکل اجڑ گئیں (رہنے والوں سمیت فنا ہو گئیں کہ ان کا نشان تک نہیں رہا جیسے کسی نے درانتی سے کھیت صاف کر دیا ہو) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ بلا قصور انہیں برباد کر دیا ہو) بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا (شرک کر کے) سو ان کے وہ معبود جنہیں وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے (من زائدہ ہے) جب آپ کے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے) جیسی پکڑ ان کی ہوئی جب وہ

آبادیوں (میں رہنے والوں) کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے (گناہ کرتے ہوئے یعنی پھر اس کی پکڑ سے کوئی نہیں بچتا) یقیناً اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک بڑی ہی سخت ہوتی ہے (شیخین نے ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں پھر جب پکڑ لیتے ہیں تو کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا اس کے بعد آنحضرت نے یہی آیت وکذالک الخ تلاوت فرمائی) ان (مذکورہ واقعات) میں بڑی ہی عبرت (نصیحت) ہے اس شخص کے لئے جو عذاب کا خوف رکھتا ہو یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کئے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جس میں سب کی حاضری ہوگی (سب اس کا نظارہ کر سکیں گے) اور ہم اس کو صرف تھوڑی سی مدت کے لئے (جو خدا کو معلوم ہے) ملتوی کئے ہوئے ہیں جس وقت وہ دن آئے گا کسی شخص کی مجال نہیں ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے (تکلم میں ایک تاء محذوف ہے) پھر (مخلوق میں سے) کچھ ایسے ہوں گے جن کے لئے محرومی ہے اور (کچھ ان میں سے) ایسے ہوں گے جن کے لئے سعادت ہے (یہ سب روز اول میں لکھا جا چکا ہے) پس جو لوگ محروم ہوئے (علم خداوندی میں) وہ جہنم میں ہوں گے ان کے لئے چیخنا چلانا (شور مچانا) ہوگا (شہیق کمزور آواز کو کہتے ہیں) وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (یعنی دنیا جس قدر ان کا دوام رہا ہے) ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو (زمین وآسمان کی مدت میں زمانہ غیر متناہی کی زیادتی۔ غرضیکہ ہمیشگی مراد ہے) بے شک آپ کا پروردگار اپنے کاموں میں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جن لوگوں نے سعادت پائی (سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے) سو وہ جنت میں ہوں گے اور اس میں رہیں گے آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے (اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی گزر چکا ہے جس پر اگلا قول دلالت کرتا ہے) یہ عطیہ ہمیشہ رہے گا (منقطع نہیں ہوگا یہی تاویل میری سمجھ میں آئی ہے اور بے تکلف ہے واللہ اعلم) جن (بتوں) کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے بارے میں (اے محمد ﷺ) آپ کو ذرا شبہ نہ ہونا چاہئے (کیونکہ اگلے لوگوں کی طرح ہم انہیں بھی سزا دیں گے اس کا مقصد نبی کریم ﷺ کی دلجوئی ہے) یہ اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا پرستش کرتے تھے) ان سے پہلے (جنہیں ہم سزا دے چکے ہیں) اور ہم یقیناً (ان کی طرح) ان (کے عذاب) کا پورا پورا حصہ (بغیر کچھ کم کئے) انہیں پہنچائیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: سُلْطٰنٍ: سے مراد معجزات ہیں۔

قوله: اَدْخَلَهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ ورود کا تذکرہ مجاز سے دخول ہے۔

قوله: مِنْهَا: مِنْهَا کو مقدر مانا اس سے اشارہ کیا کہ حَصِيْدٌ کا عطف قائم پر ہے جملہ پر نہیں۔

قوله: اُرِيْدَ اَهْلُهَا: مضاف محذوف ہے۔

قوله: يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: عذاب آخرت کا تذکرہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

قوله: فِيْهِ: اس میں اشارہ کیا کہ لام فی کے معنی میں ہے۔

قوله: يَشْهَدُه جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ: یعنی اس میں تمام خلق حاضر ہوگی۔ پس ظرف میں وسعت کر کے اسے مفعول بہ کے قائم مقام لایا گیا اگر یومٌ کو خود مشہود قرآن دیں تو غرض اصلی باطل ہو جاتی ہے۔

قوله: لِوَقْتٍ مَعْلُوْمٍ: اجل کا اطلاق تمام مدت تاجیل پر اور اس کی انتہاء پر ہوتا ہے۔ اور معدود کا اطلاق تمام مدت پر تو ہوتا ہے غایت پر نہیں اسی وجہ سے اجل کی وقت سے تفسیر کی جو کہ تمام مدت ہے کیونکہ اس کی صفت معدود سے آرہی ہے اور انتہاء مدت غیر معدود ہے لیکن مضاف محذوف ہے۔

قوله: مَعْلُوْمٍ: اس سے اشارہ کیا معدود سے مراد معلوم ہے۔

قوله: الْخَلْقِ: اس پر لاتکلم کا قول دلالت کر رہا ہے۔

قوله: زَفِيْرٌ: سخت آواز، ھیچکی، سانس کا لوٹانا، ہلکی آواز۔

قوله: غَيْرَ مَا: یہاں الا غیر کے معنی میں آیا ہے پس معنی یہ ہے کہ ان کا عذاب اتنی مدت تک ہوگا جتنا عرصہ دنیا میں آسمان وزمین کو دوام رہا اس کے ساتھ وہ بھی اضافہ ہے جس کی انتہاء نہیں جب تک آسمان وزمین باقی ہیں۔

قوله: وَضَمِّهَا: یہ مجہول پڑھ سکتے ہیں سعد بمعنی اسعدہ ہے۔

قوله: كَعِبَادَتِهِمْ: مَا مصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: حَظَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ: نصیب کی اضافت ضمیر کی طرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نصیب سے عذاب کا حصہ مراد ہے نہ کہ ثواب کا۔

قوله: تَامًّا: یہ کہہ کر اشارہ کر دیا یہاں مکمل مراد وفاء ناقص مراد نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت، فرعون اور آل فرعون کی بغاوت اور دنیا وآخرت میں آل فرعون پر لعنت:

ان آیات میں فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی بربادی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا وہ ان لوگوں کے پاس معجزات اور روشن دلیل لے کر آئے ان کے یہ معجزات سورۂ اعراف کے رکوع (۱۳، ۱۴) میں مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث تو ہوئے تھے فرعون کی پوری ہی قوم کیلئے لیکن خاص طور سے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ قوموں کے سردار ہی اصل ہوتے ہیں عامۃ الناس انہیں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حق

قبول کر لیتے ہیں تو عوام بھی حق کو مان لیتے ہیں قوم کے سردار اگر حق کے منکر ہوں تو عوام دو وجہ سے حق قبول نہیں کرتے اول تو اس وجہ سے کہ سردار لوگ انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے اگر وہ حق قبول کریں تو یہ لوگ ان پر سختی کرتے ہیں اور انہیں اس سے باز رکھتے ہیں' اور دوسری وجہ یہ کہ عامۃ الناس یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بڑے جس راہ پر ہیں ہمیں بھی اس راہ پر ہونا چاہئے اگرچہ ہوتا یہی رہا ہے کہ ضعفائے قوم ہی پہلے حق کی طرف بڑھتے ہیں لیکن یہ لوگ دوسروں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ سرداروں کو خطاب کریں تا کہ وہ ہدایت قبول کر لیں اور عوام بھی ان کے ساتھ ہدایت پر آجائیں۔

فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون کی ہی بات مانی اور اسی کی رائے پر چلتے رہے اور ان کے عوام بھی انہیں کے پیچھے رہے فرعون ہی سب کا قائد تھا' دنیا میں کفر وضلال کا قائد بنا قیامت کے دن بھی اپنی قوم کا قائد بنے گا یعنی انہیں آگے لے کر چلے گا خود بھی دوزخ میں جائے گا اور اپنی قوم کو بھی دوزخ میں اتار دے گا۔ یہ لوگ دنیا میں ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے یہ لعنت برا انعام ہے جو انہیں دیا گیا فرعون اور اہل فرعون کی ہلاکت کا واقعہ سورۃ بقرہ ع ۱۴ اور سورۃ اعراف ۱۶ میں اور سورۃ یونس (ع ۹) میں گزر چکا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے معجزات اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ اس میں روشن دلیل سے بعض حضرات نے ان کی عصا اور بعض نے ید بیضاء مراد لیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى....

اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اسکی گرفت دردناک اور سخت ہے:

سورۂ ہود کے رکوع ۳ سے لے کر یہاں تک ۷ انبیاء کرامؑ کی امتوں کی بربادی کا حال بیان فرمانے کے بعد یہاں فرمایا کہ ہم آپ کو ان بستیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ ان ہلاک شدہ بستیوں سے بعض بستیاں دنیا میں موجود ہیں کچھ تو کھنڈروں کی صورت میں ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگ ان میں رہنے لگے (وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ) اور کچھ ایسی بستیاں ہیں جن کا بالکل خاتمہ ہو گیا جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں ان قوموں کی ہلاکت کے واقعات مخاطبین نے پہلے بھی سن رکھے ہیں اور آپ نے بھی بتا دیئے اور صرف زبانی کہا سنا نہیں ہے ان میں سے بعض بستیوں کے آثار موجود ہیں اور یہ لوگ ادھر کو گزرتے بھی ہیں انہیں ان سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور جب عذاب کا وقت آ گیا تو ان کے معبودوں نے جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا اور ذرا بھی ان کے کام نہ آئے ان کی عقیدت اور تعظیم اور عبادت کی وجہ سے ان کے پرستاروں کو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ملا' ان کی عبادت کی وجہ سے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہوتا رہا بالآخر ہلاک اور برباد ہوئے۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ....

قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ گزشتہ امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو پھر یہ فرمایا کہ آخرت کے دن میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ حاضری کا دن ہے یہ جبری حاضری ہوگی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں حاضر نہ ہوں تو ایسا ہو نہیں سکتا' حاضر ہونا ہی پڑے گا مزید فرمایا کہ ہم اس دن کو تھوڑی مدت کے لیے مؤخر کر رہے ہیں جس وقت اس کا آنا اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے اس وقت آ جائے گی اس سے پہلے نہیں آئے گی لیکن فوری اور ابھی نہ آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ آنی ہی نہیں اس میں ان جاہلوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے سن رہے ہیں کہ قیامت ایک دن آئے گی۔ ابھی تک تو آئی نہیں' یہ بات کہہ کر جاہل لوگ قیامت کے دن کا انکار کرنا چاہتے ہیں یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کسی چیز کا اپنے مقررہ وقت تک مؤخر ہو جانا اگرچہ تاخیر زیادہ ہو جائے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وقوع نہ ہوگا پھر فرمایا: يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (جس وقت وہ دن آ جائے گا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا) یہ ابتدائی حالت کا بیان ہے جیسے ہی صور پھونکا جائے گا لوگ حیران و پریشان اور بے ہوش ہو جائیں گے اس وقت کی ہیبت ایسی ہوگی کہ کسی کو بھی بولنے کی تاب نہ ہوگی سورۂ ابراہیم میں فرمایا: (اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ . مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ) (وہ انہیں اسی دن کے لیے مؤخر فرما رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ان کی نظر ان کی طرف واپس نہ لوٹے گی اور ان کے دل بالکل ہوا ہوں گے)۔

پھر جب حساب کتاب شروع ہوگا تو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ لہٰذا اس آیت میں اور ان دیگر آیات میں کوئی تعارض نہیں جن میں انکار کرنے پھر اقرار کرنے اور معذرت پیش کرنے کا ذکر ہے' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء اور شہداء اجازت کے بعد سفارش کریں گے' اس کے بعد حاضرین محشر کی دو قسمیں بتائیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ شقی یعنی بد بخت ہوں گے اور بہت سے لوگ سعید نیک بخت ہوں گے پھر ہر فریق کا مقام بتایا جو لوگ بد بخت ہوں گے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیں گے جس میں وہ چیخ پکار کرتے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے "چیخ و پکار" زفیر اور شهیق کا ترجمہ کیا گیا ہے زفیر گدھے کی ابتدائی آواز کو اور شهیق اس کی آخری آواز کو کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا چیخنا پکارنا گدھوں کی آواز کی طرح ہوگا۔ اور نیک بختوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اہل جنت کو جو کچھ عطا فرمایا جائے گا وہ دائمی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا کہ اے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یعنی غیر اللہ کو پوجتے ہیں ان کے اس عمل کے موجب سزا ہونے کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کرتے ہیں۔ جیسے ان کے باپ دادے ان سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یہ جو کچھ دنیا میں کر رہے ہیں اس کا بدلہ انہیں پورا پورا مل جائے گا جس میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔

فوائد ضروریہ: (۱) آیت بالا سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی دو ہی قسمیں ہوں گی کچھ لوگ شقی (بدبخت) اور کچھ لوگ سعید (نیک بخت) ہوں گے یعنی ایک جماعت اہل ایمان کی اور دوسری اہل کفر کی ہوگی۔ اہل ایمان سعید یعنی نیک بخت ہوں گے اور اہل کفر شقی یعنی بدبخت ہوں گے سورۂ شوریٰ میں فرمایا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت دوزخ میں ہے) اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہوں گے۔ اہل کفر تو کبھی دوزخ سے نہ نکلیں گے۔ البتہ جو اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے وہ اس میں سے نکال لیے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے جس کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف نہ فرمایا ہوگا اور بہت سے گنہگار ایسے ہوں گے جن کی معافی عذاب بھگتے بغیر ہی ہو جائے گی اللہ پاک شفاعت کی معافی فرمائیں گے اور شفاعتیں بھی قبول فرمائیں گے نتیجہ کے اعتبار سے سارے مؤمن جنت میں اور سارے کافر دوزخ میں رہ جائیں گے۔ کافر کبھی دوزخ سے نہ نکالے جائیں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا: (وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ) اور اہل جنت شروع داخلہ سے لے کر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے نہ اس میں سے نکالے جائیں گے نہ اس میں سے نکلنا پسند کریں گے سورۂ حجر میں فرمایا: (لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ) اور سورۂ کہف میں فرمایا: (خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا) جب سارے اہل ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا اور یہ منادی کر دی جائے گی کہ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ کہ اے جنتیو! اب موت نہیں اور اے دوزخیو! اب موت نہیں۔ (رواہ البخاری ص ۹۷۰ ج ۲ و مسلم ص ۳۸۱ ج ۲)

قرآن مجید میں جیسے اہل جنت کے بارے میں (خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا) فرمایا ہے اسی طرح سے اہل دوزخ کے بارے میں بھی فرمایا ہے (دیکھو سورۃ نساء رکوع ۲۳) اور سورۂ احزاب (رکوع ۸) اور سورۂ جن (رکوع ۲) بعض لوگوں کو اہل کفر سے ہمدردی پیدا ہوئی اور انہوں نے خواہ مخواہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کا انکار کر کے اپنی جان کو گمراہی میں پھنسا دیا۔

بہت سے لوگ اس گمراہی کی تائید کیلئے کمر بستہ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر بھی کبھی نہ کبھی دوزخ سے نجات پا جائیں گے۔ اور دوزخ ختم ہو جائے گی۔ یہ لوگ قرآن مجید کو جھٹلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے۔ (آمین)

(۲) آیت بالا میں اہل شقاوت کی سزا اور اہل سعادت کی جزا بیان کرنے کے بعد دونوں جگہ (خَالِدِينَ فِيهَا) کے ساتھ (مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ) بھی فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے یہ اہل عرب کے محاورہ کے مطابق ہے اہل عرب یہ لفظ بول کر دوام اور ہمیشگی مراد لیا کرتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین مراد ہیں جو چیز ان کے نیچے ہوگی اس سے زمین مراد لی ہے اور جو چیز ان کے اوپر سقف یعنی چھت کے طور پر ہوگی اس سے آسمان مراد لیا ہے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بات کسی درجہ میں سمجھ میں آتی ہے کیونکہ جنت کیلئے ارض کا لفظ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے۔ کما فی سورۃ الزمر: (وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ) اور سروں کے اوپر جو کچھ ہوگا اسے اوپر ہونے کی وجہ سے سماء بھی کہا جا سکتا ہے: لِأَنَّ كُلَّ مَا أَظَلَّكَ فَهُوَ سَمَاءٌ (لیکن چونکہ سماوات جمع کے صیغے کے ساتھ وارد ہوا ہے اس لیے جب تک وہاں تعدد سماء ثابت نہ ہو اس وقت تک اس بات

کے سمجھنے میں تامل ہے)

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے ساتھ دونوں جگہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ بھی فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے بڑی بحث کی ہے مستثنیٰ منہ کون ہے استثناء متصل ہے یا منقطع؟ اور استثناء کا مطلب کیا ہے احقر کے نزدیک سب سے زیادہ راجح بات وہ ہے جو علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل (ص ۴۰۲ ج ۲) میں فرآء سے نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ: هذا استثناء استثناه الله وَلَا يَفْعَلُه جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلود سے استثناء تو ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اہل دوزخ کو دوزخ سے اور اہل جنت کو جنت سے نکال لے لیکن وہ نکالے گا نہیں (کیونکہ ہر فریق کے خلود و دوام کا فیصلہ فرمادیا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے) فرآء کے اس قول کو صاحب روح المعانی نے بھی بحوالہ امام بغوی نقل کیا ہے اور بعض افاضل سے نقل کیا ہے کہ اس استثناء کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ دوزخیوں کو عذاب دینا اور جنتیوں کو جنت میں نعمتیں دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے کرے نہ وہ عذاب دینے پر مجبور ہے اور نہ اکرام و انعام پر، اگر وہ کسی دوزخی کو دوزخ سے نکال لے یا کسی جنتی کو جنت سے باہر لائے تو وہ یہ کرسکتا ہے اس کی مشیت اور ارادہ اور اختیار کبھی نہ سلب ہوا نہ سلب ہوگا۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ كَالْقُرْاٰنِ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاخِيْرِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ فِي الدُّنْيَا فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ اِنَّهُمْ اَيِ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهٖ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ مُوْقِعِ الرِّيْبَةِ وَ اِنَّ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ كُلًّا اَيْ كُلُّ الْخَلَائِقِ لَمَّا مَا زَائِدَةٌ وَاللَّامُ مُوَطِّئَةٌ لِقَسَمٍ مُقَدَّرٍ اَوْ فَارِقَةٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ لَمَّا بِمَعْنٰى اِلَّا فَاِنْ نَافِيَةٌ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اَيْ جَزَائَهَا اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ عَالِمٌ بِبَوَاطِنِهٖ كَظَوَاهِرِهٖ فَاسْتَقِمْ عَلَى الْعَمَلِ بِاَمْرِ رَبِّكَ وَالدُّعَاءِ اِلَيْهِ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَلْيَسْتَقِمْ وَ مَنْ تَابَ اٰمَنَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ تَجَاوَزُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ تَمِيْلُوْا وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِمَوَادَّةٍ اَوْ مُدَاهَنَةٍ اَوْ رِضًى بِاَعْمَالِهِمْ فَتَمَسَّكُمُ تُصِيْبَكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ مِنْ زَائِدَةٌ اَوْلِيَآءَ يَحْفَظُوْنَكُمْ مِنْهُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ تُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اَيِ الصُّبْحِ وَالظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَ زُلَفًا جَمْعُ زُلْفَةٍ اَيْ طَائِفَةٍ مِّنَ الَّيْلِ ؕ اَيِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ كَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ الذُّنُوْبَ الصَّغَائِرَ نَزَلَتْ فِيْمَنْ قَبَّلَ اَجْنَبِيَّةً فَاَخْبَرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اَلِيْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ عِظَةٌ لِلْمُتَّعِظِيْنَ وَاصْبِرْ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى اَذٰى قَوْمِكَ اَوْ عَلَى الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَةِ فَلَوْلَا فَهَلَّا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ مِنْ
قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ اَصْحَابُ دِيْنٍ وَفَضْلٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ الْمُرَادُ بِهِ النَّفْيُ اَيْ مَا كَانَ
فِيْهِمْ ذٰلِكَ اِلَّا لٰكِنْ قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ نَهَوْا فَنَجَوْا وَمِنْ لِلْبَيَانِ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِالْفَسَادِ
اَوْ تَرْكِ النَّهْيِ مَآ اُتْرِفُوْا نُعِّمُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ مِّنْهُ لَهَا وَّ
اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ مُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً اَهْلَ دِيْنٍ وَاحِدٍ وَّ لَا
يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فِي الدِّيْنِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ اَرَادَ لَهُمُ الْخَيْرَ فَلَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِذٰلِكَ
خَلَقَهُمْ ؕ اَيْ اَهْلَ الْاِخْتِلَافِ لَهٗ وَاَهْلَ الرَّحْمَةِ لَهَا وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ وَهِيَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ
الْجِنَّةِ الْجِنِّ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نُصِبَ بِنَقُصُّ وَتَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَيْ كُلَّ مَا
يُحْتَاجُ اِلَيْهِ نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا بَدَلٌ مِنْ كُلًّا نُثَبِّتُ نُطَمْئِنُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ قَلْبَكَ وَ
جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْاَنْبَاءِ اَوِ الْاٰيَاتِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِانْتِفَاعِهِمْ
بِهَا فِي الْاِيْمَانِ بِخِلَافِ الْكُفَّارِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ حَالَتِكُمْ اِنَّا
عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ عَلٰى حَالَتِنَا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ وَانْتَظِرُوْا ۚ عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ذٰلِكَ وَلِلّٰهِ غَيْبُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ عِلْمُ مَا غَابَ فِيْهِمَا وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ يَعُوْدُ وَلِلْمَفْعُوْلِ يُرَدُّ الْاَمْرُ كُلُّهٗ
فَيَنْتَقِمُ مِمَّنْ عَصٰى فَاعْبُدْهُ وَحْدَهٗ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ ثِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ كَافِيْكَ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِوَقْتِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَّةِ ع ۱۰/۱۴ ۱۰

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی پھر اس میں اختلاف کیا (قرآن کی طرح اس کی بھی بعض نے تصدیق کی اور بعض نے تکذیب) اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ٹھہرادی گئی ہوتی (مخلوق کے حساب وجزا کے مسئلہ پر قیامت پر ملتوی رکھنے کی) تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا (دنیا ہی میں ان کے اختلاف کے سلسلہ میں) اور یہ (تکذیب کرنے والے) اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں جو انہیں تردد (شک) میں ڈال رہا ہے بالیقین، (تشدید وتخفیف کے ساتھ) سب کے لئے (ساری مخلوق کے لئے) یہی ہونا ہے کہ جب وقت آئے گا (ما زائدہ ہے اور لام

قسمیہ ہے اور قسم مقدر ہے یا یہ لام ان برائے نفی اور ان برائے تاکید میں فرق کرنے کے لئے ہے اور قراءت میں لما مشدد ہے الا کے معنی میں پس اس صورت میں ان نافیہ ہوجائے گا) تو آپ کا پروردگار ان کے عمل (کا بدلہ) انہیں پورا پورا دے گا وہ یقیناً ان کے سب کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے (ظاہر کی طرح باطن کو بھی جانتا ہے) اور آپ (اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق تعمیل کرنے میں اور اس سے دعا کرنے میں) استوار رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو (ایمان کی بدولت) توبہ کر کے آپ کے ہمراہ ہی ہیں اور حد سے نہ بڑھو (اللہ کے مقرر کردہ دائرہ سے مت نکلو) یقین کرو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (لہٰذا وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا) اور ان ظالموں کی طرف (ان سے تعلق رکھ کر یا دین میں بودا پن دکھا کر یا ان کے کاموں سے خوش ہو کر) مت جھکنا (مائل نہ ہو) کہیں تمہیں بھی آگ چھو جائے (لگ جائے) اللہ کے سوا (من زائدہ ہے) تمہارا کوئی رفیق نہیں (جو اللہ سے تمہیں بچا سکے) پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے (جو عذاب الٰہی سے تمہیں بچا لے) اور نماز قائم کرو جب دن شروع ہونے کو ہو اور اس وقت جب دن ختم ہونے کو ہو (صبح و شام یعنی نماز فجر، ظہر، عصر) نیز اس وقت جب ابتدائی حصہ گزر رہا ہو (یہ زلفۃ کی جمع ہے، یعنی کچھ حصہ) رات کا (یعنی نماز مغرب وعشاء) یاد رکھو نیکیاں (جیسے پانچ وقتوں کی نمازیں) برائیوں کو دور کر دیتی ہیں (یعنی چھوٹے گناہوں کو، یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری جس نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لیا تھا آنحضور ﷺ نے اسے جب اس حکم سے مطلع فرمایا تو عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! یہ حکم صرف میرے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب کے لئے عام ہے یہ روایت بخاری و مسلم کی ہے) یہ نصیحت ان لوگوں کے لئے ہے جو نصیحت پکڑنے والے ہوں (ماننے والوں کے لئے یہ نصیحت ہے) اور صبر کرو (اپنی قوم کی طرف سے تکلیفوں پر یا نماز پڑھنے پر) کیونکہ حق تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے (جو طاعت پر صبر کرنے والے ہوں) پھر ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو عہد (پچھلے زمانہ) تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر (دیندار سمجھ دار) باقی رہے ہوتے جو دوسروں کو ملک میں شر و فساد پھیلانے سے روکتے (اس سے مراد نفی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ نہیں ہوئے) بجز چند آدمیوں کے جنہیں ان میں سے ہم نے بچا لیا تھا (انہوں نے لوگوں کو روکا اور نجات پا گئے اور من بیان کے لئے ہے) اور ظلم کرنے والے (فساد پھیلا کر یا دوسروں کو نہ روک کر) وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور یہ لوگ جرائم کے عادی تھے اور ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت (ایک دین کے ماننے والے) بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ (دین میں) اختلاف ہی کرتے رہیں گے مگر ہاں جس پر آپ کے پروردگار کی رحمت ہو اور وہ ان کی بھلائی چاہے تو پھر اختلاف نہیں کر سکتے) اللہ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے (یعنی اختلاف اور انسانوں سے بھر دوں گا اور یہ سارے قصے (لفظ کلا منصوب ہے نقص کی وجہ سے اور تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل میں کل ما یحتاج الیہ تھا یعنی تمام ضروری واقعات) پیغمبروں کے جو ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں، (لفظ ما سے بدل واقع ہے) تو ان سب کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے دل (قلب) کو ان سے تقویت (اطمینان) دے دیں اور ان (واقعات اور نشانیوں) میں آپ کے پاس راست مضمون بھی پہنچا ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے (اہل ایمان کی تخصیص یاد دہانی کے ساتھ اس لئے ہے کہ یاد دہانی سے ایمان کے باب میں وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں) اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ

(حالت) کام کئے جاؤ ہم بھی (اپنی حالت پر) مصروف عمل ہیں (یہ ان کے لئے دھمکی کے طور پر ہے) اور منتظر رہو (اپنے عمل کے انجام کے) ہم بھی (اس کے) منتظر ہیں اور آسمان وزمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں اللہ ہی کو (ان سب چھپی ہوئی چیزوں کا) علم ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں (صیغہ معروف کی صورت میں یعود کے معنی میں ہے اور صیغہ مجہول کی صورت میں یدر کے معنی میں ہے) سارے کام (لہٰذا وہ حکم عدولی کرنے والے سے بدلہ لے گا) آپ اسی کی عبادت میں لگے رہئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے (اعتماد کیجئے کیونکہ وہ تمہارے لئے کافی ہے) اور آپ کا پروردگار ان باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں (لیکن ان کے مقررہ وقت تک کے لئے ان کو مہلت دی جاتی ہے اور ایک قراءت میں فوقانیہ یعنی یعملون کے بجائے تعملون ہے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلتَّوْرٰۃَ: اس سے اشارہ کیا کہ الکتاب پر الف لام عہدی ہے۔

قوله: کَالْقُرْاٰنِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جناب نبی اکرم ﷺ کے لئے تسلی ہے۔

قوله: کُلُّ الْخَلَائِقِ: اس سے اشارہ ہے کہ کلا کی تنوین یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔

قوله: وَلِيَسْتَقِمْ: مَن یہ محذوف فعل کا مفعول ہے اور جملے کا عطف جملے پر ہے یعنی فَاسْتَقِمْ پر۔

قوله: وَلَا تَطْغَوْا: یعنی تم اور تائبین اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔

قوله: تَمِيْلُوْا: ثابت قدمی سے ذرا سا میلان بھی مقام اختیار کرو۔

قوله: زُلَفًا: یہ ساعات کے معنی میں آتا ہے جمع زلفۃ۔

قوله: لِلْمُتَّعِظِيْنَ: ذاکرین۔ یہ تذکر سے ہے نہ کہ تذکیر سے۔

قوله: اَلْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ: مضاف محذوف ہے ای اھل القرون۔

قوله: اَصْحَابُ دِيْنٍ: فضل اور دین کو بقیۃ سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ عمدگی میں مثال بن گئی۔

قوله: اَلْمُرَادُ بِهِ النَّفْيُ: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے تخصیص مراد نہیں ہے۔

قوله: لٰكِنْ: اِلَّا کا یہ معنی کر کے اشارہ کیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

قوله: مِنْ: بیان کے لئے ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو ہم نے نجات دی مِنْ بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔

قوله: اَرَادَلَهُمُ الْخَيْرَ: رحم سے مراد ارادہ خیر ہے، عدم اختلاف نہیں۔

قوله: اَهْلَ الْاِخْتِلَافِ: یعنی اسم اشارہ کے ذریعہ اختلاف رحمت دونوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس تاویل کے ساتھ جس پر دہ ہیں۔

قولہ: اِنّھا: ضمیر کے مؤنث لانے کی وجہ بیان کی۔

قولہ: اَیْ عَلِمَ مَاغَابَ فِیْھِمَا: اس سے اشارہ کیا کہ جب ان میں جو مخلوق کی نگاہ سے غائب ہے [illegible] اسے علم ہے تو پھر جو ان میں موجود ہے ان چیزوں کا بدرجہ اولی علم ہوگا۔

قولہ: وَحْدَہٗ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کو وحدہ لاشریک ماننا ضروری ہے باقی مطلق عبادت تو کفار کے لئے بھی ثابت ہے۔

قولہ: اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمْ: یعنی جلد عذاب نہ آنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو عذاب آخرت سے بھی چھٹی مل گئی۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ .....

تحذیر از اختلاف وافتراق وحکم استقامت بر احکام شریعت:

(ربط) گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت کی مگر لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا اور مورد عتاب الٰہی بنے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑو اور جو کتاب مبین ہم نے تم کو دی ہے سب مل کر اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور تفرق اور اختلاف سے پرہیز رکھو اور جادہ شریعت پر ایسے مستقیم ہو جاؤ کہ پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور کَمَآ اُمِرْتَ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ ہر موحکم سے عدولی نہ ہو حکم کے مطابق اطاعت ہو اور وَلَا تَطْغَوْا کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدود شریعت سے باہر نہ جاؤ اور وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا میں اشارہ اس طرف ہے کہ بے دینوں کی شان وشوکت دیکھ کر ان کی طرف مائل نہ ہو جانا اور ان کی رسوم اور ان کے طور وطریق اور معاشرہ کو اختیار نہ کرنا اور پھر استقامت کے حکم کے ساتھ بعض مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا حکم دیا جو استقامت میں معین اور مددگار ہیں خاص کر تواضع اور اہل دنیا سے کنارہ کشی استقامت میں بڑی معین اور مددگار ہے اس لیے کہ وَلَا تَطْغَوْا میں تواضع کی طرف اشارہ ہے۔ اور وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا میں اہل دنیا اور فساق وفجار سے علیحدہ رہنا مراد ہے اور نماز جوامع العبادات ہے وہ تو مؤمن کی معراج ہے جس کا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ میں حکم دیا گیا اور طرفین نہار کے نماز سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے جس میں ملائکۃ اللیل والنہار جمع ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز شروع ان میں ہوئی ہے اور عصر کی نماز اخیر دن میں ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جائے اور عصر کی نماز اخیر دن میں غروب سے پہلے پڑھے جبکہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے اور زلفا وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ یہ مجموعہ مل کر پانچ امور ہوئے: (۱) استقامت (۲) لاتطغوا (۳) لاترکنوا (۴) مداومت بر نماز فجر وعصر (۵) نماز تہجد جس کے فضائل وبرکات کی کوئی حد نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حکم خداوندی کا اتباع موجب نجات ہے اور حکم خداوندی سے اختلاف اور انحراف موجب ہلاکت ہے

چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی تھی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا بعینہٖ یہی معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب یعنی قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم نہ ہوں اور کافروں کے اختلاف اور تکذیب سے گھبرائیں نہیں نہ یہ کوئی نئی بات نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کو نیوالے فرعونیوں کے حکم میں ہیں اور اگر حکم ازلی تیرے پروردگار کی طرف سے صادر نہ ہو چکا ہوتا کہ کافروں کو پوری سزا آخرت میں دی جائے گی۔ ابھی دنیا ہی میں انکا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بلا کسی تاخیر اور مہلت کے عذاب نازل کر کے انکا فیصلہ کر دیا جاتا مگر اللہ نے اپنی حکمت سے ان کے عذاب کے لیے ایک میعاد مقرر کردی ہے اور تحقیق یہ معاندین اللہ کے فیصلہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو قلق اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے شکوک اور اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور پراگندہ دل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے کہ قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کبھی کہتے ہیں جادو ہے اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں اور تحقیق تیرا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دیگا نیکوکار کو ثواب اور بدکار کو عذاب بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے پورا باخبر ہے اس پر انکا کوئی عمل دخل مخفی نہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان نابکاروں کی جزا و سزا کا معاملہ تو اس علیم و قدیر پر چھوڑیئے۔

بہمہ کار بندہ دانا اوست۔ بمکافات ہم توانا اوست

لوگ حق کو قبول کریں یا نہ کریں۔ آپ اپنی ذات سے صراط مستقیم اور دین حق پر سیدھے قائم رہیئے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ توبہ کی ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صراط مستقیم پر قائم ہو جائیں تا کہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں استقامت کے معنی کسی چیز پر ٹھیک جم جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جادہ اطاعت و محبت پر قدم کو ایسا جماؤ کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل اور تذبذب باقی نہ رہے اور یہ حکم وقائد اور اعمال دونوں کو شامل ہے۔ عقائد میں استقامت یہ ہے کہ نہ تو مجسمہ کی طرح تشبیہ کا اعتقاد رکھے کہ جس سے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم آئے اور نہ فلاسفہ کی طرف تعطیل کا قائل ہو کہ خدا تعالیٰ کو صفات کمالیہ سے عاری اور معطل جانے اور اعمال میں اعتدال کو ملحوظ رکھے افراط و تفریط نہ کرے اور ٹھیک درمیان میں چلنا اور کسی جانب ملتفت نہ ہونا اور حق اطاعت کو پورا پورا بجالانا بہت دشوار ہے اور اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ ہود نے مجھ کو بوڑھا بنا دیا اس لیے کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے اور جو خود تمہارے لیے مقرر کردی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہاری اطاعت اور استقامت اور تمہارا عصیان اور طغیان اس کی نظروں کے سامنے ہے اور ظالموں یعنی حد سے نکلنے والوں کی طرف جھکو بھی مت تو عصیان اور طغیان تو بڑی چیز ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کی طرف تو تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی بہت برا ہے۔ اور خطرناک ہے کیوں کہ اندیشہ ہے کہ ظالموں اور نافرمانوں کی طرف میلان اور رغبت کی بناء پر تم کو دوزخ کی آگ نہ لگ جائے اور ان کے ساتھ تم بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آجاؤ ظالموں کی طرف میلان کے معنی یہ ہیں کہ ان کے طور و طریق اور ان کے حال اور وضع کو پسند کرنے لگے جیسے کوئی انگریزی یا ہندووانی وضع قطع اختیار کرلے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو کافروں کی وضع پسند ہے اور جب ظالموں کی طرف جھکنے والوں کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ خود ظالم کا کیا حال ہوگا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا دوسری آیت میں طغیان کی ممانعت فرمائی اور تیسری آیت میں طغیان اور اہل عصیان کی طرف

میلان کی ممانعت فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر ظاہرا و باطنا ٹھیک قائم رہو اور حدود شریعت سے باہر قدم نہ نکالو اور کسی ظالم اور نافرمان کی طرف جھکو بھی نہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم کو کھینچتے کھینچتے دین کے دائرہ سے باہر نہ نکال دیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں پھر اگر تم ان ظالموں کی طرف مائل ہوئے تو سمجھ لو کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ خدا ان لوگوں کی مدد نہیں کرتا جو اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف مائل اور راغب ہوں اور اے بندے! تو ان ظالموں کو چھوڑ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا اور دن کے دونوں سروں میں فجر اور عصر کی نماز اور کچھ رات گئے تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور میلان کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ خاص کر فجر اور عصر اور تہجد کی نمازیں یہ اوقات خدا تعالیٰ کے خاص انوار و تجلیات کے اوقات ہیں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ کیونکہ نیکی نور ہے اور برائی ظلمت ہے اور ظاہر ہے کہ جب نور آئے گا تو ظلمت اور تاریکی دور ہوگی جس درجہ کا نور ہوگا اسی قدر تاریکی دور ہوگی اور خوب سمجھ لو کہ یہ بات کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ایک جامع نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے کیوں کہ اس میں قاعدہ کلیہ بتلا دیا گیا کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اور نیکیوں میں نمبر اول نماز کا ہے۔ اور چوں کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے۔ اور طغیان اور ظالموں کی طرف میلان سے اپنے کو محفوظ رکھنا یہ بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اور نماز بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اس لیے ان سب احکام کے بعد صبر کا حکم دیتے ہیں کیونکہ الصبر مفتاح الفرج صبر کی کامیابی کی کنجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بندے! تمام اوامر اور نواہی میں عموماً اور استقامت میں اور طغیان اور میلان سے بچنے میں خصوصاً صبر سے کام لے کیونکہ صبر تمام نیکیوں کی جڑ ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ظاہر کلام کا مقتضی یہ تھا کہ اس طرح فرماتے: فان اللہ لا یضیع اجر الصابرین۔ مگر بجائے اس کے: فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ صبر بھی حسنات میں سے ہے یا یوں کہو کہ نماز کے بعد صبر کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے ایک نماز اور ایک صبر کما قال تعالیٰ: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ۔

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ ....

یعنی اگلی امتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الٰہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے، جنہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔ معناہ ولکن قلیلا ممن انجینا من القرون نھوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنھی (کشاف) اُولُوْا بَقِيَّةٍ کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کئے گئے ہیں اور اصحاب فہم کے بھی، ای اولوا فضل وخیر (کشاف) ای ذو خصلة باقية من الرأی والعقل (روح) الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ۔ قرآن مجید کی انہی قدیم قوموں اور امتوں میں سے: مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ۔ یعنی جنہیں عذاب کی گرفت سے بچا لیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر و شرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔ (تفسیر ماجدی)

سُورَةُ يُوسُفَ

سُوْرَةُ يُوْسُفَ ۱۲ مَكِّيَّةٌ ۵۳ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۱۱ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

سورۂ یوسف مکہ میں نازل ہوئی | شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے | اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

الٓرٰ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيٰتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾
اَلْمُظْهِرِ لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا بِلُغَةِ الْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾
تَفْهَمُوْنَ مَعَانِيَهُ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ بِاِيْحَائِنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۗ وَ اِنْ
مُخَفَّفَةٌ اَيْ وَاِنَّهُ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ اُذْكُرْ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يَعْقُوْبَ يٰۤاَبَتِ بِالْكَسْرِ
دَلَالَةٌ عَلٰى يَاءِ الْاِضَافَةِ الْمَحْذُوْفَةِ وَالْفَتْحِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَلِفٍ مَحْذُوْفَةٍ قُلِبَتْ عَنِ الْيَاءِ اِنِّيْ رَاَيْتُ فِي
الْمَنَامِ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ تَاكِيْدٌ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ جُمِعَ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ
لِلْوَصْفِ بِالسُّجُوْدِ الَّذِيْ هُوَ مِنْ صِفَاتِ الْعُقَلَاءِ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ
فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ يَحْتَالُوْا فِيْ هَلَاكِكَ حَسَدًا لِعِلْمِهِمْ بِتَاوِيْلِهَا مِنْ اَنَّهُمُ الْكَوَاكِبُ وَالشَّمْسُ اُمُّكَ
وَالْقَمَرُ اَبُوْكَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ ظَاهِرُ الْعَدَاوَةِ وَ كَذٰلِكَ كَمَا رَاَيْتَ يَجْتَبِيْكَ
يَخْتَارُكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ تَعْبِيْرِ الرُّؤْيَا وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَ عَلٰۤى اٰلِ
يَعْقُوْبَ اَوْلَادِهِ كَمَآ اَتَمَّهَا بِالنُّبُوَّةِ عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ بِخَلْقِهِ
حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع

ترجمہ: الف، لام، را ان حروف کی مراد حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں) یہ آیتیں ہی کتاب (قرآن مراد ہے اور اضافت من کے معنی میں ہے) روشن کی (جو حق و باطل کو واضح کرنے والی ہے) ہم نے اتارا ہے قرآن کو عربی (زبان) میں تاکہ (اے مکہ کے رہنے والو!) تم سمجھ سکو (اس کے معانی کو سمجھ سکو) ہم آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اس وحی کے ذریعہ

(ہمارا وحی کرنا) تمہاری طرف جو ہم نے قرآن نازل کیا اور یقیناً (ان مخففہ ہے انہ کے معنی میں) آپ اس سے پہلے محض بے خبر تھے (وہ وقت یاد کیجئے) جب یوسف نے اپنے والد (حضرت یعقوبؑ) سے کہا اے ابا جان! (تاء کے کسرہ کے ساتھ یہ یائے محذوف پر دلالت کرنے کے لئے اور تاء کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے الف محذوف پر دلالت کرنے کے لئے جو یاء سے بدلا ہوا تھا) میں (خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند ہیں میں دیکھ رہا ہوں (یہ تاکید ہے) یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں (یا اور نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے کیونکہ سجدہ کرنا عقل رکھنے والوں کی شان اور صفت ہوتی ہے) بولے کہ بیٹا اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا کہ وہ تمہارے خلاف کسی طرح کی کوئی تدبیر کرنے لگیں (حسد کی وجہ سے کہیں تمہاری تباہی کے سامان نہ کرنے لگیں ان کے ذہن کی رسائی اس خواب کی تعبیر کی طرف ہو جانے کی وجہ سے کہ ستاروں سے وہ خود مراد ہیں اور سورج سے تمہاری ماں مراد ہے اور چاند سے تمہارا باپ) یاد رکھو! شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے (کھلم کھلا دشمنی کرنے والا) ایسے ہی (جیسے تم نے دیکھا ہے تمہارا پروردگار تمہیں برگزیدہ (منتخب) کرنے والا ہے اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم عنایت فرمائے گا اور تم پر اور خاندان (اولاد) یعقوب پر اپنی نعمت (نبوت) پوری کرے گا جیسا کہ اس نعمت (نبوت) کو پہلے تمہارے دادا پردادا ابراہیم واسحاق علیہما السلام پر پوری فرما چکا ہے حقیقت میں تمہارا پروردگار بڑے علم والا ہے (اپنی مخلوق کے بارے میں) بڑی حکمت والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هٰذِهِ الْاٰيٰتُ :اس میں اسم اشارہ کے مؤنث ہونے کی وجہ بتلائی گئی ہے۔

قوله: وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ :یہ اضافت منی ہے۔

قوله: اَلْمُظْهِرِ لِلْحَقِّ :یعنی یہ ابان سے ہے جس کا معنی واضح کرنا ہے۔ یہ متعدی ہے۔

قوله: بِلُغَةِ الْعَرَبِ :اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ عرب سے مفقول ہے اور ان کا مقولہ ہے۔

قوله: :اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ عرب سے منقول ہے اور ان کا مقولہ ہے۔

قوله: بِاِيْحَائِنَا :اس سے اشارہ کیا کہ ما مصدریہ موصولہ نہیں۔

قوله: اُذْكُرْ :اس سے اشارہ کیا اذ یہ فعل محذوف کا ظرف بدل اشتمال اَحْسَنَ الْقَصَصِ سے نہیں۔

قوله: دَلَالَةً عَلَى الِفٍ :اس لئے کہ اس کی اصل یا ابتا ہے الف کو حذف کرنے سے تا کا فتحہ برقرار رہا۔

قوله: فِى الْمَنَامِ :یہ اشارہ کیا کہ یہ رؤیا مصدر سے ہے رؤیت سے نہیں۔

قوله: يَحْتَالُوْا :اس سے تفسیر کر کے اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یکیدوا یہ یحتالوا کے معنی کو متضمن ہے اور وہ لام سے متعدی ہوتا ہے تاکہ تخویف میں بلیغ ومؤکد ہو۔

قوله: كَذٰلِكَ :یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کو نبوت سے نوازا جائے گا۔

قوله: كَمَا رَاَيْتَ: کاف یہ محل نصب میں فعل متاخر کا مصدر ہے اور ذالک کا اشارہ رؤیا کی طرف ہے۔

تفسیر مقبولین

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

آیات قرآنی کی عظمت کا ذکر و بیان:

ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی کتاب عظیم کی۔ یعنی یہ کھول کر بیان کرنے والی ہے عقائد و احکام، اخلاق و معاملات اور دنیا و آخرت کی ہر اس چیز کو جس کی ضرورت انسان کو راہ حق پر چلنے کے ضمن میں پیش آسکتی ہے۔ سو ایسی تمام چیزوں کو یہ کتاب حکیم پوری صراحت و وضاحت سے اور کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ اور مبین کا لفظ حسب تصریح ائمہ لغت و تفسیر لازمی معنی میں بھی آتا ہے اور متعدی میں بھی۔ یعنی اس کے معنی ظاہر و واضح ہونے کے بھی آتے ہیں اور ظاہر و واضح کردینے کے بھی۔ اور قرآن حکیم میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں کہ اس کے مطالب و مضامین بھی اس کے نظم و نسق سے ظاہر و واضح ہیں کہ ان کو نہایت عمدہ عبارات و اسالیب میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور دین حق سے متعلق تمام اہم اور بنیادی ضرورتوں اور احکام و مسائل کو بھی اس میں اس قدر کمال جامعیت اور ایسی بے مثال و پر حکمت بلاغت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب قیامت تک کی تمام ضرورتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ سو یہ کتاب حکیم ظاہر لنفسہ اور مظہر لغیرہ کی دونوں شانوں پر حاوی و مشتمل ہے۔ اور پھر اپنی ان دونوں ہی شانوں میں یہ کتاب حکیم ایسے کمال جامعیت کی حامل ہے کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک ممکن ہے فالحمد للہ رب العالمین۔ سو اس سے اس امر کی وضاحت فرما دی گئی کہ یہ آیات کریمات بڑی ہی عظمت و شان والی ہیں۔

قرآن حکیم اپنی صداقت و حقانیت کی دلیل خود:

سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ یعنی اسم اشارہ یہاں پر بعد مرتبہ و منزلت کے لیے ہے (محاسن التاویل وغیرہ) اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ایسی عظیم الشان کوئی کتاب نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی ہے نہ آئندہ قیامت تک کبھی ایسا ہونا ممکن ہے۔ اور اس کی عظمت شان کا ایک اہم اور خاص پہلو یہ ہے کہ یہ مبین ہے۔ اور مبین کے اس لفظ میں بھی دو خاص اور اہم پہلو پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ انسانی زندگی اور ضروریات دین سے متعلق ہر چیز کھول کر بیان کرتی ہے اور دوسرا پہلو یہ کہ اس کتاب حکیم کا ہر بیان و استدلال بالکل واضح اور اس کی ہر بات نا قابل انکار دلائل سے مبرہن ہے۔ سو اس کی صداقت و حقانیت کے ثبوت کے لیے کسی خارجی معجزے یا نشانی کی ضرورت نہیں جیسا کہ منکرین مطالبہ کرتے ہیں بلکہ اس کی صداقت و حقانیت کے دلائل اور سورج کی طرح روشن اور واضح دلائل خود اس کے اندر موجود ہیں بشرطیکہ لوگ تعصب اور عناد و ہٹ دھرمی کی پٹی اتار کر صدق دل سے اور کان کھول کر اس کو سنیں اور اس کے دلائل میں غور کریں۔ وباللہ التوفیق۔ اور حق و ہدایت سے متعلق یہ ایسی کامل اور اس قدر جامع کتاب ہے جو آغاز سے لیکر انجام تک، پیدائش سے لے کر موت تک، بلکہ

پیدائش سے بھی پہلے اور موت کے بھی بعد تک کے سب احوال و کوائف اور جملہ شؤون و احوال اور ظروف و مواقف سے متعلق یہ کتاب عظیم واضح ہدایت و راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ پھر یہ کلام ہے اس ذات اقدس و اعلیٰ کا جو بلا شرکت غیرے اس سارے کارخانہ ہست و بود کی خالق و مالک اور حاکم و متصرف اور کارفرما و فرمانروا ہے۔ پھر اس کو اتارا گیا اشرف الملائک کے ذریعے، اشرف الرسل پر۔ اشرف البقاع اور اشرف الاوقات میں اور اشرف الالسنہ واللغات میں۔ پھر کیا کہنے اس کتاب عظیم کے شرف و مرتبہ اور اس کی عظمتوں اور برکتوں کے۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بہ بمحض منہ وکرمہ وھو ارحم الراحمین۔ اللہ تعالیٰ اس کی خیرات و برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔ آمین۔ اس کے ساتھ ہمارے تعلق کو دوام بخشے اور قبول فرمائے اور زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

یعنی اس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں ہم پر نازل ہوتی ہے۔ ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں۔ جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے۔ گو یہ واقعہ کتب تاریخ اور بائبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا۔ جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف راہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دیئے۔ یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیاوی و اخروی کامیابی کی کلید ہے، حسد و عداوت کا انجام خذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنالیتا ہے، اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بیشمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کے شان نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ سب کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی پھر بنی اسرائیل مصر میں کیسے پہنچ گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و عبر سے مملو ہو سننے کا اشتیاق ہوا ہوگا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا وہ کئی طرح نبی کریم (ﷺ) اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت (ﷺ) کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تاکہ پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انھیں نجات دلائی۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ....

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی تعبیر اور ضروری تاکید:

یہاں سے سورۂ یوسف شروع ہورہی ہے اس سورت میں تفصیل کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ بیان فرمایا اور اس کو احسن القصص بتایا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے آپ اس قصہ کو نہیں جانتے تھے۔ آپ کو اس کا علم صرف وحی کے ذریعہ ہوا ہے لوگوں کو آپ کا بتانا آپ کی نبوت کی بھی دلیل ہے اور قرآن مجید کے حق اور منزل من اللہ ہونے کی بھی، تصدیق کرنے والے سنیں گے اور غور کریں گے تو یہ سمجھ لیں گے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل عرب ہی تھے۔ انہیں اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی اگر قرآن غیر عربی میں ہوتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ زبان ہماری سمجھ میں نہیں آتی جب قرآن عربی میں نازل ہوا تو اہل عرب پر لازم تھا کہ اس کی تصدیق کرتے لیکن جنہیں ایمان لانا نہ تھا وہ ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے اور کفر پر جمے رہے۔ یہودیوں کے لیے بھی عبرت تھی اور سمجھنے کی بات تھی انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ معلوم تھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے کسی سے پڑھا نہیں آپ کا کوئی استاذ نہیں تھا جس نے آپ کو انبیاءِ سابقین کے واقعات بتائے ہوں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود عموماً یہودی کافر ہی رہے، اور ان میں سے بعض نے سورۂ یوسف علیہ السلام سن کر اسلام قبول کرلیا۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ (ﷺ) کے پاس آیا اس وقت آپ سورۂ یوسف تلاوت فرمارہے تھے وہ کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) یہ سورت آپ کو کس نے سکھائی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ سورت مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا اور یہودیوں کے پاس واپس پہنچ کر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ اسی طرح قرآن پڑھتے ہیں جیسا کہ توریت میں (بعض) چیزیں نازل ہوئی ہیں اس کے بعد وہ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر آیا۔ رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ان صفات سے پہچان لیا جنہیں وہ جانتے تھے اور مہر نبوت کو بھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھ لیا پھر آپ کی قراءت سننے لگے آپ سورۂ یوسف تلاوت فرمارہے تھے۔ انہیں بھی تعجب ہوا اور پھر اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ (درمنثور ص ۲ ج ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے (یہ وہی یعقوب ہیں جن کا لقب اسرائیل تھا اور یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت اسحٰق حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بیٹے تھے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ دوسری بیوی سے تھے، ان کا ایک حقیقی بھائی بھی تھا جس کا نام بنیامین بتایا جاتا ہے پہلی بیوی سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی ان میں جو بیٹے تھے ان کی تعداد دس تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دن اپنے والد سے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ مجھے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کررہے ہیں، ان کے والد کے ذہن میں اس کی یہ تعبیر آگئی کہ یوسف عروج والا ہوگا اور اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ اسے سجدہ کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا وہ اس خواب کو سن کر گیارہ کے عدد پر غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ تم کو اللہ بلندی دے گا اور وہ لوگ تمہارے مقابلہ میں نیچے رہیں گے، خواب کی تعبیر سے متاثر ہوکر اندیشہ ہے

کہ وہ کوئی ایسی تدبیر نہ کر بیٹھیں جس سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے' (اللہ کی قضاو قدر کے سامنے کسی کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی کسی کو گوارا ہو یا نہ ہو بہر حال وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جسے بلندی عطا فرمائے وہ ضرور بلند ہوگا لیکن حسد کرنے والے اپنی جہالت اور حماقت سے اور شیطان کے سمجھانے بجھانے سے اس کے خلاف مخالفانہ تدبیریں کرتے ہیں جس کی علمی، عملی اور مرتبہ کی بلندی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ بالآخر یہ مخالفین سب ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ آگے بڑھائیں وہ بڑھ کر ہی رہتا ہے۔ حسد بری بلا ہے حاسد اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر دے۔ العیاذ باللہ۔)

لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ وَهُمْ اَحَدَ عَشَرَ اٰيٰتٌ عِبَرٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ عَنْ خَبَرِهِمْ
اُذْكُرْ اِذْ قَالُوْا اَىْ بَعْضُ اِخْوَةِ يُوْسُفَ لِبَعْضِهِمْ لَيُوْسُفُ مُبْتَدَأٌ وَ اَخُوْهُ شَقِيْقُهٗ بِنْيَامِيْنُ اَحَبُّ خَبَرٌ اِلٰٓى
اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ جَمَاعَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ خَطَأٍ مُّبِيْنِ ۝ بَيِّنٍ بِاِيْثَارِهِمَا عَلَيْنَا اقْتُلُوْا
يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا اَىْ بِاَرْضٍ بَعِيْدَةٍ يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ بِاَنْ يُّقْبِلَ عَلَيْكُمْ وَلَا يَلْتَفِتُ لِغَيْرِكُمْ
وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَىْ بَعْدَ قَتْلِ يُوْسُفَ اَوْ طَرْحِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ بِاَنْ تَتُوْبُوْا قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ هُوَ
يَهُوْدَ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ اِطْرَحُوْهُ فِىْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ مُظْلِمِ الْبِئْرِ وَفِىْ قِرَائَةٍ بِالْجَمْعِ يَلْتَقِطْهُ
بَعْضُ السَّيَّارَةِ الْمُسَافِرِيْنَ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ مَا اَرَدْتُّمْ مِنَ التَّفْرِيْقِ فَاكْتَفُوْا بِذٰلِكَ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا
مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ لَقَائِمُوْنَ بِمَصَالِحِهٖ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا اِلَى الصَّحْرَاءِ
يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ فِيْهِمَا نَنْشَطْ وَنَتَّسِعْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّىْ لَيَحْزُنُنِىْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا
اَىْ ذِهَابُكُمْ بِهٖ لِفِرَاقِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَالْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَ كَانَتْ اَرْضُهُمْ كَثِيْرَةُ الذِّئَابِ وَ
اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ مَشْغُوْلُوْنَ قَالُوْا لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ جَمَاعَةٌ اِنَّآ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ۝ عَاجِزُوْنَ فَاَرْسَلَهٗ مَعَهُمْ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا عَزَمُوْا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِىْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ
وَجَوَابُ لَمَّا مَحْذُوْفٌ اَىْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ بِاَنْ نَزَعُوْا قَمِيْصَهٗ بَعْدَ ضَرْبِهٖ وَاِهَانَتِهٖ وَ اِرَادَةِ قَتْلِهٖ وَ اَدْلَوْهُ فَلَمَّا
وَصَلَ اِلٰى نِصْفِ الْبِئْرِ اَلْقَوْهُ لِيَمُوْتَ فَسَقَطَ فِى الْمَاءِ ثُمَّ اَوٰى اِلٰى صَخْرَةٍ فَنَادَوْهُ فَاَجَابَهُمْ لِظَنِّ رَحْمَتِهِمْ
فَاَرَادُوْا رَضْخَهٗ بِصَخْرَةٍ فَمَنَعَهُمْ يَهُوْدَا وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ فِى الْجُبِّ وَحْىَ حَقِيْقَةٍ وَلَهٗ سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً

اَوْ دُوْنَهَا تَطْمَئِنُّ الْقَلْبُ بِهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بَعْدَ الْيَوْمِ بِاَمْرِهِمْ بِصُنْعِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ بِكَ حَالَ الْاِنْبَاءِ وَ
جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً وَقْتَ الْمَسَاءِ يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ نَرْمِيْ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ
عِنْدَ مَتَاعِنَا ثِيَابِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ مُصَدِّقٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ عِنْدَكَ لَا نصف
تَهِمْتَنَا فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ لِمَحَبَّةِ يُوْسُفَ فَكَيْفَ وَاَنْتَ تُسِيْءُ الظَّنَّ بِنَا ۚ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ مَحَلُّهُ
نَصْبٌ عَلَى الظَّرْفِيَةِ اَيْ فَوْقَهُ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ اَيْ ذِيْ كِذْبٍ بِاَنْ ذَبَحُوْا سَخْلَةً وَلَطَخُوْهُ بِدَمِهَا وَذَهَلُوْا
عَنْ شَقِّهِ وَقَالُوْا اِنَّهُ دَمُهُ قَالَ يَعْقُوْبُ لَمَّا رَاٰهُ صَحِيْحًا وَعَلِمَ كِذْبَهُمْ بَلْ سَوَّلَتْ زَيَّنَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ
اَمْرًا ؕ فَفَعَلْتُمُوْهُ بِهٖ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ لَا جَزْعَ فِيْهِ وَهُوَ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَيْ اَمْرِيْ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ
الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ الْعَوْنُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ تَذْكُرُوْنَ مِنْ اَمْرِ يُوْسُفَ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ مُسَافِرُوْنَ مِنْ مَدْيَنَ
اِلٰى مِصْرَ فَنَزَلُوْا قَرِيْبًا مِنْ جُبِّ يُوْسُفَ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ اَلَّذِيْ يَرِدُ الْمَاءَ لِيَسْتَسْقِيَ مِنْهُ فَاَدْلٰى اَرْسَلَ
دَلْوَهٗ ؕ فِي الْبِئْرِ فَتَعَلَّقَ بِهَا يُوْسُفُ فَاَخْرَجَهٗ فَلَمَّا رَاٰهُ قَالَ يٰبُشْرٰى وَفِيْ قِرَاءَةٍ بُشْرِيْ وَنِدَاءُهَا مَجَازٌ اَيْ
اُحْضُرِيْ فَهٰذَا وَقْتُكِ هٰذَا غُلٰمٌ ؕ فَعَلِمَ بِهٖ اِخْوَتُهٗ فَاَتَوْهُمْ وَاَسَرُّوْهُ اَيْ اَخْفَوْا اَمْرَهٗ جَاعِلِيْهِ
بِضَاعَةً ؕ بِاَنْ قَالُوْا هُوَ عَبْدُنَا اَبَقَ وَسَكَتَ يُوْسُفُ خَوْفًا اَنْ يَقْتُلُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ
اَيْ بَاعُوْهُ مِنْهُمْ بِثَمَنٍ ۢ بَخْسٍ نَاقِصٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ عِشْرِيْنَ اَوِ اثْنَيْنِ وَعِشْرِيْنَ وَكَانُوْا اَيْ اِخْوَتُهٗ
فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع فَجَاءَتْ بِهِ السَّيَّارَةُ اِلٰى مِصْرَ فَبَاعَهُ الَّذِي اشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ دِيْنَارًا وَزَوْجَيْ نَعْلٍ ع ۲ ۱۴ ۱۲
وَثَوْبَيْنِ

ترجمہ: (لوگوں کے ساتھ کارروائی کرنے میں) یوسف کے اور ان کے (گیارہ) بھائیوں کے قصہ میں بڑی ہی نشانیاں (عبرتیں) موجود ہیں (ان کے حالات) پوچھنے والوں کے لئے (وہ وقت یاد کیجئے) جب کہ بھائیوں نے گفتگو کی (یعنی حضرت یوسف کے بھائیوں نے آپس میں گفتگو کی) کہ یوسف (یہ مبتداء ہے) اور اس کا بھائی (حقیقی بھائی بنیامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی (خطا) پر ہیں (ان دونوں بھائیوں کو ہم پر ترجیح دے کر) پس یوسف کو مار ڈالو یا ان کو کہیں ایسی جگہ (دور دراز) پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری طرف رہے (تمہاری ہی طرف توجہ رہے کسی دوسرے کی طرف التفات نہ ہو) اور اس کے بعد (یعنی یوسف کو

قتل کرنے یا کنویں میں ڈالنے کے بعد) پھر تم نیک بن جانا (یعنی توبہ کر لینا ان میں سے ایک کہنے والے (یہود) نے کہا یوسف کو قتل مت کرو ان کو کسی تاریک کنویں میں ڈال دو (پھینک دو جو تاریک ہو اور ایک قراءت میں غیابۃ جمع کے ساتھ ہے) کوئی راہ چلتا (مسافر) نکال لے گا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے (انہیں جدا کرنا ہی چاہتے ہو تو اتنے ہی پر بس کرو) سب کہنے لگے ابا جان! اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں (ان کی مصلحتوں کا خیال رکھتے ہیں) کل آپ اس کو ہمارے ساتھ (جنگل) بھیج دیجئے کھائے پیئے اور کھیلے کودے (یہ دونوں لفظ یا اور نون دونوں کے ساتھ ہیں سیر تفریح کریں گے آزادی سے رہیں گے) ہم ان کی پوری حفاظت کے ذمہ دار ہیں فرمایا یہ بات مجھے غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ (یعنی ان کے لے جانے کی وجہ سے یوسف کی جدائی) اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے بھیڑیا کھالے (اس سے مراد عام بھیڑیا ہے کیونکہ ان کی زمین میں بھیڑیئے بہت تھے) اور تم اس سے بے خبر رہو (کسی دوسرے کام میں لگ رہو) بولے یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ (لام قسمیہ ہے) کہ بھیڑیا اسے کھالے حالانکہ ہماری ایک پوری جماعت ہے اگر ایسا ہوا تب ہم محض نکمے نکلے (مجبور محض چنانچہ انہوں نے یوسف کو بھائیوں کے ساتھ بھیج دیا) پھر جب یہ لوگ یوسف کو ساتھ لے جانے لگے اور سب نے اس پر اتفاق (عزم مصمم) کر لیا کہ انہیں کسی اندھے کنویں میں ڈال دیں گے (لما کا جواب محذوف ہے یعنی انہوں نے یہ کام اس طرح شروع کیا کہ انہیں مارنے پیٹنے، بے عزتی کرنے اور قتل کی ٹھان لینے کے بعد کرتا اتار کر ننگا کرنا شروع کر دیا اور ڈول میں بٹھلا کر کنویں میں لٹکا دیا جب یوسف آدھے کنویں تک پہنچے ان کو پھینک دیا تاکہ مر جائیں چنانچہ پانی میں جا گرے پھر انہوں نے کسی پتھر کی پناہ لی بھائیوں نے یہ جو آواز دی تو یہ سمجھ کر کہ شاید بھائیوں کو ترس آجائے یوسفؑ نے آواز کا جواب دیا لیکن بھائیوں نے چاہا کہ بڑے سے کسی پتھر سے ختم کر ڈالیں مگر یہودا نے ان کو روکا) تو ہم نے یوسف کے پاس وحی بھیجی (کنویں میں وحی حقیقی آئی حالانکہ اس وقت ان کی عمر سترہ سال یا اس سے کم تھی ان کی تسلی اور دلجمعی کی خاطر) کہ (اس کے بعد) ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے کہ جب تم ان بھائیوں کو (ان کی یہ کارستانیاں) جتلاؤ گے اور وہ تمہیں پہچانیں گے بھی (جتلانے کے وقت) اور یہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے بوقت (رات کو) روتے پیٹتے پہنچے اور کہنے لگے ابا جان! ہم سب تو (تیر اندازی کرتے ہوئے) آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور یوسف کو اپنے سامان (کپڑوں) کے پاس چھوڑ دیا پس اس کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ تو ہمارا یقین کرنے والے (تصدیق کرنے والے) نہیں ہیں گو ہم کیسے ہی سچے ہوں (آپ کے نزدیک لیکن تب بھی آپ یوسف کی محبت میں ہمیں جھوٹا ہی سمجھیں گے (اور جب کہ آپ بدگمان بھی ہوں پھر تو بات ہی دوسری ہے) اور یوسف کے کرتے پر (علیٰ قمیصہ ظرفیت کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور فوقہ کے معنی میں ہے) جھوٹا خون بھی لگا لائے تھے وہ اس طرح کہ ایک بکری کو ذبح کیا اور اس کے خون میں کرتے کو آلودہ کر لیا لیکن کرتے کو پھاڑنا یاد نہ رہا بولے دیکھو یہ یوسف کا خون ہے) یعقوبؑ نے (جب کرتا صحیح سالم دیکھا اور ان کی کذب بیانی کا یقین ہو گیا تو) بولے نہیں یہ تو تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی (تراش لی) ہے اس لئے تم یہ کر رہے ہو، خیر اب تو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہیں ہوگا (بے قراری نہیں ہوگی یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے عبارت یوں تھی امری صبر جمیل) اور اللہ ہی مدد کرے (اسی کی مدد مطلوب ہے) جو باتیں تم بنا رہے ہو

(یوسف کا معاملہ بیان کر رہے ہو) ایک قافلہ آ نکلا (جو مدین سے مصر کی طرف آ رہا تھا اور وہ یوسف کے کنویں کے قریب ہی ٹھہرے) چنانچہ قافلہ والوں نے اپنا سقہ پانی کے لئے بھیجا (جو پانی بھرنے کے لئے کنویں پر پہنچا جوں ہی اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو یوسف اس میں لٹک گئے سقہ نے انہیں نکالا لوگوں نے دیکھا) پکار اٹھا ارے بڑی خوشخبری کی بات ہے (اور ایک قراءت میں بشری آیا ہے مجازاً ندا ہے یعنی اے خوشخبری آ جا کہ یہی تیرے آنے کا وقت ہے) یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا یوسف کے بھائیوں کو پتہ چلا تو دوڑے ہوئے آئے) قافلہ والوں نے یوسف کو چھپالیا، یعنی یوسف کے معاملہ کو چھپالیا) سامان کے طور پر (کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا یوسف اس ڈر سے خاموش رہے کہ کہیں بھائی مار نہ ڈالیں) اور اللہ کو ان سب کی کارگزاریاں معلوم تھیں اور بھائیوں نے یوسف کو بیچ ڈالا (قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا) بہت ہی سستے داموں (کم میں) چند درہموں کے بدلے (بیس یا بائیس درہموں میں) اور وہ بھائی یوسف کے کچھ قدر دان تو ہیں ہی نہیں (چنانچہ قافلہ والے یوسف کو بازار میں لے گئے اور انہیں بیس دینار ایک جوڑی جوتے اور دو تھان کپڑوں کے بدلے میں بیچ دیا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: صُنْعِهٖ: یہ کلام مبتداء ہے جو تشبیہ سے خارج ہے۔

قوله: خَبَرِ: اس میں مضاف کو مقدر مانا تا کہ ظرفیت کا معنی درست ہو۔

قوله: اُذْكُرْ: اس سے ظاہر کیا کہ اذ یہ فعل محذوف کا ظرف ہے سائلین کا نہیں۔

قوله: لِبَعْضِهِمْ: یہ کہہ کر بتایا کہ تمام کی طرف اسناد مجازی ہے۔

قوله: مُبْتَدَأٌ: اس سے اشارہ ہے کہ لام ابتدائیہ ہے۔ جو تاکید کے لئے ہے قسمیہ نہیں۔

قوله: خطأ: اس سے اشارہ کیا کہ ضلال یہاں ہدایت کا مقابل نہیں بلکہ اس کا معنی خطاء وغلطی ہے۔

قوله: بِاَرْضٍ بَعِيْدَةٍ: یہ تنکیر کی وجہ سے معنی ہے۔ اسی الہام کی وجہ ظرف مبہم کا اعراب نصب دیا گیا۔

قوله: بِاَنْ يُقْبِلَ: اصل مراد مشارکت سے خالی اور سالم محبت اور وجہ کا ذکر کامل توجہ کا مشیر ہے۔

قوله: مُظْلِمِ الْبِئْرِ: اس کا نام غیابہ اسی وجہ سے رکھا کہ یہ ڈالے جانے والے کو لوگوں کی نگاہوں سے غائب کر دیتا ہے۔

قوله: مِنَ التَّفْرِيْقِ: اس سے یوسف علیہ السلام اور ان کے والد کے مابین تفریق مراد ہے۔

قوله: وَاِنَّا لَهٗ: یعقوب علیہ السلام کو ان کی رائے سے ہٹانے اور یوسف کے ساتھ مکر کے وقت یہ ارادہ کیا۔

قوله: نَنْشِطْ: مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں وہ ایک دوسرے کی حفاظت کریں گے اور قتادہ کہتے ہیں چستی حاصل کریں اور دوڑ لگائیں گے۔

قوله: ذِهَابُكُمْ: مصدر سے تاویل کی کیونکہ یہ فاعل ہے جس کا اسم ہونا ضروری ہے۔

قوله: لِفَرَاقِہٖ: اس کو مقدر مانا تا کہ مابعد کا مخالف ہو کر عطف درست ہو۔
قوله: الجنس: الف لام عہد کا نہیں۔
قوله: اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾: یہ جواب قسم ہے۔
قوله: عَاجِزُوْنَ: اس سے تفسیر کی کیونکہ خسارہ تو یوسف ویعقوب علیہما السلام کو تھا نہ ان کو۔
قوله: عَزَمُوْا: اجماع کا معنی اصطلاحی نہیں بلکہ پختہ ارادہ کرنا ہے۔
قوله: لِظَنِّ رَحْمَتِهِمْ: تا کہ یوسف اسے بھائیوں کی مہربانی خیال کریں۔
قوله: وَقْتَ الْمَسَاءِ: یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔
قوله: مُصَدِّقٍ: یہاں ایمان سے متعارف مراد ہے امن مراد نہیں اور لام اقرار کے معنی کو متضمن ہے۔
قوله: مَحَلُّہٗ نَصَبٌ عَلَى: اس سے اشارہ کیا کہ عَلٰی یہ محل نصب میں ہے گویا اس طرح کہا: وجدوا فوق قیمصہ بدم۔ کہ انہوں نے اس کی قمیص پر خون پایا۔
قوله: بَلْ سَوَّلَتْ: اس کی تقدیر اس طرح ہے۔ اس کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا بلکہ یہ تمہارے نفسوں کی تزیین ہے۔
قوله: وَهُوَ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عکس نہیں کما توہم بعض الناس۔
قوله: عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾: یعنی اس احتمال کے مطابق جو تم بیان کرتے ہو۔
قوله: فَهٰذَا وَ قْتُكِ: لا یعقل اشیاء میں نداء مخاطبین کی تنبیہ کے لئے ہوتی ہے۔
قوله: اَخْفَوْا: واؤ ضمیر اخوہ کی طرف راجع ہے واردین کی طرف نہیں۔
قوله: اَمْرَہٗ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔
قوله: جَاعِلَيْهِ: اس سے اشارہ ہے کہ اسروا یہ فعل متعدی کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اس کا مفعول خالی بضاعہ ہے۔ بَاعُوْهُ مِنْهُمْ فاعلی ضمیر بھائیوں کی طرف راجع ہے۔ وہ فروخت کرنے والے تھے نہ کہ مشتری۔
قوله: اِخْوَتُہٗ: بھائی اس سے بیزار تھے۔ قافلے والے تو راغب تھے۔

تفسیر مقبولین

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾

معاملہ برادران یوسف علیہ السلام:

قال اللہ تعالٰی: لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾ .... الی .... وَ كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو اس قصہ کو

دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ اس کی خبر دریافت کی جائے کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے کسی اور بے بسی سے نکال کر مقام سلطنت تک کس طرح پہنچایا یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جو پوچھتے ہیں ان کے لیے اس قصہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جو نہیں پوچھتے ان کے لیے بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔

جبکہ یوسف کے علاتی بھائی آپس میں یہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف اور انکا حقیقی بھائی بنیامین ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ محبوب ہے حالانکہ وہ دونوں کم عمر ہیں کار خدمت پدری بخوبی انجام نہیں دے سکتے اور ہم ایک قوی جماعت ہیں ہر طرح کا آرام ہم سے مقصود ہے لہٰذا ہم زیادہ عزیز اور محبوب ہونے چاہئیں بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے اپنے نفع نقصان کا ان کو صحیح اندازہ نہیں یعنی ہماری محبت کے بارے میں باپ کو چوک ہوئی کہ ہمارے مقابلہ میں یوسف علیہ السلام کو ترجیح دی اگر دلیل سے دیکھا جائے تو ہم سب فرزند ہونے میں یکساں ہیں اس لیے محبت میں برابری ہونی چاہئے تھی لیکن ہم کو ان دونوں پر اس لیے ترجیح ہے کہ ہم ایک قوی اور زبردست جماعت ہیں باپ کو ہر طرح سے آرام اور راحت پہنچا سکتے ہیں اور جو تکلیف پیش آئے اس کو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کے لیے کافی ہیں اور ان دونوں بھائیوں سے نوعمری کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں لہٰذا قاعدہ کے مطابق محبت ہم سے زیادہ ہونی چاہئے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی اس بارے میں ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں۔

فائدہ: یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت وصدیقیت اور نور فہم وفراست اور نور عفت بھی اس کے ساتھ شامل تھا۔ اور ان محاسن وشمائل اور کمالات وفضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسفؑ ان فضائل وشمائل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور چشم بصیرت سے ان باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لیے وہ ان کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

نیز یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال بشری حسن وجمال کے جنس سے نہ تھا اس لیے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا: حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿٣١﴾ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال اہل جنت کے حسن وجمال کی جنس سے تھا اور حور وغلمان کے حسن وجمال کی قسم سے تھا غرض کہ یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال اخروی حسن وجمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اخروی تھا اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن وجمال یعنی علم وحکمت اور ان کی بے مثالی عصمت وعفت اور نور نبوت وصدیقیت یہ باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی ان کی طرح ان کے محاسن سے متصف نہ تھے اور حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال ملائکہ کے حسن وجمال کا ایک نمونہ تھا اس لیے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد ونجابت کے جو آثار یوسف علیہ السلام اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اس اعتبار سے وہ جنس انبیاء وصدیقین سے ہے پس حسب قاعدہ الجنس یمیل الی الجنس یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ خدا کا برگزیدہ اور پیغمبر ہونے والا ہے پس نبوت ورسالت کے ساتھ علاقہ نبوت یعنی فرزندیت بھی مل جائے تو دلی محبت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور خدا کے برگزیدہ اور محبوب بندہ سے محبت رکھنا یہ عبادت ہے اور محبوب خدا کی محبت دراصل خدا کی محبت ہے اور پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین اگرچہ باطنی فضائل وشمائل

کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کی نظر میں زیادہ محبوب تھے مگر عملی طور پر حقوق فرزندیت کے اعتبار سے معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا اور پورے پورے عدل اور انصاف کے ساتھ تھا قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو ان کے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطا پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیبیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے، الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسف علیہ السلام کی طرف زیادہ ہے تو بولے: اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ کہ واقعی ہمارا باپ اس بارے میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے اس لفظ سے ان کی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی۔ بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی کہ جب ہم اخوت میں برابر ہیں تو محبت میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور ضلال کے معنی لغت میں غلطی اور خطاء کے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ نظر محبت وشفقت کے خرچ کرنے سے غلطی پر ہیں۔ مساوات کیوں نہیں برتتے اس گفتگو سے بھائیوں کا مقصود یہ نہ تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کریں بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس شخص کا وجود تمہارے لیے محبت پدری میں مزاحم ہے اگر یہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے تو پھر ہمارا معاملہ درست ہو سکتا ہے اور اسی درمیان میں ان کو یوسف علیہ السلام کے خواب کی بھی خبر ہو گئی اس لیے مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہئے کہ باپ کے سامنے نہ رہے خواہ قتل کر کے، خواہ اس طرح کہ اس کو کسی دور دراز کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس بارے میں باہم مشورہ ہوا اور رائے ٹھہری کہ یوسف کو مار ڈالو کہ محبت اور شکایت کا محل ہی ختم ہو جائے یا اس کو کسی ایسی دور دراز غیر معلوم زمین میں لے جا کر پھینک دو کہ یوسف علیہ السلام وہاں سے واپس نہ آ سکیں اور باپ وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ دونوں صورتوں میں باپ سے جدا ہو جائیں گے۔ تو پھر تمہارے ہی لیے خالی ہو جائے گا۔ تمہارے باپ کا چہرہ اور تم باپ کے منظور نظر بن جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت باپ کو تم ہی تم نظر آؤ گے اور اس کے بعد تم توبہ کر کے اللہ کے نزدیک نیک بختوں میں ہو جاؤ گے۔

امروز گنہ کنید وفردا توبہ

یا یہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بعد تمہارے سب کام درست ہو جائیں گے اس معنی کو صلاح سے اخروی صلاح اور نیک بختی مراد نہ ہوگی بلکہ دنیوی امور کی صلاح اور درستی اور فارغ البالی مراد ہوگی۔ بھائیوں نے صرف یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا۔ بنیامین کے معاملہ کو کچھ اہمیت نہ دی بظاہر یہ وجہ ہوگی کہ وہ بنیامین کی محبت کو یوسف علیہ السلام کی محبت کا تتمہ سمجھتے ہونگے بھائیوں کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مقصود باپ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ اور نظر عنایت کو اپنی طرف پھیر لیں۔ یہ خیال ان پر اس قدر غالب آیا کہ ان کو حسد پر آمادہ کیا اور ان سے یہ کام کروایا۔ مگر آخر میں نادم ہوئے اور خدائے تعالیٰ اور یعقوب علیہ السلام نے ان کی خطا معاف کی اصل مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ خاص ان کی طرف ہو جائے۔ یَخْلُ لَکُمْ وَجْهُ اَبِیْکُمْ۔ اور یہ مقصود فی حد ذاتہ محمود تھا۔ مگر اس کے حصول کیلئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ غلط تھا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، بے گناہ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ تھا کہ حسد اور عداوت کو اتنی ترقی نہ دو کہ قتل کر کے جان لے لو

یہ کہنے والا بڑا بھائی روبیل تھا یا یہودا تھا اور بجائے قتل کے یہ صورت کرلو کہ اس کو کسی گہرے اور تاریک اور اندھے کنوئیں میں لے جا کر پھینک دو تا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کہاں گئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ بجائے قتل کے اس کو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو تا کہ وہاں سے کوئی راہ چلتا مسافر جو وہاں پہنچے اس کو اٹھا لے جاوے اور اس کو کسی اور زمین پر لے جاوے اور تم اس سے چھوٹ جاؤ اور جو تمہاری غرض ہے کہ باپ سے دور ہو جائے اور وہ بلا قتل کے حاصل ہو جائے اگر تم کرنے ہی والے ہو۔ یعنی اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ بجائے قتل کے ان کو غیابت الجب میں ڈال دو اور اس طرح سے بھی تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ "غیابت الجب" اس کنوئیں کو کہتے ہیں کہ جو چیز اس میں گرے وہ نظروں سے ایسی غائب اور پوشیدہ ہو جائے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی۔ مشورہ میں سب کا اسی پر اتفاق رائے ہو گیا اور مشورہ کے بعد باپ سے جدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور کبھی ان کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے آخر ہم ان کے بھائی ہیں اور تحقیق ہم ان کے خیر خواہ اور بھلائی چاہنے والے ہیں۔ نہ کہ دشمن اور اس پر مہربان ہیں۔ لہٰذا آپ بلا تامل کل کے روز اس کو ہمارے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجئے کہ آسودہ ہو کر جنگل کے میوے کھائے اور کھیلے کودے اور تیر چلائے اور اونٹ دوڑائے اور اس قسم کے کھیل شرعاً جائز ہیں۔ یوسف علیہ السلام بھی خوش ہو جائیں گے اور بے شک ہم ہر حال میں یوسف کے خوب محافظ اور نگہبان رہیں گے۔ یعنی آپ کسی طرح اندیشہ نہ فرمائیں ہم یوسف علیہ السلام کو کھلا کو دا کر خوش و خرم آپ کے پاس واپس لے آئیں گے اور شاید اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کو بھی سیر و تفریح کی ترغیب دیکر ساتھ چلنے پر آمادہ کرلیا ہوگا اس کے بعد باپ سے اجازت چاہی اور یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ یعقوب علیہ السلام نے جواب میں یہ کہا کہ تحقیق غم میں ڈالتی ہے مجھ کو یہ بات کہ تم یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جاؤ تمہارے ساتھ جانے پر قلب مطمئن نہیں انبیاء کا قلب مبارک چونکہ سلیم ہوتا ہے۔ اس لیے سنتے ہی ان کو بات میں سے صدق اور کذاب کی بو آنے لگتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام نے جب بیٹوں کی یہ پرفریب درخواست سنی تو سنتے ہی اس میں سے مکر اور فریب اور حسد کی بو محسوس فرمالی جیسا کہ حدیث میں ہیا لصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ اور حسد و منافست کے آثار پہلے ہی سے نمایاں تھے اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کے ساتھ بھیجنے سے خائف تھے اور بعد میں جب ایک بات بنائی تو یعقوب علیہ السلام کا دل مطمئن نہ ہوا تو فرمایا کہ مجھے اس کی جدائی دم بھر بھی ناگوار ہے اور اس کے دیکھے بغیر صبر کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے اور اگر بالفرض تم پر اطمینان بھی کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو تم کھیل تماشہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت سے غافل ہو جاؤ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ ایک بھیڑیئے نے یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا۔
(تفسیر قرطبی ص ۰۴ ج ۹)

اس لیے یعقوب علیہ السلام کو خوف ہوا اور اس علاقے میں بھیڑیئے بھی کثرت سے تھے اس خیال سے انہوں نے یہ بات فرمائی، بیٹوں نے اسی بات کو بہانہ پکڑ لیا اور اسی کو واقعہ بنا کر پیش کر دیا۔ پہلی بات کا تو کوئی جواب نہ تھا اس سے تو انجان بن گئے

بلکہ اسی دوسری بات کا جواب دیا۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے دوسری بات کے جواب میں بولے خدا کی قسم اگر اس کوایسی حالت میں بھیڑیا کھا جائے کہ ہم جیسی قوی جماعت وہاں موجود ہو جو شیروں سے مقابلہ کر سکتی ہے تو ایسی صورت میں ہم یقیناً زیاں کار اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ کہ اپنے بھائی سے بھی بھیڑیئے کو دفع نہ کر سکے۔ القصہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا مبالغہ اور اصرار سنا اور کسی درجہ میں یوسف علیہ السلام کا دل بھی جانے کی طرف مائل پایا تو اپنے دل کو مضبوط کر کے اور قضائے الٰہی پر راضی ہو کر جانے کی اجازت دے دی اور محافظت کی تاکید کی، پھر جب ان کو لیکر چلے تو راستہ ہی میں ان کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دی جو لائق بیان نہیں اور اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ اسکو اندھے کنوئیں میں ڈال دیں۔ چنانچہ رسی میں باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا اور جب درمیان میں پہنچے تو رسی کاٹ دی جا کر پانی پر گرے کنوئیں میں ایک پتھر تھا اس پر کھڑے ہو گئے۔ (زاد المسیر ص ۱۹۰ جلد ٤)

اور اس وقت ہم نے ان کی تسلی کے لیے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم گھبراؤ نہیں عنقریب اس کنوئیں سے نکلو گے اور خدا تعالیٰ تم کو بلند رتبہ عطاء کرے گا اور ایک دن وہ ہوگا کہ تم ان لوگوں کو یہ بات جتلاؤ گے اور وہ سمجھتے نہ ہونگے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی کہ تم کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف نہ کرو ہم تمہیں کسی ایسے رتبہ پر پہنچائیں گے کہ یہ لوگ تیرے سامنے شرمسار کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ کرے گا اور یہ تیرے بلند رتبہ کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کریں گے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے بلکہ ان کو یہ خیال ہوگا کہ یوسف علیہ السلام تو کہیں ہلاک ہو چکا ہے اس وحی نے یوسف علیہ السلام کی مشکل کو آسان کر دیا۔ ظاہر اسباب میں آ کر شفقت پدری منقطع ہوئی تو رحمت غیبیہ دستگیر بنی اور اس تائید غیبی نے پائے استقامت کو اور محکم اور مضبوط کر دیا۔ غرض یہ کہ یہ قصہ تو یوسف علیہ السلام کا ہوا اور ادھر وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ باپ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے اے ہمارے باپ ہم دوڑ میں آگے نکلنا چاہتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ میں لگے ہوئے تھے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے پس اتفاقاً بھیڑیا آ کر اس کو کھا گیا اور آپ تو ہماری بات کو یقین نہیں کریں گے اگر چہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کو ہماری طرف سے پہلے ہی شبہ تھا اور آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا اور اس کی دلیل ہمارے پاس یوسف علیہ السلام کا پیراہن ہے اور اس کے کرتے پر جھوٹا لہو بھی لگا لائے تھے۔ ایک بکری کو ذبح کر کے یوسف علیہ السلام کے کرتہ کو اس سے تر کیا کہ یہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ ہے جو ہم نے چھڑایا ہے اور اس قمیص کو اپنے قول کی سند میں پیش کیا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس کرتہ کو دیکھا۔ فرمایا وہ بھیڑیا بڑا ہی حکیم اور دانا تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا اور پیراہن سے کوئی تعرض نہ کیا پھر از راہ غصہ فرمایا، اے بیٹو یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے ہرگز نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی ایک بات بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر دی ہے۔ نور نبوت سے پہچان لیا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور ان کی بنائی ہوئی ایک بات ہے اور یوسف علیہ السلام فی الحقیقت ابھی زندہ ہے پس اب میرا کام صبر جمیل ہے عمدہ صبر وہ ہے کہ جس میں نہ جزع ہو نہ فزع ہو اور نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ ارادہ انتقام کا ہو اور جو تم یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی داستان بیان کرتے ہو اس کے صبر پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس لیے کہ بغیر اللہ کی مدد کے صبر ناممکن ہے کما قال تعالیٰ: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی بات کا یقین تو نہ آیا مگر یوسف

علیہ السلام کی جدائی کا صدمہ بے حد ہوا۔ بیٹے اور بھائی اور عزیزوں کی جدائی کا صدمہ ایک امر طبعی ہے اور اولاد تو انسان کا ایک جزو ہے اور جب فرزند دلبند حسن سورت اور حسن سیرت سے آراستہ ہو اور خدا کا گزیدہ اور پسندیدہ ہو تو اس کی جدائی کے رنج والم کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام میں یہ ساری باتیں جمع تھیں پھر طرفہ یہ کہ عجیب طرح سے مصیبت آئی بیٹا اگر بیماری میں مبتلا ہو کر مر جائے تو صبر آ جاتا ہے کیونکہ موت سے دل مایوس ہو جاتا ہے مگر یہاں بجائے موت کے گم ہونے کا واقعہ پیش آیا کہ نہ تو ہلاکت کا یقین ہے کہ مایوس ہو جائیں اور نہ زندگی اور سلامتی کے کوئی آثار معلوم ہوتے ہیں جس سے پھر ملنے کی امید اور آرزو رکھیں۔ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے کہ نہ مایوس ہو سکتے تھے اور نا امید اور آرزو کی کوئی صورت نظر آتی تھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ یہ ایک امتحان ہے جس میں تم مبتلا کیے جا رہے ہو یہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت کے بعد تم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی اور سلامتی کے ساتھ یوسف علیہ السلام سے دوبارہ ملنا تم کو نصیب ہوگا۔ فی الحال کسی جستجو یا تلاش یا تدبیر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تلاش سے یوسف علیہ السلام تو ملیں گے نہیں اور بیٹے رسوا ہو جائیں گے۔ لہٰذا صبر جمیل سے کام لیجئے کیونکہ قضا و قدر پر صبر ضروری ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۶ ج ۵ و ص ۱۱۵ جلد ۵)

خلاصہ کلام یہ کہ یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ من جانب اللہ ایک ابتلاء ہے ظالم کے ظلم پر اور ماکر کے مکر پر تو صبر ضروری نہیں مگر قضا و قدر پر صبر ضروری ہے قضا و قدر کے مقابلہ میں تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس وقت صبر جمیل ہی بہتر ہے اور صبر جمیل کے یہ معنی ہیں کہ جب کوئی مصیبت نازل ہو تو بندوں سے شکایت نہ کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر کہاں سے آ گئی اس لیے یعقوب علیہ السلام رو پیٹ کر بیٹھ گئے اور نہ یوسف علیہ السلام کی جستجو میں پڑے اور نہ بیٹوں سے انتقام کا ارادہ فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باپ اور بیٹے کے قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دیکھو صبر جمیل ایسا ہوتا ہے اور عفت و پاکدامنی ایسی ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ ہوا کہ اتفاق سے ادھر ایک قافلہ آ نکلا یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا۔ پس قافلہ والوں نے اپنا ایک آدمی پانی لینے کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا پس اس پانی لینے والے آدمی نے اپنا ڈول کنوئیں کے اندر لٹکایا، اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ یوسف علیہ السلام تم اس ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ گئے جب ڈول باہر آیا تو ڈول کھینچنے والا ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا اے بشارت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اے قافلے والو بڑی خوش خبری یہ ہے کہ ایک عجیب و غریب لڑکا ہے جس کا حسن و جمال بے مثال ہے۔

چو آں ماہ جہاں آراء برآمد ز جانش بانگ یا بشری برآمد۔ بشارت کز چنیں تاریک چاہے برآمد بس جہاں افروز ماہے

اور قافلہ والوں نے اس کو سرمایہ تجارت بنا کر پوشیدہ رکھا کہ کوئی اس غلام کا دعویدار نہ نکل آئے مصر جا رہے ہیں وہاں جا کر کسی بڑے دولت مند کے ہاتھ فروخت کریں گے اور خوب نفع کمائیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ قافلے والے اس کو بیچ کر نفع حاصل کرنے چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان کو خزائن مصر کا مالک بنا دے۔ چنانچہ بھائیوں کو خبر لگی کہ قافلے والے نکال لے گئے تو وہاں پہنچے اور قافلہ والوں سے یہ ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے گھر سے بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لیے ہم اب اس کو رکھنا نہیں چاہتے تم اگر خریدنا چاہو تو تم کو سستے داموں میں دیدیں گے اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ طے پا گیا اور اس سے ان کو معمولی قیمت پر

یعنی چند گنتی کے دراہم پر فروخت کر دیا کم و بیش بیس درہم میں ان کو بیچ ڈالا اور دو دو درہم آپس میں بانٹ لیے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ بھائی ان کے بارے میں بے رغبت تھے ان کا مقصود فروخت کرنا نہ تھا بلکہ یہاں سے ٹلانا ان کا مقصود تھا کہ یوسف علیہ السلام کسی طرح یہاں سے دوسرے ملک چلے جائیں دراہم معدودہ پر قناعت کی۔ بھائیوں کو جب یوسف علیہ السلام کے کنوئیں سے نکل آنے کی خبر ہوئی تو غلبہ حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو ایسی مصیبت اور بلا میں مبتلا کر دو کہ آئندہ چل کر کسی عزت و رفعت کے مقام پر پہنچنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اس لیے اس قسم کے مکر و فریب میں لگے ہوئے تھے مگر خداوند ذوالجلال کے یہاں ان کی رفعت اور سر بلندی مقدر ہو چکی تھی اس لیے اس کی تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ وَهُوَ قِطْفِيرُ الْعَزِيزُ لِامْرَاَتِهٖ زُلَيْخَا اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ مَقَامَهُ عِنْدَنَا عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَانَ حَصُوْرًا وَكَذٰلِكَ كَمَا نَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَتْلِ وَالْجُبِّ وَعَطَفْنَا قَلْبَ الْعَزِيْزِ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ تَعْبِيْرًا لِرُؤْيَا عَطْفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ مُتَعَلِّقٍ بِمَكَّنَّا اَيْ لِنُمَكِّنَهٗ اَوِ الْوَاوُ زَائِدَةٌ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ تَعَالٰى لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْكُفَّارُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢١﴾ ذٰلِكَ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ وَهُوَ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً اَوْ وَثَلٰثٌ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا حِكْمَةً وَّعِلْمًا ۭ فِقْهًا فِي الدِّيْنِ قَبْلَ اَنْ يُبْعَثَ نَبِيًّا وَكَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ لِاَنْفُسِهِمْ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا هِيَ زُلَيْخَا عَنْ نَّفْسِهٖ اَيْ طَلَبَتْ مِنْهُ اَنْ يُوَاقِعَهَا وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ لِلْبَيْتِ وَقَالَتْ لَه هَيْتَ لَكَ ۭ اَيْ هَلُمَّ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِيْنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ الْهَاءِ وَاُخْرٰى بِضَمِّ التَّاءِ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّهٗ اَيِ الَّذِي اشْتَرَانِيْ رَبِّيْٓ سَيِّدِيْ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ مَقَامِيْ فَلَا اَخُوْنُهٗ فِيْ اَهْلِهٖ اِنَّهٗ اَيِ الشَّاْنُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ الزُّنَاةُ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ قَصَدَتْ مِنْهُ الْجِمَاعَ وَهَمَّ بِهَا قَصَدَ ذٰلِكَ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضي الله عنه مُثِّلَ لَهٗ يَعْقُوْبُ فَضَرَبَ صَدْرَهٗ فَخَرَجَتْ شَهْوَتُهٗ مِنْ اَنَامِلِهٖ وَجَوَابُ لَوْلَا لَجَامَعَهَا كَذٰلِكَ اَرَيْنَاهُ الْبُرْهَانَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ الْخِيَانَةَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ الزِّنَا اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٢٤﴾ فِي الطَّاعَةِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اللَّامِ اَيِ الْمُخْتَارِيْنَ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ بَادَرَ اِلَيْهِ يُوْسُفُ لِلْفِرَارِ وَهِيَ لِلتَّشَبُّثِ بِهٖ فَاَمْسَكَتْ ثَوْبَهٗ وَجَذَبَتْهُ اِلَيْهَا وَقَدَّتْ شَقَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا وَجَدَا سَيِّدَهَا زَوْجَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ فَنَزَّهَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ قَالَتْ مَا

جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا زنا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اى يُحْبَسَ اى السِّجْنُ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ مُؤْلِمٌ بِاَنْ
يُضْرَبَ قَالَ يُوْسُفُ مُتَبَرِّئًا هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ابْنُ عَمِّهَا رُوِيَ اَنَّهٗ
كَانَ فِي الْمَهْدِ فَقَالَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ قُدَّامٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنْ كَانَ
قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ خَلْفٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ زَوْجُهَا قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ
اِنَّهٗ اى قَوْلُكِ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ الخ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ اَيَّتُهَا النِّسَاءُ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ قَالَ يَا يُوْسُفُ
اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا الْاَمْرِ وَلَا تَذْكُرْهُ لِئَلَّا يَشِيْعَ وَ اسْتَغْفِرِيْ يَا زُلَيْخَا لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ
الْخٰطِئِيْنَ ﴿۲۹﴾ الْاٰثِمِيْنَ وَاشْتَهَرَ الْخَبَرُ وَشَاعَ ع ۳ ۹ ۱۳

ترجمہ: اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو خریدا تھا (عزیز مصر کے وزیر) نے کہا اپنی بیوی (زلیخا) سے اسے خاطر سے رکھنا (اس کا مرتبہ ہمارے یہاں بلند رہنا چاہئے) عجب نہیں یہ ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں (اور عزیز موصوف نامرد تھا) اسی طرح (جس طرح ہم نے انہیں قتل اور کنویں سے نجات دی اور عزیز مصر کا دل اس کی طرف مائل کردیا) ہم نے یوسف کا قدم سرزمین مصر میں جمادیا (یہاں تک کہ انہوں نے اتنی ترقی کرلی) اور تاکہ ہم انہیں خواب کی تعبیر دینا بتلا دیں (مقدر پر عطف ہے جو کہ مکنا سے متعلق ہے یعنی تاکہ ہم اس کا قدم جمادیں یا واؤ زائدہ ہے) اور اللہ غالب ہے اپنے کام پر (اسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی) لیکن بیشتر لوگ (کفار) ایسے ہیں جو نہیں جانتے (اس بات کو) اور پھر جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے (یعنی تیس تینتیس سال کے ہوئے) تو ہم نے انہیں کارفرمائی کی قوت (حکمت) اور علم کی دولت بخشی (نبوت سے پہلے دین کی سمجھ عطا کی) ہم نیک عملوں کو ایسا ہی بدلہ (جیسے انہیں بخشا) دیا کرتے ہیں اور جس عورت (زلیخا) کے گھر میں یوسف رہتے تھے وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی (خواہش پوری کرنے کے لئے انہیں پھسلانے لگی) اور اس نے (اپنے گھر کے) دروازے بند کردیئے اور (ان سے) بولی آؤ (یعنی جلدی کرو لام بیانیہ ہے اور ایک قراءت میں ہاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے) یوسف بولے معاذ اللہ (اللہ بچائے اس کام سے) وہ (جس نے مجھے خرید لیا ہے) میرا مربی (آقا) ہے اس نے مجھے عزت کے ساتھ جگہ دی (اس لئے مجھے اس کی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہئے) ایسے حق فراموشوں (زناکاروں) کو فلاح نہیں ہوا کرتی اور عورت کے دل میں یوسف کا خیال جم ہی چکا تھا (ان سے خواہش پوری کرنے کا ارادہ کرہی چکی تھی) اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو ہی چکا تھا (اس طرف مائل ہونے لگے تھے) اگر ان کے پروردگار کی دلیل ان کے سامنے نہ آچکی ہوتی (حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یوسفؑ کے سامنے حضرت یعقوبؑ کی شبیہ کردی گئی جس نے یوسف کی چھاتی پر ایسا ہاتھ مارا کہ ان کی شہوت انگلیوں کے راستہ سے نکل گئی، لولا کا جواب لجامعھا محذوف ہے) اسی طرح (ہم نے انہیں دلیل دکھادی) تاکہ برائی خیانت اور بے حیائی (زنا) کی باتیں ان

سے دور رکھیں بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھے جو برگزیدگی کے لئے چن لئے گئے (اطاعت کے لحاظ سے اور ایک قراءت میں لام کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی پسندیدہ) اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے (یوسف تو بھاگ جانے کے لئے دوڑے اور زلیخا انہیں پکڑنے کے لئے پس ان کا کپڑا پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچا) اور اس کو پھاڑ ڈالا (چاک کر دیا) اور دونوں نے دیکھا (پایا) کہ اس کا شوہر دروازہ کے پاس کھڑا ہے (اس لئے اپنی براءت شروع کر دی اور کہنے لگی جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات (زنا) کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ اسے تو قید خانہ ہی بھیج دینا چاہئے (جیل میں بند کر دینا چاہئے) یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے (جو تکلیف دہ ہو، انہیں پیٹا جائے) یوسف بولے (اپنی براءت کرتے ہوئے) کہ خود اس نے مجھ پر ڈورے ڈالے ہیں اور اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی (جو اس کے چچا کا بیٹا تھا روایت ہے کہ اس نے گود میں بات کی کہ) یوسف کا کرتہ اگر آگے (سامنے) سے پھٹا ہے تب تو عورت سچی ہے یوسف جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت نے جھوٹ بولا یوسف سچے ہیں پس جب عورت کے شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو کہنے لگا یہ (تیرا کہنا ما جزاء من اراد الخ) تم عورتوں کی چالاکی ہے بے شک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں (پھر بولا) اے یوسف! درگزر کر اس معاملہ سے (کسی سے اس کا مت ذکر کرنا ورنہ بات پھیل جائے گی) اور (اے زلیخا!) اپنے قصور کی معافی مانگ لے، بے شک تو ہی مکمل قصوروار ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِنْ مِّصْرَ: یعنی اہل مصر سے، اس کا تعلق اشتراء سے نہیں کیونکہ اس نے اہل مصر سے نہ خریدا تھا بلکہ تجار سے۔

قوله: مَقَامَہ عِنْدَنَا: اس کی خوب دیکھ بھال کرنا۔

قوله: اَرْضَ مِصْرَ: الف لام عہد کا ہے۔

قوله: اَشُدَّہٗ: یہ مفرد ہے اور جمع کے وزن پر آیا ہے۔ جیسے اٰنُك۔ ان کی اور نظیر نہیں۔

قوله: حِكْمَةً: ایسا علم جس کی تائید عمل سے ہو۔

قوله: طَلَبَتْ مِنْهُ: مراودة طلب وتلاش کو کہتے ہیں۔ گھاس تلاش کرنے والے کو رائد کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے اس عورت نے اس کو اس کے نفس کے بارے میں دھوکا دینا چاہا۔

قوله: هَيْتَ لَكَ: یہ اسم ہے جو تعال اور اقبل کے معنی میں آتا ہے مبنی علی الفتحہ ہے۔

قوله: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ: مَعَاذَ کا نصب مصدریت فعل محذوف کی وجہ سے ہے۔

قوله: سَيِّدِیْ: لفظ ربی کی یہ تفسیر کر کے بتلایا کہ ان کے ہاں اس سے مراد مربی ومحسن تھا نہ کہ خالق۔

قوله: هَمَّ بِهَا: یہ ہم طبعی مع الامتناع ہے نہ کہ قصدی واختیاری۔

قوله: اَرَيْنَاهُ: اس سے اشارہ ہے کہ کاف اس مبتداء کا اسم ہے جس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: بَادَرَا اِلَيْهِ: استبقا یہ بادر کے معنی کو متضمن ہے اور وہ متعدی ہے۔

قوله: شَقَّتْ: یہ لمبائی میں چیر دینے کو کہتے ہیں۔

قوله: زَوْجَهَا: سید سے مراد خاوند ہے نہ کہ مالک۔

قوله: اِنْ كَانَ: اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو علم ہو جائے کہ میری قمیص پیچھے سے شق کی ہوتی ہے۔

قوله: اَيَّتُهَا النِّسَاءُ: یہ کن کی ضمیر کا بیان ہے۔

قوله: يَا يُوْسُفُ: حرف نداء محذوف ہے قرب کی وجہ سے جس کی ضرورت نہ تھی۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ....

بازارِ مصر سے شاہی محل تک:

پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ابتدائی سرگذشت بیان ہو چکی ہے کہ قافلہ والوں نے جب ان کو کنویں سے نکال لیا تو برادران یوسف نے ان کو اپنا غلام گریختہ بنا کر تھوڑے سے درہموں میں ان کا سودا کر لیا اول تو اس لیے کہ ان کو بزرگ ہستی کی قدر معلوم نہ تھی دوسرے اس لیے کہ ان کا اصل مقصد ان سے پیسہ کمانا نہیں بلکہ باپ سے دور کر دینا تھا اس لیے صرف فروخت کر دینے پر بس نہیں کہ کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں قافلہ والے ان کو یہیں نہ چھوڑ جائیں اور یہ پھر کسی طرح والد کے پاس پہنچ کر ہماری سازش کا راز فاش کر دے اس لیے امام تفسیر مجاھد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ لوگ اس انتظار میں رہے کہ یہ قافلہ ان کو لے کر مصر کے لیے روانہ ہو جائے اور جب قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دور تک قافلہ کے ساتھ چلے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس کو بھاگ جانے کی عادت ہے کھلا نہ چھوڑو بلکہ باندھ کر رکھو، اس درشہوار کی قدر و قیمت سے ناواقف قافلہ والے ان کو اسی طرح مصر تک لے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیات مذکورہ میں اس کے بعد کا قصہ اس طرح مذکور ہے اور قرآنی اعجاز کے ساتھ قصہ کے جتنے اجزاء خود بخود سمجھ میں آ سکتے ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی مثلاً قافلہ کا مختلف منزلوں سے گذر کر مصر تک پہنچنا اور وہاں جا کر یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا وغیرہ سب کو چھوڑ کر یہاں سے بیان ہوتا ہے،

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ۔ یعنی کہا اس شخص نے جس نے یوسف علیہ السلام کو مصر میں خریدا اپنی بیوی سے کہ یوسف علیہ السلام کے ٹھہرانے کا اچھا انتظام کرو۔

مطلب یہ ہے کہ قافلہ والوں نے ان کو مصر لے جا کر فروخت کرنے کا اعلان کیا تو تفسیر قرطبی میں ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیں یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر مشک اور اسی وزن کے ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لیے مقدر کی تھی اس نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا،

جیسا کہ پہلے ارشاد قرآنی سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سب کچھ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ رب العزت کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر کے اجزاء ہیں مصر میں یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لیے اس ملک کے سب سے بڑے عزت والے شخص کو مقدر فرمایا ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ شخص جس نے مصر میں یوسف علیہ السلام کو خریدا وہ ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا جس کا نام قطفیر یا اطفیر بتلایا جاتا ہے اور بادشاہ مصر اس زمانہ میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریان بن اسید تھا، (جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لایا اور مسلمان ہو کر یوسف علیہ السلام کی زندگی میں انتقال کر گیا۔ (مظہری) اور عزیز مصر جس نے خریدا تھا اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بتلایا گیا ہے عزیز مصر قطفیر نے یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ ان کو اچھا ٹھکانا دے عام غلاموں کی طرح نہ رکھے ان کی ضروریات کا اچھا انتظام کرے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں تین آدمی بڑے عقلمند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے اول عزیز مصر جس نے ان کے کمالات کو اپنے قیافہ سے معلوم کر کے بیوی کو یہ ہدایت دی دوسرے شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے کہا: یٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ، یعنی ابا جان ان کو ملازم رکھ لیجئے اس لیے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی تیسرے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جنہوں نے اپنے بعد فاروق اعظمؓ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا۔ (ابن کثیر)

كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ یعنی اس طرح حکومت دے دی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین کی اس میں آئندہ آنے والے واقعہ کی بشارت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جو عزیز مصر کے گھر میں اس وقت بحیثیت غلام داخل ہوئے ہیں عنقریب یہ ملک مصر کے سب سے بڑے آدمی ہوں گے اور حکومت کا اقتدار ان کو ملے گا،

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ: یہاں شروع میں حرف واؤ کو اگر عطف کیلئے مانا جائے تو ایک جملہ اس معنی کا محذوف مانا جائے گا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین کی حکومت اس لیے دی کہ وہ دنیا میں عدل وانصاف کے ذریعہ امن وامان قائم کریں اور باشندگان ملک کی راحت کا انتظام کریں اور اس لے کہ ہم ان کو باتوں کا ٹھکانے لگانا سکھا دیں باتوں کا ٹھکانے لگانا ایک ایسا عام مفہوم ہے جس میں وحی الٰہی کا سمجھنا اور اس کو برروئے کار لانا بھی داخل ہے اور تمام ضروری علوم کا حاصل ہونا بھی اور خوابوں کی تعبیر صحیح بھی۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور قادر ہے اپنے کام پر جو اس کا ارادہ ہوتا ہے تمام عالم کے اسباب ظاہرہ اس کے مطابق ہوتے چلے جاتے ہیں جیسا ایک حدیث میں رسول کریم (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا کے سارے اسباب اسکے لیے تیار کر دیتے ہیں۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور اسباب ظاہرہ ہی کو کچھ سمجھ کر انہی کی فکر میں لگے رہتے ہیں مسبب الاسباب اور قادر مطلق کی طرف دھیان نہیں دیتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

یعنی جب پہنچ گئے یوسف علیہ السلام اپنی پوری قوت اور جوانی پر تو دے دیا ہم نے ان کو حکمت اور علم یہ قوت اور جوانی کسی عمر میں

حاصل ہوئی اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ۳۳ سال عمر تھی ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال بتلائی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حکمت اور علم عطا کرنے سے مراد اس جگہ عطاء نبوت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کو نبوت مصر پہنچنے کے بھی کافی عرصہ بعد ملی ہے اور کنویں کی گہرائی میں جو وحی ان کو بھیجی گئی وہ وحی نبوت نہ تھی بلکہ لغوی وحی تھی جو غیر انبیاء کو بھی بھیجی جا سکتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں وارد ہوا ہے،

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو مطلب یہ ہے کہ ہلاکت سے نجات دلا کر حکومت و عزت تک پہونچانا یوسف علیہ السلام کی نیک چلنی خدا ترسی اور اعمال صالحہ کا نتیجہ تھا یہ ان کے ساتھ مخصوص نہیں جو بھی ایسے عمل کرے گا ہمارے انعامات اسی طرح پائے گا

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ....

عزیز مصر کی بیوی کا یوسف علیہ السلام کے سامنے مطلب براری کے لیے پیش ہونا اور آپ کا پاکدامن رہنا:

سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں رہتے رہے وہیں پلے بڑھے جوان ہوئے بہت زیادہ حسین تھے عزیز مصر کی بیوی ان پر فریفتہ ہو گئی اور اپنا مطلب نکالنے کے لیے ان کو پھسلانے لگی' اس نے نہ صرف اشاروں سے اپنا مطلب ظاہر کیا بلکہ گھر کے سارے دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی آجاؤ میں تمہارے لیے تیار ہوں' حضرت یوسف (علیہ السلام) کے لیے بڑا ہی امتحان کا موقع تھا خود بھی نوجوان تھے اور عورت پھسلا بھی رہی تھی اور وہ کوئی گری پڑی عورت نہیں عزیز مصر کی بیوی ہے پھر وہ ایک طرح سے اس کے پروردہ بھی تھے وہ گھر کی بڑی تھی اور آپ چھٹ پنے سے اس کے ساتھ رہے تھے' جو عورت گھر کی سردار تھی اس کا حکم رد کرنا بھی مشکل تھا۔ ان سب امور کے ہوتے ہوئے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے لیے گناہ سے بچنے کے لیے متعدد مشکلات تھیں اس موقع پر گناہ سے بچ جانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہو سکتا ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے عورت کی درخواست پر معاذ اللہ کہہ دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں وہی مجھے گناہ سے بچا سکتا ہے' پھر یہ فرمایا کہ تو میرے آقا اور مربی کی بیوی ہے اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے مجھے آرام کی جگہ دی ہے' عزت سے رکھا ہے میری شرافت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ میں اس کے اہل خانہ پر دست درازی کروں (اس میں اس عورت کو بھی نصیحت فرما دی کہ تو بھی اللہ سے پناہ مانگ اور اپنے شوہر کی خیانت نہ کر مجھے تو اس گھر میں آئے ہوئے چند سال ہی ہوئے ہیں اور تو مجھ سے بہت پہلے سے عزیز مصر کے پاس رہتی ہے۔ تجھے بھی عفت و عصمت اختیار کرنا لازمی ہے) سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ: اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ (بلاشبہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) یہ ظلم کی بات ہے کہ میں اپنے آقا کا حق شناس نہ بنوں تو مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہے اس میں اللہ جل شانہ کی بھی خیانت ہے یہ دونوں ظلم کی باتیں ہیں ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس کامیابی کو چاہتے ہیں وہ گناہوں کے ذریعہ نہیں ملتی دنیا کی مطلوبہ کامیابی ہو یا آخرت کی یہ ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ: اِنَّهٗ رَبِّیْٓ میں جو ضمیر منصوب ہے یہ عزیز مصر کی طرف راجع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع

ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا ربّ ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے میں کیسے اس کی نافرمانی کرسکتا ہوں یہ معنی لینے سے یہ اشکال ختم ہوجاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ کے لیے لفظ ربی کیسے استعمال فرمایا لیکن اگر انہ کی ضمیر عزیز مصر کی طرف راجع ہو تب بھی اشکال یوں ختم ہوجاتا ہے کہ ربّ بمعنی مالک اور مستحق اور صاحب بھی آیا ہے۔ (کما ذکرہ صاحب القاموس) اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ: ((ولا یقل العبد ربی)) یہ ممانعت اس اعتبار سے ہے کہ لفظ ربّ عام محاورات میں اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ممانعت فرمادی گئی۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا....

دونوں کا دروازہ کی طرف دوڑنا اور عزیز کو دروازہ پر پانا:

ان آیات میں عزیز مصر کی بیوی کی بدنیتی اور اس کے مطابق عزم مصمم کرنے کا ذکر ہے نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام اگر اپنے ربّ کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی ارادہ کر لیتے' اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا اور ان کو برائی سے اور بے حیائی کے کام سے دور رکھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کرنے کا مضبوط ارادہ کرلیا تھا جو اس کے عمل سے صاف ظاہر ہے اس نے دروازے بند کر لیے اور صاف لفظوں میں هَيْتَ لَكَ (آجا میں تیرے لیے حاضر ہوں) کہہ دیا' حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا اور گناہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ ہے لیکن قرآن مجید میں (وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ) کے ساتھ وَهَمَّ بِهَا بھی مذکور ہے اس وَهَمَّ بِهَا کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے: وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یہ ایک جملہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے ربّ کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ جوانی کا تقاضا پورا کرنے کا ارادہ کر لیتے لیکن چونکہ انہوں نے اپنے ربّ کی دلیل دیکھ لی اس لیے ارادہ نہیں کیا۔ ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ هَمَّ بِهَا سے گناہ کا ارادہ کرنا مراد نہیں ہے بلکہ بشری طور پر جو ایسے موقع پر میلان طبعی ہوجاتا ہے وہ مراد ہے انہوں نے اس درجہ کا ارادہ نہیں کیا تھا جو معصیت کے درجہ میں ہو یوں ہی وسوسہ کے درجے میں خیال آگیا اس صورت میں لَوْلَا کا جواب محذوف مانا جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے ربّ کی طرف سے دلیل نہ دیکھ لیتے تو میلان طبعی کے مطابق کام کرگزرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دلیل دکھائی جو اقدام کرنے سے مانع ہوگئی۔

وہ کون سی دلیل تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں صاحب روح المعانی ص ۲۱۴ ج ۱۲ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ ظاہر ہوگئی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینہ پر ہاتھ ماردیا: وذکرہ الحاکم ایضا فی المستدرک ج ۲ ص ۳۴۶ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مثل لہ یعقوب فضرب صدرہ فخرجت شھوتہ من انا ملہ اور بحوالہ حلیہ ابی نعیم حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ جب اس عورت نے عمل بد کا ارادہ کیا تو اس نے بت کے اوپر کپڑا ڈال دیا جو گھر کے ایک کونے میں تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو یہ کیا کرتی ہے وہ کہنے لگی کہ میں اپنے معبود سے شرماتی ہوں کہ میں ایسا کام کروں اور یہ مجھے دیکھتا رہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایک بت سے شرمارہی ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے (یعنی بے جان ہے کچھ جانتا

ہی نہیں) پھر بھلا میں اپنے رب سے کیوں نہ شرماؤں جو ہر شخص کے ہر عمل کو جانتا ہے تو مجھ سے اپنی مطلب براری نہیں کرسکتی' اس بارے میں اور بھی بہت اقوال ہیں لیکن کوئی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں' بعض حضرت نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو علم و حکمت سے نوازا تھا اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے وہی مراد ہے' نبوت اور معرفت الٰہیہ ہی ایک ایسی دلیل تھی جس نے انہیں چونکا دیا اور گناہ سے بچا دیا' یہ بات دل کو لگتی تو ہے لیکن اس صورت میں رای بمعنی عرف کیا جائے گا یعنی رای سے رؤیت بصری نہیں بلکہ رؤیت قلبی بمعنی علم و معرفت مراد ہوگی۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے عام طور پر اہل ایمان کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ جب کوئی گناہ کی بات دل میں آئے تو دل کھٹک جاتا ہے اور ہر ایک مؤمن کے دل میں اللہ کا ایک واعظ بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت نواس بن سمعان انصاری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک سیدھا راستہ ہے اس کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں دروازے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں اور ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھ پر افسوس ہے اسے مت کھول اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا (اور یہ تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا) اس کے بعد آپ نے اس مثال کی توضیح فرمائی' اور وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے' اور دونوں طرف جو دیواریں ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں' اور جو دروازے کھلے ہوئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں' اور راستے کے شروع میں جو پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے' اور اس کے اوپر جو پکارنے والا ہے وہ اللہ کا واعظ ہے جو ہر مسلم کے دل میں ہے (رواہ بیہقی فی شعب الایمان ص ۴۴۰ ج ۵) جب ہر مؤمن کے دل میں واعظ موجود ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے صدیق کے دل میں ہونا تو ضروری ہی ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں عبارت کا کچھ حصہ محذوف ہے صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ: جرت افعالنا و اقدارنا كذالك لنصرف یعنی ہماری قضاء و قدر کے مطابق ایسا ہوا تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں: قال صاحب الروح و قدر ابو البقاء نراعیه كذلك والحوفی اریناه البراهين كذلك و جوز الجميع كونه فی موقع رفع فقيل ای الامر او عصمته مثل ذالك اھ۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: ابو البقا نے یہاں نراعیہ مقدر مانا ہے اور حوفی نے کہا مقدر عبارت اس طرح ہے کہ: ارینا ه البراهين كذالك اور سب نے اس کا رفع کے مقام پر ہونا جائز رکھا ہے لہٰذا بعض نے کہا اصل یوں ہے کہ: الامر مثل ذلك یا عصمته مثل ذلك۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ : جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے برے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہا تو وہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے پیچھے سے عورت بھی دوڑی۔ بالآخر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کا پچھلا دامن پکڑ لیا چونکہ بھاگتے ہوئے آدمی کا دامن پکڑا تھا اس لیے کرتہ پھٹ گیا۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ قدیقد اکثر لمبائی میں پھاڑ دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی لیے ہم نے چیرنے کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بڑھے تو دروازہ بند پایا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی' دروازے کھلتے

چلے گئے اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہ میں مبتلا کرنے کے لیے مجبور کیا جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی کوشش وطاقت کے بقدر اس سے بچے جب سچ مچ اس سے بچنے کا عزم کرے گا اور اپنی ہمت اور قدرت کے بقدر کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شاء اللہ ضرور مدد کی جائے گی۔

بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ دروازے مختلف جہات میں تھے اس عورت نے بند تو سبھی کو کر دیا تھا لیکن کسی ایک دروازے میں کوئی ایسی کھڑکی تھی جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دھیان ہوا کہ میں اس سے نکل سکتا ہوں بہر حال انہوں نے گناہ سے بچنے کی انتہائی کوشش کی اور اس کوشش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی دی۔

آگے پیچھے دوڑتے ہوئے جب دروازے پر پہنچے تو ادھر سے مذکورہ عورت کا شوہر آرہا تھا اس سے مڈبھیڑ ہوگئی عورتوں کی چالیں تو مشہور ہی ہیں ظاہری خفت مٹانے کے لیے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے عورت بول پڑی کہ اس نے مجھ پر بدنیتی سے مجرمانہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کو سزا دی جانی ضروری ہے سزا بھی اس نے خود ہی تجویز کر دی کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا اس کو سخت سزا دی جائے' سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا اور فرمایا: هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ کہ اس نے مجھے پھسلایا اور غلط کام کرنے کا ارادہ کیا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کا دفاع کرنا شان بزرگی کے خلاف نہیں ہے بلکہ دفاع کرنا ضروری ہے کیونکہ مجرم بن کر رہنا مؤمن کی شان نہیں ہے اپنا دفاع کرتے ہوئے صحیح صورت بیان کرنے میں اگر تہمت لگانے والے کی طرف تہمت کا انتساب کرنا پڑے تو یہ بھی جائز ہے)۔

صورت حال دیکھ کر عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجرم قرار نہیں دیا وہ ان کی نیک نفسی اور صالحیت سے واقف تھا وہ برسوں سے اس کے گھر میں رہتے تھے اس کے پیش نظر جوان کے احوال دیکھے تھے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کسی طرح بھی اس کا موقع نہ تھا کہ وہ ان کو مجرم سمجھے اور اپنی بیوی کی تصدیق کرے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ اس عورت نے ہی مجھ سے اپنی خواہش ظاہر کی اس کے پیش نظر عورت ہی کو اول وہلہ میں مجرم سمجھنا چاہئے تھا اور ممکن ہے کہ اس نے مجرم سمجھ بھی لیا ہو لیکن وہ خاموشی اختیار کر گیا' البتہ غیب سے ایک گواہ نکل آیا اور وہ اسی عورت کے خاندان میں سے تھا یہ گواہ ایک بچہ تھا وہ بچہ بول پڑا اور اس نے یوں کہا کہ یوسف کے کرتہ کو دیکھو آگے سے پھاڑا گیا ہے یا پیچھے سے؟ اگر پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ یہ عورت اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے کہ یوسف نے مجھ پر حملہ کیا ہے اور یوسف سچے ہیں' اور اگر ان کا کرتہ آگے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے' عزیز مصر کو تو اصل صورت حال سمجھنے کی ضرورت ہی تھی اس نے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر نظر ڈالی دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے بس اس کی سمجھ میں آ گیا اور فوراً اس کے منہ سے یہ بات نکلی کہ یہ عورتوں والی مکاری ہے۔ کریں خود اور نام رکھیں دوسرے کا' یہ کہہ کر اس نے اپنی عورت کو جھٹلا دیا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کی تصدیق کر دی' گواہی دینے والے نے جو یوں کہا تھا کہ کرتہ دیکھا جائے اس کا مطلب یہ تھا کہ جب عورت نے اپنی خواہش ظاہر کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جان گناہ سے بچانے کی کوشش کی اور راہ فرار اختیار فرمائی اور عورت نے ان کے کرتہ کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تبھی تو کرتہ پھٹا اس کے پھٹنے کا ظاہری سبب اور کوئی نہ تھا' یہ جو سوال ذہن میں آتا ہے کہ وہاں تو ایک ہی عورت تھی جمع کی ضمیر کیوں لائی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں

عورتوں کا مزاج اور طبیعت اور خاصیت کی طرف اشارہ ہے اکیلی یہی عورت مکار اور فریب والی نہیں عموماً عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں اسی لیے آخیر میں یوں کہا: إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿۲۸﴾ (بلاشبہ تمہارا مکر بڑا ہے) اردو کے محاورہ میں اس مکر کو عورتوں کے چھل اور چالوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے بڑے بڑے چھل ہوتے ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ (علیہ السلام) نے ایک مرتبہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ما رایت اذھب للب الرجل الحازم من احداکن (ہوشمند آدمی کی عقل کو ختم کرنے میں میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا) (رواہ البخاری ص ۱۹۷ ج ۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ترکت بعدی فتنة ھی اضر علی الرجال من النساء کہ میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو ضرر دینے میں عورتوں سے بڑھ کر ہو (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۲۶۷) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء کہ دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو (یعنی ان دونوں کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ان کے فریب میں نہ آجانا) کیونکہ بنی اسرائیل کا جو سب سے پہلا فتنہ تھا اس کی ابتداء عورتوں ہی سے تھی۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۳ ج ۲) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: النساء حبائل الشیطان (کہ عورتیں شیطان کے جال ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴) شیطان ان کے ذریعے بہکاتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اور گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔

جس گواہ نے گواہی دی اس نے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ عورت نے یوں کیا بلکہ اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جو عورت کے مجرم ہونے پر دلالت کرتی تھی یعنی کرتے کا پھٹا ہونا اس کو گواہی سے تعبیر فرمایا: قال صاحب الروح وسمی شاھدا لانہ ادی تادیتہ فی ان ثبت بکلامہ قول یوسف وبطل قولھا وقیل سمی بذلک من حیث دل علی الشاھد وھو تخریق القمیص۔

یہ گواہی دینے والا کون تھا اس کے بارے میں مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے پہلے تو صاحب مستدرک نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے بیان فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی تو مجھے ایک خوشبو محسوس ہوئی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسی خوشبو ہے بتانے والوں نے (یعنی فرشتوں) نے بتایا کہ جو عورت فرعون کی بیٹی اور اس کی اولاد کی کنگھی کیا کرتی تھی یہ اس کی خوشبو ہے' ایک دن کنگھی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی اس پر اس نے بسم اللہ کہا فرعون کی بیٹی نے کہا یہ تو نے کس کا نام لیا' کیا تو نے میرے باپ کا نام نہیں لیا اس نے کہا میں نے اس کا نام لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی رب ہے اور تیرے باپ کا بھی رب ہے کہنے لگی کہ میں یہ بات اپنے باپ کو بتادوں گی اس عورت نے کہا ہاں بتادینا فرعون کی بیٹی نے اپنے باپ کو یہ بات بتادی' اس پر فرعون نے اس عورت کو اور اس کے بچوں کو بلایا تاکہ انہیں قتل کردے' اس عورت نے فرعون سے کہا کہ میری ایک حاجت ہے وہ پوری کردینا' فرعون نے کہا وہ کیا حاجت ہے؟ اس عورت نے کہا کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیوں کو دفن کردینا فرعون نے اس کا اقرار کرلیا پھر اس کے بچوں کو لایا گیا اور ایک ایک کر کے قتل کر کے گڑھے یا آگ میں ڈالا جاتا رہا، یہاں تک کہ جب آخری بچہ رہ گیا جو چھوٹا دودھ پیتا بچہ تھا تو اس نے کہا کہ اے میری ماں صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں اس کے بعد اس عورت کو اس چھوٹے بچے کے ساتھ ڈال دیا گیا' یہ بیان

فرمایا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ چار چھوٹے بچے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے ہونے کے زمانہ میں بات کی ہے' ان میں سے ایک تو یہی بچہ تھا یعنی فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی کا بچہ' دوسرا یوسف علیہ السلام کے بارے میں گواہی دینے والا، تیسرے جریج (راہب کی براءت ظاہر کرنے) والا چوتھے عیسیٰ ابن مریم (قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ووافقہ الذھبی مستدرک حاکم ص ۴۹۶-ج ۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی تھی وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جو بولنے کی عمر کو نہیں پہنچا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت دی اور اس نے گواہی دے دی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے اس گواہی دینے والے کے بارے میں مِّنْ اَهْلِهَا ۚ بھی فرمایا ہے کہ یہ گواہ اس عورت کے خاندان سے تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اس عورت کی خالہ کا بیٹا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے چچا کا بیٹا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔ معاملہ کی صورت حال سمجھنے کے بعد عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور اس نے درخواست کی کہ (یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا) اے یوسف اس بات سے اعراض کرنا یعنی اسے یہیں تک رہنے دینا اور آگے مت بڑھانا کسی سے نہ کہنا' پھر اپنی بیوی سے کہا: وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ (کہ تو اپنے گناہ کے لیے استغفار کر) (اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ) (بلاشبہ تو خطا کرنے والوں میں سے ہے) معاملہ کی صورت حال سے اور گواہ کی گواہی سے ثابت ہو گیا کہ تو ہی گناہ گاروں میں سے ہے' اصل گناہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچنے اور پرہیز کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے نہ ہو سکا لیکن گناہ کے لیے جو اس نے پکا اور مضبوط ارادہ کر لیا تھا وہ بھی گناہ ہی تھا پھر وہ پیچھے دوڑی بھی تھی اور پکڑنے کی کوشش بھی کی تھی لہٰذا اپنی نیت اور عمل دونوں کے اعتبار سے گناہ گار ہوئی' صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اسے سچا یا جھوٹا کر دیتی ہے یعنی گناہ کی آخری حد کا موقع لگ گیا تو شرمگاہ سے صادر ہو جاتا ہے مگر اس سے پہلے کی کوششیں گناہ میں شمار ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ تو مسلمان نہیں تھے پھر استغفار کرنے کے لیے کیوں کہا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وہ لوگ اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے لیکن خالق کے وجود کا بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ بہت سی چیزیں گناہ ہیں اور ان گناہوں کی سزا بھی ملتی ہے صاحب روح المعانی کا یہ فرمانا درست ہے کہ مشرکین خالق کو بھی مانتے ہیں اور بہت سی چیزوں کا گناہ ہونا ان کے ہاں معروف و مشہور ہے ہندوستان کے مشرکین میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ مَدِیْنَةِ مِصْرَ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَبْدَهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا
حُبًّا ؕ تَمْیِیْزٌ اَیْ دَخَلَ حُبُّهٗ شِغَافَ قَلْبِهَا اَیْ غِلَافَهٗ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ خَطَاءٍ مُّبِیْنٍ ۞ ۳۰ بَیِّنٍ بِحُبِّهَا اِیَّاهُ
فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ غِیْبَتِهِنَّ لَهَا اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ اَعَدَّتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً طَعَامًا یُقْطَعُ
بِالسِّكِّیْنِ لِلْاِتِّكَاءِ عِنْدَهٗ وَهُوَ الْاُتْرُجُ وَّاٰتَتْ اَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّ قَالَتِ لِیُوْسُفَ اخْرُجْ

عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ اَعْظَمْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ بِالسَّكَاكِيْنِ وَلَمْ يَشْعُرْنَ بِالْاَلَمِ لِشُغْلِ قَلْبِهِنَّ
بِيُوْسُفَ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ تَنْزِيْهًا لَهٗ مَا هٰذَا اَيْ يُوْسُفُ بَشَرًا ۭ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ لِمَا حَوَاهُ
مِنَ الْحُسْنِ الَّذِيْ لَا يَكُوْنُ عَادَةً فِي النَّسَمَةِ الْبَشَرِيَّةِ وَفِي الصَّحِيْحِ اَنَّهٗ اُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ قَالَتْ
امْرَاَةُ الْعَزِيْزِ لَمَّا رَاَتْ مَا حَلَّ بِهِنَّ فَذٰلِكُنَّ فَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ فِيْ حُبِّهٖ بَيَانٌ لِعُذْرِهَا وَلَقَدْ
رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ اِمْتَنَعَ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ
الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ الذَّلِيْلِيْنَ فَقُلْنَ لَهٗ اَطِعْ مَوْلَاتَكَ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا
تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اَمِلْ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ اَصِرْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ الْمُذْنِبِيْنَ
وَالْقَصْدُ بِذٰلِكَ الدُّعَاءُ فَلِذَا قَالَ تَعَالٰى فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ دُعَاءَهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ بِالْفِعْلِ ثُمَّ بَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ الدَّالَّاتِ عَلٰى بَرَاءَةِ
يُوْسُفَ اَنْ يَّسْجُنُوْهُ دَلَّ عَلٰى هٰذَا لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ يَنْقَطِعُ فِيْهِ كَلَامُ النَّاسِ فَسُجِنَ ع ۴ / ۱۴

ترجمہ: (خطا کار ہے، یہ خبر پھیل کر مشہور ہوگئی) اور شہر (مصر) کی چند عورتیں کہنے لگیں دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے رجھالے وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی (تمیز واقع ہے یعنی اس کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی) ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑگئی (اس سے محبت کرکے کھلی غلطی کررہی ہے) جب عزیز مصر کی بیوی نے مکاری (اپنی غیبت) کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں آراستہ کیں (ایسی کھانے کی چیز جو ٹیک لگائے ہوئے چھری سے کاٹ کر کھائی جاسکتی ہے یعنی ترنج) اور ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کردی پھر (یوسف سے) کہا ان سب کے سامنے نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا حیران (دنگ رہ گئیں) اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں (چاقو سے اور یوسف کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے انہیں تکلیف کا احساس تک نہیں ہوا) اور پکار اٹھیں ''سبحان اللہ'' یہ تو انسان نہیں ہے ضرور ایک فرشتہ ہے بڑے رتبہ کا (کیونکہ ان کے پاس وہ حسن تھا کہ جو عموماً انسان کے پاس نہیں ہوتا اور حدیث صحیح میں ہے کہ یوسفؑ کو آدھا حسن عطا کیا گیا) بولی (عزیز مصر کی بیوی ان عورتوں کی بدحواسی دیکھ کر) یہ ہے وہ آدمی جس کی (محبت کے) بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے (اس کے عذر کا بیان ہے) ہاں بے شک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا (بچا رہا) اور اگر آئندہ یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو ضرور قید کیا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا (عورتیں یوسف کو سمجھانے لگیں کہ اپنی مالکہ کا کہنا مان لینا چاہئے) یوسف نے اللہ کے حضور دعا کی کہ خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلارہی ہیں اگر آپ نے ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا تو عجب نہیں میں ان کی طرف

جھک پڑوں اور نادانی کا کام کر بیٹھوں (کوتاہی کرنے والوں میں ہو جاؤں اس سے دعا مقصود ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا سو ان کے پروردگار نے ان کی (دعا) سن لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ سے بچالیا بلاشبہ وہی ہے (دعا) کا سننے والا اور (کاموں کو) خوب جاننے والا پھر مختلف علامات دیکھ کر (جو یوسف کے بے قصور ہونے پر دلالت کرتی تھیں انہیں جیل بھیجنا ہی مناسب معلوم ہوا جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) مناسب معلوم ہوا کہ انہیں قید کر دیا جائے ایک مدت تک (کہ جس میں لوگوں کی چہ میگوئیاں کم ہو جائیں) چنانچہ انہیں قید کر دیا گیا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: تُرَاوِدُ فَتٰهَا: یعنی وہ اپنے غلام سے اپنی شہوت کو پورا کرانا چاہتی ہے۔

قوله: تَمییزٌ: اس سے اشارہ کیا کہ شغف کا مفعول نہیں شغف اس محبت کو کہتے ہیں جو دل کے پردے تک پہنچ جائے۔

قوله: غِیْبَتِهِنَّ: غیبت کو غیر موجودگی کی وجہ سے مکر کہا۔

قوله: یُقْطَعُ بِالسِّكِّیْنِ: کاٹنے والا کاٹتے وقت اس پر سہارا لگا سکے۔

قوله: لِلْاِتِّكَاءِ: کھانے کو مُتَّكَأً کہا ان کے ہاں ٹیک لگا کر کھانے کا رواج تھا۔

قوله: اَعْطَتْ: یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ یہ اتت ایتاء سے اتیان سے نہیں۔

قوله: بِالْاَلَمِ لِشُغْلِ: اس سے اشارہ کیا کہ قطع سے زخم مراد ہے۔ ابانت واظہار مراد نہیں بلکہ یہ مجاز ہے۔

قوله: تَنْزِیْهًا لَہٗ: یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اظہار تعجب ہے کہ اس نے اس کو اس جیسا بنایا ہے۔ ماشاء کا لفظ تنزیہ کے لئے اور لام بیانیہ ہے۔

قوله: مَا: اس سے اشارہ کیا کہ ان نافیہ ہے۔

قوله: فَهٰذَا هُوَ: ذلک کو ھذا کی جگہ لائے تا کہ مشارالیہ کے مرتبہ کو ظاہر کیا جائے۔

قوله: فِیْ حُبِّہٖ: یہاں مضاف محذوف ہے۔

قوله: رَبُّهٗ: امرہ کی ضمیر ما کی طرف راجع ہے اور وہ موصولہ ہے۔ اس کا معنی ما امرہ بہ پس جار کو حذف کر دیا۔

قوله: بِذٰلِكَ الدُّعَاءِ: کیونکہ یوسف علیہ السلام کا قول۔ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ: یہ طلب صرف ہی دعا ہے۔

قوله: اَنْ یَّسْجُنُوْهُ: اس سے اشارہ ہے کہ بدأ کا فاعل مقدر ہے۔ یہ ان کی وجہ سے مصدری معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ....

داستان عشق اور حسینانِ مصر:

اس داستان کی خبر شہر میں ہوئی، چرچے ہونے لگے، چند شریف زادیوں نے نہایت تعجب وحقارت سے اس قصے کو دوہرایا کہ دیکھو عزیز کی بیوی ہے اور ایک غلام پر جان دے رہی ہے، اس کی محبت کو اپنے دل میں جمائے ہوئے ہے۔ شغف کہتے ہیں حد سے گذری ہوئی قاتل محبت کو اور شغف اس سے کم درجے کی ہوتی ہے۔ دل کے پردوں کو عورتیں شغاف کہتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ عزیز کی بیوی صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ ان غیبتوں کا پتہ عزیز کی بیوی کو بھی چل گیا۔ یہاں لفظ مکر اس لیے بولا گیا ہے کہ بقول بعض خود ان عورتوں کا یہ فی الواقع ایک کھلا مکر تھا۔ انہیں تو دراصل حسن یوسف کے دیدار کی تمنا تھی یہ تو صرف ایک حیلہ بنایا تھا۔ عزیز کی بیوی بھی ان کی چال سمجھ گئی اور پھر اس میں اس نے اپنی معزوری کی مصلحت بھی دیکھی تو ان کے پاس اسی وقت بلاوا بھیج دیا کہ فلاں وقت آپ کی میرے ہاں دعوت ہے۔ اور ایک مجلس، محفل، اور بیٹھک درست کر لی جس میں پھل اور میوہ بہت تھا۔ اس نے تراش تراش کر چھیل چھیل کر کھانے کے لیے ایک ایک تیز چاقو سب کے ہاتھ میں دیدیا یہ تھا ان عورتوں کے دھوکہ کا جواب انہوں نے اعتراض کر کے جمال یوسف دیکھنا چاہا اس نے آپ کو معذور ظاہر کرنے اور ان کے مکر کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں خود زخمی کر دیا اور خود ان ہی کے ہاتھ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ آیئے۔ انہیں اپنی مالکہ کا حکم ماننے سے کیسے انکار ہوسکتا تھا؟ اسی وقت جس کمرے میں تھے وہاں سے آگئے۔ عورتوں کی نگاہ جو آپ کے چہرے پر پڑی تو سب کی سب دہشت زدہ رہ گئیں۔ ہیبت وجلال اور رعب حسن سے بے خود ہوگئیں اور بجائے اس کے کہ ان تیز چلنے والی چھریوں سے پھل کٹتے ان کے ہاتھ اور انگلیاں کٹنے لگیں۔ حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ضیافت باقاعدہ پہلے ہو چکی تھی اب تو صرف میوے سے تواضع ہو رہی تھی۔ میٹھے ہاتھوں میں تھے، چاقو چل رہے تھے جو اس نے کہا یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ سب یک زبان ہو کر بول اٹھیں ہاں ہاں ضرور۔ اسی وقت حضرت یوسف سے کہلوا بھیجا کہ تشریف لایئے۔ آپ آئے پھر اس نے کہا جایئے آپ چلے گئے۔ آتے جاتے سامنے سے پیچھے سے ان سب عورتوں نے پوری طرح آپ کو دیکھا دیکھتے ہی سب سکتے میں آگئیں ہوش حواس جاتے رہے بجائے لیموں کاٹنے کے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اور کوئی احساس تک نہ ہوا ہاں جب حضرت یوسف چلے گئے تب ہوش آیا اور تکلیف محسوس ہوئی۔ تب پتہ چلا کہ بجائے پھل کے ہاتھ کاٹ لیا ہے۔ اس پر عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا ایک ہی مرتبہ کے جمال نے تو تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا پھر بتاؤ میرا کیا حال ہوگا۔

عورتوں نے کہا واللہ یہ انسان نہیں۔ یہ تو فرشتہ ہے اور فرشتہ بھی بڑے مرتبے والا۔ آج کے بعد ہم کبھی تمہیں ملامت نہ کریں گی۔ ان عورتوں نے حضرت یوسف جیسا تو کہاں ان کے قریب ان کے مشابہ بھی کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ آپ کو آدھا حسن قدرت نے عطا فرما رکھا تھا۔ چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ تیسرے آسمان میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات

یوسف علیہ السلام سے ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت یوسف اور آپ کی والدہ صاحبہ کو آدھا
درت کی فیاضیوں نے عنایت فرمایا تھا۔ اور روایت میں تہائی حسن یوسف کو اور آپ کی والدہ کو دیا گیا تھا۔ آپ کا چہرہ بجلی
رح روشن تھا۔ جب کبھی کوئی عورت آپ کے پاس کسی کام کے لیے آتی تو آپ اپنا منہ ڈھک کر اس سے بات کرتے کہیں
نے میں نہ پڑ جائے اور روایت میں ہے کہ حسن کے تین حصے کئے گئے تمام لوگوں میں دو حصے تقسیم کئے گئے اور ایک حصہ
ے آپ کو اور آپ کی ماں کو دیا گیا۔ یا حسن کی دو تہائیاں ان ماں بیٹے کو ملیں اور ایک تہائی میں دنیا کے تمام لوگ اور روایت
ہے کہ حسن کے دو حصے کئے گئے ایک حصے میں حضرت یوسف اور آپ کی والدہ حضرت سارہ اور ایک حصے میں دنیا کے اور
لوگ۔ سہیلی میں ہے کہ آپ کو حضرت آدم کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے کمال
رت کا نمونہ بنایا تھا اور بہت ہی حسین پیدا کیا تھا۔ آپ کی اولاد میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہ تھا اور حضرت یوسف کو ان کا آدھا
ن دیا گیا تھا۔ پس ان عورتوں نے آپ کو دیکھ کر ہی کہا کہ معاذ اللہ یہ انسان نہیں ذی عزت فرشتہ ہے۔ اب عزیز کی بیوی نے
ہا بتلاؤ اب تو تم مجھے عذر والی سمجھو گی؟ اس کا جمال و کمال کیا ایسا نہیں کہ صبر و برداشت چھین لے؟ میں نے اسے ہر چند اپنی
رف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا اب سمجھ لو کہ جہاں اس میں یہ بہترین ظاہری خوبی ہے وہاں عصمت وعفت
لی یہ باطنی خوبی بھی بے نظیر ہے۔ پھر دھمکانے لگی کہ اگر میری بات یہ نہ مانے گا تو اسے قید خانہ بھگتنا پڑے گا۔ اور میں اس کو
ہت ذلیل کروں گی۔

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے اس ڈھونگ سے اللہ کی پناہ طلب کی اور دعا کی کہ یا اللہ مجھے جیل خانے جانا پسند ہے مگر تو مجھے ان کے بد ارادوں سے محفوظ رکھ ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤں۔ اے اللہ تو اگر مجھے بچالے تب تو میں بچ سکتا ہوں ورنہ مجھ میں اتنی قوت نہیں۔ مجھے اپنے کسی نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ تیری مدد اور تیرے رحم وکرم کے بغیر نہ میں کسی گناہ سے رک سکوں نہ کسی نیکی کو کر سکوں۔ اے باری تعالیٰ میں تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں، تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کردے کہ میں ان عورتوں کی طرف جھک جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ کریم و قادر نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور آپ کو بال بال بچالیا، عصمت عفت عطا فرمائی، اپنی حفاظت میں رکھا اور برائی سے آپ بچے ہی رہے۔ باوجود بھرپور جوانی کے باوجود بے انداز حسن وخوبی کے، باوجود ہر طرح کے کمال کے، جو آپ میں تھا، آپ اپنی خواہش نفس کی بے جا تکمیل سے بچتے رہے۔ اور اس عورت کی طرف رخ بھی نہ کیا جو رئیس زادی ہے۔ رئیس کی بیوی ہے، ان کی مالک ہے، پھر بہت ہی خوبصورت ہے، جمال کے ساتھ ہی مال بھی ہے، ریاست بھی ہے، وہ اپنی بات کے ماننے پر انعام و اکرام کا اور نہ ماننے پر جیل کا اور سخت سزا کا حکم سنا رہی ہے۔ لیکن آپ کے دل میں اللہ کے خوف سمندر موجزن ہے، آپ اپنے اس دنیوی آرام کو اور اس عیش اور لذت کو نام رب پر قربان کرتے ہیں اور قید و بند کو اس پر ترجیح دیتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں سے بچ جائیں اور آخرت میں ثواب کے مستحق بن جائیں۔ بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے سائے تلے سایہ دے گا جس دن کوئی سایہ سوا اس کے سائے کے نہ ہوگا۔ (۱) مسلمان عادل بادشاہ (۲) وہ جوان مرد وعورت جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو جب

مسجد سے نکلے مسجد کی دھن میں رہے یہاں تک کہ پھر وہاں جائے (٤) وہ دو شخص جو آپس میں محض اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اسی پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں (٥) وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس پوشیدگی سے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہات کو نہیں ہوتی (٦) وہ شخص جسے کوئی جاہ و منصب والی جمال وصورت والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (٧) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں بہہ نکلیں۔

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ غُلَامَانِ لِلْمَلِكِ اَحَدُهُمَا سَاقِيْهِ وَالْاٰخَرُ صَاحِبُ طَعَامِهٖ فَرَاٰيَاهُ يُعَبِّرُ الرُّؤْيَا فَقَالَا لَنَخْتَبِرَنَّهٗ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ السَّاقِيْ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ اَيْ عِنَبًا وَ قَالَ الْاٰخَرُ صَاحِبُ الطَّعَامِ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا خَبِّرْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ بِتَعْبِيْرِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَلْهَمَا مُخْبِرًا اَنَّهٗ عَالِمٌ بِتَعْبِيْرِ الرُّؤْيَا لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ فِيْ مَنَامِكُمَا اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ فِي الْيَقْظَةِ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ تَاوِيْلُهٗ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ فِيْهِ حَثٌّ عَلٰى اِيْمَانِهِمَا ثُمَّ قَوَّاهُ بِقَوْلِهٖ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ تَاكِيْدٌ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ ؕ لِعِصْمَتِنَا ذٰلِكَ التَّوْحِيْدُ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْكُفَّارُ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَللّٰهَ فَيُشْرِكُوْنَ ثُمَّ صَرَّحَ بِدُعَائِهِمَا اِلَى الْاِيْمَانِ فَقَالَ يٰصَاحِبَيِ سَاكِنَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿ؕ۳۹﴾ خَبَرٌ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَيْ غَيْرِهٖ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ سَمَّيْتُمْ بِهَا اَصْنَامًا اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا بِعِبَادَتِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ اِنِ مَا الْحُكْمُ الْقَضَاءُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ وَحْدَهٗ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ التَّوْحِيْدُ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْكُفَّارُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُوْنَ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا اَيِ السَّاقِيْ فَيُخْرِجُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ سَيِّدَهٗ خَمْرًا ۚ عَلٰى عَادَتِهٖ هٰذَا تَاوِيْلُ رُؤْيَاهُ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُخْرِجُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ هٰذَا تَاوِيْلُ رُؤْيَاهُ فَقَالَا مَا رَاَيْنَا شَيْئًا فَقَالَ قُضِيَ ثُمَّ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿ؕ۴۱﴾ عَنْهُ سَاَلْتُمَا صَدَقْتُمَا اَمْ

كَذَبْتُمَا وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَیْقَنَ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا وَهُوَ السَّاقِیْ اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ سَیِّدِكَ فَقُلْ لَهٗ اِنَّ فِی السِّجْنِ غُلَامًا مَحْبُوْسًا ظُلْمًا فَخَرَجَ فَاَنْسٰىهُ اَیِ السَّاقِیَ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ یُوْسُفَ عِنْدَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ مَكَثَ یُوْسُفُ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾

ع ۱۵

ترجمہ: اوراس کے ساتھ دوغلام اور بھی قید خانہ میں داخل ہوئے (بادشاہ کے دوغلام ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا اس کا باورچی ان دونوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ خواب کی تعبیر دیتے ہیں تو کہنے لگے کہ ہم بھی ذرا اس کو آزما کر دیکھیں گے) ان میں سے ایک (ساقی) بولا میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ شراب (انگور) نچوڑتا ہوں دوسرے (کھانے کے منتظم) نے کہا مجھے ایسا دکھائی دیا کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندا سے کھا رہے ہیں ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے آپ ہمیں بھلے آدمی دکھائی دیتے ہیں یوسف نے (ان دونوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ وہ خواب کی تعبیر سے واقف کار ہیں) کہا تمہارا کھانا جو تمہیں (خواب میں) کھانے کے لئے ملا تھا میں تمہیں اس کی حقیقت بتلا دوں گا (بیداری کی حالت میں) اس تعبیر کے ظاہر ہونے سے پہلے یہ علم ہے کہ سکھایا مجھ کو میرے رب نے (اس کلام میں ان باتوں کے ماننے کی ترغیب ہے آگے اس کی تائید کے لئے ارشاد ہے) میں نے ان لوگوں کا طریقہ (اپنی قوم کا مذہب) چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں میں نے اپنے باپ دادوں یعنی براہیم، اسحاق، یعقوب کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور ہم ایسا نہیں کر سکتے (ہمارے لئے زیبا نہیں) کہ کس چیز (من زائدہ ہے) کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں (معصوم ہونے کی وجہ سے) یہ (توحید) ہم پر اور سب لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (کفار) احسان نہیں مانتے اللہ کا، شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر واضح انداز میں ان دونوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا اے قید خانہ کے ساتھیو! بھلا کوئی معبود جدا جدا بہتر ہے یا اللہ اکیلا زبردست) وہ اچھا ہے یہ استفہام اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ہے "استفہام تقریری" تم تو اللہ کو چھوڑ کر ایسے ناموں کی پوجا کرتے ہو (جنہیں تم بت کہتے ہو) جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی (عبادت کی) کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری حکم (فیصلہ) تو (تنہا) اللہ ہی کے لئے ہے اس نے فرمادیا کہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی کی نہ کرو یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ (کفار) نہیں جانتے (کہ انہیں کیسا عذاب ہوگا اس لئے وہ شرک میں لگے رہتے ہیں) اے قید خانہ کے ساتھیو! تم میں سے ایک آدمی (یعنی ساقی تین روز بعد اس قید خانہ سے رہا ہوگا) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اپنی عادت کے مطابق یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے) اور وہ دوسرا تین روز بعد رہا ہو کر سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور پرندے اس کا سرنوچیں گے یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے دونوں کہنے لگے کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں فرمایا) جس بات کے متعلق تم سوال کر رہے ہو (خواہ تم نے سچ پوچھا یا جھوٹ) وہ اسی طرح مقدر (طے) ہو چکا ہے اور یوسف نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا (ساقی) اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (اور اس سے کہنا کہ جیل خانہ کے اندر ایک قیدی کو ظلم سے گرفتار کر رکھا ہے لیکن جب ساقی رہا ہوا تو شیطان نے اس (ساقی) کو یوسف کا تذکرہ اپنے آقا کے سامنے کرنا بھلا دیا پس یوسف کئی برس (سات سال یا بارہ سال) قید خانہ میں رہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: فَرَاٰیَاہُ: ان دونوں نے آپ کو خواب کی تعبیر کرتے پایا۔

قولہ: عِنَبًا: یہ مجاز ہے کیونکہ اسی انگور کے نچوڑ سے شراب بنتی ہے۔

قولہ: مُخْبِرًا: یہ قول اس بات کی وضاحت کے لئے فرمایا کہ مجھے تعبیر کا علم ہے۔

قولہ: فِیْ مَنَا مِکُمَا: اس سے مراد قید میں ملنے والا طعام نہیں۔

قولہ: ذٰلِکُمَا: اس سے تعبیر خواب کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: اَلتَّوْحِیْدُ: ذٰلِکَ کو ھذا کی جگہ مشار الیہ توحید کی عظمت شان کی وجہ سے لائے۔

قولہ: سَاکِنِیْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ قید کی طرف اضافت مجازی ہے جیسے یا سارق اللیلہ کہتے ہیں۔

قولہ: خَبَرٌ: اس سے اشارہ ہے اس کا مبتداء ہو یا لفظ اللہ، محذوف ہے۔

قولہ: اِسْتِفْهَامُ تَقْرِیْرٍ: اس کو صورت استفہام لائے تا کہ وہ طبعی تنفر میں مبتلا نہ ہوں۔

قولہ: سَیِّدِکَ: رب سے مراد خالق نہیں بلکہ مربی ہے۔

قولہ:: یعنی وہ بات جس کی طرف تمہارا معاملہ لوٹے گا۔ وہ ایک کی ہلاکت اور دوسرے کی نجات ہے۔

قولہ:: یقین سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ یوسف علیہ السلام نے وحی سے یہ تعبیر بتلائی تھی جو قطعی و یقینی ہے۔

قولہ: یُوْسُفَ عِنْدَ رَبِّہٖ: مصدر کی اضافت رب کی طرف ادنی ملابست کی وجہ سے ہے۔

تفسیر مقبولین

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ....

جیل میں دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور یوسف علیہ السلام سے تعبیر دینے کی درخواست کرنا:

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا عزیز مصر کے مشورہ دینے والوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جیل میں بھجوا دیا۔ اسی موقع پر دو جوان بھی جیل میں داخل ہوئے تھے اور ان کے علاوہ پہلے سے بھی قیدی موجود تھے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے عبادت گزار تھے خوش اخلاق تھے قیدیوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے تھے صالحین کے چہرے پر تو نور ہوتا ہی ہے پھر یہاں تو نور نبوت بھی تھا اور ظاہری حسن و جمال بھی بے مثال تھا قیدی لوگ دلدادہ ہو گئے یہاں تک کہ جیلر بھی بہت زیادہ متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر میں خود مختار ہوتا تو آپ کو جیل سے رہا کر دیتا ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو اچھے طریقے پر رکھوں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دوں۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۴۲۶ ج ۲)

یہ دو جوان جو نئے نئے انہیں دنوں جیل میں داخل ہوئے تھے ان کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مصر کے کچھ لوگوں نے بادشاہ کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا تھا ان لوگوں نے ان دونوں کو استعمال کرنا چاہا ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا جو اسے پینے کی چیزیں پلایا کرتا تھا اور دوسرا خباز یعنی روٹی تیار کرنے والا تھا' منصوبہ بنانے والوں نے ان دونوں سے کہا کہ تم کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملا کر بادشاہ کو کھلا پلا دو' پہلے تو دونوں نے بات قبول کر لی کیونکہ رشوت کی پیش کش کی گئی تھی پھر ساقی تو منکر ہو گیا اور خباز نے رشوت قبول کر لی اور کھانے میں زہر ملا دیا' جب بادشاہ کھانے بیٹھا تو ساقی نے کہا کہ آپ کھانا نہ کھائیے کیونکہ اس میں زہر ہے اور خباز نے کہا آپ پینے کی کوئی چیز نہ پیجئے کیونکہ اس میں زہر ہے' بادشاہ نے ساقی سے کہا کہ تو یہ جو کچھ میرے پلانے کے لیے لایا ہے اس میں سے پی لے اس نے پی لیا تو کوئی نقصان نہ ہوا پھر بادشاہ نے خباز کو کہا کہ تو اس کھانے میں سے کھالے وہ انکاری ہو گیا پھر وہ کھانا ایک جانور کو کھلایا گیا وہ جانور کھا کر ہلاک ہو گیا بادشاہ نے ساقی اور خباز دونوں کو جیل بھجوا دیا (بھیجنا تو چاہئے تھا صرف خباز کو لیکن تحقیق و تفتیش کی ضرورت سے ساقی کو بھی بھیج دیا) ان دونوں کو فکر پڑی ہوئی تھی کہ دیکھو کیا ہوتا ہے ہماری رہائی ہوتی ہے یا جان جاتی ہے اسی اثناء میں ان میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ وہ انگور سے شیرہ نچوڑ رہا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے (یہ خواب دیکھنے والا بادشاہ کا ساقی تھا) اور دوسرے یعنی (خباز) نے یہ خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہے اور ان روٹیوں میں سے پرندے کھاتے جا رہے ہیں' دونوں نے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب پیش کیا اور تعبیر دینے کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ آپ ہمیں اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں اندازہ یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعبیر درست ہوگی' حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی تعبیر بتانے کا اقرار فرما لیا لیکن پہلے توحید کی تبلیغ فرمائی۔ (من معالم التنزیل)

تعبیر دینے سے پہلے یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور توحید کی دعوت دینا:

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے جب دونوں جوانوں نے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو ان سے فرمایا کہ میں کھانا آنے سے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا لیکن اس سے پہلے تم مجھے پہچانو کہ میں کون ہوں' عالم مبلغ اور داعی کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے دعوت کے کام کے لیے طریقے سوچتا رہے اور راستہ نکالے اور ایسے موقع پر تو خاص طور پر موقع نکل آتا ہے جب کسی بے راہ کو مبلغ اور داعی کی ضرورت پڑ جائے' جب وہ اپنی حاجت لے کر آئے تو اس کو غنیمت جانے اور پہلے اپنی دعوت حق والی بات کہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی پر عمل کیا اور موقع مناسب جان کر توحید کی تبلیغ فرما دی' بظاہر تو یہ خطاب ان دونوں شخصوں کے لیے تھا جنہوں نے تعبیر پوچھی تھی لیکن حقیقت میں جیل کے تمام افراد کو توحید کی دعوت دینے کا راستہ نکل آیا' کیونکہ ان دو شخصوں سے جو بات فرمائی وہ دوسرے قیدیوں بلکہ جیل کے عملہ سے چھپنے والی نہیں تھی اسی لیے خطاب میں سمیتم بصیغہ جمع فرمایا سمیتما بصیغہ تثنیہ نہیں فرمایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اول تو اپنا تعارف کرایا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کو نہیں مانتے اور آخرت کے منکر ہیں بلکہ میں اپنے باپ یعقوب اور دادا اسحق و ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہوں جو موحد تھے اور توحید کے داعی تھے اور شرک سے بہت دور تھے اور ساتھ ہی شرک کی برائی عقلی طور پر بھی بیان فرمائی کہ ہمیں یہ کسی طرح سے زیب نہیں دیتا کہ

اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو اللہ کا شریک بنائیں، جب اللہ نے پیدا کیا اور وہی رازق اور مالک ہے اور تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے تو پھر یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے، مزید فرمایا کہ یہ جو اللہ نے ہمیں عقیدہ توحید کی نعمت سے نوازا ہے اور جو کچھ علم عطا فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے اور ہم پر ہی نہیں ان سب لوگوں پر بھی اس کا فضل ہے جو ہماری بات مانیں اور ہماری طرح موحد ہو جائیں اور ہمارے ساتھ توحید کی دعوت دینے میں شریک ہو جائیں، ہر وہ شخص جسے اللہ نے کوئی بھی نعمت عطا فرمائی ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شرک کی مزید قباحت اور مذمت بیان کرتے ہوئے خود انہی پر ایک سوال ڈال دیا اور عقلی طور پر انہیں فکر مند بنا دیا تاکہ وہ غور کریں کہ ہم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم نے بہت سے معبود جدا جدا تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبود حقیقی وحدہ لاشریک ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے؟ ایک ایک کے سامنے ماتھا ٹیکے پھر سونے کے بت کو بھی سجدہ کرو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی ڈنڈوت کرو یہ کیا سمجھ داری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں پھر ان کی عبادت سراپا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کرنا لازم ہے میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔

مزید فرمایا کہ تمہارے جو معبود ہیں یہ صرف نام ہی نام ہیں ان کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں ہے ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کئے اور خود ہی ان کو معبود بنا لیا ہے انہیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے ہر فیصلہ وہی معتبر ہے جو اس کی طرف سے ہو اس نے تو ان چیزوں کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یہ جو کچھ غیر اللہ کی عبادت ہے سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں اور باطل تخیلات ہیں اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے وہ اپنی جہالت سے شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ....

تعبیر خواب:

یہاں تک یوسف علیہ السلام کی نصیحت اور اثبات نبوت اور دعوت توحید کا بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی اور توحید کی دعوت دی اب آگے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ اے میرے دونوں قید خانہ کے ساتھیو تم دونوں کے خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں ایک تو یعنی ساقی اپنے آقا کو بدستور شراب پلایا کریگا یعنی وہ جرم سے بری ہو جائے گا اور پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو جائیگا اور دوسرا یعنی نانبائی مجرم قرار پا کر سولی دیا جائیگا پھر پرندے اس کے سر سے گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ تعبیر سنی تو کہا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا ہم تو دل لگی کرتے تھے یوسف علیہ السلام نے فرمایا فیصل ہو چکا وہ امر جس میں تم فتویٰ پوچھتے تھے کہ خواہ تم نے دیکھا یا نہیں دیکھا اب تو یونہی ہوگا جو اللہ کے نبی نے کہہ دیا یہ حکم قضاء قدر ہے جو کسی حیلہ و بہانہ سے بدل اور ٹل نہیں سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا مقدمہ میں ایک بری ثابت ہوا اور دوسرا مجرم دونوں کو جیل

خانہ سے بلایا گیا اور جب وہ جیل خانہ سے جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں میں سے فقط اس شخص سے جس کے حق میں ان کو گمان تھا کہ رہائی پائے گا یعنی ساقی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا یعنی بادشاہ سے میری بیگناہی کا حال ذکر کرنا اور کہنا کہ ایک بے گناہ عرصہ سے جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

بگوہست اندراں زنداں غریبے۔ زعدل شاہ دوراں بے نصیبے

اس نے وعدہ کرلیا۔ پھر جب ساقی اپنے عہدہ پر بحال ہوگیا تو شیطان نے اس کو اپنے آقا کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا جب ساقی کو شاہی تقرب حاصل ہوگیا تو جیل خانہ کے وعدہ کو بھول گیا۔ حق جل شانہ کو یوسف علیہ السلام صدیق کا اس طرح درخواست کرنا ناپسند ہوا اس لیے شیطان کو ساقی کی یاد پر مسلط کردیا کہ مدت تک اس کو یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا یاد نہ آیا پس اس وجہ سے یوسف علیہ السلام اور چند سال قید خانہ میں رہے کہ صدیق کے شایان شان نہ تھا کہ وہ رہائی کے ایک ظاہری سبب پر نظر رکھے۔ اس کو تو چاہئے تھا کہ ہمہ تن مسبب الاسباب پر نظر رکھتا اس کے بعد سات برس اور قید میں رہے اور اول و آخر مل کر بارہ برس تک رہے اس طویل خلوت سے مقام تفویض و توکل کی تکمیل ہوگئی مخلوق سے دفع ضرر کی درخواست کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر انبیاء اور صدیقین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی مدد پر نظر رکھیں۔

قِيلَ سَبْعًا وَقِيلَ اِثْنَى عَشَرَ وَقَالَ الْمَلِكُ مَلِكُ مِصْرَ الرَّيَانُ بْنُ الْوَلِيْدِ اِنِّيْٓ اَرٰى اَىْ رَأَيْتُ سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ يَبْتَلِعُهُنَّ سَبْعٌ مِنَ الْبَقَرِ عِجَافٌ جَمْعُ عَجْفَاءَ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ اَىْ سَبْعَ سُنْبُلَاتٍ يٰبِسٰتٍ قَدِ الْتَوَتْ عَلَى الْخُضْرِ وَعَلَتْ عَلَيْهَا يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ بَيِّنُوْا لِيْ فِيْ تَعْبِيْرِهَا اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ (۴۳) فَعَبِّرُوْهَا قَالُوْٓا هٰذِهٖ اَضْغَاثُ اَخْلَاطُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ (۴۴) وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا اَىْ مِنَ الْفَتَيَيْنِ وَهُوَ السَّاقِيْ وَادَّكَرَ فِيْهِ اِبْدَالُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ دَالًا وَاِدْغَامُهَا فِي الدَّالِ اَىْ تَذَكَّرَ بَعْدَ اُمَّةٍ حِيْنَ حَالَ يُوْسُفَ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ (۴۵) فَاَرْسَلُوْهُ اِلَيْهِ فَاَتٰى يُوْسُفَ فَقَالَ يَا يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ الْكَثِيْرُ الصِّدْقِ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ اَىِ الْمَلِكِ وَاَصْحَابِهٖ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۴۶) تَعْبِيْرَهَا قَالَ تَزْرَعُوْنَ اَىْ اِزْرَعُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا بِسُكُوْنِ الْهَمْزَةِ وَفَتْحِهَا مُتَتَابِعَةً وَهِيَ تَاْوِيْلُ السَّبْعِ السِّمَانِ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ اُتْرُكُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖ لِئَلَّا يَفْسُدَ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ (۴۷) فَادْرُسُوْهُ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اَيِ السَّبْعِ الْمُخْصِبَاتِ سَبْعٌ

شِدَادٌ مُجْدِبَاتٌ صِعَابٌ وَهِيَ تَاوِيْلُ السَّبْعِ الْعِجَافِ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ مِنَ الْحَبِّ الْمَزْرُوْعِ فِي السِّنِيْنَ الْمُخْصِبَاتِ اَيْ تَاكُلُوْنَهُ فِيْهِنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ تَدَّخِرُوْنَ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اَيِ السَّبْعِ الْمُجْدِبَاتِ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ بِالْمَطَرِ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ الْاَعْنَابَ وَغَيْرَهَا لِخَصْبِهٖ ع ۶/۱۲

ترجمہ: اور پھر ایسا ہوا کہ (مصر کے) بادشاہ (ریان بن ولید) نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں (یعنی میں نے خواب میں دیکھا) کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی جنہیں نگل رہی ہیں (کھا رہی ہیں) سات دبلی گائیں (عجاف عجفاء کی جمع ہے) اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری (سات بالیں) سوکھی ہیں (جو ہری بالوں پر لپٹی جا رہی ہیں اور ان پر چھا گئی ہیں) اے دربار والو! بتاؤ مجھے میرے خواب کے بارے میں (تعبیر دو) اگر تم خواب کی تعبیر دینے والے ہو (تو اس کی تعبیر بتاؤ) درباری بولے یہ (باتیں) خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں اور جس آدمی نے دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی (یعنی دونوں جوانوں میں سے ساقی) اسے یاد آیا (اصل میں تاء دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغال ہے یعنی تذکر) مدت کے بعد عرصہ کے بعد یوسف کا حال کہنے لگا میں اس خواب کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے کی اجازت دیجئے (چنانچہ درباریوں نے اسے بھیج دیا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کیا) اے یوسف! اے سراپا صداقت! (بہت زیادہ سچا) اس خواب کا ہمیں حل بتا دیجئے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی ہیں تا کہ میں ان لوگوں (بادشاہوں اور درباریوں) کے پاس واپس جا سکوں تا کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے (اس خواب کی تعبیر) بولے تم کھیتی کرتے رہو گے (غلہ بونا) سات برس تک جم کر (ہمزہ کے سکون اور فتحہ کے ساتھ یہ لفظ پڑھا گیا ہے یعنی لگا تار یہی مطلب ہے موٹی گائیوں کا) پھر جو فصل کاٹو اسے بالوں ہی میں رہنے دینا (تا کہ گھن نہ لگ جائے) مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ (اسے کھا لیا کرو) پھر اس کے بعد (یعنی سرسبزی کے سات سالوں کے بعد) سات برس بڑی سختی کے (قحط سالی کے انتہائی سخت سال) دبلی گائیوں کا مطلب یہی ہے کھا جائیں گے جو رکھا تم نے ان کے واسطے (پیداوار کے سالوں میں بوئے ہوئے غلہ کے دانوں میں سے یعنی ان خشک سالی کے دنوں میں کھا لو گے) مگر تھوڑا سا جو تم بچا کر رکھ لو گے بیج کے واسطے (ذخیرہ کر کے رکھ لو گے) پھر اس کے بعد (خشکی کے سات برسوں کے بعد) ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب مینہ برسے گا (خوب بارش ہوگی) اور اس میں رس نچوڑیں گے (انگور وغیرہ کا زمین کے سیراب و شاداب ہونے کی وجہ سے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: رَاَيْتُ: مضارع کو ماضی کے حال کی حکایت کے لئے لایا گیا۔

قوله: قَدِ الْتَوَتْ: اس نے اس کی حالت کے بیان سے بے پروائی اختیار کرتے ہوئے بقرات کے حال کو بیان

کرنے پر اکتفاء کیا۔

قوله: فَعَبِّرُوْهَا: یہ شرط کی جزاء ہے۔

قوله: اِخْلَاط: باطل باتیں، حدیث نفس یا وساوس شیطانی اضغاث۔ ملی جلی نباتات کا مٹھا۔ یہاں مبالغہ کیلئے جمع لائے۔

قوله: حِیْنَ: امت سے لوگوں کی جماعت مراد نہیں بلکہ زمانے کے لوگ مراد ہیں۔

قوله: یُوْسُفَ: یہ اذکر کا مفعول ہے۔

قوله: الصِّدِّیْقُ اَلْکَثِیْرُ: کیونکہ آپ کا صدق معروف عام تھا۔

قوله: اِزْرَعُوْا: یہ خبر ہے جو امر کے معنی میں ہے۔ اس کی دلیل فَذَرُوْہُ ہے۔

قوله: مُتَتَابِعَةً: اس سے اشارہ کیا کہ دأبا مشتق سفین سے حال۔

قوله: السَّبْعُ الْمُخْصِبَاتُ: سات گزرے ہوئے سال۔

قوله: مُجْدِبَاتٌ: جدب وقحط کی ضد خصب ہے۔

قوله: تَاکُلُوْنَہٗ: یہ اسناد مجازی ہے کیونکہ سال کھانے کی تو چیز نہیں۔

قوله: بِالْمَطَرِ: یہ یغاث غیث سے ہے غوث سے نہیں اسی وجہ سے بارش سے تفسیر کی۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ....

شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں یوسف علیہ السلام تک رسائی:

قدرت الٰہی نے یہ مقرر رکھا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے بعزت واکرام پاکیزگی برات اور عصمت کے ساتھ نکلیں۔ اس کے لیے قدرت نے یہ سبب بنایا کہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے بھونچکا سا ہو گیا۔ دربار منعقد کیا اور تمام امراء، رؤسا، کاہن، منجم اور علماء کو خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں کو جمع کیا۔ اور اپنا خواب بیان کر کے ان سب سے تعبیر دریافت کی۔ لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اور سب نے لاچار ہو کر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ کوئی باقاعدہ لائق تعبیر سچا خواب نہیں جس کی تعبیر ہو سکے۔ یہ تو یونہی پریشان خواب مخلوط خیالات اور فضول توہمات کا خاکہ ہے۔ اس کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔ اس وقت شاہی ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ وہ تعبیر خواب کے پورے ماہر ہیں۔ اس علم میں ان کو کافی مہارت ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل خانہ بھگت رہا تھا یہ بھی اور اس کا ایک اور ساتھی بھی۔ اسی سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر بھی کرنا۔ لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا تھا۔ آج مدت مدید کے بعد اسے یاد آ گیا اور اس نے سب کے سامنے کہا کہ اگر آپ کو اس کی تعبیر سننے کا شوق ہے اور وہ بھی صحیح تعبیر تو مجھے اجازت دو۔ یوسف صدیق علیہ السلام جو قید خانے میں ہیں

ان کے پاس جاؤں اور ان سے دریافت کرآؤں۔آپ نے اسے منظور کیا اور اسے اللہ کے محترم نبی (ﷺ) کے پاس بھیجا۔ اُمَّۃٍ کی دوسری قراءت امتہ بھی ہے۔اس کے معنی بھول کے ہیں۔یعنی بھول جانے کے بعد اسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان یاد آیا۔دربار سے اجازت لے کر یہ چلا۔قید خانے پہنچ کر اللہ کے نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی علیہ السلام سے کہا کہ اے نرے سچے یوسف علیہ السلام بادشاہ نے اس طرح کا ایک خواب دیکھا ہے۔اسے تعبیر کا اشتیاق ہے۔تمام دربار بھرا ہوا ہے۔سب کی نگاہیں لگیں ہوئی ہیں۔آپ مجھے تعبیر بتلادیں تو میں جا کر انہیں سناؤں اور سب معلوم کرلیں۔آپ نے نہ تو اسے کوئی ملامت کی کہ تو اب تک مجھے بھولے رہا۔باوجود میرے کہنے کے تو نے آج تک بادشاہ سے میرا ذکر بھی نہ کیا۔نہ اس امر کی درخواست کی کہ مجھے جیل خانے سے آزاد کیا جائے بلکہ بغیر کسی تمنا کے اظہار کے بغیر کسی الزام دینے کے خواب کی پوری تعبیر سنادی اور ساتھ ہی تدبیر بھی بتادی۔

فرمایا کہ سات فربہ گایوں سے مراد یہ ہے کہ سات سال تک برابر حاجت کے مطابق بارش برستی رہے گی۔خوب ترسالی ہوگی۔غلہ کھیت باغات خوب پھلیں گے۔یہی مراد سات ہری بالیوں سے ہے۔گائیں بیل ہی ہلوں میں جتتے ہیں ان سے زمین پرکھیتی کی جاتی ہے۔اب ترکیب بھی بتلادی کہ ان سات برسوں میں جو اناج غلہ نکلے۔اسے بطور ذخیرے کے جمع کرلینا اور رکھنا بھی بالوں اور خوشوں سمیت تاکہ سڑے گلے نہیں خراب نہ ہو۔ہاں اپنی کھانے کی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لینا۔ لیکن خیال رہے کہ ذرا سا بھی زیادہ نہ لیا جائے صرف حاجت کے مطابق ہی نکالا جائے۔ان سات برسوں کے گزرتے ہی اب جو قحط سالیاں شروع ہوں گی وہ برابر سات سال تک متواتر رہیں گی۔نہ بارش برسے گی نہ پیداوار ہوگی۔یہی مراد ہے سات دبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے ہے کہ ان سات برسوں میں وہ جمع شدہ ذخیرہ تم کھاتے پیتے رہو گے۔یاد رکھنا ان میں کوئی غلہ کھیتی نہ ہوگی۔وہ جمع کردہ ذخیرہ ہی کام آئے گا۔تم دانے بوؤ گے لیکن پیداوار کچھ بھی نہ ہوگی۔آپ نے خواب کی پوری تعبیر دے کر ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنادی کہ ان سات خشک سالیوں کے بعد جو سال آئے گا وہ بڑی برکتوں والا ہوگا۔خوب بارشیں برسیں گی خوب غلے اور کھیتیاں ہوں گی۔ریل پیل ہوجائے گی اور تنگی دور ہوجائے گی اور لوگ حسب عادت زیتون وغیرہ کا تیل نکالیں گے اور حسب عادت انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔اور جانوروں کے تھن دودھ سے لبریز ہوجائیں گے کہ خوب دودھ نکالیں پئیں۔(تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ الْمَلِكُ لَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ وَاَخْبَرَهُ بِتَاوِيْلِهَا ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ اَيْ بِالَّذِيْ عَبَّرَهَا فَلَمَّا جَآءَهُ اَيْ يُوْسُفَ الرَّسُوْلُ وَطَلَبَهُ لِلْخُرُوْجِ قَالَ قَاصِدًا اِظْهَارَ بَرَائَتِهٖ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ اَنْ يَّسْاَلَ مَا بَالُ حَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ سَيِّدِيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ فَرَجَعَ فَاَخْبَرَ الْمَلِكَ فَجَمَعَهُنَّ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ شَانُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ هَلْ وَجَدْتُّنَّ مِنْهُ مَيْلًا اِلَيْكُنَّ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ وَضَحَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فِيْ قَوْلِهٖ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ فَاَخْبَرَ يُوْسُفُ بِذٰلِكَ فَقَالَ ذٰلِكَ اَيْ طَلَبَ الْبَرَائَةِ لِيَعْلَمَ

الْعَزِيْزُ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ فِيْ اَهْلِهٖ بِالْغَيْبِ حَالٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: بادشاہ نے کہا جب قاصد واپس لوٹا اور اس کے خواب کی تعبیر بتائی) اس کو میرے پاس لے آؤ (یعنی اس شخص کو جس نے خواب کی تعبیر بتائی) پھر جب قاصد اس (یوسف) کے پاس آیا (اور اس سے چلنے کے لئے کہا) تو بولا، قاصد سے اظہار براءت کرتے ہوئے) لوٹ جا اپنے آقا کے پاس اور پوچھ اس سے (کہ وہ دریافت کریں کہ) ان عورتوں کی کیا حقیقت ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے) چنانچہ قاصد لوٹا اور بادشاہ کو یہ پیغام سنایا جس کی وجہ سے بادشاہ نے عورتوں کو جمع کیا) بادشاہ نے عورتوں کو کہا کہ کیا حقیقت ہے تمہاری، جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کرلو (تو کیا تم نے اسے اپنی طرف مائل پایا تھا؟) وہ بولیں حاشاءللہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی، عزیز مصر کی بیوی بولی اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تو اس کو اس کے جی سے بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے (اپنے اس دعوےٰ میں کہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ الخ چنانچہ جب یوسف کو اس کی اطلاع دی گئی تو کہنے لگے) یہ (اپنی براءت محض اس واسطے طلب کی) تاکہ (عزیز مصر کو) معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی چوری نہیں کی (اس کی بیوی کے حق میں (چھپ کر بالغیب حال ہے) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نہیں چلنے دیتا دغا بازوں کا فریب۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: قَاصِدًا اِظْهَارَ بَرَائَتِهٖ: تہمت کے ازالہ کے لئے ایسا اس موقعہ پر کرنا ضروری تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی لاجبت الداعی کہہ کر مدح فرمائی۔

قوله: اَنْ يَّسْاَلَ: گویا اصل کلام یہ فاسالہ ان یسال میں اس سے وطایہ کروں گا وہ ان کے متعلق تفتیش کرلے۔ اَنْ يَّسْاَلَ کو حذف کیا تاکہ بادشاہ کو برانگیختہ کریں۔

قوله: حَالٌ: یہاں بَالٌ شرافت کے معنی میں نہیں بلکہ حالت کے معنی میں ہے۔

قوله: قَالَ: قال کو مقدر مانا تاکہ کلام ماقبل منتظم ہو۔

قوله: اَلْعَزِيْزُ: یہ کہہ کر بتایا اس سے اللہ تعالیٰ مراد نہیں بلکہ مربی عزیز مراد ہے۔

قوله: حَالٌ: یہ اخنہ کے فاعل سے حال ہے۔ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ وانه غائب عنه

قوله: لَا يَهْدِيْ: یہاں لا ینفذ کے معنی میں یعنی چلنے نہیں دیتا۔

قوله: ثم تواضع اللہ: اپنا تذکیہ نہ بنے اس لئے تواضع اور عصمت، توفیق نعمت پر بطور شکر یہ کے کہا۔

تفسیر مقبولین

تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو وزارت سونپنا:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ....

خواب کی تعبیر معلوم کر کے جب قاصد پلٹا اور اس نے بادشاہ کو تمام حقیقت سے مطلع کیا۔ تو بادشاہ کو اپنے خواب کی تعبیر پر یقین آ گیا۔ ساتھ ہی اسے بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے ہی عالم فاضل شخص ہیں۔ خواب کی تعبیر میں تو آپ کو کمال حاصل ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ اخلاق والے حسن تدبیر والے اور خلق اللہ کا نفع چاہنے والے اور محض بے طمع شخص ہیں۔ اب اسے شوق ہوا کہ خود آپ سے ملاقات کرے۔ اسی وقت حکم دیا کہ جاؤ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانے سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ۔ دوبارہ قاصد آپ کے پاس آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا میں یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک کہ شاہ مصر اور اسکے درباری اور اہل مصر یہ نہ معلوم کر لیں کہ میرا قصور کیا تھا؟ عزیز کی بیوی کی نسبت جو بات مجھ سے منسوب کی گئی ہے اس میں سچ کہاں تک ہے اب تک میرا قید خانہ بھگتنا واقعہ کسی حقیقت کی بنا پر تھا؟ یا صرف ظلم و زیادتی کی بناء پر؟ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ وہ اس واقعہ کی پوری تحقیق کریں۔ حدیث شریف میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس صبر کی اور آپ کی اس شرافت و فضیلت کی تعریف آئی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ شک کے حقدار ہم بہ نسبت حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بابت زیادہ ہیں جب کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے ربّ مجھے اپنا مردوں کا زندہ کرنا مع کیفیت دکھا (یعنی جب ہم اللہ کی اس قدرت میں شک نہیں کرتے تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) جلیل القدر پیغمبر کیسے شک کر سکتے تھے؟ پس آپ کی یہ طلب از روئے مزید اطمینان کے تھی نہ کہ از روئے شک۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ میرے اطمینان دل کے لیے ہے۔ اللہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی زور آور جماعت یا مضبوط قلعہ کی پناہ میں آنا چاہنے لگے۔ اور سنو اگر میں یوسف علیہ السلام کے برابر جی خانہ بھگتے ہوئے ہوتا اور پھر قاصد میری رہائی کا پیغام لاتا تو میں تو اسی وقت جیل خانے سے آزادی منظور کر لیتا۔ مسند احمد میں اسی آیت فاضلہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اگر میں ہوتا تو اسی وقت قاصد کی بات مان لیتا اور کوئی عذر تلاش نہ کرتا۔ مسند عبدالرزاق میں ہے آپ فرماتے ہیں واللہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے اللہ اسے بخشے دیکھو تو سہی بادشاہ نے خواب دیکھا ہے وہ تعبیر کے لیے مضطرب ہے قاصد آ کر آپ سے تعبیر پوچھتا ہے آپ فوراً بغیر کسی شرط کے بتا دیتے ہیں۔ اگر میں ہوتا تو جب تک جیل خانے سے اپنی رہائی نہ کرا لیتا ہرگز نہ بتلاتا۔ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اللہ انہیں بخشے کہ جب ان کے پاس قاصد ان کی رہائی کا پیغام لے کر پہنچتا ہے تو آپ فرماتے ہیں ابھی نہیں جب تک کہ میری پاکیزگی، پاک دامنی اور بے قصوری سب پر تحقیق سے کھل نہ جائے۔ اگر میں انکی جگہ ہوتا تو میں تو دوڑ کر دروازے پر پہنچتا یہ روایت مرسل ہے۔

اب بادشاہ نے تحقیق کرنی شروع کی ان عورتیں کو جنہیں عزیز کی بیوی نے اپنے ہاں دعوت پر جمع کیا تھا اور خود اسے بھی
دربار میں بلوایا۔ پھر ان تمام عورتوں سے پوچھا کہ ضیافت والے دن کیا گزری تھی؟ سب بیان کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ
ماشاءاللہ یوسف پر کوئی الزام نہیں اس پر بے سروپا تہمت ہے۔ واللہ ہم خوب جانتی ہیں کہ یوسف میں کوئی بدی نہیں اس وقت
عزیز کی بیوی خود بھی بول اٹھی کہ اب حق ظاہر ہو گیا واقعہ کھل گیا۔ حقیقت نکھر آئی مجھے خود اس امر کا اقرار ہے۔ کہ واقعی میں نے
ہی اسے پھنسانا چاہا تھا۔ اس نے جو بروقت کہا تھا کہ یہ عورت مجھے پھسلا رہی تھی اس میں وہ بالکل سچا ہے۔
میں اس کا اقرار کرتی ہوں اور اپنا قصور آپ بیان کرتی ہوں تاکہ میرے خاوند یہ بات بھی جان لیں کہ میں نے اس کی
کوئی خیانت دراصل نہیں کی۔ یوسف کی پاکدامنی کی وجہ سے کوئی شر اور برائی مجھ سے ظہور میں نہیں آئی۔ بدکاری سے اللہ تعالیٰ
نے مجھے بچائے رکھا۔ میرے اس اقرار سے اور واقعہ کے کھل جانے سے صاف ظاہر ہے اور میرے خاوند جان سکتے ہیں کہ
میں برائی میں مبتلا نہیں ہوئی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ خیانت کرنے والوں کی مکاریوں کو اللہ تعالیٰ فروغ نہیں دیتا۔ ان کی دغابازی
کوئی پھل نہیں لاتی۔

ثُمَّ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ فَقَالَ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ مِنَ الزَّلَلِ اِنَّ النَّفْسَ الْجِنْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ كَثِيْرَةُ الْاَمْرِ بِالسُّوْٓءِ
اِلَّا مَا مَا بِمَعْنٰى مَنْ رَحِمَ رَبِّیْ ؕ فَعَصِمَهٗ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ
لِنَفْسِیْ ۚ اَجْعَلْهُ خَالِصًا لِیْ دُوْنَ شَرِيْكٍ فَجَاءَهُ الرَّسُوْلُ وَقَالَ اَجِبِ الْمَلِكَ فَقَامَ وَوَدَّعَ اَهْلَ السِّجْنِ
وَدَعَا لَهُمْ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَلَبِسَ ثِيَابًا حِسَانًا وَدَخَلَ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ لَه اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ
اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ ذُوْ مَكَانَةٍ وَاَمَانَةٍ عَلٰى اَمْرِنَا فَمَا ذَا تَرٰى اَنْ نَفْعَلَ قَالَ اجْمَعِ الطَّعَامَ وَازْرَعْ زَرْعًا كَثِيْرًا فِیْ هٰذِهِ
السِّنِيْنَ الْمُخْصِبَةِ وَادَّخِرِ الطَّعَامَ فِیْ سُنْبُلِهٖ فَيَاْتِیْ اِلَيْكَ الْخَلْقُ لِيَمْتَارُوْا مِنْكَ فَقَالَ مَنْ لِیْ بِهٰذَا قَالَ
یُوْسُفُ اجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اَرْضِ مِصْرَ اِنِّیْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ ذُوْ حِفْظٍ وَعِلْمٍ بِاَمْرِهَا وَقِيْلَ
كَاتِبٌ وَحَاسِبٌ وَكَذٰلِكَ كَاِنْعَامِنَا عَلَيْهِ بِالْخَلَاصِ مِنَ السِّجْنِ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ اَرْضِ
مِصْرَ يَتَبَوَّاُ يَنْزِلُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ بَعْدَ الضِّيْقِ وَالْحَبْسِ وَفِی الْقِصَّةِ اَنَّ الْمَلِكَ تَوَّجَهٗ وَخَتَّمَهٗ وَوَلَّاهُ
مَكَانَ الْعَزِيْزِ وَعَزَلَهٗ وَمَاتَ بَعْدُ فَزَوَّجَهٗ اِمْرَاَتَهٗ زُلَيْخَا فَوَجَدَهَا عَذْرَاءَ وَوَلَدَتْ لَهٗ وَلَدَيْنِ وَاَقَامَ الْعَدْلَ
بِمِصْرَ وَدَانَتْ لَهُ الرِّقَابُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ
ع ۸ خَيْرٌ مِنْ اَجْرِ الدُّنْيَا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

ترجمہ: پھر اللہ کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے فرمایا اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو (لغزش سے) بے شک نفس (جنس نفوس) تو سکھلاتا ہے (بہت زیادہ حکم دینے والا) برائی مگر جو (ما بمعنی من ہے) رحم کر دیا میرے رب نے (پس اس کو بچا لیا) بے شک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں (میں اس کو اپنے لئے بطور خاص رکھوں گا بلا شرکت غیرے) قاصد آیا اور کہا کہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کیجئے یوسف علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے، قیدیوں کو الوداع کیا ان کے حق میں دعا کی پھر غسل کیا اور بہترین لباس زیب تن کیا اور بادشاہ کے پاس پہنچ گئے پھر جب بات چیت کی اس سے کہا (یوسف سے) واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر (صاحب مرتبہ، امانتدار ہمارے حکم کے سلسلے میں) تمہاری کیا رائے ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا غلہ جمع کرو اور بارش کے ان سالوں میں خوب کھیتی کرو پھر غلہ کو اس کی بالیوں میں ذخیرہ کر کے رکھو پس لوگ تمہارے پاس غلہ لینے کے لئے آئیں گے بادشاہ بولا یہ کام مجھے کون کر کے دے گا؟ بولے (یوسف) مجھ کو مقرر کر زمین (سرزمین مصر) کے خزانہ پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا (خزانہ کی حفاظت کرنے والا اور خزانہ کے امور سے واقفیت رکھنے والا کہا گیا ہے کہ حساب و کتاب رکھنے والا مراد ہے) اور یوں (جیسے ہم نے جیل سے رہا کر کے انعام کیا) قدرت دی ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ پکڑتا تھا اس میں (رہتا سہتا

تھا) جہاں چاہتا (قید و بند اور تنگی کے بعد) قصۂ یوسف میں ہے کہ بادشاہ نے ان کو اپنا مخصوص بنالیا ان کو شاہی مہر عطا کر دیا ور تخت شاہی پر فائز کیا ان کا خوب اعزاز و اکرام کیا اس کے بعد بادشاہ نے وفات پائی اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، پس یوسف نے اس کو دوشیزہ پایا اور دو لڑکے بھی پیدا ہوئے۔ حضرت یوسفؑ نے مصر میں عدل و انصاف قائم کیا (اور لوگ آپ کے تابع فرمان ہوئے) پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلہ بھلائی والوں کا اور ثواب آخرت کا بہتر ہے (دنیا کے اجر سے) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور رہے پرہیز گاری میں ان کیلئے تو آخرت کا اجر (دنیا کے اجر سے) کہیں زیادہ بہتر ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِمَعْنٰى مَنْ: اشارہ کیا کہ مَا یہاں مَن کے معنی میں ہے جو ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔

قوله: رَحِمَ: اس سے مراد رحمۃ اللہ ہے۔

قوله: فَعَصِمَہ: اس کو یہ اشارہ کرنے کے لئے مقدر مانا کہ رحمت سے عصمت مراد ہے مطلق نہیں تاکہ استثناء متصل درست ہو۔

قوله: اَجْعَلُہ خَالِصًا: استخلاص میں باب صیرورت کے لئے طلب کے لئے نہیں۔

قوله: ذُوْ مَكَانَةٍ: مکین یہ مکانۃ بمعنی مرتبہ ہے مکان سے نہیں۔

قوله: فَقَالَ مَنْ لِیْ بِھٰذَا: یعنی کون شخص ہے جو اس کا ضامن بنے اور میری خاطر کام کر کے غلہ جمع کر لے۔

قوله: اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ: آپ نے یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور عدل گستری کے لئے کیا۔

قوله: عِلْمٍ بِاَمْرِھَا: یعنی اس کے وجوہ تصرف سے واقف ہوں۔

قوله: حَیْثُ یَشَآءُ: اس سے وسعت منزلت مراد ہے۔ ہر جگہ اترنا مراد نہیں بلکہ حکمرانی مراد ہے۔

قوله: دَانَتْ: مطیع ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ....

چونکہ حضرت یوسف نے اپنی براءت پر بہت زیادہ زور دیا۔ ممکن تھا کوئی سطحی آدمی اس سے فخر اور غرور و اعجاب کا شبہ کرنے لگتا اس لیے اپنی نزاہت کی حقیقت کھول دی کہ میں کوئی شیخی نہیں مارتا نہ پاک صاف رہنے میں اپنے نفس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ محض خدا کی رحمت و اعانت ہے جو کسی نفس کو برائی سے روکتی ہے۔ یہ ہی رحمت خصوصی عصمت انبیاء علیہم السلام کی کفیل

وضامن ہے ورنہ نفس انسانی کا کام عموماً برائی کی ترغیب دینا تھا۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق و دستگیری نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا۔ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ سے اشارہ کر دیا، کہ نفس امارہ جب توبہ کر کے لوامہ بن جائے تو خدا اس کی پچھلی تقصیرات معاف فرما دیتا ہے۔ بلکہ رفتہ رفتہ مہربانی سے نفس مطمئنہ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے (تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر وغیرہ نے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝ وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (یوسف) تک زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے یعنی زلیخا نے اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ کا اقرار کر کے کہا کہ اس قرار و اعتراف سے عزیز کو یہ معلوم کرانا ہے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بڑی خیانت نہیں کی۔ بیشک یوسف کو پھسلانا چاہا تھا مگر میری مراودت ان پر کارگر نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اس کا پردہ فاش ہو کر رہتا۔ کیونکہ خدا خائنوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ہاں میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، جتنی غلطی مجھ سے ہوئی اس کا اقرار کر رہی ہوں۔ دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ ان سے تو یوسف جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابو حیان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ لیکن لِيَعْلَمَ اور لَمْ اَخُنْهُ کی ضمیریں بجائے عزیز کے یوسف کی طرف راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لیے کرتی ہوں کہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط بات نہیں کہی نہ اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ ....

بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملہ کی صفائی کے بعد آپ کا بادشاہ کے پاس پہنچنا اور زمین کے خزانوں کا ذمہ دار بننا:

مصر کے بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر سنتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلانے کی فرمائش کر دی تھی اور اس مقصد کے لیے قاصد کو ان کے پاس جیل میں بھیج دیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک جیل سے نکلنا گوارہ نہ فرمایا جب تک عزیز کی بیوی کی لگائی ہوئی تہمت سے براءت نہ ہو جائے۔ اس لیے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا سے کہو کہ معاملہ کی تحقیق کرے اور عورتوں سے پوچھے کہ صحیح صورت حال کیا ہے؟ بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر کر دی عزیز کی بیوی بھی اقراری ہوگئی کہ میرا قصور تھا یوسف کا قصور نہیں تھا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی لہٰذا بادشاہ نے دوبارہ قاصد بھیجا تو اس کے ساتھ تشریف لے آئے بادشاہ نے اول تو خواب کی تعبیر مل جانے کی وجہ سے اور پھر تعبیر میں معیشت کے انتظام کی طرف جو اشارہ فرمایا تھا اس کے جان لینے سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس حوصلے سے کہ میں بات کی صفائی ہونے تک جیل سے نہیں جاؤں گا یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم بھی ہے تعبیر خواب میں ماہر بھی ہے اور متقی اور صالح بھی ہے اور ہمت اور حوصلے والا بھی ہے لہٰذا اسے اپنے پاس بلانا چاہیے اور اپنے مشوروں اور انتظامی امور میں ان کو خاص درجہ دینا چاہیے' اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ میں اسے خالص اپنے ہی لیے مقرر کر لوں گا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے اور بادشاہ مصر سے ملاقات

ہوئی تو آپس میں گفتگو ہونے لگی اس گفتگو سے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اور زیادہ قیمت و وقعت بڑھ گئی اسے جو اپنے خواب کی تعبیر پہنچی تھی اس میں یہ بتایا تھا کہ اول کے سات سال سرسبزی اور شادابی کے ہوں گے اور اس کے بعد والے سات سال ایسے ہوں گے جن میں قحط پڑے گا اس کے لیے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا اول کے سات سالوں میں خوب زیادہ کاشت کرانے اور غلہ اگانے کی طرف توجہ دی جائے اور جو پیداوار ہو اس میں سے بقدر ضرورت ہی کھائیں پئیں اور جو باقی بچے اسے محفوظ رکھیں اور پہلے بتا چکے تھے کہ غلے کو بالوں سے نہ نکالیں اسے انہیں میں رہنے دیں اور اسی طرح اسی کو ذخیرہ بنایا جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قحط صرف تمہارے ہی ملک میں نہیں آس پاس کے دیگر ملکوں میں بھی ہوگا وہاں کے حاجت مند غلہ لینے کے لیے آپ کے پاس آئیں گے ذخیرہ شدہ غلہ سے ان کی مدد بھی کریں اور تھوڑی بہت قیمت بھی ان سے وصول کریں اس طرح سے سرکاری خزانہ میں بھی مال جمع ہو جائے گا اور لوگوں کی مدد بھی ہو جائے گی' شاہ مصر اس مشورہ سے بہت خوش اور مطمئن ہوا لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوال کیا کہ اس منصوبہ پر کیسے عمل ہوگا اور کون اس کے مطابق عمل کر سکے گا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ بلاشبہ میں حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں' چونکہ مالیات کا انتظام کرنے میں ایسی بیدار مغزی کی ضرورت ہے جس سے مال کی حفاظت ہو سکے چور بھی نہ لے سکیں اور نیچے کے لوگ بھی بیجا نہ اڑا سکیں اور بے وقت' بے محل اور بے ضرورت بھی خرچ نہ کیا جائے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں علیم ہوں یعنی حفاظت کے طریقے بھی جانتا ہوں خرچ کرنے کے مواقع سے بھی باخبر ہوں حساب کتاب سے بھی واقف ہوں وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں (یعنی سرزمین مصر میں) بااختیار بنا دیا یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ (وہ اس میں جہاں چاہے اپنا رہنا سہنا کرے) نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ (ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں) اللہ تعالیٰ کی رحمت جسے شامل حال ہو جائے وہ کیسی ہی مصیبت ہو مصیبت میں سے نکل کر اچھے رتبہ پر پہنچ جاتا ہے جب اللہ کی طرف سے کسی کے بلند کرنے کا فیصلہ ہو تو کوئی چیز اسے آڑے نہیں آسکتی اور مانع نہیں بن سکتی۔ وَ لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (اور ہم اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے) محسنین کو دنیا میں بھی نواز دیتے ہیں اور آخرت میں بھی وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے' اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ محسنین کو جو کچھ انعام عطا فرما دے بلاشبہ وہ اپنی جگہ انعام ہے لیکن آخرت کا ثواب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے لیے بہتر ہے' اسی کا طالب رہنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام منتظم مالیات اور منتظم معاشیات تو بنا دیئے گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید کے سیاق سے معلوم ہوا مفسرین نے لکھا ہے کہ دیگر امور سلطنت بھی بادشاہ نے ان کے سپرد کر دیئے تھے اور خود گوشہ نشین ہو گیا تھا۔

یہاں مفسرین کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اصولی بات یہ ہے کہ خود سے عہدہ کا طالب نہ ہونا چاہئے اور جو شخص عہدہ کا طالب ہو اسے عہدہ نہ دیا جائے احادیث شریفہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ امیر بننے کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تیرے سوال کرنے پر امارت تیرے سپرد کر دی گئی تو تو اس

کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو جانے اور وہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری مدد نہ ہوگی) اور اگر تجھے بغیر سوال کے امارت دے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔ (رواہ البخاری)

اور ایک حدیث میں ہے (جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری ہیں) کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ((انا واللہ لا نولی علی ھذا العمل احدا سالہ و لا احدا حرص علیہ)) اللہ کی قسم ہم اپنے کام پر ایسے شخص کو نہیں لگاتے جو اس کا سوال کرے یا اس کی حرص کرے۔ (رواہ البخاری) جب مسئلہ اس طرح سے ہے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے لیے عہدہ کا مطالبہ کیوں فرمایا؟ حضرات علماء کرام نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عامۃ الناس کی خیر خواہی کے لیے عہدہ کا سوال کیا انہیں معلوم تھا کہ سات سال تک ایک زبردست قحط آنے والا ہے۔ جب عام قحط پڑتا ہے تو لوگوں کی بری حالت ہوتی ہے ایک دوسرے پر رحم نہیں کھاتے اپنے بچوں تک کو بیچ کر کھا جاتے ہیں' بادشاہ کافر ہے اس کا عملہ بھی کافر ہے قحط کا سامنا ہے' اس میں بڑے انتظام کی ضرورت ہے کافروں سے امید نہیں جو غریبوں پر رحم کھائیں اور کوئی ایسا شخص سامنے نہیں جو معیشت کا انتظام سنبھال سکے لہٰذا انہوں نے اس خدمت کے لیے اپنی ذات کو پیش کر دیا یہ تو ٹھیک ہے کہ عام حالات میں خود سے عہدہ طلب نہ کیا جائے اور جو عہدہ طلب کرے اسے نہ دیا جائے لیکن جہاں کہیں ایسی صورت پیش آ جائے کہ مبتلیٰ یہ محسوس کرے کہ میرے علاوہ فرائض کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے علم کے ذریعہ میں اس کام کو انجام دیتا رہوں گا تو ایسے شخص کے لیے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ عہدہ کی ذمہ داری خود سنبھال لے اور آگے بڑھ کر لے لے' حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے علم دیا تھا اور انتظام کے لیے جس ہوشمندی کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم موجود تھی اور ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے جس سے انہیں ہر وقت اللہ کی مدد کی امید تھی اور عہدہ پر فائز ہو کر توحید کی اشاعت اور تبلیغ حق کا راستہ کھلنے کا بھی بہت اچھا موقع تھا اس لیے انہوں نے نہ صرف یہ کہ عہدہ قبول فرما لیا بلکہ خود سے اس کا بار اٹھانے کی پیش کش کر دی اور بادشاہ کو مطمئن کرنے کے لیے (اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ) بھی فرما دیا' اس سے معلوم ہوا کہ اپنا علم وفضل کسی صورت سے ظاہر کیا جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں حظ نفس نہ ہو اور تزکیہ نفس مقصود ہو۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کافر کی طرف سے عہدہ قبول کرنا اور کافر کی حکومت کا جزو بننا حضرت یوسف علیہ السلام نے کیسے گوارہ فرمایا جبکہ کافر حکومت کا کارکن بننے میں قوانین کفریہ کو برداشت کرنا بلکہ ان کو نافذ کرنا پڑتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ذمہ مالیات کا انتظام لیا تھا اور انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی صوابدید کے مطابق انتظام کریں اور غلہ تقسیم کریں اپنے متعلقہ عہدے میں مختار ہونے کی صورت میں قانون کفریہ اور مظالم سلطانیہ کے نافذ کرنے کے لیے مجبور نہ ہو اپنا مفوضہ کام انجام دیتا رہے ایسی صورت میں کافروں کی طرف سے عہدہ قبول کرنے میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ (قال صاحب الروح ج ۱۳۔ ص ۵) وفیہ دلیل علی جواز مدح الانسان نفسہ بالحق اذا جھل امرہ وجواز طلب الولایۃ اذا کان الطالب ممن یقدر علی اقامۃ العدل واجراء الاحکام الشریعہ وان کان من ید الجائر والکافر وربما یجب علیہ الطلب اذا توقف علی ولایتہ اقامۃ واجب مثلا وکان متعینا لذلک' وقال النسفی فی المدارک ج ۲ ص ۲۲۷ وانما قال ذلک لیتوصل الی امضاء احکام اللہ و اقامۃ الحق

وبسط العدل والتمکن مما لاجله بعث الانبیاء الی العباد ولعلمه ان احدا غیره لا یقول مقامه فی ذلک فطلبه ابتغاء وجه الله لا لحب الملک والدنیا۔ قالوا وفیه دلیل علی انه یجوز ان یتولی الانسان عمالة من ید سلطان جائر وقد کان السلف یولون القضاء من جهة الظلمة۔

وقیل کان الملک یصدر عن رایه ولا یعترض علیه فی کل ما رای وکان فی حکم التابع له۔

وَدَخَلَتْ سِنُو الْقَحْطِ وَاَصَابَ اَرْضَ كَنْعَانَ وَالشَّامَ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ اِلَّا بِنْيَامِيْنَ لِيَمْتَارُوْا لِمَا بَلَغَهُمْ اَنَّ عَزِيْزَ مِصْرَ يُعْطِي الطَّعَامَ بِثَمَنِهِ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ اَنَّهُمْ اِخْوَتُهُ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَا يَعْرِفُوْنَهُ لِبُعْدِ عَهْدِهِمْ بِهِ وَظَنِّهِمْ هَلَاكَهُ فَكَلَّمُوْهُ بِالْعِبْرَانِيَّةِ فَقَالَ كَالْمُنْكِرِ عَلَيْهِمْ مَا اَقْدَمَكُمْ بِلَادِيْ فَقَالُوْا لِلْمِيْرَةِ فَقَالَ لَعَلَّكُمْ عُيُوْنٌ قَالُوْا مَعَاذَ اللّٰهِ قَالَ فَمِنْ اَيْنَ اَنْتُمْ قَالُوْا مِنْ بِلَادِ كَنْعَانَ وَاَبُوْنَا يَعْقُوْبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ وَلَهٗ اَوْلَادٌ غَيْرُكُمْ قَالُوْا نَعَمْ كُنَّا اِثْنَيْ عَشَرَ فَذَهَبَ اَصْغَرُنَا هَلَكَ فِي الْبَرِّيَّةِ وَكَانَ اَحَبَّنَا اِلَيْهِ وَبَقِيَ شَقِيْقُهٗ فَاحْتَبَسَهٗ لِيَتَسَلّٰى بِهٖ عَنْهُ فَاَمَرَ بِاِنْزَالِهِمْ وَاِكْرَامِهِمْ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ وَفّٰى لَهُمْ كَيْلَهُمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ اَيْ بِنْيَامِيْنَ لِاَعْلَمَ صِدْقَكُمْ فِيْمَا قُلْتُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ اُتِمُّهٗ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ اَيْ مِيْرَةَ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ نَهْيٌ اَوْ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ فَلَا كَيْلَ اَيْ تُحْرَمُوْا وَلَا تَقْرَبُوْا قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ سَنَجْتَهِدُ فِيْ طَلَبِهٖ مِنْهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهٖ وَفِيْ قِرَاءَةٍ لِفِتْيَانِهٖ غِلْمَانِهٖ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ الَّتِيْ اَتَوْا بِهَا ثَمَنَ الْمِيْرَةِ وَكَانَتْ دَرَاهِمَ فِيْ رِحَالِهِمْ اَوْعِيَتِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ وَفَرَّغُوْا اَوْعِيَتَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ اِلَيْنَا لِاَنَّهُمْ لَا يَسْتَحِلُّوْنَ اِمْسَاكَهَا فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ اِنْ لَّمْ تُرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا اِلَيْهِ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ مَآ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ يُوْسُفَ مِنْ قَبْلُ وَقَدْ فَعَلْتُمْ بِهٖ مَا فَعَلْتُمْ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ حَافِظًا تَمْيِيْزٌ كَقَوْلِهِمْ لِلّٰهِ دَرُّهٗ فَارِسًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَرْجُوْ اَنْ يَّمُنَّ بِحِفْظِهٖ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ مَا اِسْتِفْهَامِيَةٌ اَيْ اَيَّ شَيْءٍ نَطْلُبُ مِنْ اِكْرَامِ الْمَلِكِ اَعْظَمُ مِنْ هٰذَا وَقُرِئَ
بِالْفَوْقَانِيَةِ خِطَابًا لِيَعْقُوْبَ وَكَانُوْا ذَكَرُوْا لَهُ اِكْرَامَهُ لَهُمْ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا
نَاْتِيْ بِالْمِيْرَةِ لَهُمْ وَهِيَ الطَّعَامُ وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ لِاَخِيْنَا ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾
سَهْلٌ عَلَى الْمَلِكِ لِسَخَائِهٖ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا عَهْدًا مِّنَ اللّٰهِ بِاَنْ تَحْلِفُوْا
لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ اَيْ تَمُوْتُوْا اَوْ تُغْلَبُوْا فَلَا تُطِيْقُوا الْاِتْيَانَ بِهٖ فَاَجَابُوْهُ اِلٰى ذٰلِكَ فَلَمَّاۤ
اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ بِذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ نَحْنُ وَاَنْتُمْ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ شَهِيْدٌ وَاَرْسَلَهٗ مَعَهُمْ وَ قَالَ يٰبَنِيَّ
لَا تَدْخُلُوْا مِصْرَ مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ لِئَلَّا تُصِيْبَكُمُ الْعَيْنُ وَ مَاۤ اُغْنِيْ اَدْفَعُ
عَنْكُمْ بِقَوْلِيْ ذٰلِكَ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ ؕ قَدَّرَهٗ عَلَيْكُمْ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ شَفَقَةٌ اِنِ مَا الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
وَحْدَهٗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ بِهٖ وَثِقْتُ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ تَعَالٰى وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ اَيْ مُتَفَرِّقِيْنَ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اَيْ قَضَائِهٖ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا لٰكِنْ حَاجَةً
فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَهِيَ اِرَادَةُ دَفْعِ الْعَيْنِ شَفَقَةً وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ لِتَعْلِيْمِنَا اِيَّاهُ وَ
لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْكُفَّارُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ ع اِلْهَامَ اللّٰهِ لِاَوْلِيَائِهٖ ع ۸ ۱۱ ۲

ترجمہ: (خشکی کے سال شروع ہوگئے اور کنعان وشام کی سرزمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا) اور آئے یوسف کے بھائی (بنیامین کو چھوڑ کر غلہ لینے کے لیے کیونکہ انہیں یہ خبر ملی تھی کہ بادشاہ مصر قیمتاً غلہ دیتا ہے) پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا ان کو (کہ وہ سب ان کے بھائی ہیں) حالانکہ وہ نہیں پہچان رہے تھے (ایک مدت گزر جانے اور یوسف علیہ السلام کے مر مٹ جانے کے خیال سے یوسفؑ نے ان سے عبرانی زبان میں گفتگو کی ان سے انجان بن کر بولے کہ میرے شہر میں کس طرح آئے؟ بھائی بولے کہ غلہ لینے کے لئے یوسفؑ بولے شاید تم جاسوس ہو بھائی بولے نعوذ باللہ یوسفؑ نے پوچھا کہ پھر تم کہاں سے آئے؟ بولے کہ شہر کنعان سے ہمارے والد یعقوبؑ اللہ کے نبی ہیں یوسفؑ نے پوچھا کہ کیا یعقوبؑ کے تمہارے علاوہ کوئی اور اولاد بھی ہے؟ بولے ہاں ہم بارہ بھائی تھے ہم میں سے چھوٹا بھائی جنگل میں ہلاکت کی نذر ہوگیا وہ ہم سب میں باپ کا چہیتا تھا اس کا حقیقی بھائی بقید حیات ہے اس کو والد نے دل بہلانے کے لئے اپنے پاس روک لیا یوسف علیہ السلام نے ان کی پذیرائی اور اکرام کا حکم دیا) اور جب تیار کر دیا ان کو ان کا اسباب (اور ان کو پورا پورا ناپ تول دے دیا) کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارے باپ کی طرف سے ہے (تاکہ میں تمہاری بات کی سچائی کا پتہ لگا سکوں) تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا پورا دیتا ہوں ناپ (بغیر کسی کمی کے پورا دیتا ہوں) اور خوب طرح اتارتا ہوں مہمانوں کو پھر اگر اس کو نہ

لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی (غلہ) نہیں ہے اور میرے پاس نہ آئیو یہ نہی ہے یا فلا کیل کے محل پر عطف ہے یعنی غلہ سے محروم رہو گے اور قربت بھی حاصل نہ ہوگی)۔ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے باپ سے (یعنی یوسفؑ کو باپ سے مانگنے کے لئے پوری کوشش کریں گے) اور ہم کو (یہ) کام کرنا ہے اور کہہ دیا اپنے خدمتگاروں کو (ایک قراءت میں لفتیانہ ہے یعنی نوکر چاکر) رکھ دو ان کی پونجی (جس کو غلہ کی قیمت میں دینے کے لئے لائے تھے یہ چند دراہم تھے) ان کے اسباب میں شاید کہ اس کو پہچانیں جب لوٹ کر پہنچیں اپنے گھر (اور اپنے برتنوں کو خالی کریں) شاید وہ پھر (ہمارے پاس) آجائیں (کیونکہ وہ اس کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں سمجھتے) سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھرتی لے آئیں (نون اور یا کے ساتھ ہے) اور ہم اس کے نگہبان ہیں بولے میں کیا (ما کے معنی میں ہے) اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر ویسا ہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی (یوسف) پر اس سے پہلے (اور تم نے جو کیا سو کیا اس کے ساتھ) سو اللہ بہتر ہے نگہبان (اور ایک قراءت میں حافظا ہے تمیز ہونے کی وجہ سے للہ درہ فارسا کی طرح) اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان (سو مجھے امید ہے) کہ نگہبان کر کے احسان فرمائے گا) اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا پایا اپنی پونجی کو کہ لوٹا دی گئی ہے ان کو بولے ابا جان ہم کو اور کیا چاہئے (ما استفہامیہ ہے یعنی اس سے بڑھ کر بادشاہ کے اعزاز و اکرام میں سے کیا چاہئے؟ تاء کے ساتھ حضرت یعقوب کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے یوسفؑ کے اعزاز و اکرام کا ذکر کیا تھا یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اور اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو (رسد یعنی ان کے لئے غلہ لائیں) اور خبرداری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی وہ بھرتی آسان ہے (بادشاہ کی سخاوت کی وجہ سے اس کے دائیں ہاتھ کا کام ہے) کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد (وعدہ) خدا کا (قسم کھا کر) کہ پہنچا دو گے اس کو میرے پاس مگر یہ کہ گھیرے جاؤ (تم مر جاؤ یا دشمن سے مغلوب ہو جاؤ اور اس کو میرے پاس نہ لا سکو پس انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا) پھر جب اس کو سب نے عہد دیا (اس بات کا) بولا اللہ ہماری باتوں (جو ہم اور تم کہہ رہے ہیں) پر نگہبان ہے (گواہ ہے اور یوسف کو ان کے ساتھ بھیج دیا) کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا (مصر میں) ایک دروازے سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا (تا کہ تمہیں نظر نہ لگے) اور میں نہیں بچا سکتا (دور کر سکتا) تم کو (اس بات کے ذریعہ) اللہ کی کسی بات سے (من زائدہ ہے جو اس نے تمہارے لئے مقدر کر دی شفقت کی بناء پر فرمایا) حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے اسی پر بھروسہ (اعتماد) رکھتا ہوں اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ رکھنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے (حق تعالیٰ نے فرمایا) اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے (یعنی الگ الگ) کچھ نہیں بچا سکتا تھا ان کو اللہ کی بات سے (یعنی اس کے فیصلہ سے) مگر ایک خواہش تھی یعقوبؑ کے دل میں جو پوری کر چکا (وہ شفقت کی بنا پر نظر بد سے بچانے کا خیال تھا) اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے سکھایا اس کو (انہیں ہمارے سکھا دینے کی وجہ سے) بہت سے لوگوں (کافروں) کو خبر نہیں (اللہ کے اپنے دوستوں پر الہام کی)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لِيَمْتَارُوْا: تا کہ وہ غلہ لائیں۔

قوله: مَا اَقْدَمَكُمْ: کیا چیز اور کیا سبب تم کو میرے ملک میں لایا ہے۔

قوله: لَعَلَّكُمْ عُيُوْنٌ: تم جاسوس یا ٹوہ لگانے والے ہوتا کہ ملک کے خفیہ ٹھکانے معلوم کرو۔

قوله: وَفِيْ لَهُمْ كَيْلَهُمْ: وہ سامان جو منتقل کرنے کے لئے تیار کیا جائے جیسا سامان سفر وغیرہ اس کو جہاز کہتے ہیں۔

قوله: وَلَا تَقْرَبُوْنِ: یہ نہی ہے مجزوم ہے آخر میں نون وقایہ ہے۔ جزائے شرط پر عطف کی وجہ سے بھی مجزوم ہوسکتا ہے۔

قوله: اَوْعِيَتِهِمْ: رحال سے بوجھ مراد نہیں بلکہ سامان مراد ہے جیسا لما فتحوا متاعھم سے معلوم ہوتا ہے۔

قوله: وَفِيْ قِرَاءَةٍ حَافِظًا: ایک قراءت میں حفظا ہے جو کہ تمیز ہے نہ کچھ اور البتہ حافظا میں حال کا بھی احتمال ہے۔

قوله: هٰذَا: یہ جملہ مستانفہ ہے جو ما نبغی کو واضح کرنے والا ہے۔

قوله: بِاَنْ تَحْلِفُوْا: لتاتننی یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

قوله: بِهٖ وَثِقْتُ: بیان اختصاص کے لئے واؤ کے عطف اور فا جو عطف مع تسبب کا فائدہ دیتی ہے ایک جملے میں جمع کروایا۔

قوله: قَضَائِهٖ: مضاف محذوف ہے۔

قوله: لِتَعْلِيْمِنَا: ما مصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

برادرانِ یوسف کا غلہ لینے کے لیے مصر آنا اور آپ کا فرمانا کہ آئندہ اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا:

سرسبزی وشادابی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط آ گیا یہ قحط صرف مصر ہی میں نہ تھا آس پاس کے علاقوں میں بھی تھا۔ ملک شام بھی مصر کے ساتھ ملتا ہے یہاں بھی قحط تھا اور غلے کی ضرورت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور بھائی سرزمین فلسطین میں رہتے تھے جو شام کا ایک حصہ ہے ان لوگوں کو بھی علم ہوا کہ مصر میں غلہ ملتا ہے اور حکومت کی طرف سے دیا جا رہا ہے لیکن حکومت کا یہ دینا مفت میں نہیں ہے غلہ حاصل کرنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی مصر کے لیے روانہ ہو گئے ساتھ ہی مال بھی لیا تا کہ اس کے ذریعہ غلہ حاصل کرسکیں وہ زمانہ اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کرنے کا تھا یہ لوگ سفر کر کے مصر کی خدمت میں پہنچ گئے جہاں وہ اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے محکموں کے جو افسر اعلیٰ ہوتے ہیں وہ خود تو اشیاء واجناس اپنے ہاتھ سے تقسیم نہیں کرتے ان کے کارندے ہی تقسیم کرتے ہیں لیکن منظوری افسر اعلیٰ سے ہی لی جاتی ہے کہ کس کو مال دیا جائے اور کس قدر دیا جائے اس لیے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا پڑا جب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے

بھائی ہیں یہ دس بھائی تھے جو پہلی والدہ سے تھے (حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی بنیامین نامی ان کے ساتھ نہیں تھا) بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ جسے ہم نے کنعان کے جنگل میں مصر کے قافلے کے کسی شخص کے ہاتھ بیچ دیا تھا وہ آج اتنے بڑے عہدہ پر ہوگا' حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی تدبیر سے ان سے یہ کہلوا لیا کہ ہمارا ایک بھائی اور ہے جسے ہم اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے ہیں اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فی آدمی ایک ایک اونٹ غلہ بھر کر ان سب کو دے دیا تو انہوں نے کہا ہمارا ایک علاتی (باپ شریک) بھائی ہے اس کو ہمارے والد نے اس وجہ سے پاس رکھ لیا ہے اور ہمارے ساتھ نہیں بھیجا کہ ان کا ایک بیٹا گم ہوگیا تھا اس سے ان کی دلبستگی ہوتی ہے اور تسلی ہوتی ہے اس لیے اس کا حصہ بھی دیدیا جائے یعنی ایک اونٹ کا غلہ زیادہ مل جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ تو ہمارے قانون کے خلاف ہے جو شخص حاضر ہوتا ہے ہم اسی کو دیتے ہیں۔

برادرانِ یوسف جب غلہ حاصل کر کے اپنے وطن کو واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آنا ہو تو اپنے علاتی بھائی کو بھی لے آنا دیکھو میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی بھی کرتا ہوں تمہارا وہ بھائی آئے گا تو ان شاء اللہ اس کو بھی پورا حصہ دوں گا اور ساتھ یہ فرمادیا کہ اگر تم اسے نہ لائے تو میرے پاس تمہارے نام کا کوئی غلہ نہیں اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا' قحط کا زمانہ تو تھا ہی فی اونٹ جو غلہ ملا تھا اس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ کتنے دن کام دے سکتا ہے دوبارہ آنے کی بہرحال ضرورت پڑے گی اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اس کے والد سے عرض معروض کریں گے اور انہیں راضی کریں گے کہ اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ یہ لوگ جو پونجی لے کر آئے ہیں جس کے ذریعے غلہ خریدا ہے ان کی اطلاع کے بغیر ان کے کجاووں میں رکھ دیں امید ہے کہ جب یہ لوگ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں گے اور سامان کھولیں گے تو یہ انہیں نظر آجائے گی اور اسے پہچان لیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم غلے کی قیمت میں دے کر آئے ہیں جب اس پونجی کو دیکھیں گے تو امید ہے کہ پھر آئیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر اس لیے کی کہ وہ کسی طرح پھر واپس آئیں اور اپنے بھائی کو بھی لے کر آئیں اول تو ان سے آنے کا وعدہ لیا کہ جس بھائی کو چھوڑ آئے ہو اسے آئندہ سفر میں لے کر آنا اور دوسرے یہ وعید بھی سنادی کہ اگر تم اس بھائی کو نہ لائے تو تم میں سے کسی کو اپنا حصہ بھی نہ ملے گا تیسرے یہ کیا جو پونجی انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر پیش کی تھی وہ انہیں کے سامان میں رکھوادی۔ علماء تفسیر نے فرمایا کہ یہ انہوں نے اس لیے کیا کہ انہیں اس کا یقین نہ تھا کہ ان کے پاس اس پونجی کے علاوہ مزید مال بھی ہوگا ممکن ہے مزید مال نہ ہو اگر یہ مال واپس چلا جائے گا تو اسی کو لے کر دوبارہ واپس آسکیں گے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب انہیں یہ خیال ہوگا کہ جس شخص نے ہمیں غلہ دیا اور پونجی بھی واپس کردی وہ کریم النفس ہے محسن ہے ایسے شخص کے پاس تو پھر جانا چاہئے' اور بعض حضرات نے ایک نکتہ اور نکالا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت والد صاحب کو یہ معلوم ہوگا کہ ہماری پونجی واپس آگئی ہے جو مصری خزانے میں داخل ہونی چاہئے تھی اور اغلب ہے کہ بھول کر آگئی ہو لہٰذا حق بہ حق دار رسید کے تقاضے کے مطابق وہیں پہنچانی چاہئے جہاں سے واپس آئی حضرات انبیاء کرام کو یہ کہاں برداشت ہو سکتا تھا کہ کسی کا حق ان کی طرف رہ جائے' لہٰذا وہ اپنے بیٹوں کو دوبارہ ضرور بھیجیں گے اور اس طرح سے اپنے حقیقی بھائی بنیامین

سے بھی ملاقات ہوجائے گی۔

، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام نے خود ہی مشورہ دیا تھا کہ قحط کے زمانے میں غلہ قیمتاً دیا جائے گا اور اس میں کوئی استثناء نہیں تھا تو پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کی پونجی کیسے واپس کردی؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی پونجی انہوں نے اپنے پاس سے شاہی خزانے میں جمع فرمادی اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انہیں چونکہ اس بات کا یقین تھا کہ والد ماجد علیہ السلام اس پونجی کو ضرور واپس بھجوادیں گے اس لیے ایک اعتبار سے ادھار دینا ہوا بالکل ہی بخش دینا نہ ہوا' بہر حال جو بھی صورت ہو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پاک تھے' معصوم تھے' خیانت سے دور تھے انہوں نے جو بھی کیا ٹھیک کیا ہم تک ہر بات کا پہنچنا ضروری نہیں۔

یہ لوگ غلہ لے کر اپنے وطن پہنچ گئے اور اپنے والد سے کہا کہ ابا جی اس مرتبہ تو غلہ لے آئے ہیں لیکن جو شخص غلہ دینے کا مختار ہے اس نے ہمیں غلہ دینے کی پابندی لگادی ہے اور بندش کردی ہے ہاں صرف ایک صورت میں غلہ دینے کا وعدہ کیا ہے کہ ہمارا یہ بھائی بھی ہمارے ساتھ جائے لہٰذا آپ ہمارے اس بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لاسکیں اس کے حصے کا تو غلہ ملے ہی گا ہمارے حصہ پر جو پابندی لگادی گئی ہے وہ بھی دور ہوجائے گی یہ بات ضرور ہے کہ آپ کو ہماری طرف سے اس کے بارے میں کوئی اندیشہ ہوسکتا ہے لیکن آپ بھروسہ رکھیں ہم اس کی حفاظت کریں گے' ان کے والد نے فرمایا کیا میں اس کے بارے میں تم پر ایسا ہی بھروسہ کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا؟ میں تم پر بھروسہ نہیں کروں گا' اب تو بس یہ ہی کہتا ہوں کہ اللہ سب سے بہتر حفاظت فرمانے والا ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے تمہارے اوپر میں بھروسہ نہیں کرتا اب جاؤ تو اسے لے جانا میں اسے اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ قال صاحب الروح استفهام انكاري الا كما امنتكم اى الا ائتمانا مثل ائتمانى اياكم على اخيه يوسف من قبل و قد قلتم ايضا فى حقه ما قلتم ثم فعلتم به ما فعلتم فلا اثق بكم و لا بحفظكم و انما افوض امرى الى الله ص ١١ ج ١٣ قلت و باعتبار ان لفظة هل جاءت للاستفهام الانكارى الذى يدل على النفى جيئ بحرف الاستثناء اى لا امنكم عليه الا كما امنتكم على اخيه من قبل و ذلك لم ينفعنى فكذلك لا ينفعنى الان وقد ترجمنا الاية بالحاصل فافهم۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا....

جب دوبارہ مصر جانے کے لیے تیار ہوگئے تو چلتے وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو تدبیر اور احتیاط کی نصیحت کی اور کہا اے میرے بیٹو مصر میں تم سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا یہ حکم اس لیے دیا کہ سب بیٹے صاحب حسن و جمال تھے اور صاحب شوکت وہیبت و وقار تھے اور ایک باپ کی اولاد تھے اس لیے اندیشہ ہوا کہ اس طرح داخل ہونے سے نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر حق ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر حق ہے اور پہلی مرتبہ مصر میں عام مسافروں کی طرح داخل ہوئے تھے اور کوئی پہچانتا نہ تھا اس لیے پہلی مرتبہ اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی اور دوبارہ جانا خاص شان اور اہتمام سے تھا اور بادشاہ کی دعوت پر تھا اس لیے حفاظت کی تدبیر فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے اور نظر

توبھی تم کو اللہ کی تقدیر سے بچانہیں سکتا یعنی خواہ تم سب ایک ساتھ ایک ہی دروازہ سے داخل ہو یا متفرق دروازوں سے تقدیر الٰہی ہر حال میں تم کو پہنچ کر رہے گی اور احتیاط کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر جہاں تک ممکن ہو ظاہری تدبیر اور ظاہری سبب پر عمل کرنا ضروری ہے یہ عالم اسباب ہے حق تعالیٰ نے اسباب کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس راستہ پر چلو۔ بدسے بچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور باقی اگر خدا ضرر پہنچانا چاہے

ربنا ما خلقت هذا باطلا.

اطلبوا الارزاق من اسبابها وادخلوا الابيات من ابوابها

یعقوب علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت پدری اولا ایک تدبیر کا حکم دیا پھر بندہ کے عجز اور لاچارگی پر نظر کر کے تقدیر کا ذکر فرمایا تاکہ بیٹے سمجھ جائیں کہ احتیاطی تدبیر سے مقدر نہیں مل سکتا کیونکہ حکم صرف اللہ کا ہے اس کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی جو اس نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے وہ لامحالہ تم کو پہنچے گا اور یہ تدبیر تم کو کچھ نفع نہ دے گی اور باوجود اس تدبیر ظاہری کے میں نے بھروسہ خدا ہی پر کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو چاہئے کہ اسی پر بھروسہ کریں نہ کہ تدبیر پر۔ تدبیر سے گریز کرنے کا نام توکل نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ تدبیر بھی کرو مگر نظر تقدیر پر رکھو اس کے بعد وہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور جب شہر مصر میں اسی طرح متفرق دروازوں سے داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا تو یہ تدبیر ان سے اللہ کی تقدیر میں سے کوئی شے دفع نہ کر سکی لیکن یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کرلیا اور اس کے موافق اولاد کو نصیحت کردی اور اسی کے مطابق اولاد متفرق دروازوں سے داخل ہوئی مگر جو مقدر تھا وہ دور نہ ہوا اور چوری کا الزام ان پر لگا پس اس تدبیر سے تقدیر نہ دفع ہوئی اور تقدیر دوسری طرف لے آئی اور تحقیق یعقوب بڑا خبردار تھا اس چیز سے جو ہم نے اس کو سکھائی تھی کہ تدبیر بھی کی مگر بھروسہ تدبیر پر نہ کیا اور صحیح علم یہی ہے کہ تدبیر اور تقدیر دونوں کو جمع کرے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ وہ تدبیر پر مغرور ہوجاتے ہیں اور تقدیر کا بھید ان کی نظروں سے پوشیدہ ہوجاتا ہے ظاہر اسباب کو پختہ کرنا اور بھروسہ اللہ پر رکھنا یہی صحیح علم اور صحیح معرفت ہے۔

وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى ضَمَّ اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ تحزن بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ من الحسد لنا وامره ان لا يخبرهم وتواطأ معه على انه سيحتال على ان يبقيه عنده فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ هي صاع من ذهب مرصع بالجواهر فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ بنيامين ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ نادى منادٍ بعد انفصالهم عن مجلس يوسف اَيَّتُهَا الْعِيْرُ القافلة اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَ قد اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا ما الذى تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ صاع الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ من الطعام وَّ اَنَا بِهٖ بالحمل زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ كفيل قَالُوْا تَاللّٰهِ قسم فيه معنى التعجب لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ ما سرقنا قط قَالُوْا اى المؤذن

وَاَصْحَابُهٗ فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اَيِ السَّارِقِ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ فِيْ قَوْلِكُمْ مَا كُنَّا سَارِقِيْنَ وَوُجِدَ فِيْكُمْ
قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ يَسْتَرِقُّ ثُمَّ اَكَّدَ بِقَوْلِهٖ فَهُوَ اَيِ السَّارِقُ جَزَآؤُهٗ ؕ
اَيِ الْمَسْرُوْقُ لَا غَيْرُ وَكَانَتْ سُنَّةُ اٰلِ يَعْقُوْبَ كَذٰلِكَ الْجَزَاءِ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ بِالسَّرِقَةِ فَصَرَفُوْا اِلٰى
يُوْسُفَ لِتَفْتِيْشِ اَوْعِيَتِهِمْ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ فَفَتَّشَهَا قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ لِئَلَّا يُتَّهَمَ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا اَيِ
السِّقَايَةَ مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ قَالَ تَعَالٰى كَذٰلِكَ الْكَيْدِ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ عَلَّمْنَاهُ الْاِحْتِيَالَ فِيْ اَخْذِ اَخِيْهِ
مَا كَانَ يُوْسُفُ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ رَقِيْقًا عَنِ السَّرِقَةِ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ حُكْمِ مَلِكِ مِصْرَ لِاَنَّ جَزَاؤُهٗ عِنْدَهٗ
الضَّرْبُ وَتَغْرِيْمُ مِثْلَيِ الْمَسْرُوْقِ لَا الْاِسْتِرْقَاقُ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اَخْذَهٗ بِحُكْمِ اَبِيْهِ اَيْ لَمْ يَتَمَكَّنْ
مِنْ اَخْذِهٖ اِلَّا بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِاِلْهَامِهٖ سُؤَالَ اِخْوَتِهٖ وَجَوَابَهُمْ بِسُنَّتِهِمْ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ
بِالْاِضَافَةِ وَالتَّنْوِيْنِ فِي الْعِلْمِ كَيُوْسُفَ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ عَلِيْمٌ ۝ اَعْلَمُ مِنْهُ حَتّٰى
يَنْتَهِيَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ اَيْ يُوْسُفُ وَكَانَ سَرَقَ لِاَبِيْ اُمِّهٖ
صَنَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَكَسَرَهٗ لِئَلَّا يَعْبُدَهٗ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا يُظْهِرْهَا لَهُمْ ۚ وَالضَّمِيْرُ
لِلْكَلِمَةِ الَّتِيْ فِيْ قَوْلِهٖ قَالَ فِيْ نَفْسِهٖ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ مِنْ يُوْسُفَ وَاَخِيْهِ لِسَرِقَتِكُمْ اَخَاكُمْ مِنْ اَبِيْكُمْ
وَظُلْمِكُمْ لَهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَالِمٌ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ تَذْكُرُوْنَ فِيْ اَمْرِهٖ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا
كَبِيْرًا يُحِبُّهٗ اَكْثَرَ مِنَّا وَيَتَسَلّٰى بِهٖ عَنْ وَلَدِهِ الْهَالِكِ وَيُحْزِنُهٗ فِرَاقُهٗ فَخُذْ اَحَدَنَا اسْتَعْبِدْهُ مَكَانَهٗ ۚ بَدَلًا
مِنْهُ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فِيْ اَفْعَالِكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ نَصْبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ حُذِفَ فِعْلُهٗ وَ
اُضِيْفَ اِلَى الْمَفْعُوْلِ اَيْ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ لَمْ يَقُلْ مَنْ سَرَقَ
تَحَرُّزًا مِنَ الْكَذِبِ اِنَّآ اِذًا اِنْ اَخَذْنَا غَيْرَهٗ لَّظٰلِمُوْنَ ۝ يَئِسُوْا ع ۱۱ ۳

ترجمہ: اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس تو انہوں نے اپنے پاس رکھا (ٹھہرالیا) اپنے بھائی کو بولے کہ میں تیرا بھائی
ہوں سو غمگین مت ہو ان کاموں سے جو انہوں نے کئے ہیں (ہم سے حسد اور بنیامین کو یہ کہہ دیا کہ ان کے بھائیوں کو نہ بتانا
اور اس بات پر بنیامین کو آمادہ کر لیا کہ اسے اپنے پاس رکھنے کے لئے ایک تدبیر کروں گا) پھر جب یوسف نے بھائیوں کے

واسطے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے پیالہ (جو سونے کا تھا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے) اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا (حضرت یوسف علیہ السلام کی مجلس سے علیحدگی کے بعد) اے قافلہ والو! تم تو البتہ چور ہو وہ ان کی طرف منہ کر کے کہنے لگے تمہاری کیا چیز گم ہوگئی؟ شاہی پیادے بولے ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں جو شخص اس کو لائے اس کو ایک اونٹ بوجھ غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس (انعام) کا ضامن (ذمہ دار) ہوں وہ بولے اللہ کی قسم (قسم تعجب کے معنی میں ہے) تم جانتے ہو ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ کبھی ہم چور تھے بولے ہم نے کبھی چوری نہیں کی (اعلان کرنے والا اور اس کے ساتھی) پھر کیا سزا اس کی (چوری) اگر تم جھوٹے نکلے (اپنی بات میں کہ ہم نے کبھی چوری نہیں کی اس کے باوجود تمہارے پاس سے برآمد ہوا) بولے اس کی سزا (مبتداء ہے اس کی خبر آگے آ رہی ہے) یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آجائے (برآمد ہو پھر اپنے اس قول سے کلام کو مؤکد کیا) وہی (چور) اس کے بدلہ میں جائے (چوری کردہ چیز کے بدلے میں چور ہی کو رکھ لیا جائے کسی اور کو نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں یہی قانون تھا) ایسے ہی سزا (بدلہ) دیتے تھے ہم ظالموں کو (چوری کر کے حق تلفی کرنے والوں کو اس کے بعد ان کی تلاشی کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جا حاضر کیا) پھر شروع کی یوسف نے ان کی بوریاں دیکھنی (پس ان کی تلاشی لی) اپنے بھائی کی بوری سے پہلے (تا کہ اس کو الزام نہ لگے) آخر کار نکالا اس (برتن) کو اپنے بھائی کی بوری سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوں تدبیر بتائی ہم نے یوسف کو (ہم نے اس کو اپنے بھائی کے روکنے کا داؤ بتایا) وہ (یوسف) ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو (چوری کی سزا میں غلام بنا کر) بادشاہ کے قانون کی رو سے (کیونکہ مصری قانون کے اعتبار سے چوری کی سزا میں پٹائی ہوتی تھی اور چوری کے سامان کے برابر تاوان لیا جاتا تھا غلام نہیں بنایا جاتا تھا) مگر جو چاہے اللہ (ان کے آبائی قانون کی رو سے یعنی بھائی کے روکنے پر یوسف قادر نہیں تھے جب تک اللہ تعالیٰ بھائیوں کو سوال کا الہام اور اپنے طریقہ کے مطابق جواب دلانا نہ چاہتا) ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں (علم کے اندر، درجات اضافت اور تنوین دونوں کے ساتھ صحیح ہے) ہر جاننے والے سے اوپر ہے (مخلوق میں) ایک جاننے والا (جو پہلے جاننے والے سے بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے تا آنکہ یہ سلسلہ حق تعالیٰ پر جا کر ختم ہوتا ہے (کہنے لگے کہ اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے (یعنی یوسف نے اپنی پھوپھی کا بت چرا لیا تھا تا کہ وہ اس کی پوجا نہ کر سکے) تب یوسف نے آہستہ سے اپنے دل میں کہا اور ان کو نہ جتایا (ظاہر نہیں کیا اور یہ بدھا کی ضمیر اس بات کی طرف لوٹ رہی ہے جس کو انہوں نے اپنے دل میں أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا کہا تھا) بولا کہ تم تو درجہ میں بدتر ہو (یوسف اور اس کے بھائی سے کیونکہ تم نے اپنے باپ کی چوری کی اور بھائی کو چوری کیا اور اس پر ظلم کیا) اور اللہ خوب جانتا ہے (جاننے والا ہے) جو تم بیان کرتے ہو (یوسف کے بارے میں جو تذکرہ کر رہے ہو) کہنے لگے اے عزیز! اس کا ایک باپ ہے بہت بوڑھا بڑی عمر کا (ہم میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرتا ہے اور اپنے ہلاک ہونے والے لڑکے کے غم کو اس کے ذریعہ ہلکا کرتا ہے اور اس کی جدائی باپ کو غم میں مبتلا کر دیتی ہے) سو رکھ لے ہم میں سے ایک کو (غلام بنا لیجئے) اس کی جگہ (بدلہ میں) ہم دیکھتے ہیں آپ کو احسان کرنے والوں میں سے (اپنے کاموں میں) یوسف بولا اللہ پناہ دے (معاذ اللہ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے اس کا فعل محذوف ہے اور مفعول کی جانب اضافت کی گئی ہے (یعنی نعوذ باللہ) کہ ہم اس آدمی

کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا دوسرے کو تھام لیں (یہاں جھوٹ سے بچنے کے لئے سامان پانا کہا ہے) اگر ایسا کریں (کہ دوسرے کو پکڑلیں) تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: نَادٰی مُنَادٍ: اَذَّنَ نہ تو یہ مطلق معنی میں ہے اور نہ اعلان کے معنی میں۔

قوله: اَلْقَافِلَةُ: عِیْرُ سے یہاں صرف انکے ساتھ آنے والے لوگ مراد ہیں اسکا قرینہ اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ ہے۔

قوله: اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ: یہ یوسف علیہ السلام کو چرانے سے کنایہ ہے۔

قوله: قَدْ: اس کو مقدر مانا تا کہ حال بن سکے۔

قوله: مَاالَّذِیْ: ما استفہامیہ ہے اور ذا یہ الذی کے معنی میں ہے۔

قوله: تَفْقِدُوْنَ: یعنی تمہاری کیا چیز ضائع ہوئی ہے۔ فَقِدُ کسی چیز کا حس سے غائب ہونا۔

قوله: فِیْهِ مَعْنَی التَّعَجُّبِ: اس سرقہ کی نسبت پر جوان کی طرف کردی گئی تھی۔

قوله: لَقَدْ عَلِمْتُمْ: انہوں نے اپنے علم کے مطابق گواہی دی کیونکہ ان کی دینی حالت سے انکی امانت ثابت ہو چکی تھی۔

قوله: السِّقَايَةَ: ضمیر کے مؤنث لانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے باوجودیکہ صواع مذکر ہے۔

قوله: عَلَّمْنَاهُ: کِدْنَا سے مراد تعلیم کید ہے فعل کید مراد نہیں۔

قوله: حُکْمِ مَلِكِ مِصْرَ: اس سے تفسیر کر کے بتلایا کہ بادشاہ کا کوئی دین نہ تھا البتہ اس کا حکم وطریقہ مراد ہے جو کہ مروج تھا۔

قوله: مَعَاذَ اللّٰهِ: یہ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ مفعولیت کی وجہ سے نہیں۔

قوله: مِنْ اَنْ: ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں کیونکہ اس کی شرط موجود نہیں۔

قوله: لَظٰلِمُوْنَ: یعنی تمہارے مذہب کے مطابق۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ....

صاحبزادوں نے والد کے حکم کی تعمیل کی شہر کے متفرق دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا ان کی یہ تدبیر اللہ کے کسی حکم کو ٹال نہ سکتی تھی مگر یعقوب علیہ السلام کی پدرانہ شفقت و محبت کا تقاضا تھا جو انہوں نے پورا کرلیا، اس آیت کے آخر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ یعنی یعقوب علیہ السلام بڑے علم والے تھے کیونکہ ان کو ہم نے علم دیا تھا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح ان کا علم کتابی اور اکتسابی نہیں بلکہ بلا واسطہ عطاء خداوندی اور وہبی علم تھا اسی لیے انہوں نے ظاہری تدبیر جو شرعاً مشروع اور محمود ہے وہ تو کر لی، مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا مگر بہت سے لوگ اس بات کی حقیقت کو نہیں جانتے اور ناواقفیت سے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ایسے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ تدبیریں پیغمبر کی شان کے شایان نہ تھیں، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ پہلے لفظ علم سے مراد علم کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو علم ان کو عطا کیا وہ اس پر عامل اور اس کے پابند تھے اسی لیے ظاہری تدبیروں پر بھروسہ نہیں فرمایا بلکہ اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر فرمایا۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ ....

باردوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام:

(ربط) یہاں تک برادران یوسف علیہ السلام کی پہلی بار آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کی دوسری بار آمد کا ذکر ہے اور جب باردوم یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق گیارہ بھائی یعنی دس بھائی سابق مع بنیامین کے مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنے اس علاتی بھائی کو اپنے ساتھ لائے ہیں جو آپ کے سامنے ہے یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک ایک جگہ ٹھہرا دیا بنیامین اکیلے رہ گئے اس لیے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے پاس اس کو ٹھہرایا اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا اور خلوت میں یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا بنیامین یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تیری ماں کا نام کیا ہے بنیامین نے کہا راحیل یوسف علیہ السلام نے پوچھا کوئی تیرا سگا بھائی بھی ہے۔ بنیامین نے کہا ایک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا یوسف علیہ السلام نے کہا اگر میں تیرے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تو اس بات کو پسند کرے گا بنیامین نے کہا تجھ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن تجھ کو یعقوب علیہ السلام اور راحیل نے نہیں جنا اس وقت یوسف علیہ السلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو اللہ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا سب غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت نے اور پھر ان کے حسد نے ہم کو اس منزل پر پہنچایا یہ وقت نہ رنج کا ہے اور نہ شکوہ اور شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے بنیامین نے جب یہ سنا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور بزبانِ حال یہ کہنے لگے۔

آنچہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب ۔ خویشتن را در چنیں راحت پس از چندیں عذاب

یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو تسلی دی اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے مگر اس میں ذرا تمہاری بدنامی ہوگی بنیامین نے کہا کچھ پرواہ نہیں پس جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان روانگی تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن کہ وہی غلہ دینے کا پیمانہ بھی تھا اپنے بھائی کے سامان میں خود رکھ دیا یا کسی راز دار خادم سے رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ خود یوسف علیہ السلام نے رکھا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ سب خوش و خرم غلہ لے کر روانہ ہوئے پھر جب وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو! تم چور ہو چونکہ برادران یوسف علیہ السلام کا قیام خاص مہمان خانہ میں تھا جس میں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا۔ جب قافلہ روانہ ہو گیا تو کارپردازان مہمان خانہ نے سامان کی خبر گیری کی تو دیکھا کہ شاہی پیمانہ اپنی جگہ پر نہیں تو

تلاشی شروع کی۔ جب نہ ملا تو گمان یہ ہوا کہ اس مہمان خانہ میں سوائے اس قافلہ کے کوئی نہ تھا اس لیے منادی نے جا کر آواز دی۔
اے قافلہ والو!!! ٹھہرو ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوئے ہو بظاہر یہ منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہ تھی بلکہ مہمان خانہ کے خادموں کی طرف سے تھی جب انہوں نے مکان میں وہ پیالہ نہ دیکھا تو ان کا گمان یہ ہوا کہ اس مکان میں ان کے سوا کوئی نہ تھا اس لیے خدام نے اپنے گمان کے مطابق کہا: اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۔ (دیکھو تفسیر کبیر نمبر ۲ ص ۱۰۴ جلد ۵، وروح البیان ص ۲۹۹ جلد ٤)

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ آواز اور منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھی تو یہ کلام بطریق توریہ اور اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ کوئی تو مال چراتا ہے اور چھپاتا ہے تاکہ آئندہ چل کر اس سے فائدہ اٹھائے اور تم تو وہ ہو کہ جنہوں نے بیٹے کو باپ سے چرالیا اور لے جا کر سستے داموں بیچ ڈالا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ میں ہمزہ استفہام مقدر ہے یعنی ائنکم لسارقون اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم چور ہو یہ کلام بطور خبر نہ تھا بلکہ بطور استفہام تھا۔ (تفسیر کبیر ص ۱۰٤ جلد ۵)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حکم سے تھا۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے بعد بنیامین کی مفارقت سے یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء کی تکمیل ہو جائے۔

(دیکھو تفسیر مظہری ص ۴۹ جلد ۵ اور تفسیر قرطبی ص ۲۳۰ جلد ۹)

القصہ جب یہ آواز یعنی: اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے سنی تو گھبرا کر بولے اور ان تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تم نے کیا گم کیا ہے جس کو تم ڈھونڈھتے ہو تو تلاش کرنے والے بولے ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں اور جو اس کو لا کر حاضر کرے اس کے لیے ایک بار شتر غلہ انعام ہے اور میں اس کے دلوانے کا ضامن اور کفیل ہوں غالباً انعام کا یہ اعلان یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا ہوگا اہل قافلہ نے کہا اے لوگو بخدا تم جان چکے ہو کہ اس ملک میں ہم فساد کرنے نہیں آئے فقط قحط کی وجہ سے غلہ لینے کے لیے آئے ہیں ہماری حالت اور دیانت تم دیکھ چکے ہو اور ہم کبھی چور نہ تھے یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ان کی امانت و دیانت اہل مصر دیکھ چکے تھے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے مصر میں داخل ہوتے وقت اپنے جانوروں کے منہ پر توبرے چڑھا دیئے تھے تاکہ کسی کے کھیت میں منہ نہ ڈال سکیں۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۳٤ جلد ۹)

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس قیمت کو جس کو انہوں نے اسباب میں پایا تھا واپس کر دیا تھا (واللہ اعلم بحال اسنادہ) القصہ جب منادی کرنے والوں نے دیکھا کہ باوجود اس تہدید و ملامت کے اور باوجود اس انعام اور کفالت کے کسی نے کوئی اقرار نہ کیا تو منادی کرنے والے بولے اچھا بتلاؤ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں وہ مال برآمد ہوا تو اس کی کیا سزا ہوگی کہنے لگے ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ مال برآمد ہو وہی شخص اس کی سزا ہے یعنی تم اس کو اپنا غلام بنا لینا ہم ظالموں کو یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو وہ سال بھر تک اس کا غلام رہتا ہے یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے تاکہ ان کے قول کے مطابق حجت قائم ہو اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لیں اور بھائیوں کو عذر کی گنجائش نہ رہے

انہوں نے خود اقرار کرلیا کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ ہے۔

اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے جب یہ طے ہوگیا کہ چور کی سزا کا طریقہ یہ ہے تو قافلہ کو مصر واپس لائے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی اور اپنے بھائی کی بوری سے وہ پیمانہ نکال لیا اور شرط کے مطابق بنیامین کو غلام بنالیا اس طرح سے ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر بنیامین کے رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ بھائیوں ہی کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو اس کو اپنا غلام بنالو اس طرح وہ اپنے اقرار سے پکڑے گئے اور کوئی عذر نہ کرسکے اور وجہ اس تدبیر کی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے کیونکہ شاہی قانون میں چور کی سزا یہ نہ تھی کہ اس کو غلام بنالیا جائے۔ بلکہ چور سے مال مسروقہ کی دو چند قیمت لی جاتی تھی اور یہ سزا یوسف علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی بہر حال یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو وہ جس صورت سے چاہے دلا سکتا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں علم وحکمت دے کر اس کے درجے بلند کرتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو علم اور معرفت عطا کر کے ان کو بلند کیا اور بھائی کو روکنے کا یہ حیلہ اور طریقہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو بتایا اور ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے لہٰذا کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ وان الی ربک المنتھی۔

فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ جلیلہ:

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد: جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے البتہ ابطال حق یا احقاق باطل کے لیے حیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہاء حنفیہ کا مذہب ہے مضائق اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لیے حضرات انبیاء سے توریہ کرنا ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توریہ بل فعلہ کبیرھم قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوات میں توریہ فرمانا اور اعداء اللہ کے قتل کرنے کے لیے صحابہ کو توریہ کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے حالانکہ توریہ بھی ایک قسم کا حیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ توریہ حیلہ قولی ہے اور حیلہ میں فعل ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقایہ کا رکھ دینا بظاہر حکم خداوندی سے تھا۔ جیسا کہ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ صراحتاً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا یہ کید اور یہ حیلہ بحکم خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ: نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا حیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم ومعرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفع درجات ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا: وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث یعنی اے ایوب علیہ السلام! تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھالو اور اس سے مارلو اور قسم نہ توڑو۔ یہ بھی ایک قسم کا حیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا ھذہ اختی یہ میری بہن ہے تاکہ کافر کے شر سے محفوظ رہیں معلوم ہوا کہ مضرت سے بچنے کے لیے حیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہ نے یوسف علیہ السلام کے اس حیلہ کو

بطریق استحسان ذکر فرمایا ہے:۔

منجملہ افعال خداوندی کے کید اور مکر بھی ہے کما قال اللہ تعالیٰ: انهم یکیدون کیدا و اکید کیدا۔ ومکروا ومکر الله والله خیر المکرین اور کید اور مکر کی حقیقت خفی ہے اور اللہ تعالیٰ مدبر السمٰوات والارض ہے بعض مرتبہ حق جل شانہ کسی حکمت کی بناء پر اپنے خاص بندوں پر اس قسم کے حیل اور مکائد اور تدابیر منکشف فرماتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہوتی ہیں جیسے خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور کم سن لڑکے کو قتل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں محل تعجب ہوا مگر یہ تمام امور غیبی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھے فقہاء حنفیہ نے جن حیلوں کی اجازت دی ہے وہ اسی قسم کے حیلے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور اپنے پیغمبروں کو اس کا حکم دیا ہے باقی ایسا حیلہ جو کسی حکم قطعی سے گریز کے لیے کیا جائے (جیسے اصحاب سبت کا حیلہ) سو ایسا حیلہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔

القصہ جب بنیامین اس حیلہ اور تدبیر سے لے لیے گئے تو وہ سب بھائی بہت شرمندہ ہوئے اور غصہ میں آکر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا بھائیوں نے جو یوسف علیہ السلام کی طرف سرقہ کو منسوب کیا اس کے بارے میں مفسرین رحمہ اللہ علیہ نے کئی قصے بیان کیے ہیں مجاہد رحمہ اللہ علیہ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی پھوپھی نے ان کو پالا وہ یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتی تھیں جب یوسف علیہ السلام کسی قدر بڑے ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں پھوپھی نے جب ان کو رخصت کیا تو ان کے پاس اسحاق علیہ السلام کا ایک پٹکا تھا چھپا کر اس کو یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا پھر اس پٹکے کو ڈھونڈھنا شروع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ پٹکا جو مجھ کو اسحاق علیہ السلام سے وراثت میں ملا تھا وہ گم ہو گیا ہے تمام گھر والوں کی تلاشی لی آخر یوسف علیہ السلام سے وہ پٹکا برآمد ہوا تو پھوپھی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا دیکھو یوسف علیہ السلام نے میری چوری کی ہے لہٰذا دین ابراہیمی کے موافق اس کو میرے حوالہ کرو تا کہ ایک سال تک میں اس سے خدمت کرواؤں یعقوب علیہ السلام مجبور ہوئے اور ایک سال کے لیے انہیں یوسف علیہ السلام کو اپنی بہن کے پاس چھوڑنا پڑا پس بنیامین کے معاملہ میں برادران یوسف علیہ السلام نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۹۳ جلد ۹)

اور بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانا کا ایک بت چرا کر توڑ ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ گھر کا کھانا چھپا کر فقیروں کو دے دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام افعال محمود اور پسندیدہ ہیں ان میں سے کوئی فعل حقیقتاً سرقہ نہیں۔

ابن انصاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جتنے افعال ہیں ان میں کوئی بھی چوری نہیں ہاں ظاہر میں چوری کے مشابہ ہیں جب بھائیوں کو بنیامین کی چوری سے شرمندگی لاحق ہوئی تو غصہ میں آکر یوسف علیہ السلام کے اور افعال کو بھی سرقہ قرار دے دیا۔ پس یوسف علیہ السلام نے ان کی اس طعن آمیز بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہ کیا ان کا یہ طعن آمیز لفظ سن لیا مگر اس کا کوئی رد نہیں کیا زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں یہ کہا تم بہت بدتر ہو اور خدا اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے جو تم بیان کر رہے ہو چور تو تم خود ہو بیٹے کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا اور دوسروں کو چور کہتے ہو کوئی تو مال غائب کرتا ہے تم نے تو آدمی غائب کر دیا تم غلط کہتے ہو نہ میں چور ہوں نہ میرا بھائی چور ہے اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا بھائیوں نے جب یہ دیکھا تو

اب فکر ہوئی کہ جا کر باپ کو کیا جواب دیں گے تو منت وخوشامد کرنے لگے اور بولے اے عزیز مصر بنیامین کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اپنے بڑے بیٹے یوسف علیہ السلام کے ہلاک ہونے کے بعد اس سے محبت رکھتا ہے اندیشہ ہے کہ وہ اس غم میں مر نہ جائے پس آپ اس کے بوڑھے باپ پر رحم کیجئے اور اس کی بجائے ہم میں سے ایک کو لے لیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں اور آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں بے شک چور کی سزا یہی ہے کہ اس کو روک لیا جائے لیکن ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے آپ کا احسان ہوگا۔

یوسف علیہ السلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑ لیں تو تمہارے دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے جاننا چاہئے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لیے خدائے تعالیٰ نے یہ حیلہ بتلایا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں۔ خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اس لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کروں تو ظالم ٹھہروں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے مجھ کو بنیامین کے روکنے کا حکم دیا ہے میں اگر اس کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لوں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا نبی علیہ السلام پر یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو افعال خضر علیہ السلام سے سرزد ہوئے ان میں اللہ کی مخفی حکمتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبول خداوندی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت ہو چکا ہو اور اب قیامت تک کسی کا الہام کتاب وسنت کے خلاف حجت تو کیا ہوتا قابل التفات بھی نہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا اِعْتَزَلُوْا **نَجِيًّا** مَصْدَرٌ يَصْلُحُ لِلْوَاحِدِ وَغَيْرِهٖ اَىْ يُنَاجِىْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا **قَالَ كَبِيْرُهُمْ** سِنًّا رُوْبِيْلُ اَوْ رَأْيًا يَهُوْدَا **اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا** عَهْدًا **مِّنَ اللّٰهِ** فِىْ اَخِيْكُمْ **وَمِنْ قَبْلُ مَا** زَائِدَةٌ **فَرَّطْتُّمْ فِىْ يُوْسُفَ** وَقِيْلَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ مِنْ قَبْلُ **فَلَنْ اَبْرَحَ** اُفَارِقَ **الْاَرْضَ** اَرْضَ مِصْرَ **حَتّٰى يَاْذَنَ لِىْٓ اَبِىْٓ** بِالْعَوْدِ اِلَيْهِ **اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِىْ** بِخَلَاصِ اَخِىْ **وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ** ﴿۸۰﴾ اَعْدَلُهُمْ **اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَآ** عَلَيْهِ **اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا** تَيَقَّنَّا مِنْ مُشَاهَدَةِ الصَّاعِ فِىْ رَحْلِهٖ **وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ** لِمَا غَابَ عَنَّا حِيْنَ اِعْطَاءِ الْمُوْثِقِ **حٰفِظِيْنَ** ﴿۸۱﴾ وَلَوْ عَلِمْنَا اَنَّهٗ يَسْرِقُ لَمْ نَاْخُذْهُ **وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا** هِىَ مِصْرُ اَىْ اَرْسِلْ اِلٰى اَهْلِهَا فَاسْأَلْهُمْ **وَالْعِيْرَ** اَىْ اَصْحَابَ الْعِيْرِ **الَّتِىْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا** وَهُمْ قَوْمٌ مِّنْ كَنْعَانَ **وَاِنَّا**

لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ فِیْ قَوْلِنَا فَرَجَعُوْا اِلَیْهِ وَقَالُوْا لَهٗ ذٰلِكَ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ زَیَّنَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَفَعَلْتُمُوْهُ اِتَّهَمَهُمْ لِمَا سَبَقَ مِنْهُمْ فِیْ اَمْرِ یوسف فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ صَبْرِیْ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ بِیُوْسُفَ وَاَخَوَیْهِ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ بحالی الْحَكِیْمُ ﴿۸۳﴾ فِیْ صُنْعِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ تَارِكًا خِطَابَهُمْ وَقَالَ یٰۤاَسَفٰى الْاَلِفُ بَدَلٌ مِنْ یَاءِ الْاِضَافَةِ اَیْ یَا حُزْنِیْ عَلٰى یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ اِنْمَحَقَ سَوَادُهُمَا وَبُدِّلَ بَیَاضًا مِنْ بُكَائِهٖ مِنَ الْحُزْنِ علیه فَهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۸۴﴾ مَغْمُوْمٌ مَكْرُوْبٌ لَا یُظْهِرُ كَرْبَهٗ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَا تَفْتَؤُا تَزَالُ تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا مُشْرِفًا عَلَى الْهَلَاكِ لِطُوْلِ مَرَضِكَ وَهُوَ مَصْدَرٌ یَسْتَوِیْ فِیْهِ الْوَاحِدُ وَغَیْرُهٗ اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِیْنَ ﴿۸۵﴾ اَلْمَوْتٰى قَالَ لهم اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ هُوَ عَظِیْمُ الْحُزْنِ الَّذِیْ لَا یُصْبَرُ عَلَیْهِ حَتّٰى یُبَثَّ اِلَى النَّاسِ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ لَا اِلٰى غَیْرِهٖ فَهُوَ الَّذِیْ تَنْفَعُ الشَّكْوٰى اِلَیْهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ مِنْ اَنَّ رُؤْیَا یُوْسُفَ صَدَقَ وَهُوَ حَیٌّ ثُمَّ قَالَ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ اُطْلُبُوْا خَبَرَهُمَا وَلَا تَایْــٴَـسُوْا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ رَحْمَتِهٖ اِنَّهٗ لَا یَایْــٴَـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَانْطَلَقُوْا نَحْوَ مِصْرَ لِیُوْسُفَ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ الْجُوْعُ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ مَدْفُوْعَةٍ یَدْفَعُهَا كُلُّ مَنْ رَاٰهَا لِرَدَائَتِهَا وَكَانَتْ دَرَاهِمَ زُیُوْفًا اَوْ غَیْرَهَا فَاَوْفِ اَتِمَّ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ بِالْمُسَامَحَةِ عَنْ رَدَائَةِ بِضَاعَتِنَا اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ﴿۸۸﴾ یُثِیْبُهُمْ فَرَقَّ عَلَیْهِمْ وَاَدْرَكَتْهُ الرَّحْمَةُ وَرَفَعَ الْحِجَابَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهُمْ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ تَوْبِیْخًا هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ مِنَ الضَّرْبِ وَالْبَیْعِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَاَخِیْهِ مِنْ هَضْمِكُمْ لَهٗ بَعْدَ فِرَاقِ اَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ مَا یَؤُلُ اِلَیْهِ اَمْرُ یُوْسُفَ قَالُوْۤا بَعْدَ اَنْ عَرَفُوْهُ لِمَا ظَهَرَ مِنْ شَمَائِلِهٖ مُسْتَثْبِتِیْنَ ءَاِنَّكَ بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَیْنِ لَاَنْتَ یُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ بالاجتماع اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ یَخَفِ اللّٰهَ وَیَصْبِرْ علی مَا یَنَالُهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾ فِیْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ

وَ اِنْ مخففة ای اِنَّا کُنَّا
الْمُضْمَرِ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ فَضَّلَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا بِالْمُلْكِ وَغَيْرِهٖ
لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ اٰثِمِيْنَ فِيْ اَمْرِكَ فَاَذْلَلْنَاكَ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عتب عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ خَصَّهٗ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ
مَظَنَّةُ التَّثْرِيْبِ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَسَاَلَهُمْ عَنْ اَبِيْهِ فَقَالُوْا ذَهَبَتْ
عَيْنَاهُ فَقَالَ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا وَهُوَ قَمِيْصُ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ لَبِسَهٗ حِيْنَ اُلْقِيَ فِي النَّارِ كَانَ فِيْ عُنُقِهٖ فِي
الْجُبِّ وَهُوَ مِنَ الْجَنَّةِ اَمَرَهٗ جِبْرَئِيْلُ بِاِرْسَالِهٖ لَهٗ وَقَالَ اِنَّ فِيْهِ رِيْحَهَا وَلَا يُلْقٰى عَلٰى مُبْتَلًى اِلَّا عُوْفِيَ
فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۰ / ۱۴ / ۳

ترجمہ: پھر جب یہ بھائی یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے (مصدر ہے واحد وغیر واحد سب کے لئے آتا ہے یعنی باہم مشورہ کرنے لگے) ان سب میں جو بڑا تھا (عمر کے لحاظ سے روبیل اور عقل کے لحاظ سے یہودا) کہنے لگا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے خدا کی قسم کھلا کر (تمہارے بھائی کے بارے میں) کیا عہد لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کس درجہ کوتاہی کر چکے ہو (ما زائدہ ہے ایک قول یہ ہے کہ ما مصدریہ ہے اور مبتدا واقع ہے اور من قبل اس کی خبر ہے سو میں تو یہاں سے ٹلنے والا نہیں (سرزمین مصر سے) یہاں تک کہ خود باپ مجھے حکم نہ دے (اس کے پاس لوٹنے کا) یا پھر اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ نہ کر دے (میرے بھائی کی رہائی کی صورت میں) اور وہ سب سے بہتر (عمدہ) فیصلہ کرنے والے ہیں تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو اے ابا جان! آپ کے صاحبزادہ نے چوری کی ہے اور ہم (اس کے متعلق وہی کہہ رہے ہیں جو ہمیں معلوم ہوا ہے (اس کے بورے سے کٹورہ برآمد ہونے سے ہمیں جو یقین ہوا ہے) اور ہم غیب کی باتوں کے (عہد لینے کے وقت جو چیز ہمارے سامنے نہیں تھی ان کے تو حافظ نہیں ہیں اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ چوری کرے گا تو ہم عہد ہی نہ کرتے) اور آپ اس بستی سے معلوم کر لیجئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے (بستی سے مراد مصر ہے یعنی اہل مصر کے پاس کسی کو بھیج کر معلوم کر لیجئے اور اس قافلہ (کے آدمیوں) سے معلوم کر لیجئے جن کے ساتھ ہم آتے ہیں (اور وہ کنعان کی قوم کے لوگ ہیں) اور یقین جانئے ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں (یہ باتیں چنانچہ اس قرارداد کے مطابق یہ سب بھائی باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام باتیں عرض کیں) یعقوبؑ بولے یہ بات نہیں بلکہ اپنے دل سے تم نے ایک بات گھڑ لی ہے (اسی کے مطابق تم کام کر رہے ہو یوسف کے معاملہ پر قیاس کر کے حضرت یعقوبؑ نے ان بھائیوں کو متہم سمجھا) خیر میرے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں صبر بھی وہ جس کی شکایت کا نام نہ ہوگا اللہ سے امید ہے کہ ان سب (یوسف اور اس کے بھائیوں) کو مجھ تک پہنچا دے گا وہ خوب جاننے والا اور (اپنی تدبیر میں) بڑی حکمت والا ہے اور یعقوب نے بیٹوں سے دوسری طرف منہ پھیر لیا ان سے گفتگو بند کر دی اور فرمانے لگے) ہائے افسوس اس میں الف یاء اضافت کے بدلہ میں ہے یعنی ہائے افسوس! یوسف اور ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں (زیادہ رونے سے آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی سفیدی سے بدل گئی) شدت غم سے اور ان کا سینہ غم سے لبریز تھا (دل ہی دل میں گھٹا کرتے تھے) بیٹے کہنے لگے بخدا تم

ہمیشہ ہی یوسف کی یاد میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر جاں بلب ہو جاؤ گے یہاں تک کہ بیماری کے طول پکڑنے کی وجہ سے لب دم ہوئے جا رہے ہو حرضا مصدر ہے اس میں واحد وغیرہ واحد سب برابر ہیں) یا بالکل ہی مرجاؤ گے (ہلاک ہو جاؤ گے) یعقوبؑ نے بیٹوں سے کہا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب (ناقابل برداشت غم کہ بے صبری کی وجہ سے لوگوں کے سامنے واویلا کرنے لگوں) اور غم اللہ کے سامنے (کسی اور کے سامنے نہیں وہی ذات ہے کہ جس کے سامنے اظہار غم مفید ہوتا ہے) اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے (یوسف کے خواب کے سچے ہونے کے بارے میں اور یہ بھی کہ وہ زندہ ہے پھر بولے) اے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی (ان کا پتہ لگاؤ) اور ناامید مت ہو (مایوس نہ ہو) اللہ کے فیض (رحمت) سے اللہ کے فیض سے وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں (یوسف کے پاس مصر کی جانب چل پڑے) جب یوسف کے پاس پہنچے بولے اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی (بھوک) پڑی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص (ایسی نکمی چیز جس کو بے کار سمجھ کر ہر دیکھنے والا پھینک دے کہ وہ کچھ کھوٹے درہم وغیرہ تھے سوغلہ کی پوری مقدار ہم کو دے اور ہماری مدد کر بے کار چیزوں سے چشم پوشی کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے (ان کو ثواب عنایت کرتا ہے یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا اور جوش رحمت سے بے قابو ہو گئے اور اپنے اور بھائیوں کے درمیان سے حجاب اٹھا دیا پھر ڈانٹ کے لہجے میں بھائیوں سے گویا ہوئے) تمہیں یاد ہے تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا؟ (مارنا پیٹنا بیچنا وغیرہ) اور اس کے ساتھ بھی (یوسف کے بعد بنیامین پر تم نے ظلم توڑا) جب کہ تم ناسمجھ تھے (یوسف کے معاملہ سے ناواقف) کہنے لگے جب یوسف علیہ السلام کی کچھ خصلتیں دیکھنے کے بعد انہیں پہچانتے ہوئے غور کر رہے تھے) کیا سچ مچ (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کر کے اور ان دونوں صورتوں میں ان دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے پڑھ گیا ہے) تم ہی یوسف ہو؟ بولے میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی اللہ نے احسان (انعام) فرمایا ہے ہم پر (کہ باہم ملایا) البتہ جو کوئی ڈرتا ہے (اللہ کا خوف کھاتا ہے) اور صبر کرتا ہے (اللہ کی نوازش پر) تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا (اس ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے)۔ بولے اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر برتری (فضیلت) عطا کی (سلطنت وغیرہ دے کر) اور بلاشبہ (ان مخففہ ہے) ہم چوکنے والے تھے (آپ کے معاملہ میں قصوروار تھے اس لئے ہمیں آپ کے سامنے ذلیل ہونا پڑا) یوسف بولا آج کے دن تم پر کوئی الزام (عتاب) نہیں (اس دن کی تخصیص اس لئے کی کہ اس میں غصہ کا احتمال تھا دوسرے وقت تو بدرجہ اولی عتاب نہیں) بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان (پھر اپنے والد کے بارے میں یوسف علیہ السلام سے پوچھا بھائیوں نے بتایا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں) بولے لے جاؤ یہ کرتا میرا (یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کرتا تھا جس کو انہوں نے آگ میں گرنے سے پہلے پہنا تھا یہی کرتا یوسف علیہ السلام کے کنویں میں گرتے وقت ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا یہ درحقیقت جنتی کرتا تھا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یوسف کو اس کرتے کے بھیجنے کے لئے کہا تھا اور بتایا تھا کہ اس کرتے میں ایسی خوشبو ہے کہ جس بیمار پر بھی اس کو ڈال دیا جائے وہ تندرست ہو جائے گا) اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنا سارا گھر میرے پاس لے آؤ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يَـئَسُوْا: اسْتَيْـئَسُوْا میں سین اور تا مبالغہ کے لئے ہے طلب سے اس کا تعلق نہیں۔

قوله: يُنَاجِىْ بَعْضُهُمْ: نجیا مصدر ہے اور متناجین کی تاویل سے حال ہے یا تقدیر فعل سے حال ہے۔

قوله: مَا: یہ زائدہ ہے موصولہ اور مصدریہ نہیں۔

قوله: اَصْحَابَ الْعِيْرِ: یعنی ممکن ہے قافلہ والوں سے پوچھا گیا ہو۔

قوله: فَرَجَعُوْا: یہ بڑے کے قول پر تفریع ہے۔ یعنی بڑے کی بات کے بعد وہ اپنے والد کی طرف لوٹے۔

قوله: عَلٰى يُوْسُفَ: یوسف پر تاسف ہی تمام غموں کی بنیاد تھی۔

قوله: مِنْ بُكَائِهٖ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا ابیضاض آنکھ کا باعث تو بکاء ہی تھا۔

قوله: مَغْمُوْمٌ مَكْرُوْبٌ: یہاں فعیل مفعول کے معنی میں ہے، دلیل: اذ نادی وهو مکظوم، غم سے بھرے ہوئے۔

قوله: لَا تَفْتَؤُا: یہاں حرف نفی محذوف ہے کیونکہ اثبات میں بھی کوئی اشتباہ نہیں البتہ اثبات میں لام اور نون لانا پڑتا کیونکہ یہ جواب قسم ہے۔

قوله: مُشْرِفًا عَلَى الْهَلَاكِ: حرضا مصدر ہونے کی وجہ تذکیر وتانیث نہیں رکھتا اور اس کو فاعل کے معنی میں مجاز بنایا گیا ہے۔

قوله: يُنْبِئُهُمْ: عام کا ذکر کر کے خاص مراد لیا ہے۔

قوله: تَوْبِيْخًا: هَلْ عَلِمْتُمْ کا استفہام توبیخی ہے۔

قوله: مَايَؤُلُ اِلَيْهِ: کو مقدر مانا گیا جو مفعول ہے تا کہ یہ سوال نہ اٹھ سکے کہ ان کی طرف نسبت جہل درست نہیں۔

قوله: مُسْتَثْبِتِيْنَ: یہ استفہام تقریری ہے اسی لئے اس پر ان اور لام داخل ہے۔

قوله: تَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ: ائنک میں قاعدہ بین بین بھی جاری ہو سکتا ہے۔

قوله: اَنْعَمَ اللّٰهُ: اس سے سلامتی وعظمت مراد ہے جو ان کو بخشی گئی۔

قوله: مخففة: یہ اِنْ نہ نافیہ اور نہ شرطیہ اس کا اسم ضمیر شان ہے-ای ان شا ننا ان کنا لخاطئین-

قوله: عَلٰى مُبْتَلٰى: مصیبت زدہ۔

قوله: بَصِيْرًا: یعنی وہ بصارت والے ہو جائیں گے۔

تفسیر مقبولین

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ....

برادرانِ یوسف علیہ السلام کی سفر دوئم سے واپسی:

(ربط) گزشتہ آیات میں برادران یوسف علیہ السلام کی دوسری آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں اس دوسرے سفر سے واپسی کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پس جب برادران یوسف علیہ السلام بنیامین کی رہائی کے بارے میں یوسف علیہ السلام سے بالکل ناامید ہو گئے اور ان کے صاف جواب سے سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے تو علیحدہ ہو کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہئے پس جو ان میں سے عقل یا عمر میں بڑا تھا اس نے یہ کہا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے بنیامین کی محافظت کے بارے میں تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم جو کوتاہی کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے اب باپ کے سامنے کس منہ سے جائیں پس میں تو اب زمین مصر سے نہ نکلوں گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے سوائے بھائیو! تم مجھ کو تو یہاں چھوڑ دو اور تم باپ کی طرف واپس جاؤ پھر کہو اے ہمارے باپ، آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لیے ان کو وہاں روک لیا گیا اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس چیز کی جس کو ہم نے مشاہدہ سے جانا اور سمجھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہم نے جو آپ سے محافظت کا عہد کیا تھا اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چوری کرے گا اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لے جاتے یا یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اس کی چوری ثابت ہوئی اور اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور نے یہ پیمانہ اس کے سامان میں رکھ دیا ہو بہر حال ہم غیب دان نہیں اور اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر شخص کو بھیج کر بستی والوں سے دریافت کرا لیں جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے تھے اور بے شک ہم اپنے قول میں سچے ہیں یعقوب علیہ السلام نے حال سن کر یہ فرمایا کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا بلکہ تمہارے دلوں نے کوئی بات بنائی ہے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا اور جس طرح پہلی بار بیٹوں نے آ کر یہ کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ. اسی طرح جب دوسری بار بیٹوں نے آ کر بنیامین کی چوری کا قصہ بیان کیا تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ، اور بنیامین کے واقعہ کو بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات قرار دیا حالانکہ بظاہر یہ بات ان کی بنائی ہوئی نہ تھی۔ اور وہ بظاہر اپنی بات میں سچے تھے لیکن نبی کا کلام جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتا نبی کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ کا خطاب سب بیٹوں کو ہے جن میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں اور یہ بات یوسف علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھی حقیقت میں بنیامین چور نہ تھے تو یعقوب علیہ السلام کا یہ کلام بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ سراپا صدق اور حق ہے کہ اے بیٹو! یہ بات تمہاری بنائی ہوئی ہے اور اس کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں حقیقت میں بنیامین نے چوری نہیں کی تم سب بھائیوں میں سے کسی کی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض مفسرین

کرام ؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم مجھ سے حفاظت کے عہد و پیمان کر کے بنیامین کو لے گئے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ کہتے کہ اسباب میں سے یہ پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوگئی ممکن ہے کسی دوسرے شخص نے ان کے اسباب میں یہ پیالہ چھپا دیا ہو تم نے پیالہ برآمد ہوتے ہی چوری کا اقرار کر لیا اور خلاف قانون بادشاہ مصر کو شریعت ابراہیمی کا فتویٰ بتلا کر بھائی کو گرفتار کروا دیا اگر شریعت ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ ہوتا۔ بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنا لیا تم اگر بادشاہ کو نہ بتلاتے تو بادشاہ اپنے قانون پر چلتا اور بنیامین کو نہ لے سکتا محض پیالہ کے برآمد ہو جانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کر لیا چوری کے ثبوت کے لیے ایسی شہادت اور دلیل چاہئے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لیے یہ شرط ہے کہ مال مقام حرز و محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو۔ جب چوری کی سزا دی جا سکتی ہے بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری میں تمہاری تسویل نفس کو کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہوا سو ہوا چارہ کار صبر جمیل ہے مجھے امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں کو میرے پاس لائے گا یعنی یوسف علیہ السلام کو بنیامین کو اور اس تیسرے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا ہے اور شرم کی وجہ سے نہیں آیا۔

یہ بات یعقوب علیہ السلام نے حسن ظن کی بناء پر کہی اللہ کی سنت یہ ہے کہ عسر کے بعد یسر عطا فرماتے ہیں نیز ان کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں کیونکہ ابھی تک یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوئی اور یوسف علیہ السلام کا خواب بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا یوسف علیہ السلام کے رؤیائے صادقہ کا وقوع اور ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ابھی صحیح و سالم زندہ ہوں اور وہ مع اپنے بھائیوں کے مجھے ملیں۔

القصہ یعقوب علیہ السلام نے نور نبوت اور نور معرفت سے جانا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور نہایت ادب سے حق تعالیٰ سے یہ امید ظاہر کی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم اور حکیم ہے جو کچھ اس نے میرے ساتھ اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا وہ سب علم اور حکمت کے ساتھ ہے اور یہ جواب دے کر شدت رنج و غم سے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف منہ کر لیا اور اس تازہ غم سے یوسف علیہ السلام کا پرانا غم تازہ ہو گیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف علیہ السلام پر اور غم کی وجہ سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی اسی قدر نور بصیرت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور گریہ وزاری کی زیادتی سے لحظہ بلحظہ مراتب اور مدارج بلند اور برتر ہو رہے تھے پس وہ اندر ہی اندر گھٹے ہوئے اور خاموش تھے کسی مخلوق سے اپنے صدمہ کی شکایت نہیں کرتے تھے دل مبارک رنج و غم سے بھرا ہوا تھا مگر ظاہر نہ کرتے تھے۔

دردیست درمیں سینہ کہ گفتن نتوانم دریں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نتوانم

بیٹوں نے باپ کا یہ اضطراب دیکھا تو بولے اے باپ بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم ان کے غم میں گھل کر مرنے کے قریب ہو جاؤ گے یا بالکل مرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں کے جواب میں یہ کہا میں تو اپنی بے قراری اور پریشانی کا اور رنج و غم کا شکوہ فقط اللہ ہی سے کرتا ہوں تم سے تو کچھ نہیں کہتا اور میں جانتا ہوں

اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے میں خوب جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہے یعنی مجھ کو یقین ہے کہ یوسف علیہ السلام ابھی مرا نہیں کیونکہ ابھی تک اس کا خواب پورا نہیں ہوا مجھے امید ہے کہ عنقریب یوسف علیہ السلام مجھ سے ملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھلایا ہے حرف بحرف اس کو پورا کرے گا نیز مجھے معلوم ہے کہ اللہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ خدا اپنے دعا کرنے والے بندہ کو محروم اور خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے بے صبر وہ ہے جو خالق کے بھیجے ہوئے درد کی مخلوق کے آگے شکایت کرے میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے مجھے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔

(موضح القرآن)

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ مسبب الاسباب وہی ہے لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں تدبیر ظاہری کو ترک نہ کرو اس لیے میں تم کو کہتا ہوں کہ ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ یعنی کوشش کرو جس سے یوسف علیہ السلام کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو اور تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خواہ مخواہ کیوں مصر میں پڑا رہے گا اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے امید رکھو کہ تمہاری سعی بار آور ہوگی بے شک خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام علم الٰہی سے وہ چیز جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے اس لیے ابتداء میں چاہ کنعان میں تلاش کرنے کا حکم نہ دیا اور جب وقت آیا تو بالقاء الٰہی حکم دیا کہ مصر جا کر یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ ....

برادران یوسف علیہ السلام کی تیسری بار مصر آمد:

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو تاکید اکید کی کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلیں چنانچہ یہ لوگ مصر روانہ ہوئے کہ اول تو اس بھائی کو لانے کی کوشش کریں جس کا نشان معلوم تھا اس کے بعد دوسرے بے نشان بھائی یعنی یوسف علیہ السلام کی تلاش شروع کریں اب آئندہ آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق پھر مصر روانہ ہوئے اور اناج کے لیے بھی کچھ خفیف سی بضاعت ساتھ لیتے گئے پس جب یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق مصر روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے اس مرتبہ اے عزیز کے لفظ سے خطاب کیا جس کا مقصود یہ تھا کہ آپ ہماری شکستہ حالی پر رحم فرمائیں ہم قحط زدہ ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لیے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اس لیے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں پس آپ علیہ السلام مہربانی سے ہم کو پورا پیمانہ دے دیجیے تحقیق اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی یہ نیاز مندی اور دردمندی دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ضبط نہ ہو سکا اور حق جل شانہ کی طرف سے اجازت ملی کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اب زمانہ مفارقت کا ختم ہوا چنانچہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا بھلا بتاؤ تم کو یاد ہے کہ جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے برتاؤ کیا جب کہ تمہارا زمانہ جہالت کا

تھا اس وقت تم کو برے بھلے کی خبر نہ تھی اس وقت تم جوش میں کرگزرے اور اب تم ہوش میں آرہے ہو یوسف علیہ السلام نے اس طرح سے اپنے آپ کو ظاہر کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک عذر بھی بیان کر دیا کہ تم سے نادانی کی حالت میں یہ بات سرزد ہوئی تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب اس طرح پورا ہو کر رہے گا بھائیوں نے جب یہ سنا تو فوراً یہ خیال آیا کہ یہ بولنے والا کہیں وہی یوسف علیہ السلام تو نہیں جس کو ہم نے مصر قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا پھر یوسف علیہ السلام کی صورت اور شکل کی طرف نظر کی تو بولے کہ کیا یقیناً تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے یہ جمال اور کمال سوائے یوسف علیہ السلام کے کسی میں نہیں کیا تو ہی یوسف علیہ السلام ہے؟

فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے ہم دونوں ایک جگہ جمع ہیں جن کے تجسس اور تحسس کے لیے بحکم پدر تم نکلے ہو بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دونوں کو جدائی کے بعد یکجا کر دیا اور ہماری مصیبت کو مبدل بہ راحت کر دیا اور جس کو غلام بنا کر دراھم معدودہ میں فروخت کیا گیا تھا اللہ نے اسے مصر کی حکومت عطا کی بے شک خدا سے ڈرے اور مصائب پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا بھائی بولے بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر وہ فضیلت دی ہے جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھی اور بے شک ہم خطاوار ہیں اللہ معاف کر دو یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں میں کبھی اس بات کو زبان پر نہ لاؤں گا بہر حال میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اللہ بھی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے پس جب میں نے تم پر رحم کیا تو وہ کیوں رحم نہ کرے گا پھر یوسف علیہ السلام نے ان سے اپنے باپ کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں جاتی رہیں یہ سن کر اپنا پیراہن ان کو دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو اور وہ بینا ہو کر میرے پاس آئیں گے اس کرتہ کے ڈالنے سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور ان کے ساتھ باقی سب گھر والوں کو بھی میرے پاس لے کر آؤ مطلب یہ ہے کہ بحالت موجودہ میں تو شام کا سفر نہیں کر سکتا تم جاؤ اور والدین کو اور سب اہل خانہ کو لے کر آؤ اور یہ سب بحکم الٰہی تھا اور اپنی قمیص دے کر یہ فرمانا کہ باپ کی آنکھوں کو لگا دینا یہ بھی بحکم خداوندی تھا اور من جانب اللہ معجزہ اور کرامت تھی کہ ایک نبی اور صدیق کے کرتہ کو چہرہ ڈال دینے سے بینائی واپس آگئی جیسے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور لعاب دہن لگانے سے ایک صحابیؓ کی آنکھ درست ہوگئی اور بہت سے بیمار آپ صلی اللہ کے ہاتھ پھیرنے سے اچھے ہوگئے چنانچہ بھائی اس قمیص کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوئے۔

فائدہ: غالباً یوسف علیہ السلام نے اپنے اس حال کی اپنے باپ کو اس لیے اطلاع نہ دی ہو کہ بذریعہ وحی ان کو منع کر دیا گیا تھا کہ باپ کو اپنے مصر میں ہونے کی اطلاع نہ دیں تا کہ مزید گریہ وبکا سے ان کے درجات اور بلند ہوں یا اس میں اللہ کی کوئی اور حکمت ہو۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ خَرَجَتْ مِنْ عَرِيْشِ مِصْرَ **قَالَ أَبُوهُمْ** لِمَنْ حَضَرَ مِنْ بَنِيْهِ وَأَوْلَادِهِمْ **إِنِّي لَأَجِدُ رِيْحَ يُوسُفَ** أَوْصَلَتْهُ إِلَيْهِ الصَّبَا بِإِذْنِهِ تَعَالَى مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ ثَمَانِيَةٍ أَوْ أَكْثَرَ **لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُوْنِ** ﴿۹۴﴾ تُسَفِّهُوْنِي لَصَدَّقْتُمُوْنِي **قَالُوْا** لَهُ **تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ** تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ خَطَائِكَ **الْقَدِيْمِ** ﴿۹۵﴾

من افراطك في محبته ورجاء لقائه على بعد العهد فلما ان زائدة جاء البشير يهوذا بالقميص
وكان قد حمل قميص الدم فاحب ان يفرحه كما احزنه القٰه طرح القميص على وجهه فارتد
رجع بصيرا قال الم اقل لكم اني اعلم من الله ما لا تعلمون ﴿٩٦﴾ قالوا يابانا استغفر لنا
ذنوبنا انا كنا خطئين ﴿٩٧﴾ قال سوف استغفر لكم ربي انه هو الغفور الرحيم ﴿٩٨﴾ اخر ذلك الى
السحر ليكون اقرب الى الاجابة وقيل الى ليلة الجمعة ثم توجهوا الى مصر وخرج يوسف والاكابر
تلقيهم فلما دخلوا على يوسف في مضربه اوى ضم اليه ابويه اباه وامه او خالته وقال لهم
ادخلوا مصر ان شاء الله امنين ﴿٩٩﴾ فدخلوا وجلس يوسف على سريره ورفع ابويه ابويه
اجلسهما معه على العرش السرير وخروا اي ابواه واخوته له سجدا سجود انحناء لا وضع جبهة
وكان تحيتهم في ذلك الزمان وقال يابت هذا تاويل رءياي من قبل قد جعلها ربي حقا وقد
احسن بي اذ اخرجني من السجن لم يقل من الجب تكرما لئلا يخجل اخوته وجاء بكم من
البدو البادية من بعد ان نزغ افسد الشيطن بيني وبين اخوتي ان ربي لطيف لما يشاء انه
هو العليم بخلقه الحكيم ﴿١٠٠﴾ في صنعه واقام عنده ابوه اربعا وعشرين سنة او سبع عشرة سنة
وكانت مدة فراقه ثمان عشرة او اربعين او ثمانين سنة وحضره الموت فوصى يوسف ان يحمله
ويدفنه عند ابيه فمضى بنفسه ودفنه ثمه ثم عاد الى مصر واقام بعده ثلاثا وعشرين سنة ولما تم امره
وعلم انه لا يدوم تاقت نفسه الى الملك الدائم فقال رب قد اتيتني من الملك وعلمتني من
تاويل الاحاديث تعبير الرؤيا فاطر خالق السموت والارض انت ولي متولي مصالحي في
الدنيا والاخرة توفني مسلما والحقني بالصلحين ﴿١٠١﴾ من ابائي فعاش بعد ذلك اسبوعا او اكثر
ومات وله مائة وعشرون سنة وتشاح المصريون في قبره فجعلوه في صندوق مرمر ودفنوه في اعلى
النيل لتعم البركة جانبيه فسبحان من لا انقضاء لملكه ذلك المذكور من امر يوسف من انباء

الْغَيْبِ اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ يَا مُحَمَّدُ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ لَدٰى إِخْوَةِ يُوسُفَ إِذْ أَجْمَعُوٓا
أَمْرَهُمْ فِي كَيْدِهِ اَىْ عَزَمُوا عَلَيْهِ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾ بِهِ اَىْ لَمْ تَحْضُرْهُمْ فَتَعْرِفُ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرُ بِهَا وَ
اِنَّمَا حَصَلَ لَكَ عِلْمُهَا مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ وَمَآ أَكْثَرُ النَّاسِ اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ وَلَوْ حَرَصْتَ عَلَى اِيْمَانِهِمْ
بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ اَىِ الْقُرْاٰنِ مِنْ أَجْرٍ ۚ تَاْخُذُهُ إِنْ مَا هُوَ اَىِ الْقُرْاٰنُ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ
لِّلْعٰلَمِينَ ﴿١٠٤﴾ ع ۱۱

ترجمہ: اور جب جدا ہوا قافلہ (آبادی مصر سے) توان کے باپ نے کہا (حاضرین سے جوان کے بیٹے اور پوتے تھے) کہ میں یوسف کی بو پاتا ہوں (حق تعالیٰ کے حکم سے یوسف کی خوشبو ہوا نے تین دن یا آٹھ دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے باپ تک پہنچادی) اگر نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا (بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو مجھے سچا جانو) کہنے لگے بخدا آپ تو اپنی اسی قدیم غلطی (خیال فاسد) میں پڑے ہوئے ہیں (حد سے زیادہ محبت میں اور ایک زمانہ گزرنے کے باوجود ملنے کی آس لگائے بیٹھے ہو) لیکن پھر جب (ان زائدہ ہے) خوشخبری سنانے والا آ پہنچا (یہودا کرتا لے کر آ گیا اور خون آلود کرتے کو بھی وہی لے کر آیا تھا جس طرح سے اس نے رنج دیا تھا اب خوشخبری بھی اسی نے دینی چاہی تو اس نے آتے ہی یوسف کا کرتا یعقوب کے چہرہ پر ڈال دیا فوراً ہی آنکھیں کھل گئیں، فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں سب بیٹوں نے کہا ابا جان! ہمارے گناہ کو بخشوا دیجئے بے شک ہم چوکنے والے تھے باپ نے کہا دم لو جلد ہی اپنے پروردگار سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے (دعا کا معاملہ صبح تک اس لئے مؤخر کیا کہ وہ زیادہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور بعض کی رائے میں جمع کی شب تک مؤخر تھا اس کے بعد یہ سب مصر روانہ ہو گئے) ادھر استقبال کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام اور ارکان سلطنت آگے بڑھے) پھر جب سب کے سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے (ان کے خیمہ میں آئے) تو انہوں نے اپنے والد (باپ کے ساتھ ماں تھی یا خالہ) کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا اب داخلہ ہو شہر میں خدا نے چاہا تو دلجمعی سے (سب کے سب پہنچ گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام اپنے تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے) اور یوسف نے اپنے والدین کو بلند جگہ پر بٹھایا (اپنے ساتھ بٹھایا) اپنے تخت پر (اور ان کے والدین اور بھائی) سب کے سب ان کے آگے سجدہ میں گر گئے یعنی جھک گئے یہ نہیں کہ پیشانی زمین پر رکھ دی ہو اور اس وقت ان کے آداب کی بجا آوری کا طریقہ یہی تھا) اور یوسف نے کہا اے ابا جان یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا میرے پروردگار نے اس کو سچ کر دکھایا یہ اسی کا احسان ہے مجھے قید سے رہائی دی (کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں کیا، کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو) تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچادیا اور سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف (فساد) ڈال دیا تھا، بلاشبہ میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر کر دیتا ہے بے شک وہ بڑا جاننے والا ہے اپنی مخلوق کو، بڑی حکمت والا ہے (اپنی تدبیر میں اس کے بعد حضرت یوسف کے پاس ان کے والد چوبیس یا سترہ سال قیام پذیر رہے اور جدائی کی کل مدت اٹھارہ یا چالیس سال یا اسی سال رہی ہے وفات کا وقت جب آیا تو انہوں نے

حضرت یوسف کو وصیت کی کہ مجھے میرے والد کے پاس دفن کرنا چنانچہ انتقال کے بعد حضرت یوسف ازخود تشریف لے گئے اور پھر مصر واپس تشریف لے آئے اور تئیس ۲۳ سال اس کے بعد پھر زندہ رہے اور جب یوسف کا کام پورا ہو گیا اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ میں ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا تو دائمی ٹھکانہ کی طرف آپ کا دل مشتاق ہوا (چنانچہ پکار اٹھے) اے پروردگار! آپ نے مجھ کو حکومت عطا فرمائی اور مجھے خوابوں کی تعبیر دینا سکھلایا اے زمین و آسمان کے بنانے والے! آپ ہی میرے کارساز (مصلحتوں کے نگراں) ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور پوری فرمانبرداری کے ساتھ مجھے دنیا سے اٹھا اور اپنے خاص بندوں میں شامل کر (میرے باپ دادوں کے ساتھ چنانچہ اس کے بعد ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ زندہ رہے پھر ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہو گئی تو اہل مصر میں ان کی تدفین کے بارے میں اختلاف ہو گیا چنانچہ سنگ مرمر کے ایک تابوت میں نعش مبارک رکھ کر دریائے نیل کے بالائی حصہ میں دفنا دی تاکہ دریائے نیل کے دونوں جانب برکت رہے، سبحان اللہ خدا ہی کی سلطنت کو دوام ہے یہ قصہ (واقعہ یوسف) غیب کی خبروں میں سے ہے (اے محمد! یہ واقعات آپ کے سامنے نہیں ہیں) جس کی وحی ہم آپ پر کر رہے ہیں اور نہ ہی آپ ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس تھے جس وقت یوسف کے بھائی پختہ عزم کر رہے تھے (پوشیدہ تدبیر کرنے پر جم گئے تھے) سازش کرتے ہوئے (یعنی آپ موجود نہیں تھے کہ ان کے قصے سے واقف کار ہوتے اور دوسروں سے بیان کرتے یہ باتیں تو آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہیں) اور اکثر (مکہ کے لوگ) ایسے ہیں کہ آپ کتنا ہی چاہیں (ان کے ایمان کو) لیکن وہ ایمان کبھی نہیں لائیں گے حالانکہ آپ ان سے اس (قرآن) پر کوئی معاوضہ لینا نہیں چاہتے یہ (قرآن) تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام جہان کے لئے نصیحت ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: خَرَجَتْ مِنْ عَرِيْشٍ: فصلت لازم بمعنی خرج اور انفصل ہے جس کا معنی آبادی سے نکلنا ہے۔

قوله: لَصَدَّقْتُمُوْنِیْ: یہ لولا کا جواب ہے جو کہ مقدر ہے ورنہ کلام کامل نہیں ہوتا۔

قوله: رَجَعَ بَصِيْرًا: یہ معجزہ یعقوب یا یوسف علیہما السلام ہے۔

قوله: فِيْ مَضْرَبِهٖ: خیمہ لگانے کی جگہ، استقبال کے مقام پر جہاں یوسف علیہ السلام نے خیمے لگوائے تھے۔

قوله: اٰمِنِيْنَ: سے مراد قحط اور دیگر آفات سے محفوظ و مامون۔

قوله: كَانَ تَحِيَّتُهُمْ: سجدہ تحیہ ان امتوں میں درست تھا۔

قوله: بِيْ اِلَیَّ: یہاں با الی کے معنی میں ہے ای احسن الی۔

قوله: تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا: یہ تمنی موت نہیں بلکہ خاتمہ بالخیر کی دعا ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام نے وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ کہا۔

قوله: تَشَاحَ الْمِصْرِيُّوْنَ: باہمی جھگڑ کر لڑائی پر اتر آئے ہر ایک اپنے محلہ میں تدفین چاہتا تھا۔

قوله: اِنَّمَا حَصَلَ لَكَ عِلْمُهَا: وحی ہے آپ کو اس کا علم دیا ہے آپ کی نبوت کی دلیل بن گئی۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ ....

برادران یوسف علیہ السلام کی سفر سوم سے واپسی:

(ربط) جب یوسف علیہ السلام نے باپ کی بینائی کے لیے قمیص عطا کی اور کہا کہ سب اہل وعیال کو لے کر آؤ تو سب بھائی پیراہن یوسفی لے کر شاداں و فرحاں مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے اور جب قافلہ مصر سے کنعان روانہ ہوا یعنی مصر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جو اس وقت ان کے پاس تھے تحقیق میں یوسف علیہ السلام کی بو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھ کو مخبوط الحواس نہ کہو کہ بڑھاپے کی وجہ سے بہک گیا اور بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کو ابتلاء منظور تھا اس وقت تک یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر معلوم نہ تھی حالانکہ مصر کنعان سے بہت دور تھا مصر سے کنعان میں اور کنعان سے مصر میں ہمیشہ قافلے آتے جاتے رہتے تھے پھر جب خدائے تعالیٰ کو ان کی مصیبت کا دور کرنا منظور ہوا تو بادصبا نے بحکم خداوندی خلاف عادت یوسف علیہ السلام کی بو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی اور اتنی دور سے خوشبو کا پہنچنا بطور معجزہ اور خرق عادت تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک بات خدا کی قدرت میں ہے ادھر قافلہ یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے نکلا اور ادھر اس کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کو محسوس ہونے لگی یہ یعقوب علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو کر سکے وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام ظاہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے یوں ادا کیا ہے:

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے عاقل گہر پیر خردمند!
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہانست دمے پیدا و دیگر دم نہانست
گہے برطارم اعلیٰ نشینم ! گہے برپشت پائے خود نہ بینم

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہاوند میں مشغول جہاد تھا یکایک اثناء خطبہ میں فاروق اعظمؓ نے سردار لشکر ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے مقام نہاوند میں تمام لشکر نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی یہ حضرت عمرؓ کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمرؓ کی آواز مدینہ کے منبر سے نہاوند پہنچا دی ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اسی طرح معجزہ بھی اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے پس جو خدا اپنے مقبول بندہ

کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے پیراہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صدہا میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی۔ ولسلیمن الریح عاصفة تجری بامرہ۔ فسخرنا لہ الریح الی آخر الآیات پس اگر اسی طرح کسی وقت بادصبا بحکم خداوندی کسی برگزیدہ صفت کے خلعت کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ تک پہنچا دے تو کوئی محال نہیں اس کو قبول کر واور اپنے وسوسوں سے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو۔

الغرض جب یعقوب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرتا ہوں تو حاضرین مجلس بولے تحقیق آپ تو اپنی اسی پرانی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور آپ علیہ السلام سے ملیں گے اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ واقع میں کوئی خوشبو نہیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کو مرے ہوئے ایک مدت ہو گئی پھر جب مصر سے بشارت دینے والا آیا تو اس نے آکر یہ خبر دی کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم زندہ ہیں اور انہوں نے یہ پیراہن دے کر مجھے بھیجا ہے تو اس بشیر نے اس کرتہ کو ان کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت یعقوب علیہ السلام بینا ہو گئے اور پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا اس وقت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے تو اول ہی سے یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس بشارت دہندہ سے پوچھا کہ تو نے یوسف علیہ السلام کو کس حال میں چھوڑا اس نے کہا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بادشاہت سے مجھے کیا مطلب یہ بتلا کہ تو نے اسے کون سے دین پر چھوڑا اس نے کہا دین اسلام پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۱ جلد ۹)

یعقوب علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والد بزرگوار کے قدموں پر گرے اور بولے اے ہمارے باپ آپ خدا تعالیٰ سے ہمارے لیے دعائے مغفرت کیجئے بے شک ہم خطاوار ہیں ہم نے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم اور شرمسار ہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر میں دعا کروں گا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود ہی ہمارا قصور معاف فرما دیں اور خدائے تعالیٰ سے بھی دعائے مغفرت کریں حتیٰ کہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ .....

پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچنا' ان کے والدین اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا' اور خواب کی تعبیر پوری ہونا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے تیسری بار جب اپنے بھائیوں کو مصر سے رخصت کیا تھا اور اپنا کرتہ دیا تھا کہ اسے میرے والدین کے چہرہ پر ڈال دینا اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آنا' جب یہ لوگ واپس کنعان پہنچے اور اپنے والد ماجد کے چہرہ انور پر پیراہن یوسف کو ڈال دیا جس سے ان کی بینائی واپس آ گئی اور پھر اپنے والد سے دعائے مغفرت کی درخواست کی اور انہوں نے دعا کر دی تو اب مصر کی روانگی کا ارادہ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ اور گیارہ بیٹے اور ان

کی ازواج واولاد نے رخت سفر باندھا اور مصر کے لیے روانہ ہو گئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے پہنچنے کی خبر ملی تو شہر سے باہر آ کر ایک خیمہ میں (جو پہلے سے لگایا ہوا تھا) ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے نزدیک جگہ دی اور پھر شہر میں داخل ہونے کے لیے فرمایا کہ: ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ کہ مصر میں اندر چلئے ان شاء اللہ تعالیٰ امن وچین سے رہئے جب شہر میں اندر پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کے اکرام اور احترام سے ٹھہرانے کا انتظام فرمایا اور جس تخت شاہی پر خود جلوہ افروز ہوتے تھے اس پر اپنے والدین کو بٹھایا اور جس سے ان کی رفعت شان کو ظاہر کرنا مقصود تھا اس وقت والدین اور گیارہ بھائی سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے یہ سجدہ بطور تعظیم کے تھا جو سابقہ امتوں میں مشروع تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیہ میں غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنا حرام کر دیا گیا ہے سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لیے حرام ہے اس کی کچھ تفصیل سورۃ بقرہ رکوع نمبر ۴ میں گزر چکی ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کئے ہوئے ہیں ان کے اس خواب کی تعبیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت سمجھ لی تھی کہ اگر یہ خواب یوسف کے بھائیوں نے سن لیا تو اندیشہ ہے کہ وہ گیارہ ستاروں کا مصداق اپنے ہی کو سمجھ لیں گے اس لیے کچھ ایسی تدبیر کریں گے کہ یوسف کی ہلاکت ہو جائے یا وہاں سے دور ہو جائے بھائیوں کے کان میں ان کے خواب کی بھنک پڑی تھی یا یونہی دشمنی پر اتر آئے تھے بہر حال وہ تو یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر اور پھر چند درہم کے عوض فروخت کر کے اپنے خیال میں فارغ ہو چکے تھے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ اب یوسف کو نہ گھر واپس آنا ہے نہ اسے کوئی برتری اور بلندی حاصل ہونی ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو آخر وہ دن آ گیا کہ یہ لوگ ان کے سامنے شرمندہ بھی ہوئے اور ان کو تعظیمی سجدہ بھی کیا سجدہ کرنے والوں میں گیارہ ستارے تو بھائی ہوئے اور چاند اور سورج والدین ہوئے جب یہ منظر سامنے آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ اے ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی میں نے جو خواب دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر سچی فرما دی قرآن مجید میں (وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ) فرمایا ہے معنی حقیقی کے اعتبار سے عربی زبان میں ابوین ماں باپ کے لیے بولا جاتا ہے ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام تو حقیقی طور پر والد کا مصداق تھے لیکن ان کے ساتھ جس خاتون کو تخت شاہی پر بٹھایا اور سب سجدہ ریز ہوئے ان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تھیں یا بطور مجاز خالہ کو والدہ فرمایا ہے جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں نکاح فرما لیا تھا تفسیر کی کتابوں میں دونوں باتیں لکھی ہیں حضرت حسن اور مورخ ابن اسحٰق سے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ اس وقت تک ان کی حقیقی والدہ زندہ تھیں اگر ایسا ہو تو مجاز کی طرف جانے اور والدہ سے خالہ مراد لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے مجھے جیل سے نکالا چونکہ جیل سے نکلنے کے بعد ہی بلند مرتبہ پر پہنچے تھے اس لیے مصر میں جن نعمتوں سے سرفراز ہوئے ان میں ابتدائی نعمت کا تذکرہ فرما دیا اور چونکہ حصول اقتدار ہی سارے خاندان کو مصر بلانے کا ذریعہ بنا اس لیے ساتھ ہی دوسری نعمت کا تذکرہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو دیہاتیوں والی آبادی سے لے آیا اور یہاں میرے پاس لا کر بسا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ (مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ) کہ یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا جبکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بگاڑ کی صورت بنا دی تھی صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں سے نکالنے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ جیل سے نکالے جانے کا تذکرہ فرمایا اور مزید یہ کیا کہ بھائیوں نے جو کچھ کیا تھا اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا ان دونوں باتوں میں حکمت یہ تھی کہ بھائی مزید شرمندہ نہ ہوں۔ جب معاف کر دیا اور ہر بات بھول بھلیاں کر دی تو اب اس کا تذکرہ کر کے دل دکھانا مناسب نہ جانا کریموں کی یہی شان ہوتی ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ ....

اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل ہونے کی دعا:

اس کے بعد حضرت یوسف نے یوں دعا کی: (فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ) (اے زمین وآسمان کے پیدا فرمانے والے آپ ہی دنیا وآخرت میں میرے کارساز ہیں)۔ (تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ) (مجھے اس حالت میں موت دیجئے کہ میں فرمانبردار ہوں اور مجھے نیک بندں میں شامل فرما دیجئے) اس سے معلوم ہوا کہ باایمان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتے ہوئے موت آ جانا سب سے بڑی سعادت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات مرتبہ کے اعتبار سے اپنے سے زیادہ ہوں ان کے احوال اور اعمال میں اور ان کی طرح اجر وثواب کے استحقاق میں شامل ہونے کی دعا کرنا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خود نبی تھے پھر بھی دعا کی کہ اے اللہ مجھے صالحین میں شامل فرما دے یعنی باپ دادے حضرت یعقوب، اسحٰق اور ابراہیم علیہم السلام کے درجات میں پہنچا دے۔

یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کیوں کی وہ تو اچھے حال میں تھے، نعمتوں کی فراوانی تھی، حالانکہ دکھ تکلیف کی وجہ سے بھی موت کی دعا کرنا ممنوع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں نہیں کہا کہ مجھے ابھی موت دے دی جائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ مقررہ وقت پر جب مجھے موت آئے تو یہ سعادت نصیب ہو جس کا سوال کر رہا ہوں۔

وَمَآ اَکْثَرُ النَّاسِ ....

حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام وکمال قصہ بیان فرما کر کس طرح بھائیوں نے ان کے ساتھ برائی کی اور کس طرح ان کی جان تلف کرنی چاہی اور اللہ نے انہیں کس طرح بچایا اور کس طرح اوج وترقی پر پہنچایا اب اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فرماتا ہے کہ یہ اور اس جیسی اور چیزیں سب ہماری طرف سے تمہیں دی جاتی ہیں تا کہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور آپ کے مخالفین کی بھی آنکھیں کھلیں اور ان پر ہماری حجت قائم ہو جائے تو اس وقت کچھ ان کے پاس تھوڑے ہی تھا۔ جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کھلا داؤ فریب کر رہے تھے۔ کنویں میں ڈالنے کے لیے سب مستعد ہو گئے تھے۔ صرف ہمارے بتانے سکھانے سے تجھے یہ واقعات معلوم ہوئے۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے قصے کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ جب وہ قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو کون پالے تو اس وقت ان کے پاس نہ تھا۔ الخ۔ حضرت موسیٰ کو اپنی باتیں سمجھا رہے تھے تو وہاں نہ تھا۔ اسی طرح اہل مدین کا معاملہ بھی تجھ سے پوشیدہ ہی تھا۔ ملاء اعلیٰ کی آپس کی گفتگو میں تو موجود نہ تھا۔ یہ سب ہماری طرف سے بذریعہ وحی تجھے بتایا گیا یہ کھلی دلیل ہے تیری رسالت ونبوت کی کہ گزشتہ واقعات تو اس طرح کھول کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے کہ گویا تو [illegible] سامنے ہی گزرے ہیں۔ پھر یہ واقعات نصیحت وعبرت حکمت وموعظت سے

باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ایمان سے کورے رہے جاتے ہیں گو تو لاکھ چاہے کہ یہ مؤمن بن جائیں اور آیت ہے: (وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (الانعام:۱۱۶)) اگر تو انسانوں کی اکثریت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا اور بھٹکا دیں گے۔ بہت سے واقعات کے بیان کے بعد ہر ایک واقعہ کے ساتھ قرآن نے فرمایا ہے کہ گو اس میں بڑا زبردست نشان ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ آپ جو کچھ بھی جفاکشی کر رہے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو راہ حق دکھا رہے ہیں، اس میں آپ کا اپنا ذاتی نفع ہرگز مقصود نہیں، آپ ان سے کوئی اجرت اور کوئی بدلہ نہیں چاہتے بلکہ یہ صرف اللہ کی رضا جوئی کیلئے مخلوق کے نفع کیلئے ہے۔ یہ تو تمام جہان کیلئے سراسر ذکر ہے کہ وہ راہ راست پائیں نصیحت حاصل کریں عبرت پکڑیں ہدایت و نجات پائیں۔

وَكَاَيِّنْ وَكَمْ مِّنْ اٰيَةٍ دَالَّةٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا يُشَاهِدُوْنَهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿﴾ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهَا وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ حَيْثُ يُقِرُّوْنَ بِاَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿﴾ بِهٖ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَلِذَا كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ فِيْ تَلْبِيَتِهِمْ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ يَعْنُوْنَهَا اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ نِقْمَةٌ تَغْشَاهُمْ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً فَجْاَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿﴾ بِوَقْتِ اِتْيَانِهَا قَبْلَهٗ قُلْ لَهُمْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ وَفَسَّرَهَا بِقَوْلِهٖ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ حُجَّةٍ وَاضِحَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ اٰمَنَ بِيْ عَطْفٌ عَلٰى اَنَا الْمُبْتَدَاِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ بِمَا قَبْلَهٗ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنِ الشُّرَكَاءِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿﴾ مِنْ جُمْلَةِ سَبِيْلِهٖ اَيْضًا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ اِلَيْهِمْ لَا مَلَائِكَةً مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى الْاَمْصَارِ لِاَنَّهُمْ اَعْلَمُ وَاَحْلَمُ بِخِلَافِ اَهْلِ الْبَوَادِيْ لِجَفَائِهِمْ وَجَهْلِهِمْ ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَيْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اَيِ الْجَنَّةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اللّٰهَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَا اَهْلَ مَكَّةَ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى غَايَةٌ لِمَا دَلَّ عَلَيْهِ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا اَيْ فَتَرَاخٰى نَصْرُهُمْ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ يَئِسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَيْقَنَ الرُّسُلُ اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا بِالتَّشْدِيْدِ تَكْذِيْبًا لَا اِيْمَانَ بَعْدَهٗ وَالتَّخْفِيْفِ اَيْ ظَنَّ الْاُمَمُ اَنَّ الرُّسُلَ اَخْلَفُوْا مَا وُعِدُوْا بِهٖ مِنَ النَّصْرِ جَآءَهُمْ نَصْرُنَا

فَنُجِّيَ بِنُوْنَيْنِ مُشَدَّدًا وَمُخَفَّفًا وَبِنُوْنٍ مُشَدَّدًا مَاضٍ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَذَابُنَا عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِيْنَ ۝ اَلْمُشْرِكِيْنَ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ اَيِ الرُّسُلِ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ اَصْحَابِ
الْعُقُوْلِ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى يُخْتَلَقُ وَلٰكِنْ كَانَ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهٗ مِنَ
الْكُتُبِ وَتَفْصِيْلَ تَبْيِيْنَ كُلِّ شَيْءٍ يُحْتَاجُ اِلَيْهِ فِي الدِّيْنِ وَّهُدًى مِّنَ الضَّلَالَةِ وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ۝ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاِنْتِفَاعِهِمْ بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهِمْ۔

ع ۱۲ ۷ ۱

ترجمہ: اور کتنی ہی نشانیاں اللہ کی (وحدانیت پر دلالت کرنے والی) ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں (انہیں دیکھتے ہوئے) اور نظر اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں (غور و فکر نہیں کرتے) اور ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ خدا کو مانتے بھی نہیں (یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اللہ خالق ہے رزاق ہے) تو اس طرح شرک بھی کر جاتے ہیں (بت پرستی کے ساتھ اس لئے تلبیہ حج اس طرح پڑھتے ہیں: لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ و مالملک اور اس سے بت ہی مراد لیتے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آجائے (ایسی عام مصیبت جو ان پر چھا جائے) جو انہیں گھیر لے؟ یا اچانک (ایک دم) قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ (پہلے سے اس کے آنے کی) آپ (ان سے) فرما دیجئے میری راہ تو یہ ہے (جس کی وضاحت ان الفاظ سے کی جا رہی ہے) میں اللہ کے (دین) کی طرف دعوت دیتا ہوں اس روشن (دلیل) کی بناء پر جو میرے سامنے ہے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے (مجھ پر ایمان لائے ہیں اس کا عطف ان پر ہو رہا ہے جو مبتداء ہے اور جس کی خبر پہلے آچکی) اور اللہ پاک ہے (ساجھیوں سے وہ بری ہے) اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں اور ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر وہ ایک آدمی تھا کہ وحی بھیجی گئی (اور ایک قراءت میں نون اور حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے) جس طرح (فرشتے نہیں بھیجے) شہر کے باشندوں میں تھا (قریہ سے شہر مراد ہے کیونکہ شہر کے لوگ زیادہ علم اور بردباری رکھنے والے ہوتے ہیں برخلاف دیہات والوں کے کہ ان میں اکھڑ پن اور جہالت ہوتی ہے) پھر کیا یہ لوگ (اہل مکہ) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ (یعنی انجام کار پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد ہونا پڑا) البتہ عالم آخرت (جنت) کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں کیا تم اتنا بھی سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (یا اور تاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں اے اہل مکہ تم اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ایمان لے آتے یہاں تک کہ (یہ غایت ہے اس چیز کی جس پر وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ الخ دلالت کر رہا ہے یعنی ہم ان کی مدد دیر سے کریں گے کہ جب اللہ کے رسول مایوس ہو گئے اور انہوں نے (پیغمبروں) نے خیال (یقین) کر لیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا (تشدید کے ساتھ ایسا جھٹلانا مراد ہے جس کے بعد پیغمبروں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی توقع نہیں رہتی اور تخفیف کے ساتھ یہ معنی ہوں گے کہ پیغمبروں سے جس مدد کا وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوگا) تو ہماری مدد ان کے پاس آپہنچی، پس ہم نے بچا لیا (اس میں دونوں نون مشدد ہیں یا مخفف ہیں اور نون مشدد کی صورت میں ماضی کا صیغہ ہوگا) جس کو چاہا اور ہمارا عذاب

... کے قصہ میں دانشمندوں (سمجھداروں) ...
مجرموں (مشرکوں) سے کبھی ٹل نہیں سکتا یقیناً ان لوگوں (پیغمبروں) کی تصدیق ...
عبرت ہے یہ (قرآن) کچھ بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے (جو کتابیں آچکی ہیں ان) کی تصدیق ...
(وضاحت) ہے ہر چیز کی (جس کی ضرورت دینی معاملات میں پیش آئے) اور ہدایت ہے (گمراہی سے) اور رحمت ہے
ایسی قوم کے لئے جو ایمان رکھتی ہو (اہل ایمان کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ دوسروں کے مقابلہ میں اہل ایمان ہی اس
سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كَمْ: كَاَيِّنْ وَكَمْ یہ کنایات عدد سے ہے یہ تشبیہ وتاکید کے لئے نہیں۔

قوله: دَالَّةٍ عَلٰی وَحْدَانِيَّةٍ: اس سے مراد آیات قدرت ہیں خواہ آفاقی ہوں یا ارضی۔

قوله: لَا يَتَفَكَّرُوْنَ: اعراض سے اعراض وجوہ مراد نہیں بلکہ اعراض قلوب مراد ہے۔

قوله: بِوَقْتِ اِتْيَانِهَا قَبْلَهٗ: یعنی اس کے لئے وہ تیار نہ تھے پس یہ تو اس سے زیادہ شدید ہے۔

قوله: اٰمَنَ بِيْ: یعنی وہ امور دنیا میں بھی میری متابعت کو ترک نہیں کرتا۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰی اَنَا: اس کا عطف اَدْعُوْا کی ضمیر پر نہیں۔

قوله: الْمُبْتَدَاءُ الْمُخْبَرُ عَنْهُ: مبتداء کی خبر ما قبل علی بصیرة ہے وہ اَنَا سے حال نہیں۔

قوله: بِخِلَافِ اَهْلِ الْبَوَادِيْ: اس میں اشارہ ہے کہ قری کے مراد وہ ہے جو بوادی کے مقابل ہے نہ مدائن کے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی اکثریت شہروں میں سے ہی مبعوث ہوئی۔

قوله: اٰخِرُ اَمْرِهِمْ: عاقبہ سے یہاں قیامت مراد نہیں بلکہ آخری معاملہ وانجام مراد ہے۔

قوله: اَيْقَنَ: سے ظن کی تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ ان کی تکذیب کھلی اور قطعی تھی۔

قوله: الرُّسُلُ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع رسل ہے نہ کہ قوم۔

قوله: لَا اِيْمَانَ بَعْدَهٗ: یعنی اس کے بعد ان کے ایمان کی توقع نہیں۔

قوله: ظَنَّ الْاُمَمُ اَنَّ الرُّسُلَ: اس قراءت کے مطابق ظنوا کی ضمیر لوگوں کی طرف ہے کیونکہ ان کو وعدہائے حق میں کبھی شک نہیں ہوتا۔

قوله: وَبِنُوْنٍ مُشَدَّدًا مَاضٍ: نون کو مشدد ومخفف دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

قوله: لِاِنْتِفَاعِهِمْ: اس سے اشارہ کیا ایمان والوں کو خاص کرنے کی وجہ ایمان سے ان کا فیض یاب ہو کر نفع اٹھانا ہے ورنہ پیغام ہدایت سب کے لئے ہے۔

تفسیر مقبولین

وَكَأَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....

لوگ بہت سی آیات تکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے:

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان فرمانے کے بعد (جو آپ کی نبوت پر واضح دلیل ہے) مخاطبین کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں کو توحید سے اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے سے عناد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بہت سی تکوینی نشانیاں دیکھتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے آسمان میں نشانیاں ہیں مثلاً ستارے ہیں اور خود آسمان کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی صفت تخلیق پر دلالت کرتا ہے' جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں' اسی طرح زمین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' ان سب نشانیوں کو یہ لوگ دیکھتے ہیں سفر میں جاتے ہیں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف نہیں آتے' جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے شرکاء بھی تجویز کرتے ہیں یعنی ان باطل معبودوں کی بھی عبادت کرتے ہیں' شرک کے ساتھ ماننا کوئی ماننا نہیں ہے یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔ ان لوگوں کا نہ توحید پر ایمان ہے نہ آپ کی رسالت کا انہیں اقرار ہے' کفر و شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور بالکل اطمینان سے زندگی گزار رہے ہیں' اللہ کے عذاب اور غضب سے نہیں ڈرتے کیا انہیں اس بات کا اطمینان ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آئے گا اور کیا اچانک قیامت نہیں آسکتی ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا عذاب آسکتا ہے جو انہیں ہر طرف سے گھیر لے یا اچانک قیامت آجائے' اور انہیں خبر بھی نہ ہو' وھذا کقولہ تعالیٰ (اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّئَاتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ) (الآیتین) اور آخرت میں ہر کافر کے لیے دائمی عذاب ضروری ہے ہی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ....

آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے:

مشرکین مکہ اور دوسرے کفار کے سامنے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں تو ان لوگوں نے کٹ حجتی کی اور طرح طرح کے بے تکے سوالات کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ تو ہمارے جیسے آدمی ہیں رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا جواب دیا کہ ہم نے جتنے بھی رسول پہلے بھیجے ہیں وہ سب انسان ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والے تھے' یہ حضرات اپنی اپنی امتوں کی طرف بھیجے گئے اور ان کو حق کی دعوت دی اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ ہم جنس ہی ہم جنس کو صحیح طریقہ پر ہدایت دے سکتا ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی' یعنی زبان سے بھی بتا سکتا ہے اور فعلاً عمل کر کے بھی دکھا سکتا ہے اور یہ بات فرشتوں کے ذریعے حاصل نہیں کیونکہ ان میں انسانی مزاج اور طبیعت نہیں ہے لہٰذا عمل کر کے نہیں دکھا سکتے آیت کریمہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو

رسول بھیجے وہ بھی انسان ہی تھے ان حضرات کی امتوں نے ایسے ہی بے تکے سوال کئے تھے جو آپ کے مخاطبین اٹھا رہے ہیں یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے جو آپ کو پیش آیا آپ سے پہلے رسولوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔ (کمافی سورۃ الرعد قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا) (الی اخر الایتین)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اس میں مخاطبین کو تذکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم توحید پر نہیں آتے رسول اللہ (ﷺ) کی دعوت پر کان نہیں دھرتے کیوں اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے' کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا جس کی وجہ سے ماخوذ ہوئے اور ہلاک ہوئے زمین پر چلیں پھریں تو ان کے مکانوں کے کھنڈر اینٹ اور پتھر بے کار پڑے ہوئے کنویں نظر آئیں گے' اگر عبرت حاصل کرنے کا مزاج ہو تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ یعنی جو بندے تقویٰ اختیار کرتے ہیں کفر و شرک سے بچتے ہیں گناہوں سے دور رہتے ہیں فرائض واجبات کا اہتمام کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے دار آخرت میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں اور دار آخرت ان کے لیے ان دنیاوی نفع کی چیزوں سے بہتر ہے جن سے اہل دنیا چپکے ہوئے ہیں اور یہ چیزیں انہیں ایمان سے روک رہی ہیں اور اعمال خیر سے دور رکھ رہی ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ گرفت میں دیر ہونا دلیل اس بات کی نہیں کہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ ہو گے۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ...

ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا

پہلی آیت میں پرانی امتوں کی تکذیب اور ہلاکت کا ذکر تھا اس آیت میں ان کی تکذیب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو یہ یقین تو تھا کہ مکذبین و منکرین کے مقابلہ میں ضرور ہماری مدد ہو گی' لیکن مدد میں دیر لگی' دشمن اپنی دنیا میں منہمک رہے عیش و آرام سے زندگی گزارتے رہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انہیں مہلت دی جاتی رہی اس کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے گمان کر لیا کہ ہم نے جو یہ سمجھا تھا کہ جلد ہی ہماری مدد ہو گی اور دشمن جلد ہلاک ہوں گے ہمارا یہ گمان صحیح نہیں تھا وجہ اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلق مدد کا وعدہ تھا اس کا کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا لہٰذا جلدی مدد آنے کا خیال کرنا یہ اپنی طرف سے ایک گمان تھا۔ اور دشمنوں کو لمبی مہلت مل جانے کی وجہ سے کچھ ایسا وہم ہونے لگا کہ گویا دنیا میں ہماری مدد نہ ہو گی یہ اس کے قریب ہے جو سورۃ البقرہ میں ہے۔ (حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ) جب یہ حال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا نجات دیدی' یعنی حضرات انبیاء کرام اور ان کے ساتھ اہل ایمان نجات پا گئے' قال صاحب الروح ج ۱۳ ص ۷۹۔

والمعنى ان مدة التكذيب والعداوة من الكفار وانتظار النصر من الله تعالى قد تطاولت وتمادت حتى استشعروا القنوط وتوهموا عنها ان لا نصر لهم فى الدنيا انتهى هذا على قرأة كذبوا بالتخفيف التى هى قرأة الكوفيين وقرأة الاخرين منهم عائشة رضى الله عنها بالتشديد وفسرت الاية كما روى

عنہ البخاری فی تفسیر هذه الآیة ج ۲ ص ۶۸۰ هم اتباع الرسل الذین امنوا بربهم وصدقوهم فطال علیهم البلاء واستاخر عنهم النصر حتی اذا استیئس الرسل ممن کذبهم من قومهم وظنت الرسل ان اتباعهم قد کذبوهم جاءهم نصر الله عند ذلک وفی معنی الآیة وجه اخر ذکره ابن کثیر عن ابن عباس وهو انه لما یئست الرسل ان یستجیب لهم قومهم وظن قومهم ان الرسل قد کذبوهم جاءهم النصر علی ذلک (ج ۲ ص ۴۹۸)۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ....

ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے:

یہ سورۂ یوسف کی آخری آیت ہے اس میں چار باتیں بتائی ہیں اول یہ کہ حضرات انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے جو لوگ اپنی عقل کو کام میں لاتے ہیں غور و فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کر لیتے ہیں دوسری بات یہ بتائی کہ یہ قرآن جو پڑھا جاتا ہے اور دوست دشمن سب کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی طرف سے تراش لیا ہو اس میں جو امم سابقہ کے واقعات بیان کئے ہیں وہ بھی تراشے ہوئے نہیں ہیں پھر اس سے دور کیوں بھاگتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو توحید کی دعوت ان کتابوں میں تھی وہی قرآن مجید میں ہے پھر قرآن کی دعوت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے' خاص کر یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں ان کو تو قرآن سے دور بھاگنے کا کوئی موقع ہی نہیں جب قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور وہی بیان کرتا ہے جو ان کی کتابوں میں ہے تو سب سے پہلے ان کو قبول کرنا لازم ہے' کما قال تعالیٰ: (وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ) چوتھی بات یہ بتائی کہ قرآن میں ہر بات کی تفصیل ہے یعنی واضح طور پر تمام عقائد اور اصولی طور پر تمام احکام بتادیئے۔

نیز یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت بھی ہے رحمت بھی' کیونکہ یہی حضرات اس کے احکام قبول کرتے ہیں اور اس کی آیات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

الرعد

سورة الرعد مدنية ٩٦ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آياتها ۴۳ ركوعاتها ۶

سورۂ رعد مدینہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس میں تینتالیس آیات اور چھ رکوع ہیں

اِلَّا وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْآيَةُ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا الْآيَةُ اَوْمَدَنِيَّةٌ اِلَّا وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا الْآيَتَيْنِ ثَلَاثٌ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْخَمْسٌ اَوْسِتٌّ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

سورۂ رعد مکی ہے۔ بجز آیت: وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْآيَةُ اور آیت: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْآيَةُ کے یا مدنی ہے بجز وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا دو آیتوں کے ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶ یا ۴۶ آیات ہیں

الٓمّٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اَيِ الْقُرْاٰنُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ الْحَقُّ لَا شَكَّ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ بِاَنَّهٗ مِنْ عِنْدِهٖ تَعَالٰى اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اَيِ الْعَمَدُ جَمْعُ عِمَادٍ وَهُوَ الْاُسْطُوَانَةُ وَهُوَ صَادِقٌ بِاَنْ لَا عَمَدَ اَصْلًا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ وَسَخَّرَ ذَلَّلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ مِنْهُمَا يَّجْرِيْ فِيْ فَلَكِهٖ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يَقْضِيْ اَمْرَ مُلْكِهٖ يُفَصِّلُ يُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ دَلَالَاتِ قُدْرَتِهٖ لَعَلَّكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ بِالْبَعْثِ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ بَسَطَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ خَلَقَ فِيْهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا ثَوَابِتَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ خَلَقَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ مِنْ كُلِّ نَوْعٍ يُغْشِي يُغَطِّي الَّيْلَ بِظُلْمَتِهِ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِيْ صُنْعِ اللّٰهِ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ بِقَاعٌ مُخْتَلِفَةٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ مُتَلَاصِقَاتٌ فَمِنْهَا طَيِّبٌ وَسَبِخٌ وَقَلِيْلُ الرَّيْعِ وَكَثِيْرُهٗ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ

تَعَالٰى وَّ جَنّٰتٌ بَسَاتِيْنُ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى جَنّٰتٍ وَالْجَرِّ عَلٰى اَعْنَابٍ وَكَذَا قَوْلُهٗ وَّ
نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ جَمْعُ صِنْوٍ وَهِيَ النَّخْلَاتُ يَجْمَعُهَا اَصْلٌ وَاحِدٌ وَتَتَشَعَّبُ فُرُوْعُهَا وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ
جَمْعُ صِنْوٍ وَهِيَ النَّخْلَاتُ يَجْمَعُهَا اَصْلٌ وَاحِدٌ وَتَتَشَعَّبُ فُرُوْعُهَا يُّسْقٰى بِالتَّاءِ اَيِ الْجَنّٰتُ وَمَا فِيْهَا
وَالْيَاءِ اَيِ الْمَذْكُوْرُ بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَنُفَضِّلُ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ۭ بِضَمِّ الْكَافِ
وَسُكُوْنِهَا فَمِنْ حُلْوٍ وَحَامِضٍ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ۝ يَتَدَبَّرُوْنَ وَاِنْ تَعْجَبْ يَا مُحَمَّدُ مِنْ تَكْذِيْبِ الْكُفَّارِ لَكَ فَعَجَبٌ حَقِيْقٌ بِالْعَجَبِ
قَوْلُهُمْ مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ لِاَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنْشَاءِ الْخَلْقِ وَمَا
تَقَدَّمَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَتِهِمْ وَفِى الْهَمْزَتَيْنِ فِى الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَحْقِيْقُ الْاُوْلٰى وَ
تَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكُهَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْاِسْتِفْهَامِ فِى الْاَوَّلِ وَالْخَبَرِ فِى
الثَّانِىْ وَاُخْرٰى عَكْسُهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَنَزَلَ فِى اسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ اِسْتِهْزَاءً وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ
الْعَذَابِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ الرَّحْمَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ جَمْعُ الْمَثُلَةِ بِوَزْنِ السَّمُرَةِ اَىْ
عُقُوْبَاتُ اَمْثَالِهِمْ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ فَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهَا وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى مَعَ ظُلْمِهِمْ ۚ
وَاِلَّا لَمْ يَتْرُكْ عَلٰى ظَهْرِهَا دَابَّةً وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِمَنْ عَصَاهُ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ
هَلَّا اُنْزِلَ عَلَيْهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَالنَّاقَةِ قَالَ تَعَالٰى اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ مُخَوِّفُ
الْكَافِرِيْنَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ اِتْيَانُ الْاٰيَاتِ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ نَبِىٌّ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ بِمَا يُعْطِيْهِ مِنَ ع
الْاٰيَاتِ لَا بِمَا يَقْتَرِحُوْنَ

ترجمہ: الٓمّرٰ ان حروف کی حقیقی مراد کو اللہ ہی جانتے ہیں۔ یہ (آیتیں) ہیں کتاب (قرآن کریم) کی یہاں اضافت مِن کے معنی میں ہے اور جو کچھ اترا تجھ پر تیرے رب کی طرف سے (قرآن کریم یہ مبتدا واقع ہے اس کی خبر آگے ہے) سو حق ہے (اس میں کوئی شک نہیں) لیکن بہت لوگ (مکہ والے) نہیں مانتے (اس بات کو کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے) اللہ

وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بغیر ستون کے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو (عمد عماد کی جمع ہے بمعنی ستون اور یہ سچ ہے کہ آسمان میں سرے سے کوئی ستون ہی نہیں) پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا (ایسا جلوہ گر ہونا جو اس کی شان کے مطابق ہو) اور کام میں لگا دیا (خدمت میں لگا دیا) کہ ہر ایک (اپنے اپنے مدار) پر چلتا ہے وقت مقرر (قیامت) تک تدبیر کرتا ہے کام کی (اپنے ملک کی تدبیر کرتا ہے) ظاہر کرتا ہے نشانیاں تاکہ تمہیں (اے مکہ کے رہنے والو) یقین ہو جائے کہ (قیامت کے روز) اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی اور اس میں پہاڑ بنائے (مضبوط جمائے) نہریں جاری کر دیں اور ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے، دو دو قسم کے اگا دیئے۔ رات (کی اندھیری) سے دن کو چھپا دیتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں (خدا کے ایک ہونے کی دلیلیں) ہیں ان لوگوں کے واسطے (جو اللہ کی کاریگری میں) غور و فکر کرنے والے ہیں اور زمین میں مختلف (ٹکڑے) ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں (قریب قریب ہیں) کچھ ان میں عمدہ ہیں اور کچھ زمین شور، اور کچھ میں پیداوار کم ہے اور کچھ میں زیادہ اور یہی اس کی قدرت کے کرشمے ہیں) اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں (لفظ زرع رفع کے ساتھ جنات پر عطف ہے اور جر کی صورت میں اعناب پر عطف ہوگا اسی طرح بعد والا جملہ) اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی) صنوان صنو کی جمع ہے کھجوروں کے وہ درخت جن کی شاخیں تو مختلف ہوں مگر جڑ ایک ہو) اور بعض بن ملی (جدا جدا) ان کو پانی دیا جاتا ہے۔ (یسقی تاء کے ساتھ باغات اور پھل وغیرہ اور یاء کے ساتھ مذکورہ چیزیں مراد ہوں گی) ایک ہی وہ بڑھا دیتا ہے (یاء اور تاء کے ساتھ) ایک کو ایک سے ذائقہ میں (اکل کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ بعض خالص میٹھا کھٹ میٹھا یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے اس (ذکر کردہ چیزوں) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں (غور کرتے ہیں) اگر اس بات کو تعجب خیز سمجھتے ہیں (اے محمدؐ) کفار آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو ان منکرین قیامت) کا قول لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو گئے پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے۔ کیونکہ جو ہستی بغیر نمونہ کے ابتداء میں وجود عطا کر سکتی ہے تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگی اور لفظ اذا اور انا میں دونوں جگہ ہمزہ کو تحقیق کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور پہلے ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف کے بھی پڑھا گیا ہے اور ایک قراءت میں پہلے لفظ پر ہمزہ استفہام ہے اور دوسرے میں خبر ہے اور ایک قراءت میں اس کے برعکس ہے یعنی پہلا ہمزہ خبر اور دوسرا استفہام ہے) یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں گے اور یہی ہیں جو دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (کفار بطور مذاق عذاب کے بارے میں جلدی مچا رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور یہ لوگ جلد مانگتے ہیں تجھ سے برائی (عذاب) کو بھلائی (رحمت) سے پہلے اور گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے عذاب (مثلات مثلۃ بروزن سمرۃ کی جمع ہے یعنی سزائیں ایسے ہی جھٹلانے والوں پر آ چکی ہیں اس کے باوجود یہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے، اور تیرا رب لوگوں کو معاف کرنے والا ہے ان کے ظلم پر (علی مع کے معنی میں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو سینہ زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا) اور یقیناً تیرے رب کا عذاب بھی سخت ہے (اس شخص کے لئے جو اس کی نافرمانی کرے) اور کفار کہتے ہیں کہ اس (محمدؐ) پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری (جیسے عصائے موسیٰ، ید بیضاء اور ناقہ صالح، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تیرا کام تو صرف ڈر سنا دینا ہے (کفار کو آپ ڈرانے والے ہیں نشانیاں لانا آپ پر لازم نہیں ہے) اور ہر قوم کے لئے ایک

راہ بتانے والا ہوا ہے (ایک نبی جو کفار کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے) خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نشانیوں کے ذریعہ جن کا مطالبہ خود کفار کرتے رہے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: هٰذِهِ الْاٰيَاتُ: اسم اشارہ کے مؤنث لانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ مشار الیہ مؤنث ہے۔

قوله: وَالْاِضَافَةُ: یہ من کے معنی میں ہے لام کے معنی میں نہیں یعنی آیات من الکتاب۔

قوله: بِاَنَّهٗ: یہ یؤمنون کا مفعول ہے۔ با سے اس لئے متعدی بنایا کیونکہ وہ اقرار کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: اَللّٰهُ: یہ مبتداء اور الذی خبر ہے۔

قوله: لَا عَمَدَ اَصْلًا: یعنی اس تعبیر سے بتلایا کہ مطلقاً ستونوں کی نفی ہے۔

قوله: خَلَقَ: اس سے اشارہ ہے کہ جعل یہاں تصییر کے معنی میں نہیں بلکہ تخلیق کے معنی میں ہے۔

قوله: زَوْجَيْنِ: دو متقابل صنفیں مراد ہیں مثلاً سفید، سیاہ، بڑی چھوٹی۔ میٹھی کڑوی، ہر نوع مراد ہے۔

قوله:: اذا میں دوسرے کی تسہیل کے لئے بین بین کا قاعدہ لگ سکتا ہے۔

قوله: مَعَ ظُلْمِهِمْ: علی مع کے معنی میں ہے۔ استعلاء کا یہاں معنی ہی نہیں۔

تفسیر مقبولین

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ....

عظیم الشان آیات:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی جو اس سورۃ کریمہ میں مذکور ہیں۔ یا اس سے پورے قرآن حکیم کی آیات مراد ہیں۔ (معالم، جامع، فتوحات الٰہیہ وغیرہ) سو جب یہ آیتیں اس عظیم الشان کتاب کی ہیں جو کہ ایک بے مثال کتاب اور معجزہ خداوندی ہے تو پھر اس کی ان عظیم الشان آیتوں کی عظمت شان کے کہنے ہی کیا؟ سو سورہ کریمہ کی ابتداء اور اس کا آغاز ہی اس طرح فرمانے سے یہ درس ملتا ہے کہ جیسے یہ کتاب عظیم الشان اور بے مثال ہے اسی طرح اس کی یہ آیات بھی عظیم الشان اور بے مثال ہیں۔ لہٰذا ان کی تلاوت بھی اسی انداز و اعتبار سے ہونی چاہئے اور ان کو دل و جان سے اپنانا چاہئے کہ اسی میں انسان کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرضی وعلی ما یحب و یرضی۔ بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۲۔ احسان اور دھمکی کے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی جس کے اتارنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے فرمایا تھا۔ یعنی قرآن حکیم کی۔ جس کی عظمتوں، رحمتوں اور برکتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس جیسی دوسری کوئی کتاب نہ آج تک کبھی ہوئی اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہے۔ اور جو انسان کے لیے دارین کی سعادت اور فوز و فلاح کی کفیل وضامن ہے۔ سو اس کتاب حکیم سے اعراض کرنا اور منہ موڑنا پرلے درجے کی حماقت اور سب سے بڑی محرومی ہے اور انہی عظمتوں کی بناء پر یہ کتاب ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے کہ یہی کتاب کہے جانے کے لائق ہے۔ اسی لیے اس کا تعارف ہی الکتاب کے نام وعنوان سے کرایا جا رہا ہے۔ اور یہی ہے وہ موعود ومنتظر کتاب الٰہی جس کا آخری اور کامل صحیفہ ہدایت کی حیثیت سے اتارنے کا وعدہ اللہ پاک نے اپنے انبیاء ورسل کے ذریعے فرمایا تھا۔ سو اس کی تعلیمات مقدسہ کو دل وجان سے اپنانا دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کی راہ کو اپنانا ہے۔ سو یہ حضرت حق۔ جل مجدہ۔ کی طرف سے اس کے بندوں پر عظیم الشان انعام اور بے مثال احسان ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ اس کو دل وجان سے اپنا کر اس کی برکات سے مستفید ومتمتع اور فیضیاب ہوں۔ اور اگر انہوں نے اس کی ناقدری کی اور اس سے اعراض وروگردانی برتی۔ والعیاذ باللہ۔ تو اس کے نتیجے میں ان کو دارین کی محرومی اور ہلاکت وتباہی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۳۔ پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ:

سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جو کتاب آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے اتاری گئی وہ سراسر حق ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ خواہ اس کا تعلق عقائد وایمانیات سے ہو یا معاملات واخلاق سے۔ معیشت ومعاشرت سے ہو یا عبادات وعادات سے۔ سو یہ اجمال بعد التفصیل کے قبیل سے ہے جو کہ بلاغت کلام کا ایک معروف اسلوب ہے۔ اور جو عربی زبان میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ سو اس کے مطابق قرآن حکیم کی عظمت شان کو واضح فرمایا گیا۔ اور پھر بالاجمال ارشاد فرمایا گیا کہ جو قرآن آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہ سارے کا سارا اور پورے کا پورا حق اور صدق ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ) سو اللہ پاک کے اس احسان عظیم کو اپنانا اور قبول کرنا جہاں اس کا حق ہے وہاں اس سے منہ موڑنا ہلاکت دارین کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس میں پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ منکر اور ہٹ دھرم لوگ اگر اس نسخہ کیمیا سے منہ موڑے ہوئے ہیں تو یہ ان کی اپنی ہٹ دھرمی اور محرومی کا نتیجہ ہے ورنہ یہ کتاب سراسر حق وصدق ہے۔ اس کی ہر بات سچی، مدلل اور مبرہن اور عقل ونقل اور فطرت سلیمہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس کا ہر دعویٰ سچا وثابت اور مدلل ومبرہن ہے اور اس شان کی کتاب یہی اور صرف یہی ہے۔

٤۔ ہٹ دھرمی محرومی کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ کتاب تو سراسر حق وصدق ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے اختلاف کیا جا سکے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اپنی ہٹ دھرمی اور محرومی وبدبختی کی بناء پر۔ والعیاذ باللہ۔ پس قصور اس کتاب حکیم کا نہیں بلکہ ان کی اپنی

طبیعتوں کا ہے کہ وہ ہدی کی بجائے ہوی پر چلنا چاہتے ہیں اور حق وہدایت کی بجائے نفس وشیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ ورنہ قرآن حکیم کی صداقت وحقانیت پوری طرح واضح ہے۔ معلوم ہوا کہ اکثریت ہمیشہ بے ایمانوں ہی کی رہی ہے کل بھی یہ تھا اور آج بھی یہی ہے۔ پس اہل بدعت وغیرہ جہلاء کا اور موجودہ نام نہاد مغربی جمہوریت کے علمبرداروں اور پرستاروں کا عوام کالانعام کی اکثریتی رائے کو حق وصداقت کا معیار قرار دینا باطل ومردود ہے کہ عوام کی اکثریت بے ایمانوں اور غلط کاروں کی ہی رہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہاں پر فعل کو ارادہ فعل کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے۔ یعنی اکثر لوگ ایمان لانا چاہتے ہی نہیں اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے۔ اور اسی بناء پر وہ نور حق وہدایت سے محروم ہو کر طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ کیونکہ عناد وہٹ دھرمی اور میں نہ مانوں کا کوئی علاج نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال، وسوء وانحراف، بکل حال من الاحوال۔ (تفسیر مدنی کبیر)

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ ....

قدرت کے بعض عظیم الشان مظاہر حکمت میں غور وفکر کی دعوت:

(ربط) گزشتہ آیت میں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا اور اسکا حق اور صدق ہونا اور کافروں کا اس پر ایمان نہ لانا بیان کیا گیا اب آئندہ آیات میں دلائل توحید والوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کرتے ہیں اور آخرت کا اثبات فرماتے ہیں جو اعظم مقاصد قرآن میں سے ہے اور چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منکر ہیں اس لیے اثبات توحید والوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب وماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف قطعات اور زمین کی پیداوار کی کیفیات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو اور ان سب دلائل کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین ہیں۔

استدلال با حال عالم علوی:

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ: اثبات توحید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اول آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا چنانچہ فرماتے ہیں اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بلا عمود کے قائم ہیں نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں اور اوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو اوپر سے آسمان کو روکے ہوئے ہے بلا ستون کے معلق ہیں انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا پس سمجھ لو کہ کسی قادر مختار ہی نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو اتنا اونچا بنایا کہ جہاں تمہاری نظر بھی کام نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بتقاضائے طبیعت جسمانیہ ہے، ورنہ کوئی نیچر اور ایتھر اس کو تھامے ہوئے ہے معلوم ہوا کہ کسی قادر وقوی نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ترونھا عمد کی صفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے پھر وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو قیام اس کی شان کے لائق ہے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اس

لیے لفظ ثم ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ استوی علی العرش ''رفع السموت'' سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الٰہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت تو جسم کی ہے جو وضع اور ہیت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے فرقہ مجسمہ اللہ تعالیٰ کی جسم گمان کرتا ہے اور استوا کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ استوی علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت وجلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے استوا علی العرش پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تنزیہ وتقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس مکان اور جہت سے اور تمکن اور استقرار سے اور اتصال اور انفعال سے سب سے پاک ہے مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان ومکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھامے ہوئے عرش خدا کو تھامے ہوئے اور اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب اسی کے قبضہ قدرت وتصرف میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استواء علی العرش سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدابیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اس کی حکمرانی ہے باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

استدلال بہ تسخیر شمس وقمر:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝

اب آفتاب وماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں اور مسخر کیا یعنی کام پر لگایا اس نے سورج کو اور چاند کو، دونوں اسی کے زیر حکم ہیں دونوں کی حرکت اللہ کے حکم سے ہے جس سے بندوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں نور اور ظلمت کی آمد ورفت سے زمین اور اجسام اور اشجار ونباتات نشوونما پاتے ہیں جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کر دی ہے اس میں سرمو فرق نہیں آتا حق تعالیٰ نے شمس وقمر کی حرکت کے لیے جو سمت اور جہت اور جو مسافت اور جو مقدار اور کیفیت مقرر فرما دی ہے اس کے خلاف شمس وقمر حرکت نہیں کر سکتے ہر ایک کی حرکت جاری ہے ایک مدت معین تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع وغروب ہوتے رہیں گے اور اس رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح اور جس جانب ان کی حرکت مقرر کر دی ہے اس میں سرمو فرق نہیں آتا اگر کوئی قادر وقوی اس کا منتظم نہیں تو اس نظام میں خلل کیوں نہیں آتا غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عالم کے یہ تمام انتظامات مادہ اور اینتھر سے نہیں چل رہے ہیں بلکہ کسی بلیک مقتدر کے ارادہ اور اختیار

سے چل رہے ہیں وہی عالم علوی اور عالم سفلی کے ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے اور وہ ذات والا صفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرہ سب برابر ہیں وہ اپنی قدرت کی نشانیاں بہ تفصیل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے یہ کارخانہ بنایا ہے اور جس نے اجرام فلکیہ اور اجسام عظیمہ کو پیدا کیا ہے وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور مخبر صادق ﷺ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر مخبر صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

آسمانوں کے بارے میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ:

قرآن اور حدیث اور تمام کتب سماویہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کو وجود حق اور ثابت ہے فلسفہ جدیدہ کے انکشافات یہ کہتے ہیں کہ آسمان ایک بے معنی لفظ ہے جو معنی سے یکسر خالی ہے آسمان کوئی چیز نہیں یہ نیلگوں چیز جو ہم کو اوپر سے نظر آتی ہے وہ محض ایک حد بصر اور حد نظر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والوں کو عمارت کا پلستر تو نظر آتا ہے مگر اصل عمارت نظر نہیں آتی۔

نیز عقلاً اور حساً محض حد بصر اور حد نظر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا رنگ تو جسم ہی کا ہوتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ ....

استدلال باحوال عالم سفلی:

(ربط) اوپر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمانوں اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا ان عالم سفلی کے چیزوں کے احوال سے یعنی زمین سے اور اس کی پیداوار سے اور لیل ونہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو اتنا پھیلایا کہ بیشمار مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ آج تک اس کے مبداء اور انتہاء کا علم نہ ہوسکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا زرق اور سامان معیشت سب اسی میں ودیعت رکھ دیا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین کو پانی پر بچھایا (زادالمسیر ص ۳۰۲ جلد ٤) وقال اللہ تعالی: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ۔ حتی اور پھر اس زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ وہ زمین کی میخیں ہوجائیں۔

زمین از تپ ولرزہ آمد ستوہ۔ فرد کوفت بردامنش میخ کوہ

اور زمین میں نہریں جاری کیں اور ہر قسم کے پھلوں سے خدائے زمین میں دو دو قسمیں بنائیں مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش، خشک اور تر، گرم اور سرد وغیرہ وغیرہ۔

نیز اس خدا کی صفت یہ ہے کہ وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن سے مطلب یہ ہے کہ کسی وقت دن کا ہونا اور کسی وقت رات کا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی قدرت اور اس کی تسخیر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی حالت سے استدلال کیا ہے کہ زمین کی یہ وسعت اور اس پر جابجا پہاڑوں اور نہروں کا ہونا بغیر کسی خالق کے نہیں ہوسکتا اور دن اور رات کے بدلنے میں اور زمین کی پیداوار میں اس کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے ہیں بے شک ان چیزوں میں خدا کی

کمال قدرت کی نشانیاں ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں ان نشانیوں میں غور کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ایک زمین پر نظر ڈال لو کہ اس کا کوئی حصہ نرم ہے اور کوئی حصہ نہایت سخت ہے جیس پہاڑ حالانکہ طبیعت ارضیہ سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات میں یہ تفاوت مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم وقدیر کے علم وقدرت کا کرشمہ ہے پھر زمینوں اور پہاڑوں کی رنگتیں اور کیفیتیں مختلف اور پہاڑ میں سے کو کانیں نکلتی ہیں وہ بے انتہاء مختلف کوئی کان سونے اور چاندی کی اور کوئی لوہے اور تانبے کی اور کوئی نمک اور گندھک کی وغیرہ وغیرہ۔ یہ اختلافات نہ اتفاقی ہیں اور نہ بے شعور اور بے حس مادہ کا اقتضاء ہیں بلکہ سب خداوند عظیم وقدیر کی قدرت کے کرشمے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم علوی کا کارخانہ اس کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے اسی طرح عالم سفلی کا کارخانہ بھی اسی کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے سب جگہ اسی کا دست قدرت کار فرما ہے اور جن فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ عالم سفلی کا کارخانہ عالم علوی کی تاثیر سے چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور یہ نادان اپنی الٹی سلٹی باتوں پر بڑے خوش ہیں۔ فرحوا بما عندھم من العلم۔

استدلال دیگر:

اور من جملہ دلائل توحید کے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور بایں ہمہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوہ کے قابل ہے حالانکہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور اب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھیتی ہے اور کہیں کھجور کے درخت ہیں بعضے دو شاخے بعضے غیر دو شاخے یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اگیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں یعنی ہر شاخ علیحدہ جڑ سے اگی ہے یہ سب باغات ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور باوجود اس کے ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے اور ایک ہی ہوا ہے پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف اور ظاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی نیچر اور ایتھر کا اقتضاء ہے کیونکہ ایتھر اور نیچر میں کسی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام ونشان نہیں بلکہ یہ سب خدائے علیم وقدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق نمودار ہو رہے ہیں معلوم ہوا کہ پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کاریاں کر رہا ہے زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متحد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا یہ سب کسی قادر مختار کی صنعت اور کاریگری ہے فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب ور نجوم کا اثر بتاتے ہیں یہ سب غلط ہے اس لیے کہ اول تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر امر الٰہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس وقمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیئت اور حرکت کی مقدار اور

اس کی ساخت متعین کر دی ہے اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے لہٰذا احوال فلکیہ کو حوادث ارضیہ کی علت قرار دینا صحیح نہیں۔

دوم یہ کہ اتصالات فلکیہ اور حرکات کواکبیہ کو عالم سفلی سے مؤثر قرار دینا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

سوم یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے اور ایک ہی قسم کی شعاع شمسی ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے جب علت اور سبب ایک ہے تو معلول اور مسبب بھی ایک ہی ہونا چاہئے علت اور سبب میں شعور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور مشین سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تفاوت نہ ہوگا انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا اس میں اس کے اختیار اور ارادہ کے موافق اور تفاوت ہوگا پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے فلاسفہ جدید وقدیم جس قدر چاہیں اسباب وعلل بیان کریں مگر سب کی انتہا کسی ملیک مقتدر پر ماننی پڑے گی۔ وان الی ربک المنتہی۔

امام رازی رحمہ اللہ علیہ نے ان آیات کی تفسیر میں دلائل علویہ اور سفلیہ کو نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں ان مادہ پرستوں کی رد میں کسی عالم نے خوب کہا ہے۔

والارض فیہا عبرۃ للمعتبر تخبر عن صنع ملیک مقتدر

اور زمین میں عبرتیں ہیں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین کی ساخت خبر دے رہی ہے کہ کسی ملیک مقتدر نے اس کو بنایا ہے۔

تسقی بماء واحد اشجارھا وبقعۃ واحدۃ قرارھا

ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعہ زمین پر سب کا قرار ہے مگر باوجود اس کے پھل مختلف ہیں کسی کا کیا مزہ اور کسی کا کیا۔

والشمس والھواء لیس یختلف واکلھا مختلف لا یاتلف

جو دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا مزہ یکساں نہیں ہوتا۔

لو ان ذا من عمل الطبائع او انہ صنعۃ غیر صانع !!۔م یختلف وکان شیئا واحدا ھل یشبہ الاولاد الا والدا

اگر یہ طبیعت اور مادہ کا عمل ہوتا یا بغیر کسی کاریگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں اور ان کے مزوں میں تفاوت اور فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا مزہ ایک ہوتا (جیسے اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے)

الشمس والھواء یا معاند والماء والتراب شیء واحد۔ فما الذی اوجب ذا التفاضلا الا حکیم لم یردہ باطلا

جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا۔ (دیکھو روح المعانی ص ۹۳ جلد ۱۳)

نکتہ: بعض علماء تابعین رحمہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے باوجودیکہ سب کی اصل ایک ہے مگر خیر وشر

ایمان وکفر میں مختلف ہیں کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح کلام الٰہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: وننزل من القران ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظلمين الا خسارا (یعنی یہ قرآن مؤمنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے)

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ....

کفار ومنکرین کا حال قابل تعجب:

ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان لوگوں کے حال پر تعجب کریں تو واقعی ان کا حال قابل تعجب ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا تعجب کے لائق ہے کہ کیا جب ہم لوگ مر کر مٹی ہو جائیں گے تو واقعی ہمیں از سر نو پھر پیدا کیا جائے گا؟ کیونکہ جو خداوند قدوس ایسی ایسی قدرتوں اور عظمتوں کا مالک ہے۔ اور جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اس تمام عجیب وغریب مخلوق کو خلعت وجود سے نوازا، اس کے لیے بھلا اس انسان ضعیف البنیان کو دوبارہ وجود بخش دینا اور اس کو نیست کے بعد ہست کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کا پیدا کرنا انسان کے پیدا کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ (المؤمن: ۵۷) نیز دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا پیدا کرنا؟ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ (النازعات: ۲۷) سو اس سب کے باوجود ان کافروں کا حال بڑا قابل تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم جب مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا؟ مگر کفر وانکار اور عناد وہٹ دھرمی نے ان کی مت ایسی مار دی کہ ان کو یہ سیدھی سادی اور واضح حقیقت سمجھ نہیں آتی۔

کافروں کی گردنوں میں طوق:

اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق پڑے ہیں۔ ایسے طوق جو اگرچہ ظاہر میں نظر نہیں آتے لیکن وہ ظاہری اور حسی طوقوں سے بھی کہیں بڑھ کر سخت ہیں۔ جن کی بناء پر یہ لوگ اپنے رب رحمٰن ورحیم کے ساتھ کفر کرتے ہیں جس کی بے پایاں قدرت، بے مثال ربوبیت اور لامحدود رحمت وحکمت کے آثار وشواہد یہ لوگ ہر لمحہ ہر جگہ اور ہر طرف دیکھتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ کفر کر کے یہ پکے کافر، ناشکرے اور نمک حرام بن گئے۔ جس سے حق بات ان کے اندر اثر ہی نہیں کر پاتی۔ سو ان لوگوں کی گردنوں میں ان کے اپنے اختیار کردہ کفر وانکار، کبر وغرور، انانیت وخود پرستی، اندھی بہری تقلید وجمود اور خود ساختہ عادات وتقالید کے ایسے بھاری بھرکم طوق پڑے ہوئے ہیں جو ان کو حق اور اہل حق کی طرف مڑنے اور حق بات کو سننے اور ماننے ہی نہیں دیتے۔ جس کے نتیجے میں آخرکار ان کو انہی کے ذریعے گھسیٹ کر دوزخ کی آتش سوزاں میں ڈالا جائے گا اور یہ ہمیشہ فی النار والسقر ہو کر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ (اذ الاغلال فی اعناقهم والسلاسل يسحبون. فی الحميم ثم فی النار يسجرون) (المؤمن: ۷۱-۷۲) یعنی جبکہ طوق ان کے گلوں میں پڑے ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں، ان

کو ان کے ذریعے گھسیٹا جائے گا کھولتے پانی میں۔ پھر ان کو جھونکا جائے گا دوزخ میں ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا....

فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد:

پھر فرمایا: وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی تصدیق اور تائید کے لیے وہ معجزہ ظاہر ہونا چاہئے جو ہم چاہتے ہیں) جاہلوں نے ضد وعناد اور ایمان لانے سے انکار کرنے کے لیے جو حیلے تراشے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ظاہر ہونا چاہئے۔ درحقیقت معجزہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل ظاہر کیا جاتا تھا اصل چیز تو دلائل ہیں جب دلائل سے حق واضح ہوگیا اور نبی کی نبوت ثابت ہوگئی تو نبی پر ایمان لانا فرض ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا تھا معجزات ظاہر ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو ماننا نہ تھا وہ نہ دلائل سے مانتے تھے اور نہ معجزہ دیکھ کر ایمان لاتے تھے ان کے کہنے کے مطابق بھی بعض معجزات ظاہر ہوئے لیکن جنہیں عناد تھا اور ماننا نہ تھا انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے' فرمائشی معجزوں کی بات کرنا قبول حق کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنی ضد پر قائم رہنے کے لیے تھا۔

پھر فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ کہ آپ ان کی باتوں سے دل گیر نہ ہوں آپ کا کام بس حق کا پہنچا دینا اور عذاب آخرت سے ڈرانا ہے' لوگوں سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اگر یہ کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا اور اس کو وہ عدم قبول کا بہانہ بناتے ہیں تو آپ فکرمند نہ ہوں' جب آپ نے انذار وتبلیغ کا کام کر دیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ماننا ان کا کام ہے' پھر فرمایا ولکل قوم هاد یعنی آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اقوام عالم کو ہدایت دینے کے لیے مبعوث ہوتے رہے ان کی بھی تکذیب کی گئی ان کی اقوام میں سے کسی نے حق قبول کیا اور کسی نے رد کر دیا جو ان کے ساتھ ہوا وہی آپ کے ساتھ ہو رہا ہے' منکرین کے طرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں صبر کریں اور اپنا کام کرتے رہیں سورۂ احقاف میں فرمایا: (فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ) (سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے عذاب آنے کی جلدی نہ کیجئے)۔

فائدہ: وَ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ فرمایا' ولکل قوم نبی نہیں فرمایا۔ ھادی کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں حضرات انبیاء کرام کی امتوں میں جو اہل علم تھے وہ اپنے اپنے نبی کی امتوں کو ہدایت دیتے رہے' اگر دنیا کے کسی خطے میں کسی نبی کے تشریف لانے کا تحقیقی ثبوت نہ ملے تو اس آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا نبی نہ آئے تو ان کے نائب ھادی ضرور آئے گو ہمیں ان سب کی تفصیل معلوم نہ ہو' نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے جس کسی کی نبوت کا ثبوت نہ ہو اسے خواہ مخواہ اس لیے نبیوں کی فہرست میں شمار کر لینا کہ اقوام عالم میں سے کوئی نہ کوئی قوم اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور ان کے مذہب کا پیشوا اور بانی ہے یہ غلط ہے اور گمراہی ہے بعض لوگ ہندوؤں' بدھوں اور زرتشتوں کے بڑوں کو نبی ماننے کو تیار ہیں' یہ ضلالت اور جہالت کی بات ہے' یہ لوگ آیت کریمہ (وَ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ) سے استدلال کرتے ہیں اول تو آیت میں لفظ هَادٍ ہے لفظ نبی نہیں ہوتا تب بھی کسی کو بلا دلیل شرعی محض انکل سے نبی ماننا غلط ہے' پھر ان اقوام کے پیشواؤں کی تعلیمات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ان میں شرک ہے اور

ان میں سے بعض لوگوں کی جو تصویریں سامنے آئی ہیں وہ ننگی تصویریں ہیں کوئی نبی ننگا نہیں رہ سکتا، شرم اور حیاء تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی شعار ہے ننگا رہنے والا کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ ایک احتمال ہے کہ جو حضرات موحد تھے ان کے ماننے والوں نے ان کے دین میں شرک داخل کر دیا ہو اور ان کی ننگی تصویریں خود سے تجویز کر دی ہوں لیکن یقین کرنے کا کوئی راستہ نہیں اور بلا دلیل شرعی کسی کی نبوت کا اعتقاد رکھنا بھی باطل ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم فرمانے کا اعلان فرما دیا تو ان کے بعد کسی کا دعوائے نبوت کرنا اور اس کی تصدیق کرنا سراپا کفر ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ مِنْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰى وَوَاحِدٍ وَمُتَعَدِّدٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ تنقص الْاَرْحَامُ
مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَمَا تَزْدَادُ ؕ مِنْهُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ بِقَدْرٍ وَحَدٍّ لَا يَتَجَاوَزُهُ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ الْكَبِيْرُ الْعَظِيْمُ الْمُتَعَالِ ⑨ عَلٰى خَلْقِهٖ بِالْقَهْرِ بِيَاءٍ وَدُوْنِهَا سَوَآءٌ مِّنْكُمْ
فِيْ عِلْمِهٖ تَعَالٰى مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ مُسْتَتِرٍ بِالَّيْلِ بِظَلَامِهٖ وَسَارِبٌۢ
ظَاهِرٌ بِذَهَابِهٖ فِيْ سَرْبِهٖ اَيْ طَرِيْقِهٖ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ لِلْاِنْسَانِ مُعَقِّبٰتٌ مَلَائِكَةٌ تَعْتَقِبُهٗ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
قدامه وَمِنْ خَلْفِهٖ وَرَائِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اَيْ بِاَمْرِهٖ مِنَ الْجِنِّ وَغَيْرِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا
بِقَوْمٍ لَا يَسْلُبُهُمْ نِعْمَتَهٗ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ مِنَ الْحَالَةِ الْجَمِيْلَةِ بِالْمَعْصِيَةِ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ
بِقَوْمٍ سُوْٓءًا عَذَابًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ مِنَ الْمُعَقِّبَاتِ وَلَا غَيْرِهَا وَمَا لَهُمْ لِمَنْ اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِمْ سُوْءً
مِّنْ دُوْنِهٖ اَيْ غَيْرِ اللّٰهِ مِنْ زَائِدَةٌ وَّالٍ ⑪ يَمْنَعُهٗ عَنْهُمْ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا لِلْمُسَافِرِ مِنَ
الصَّوَاعِقِ وَّطَمَعًا لِلْمُقِيْمِ فِي الْمَطَرِ وَّيُنْشِئُ يَخْلُقُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ بِالْمَطَرِ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ هُوَ
مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ يَسُوْقُهٗ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ اَيْ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَتُسَبِّحُ الْمَلٰٓئِكَةُ
مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ اَيِ اللّٰهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ وَهِيَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ السَّحَابِ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ
فتحرقه نَزَلَ فِيْ رَجُلٍ بَعَثَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَدْعُوْهُ فَقَالَ مَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ اَمِنْ
ذَهَبٍ هُوَ اَمْ مِنْ فِضَّةٍ اَمْ نُحَاسٍ فَنَزَلَتْ بِهٖ صَاعِقَةٌ فَذَهَبَتْ بِقِحْفِ رَاْسِهٖ وَهُمْ اَيِ الْكُفَّارُ يُجَادِلُوْنَ
يُخَاصِمُوْنَ النَّبِيَّ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬ الْقُوَّةِ اَوِ الْاَخْذِ لَهٗ تَعَالٰى دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ اَيْ كَلِمَتُهٗ وَ
هِيَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اَيْ غَيْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ

لَهُمْ بِشَيْءٍ مِمَّا يَطْلُبُوْنَهُ إِلَّا اسْتِجَابَةً كَبَاسِطِ كَاسْتِجَابَةِ بَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ عَلَى شَفِيْرِ الْبِئْرِ
يَدْعُوْهُ لِيَبْلُغَ فَاهُ بِارْتِفَاعِهِ مِنَ الْبِئْرِ إِلَيْهِ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۭ أَيْ فَاهُ أَبَدًا فَكَذٰلِكَ مَا هُمْ بِمُسْتَجِيْبِيْنَ لَهُمْ
وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ عِبَادَتُهُمُ الْأَصْنَامَ أَوْ حَقِيْقَةُ الدُّعَاءِ إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ ضِيَاعٍ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا كَالْمُؤْمِنِيْنَ وَّكَرْهًا كَالْمُنَافِقِيْنَ وَمَنْ أُكْرِهَ بِالسَّيْفِ وَّ يَسْجُدُ ظِلٰلُهُمْ
بِالْغُدُوِّ الْبُكَرِ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ الْعَشَايَا قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ
إِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهُ قُلْ لَهُمْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ أَيْ غَيْرِهٖ أَوْلِيَآءَ أَصْنَامًا تَعْبُدُوْنَهَا لَا
يَمْلِكُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَتَرَكْتُمْ مَالِكَهُمَا اسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَ
الْبَصِيْرُ ۥ الْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ الْكُفْرُ وَالنُّوْرُ ۚ الْإِيْمَانُ لَا أَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ
خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ أَيْ خَلْقُ الشُّرَكَاءِ بِخَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ ۭ فَاعْتَقَدُوْا اسْتِحْقَاقَ
عِبَادَتِهِمْ بِخَلْقِهِمْ اسْتِفْهَامُ إِنْكَارٍ أَيْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذٰلِكَ وَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ إِلَّا الْخَالِقُ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْهِ فَلَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْعِبَادَةِ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ لِعِبَادِهٖ ثُمَّ ضَرَبَ مَثَلًا لِلْحَقِّ
وَالْبَاطِلِ فَقَالَ أَنْزَلَ تَعَالٰى مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مَطَرًا فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا بِمِقْدَارِ مِلْئِهَا فَاحْتَمَلَ
السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ عَالِيًا عَلَيْهِ هُوَ مَا عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ قَذَرٍ وَنَحْوِهٖ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ عَلَيْهِ فِي
النَّارِ مِنْ جَوَاهِرِ الْأَرْضِ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالنُّحَاسِ ابْتِغَآءَ طَلَبَ حِلْيَةٍ زِيْنَةٍ أَوْ مَتَاعٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ
كَالْأَوَانِيْ إِذَا أُذِيْبَتْ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ أَيْ مِثْلُ زَبَدِ السَّيْلِ وَهُوَ خَبَثُهُ الَّذِيْ يَنْفِيْهِ الْكِيْرُ كَذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۥ أَيْ مِثْلَهُمَا فَأَمَّا الزَّبَدُ مِنَ السَّيْلِ وَمَا أُوْقِدَ عَلَيْهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ فَيَذْهَبُ
جُفَآءً ۚ بَاطِلًا مَرْمِيًّا بِهٖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ مِنَ الْمَآءِ وَالْجَوَاهِرِ فَيَمْكُثُ يَبْقٰى فِي الْأَرْضِ ۭ زَمَانًا
كَذٰلِكَ الْبَاطِلُ يَضْمَحِلُّ وَيَنْمَحِقُ وَإِنْ عَلَا عَلَى الْحَقِّ فِيْ بَعْضِ الْأَوْقَاتِ وَالْحَقُّ ثَابِتٌ بَاقٍ كَذٰلِكَ
الْمَذْكُوْرِ يَضْرِبُ يُبَيِّنُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ أَجَابُوْهُ بِالطَّاعَةِ الْحُسْنٰى الْجَنَّةُ ۭ وَ

الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ وهم الكفار لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ

من العذاب اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وهو المؤاخذة بكل ما عملوه ولا يغفر منه شيء وَمَاْوٰىهُمْ

ع جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ الفراش هي

ترجمہ: اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ (نر ہے یا مادہ ایک ہے یا کئی وغیرہ) اور جو کچھ رحم میں (مدت حمل کی) کمی بیشی ہوتی ہے اس کے یہاں ہر چیز کا ایک خاص اندازہ ٹھہرا ہوا ہے۔ (اسی مقدار و حد کے جس سے آگے نہ بڑھ سکے) جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا (جو چیز نظروں سے اوجھل ہے اور جو سامنے ہے) سب سے بڑا (عظمت والا) برتر (اپنی مخلوق پر غلبہ کے ساتھ یا اور لغیر یاء کے) برابر ہے کہ تم میں (اللہ کے علم میں) جو آہستہ بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے (پوشیدہ ہے) رات (اس اندھیری) میں اور جو پھرنے والا ہے (ظاہر ہونے والا ہو چل پھر کر اپنے راستہ میں) گلیوں میں (دن کو اس انسان) کے پہرے والے ہیں (یکے بعد دیگرے فرشتے آتے رہتے ہیں) کچھ اس کے آگے (سامنے) اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ خدائی حکم سے اس کی حفاظت ان سے سلب نہیں کرتا) جب تک کہ وہ نہ بدلیں جو ان نفوس میں ہے (اچھی حالت کو گناہ کر کے) اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت (عذاب) ڈالنے کا ارادہ کرے تو پھر اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں (یکے بعد دیگر آنے والے فرشتوں وغیرہ میں سے اور جس پر اللہ کوئی مصیبت ڈالنا چاہے نہیں ہے اس کے لئے) اس کے (اللہ کے) سوا کوئی مددگار (جو اس مصیبت کو ان کے اوپر آنے سے روک سکے من زائدہ ہے) وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جو دلوں میں خوف بھی پیدا کرتی ہے (مسافر کو کڑکنے والی بجلی سے ڈر پیدا ہوتا ہے) اور امید بھی (گھروں میں رہنے والوں کو بارش کی توقع ہو جاتی ہے) اور وہی ہے جو بادلوں کو (بارش کے پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے اور بادلوں کی گرج (ایک فرشتہ جو بادلوں کو چلانے پر مقرر ہے) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے (سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتی ہے) اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے (تسبیح) پڑھتے ہیں اور وہ بجلیاں گراتا ہے (اور آگ ہے جو بادل سے نکلتی ہے) جس پر چاہتا ہے سو وہ اس کو جلا دیتی ہے (یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کے پاس آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دینی دعوت کے لئے بھیجا تو وہ بولا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ وہ سونے کا ہے؟ یا چاندی یا پیتل کا؟ اس پر ایک بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی) لیکن یہ (کفار) جھگڑتے ہیں (نبی کریم ﷺ سے حجت کرتے ہیں) اللہ کی بات میں حالانکہ وہ زبردست (طاقتور اور مواخذہ کرنے والا) ہے اسی کا پکارنا سچ ہے (یعنی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ) جو لوگ دوسروں کو پکارتے ہیں یا اور تاء کے ساتھ یعنی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں) اس کے سوا (اللہ کے علاوہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں) وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے (جو کچھ ان سے طلب کرتے ہیں) مگر (ایسی فرمائش کرنا) جیسے کوئی آدمی دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے (کنویں کے من پر بیٹھ کر پانی کو پکارے) کہ بس پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا (کنویں سے اٹھ کر) حالانکہ وہ اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا (کبھی بھی پس اسی طرح یہ بت بھی کبھی ان کی فرمائش پوری نہیں کر سکتے) اور کافروں کا درخواست کرنا (بت پرستی مراد ہے یہ حقیقتاً ان سے دعا کرنا) محض بے اثر (رائیگاں) ہے اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے

آسمان اور زمین میں (خوشی سے) جیسے ایمان والے) اور (زبردستی سے) جیسے منافق یا جو شخص تلوار کے ڈر سے جھکے) اور ان کی پرچھائیاں صبح (دن کے ابتدائی حصہ میں) شام (رات کے ابتدائی حصہ میں) پوچھئے (اے محمد اپنی قوم سے) کہ آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار کون ہے آپ کہہ دیجئے اللہ، (اگر وہ جواب نہ دیں اس کے سوا کوئی جواب نہیں) کہہ دیجئے ان سے پھر کیا تم نے پکڑ لیے ہیں اس (اللہ) کے سوا اپنے حمایتی (بت جن کی تم پوجا کرتے ہو) کہ جو مالک نہیں اپنے بھلے اور برے کے (تم نے نفع ونقصان کے اصل مالک کو کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ یہ استفہام توبیخی ہے) آپ پوچھئے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے (مراد کافر اور مؤمن ہے) یا اندھیرا (کفر) اور اجالا (ایمان) برابر ہو سکتے ہیں (یقیناً نہیں) کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے لیے شریک کہ انھوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے پیدا کیا ہے اللہ نے پھر مشتبہ ہوگئی پیدائش (شرکاء کی پیدا کردہ چیزیں اللہ کی مخلوق کے) ان کی نظر میں (اس لیے مشرکوں کے پیدا کرنے کی وجہ سے انھیں مستحق عبادت تصور کرنے لگے، استفہام انکاری ہے، یعنی بات اس طرح نہیں ہے، اور مستحق بندگی خالق حقیقی کے علاوہ کوئی نہیں ہے) کہہ دیجئے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا (جب تخلیق اشیاء میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو بندگی میں کیونکر ہوگا) اور وہی ہے اکیلا غالب (بندوں پر) پھر (اللہ نے حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی چنانچہ فرمایا) اتارا (اللہ نے) آسمان سے پانی (بارش) پھر بہنے لگے نالے اپنی مقدار کے موافق (بھرے ہوئے) پھر اوپر لے آیا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا (پانی کی سطح پر جو میل کچیل وغیرہ ہے) اور جس چیز کو دھونکتے ہیں (تاء اور یاء کے ساتھ) آگ میں (زمین کی معدنیات سونا، چاندی، تانبہ، پیتل وغیرہ) زیور کے واسطے (زیب وزینت کی چیزیں تیار کرنے کے لئے) یا سامان کے واسطے (کہ جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو جیسے پگھلا کر برتن بنانا) اس میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی (جیسے نالیوں میں بہنے والے پانی کا جھاگ) اور وہ میل ہے جس کو بھٹی پھونک دیتی ہے) یوں بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کو (حق وباطل کی مثال یہی ہے) سو وہ جھاگ (نالیوں کے پانی کی سطح پر بہنے والا اور آگ کی تپائی ہوئی چیزوں کا) تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر (بیکار پھینک دینے کے لائق) اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے (پانی اور معدنیات) سو باقی رہتا ہے زمین میں (ایک عرصہ تک، ایسے ہی حق باطل کمزور پڑ جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے اگرچہ بعض اوقات حق پر چھا ہی کیوں نہ جائے تاہم حق زندہ جاوید اور پائیدار ہوتا ہے) اسی طرح (مذکورہ مثالوں کی طرح) بیان کرتا ہے (وضاحت کے ساتھ بناتا ہے) اللہ مثالیں جن لوگوں نے مانا اپنے پروردگار کا حکم (فرمانبرداری کر کے حکم بجالائے ان کے واسطے بھلائی (جنت) ہے اور جنھوں نے اس کا حکم نہ مانا (کفار مراد ہیں) اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور سب دیدیں اپنے بدلہ میں (عذاب سے بچنے کے لئے) ان لوگوں کے لیے برا حساب ہے) اپنے کئے پر مواخذہ اور ذرا بھی کسی گناہ کا معاف نہ ہونا) اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری آرام کی جگہ ہے (کیا ہی برا بچھونا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: غَيْرِ ذٰلِكَ: سے تمام، ناقص احسن وقبیح ہونا ہے۔

قولہ: مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ: کمی و زیادتی کی نسبت رحم کی طرف مجازی ہے حقیقی طور پر وہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

قولہ: مَا شُوهِدَ: مصدر الغیب والشہادۃ یہ مصدر ہیں اور مفعول کے معنی میں تھا۔

قولہ: سَوَآءٌ مِّنكُم: یعنی تمام مخلوقات کے لئے برابر ہے۔ خواہ وہ اپنے دل میں کوئی خیال چھپائے یا خود کے سامنے ظاہر کرے وہ سب کو یکساں جانتا ہے۔

قولہ: سَارِبٌ: اس کا عطف مستخف پر ہے صرف مستخف پر نہیں۔

قولہ: سَرْبِہ: سرنگ، زمین دوز راستہ۔

قولہ: لِلْإِنسَانِ: ضمیر اس انسان کی طرف لوٹتی ہے جو تمام مذکورہ صفات کا جامع ہو۔

قولہ: مَلَآئِكَةٌ تَعْتَقِبُہ: یعنی حفاظت کے لئے باری باری آتے ہیں یا وہ اس کے پیچھے سے اس کے اقوال و افعال لکھتے ہیں۔

قولہ: بِأَمْرِہ: اشارہ کیا کہ من یہ با کے معنی میں ہے۔

قولہ: بِنِعْمَتِہ: اس سے اشارہ کیا کہ ما سے مراد نعمت ہے۔

قولہ: خَوْفًا: اس سے اشارہ کیا یا ارادہ کو مقدر مان کر علت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: مُتَلَبِّسًا: با الصاق کے لئے ہے سببیت کی نہیں۔

قولہ: تُسَبِّحُ: اس سے اشارہ کیا کہ ملائکہ کا عطف الرعد پر ہے نہ کہ قریب پر۔

قولہ: من المحل: المحال قوت کے معنی میں ہے یہ مصدر ہے اسم نہیں۔

قولہ: اسْتِجَابَةً: اس کو مقدر مانا تا کہ استثناء درست ہو سکے کیونکہ مستثنیٰ منہ مصدر ہے جس پر يَسْتَجِيبُونَ دلالت کر رہا ہے۔

قولہ: يَسْجُدُ ظِلٰلُهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف من پر ہے قریب پر نہیں غدو جمع غداۃ اور اصال جمع اصیل ہے۔

قولہ: ثُمَّ ضَرَبَ مَثَلًا: اس کا جملہ مستانفہ ماقبل سے اس کا لفظاً تعلق نہیں اس وجہ سے عطف نہیں کیا۔

قولہ: نَحْوِہ: اس سے مراد میل کچیل اور تنکے ہیں۔

قولہ: إِذَا أُذِيبَتْ: اس سے مقید کیا کیونکہ جھاگ بغیر پگھلائے حاصل نہیں ہو سکتی۔

قولہ: مِثْلُهُمَا: مضاف محذوف ہے۔

قولہ: جُفَآءً: یہ عذاب کے وزن پر ہے باطل و بے فائدہ کو کہتے ہیں۔

قولہ: اَلْجَنَّةُ: الحسنیٰ کی تانیث کی وجہ بتلائی کہ یہ مؤنث کی صفت ہے۔

قولہ: هِيَ: یہ مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر مقبولین

اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی ....

علم الٰہی:

اللہ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تمام جاندار مادہ حیوان ہوں یا انسان، ان کے پیٹ کے بچوں کا، ان کے حمل کا، اللہ کو علم ہے کہ پیٹ میں کیا ہے؟ اسے اللہ بخوبی جانتا ہے یعنی مرد ہے یا عورت؟ اچھا ہے یا برا؟ نیک ہے یا بد؟ عمر والا ہے یا بے عمر کا؟ چنانچہ ارشاد ہے: (ھو اعلم بکم) الخ وہ بخوبی جانتا ہے جب کہ تمہیں زمین سے پیدا کرتا ہے اور جب کہ تم ماں کے پیٹ میں چھپے ہوئے ہوتے ہو، الخ اور فرمان ہے: (یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ) (الزمر:٦) وہ تمہیں تمہاری ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے ایک کے بعد دوسری پیدائش میں تین تین اندھیروں میں۔ ارشاد ہے: (ولقد خلقنا الانسان من سلالة) الخ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے نطفے کو خون بستہ کیا، خون بستہ کو لوتھڑا گوشت کا کیا۔ لوتھڑے کو ہڈی کی شکل میں کر دیا۔ پھر ہڈی کو گوشت چڑھایا، پھر آخری اور پیدائش میں پیدا کیا پس بہترین خالق بابرکت ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں فرمان رسول اللہ (ﷺ) ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک وہ بصورت خون بستہ رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں تک وہ بصورت خون بستہ رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں تک وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ خالق کا ایک فرشتے کو بھیجتا ہے، جسے چار باتوں کے لکھ لینے کا حکم ہوتا ہے، اس کا رزق عمر عمل اور نیک بد ہونا لکھ لیتا ہے۔

اور حدیث میں ہے وہ پوچھتا ہے کہ اے اللہ مرد ہوگا یا عورت؟ شقی ہوگا یا سعید؟ روزی کیا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے اور وہ لکھ لیتا ہے۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں بجز اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کے اور کوئی نہیں جانتا کل کی بات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پیٹ میں کیا بڑھتا ہے اور کیا گھٹتا ہے کوئی نہیں جانتا۔ بارش کب برسے گی اس کا علم بھی کسی کو نہیں کون شخص کہاں مرے گا اسے بھی اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب قائم ہوگی اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ پیٹ میں کیا گھٹتا ہے اس سے مراد حمل کا ساقط ہو جانا ہے اور رحم میں کیا بڑھ رہا ہے کیسے پورا ہو رہا ہے۔ یہ بھی اللہ کو بخوبی علم رہتا ہے۔ دیکھ لو کوئی عورت دس مہینے لیتی ہے کوئی نو۔ کسی کا حمل گھٹتا ہے، کسی کا بڑھتا ہے۔ نو ماہ سے گھٹنا، نو سے بڑھ جانا اللہ کے علم میں ہے۔ حضرت ضحاک کا بیان ہے کہ میں دو سال ماں کے پیٹ میں رہا جب پیدا ہوا تو میرے اگلے دو دانت نکل آئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ حمل کی انتہائی مدت دو سال کی ہوتی ہے۔ کمی سے مراد بعض کے نزدیک ایام حمل میں خون کا آنا اور زیادتی سے مراد نو ماہ سے زیادہ حمل کا ٹھہرا رہنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نو سے پہلے جب عورت خون کو دیکھے تو نو سے زیادہ ہو جاتے ہیں مثل ایام حیض کے۔ خون کے گرنے سے بچہ اچھا ہو جاتا ہے اور نہ گرے تو بچہ پورا پاٹھا اور بڑا ہوتا ہے۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں بالکل بے غم، بے کھٹکے اور با آرام ہوتا ہے۔ اس کی ماں کے

حیض کا خون اس کی غذا ہوتا ہے، جو بے طلب آرام اسے پہنچتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کو ان دنوں حیض نہیں آتا۔ پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے زمین پر آتے ہی روتا چلا تا ہے، اس انجان جگہ سے اسے وحشت ہوتی ہے، جب اس کی نال کٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی ماں کے سینے میں پہنچا دیتا ہے اور اب بھی بے طلب، بے جستجو، بے رنج وغم، بے فکری کے ساتھ اسے روزی ملتی رہتی ہے۔ پھر ذرا بڑا ہوتا ہے اپنے ہاتھوں کھانے پینے لگتا ہے۔ لیکن بالغ ہوتے ہی روزی کے لیے ہائے ہائے کرنے لگتا ہے۔ موت اور قتل تک سے روزی حاصل ہونے کا امکان ہو تو پس وپیش نہیں کرتا۔ افسوس اے ابن آدم تجھ پر حیرت ہے جس نے تجھے تیری ماں کے پیٹ میں روزی دی، جس نے تجھے تیری ماں کی گود میں روزی دی جس نے تجھے بچے سے بالغ بنانے تک روزی دی۔ اب تو بالغ اور عقل مند ہو کر یہ کہنے لگا کہ ہائے کہاں سے کھاؤں گا؟ موت ہو یا قتل ہو؟ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ ہر چیز اس کے پاس اندازے کے ساتھ موجود ہے رزق اجل سب مقرر شدہ ہے۔ حضور (ﷺ) کی ایک صاحبزادی صاحبہ نے آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ میرا بچہ آخری حالت میں ہے، آپ کا تشریف لانا میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان سے کہہ دو کہ اللہ سے ثواب کی امید رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو بھی جانتا ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہے اور اسے بھی جو بندوں پر ظاہر ہے، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں۔ وہ سب سے بڑا۔ وہ ہر ایک سے بلند ہے ہر چیز اس کے علم میں ہے ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز ہے، تمام سر اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں تمام بندے اس کے سامنے عاجز لاچار اور محض بے بس ہیں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ ....

نگران فرشتوں کی تذکیر و یاد دہانی:

اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ہر کسی کے لیے بدلتے رہنے والے فرشتے مقرر ہیں جو کہ رات کے الگ ہوتے ہیں اور دن کے الگ اور وہ دونوں صحیح احادیث کی رو سے فجر اور عصر کی نمازوں میں باہم ملتے ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ) اور معقبات۔ ادلی بدلی ہونے والے یہ وہ فرشتے ہیں جو انسانی خدمت وحفاظت کے کام پر مامور ہوتے ہیں۔ اور یہ ان دو فرشتوں کے علاوہ ہوتے ہیں جو کہ انسانی اعمال لکھنے پر مقرر ہیں۔ اور جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ اور جو ادلتے بدلتے نہیں۔ اور ان معقبات کی تعداد میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں (روح، خازن، اور مدارک وغیرہ) سو اس سے اہل بدعت کے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو وہ نوری مخلوق کو انسان پر ترجیح دینے کے سلسلے میں رکھتے ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ انبیائے کرام کی بشریت کا انکار کر کے ان کے نور ہونے کا من گھڑت عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ نوری حضرات بحکم خداوندی اس خاکی انسان کے لیے محافظ اور اس کے باڈی گارڈ کے طور پر مقرر و مامور خدمت ہیں۔ جس سے بشر خاکی کی عظمت شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر کیف ہر انسان کے ساتھ دن رات میں چار فرشتے رہتے ہیں۔ دو اعمال لکھنے والے اور دو حفاظت کرنے والے۔ اعمال لکھنے والے اس کے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں۔ دائیں والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں والا اس کی برائیاں۔ العیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ حفاظت کرنے والے دو فرشتے اس کے آگے اور پیچھے ہوتے ہیں۔ اور دن رات کے ان فرشتوں کا اجتماع صبح اور عصر کی نمازوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ (بخاری،

كتاب مواقيت الصلوة- باب صلوه العصر ، مسلم كتاب المساجد و مواضع الصلوة، باب فضل صلوتی الصبح و العصر و المحافظة عليهما (محاسن التاويل، المراغي، ابن كثير وغيره) والحمد لله جل وعلا بكل حال من الاحوال وفي كل موطن من المواطن في الحياة-)

نگران فرشتوں کی حفاظت کا ذکر و بیان:

سوارشادفرمایا گیا کہ اس کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر ہیں جو انسان کی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے یعنی (مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ) میں مِنْ سببیہ ہے اور روایات کے مطابق جب لوگوں میں سے کسی کو اس کے مقدر کے مطابق کوئی گزند پہنچنا ہوتی ہے تو اس خاص وقت کے لیے اس کے یہ محافظ فرشتے اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ (طبری، ابن کثیر، معارف للکاندھلوی وغیرہ) چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناء پر اور اسی کے اذن سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے برعکس اور اس کی قضاوقدر کے مقابلے میں کسی مدد کر سکے۔ چنانچہ جب اللہ کی طرف سے کسی کے نقصان یا تکلیف کا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ تو یہ اس سے الگ ہو جاتے ہیں (المراغی وغیرہ) نیز من امر اللہ کے کلمات کریمہ کا دوسرا مطلب بعض حضرات اہل علم کی طرف سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ فرشتے اللہ کے امر میں سے ہیں جیسا کہ (قل الروح من امر ربی) وغیرہ بعض دوسری آیات کریمہ میں وارد ہے۔ بہرکیف اس سے اس اہم حقیقت کو واضح فرمادیا گیا ہے کہ ہر انسان پر باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں ۔سو اس طرح اس آیت کریمہ سے اوپر والی آیت کریمہ کے مضمون کی توضیح و تائید فرمادی گئی۔ پس اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ظاہر و باطن اور اس کے شب و روز سے پوری طرح واقف و آگاہ ہے اور اس نے ہر شخص پر اپنے فرشتے نگران اور پہرہ دار کے طور پر مقرر کر رکھے ہیں۔ تو پھر اس کے کسی حال کے مخفی رہ جانے کا کیا سوال؟ سبحانہ وتعالیٰ پس ہمیشہ اسی کے رضا و خوشنودی کو اپنا مقصود بنانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ

عذاب کے بارے میں دستور خداوندی کا ذکر و بیان:

اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت یعنی اس کی نعمت و عنایت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدل دے۔ کہ کریم کرم کرنے کے بعد اپنے کرم کو چھینتا نہیں کہ یہ اس کی شان کرم کے خلاف ہوتا ہے۔ تو پھر جس کی شان کرم کی کوئی حد و انتہاء ہی نہیں اس سے یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی قوم کو کوئی نعمت عطاء فرمانے کے بعد اس سے اس کو یونہی چھین لے۔ سو یہاں پر (مَا بِقَوْمٍ) سے مراد اس قوم کی وہ اچھی حالت اور عافیت و نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے ای من العافية و النعمة (محاسن التاویل للقاسمی) سو اس کا وہ مطلب جو بعض لیڈر ٹائپ لوگ لیتے رہتے ہیں کہ اللہ کسی قوم کو نعمت سے اس وقت تک نہیں نوازتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ پاک اپنی نعمتوں سے از خود نوازتا ہے نہ کہ ہماری محنت پر۔ آخر ہمارا وجود ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہے؟ اور وجود کے اندر اور اس کے باہر جو بیشمار نعمتیں ہیں آخر وہ ہماری کس محنت و مشقت یا لیاقت و قابلیت پر ہمیں ملیں؟ سو اس ارشاد ربانی میں نعمت سے نوازنے کے

ارے میں نہیں بلکہ اس کے چھیننے کے بارے میں اس سنت الٰہی اور دستور خداوندی کا ذکرو بیان ہے جو قوموں کے عذاب سے متعلق قدرت کی طرف سے مقرر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنی رحمت وعنایت کا معاملہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی روش میں تبدیلی نہ کرلے۔ سو جب وہ اپنی روش بدل دیتی ہے اور تنبیہ وانذار کے باوجود وہ نہ سنبھلے اور اپنی روش کی اصلاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر وہ عذاب بھیج دیتا ہے جس کو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی۔

کسی قوم کی بدعملی اس کی محرومی کا باعث۔ العیاذ باللہ:

جب وہ اپنی حالت بدل دے اور شکر نعمت کی بجائے کفران نعمت پر اتر آئے کہ اس طرح وہ لوگ اپنے آپ کو نعمت کے استحقاق اور اس کی اہلیت سے خود محروم کردیتے ہیں۔ یہی مفہوم ہے اس آیت کریمہ کا جو کہ تمام معتبر تفاسیر میں موجود ہے۔ پس اس کا وہ مطلب جو عام طور پر لوگ بیان کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بری حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے، غلط ہے یہ مطلب اپنے طور پر کسی حد تک اگرچہ صحیح بھی ہو، تاہم اس آیت کریمہ کا مطلب ومصداق بہرحال نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء و بخشش ہمارے کسی عمل کی محتاج یا اس پر موقوف نہیں۔ آخر ہمارا یہ وجود اور اس کے اندر وباہر کی یہ بے شمار نعمتیں جو قدرت نے ہمیں عطاء فرمائی ہیں اور ہمارے کسی مطالبہ وسوال کے بغیر ہمیں ان سے نوازا گیا ہے، آخر یہ سب ہمارے کس عمل کا ثمرہ وبدلہ قرار دی جاسکتی ہیں؟ یہ سب کچھ تو محض کرم وعطاء ہے اس اکرم الاکرمین، وحدہ لاشریک کی طرف سے، جس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے سو یہ اس کا کرم ہے نہ کہ ہماری کسی جدوجہد کا نتیجہ وثمرہ۔ سو آیت کریمہ کا مفہوم وہ نہیں جو ایسے لوگ بیان کرتے ہیں۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۤءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪

اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا:

سو اللہ جب کسی قوم کے عذاب کا ارادہ فرمالیتا ہے تو پھر کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ العیاذ باللہ۔ کہ مالک ومختار اور متصرف وہی اور صرف وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اس لیے وہ جب کسی قوم کے عذاب کا ارادہ فرمالے تو اس کے ٹالنے، بدلنے اور روکنے کا یارا کسی کو نہیں ہوسکتا۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ جب کوئی قوم انذار وتنبیہ کے باوجود اپنی روش نہیں بدلتی اور اپنی اصلاح کے لیے تیار نہیں ہوتی تو پھر وہ اللہ کے عذاب کا مورد بن کر رہتی ہے۔ اور جب اللہ پاک اپنے عذاب کا فیصلہ فرما دیتا ہے تو پھر وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ اور کسی کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ العیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫

بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ:

ان آیات میں بجلی اور بادل اور کڑک کا تذکرہ فرمایا' یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے اور اس کی تکوین اور تخلیق سے وجود میں آتی ہیں' اللہ تعالیٰ بجلی کو بھیج دیتا ہے لوگ اسے دیکھتے ہیں پھر دیکھنے والوں میں بعض تو اس سے ڈر جاتے ہیں مثلاً مسافر راستوں میں ہوتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ بارش ہونے لگی تو ہمارا کیا بنے گا' اور بعض لوگ اسے دیکھ کر نفع کی امید

باندھتے ہیں کہ بارش ہوگی تو کھیت کی آبیاری ہوگی اور بارش اچھی ہوگی۔ (وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝) (اور اللہ تعالیٰ بھاری بادلوں کو پیدا فرمادیتا ہے۔ یہ بادل ایسی جگہ جا کر برس پڑتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے
وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ ....

رعد کیا ہے؟

پھر فرمایا کہ رعد اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس کی تعریف بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اللہ کے خوف سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الرعد) میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی حضور اکرم (ﷺ) کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم ہمیں یہ بتائیے کہ رعد کیا ہے آپ نے فرمایا کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا ہوا ہے اس کے پاس پھاڑنے والی چیزیں ہیں جو آگ کی بنی ہوئی ہیں اور ان کے ذریعے بادلوں کو ہانکتا ہے اللہ جہاں چاہتا ہے وہاں لے جاتا ہے، یہودیوں نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا ہے جو سننے میں آتی ہے، آپ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے کی آواز ہے، رعد انہیں جھڑکتا ہے یہاں تک کہ بادلوں کو وہاں لے جاتا ہے جہاں لے جانے کا حکم ہوتا ہے۔
(قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب)

پھر فرمایا: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے) وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہوتے ہیں۔ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ (اور وہ سخت قوت والا ہے)۔

آیت: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ کا سبب نزول:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے ایک صحابیؓ کو رؤسائے جاہلیت میں سے ایک شخص کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کی دعوت دینے کے لیے بھیجا، اس نے کہا کہ تمہارا رب کون ہے، جس کے ماننے کی دعوت دیتے ہو وہ لوہے کا ہے یا تانبے کا، چاندی کا ہے یا سونے کا، وہ صحابی رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو اس کی باتوں کی خبر دی آپ نے دوبارہ انہیں بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی، یہ صحابیؓ پھر حاضر خدمت ہوئے اور اس کی بات نقل کر دی آپ نے تیسری بار ان کو پھر بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی اس مرتبہ جب یہ صحابیؓ واپس ہو کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس کے سوال سے باخبر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بجلی اس پر نازل فرمادی جس کی وجہ سے وہ جل گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ (آخر تک) نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تیسری بار جب وہ شخص بات کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ایک بادل بھیج دیا وہ بادل گرجا اور اس میں سے ایک بجلی گری جو اس سرکش کافر کی کھوپڑی کو لے کر چلی گئی۔ (مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۷ عن ابی یعلی والبزار والطبرانی فی الاوسط ورجال البزار رجال الصحیح غیر دیلم بن غزوان وھو ثقۃ)۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ ....

یعنی پکارنا اسی کو چاہیے جو ہر قسم کے نفع وضرر کا مالک ہے عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ

میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے وہ ان کا فتح بند رہے؟ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لیے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اس کی مٹھی میں ہو تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے محض خیالات و اوہام ہیں، بعضے جن اور شیاطین ہیں، اور بعضی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں۔ لیکن اپنے خواص کی مالک نہیں۔ پھر ان کے پکارنے سے کیا حاصل؟ جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ ....

آسمان کی طرف سے بارش اتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہر نالے میں اس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا۔ پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر اوپر آیا۔ جیسے تیز آگ میں چاندی تانبا، لوہا، اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تاکہ زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں اس میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہ ہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ یہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو میل ابھر آتا ہے۔ بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے لیکن اس کا یہ ابال عارضی اور بے بنیاد ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے کدھر گیا۔ جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہ ہی رہ گئی دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں۔ کیسے موثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو گو برائے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخرکار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہے گا۔ کسی مؤمن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اتر جائے تھوڑی دیر کے لیے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں تھوڑی دیر میں یہ ابال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہے گا۔ گزشتہ آیات میں چونکہ توحید و شرک کا مقابلہ کیا گیا تھا اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلادی آگے دونوں کا انجام بالکل کھول کر بیان کرتے ہیں۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ....

ذکر حال و مآل محقین و مبطلین:

(ربط) گزشتہ آیات میں حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی اب ان آیات میں اہل حق اور اہل باطل کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یہ گروہ سعداء کا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت حق کو قبول نہیں کیا یہ گروہ اشقیاء کا ہے ان آیات میں اخلاق و اعمال کے اعتبار سے سعداء اور اشقیاء کے فرق کو بیان کرتے ہیں تاکہ دونوں گروہوں کا فرق معلوم ہو جائے مبادا کوئی نادان دونوں کو یکساں قرار دے اس لیے اول اہل حق کے فضائل و شمائل اور ان کے

اخروی نتائج بیان کیے کہ وہ دل میں خوف خدا رکھتے ہیں اور اس کے اوامر ونواہی کے پابند ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھتے ہیں یہ گروہ اہل علم کا ہے اس کے بعد ان کے مقابل اہل باطل کی خرابیاں اور ان کے برے اعمال کا نتیجہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل حق اور اہل سعادت نے ہدایت سے حصہ حاصل کیا اور ان کے اعمال ظاہری و باطنی ان کے لیے نافع اور باقی رہے اور اہل باطل نے ہدایت سے حصہ نہ پایا اور ان کے سارے اعمال مثل جھاگ کے باطل اور بے کار گئے اور مرتے ہی دنیا کے تمام منافع اور فوائد زائل ہو گئے چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا اور جو آب ہدایت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا تھا اس کو نوش جان کیا اور شبہات اور وسواس کا جو میل وکچیل اور خس وخاشاک اس میں باہر سے آلگا تھا اب اس کو ہدایت کے اوپر سے اتار پھینک دیا ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں بھلائی یعنی جنت مقرر ہے کما قال تعالیٰ: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس نے آسمان سے ہدایت کا جو آب حیات نازل کیا تھا اس کو استعمال کرنے سے اعراض کیا قیامت کے دن اگر ان کے پاس وہ سب کچھ مال ومتاع بھی ہو جو روئے زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس سب کو آخرت کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دے ڈالیں۔ یعنی کافروں کے پاس قیامت کے دن اگر تمام روئے زمین کا خزانہ اور اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ عذاب سے رہائی کے بدلے اس سب کو دے ڈالیں مگر وہاں ان کے پاس مال کہاں دھرا ہے اور اگر بفرض محال ہو بھی تو قبول کہا ہو سکتا ہے آخرت کے عذاب سے رہائی کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں دعوت حق کو قبول کریں اور ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدہ پانی کے جھاگ کی طرح سب اڑ جائیں گے اور علاوہ ازیں قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے برا حساب ہوگا یعنی سختی سے ان کے اعمال کا محاسبہ اور مناقشہ ہوگا اور ذرہ ذرہ پر مؤاخذہ اور باز پرس ہوگی جس کو دوسری آیت میں حساب عیر فرمایا اور حساب کے بعد ان کا ٹھکانا ہمیشہ کیلئے دوزخ ہے اور وہ بہت بری خواب گاہ ہے مگر کافر چونکہ چشم بصیرت سے عاری اور کورا ہے اس لیے اس کو راہ ہدایت نظر نہیں آتی اور مؤمن بینا اور عاقل ہے وہ اپنی عقل سے حق اور باطل کا فرق سمجھتا ہے اور چشم بصیرت سے آیات بینات کو دیکھتا ہے اس لیے اب آئندہ بینا (مؤمن) اور نابینا (کافر) کے فرق کو واضح فرماتے ہیں۔

وَنَزَلَ فِيْ حَمْزَةَ وَاَبِيْ جَهْلٍ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ فَامَنَ بِهٖ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى لَا يَعْلَمُهُ وَلَا يُؤْمِنُ بِهٖ لَا اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ الْمَاخُوْذُ عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِيْ عَالَمِ الذَّرِ اَوْ كُلِّ عَهْدٍ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ بِتَرْكِ الْاِيْمَانِ اَوِالْفَرَائِضِ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالرَّحْمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اَيْ وَعِيْدَهٗ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا عَلَى الطَّاعَةِ وَالْبَلَاءِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ ابْتِغَآءَ طَلَبَ وَجْهِ رَبِّهِمْ لَا غَيْرَهٗ مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْيَا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا فِي الطَّاعَةِ

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ كَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْاَذٰى بِالصَّبْرِ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ اَىِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِى الدَّارِ الْاٰخِرَةِ هِىَ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ يَّدْخُلُوْنَهَا
هُمْ وَمَنْ صَلَحَ اٰمَنَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِنْ لَّمْ يَعْمَلُوْا بِعَمَلِهِمْ يَكُوْنُوْنَ فِىْ
دَرَجَاتِهِمْ تَكْرِمَةً لَهُمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ اَوِ الْقُصُوْرِ اَوَّلَ
دُخُوْلِهِمْ لِلتَّهْنِئَةِ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ هٰذَا الثَّوَابُ بِمَا صَبَرْتُمْ بِصَبْرِكُمْ فِى الدُّنْيَا فَنِعْمَ عُقْبَى
الدَّارِ ﴿٢٤﴾ عُقْبَاكُمْ وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ
يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِالْكُفْرِ وَالْمَعَاصِىْ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ اَلْبُعْدُ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَلَهُمْ
سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَىِ الْعَاقِبَةُ السَّيِّئَةُ فِى الدَّارِ الْاٰخِرَةِ وَهِىَ جَهَنَّمُ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يَقْدِرُ يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ وَفَرِحُوْا اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ فَرَحَ بَطَرٍ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اَىْ بِمَا نَالُوْهُ فِيْهَا وَمَا
ع ٣ ٨ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِىْ جَنْبِ حَيٰوةِ الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ شَىْءٌ قَلِيْلٌ يُتَمَتَّعُ بِهٖ وَيَذْهَبُ

ترجمہ: یہ آیت حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی) بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر اترا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق ہے (پھر اس پر ایمان لایا) اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے کہ جو اندھا ہو (نہ حق کو جانتا ہو اور نہ اس پر ایمان رکھتا ہے ہو؟ یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے) سمجھتے (نصیحت قبول کرتے) وہی ہیں جو عقلمند ہیں وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو (جو ان سے عالم مثال میں لیا گیا یا ہر عہد مراد ہے) اور نہیں توڑتے اس عہد و (ایمان یا فرائض کو چھوڑ کر) اور جو لوگ جوڑتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا (ایمان اور صلہ رحمی وغیرہ) اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے (یعنی اس کی وعید سے) اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا (تشریح گذر چکی) اور وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا (اطاعت خداوندی اور اس کی مصیبتوں پر اور گناہ سے بچنے پر) اپنے رب کی خوشنودی کے لیے (رضا خداوندی کی طلب نہ کہ کسی دنیاوی غرض سے) اور نماز قائم رکھی اور خرچ کیا (اللہ کی اطاعت میں) ہمارے دیئے ہوئے میں سے پوشیدہ اور ظاہر اذر کرتے ہیں برائی کے مقابلہ میں بھلائی (جیسے جہالت کا مقابلہ بردباری اور تکلیف کا مقابلہ صبر سے) ان لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے (یعنی آخرت میں خوش انجامی کا گھر اور وہ) باغ ہیں رہنے کے (قیام پذیر ہون کے) داخل ہوں گے ان میں (وہ لوگ) اور جو نیک ہوئے (ایمان لائے) ان کے باپ دادوں میں اور بیویوں میں اور اولاد میں (اگرچہ انھوں نے ان جیسا عمل نہ بھی کیا ہو تب بھی از راہ تکریم یہ لوگ ان کے مقامات پر ہوں گے) اور فرشتے آئیں گے ان کے پاس ہر دروازے سے (جنت کے دروازوں میں سے یا محلوں کے دروازوں میں سے جب پہلی بار جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے خوش آمدید کے طور پر

کہیں گے) سلامتی تم پر (یہ ثواب) تمہارے صبر کے بدلہ میں ہے (دنیا میں تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے ہے) سو خوب ملا آخرت کا گھر (تمہارے صبر کا نتیجہ) اور جو لوگ توڑتے ہیں اللہ کا عہد اس کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں (کفر و معاصی کے ذریعہ) ان کے واسطے لعنت ہے (اللہ کی رحمت سے دوری ہے) ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے (دار آخرت میں برا انجام ہے اور وہ دوزخ ہے) اللہ کشادہ کرتا ہے روزی (وسیع کرتا ہے) جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہے) اور فریفتہ ہیں (اہل مکہ متکبرانہ فریفتگی) دنیاوی زندگی (دنیا میں ان کو جو حاصل ہوا اس) پر حالانکہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے (مقابلہ میں) مگر متاع حقیر (تھوڑا سا سامان کہ جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور پھر ختم ہو جائے) اور کافر (اہل مکہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتری اس پر (محمدؐ پر) کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے (جیسے عصائے موسیٰ، ید بیضاء اور ناقۂ صالح) آپ کہہ دیجئے (ان سے اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے (جس کو گمراہی منظور ہو نشانیاں (معجزات) اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے اور راہ دکھلاتا ہے (ہدایت دیتا ہے) اپنی طرف (اپنے دین کی طرف) اس کو جو رجوع ہوا (جس نے توبہ کی اگلا جملہ من سے بدل واقع ہے)) وہ جو ایمان لائے اور چین (سکون) پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے (اس کے وعدہ سے) سن رکھو! اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں (ان اہل ایمان کے) دل جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ (مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) خوشخبری ہے (یہ مصدر ہے طیب سے بنا ہے یا جنت کا ایک درخت مراد ہے کہ جس کے سائے میں ایک سوار اگر سو سال تک سفر کرتا رہے تب بھی اس کی مسافت کو طے نہ کر سکے) اور اچھا ٹھکانہ (لوٹ کر جانے کی جگہ) اسی طرح (جس طرح آپ سے پہلے انبیاء کو بھیجا ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا کہ اس سے پہلے بہت امتیں گذر چکی ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَآمَنَ بِهٖ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مطلق علم بلا عمل غیر مفید ہے اور وہ اندھے پن کے مقابل نہیں ہو سکتا۔

قوله: لَا یَعْلَمُہٗ: سے اشارہ کیا کہ اندھے پن سے دل کا اندھا پن مراد ہے نہ کہ ظاہری آنکھوں کا۔

قوله: لَا: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: وَلَا یَنْقُضُوْنَ: یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔

قوله: مِنَ الْاِیْمَانِ: اس سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ہے۔

قوله: وَعِیْدَہٗ: اس میں مضاف محذوف ہے۔

قوله: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ: یہ جملہ مبتداء موصول کی خبر ہے۔

قوله: هِیَ: جنات یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے عقبی امرار کا بدل نہیں۔

قوله: هُمْ: اس کو مقدر مانا تا کہ مَنْ صَلَحَ یدخلونها کی ضمیر پر عطف درست ہو ضمیر منفصل تاکید کیلئے آتی ہے۔

قوله: هٰذَا الثَّوَابُ: ظرف محل رفع میں مبتداء محذوف کی خبر ہے یہ سلام کے متعلق نہیں۔

قوله: بِصَبْرِكُمْ فِي الدُّنْيَا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ما مصدر یہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: عُقْبَاكُمْ: یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قوله: الْعَاقِبَةُ السَّيِّئَةُ: یہ اضافت صفت الی الموصوف کی قسم سے ہے۔

قوله: بِمَا نَالُوْهُ فِيْهَا: یعنی دنیا میں جو بداعمالیاں کیں۔

قوله: فِيْ جَنْبِ حَيٰوةِ الْاٰخِرَةِ: مضاف کو اس لیے مقدر مانا کیونکہ آخرت دنیا کے لئے ظرف نہیں بن سکتی۔ حیاۃ کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ فی ظرفیت کے لئے یہاں نہیں بلکہ تقابل کے لئے آیا ہے۔

قوله: شَيْءٌ قَلِيْلٌ: اشارہ کیا کہ تنوین تحقیر کے لئے آئی ہے کیونکہ تنکیر تحقیر کے لئے آتی ہے۔

تفسیر مقبولین

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ....

کیا تم کو ہدایت اور ضلالت کا فرق نظر نہیں آتا پس کیا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے کیا ایسا شخص اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو نابینا ہو اور اسے حق نظر نہ آتا ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں اسی طرح سمجھو کہ مؤمن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔ لا یستوی اصحب النار واصحب الجنة الاية جز این نیست کہ نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص ہیں اور شوائیب وہم اور نفسیات سے پاک ہیں جن کی عقلیں خالص اور صاف ہیں وہی نور بصیرت سے اشیاء کے حقائق اور دقائق کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اولوا الالباب وہ لوگ ہیں جو پند پذیر اور عبرت گیر ہوں۔

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ....

ان بزرگوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں اور ان کے بھلے انجام کی خبر دی جا رہی ہے جو آخرت میں جنت کے مالک بنیں گے اور یہاں بھی جو نیک انجام ہیں۔ وہ منافقوں کی طرح نہیں ہوتے کہ عہد شکنی، غداری اور بے وفائی کریں۔ یہ منافق کی خصلت ہے کہ وعدہ کر کے توڑ دیں۔ جھگڑوں میں گالیاں بکیں، باتوں میں جھوٹ بولیں، امانت میں خیانت کریں۔ صلہ رحمی کا، رشتہ داروں سے سلوک کرنے کا، فقیر محتاج کو دینے کا، بھلی باتوں کے نباہنے کا، جو حکم الٰہی ہے یہ اس کے عامل ہیں۔ رب کا خوف دل میں رکھتے ہوئے فرمان الٰہی سمجھ کر نیکیاں کرتے ہیں، بدیاں چھوڑتے ہیں۔ آخرت کے حساب سے ڈرتے ہیں، اسی لیے برائیوں سے بچتے ہیں، نیکیوں کی رغبت کرتے ہیں۔ اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑتے۔ ہر حال میں فرمان الٰہی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ گو نفس حرام کاموں اور اللہ کی نافرمانیوں کی طرف جانا چاہے لیکن یہ اسے روک لیتے ہیں اور ثواب آخرت یاد دلا کر مرضی مولا رضائے رب کے طالب ہو کر نافرمانیوں سے باز رہتے ہیں۔ نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ رکوع، سجدہ، قعدہ، خشوع خضوع شرعی طور بجا لاتے ہیں۔ جنہیں دینا اللہ نے فرمایا ہے انہیں اللہ کی دی ہوئی چیزیں دیتے رہتے ہیں۔ فقراء، محتاج، مساکین اپنے ہوں یا غیر ہوں۔ ان کی برکتوں سے محروم نہیں رہتے۔ چھپے کھلے، دن رات، وقت بے وقت، برابر راہ للہ خرچ

کرتے رہتے ہیں۔ قباحت کو احسان سے، برائی کو بھلائی سے، دشمنی کو دوستی سے ٹال دیتے ہیں۔ دوسرا سرکشی کرے یہ نرمی کرتے ہیں۔ دوسرا سر چڑھے یہ سر جھکا دیتے ہے۔ دوسروں کے ظلم سہ لیتے ہیں اور خود نیک سلوک کرتے ہیں۔ تعلیم قرآن ہے: (اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ) (المؤمنون:۹۶) بہت اچھے طریقے سے ٹال دو تو دشمن بھی گاڑھا دوست بن جائے گا۔ صبر کرنے والے، صاحب نصیب ہی اس مرتبے کو پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اچھا انجام ہے۔

بروج و بالا خانے:

وہ اچھا انجام اور بہترین گھر جنت ہے جو ہمیشگی والی اور پائیدار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں جنت کے ایک محل کا نام عدن ہے جس میں بروج اور بالا خانے ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں، ہر دروازے پر پانچ ہزار فرشتے ہیں۔ وہ محل مخصوص ہے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے لیے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ جنت کا شہر ہے جس میں انبیاء ہوں گے شہداء ہوں گے اور ہدایت کے ائمہ ہوں گے۔ ان کے آس پاس اور لوگ ہوں گے اور ان کے اردگرد اور جنتیں ہیں وہاں یہ اپنے اور چہیتوں کو بھی اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ ان کے بڑے باپ دادے، ان کے چھوٹے بیٹے پوتے، ان کے جوڑے جو بھی ایماندار اور نیکوکار تھے ان کے پاس ہوں گے اور راحتوں سے مسرور ہوں گے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے عمل اس درجہ بلند تک پہنچنے کے قابل نہ بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درجے بڑھا دے گا جیسے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ كُلُّ امْرِیٍٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ۝ (الطور:۲۱) جن ایمانداروں کی اولاد ان کی پیروی ایمان میں کرتی ہے ہم انہیں بھی ان کے ساتھ ملا دیتے ہیں ان کے پاس مبارک باد اور سلام کے لیے ہر ہر دروازے سے ہر وقت فرشتے آتے رہتے ہیں یہ بھی اللہ کا انعام ہے تاکہ یہ ہر وقت خوش رہیں اور بشارتیں سنتے رہیں۔ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کا پڑوس، فرشتوں کا سلام اور جنت الفردوس مقام۔

مسند کی حدیث میں ہے جانتے بھی ہو کہ سب سے پہلے جنت میں کون جائیں گے؟ لوگوں نے کہا اللہ کو علم ہے اور اس کے رسول اللہ (ﷺ) کو فرمایا سب سے پہلے جنتی مساکین مہاجرین ہیں جو دنیا کی لذتوں سے دور تھے جو تکلیفوں میں مبتلا تھے جن کی امنگیں دلوں میں ہی رہ گئیں اور قضا آ گئی۔ رحمت کے فرشتوں کو حکم الٰہی ہوگا کہ جاؤ انہیں مبارک باد دو فرشتے کہیں گے اللہ ہم تیرے آسمانوں کے رہنے والے تیری بہترین مخلوق ہیں کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم جا کر انہیں سلام کریں اور انہیں مبارک باد پیش کریں جناب باری جواب دے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے صرف میری عبادت کی میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا دنیوی راحتوں سے محروم رہے مصیبتوں میں مبتلا رہے کوئی مراد پوری ہونے نہ پائی اور یہ صابر و شاکر رہے اب تو فرشتے جلدی جلدی بصد شوق ان کی طرف دوڑیں گے ادھر ادھر کے ہر ایک دروازے سے گھسیں گے اور سلام کر کے مبارک پیش کریں گے طبرانی میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں جانے والے تین قسم کے لوگ ہیں فقراء مہاجرین جو مصیبتوں میں مبتلا رہے، جب انہیں حکم ملا بجا لاتے رہے، انہیں ضرورتیں بادشاہوں سے ہوتی تھیں لیکن مرتے دم تک پوری نہ ہوئیں۔ جنت کو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے سامنے بلائے گا وہ بنی سنوری اپنی تمام نعمتوں اور تازگیوں کے ساتھ حاضر ہوگی اس وقت ندا ہوگی کہ میرے وہ

بندے جو میری راہ میں جہاد کرتے تھے، میری راہ میں ستائے جاتے تھے، میری راہ میں لڑتے بھڑتے تھے وہ کہاں ہیں؟ آؤ بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں چلے جاؤ۔ اس وقت فرشتے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اور عرض کریں گے کہ پروردگار ہم تو صبح شام تیری تسبیح وتقدیس میں لگے رہے یہ کون ہیں جنہیں ہم پر بھی تو نے فضیلت عطا فرمائی؟ اللہ رب العزت فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میری راہ میں جہاد کیا میری راہ میں تکلیفیں برداشت کیں۔ اب تو فرشتے جلدی کر کے ان کے پاس ہر ایک دروازے سے جا پہنچیں گے سلام کریں گے اور مبارک بادیاں پیش کریں گے کہ تمہیں تمہارے صبر کا بدلہ کتنا اچھا ملا۔ حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ مؤمن جنت میں اپنے تخت پر با آرام نہایت شان سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوا ہوگا خادموں کی قطاریں ادھر ادھر کھڑی ہوں گی جو دروازے والے خادم سے فرشتہ اجازت مانگے گا وہ یکے بعد دیگرے پوچھے گا یہاں تک کہ مؤمن سے پوچھا جائے گا۔ مؤمن اجازت دے گا کہ اسے آنے دو یونہی ایک دوسرے کو پیغام پہنچائے گا اور آخری خادم فرشتے کو اجازت دے گا اور دروازہ کھول دے گا۔ وہ آئے گا اور سلام کرے گا اور چلا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت (ﷺ) ہر سال کے آخر پر شہداء کی قبروں پر آتے اور کہتے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد: ۲۴) اور اسی طرح ابوبکر عمر عثمان بھی رضی اللہ عنہم (اس کی سند ٹھیک نہیں)

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ....

۷۲۔ منکرین ومکذبین کے حال ومآل کا ذکر وبیان:

سو نیک بخت اور سعادت مند لوگوں کی صفات وخصال حمیدہ اور ان کے مآل وانجام کے ذکر کے بعد اس آیت کریمہ میں منکرین ومکذبین کے حال ومآل اور ان کے ہولناک انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ (جو لوگ اللہ کے عہد کو جو عید فطرت ہے اور جس سے بندے کا اپنے خالق ومالک سے ربط وتعلق قائم ہوتا ہے یہ اس عہد کو اس کے) پختہ باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور رحم کے اس رشتہ کو کاٹتے ہیں جس کو جوڑنے اور قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جس کو توڑنا اور کاٹنا تمام فی الارض کی جڑ اور بنیاد ہے، سو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی لعنت وپھٹکار ہے جس کے نتیجے میں یہ اس کی رحمت وعنایت سے محروم ہو جاتے ہیں اور انہی کے لیے آخرت کے اس ابدی گھر کی ذلت ورسوائی اور ابدی ناکامی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور یہ اس کے لیے ان کا جرم بہت سنگین ہے، اور اسلام کا نظام حق وعدل دو بنیادوں پر قائم ہے ایک وحدت الہیہ اور دوسری وحدت آدم، وحدت الہیہ عبارت ہے عقیدہ توحید سے اور وحدت آدم اس کی اساس ہے رشتہ رحم، اور اگر ان دونوں بنیادوں کو ڈھا دیا جائے تو پھر صالح معاشرہ اور صالح تمدن کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہو سکتا سو ایسے میں ان لوگوں کے جرم کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور رشتہ رحم کو کاٹتے ہیں اور اس طرح وہ فساد فی الارض کے انتہائی ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی سزا بھی بہت سخت ہے، یعنی دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی اور محرومی۔ والعیاذ باللہ۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ عَلَيْهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ كَالْعَصَا وَالْيَدِ

وَالنَّاقَةِ قُلْ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ اِضْلَالَهٗ فَلَا تُغْنِی الْاٰيَاتُ عَنْهُ شَيْئًا وَيَهْدِیْۤ يُرْشِدُ اِلَيْهِ اِلٰى
دِيْنِهٖ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ رَجَعَ اِلَيْهِ وَيُبْدَلُ مِنْ مَنْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ تَسْكُنُ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَیْ
وَعْدِهٖ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ ؕ اَیْ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مُبْتَدَاٌ
خَبَرُهٗ طُوْبٰى مَصْدَرٌ مِنَ الطِّيْبِ اَوْ شَجَرَةٌ فِی الْجَنَّةِ يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ مَا يَقْطَعُهَا لَهُمْ وَ
حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ مَرْجِعٍ كَذٰلِكَ كَمَا اَرْسَلْنَا الْاَنْبِيَاءَ قَبْلَكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ
لِّتَتْلُوَاْ تَقْرَأَ عَلَيْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَیِ الْقُرْاٰنَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ حَيْثُ قَالُوْا لَمَّا اُمِرُوْا
بِالسُّجُوْدِ لَهٗ وَمَا الرَّحْمٰنُ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَ
نَزَلَ لَمَّا قَالُوْا لَهٗ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَسَيِّرْ عَنَّا جِبَالَ مَكَّةَ وَاجْعَلْ لَنَا فِيْهَا اَنْهَارًا وَعُيُوْنًا لِنَغْرِسَ وَنَزْرَعَ وَابْعَثْ
لَنَا اٰبَاءَنَا الْمَوْتٰى يُكَلِّمُوْنَا اَنَّكَ نَبِیٌّ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ نُقِلَتْ عَنْ اَمَاكِنِهَا اَوْ قُطِّعَتْ
شُقِّقَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بِاَنْ يُّحْيُوْا لَمَا اٰمَنُوْا بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ لَا بِغَيْرِهٖ فَلَا يُؤْمِنُ
اِلَّا مَنْ يَّشَآءُ اللّٰهُ اِيْمَانَهٗ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَاِنْ اُوْتُوْا مَا اقْتَرَحُوْا وَنَزَلَ لَمَّا اَرَادَ الصَّحَابَةُ اِظْهَارَ مَا اقْتَرَحُوْا طَمَعًا
فِیْ اِيْمَانِهِمْ اَفَلَمْ يَايْئَسِ يَعْلَمِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ مُخَفَّفَةٌ اَیْ اَنَّهٗ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ
اِلَى الْاِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ اٰيَةٍ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا بِصُنْعِهِمْ اَیْ
بِكُفْرِهِمْ قَارِعَةٌ دَاهِيَةٌ تَقْرَعُهُمْ بِصُنُوْفِ الْبَلَاءِ مِنَ الْقَتْلِ وَالْاِسْرِ وَالْحَرْبِ وَالْجَدْبِ اَوْ تَحُلُّ
يَا مُحَمَّدُ بِجَيْشِكَ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ مَكَّةَ حَتّٰى يَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ
الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع وَقَدْ حَلَّ بِالْحُدَيْبِيَةِ حَتّٰى اَتٰى فَتْحُ مَكَّةَ ع ۵ ۱۰

ترجمہ: تاکہ سنادیں آپ (پڑھ دیں) ان کو (انکے سامنے) جو حکم بھیجا ہم نے (قرآن کریم مراد ہے) حالانکہ انکار کرتے ہیں رحمٰن کا (جب ان کو رحمٰن کے سامنے سجدہ کا حکم دیا تو پوچھنے لگے کہ رحمٰن کون یا کیا ہے؟) آپ (ان سے) کہہ دیجئے (اے محمدؐ) وہی ہے میرا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرکے آتا ہوں۔ (یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مشرکین مکہ نے آنحضور سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو مکہ کے ان پہاڑوں کو ہٹادیں اور انکی جگہ نہریں اور چشمے جاری کردیں تاکہ ہم ان کی مدد سے باغ لگائیں اور کھیتیاں اگائیں نیز ہمارے

اور اگر کوئی قرآن ہوتا کہ اس سے پہاڑ چلیں (اپنی جگہ سے ہٹ جائیں) یا ٹکڑے ہوجائے پھٹ جائے) اس سے زمین یا بولیں اسے مردے (یعنی مردے زندہ ہوجائیں تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے) جب کہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں) اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں لہٰذا ایمان وہی لائے گا جس کے ایمان کو وہ چاہے گا کوئی اور ایمان نہیں لائے گا اگرچہ مطالبات پورے بھی کردیئے جائیں یہ آیت اس وقت بھی نازل ہوئی جب صحابہ نے مذکورہ مطالبات کے پورا کردیئے جانے کی خواہش ظاہر کی مشرکین کے ایمان لانے کی تمنا کرتے ہوئے) سو کیا خاطر جمع نہیں (علم نہیں) ایمان والوں کو کہ (ان مخففہ ہے یعنی انہ) اگر اللہ چاہے تو راہ پر لائے سب لوگوں کو (ایمان کی ہدایت دے بغیر کسی نشانی کے) اور برابر منکروں (مکہ والوں) کو پہنچا تارہے گا انکے کرتوت (کئے، یعنی ان کے کفر) پر صدمہ، (کوئی حادثہ جوان کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گردن زنی، قید کی زندگی، جنگ قحط سالی جیسی مختلف آزمائشوں سے) یا تو اترے گا (اے محمدؐ اپنے لشکر کے ساتھ) ان کے گھر سے نزدیک (مکہ سے) یہاں تک کہ پہونچے اللہ کا وعدہ (مشرکین پر فتح کے سلسلہ میں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هَلَّا: اس سے تفسیر کرکے اشارہ کیا یہاں لَوْلَا یہ تحضیض کے لئے ہے۔

قوله: إِلٰى دِيْنِهٖ: اس سے اشارہ دیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔

قوله: يُبْدَلُ: الگ ہونے کی وجہ ذکر کی کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر نہیں ہے بلکہ بدل ہے۔

قوله: وَعْدِهٖ: ذکراللہ تو عام ہے مگر مراد یہاں فقط وعدہ لیا گیا ہے۔ اور قلوب سے بھی فقط مومنین کے دل مراد ہیں۔

قوله: طُوْبٰى: آنکھ کی ٹھنڈک اور فرحت۔ یہ مصدر ہے جیسے بشری یہ طیب سے ہے۔

قوله: تَقْرَأُ: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ تتلوا یہ تلاوت سے ہے تلو بمعنی پیروی سے نہیں اور علی صلہ بھی اس کا مؤید ہے۔

قوله: مَتَابِ: یہ مرجع کے معنی میں آتا ہے۔

قوله: شُقِّقَتْ بِهِ الْاَرْضُ: زمین چیر کر چشمے اور دریا چلادو۔

قوله: بِاَنْ يُّحْيُوْا: پھر زندہ ہوکر کفار کو کہیں محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو مان لو۔

قوله: لَا بِغَيْرِهٖ: جار مجرور کو اختصاص کے لئے مقدم کیا۔

قوله: يَعْلَمِ: یہاں یٔس کو یعلم کے معنی میں کیا اور اس لئے کہ علیؓ کی قراءت میں یعلم تبین آیا ہے۔ یاس کا یہ معنی لغت میں پایا جاتا ہے کیونکہ اُس کے ضمن میں علم کا معنی موجود ہے۔

قوله: بِصُنْعِهِمْ: اس تفسیر سے اشارہ ہے کہ ماصنعوا میں ما مصدریہ ہے اور صنع سے مراد کفر ہے۔

قوله: يَا مُحَمَّدُ بِجَيْشِكَ: اس میں محمد ﷺ کو خطاب ہے۔ تحل مخاطب کا صیغہ ہے مؤنث غائب نہیں۔ یہ قارعہ کی طرف نہیں لوٹتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد صرف اہل مکہ ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ ....

مشرکین کا ایک اعتراض:

مشرکین کا ایک اعتراض بیان ہو رہا ہے کہ اگلے نبیوں کی طرح یہ ہمیں ہمارا کہا ہوا کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتا؟ اس کی پوری بحث کئی بار گزر چکی کہ اللہ کو قدرت تو ہے لیکن اگر پھر بھی یہ ٹس سے مس نہ ہوئے تو انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کی طرف سے نبی (ﷺ) پر وحی آئی کہ ان کی چاہت کے مطابق میں صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیتا ہوں، زمین عرب میں میٹھے دریاؤں کی ریل پیل کر دیتا ہوں، پہاڑی زمین کو زراعتی زمین سے بدل دیتا ہوں لیکن پھر بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو انہیں وہ سزا دوں گا جو کسی کو نہ ہوتی ہو۔ اگر چاہوں تو یہ کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دوں تو آپ نے دوسری صورت پسند فرمائی۔ سچ ہے ہدایت ضلالت اللہ کے ہاتھ ہے وہ کسی معجزے کے دیکھنے پر موقوف نہیں بے ایمانوں کے لیے نشانات اور ڈراوے سب بے سود ہیں جن پر کلمہ عذاب صادق ہو چکا ہے وہ تمام تر نشانات دیکھ کر بھی مان کر نہ دیں گے ہاں عذابوں کو دیکھ تو پورے ایماندار بن جائیں گے لیکن وہ محض بیکار چیز ہے فرماتا ہے: ولوانّنا الخ، یعنی اگر ہم ان پر فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہر چھپی چیز ان کے سامنے ظاہر کر دیتے تب بھی انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں اکثر جاہل ہیں۔ جو اللہ کی طرف جھکے اس سے مدد چاہے اس کی طرف عاجزی کرے وہ راہ یافتہ ہو جاتا ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان جم گیا ہے جن کے دل اللہ کی طرف جھکتے ہیں، اس کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، راضی خوشی ہو جاتے ہیں اور فی الواقع ذکر اللہ اطمینان دل کی چیز بھی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ....

ایمانداروں اور نیک کاروں کے لیے خوشی، نیک فالی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ان کا انجام اچھا ہے، یہ مستحق مبارک باد ہیں یہ بھلائی کو سمیٹنے والے ہیں ان کا لوٹنا بہتر ہے، ان کا مآل نیک ہے۔ مروی ہے کہ طوبیٰ سے مراد ملک حبش ہے اور نام ہے جنت کا اور اس سے مراد جنت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنت کی جب پیدائش ہو چکی اس وقت جناب باری نے یہی فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے کہ ساری جنت میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، ہر گھر میں اس کی شاخ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے، لولو کے دانے سے پیدا کیا ہے اور بحکم الٰہی یہ بڑھا اور پھیلا ہے۔ اس کی جڑوں سے جنتی شہد، شراب، پانی اور دودھ کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے طوبیٰ نامی جنت کا ایک درخت ہے سو سال کے راستے کا۔ اسی کے خوشوں سے جنتیوں کے لباس نکلتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) جس نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ پر ایمان لایا اسے مبارک ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اسے بھی مبارک ہو۔ اور اسے دوگنا مبارک ہو جس نے مجھے نہ دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ ایک شخص نے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جنتی درخت

ہے جو سو سال کی راہ تک پھیلا ہوا ہے جنتیوں کے لباس اس کی شاخوں سے نکلتے ہیں۔ بخاری مسلم میں ہے حضور (ﷺ) فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے کہ سوار ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے گا لیکن وہ ختم نہ ہوگا اور روایت میں ہے کہ چال بھی تیز اور سواری بھی تیز چلنے والی۔ صحیح بخاری شریف میں آیت (وظل ممدود) کی تفسیر میں بھی یہی ہے۔ اور حدیث میں ہے ستر یا سو سال اس کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ سدرۃ المنتہی کے ذکر میں آپ نے فرمایا ہے اس کی شاخ کے سائے تلے ایک سو سال تک سوار چلتا رہے گا اور سو سو سوار اس کی ایک ایک شاخ تلے ٹھہر سکتے ہیں۔ اس میں سونے کی ٹڈیاں ہیں، اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں کے برابر ہیں (ترمذی) آپ فرماتے ہیں ہر جنتی کو طوبیٰ کے پاس لے جائیں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس شاخ کو چاہے پسند کرے۔ سفید، سرخ، زرد سیاہ جو نہایت خوبصورت نرم اور اچھی ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں طوبیٰ کو حکم ہوگا کہ میرے بندوں کے لیے بہترین لباس وغیرہ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک عجیب وغریب اثر وارد کیا ہے۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے جس کے سائے تلے سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن راستہ ختم نہ ہوگا۔ اس کی تر و تازگی کھلے ہوئے چمن کی طرح ہے اس کے پتے بہترین اور عمدہ ہیں اس کے خوشے عنبریں ہیں اس کے کنکر یاقوت ہیں اس کی مٹی کافور ہے اس کا گارا مشک ہے اس کی جڑ سے شراب، دودھ، اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ اس کے نیچے جنتیوں کی مجلسیں ہوں گی، یہ بیٹھے ہوئے ہوں گے جو ان کے پاس فرشتے اونٹنیاں لے کر آئیں گے۔ جن کی زنجیریں سونے کی ہوں گی، جن پر یاقوت کے پالان ہوں گے جن پر سونا جڑاؤ ہو رہا ہوگا جن پر ریشمی جھولیں ہوں گی۔ وہ اونٹنیاں ان کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ یہ سواریاں تمہیں بھجوائی گئی ہیں اور دربار الٰہی میں تمہارا بلاوا ہے، یہ ان پر سوار ہوں گے، وہ پرندوں کی پرواز سے بھی تیز رفتار ہوں گی۔ جنتی ایک دوسرے سے مل کر چلیں گے وہ خود بخود ہٹ جائیں گے کہ کسی کو اپنے ساتھی سے الگ نہ ہونا پڑے یونہی رحمٰن ورحیم رب کے پاس پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردے ہٹا دے گا یہ اپنے رب کے چہرہ کو دیکھیں گے اور کہیں گے: (اللھم انت السلام والیک السلام وحق لک الجلال والاکرام) ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ رب العزت فرمائے گا: (انا السلام ومنی السلام) تم پر میری رحمت ثابت ہو چکی اور محبت بھی۔ میرے ان بندوں کو مرحبا ہو جو بن دیکھے مجھ سے ڈرتے رہے میری فرماں برداری کرتے رہے جنتی کہیں گے باری تعالیٰ نہ تو ہم سے تیری عبادت کا حق ادا ہوا نہ تیری پوری قدر ہوئی ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے سجدہ کریں اللہ فرمائے گا یہ محنت کی جگہ نہیں نہ عبادت کی یہ تو نعمتوں راحتوں اور مالا مال ہونے کی جگہ ہے۔ عبادتوں کی تکلیف جاتی رہی مزے لوٹنے کے دن آ گئے جو چاہو مانگو، پاؤ گے۔ تم میں سے جو شخص جو مانگے میں اسے دوں گا۔ پس یہ مانگیں گے کم سے کم سوال والا کہے گا کہ اللہ تو نے دنیا میں جو پیدا کیا تھا جس میں تیرے بندے ہائے وائے کر رہے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ شروع دنیا سے ختم دنیا تک دنیا میں جتنا کچھ تھا مجھے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے تو کچھ نہ مانگا اپنے مرتبے سے بہت کم چیز مانگی، اچھا ہم نے دی۔ میری بخشش اور دین میں کیا کمی ہے؟ پھر فرمائے گا جن چیزوں تک میرے ان بندوں کے خیالات کی رسائی بھی نہیں وہ انہیں دو چنانچہ دی جائیں گی یہاں تک کہ ان کی خواہشیں پوری ہو جائیں گی ان چیزوں میں جو انہیں یہاں ملیں گی تیز رو گھوڑے ہوں گے ہر چار پر یاقوتی تخت ہوگا ہر تخت پر سونے کا ایک ڈیرا ہوگا ہر ڈیرے میں جنتی فرش ہوگا جن پر بڑی بڑی آنکھوں والی

دو دو حوریں ہوں گی جو دو دو حلے پہنے ہوئے ہوں گی جن میں جنت کے تمام رنگ ہوں گے اور تمام خشبوئیں۔ ان خیموں کے باہر سے ان کے چہرے ایسے چمکتے ہوں گے گویا وہ باہر بیٹھی ہیں ان کی پنڈلی کے اندر کا گودا باہر سے نظر آ رہا ہوگا جیسے سرخ یاقوت میں ڈورا پرویا ہوا ہو اور وہ اوپر سے نظر آ رہا ہو۔ ہر ایک دوسری پر اپنی فضیلت ایسی جانتی ہوگی جیسی فضیلت سورج کی پتھر پر اس طرح جنتی کی نگاہ میں بھی دونوں ایسی ہی ہوں گی۔ یہ ان کے پاس جائے گا اور ان سے بوس و کنار میں مشغول ہو جائے گا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر کہیں گی واللہ ہمارے تو خیال میں بھی نہ تھا کہ اللہ تم جیسا خاوند ہمیں دے گا۔ اب بحکم الٰہی اسی طرح صف بندی کے ساتھ سواریوں پر یہ واپس ہوں گے اور اپنی منزلوں میں پہنچیں گے۔ دیکھو تو سہی کہ رب وہاب نے انہیں کیا کیا نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں؟ وہاں بلند درجہ لوگوں میں اونچے اونچے بالا خانوں میں جو زرے موتی کے بنے ہوئے ہوں گے جن کے دروازے سونے کے ہوں گے، جن کے منبر نور کے ہوں گے جن کی چمک سورج سے بالاتر ہوگی۔ اعلیٰ علیین میں ان کے محل ہوں گے۔ یاقوت کے بنے ہوئے۔ نورانی۔ جن کے نور سے آنکھوں کی روشنی جاتی رہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں ایسی نہ کر دے گا۔ جو محلات یاقوت سرخ کے ہوں گے ان میں سبز ریشمی فرش ہوں گے اور جو زمرد و یاقوت کے ہوں گے ان کے فرش سرخ مخمل کے ہوں گے۔ جو زمرد اور سونے کے جڑاؤ کے ہوں گے ان تختوں کے پائے جواہر کے ہوں گے، ان پر چھتیں لولو کی ہوں گی، ان کے برج مرجان کے ہوں گے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی رحمانی تحفے وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ سفید یاقوتی گھوڑے غلمان لیے کھڑے ہوں گے جن کا سامان چاندی کا جڑاؤ ہوگا۔ ان کے تخت پر اعلیٰ ریشمی نرم و دبیز فرش بچھے ہوئے ہوں گے یہ ان سواریوں پر سوار ہو کر بے تکلف جنت میں جائیں گے دیکھیں گے کہ ان کے گھروں کے پاس نورانی ممبروں پر فرشتے ان کے استقبال کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں وہ ان کا شاندار استقبال کریں گے۔ مبارک باد دیں گے، مصافحہ کریں گے، پھر یہ اپنے گھروں میں داخل ہوں گے۔ انعامات الٰہی وہاں موجود پائیں گے، اپنے محلات کے پاس وہ جنتیں ہری بھری پائیں گے اور جو پھلی پھولی جن میں دو چشمے پوری روانی سے جاری ہوں گے اور ہر قسم کے جوڑ دار میوے ہوں گے اور خیموں میں پاک دامن بھولی بھالی پردہ نشین حوریں ہوں گی۔ جب یہ یہاں پہنچ کر راحت و آرام میں ہوں گے اس وقت اللہ رب العزت فرمائے گا میرے پیارے بندو تم نے میرے وعدے سچے پائے؟ کیا تم میرے ثوابوں سے خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے اللہ ہم خوب خوش ہو گئے؟ بہت ہی راضی رضامند ہیں دل سے راضی ہیں کلی کلی کھلی ہوئی ہے تو بھی ہم سے خوش رہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میری رضامندی نہ ہوتی تو میں اپنے اس مہمان خانے میں تمہیں کیسے داخل ہونے دیتا؟ اپنا دیدار کیسے کراتا؟ میرے فرشتے تم سے مصافحہ کیوں کرتے؟ تم خوش رہو با آرام رہو تمہیں مبارک ہو تم پھلو پھولو اور سکھ چین اٹھاؤ میرے یہ انعامات گھٹنے اور ختم ہونے والے نہیں۔ اس وقت وہ کہیں گے اللہ ہی کی ذات سزاوار تعریف ہے جس نے ہم سے غم و رنج کو دور کر دیا اور ایسے مقام پر پہنچایا کہ جہاں ہمیں کوئی تکلیف کوئی مشقت نہیں یہ اسی کا فضل ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا اور قدردان ہے۔ یہ سیاق غریب ہے اور یہ اثر عجیب ہے ہاں اس کے بعض شواہد بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے جو سب سے اخیر میں جنت میں جائے گا فرمائے گا مانگ جو مانگتا جائے گا اور اللہ کریم دیتا جائے گا یہاں تک کہ اس کا سوال پورا ہو جائے گا اور پائے گا۔ اب اس کے سامنے کوئی خواہش باقی نہیں رہے گی تو اب اللہ تعالیٰ خود اسے یاد دلائے گا کہ یہ مانگ یہ مانگ یہ مانگے گا اور پائے

گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب میں نے تجھے دیا اور اتنا ہی اور بھی دس مرتبہ عطا فرمایا۔ صحیح مسلم شریف کی قدسی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو تمہارے اگلے پچھلے انسان جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے دعائیں کریں اور مانگیں میں ہر ایک کے تمام سوالات پورے کروں گا لیکن میرے ملک میں اتنی بھی کمی نہ آئے گی جتنی کسی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے سمندر کے پانی میں آئے، الخ۔ خالد بن معدان کہتے ہیں جنت کے ایک درخت کا نام طوبیٰ ہے اس میں تھن ہیں جن سے جنتیوں کے بچے دودھ پیتے ہیں کچے گرے ہوئے بچے جنت کی نہروں میں ہیں قیامت کے قائم ہونے تک پھر چالیس سال کے بن کر اپنے ماں باپ کے ساتھ جنت میں رہیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ ....

یعنی جس طرح ہم اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اسی طرح اس امت کی راہنمائی کے لیے ہم نے تجھے مبعوث کیا۔ تا کہ جو کتاب اپنی رحمت کاملہ سے تجھ پر اتاری ہے آپ ان کو پڑھ کر سنا دیں۔ آپ کا پیغمبر بنا کر بھیجا جانا کوئی انوکھی بات نہیں پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے جا چکے ہیں جو اس وقت تکذیب کرنے والوں کا حشر ہوا ان لوگوں کو بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ ....

معاندین فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں:

صاحب معالم التنزیل (ص ۱۹ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے ایک سوال پر نازل ہوئی، عبد اللہ بن ابی امیہ اور ابو جہل ایک دن رسول اللہ (ﷺ) سے کہنے لگے کہ اگر آپ کی خوشی اس میں ہے کہ ہم آپ کا اتباع کرلیں تو اس قرآن کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر اور کہیں بھجوا دیں تا کہ مکہ کی سرزمین کشادہ ہو جائے اور مکہ کی سرزمین پھٹ جائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں تا کہ ہم اس میں درخت لگائیں اور کھیتیاں بوئیں اور ہم کو باغات مل جائیں، آپ کا کہنا ہے کہ داؤد (علیہ السلام) کے لیے پہاڑ مسخر کر دیئے گئے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر کر دی گئی تھی لہٰذا ہمارے لیے بھی ہوا کی تسخیر ہو جائے تو دن کے دن چلے جائیں اور واپس آجائیں آپ کا یہ بھی فرمانا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مردوں کو زندہ کرتے تھے لہٰذا آپ اپنے پردادا کو یا جس کو آپ مناسب جانیں زندہ کر دیں ہم اس سے آپ کے بارے میں دریافت کریں گے کہ آپ کا دین حق ہے یا باطل؟ آپ کی حیثیت حضرت داؤد، سلیمان اور عیسیٰ سے کم نہیں ہے آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ ان چیزوں کو ظاہر فرمائے اگر یہ چیزیں وجود میں آجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ان کی یہ سب باتیں عناد کے طور پر ہیں جیسا کہ سورۃ انعام میں فرمایا کہ: (وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ)۔

مفسرین کرام نے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا کی جزا محذوف بتائی ہے اور وہ (کفروا بالرحمن ولم یومنوا) ہے یعنی اگر ان کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر کر دیئے جائیں تب بھی کفر اختیار کیے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ (بلکہ تمام امور اللہ ہی کے لیے ہیں) یعنی ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ کرنا سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا: اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جب مشرکین کے مطالبات سنے کہ فلاں فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تا کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے ان کے جواب میں فرمایا کہ اہل ایمان ان لوگوں کی ضد و عناد دیکھ کر ان لوگوں کے ایمان لانے سے ناامید نہیں ہوئے اگر ناامید ہو جاتے تو ایسی آرزو نہ کرتے' ظہور معجزات پر ہدایت موقوف نہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ چاہے تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دے (وفی الکلام حذف ای اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عن ایمانهم عالمین مستیقنین اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا)۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا برابر ان کے اعمال بد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہو جائے گی)۔

مشرکین مکہ کے مطالبات منظور نہیں کئے گئے اور ان کے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں ہوئے کیونکہ اول تو ان کو ایمان لانا ہی نہیں صرف ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں دوسرے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو لوگوں کی مرضی کے مطابق تخلیق فرمائے ہاں ان پر ان کی حرکتوں کی وجہ سے آفات اور مصائب آتی رہیں گی' اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے پھر غزوہ بدر میں ان کے بڑے بڑے سردار مقتول ہوئے ان پر اس طرح کی آفات آتی ہی رہیں گی' خاص ان پر مصیبت نہ آئی تو ان کی قریب والی بستیوں میں مصیبتیں آتی رہیں گی تا کہ عبرت حاصل ہو اور اپنے انجام کے بارے میں غور و فکر کریں حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ جائے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے' اور بعض حضرات نے اس سے موت اور بعض حضرات نے روز قیامت مراد لیا ہے' یعنی یہ سلسلہ عذابوں اور مصیبتوں کا جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے یعنی مکہ فتح ہو جائے جس میں مشرکین مغلوب اور مقہور ہوں گے یا ان میں سے ہر شخص کو موت آ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا) معلوم ہوا کہ اپنے اوپر جو مصیبت آئے اسے بھی عبرت کی نظر سے دیکھیں اور اپنے کئے کا نتیجہ سمجھ کر اپنی حالت کو بدلیں اور اگر آس پاس کی بستیوں اور شہروں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس سے بھی عبرت حاصل کریں کیونکہ اس میں بھی سب کے لیے تنبیہ ہوتی ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ كما استهزئ بك وهذا تسلية للنبي صلى الله عليه وسلم فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ بالعقوبة فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ ای هو واقع موقعه فكذلك

عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَهُوَ اللّٰهُ كَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ مِنَ الْأَصْنَامِ لَا دَلَّ عَلٰى هٰذَا ۔ أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ رَقِيْبٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ
افْعَلْ بِمَنْ اسْتَهْزَأَ بِكَ أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ
لَهُ مَنْ هُمْ أَمْ بَلْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ
اللّٰهُ كَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ مِنَ الْأَصْنَامِ لَا دَلَّ عَلٰى هٰذَا
بَلْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ تُخْبِرُوْنَ اللّٰهَ بِمَا أَيْ بِشَرِيْكٍ لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ أَيْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
اِذْ لَوْ كَانَ لَعَلِمَهٗ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ أَمْ بَلْ أَتُسَمُّوْنَهُمْ شُرَكَاءَ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بِظَنٍّ بَاطِلٍ لَا حَقِيْقَةَ لَهٗ
فِي الْبَاطِنِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ كفرهم وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ طَرِيْقِ الْهُدٰى وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاِسْرِ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَقُّ ۚ
أَشَدُّ مِنْهُ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ أَيْ عَذَابِهٖ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَانِعٍ مَثَلُ صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ
مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ مَحْذُوْفٌ أَيْ فِيْمَا نَقُصُّ عَلَيْكُمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ؕ أُكُلُهَا مَا يُؤْكَلُ فِيْهَا دَآئِمٌ
لَا يَفْنٰى وَّظِلُّهَا ؕ دَائِمٌ لَا تَنْسَخُهٗ شَمْسٌ لِعَدَمِهَا فِيْهَا تِلْكَ أَيِ الْجَنَّةُ عُقْبَى عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ
الشِّرْكَ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَغَيْرِهٖ مِنْ مُؤْمِنِي
الْيَهُوْدِ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ لِمُوَافَقَتِهٖ مَا عِنْدَهُمْ وَمِنَ الْأَحْزَابِ الَّذِيْنَ تَحَزَّبُوْا عَلَيْكَ بِالْمُعَادَاتِ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْيَهُوْدِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ كَذِكْرِ الرَّحْمٰنِ وَمَا عَدَا الْقَصَصِ قُلْ إِنَّمَآ أُمِرْتُ فِيْمَا
اُنْزِلَ إِلَيَّ أَنْ أَيْ بِأَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ أُشْرِكَ بِهٖ ؕ إِلَيْهِ أَدْعُوْا وَإِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ مَرْجِعِيْ وَكَذٰلِكَ الْاِنْزَالَ
أَنْزَلْنٰهُ أَيِ الْقُرْاٰنَ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ بِلُغَةِ الْعَرَبِ تَحْكُمُ بِهٖ بَيْنَ النَّاسِ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ أَيِ
الْكُفَّارِ فِيْمَا يَدْعُوْنَكَ إِلَيْهِ مِنْ مِلَّتِهِمْ فَرْضًا بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ بِالتَّوْحِيْدِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
زَائِدَةٌ وَّلِيٍّ نَاصِرٍ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع مَانِعٍ مِنْ عَذَابِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا عَيَّرُوْهُ بِكَثْرَةِ النِّسَآءِ ع ۵/۶ ۱۱

ترجمہ: بیشک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا (چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں اترے بالآخر مکہ فتح ہوا) اور ٹھٹھے کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے آپ سے پہلے (جیسا کہ آپ سے ٹھٹھا اور مذاق کرتے ہیں اس میں آنحضور کو تسلی کر دی گئی) سو ڈھیل دی (مہلت دی) میں نے منکروں کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا (بدلہ لے کر) سو کیسا تھا میرا بدلہ (یعنی بدلہ لے کر رہا اسی طرح ان سے بھی بدلہ لوں گا جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں) بھلا جو لئے کھڑا ہے (نگراں) ہر کسی کے سر پر جو کچھ اس نے کیا ہے (اچھائی برائی میں سے جو کچھ بھی کیا اور وہ نگران اللہ کی ذات ہے۔ کیا بتوں میں سے کوئی اس جیسا ہو سکتا ہے؟ نہیں، اگلی

آیت اس پر دلالت کرتی ہے) اور مقرر کرتے ہیں اللہ کے لئے شریک (آپ کہہ دیجئے انکا نام بتاؤ) (وہ کون ہیں) یا (بلکہ) اللہ کو بتلاتے ہو (خبر دیتے ہو) اس کی (یعنی شریک کی) جس کو وہ نہیں جانتا زمین میں (استفہام انکاری ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اگر ہوتا تو وہ ضرور جانتا، حالانکہ اللہ اس سے بلند ہیں یا (بلکہ تم ان کو شریک ٹھہراتے ہو) اوپر ہی اوپر باتیں (ظن باطل کہ جس کی باطن میں کوئی حقیقت نہیں) بلکہ کافروں کے لیے سچا کر دیا گیا ان کا فریب (کفر) اور وہ روک دیئے گئے ہیں راہ سے (راہ ہدایت سے) اور جس کو گمراہ کرے اللہ سو کوئی نہیں اس کو راہ بتانے والا ان کے لئے عذاب ہے دنیا کی زندگی میں (قتل وقید کے ذریعہ) اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے (اس سے زیادہ) اور نہیں ہے کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا (یعنی اس کی مار سے کوئی چھٹکارا دلانے والا نہیں) حال (صفت) اس جنت کا جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے ہے (مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی فیما نقص علیکم) بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں میوہ اس کا (جنت میں جو کھایا جائے گا) ہمیشہ ہے (کبھی فنا نہیں ہوگا) اور اس کا سایہ بھی (ہمیشہ ہے) جس کو سورج زائل نہیں کرے گا کیوں کہ وہاں سورج نہیں ہوگا (یہ (جنت) بدلہ (انجام) ہے ان کا جو ڈرتے رہے (شرک سے) اور کافروں کا بدلہ آگ ہے اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی (جیسے حضرت عبداللہ بن سلام (وغیرہ یہودیوں میں سے ایمان والے) خوش ہوتے ہیں اس سے جو نازل ہوا آپ پر (ان کی کتاب کے مطابق ہونے کی وجہ سے) اور بعض جماعتیں (مشرکین اور یہود میں سے جنھوں نے آپ کی مخالفت میں آپ کے خلاف گروپ بندی کی) نہیں مانتے اسکی بعض باتیں (جیسے رحمٰن کا ذکر، واقعات کے علاوہ) کہہ دیجئے مجھ کو یہی حکم ہوا ہے (بذریعہ وحی) کہ (ان سے پہلے باء محذوف ہے) بندگی کروں اللہ کی اور اسمیں کسی کو شریک نہ کروں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانہ (لوٹنے کی جگہ) اور اسی طرح (نازل کرنے کی طرح) ہم نے نازل کیا یہ کلام (قرآن مجید) حکم عربی زبان میں (اہل عرب کی زبان میں، اس کے ذریعہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں) اور اگر آپ چلے ان کی خواہش کے موافق (یعنی کفار جس چیز کی آپ کو دعوت دیتے ہیں اپنے دین کے سلسلہ میں بالفرض) اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا (توحید کا) آپ کا کوئی نہیں ہوگا اللہ کے سامنے حمایتی (مددگار) اور نہ بچانے والا (اس کے عذاب سے) من زائدہ ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: رَقِيْبٌ: یہاں قیام حفاظت کے معنی میں ہے۔ تعارف کے معنی میں نہیں۔

قوله: كَمَنْ لَيْسَ كَذَالِكَ: من کی خبر محذوف ہے اس لئے مقابلہ کے قرینہ سے اس طرح معلوم ہوتا ہے۔

قوله: مَنْ هُمْ: نام لو مطلب یہ ہے کہ غور کر دآیا وہ عبادت کے حقدار بھی ہیں سَمُّوْ یہ امر ہے حاضر ہے نہ کہ ماضی۔

قوله: لَعَلِمَه تَعَالٰى: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ اگر ان کا شریک ہونے کے لحاظ سے وجود ہوتا تو علم الٰہی میں ہوتا جس چیز کا

قولہ: عَذَابِہٖ: یہاں مضاف محذوف ہے۔

قولہ: صِفَۃُ: مثل کا اطلاق اس بات پر خبردار کرنے کے لئے ہے کہ جنت اپنی غرابت میں مثل کی طرح ہے۔

قولہ: مُبْتَدَأٌ خَبَرُہٗ مَحْذُوْفٌ: اَلَّتِیْ وُعِدَ یہ مبتداء ہے خبر محذوف ہے یہ نہیں کہ اس کی خبر تجری ہے۔

قولہ: فِیْمَا نَقُصُّ عَلَیْکُمْ: تجری ضمیر عائد محذوف سے حال ہے ای وعدھا۔

قولہ: مَا یُؤْکَلُ: اس سے اشارہ کیا کہ اکل یہ مصدر نہیں نہ ماکول کے معنی میں ہے بلکہ بمعنی ما من شانہ ان یوکل جس کو کھایا جانا چاہیے۔

قولہ: فِیْھَا: اس سے اشارہ کیا کہ اکل کی اضافت جنت کی طرف مجازی ہے۔

قولہ: دَائِمٌ لَا تَنْسِخُہٗ: اس کا عطف اکل پر ہے قریب پر نہیں۔

قولہ: بِمَآ اُنْزِلَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کے بغیر منکرین کے قول کا جواب نہیں بنتا پس معنی یہ ہوگا۔ قل لھم یعنی تم ان سے کہہ دو مجھے توحید کا حکم ملا اس قرآن میں جو مجھ پر اتارا گیا پس اس کا انکار اللہ تعالیٰ کی عبادت وتوحید کا انکار ہے۔

قولہ: بِاَنْ: ان مصدریہ ہے مفسرہ نہیں۔

قولہ: تَحْکُمُ بِہٖ: حکما یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی جس کے ذریعہ لوگوں کے مابین فیصلہ کیا جاتا ہے۔

قولہ: فَرْضًا: اس سے اشارہ کیا لئن سے کلام بالفرض والتقدیر ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدِ اسْتُھْزِیَٔ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ....

سچائی کا مذاق اڑانا آج بھی جاری ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول (ﷺ) کو تسلی دیتا ہے کہ آپ اپنی قوم کے غلط رویہ سے رنج وفکر نہ کریں آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا بھی یونہی مذاق اڑایا گیا تھا میں نے ان کافروں کو بھی کچھ دیر تو ڈھیل دی تھی آخرش بری طرح پکڑ لیا تھا اور نام ونشان تک مٹا دیا تھا۔ تجھے معلوم ہے کہ کس کیفیت سے میرے عذاب ان پر آئے؟ اور ان کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ جیسے فرمان ہے بہت سی بستیاں ہیں جو ظلم کے باوجود ایک عرصہ سے دنیا میں مہلت لیے رہیں لیکن آخرش اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں عذابوں کا شکار ہوئیں۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے پھر آپ نے: (وَ کَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ) کی تلاوت کی۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ....

عالم خیر وشر:

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کا محافظ ہے ہر ایک کے اعمال کو جانتا ہے، ہر نفس پر نگہبان ہے، ہر عامل کے خیر وشر کے علم سے باخبر ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، کوئی کام اس کی بے خبری میں نہیں ہوتا۔ ہر حالت کا اسے علم ہے ہر عمل پر وہ موجود ہے ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمے ہے ہر ایک کے ٹھکانے کا اسے علم ہے ہر بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے ظاہر و باطن ہر بات کو وہ جانتا ہے تم جہاں ہو وہاں اللہ تمہارے ساتھ ہے تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے ان صفتوں والا اللہ کیا تمہارے ان جھوٹے معبودوں جیسا ہے؟ جو نہ سنیں، نہ دیکھیں، نہ اپنے لیے کسی چیز کے مالک، نہ کسی اور کے نفع نقصان کا انہیں اختیار۔ اس جواب کو حذف کر دیا کیونکہ دلالت کلام موجود ہے۔ اور وہ فرمان الٰہی: (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ) (الانعام:۱۰۰) ہے انہوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا اور ان کی عبادت کرنے لگے تم ذرا ان کے نام تو بتاؤ ان کے حالات تو بیان کرو تا کہ دنیا جان لے کہ وہ محض بے حقیقت ہیں کیا تم زمین کی جن چیزوں کی خبر اللہ کو دے رہے ہو جنہیں وہ نہیں جانتا یعنی جن کا وجود ہی نہیں۔ اس لیے کہ اگر وجود ہوتا تو علم الٰہی سے باہر نہ ہوتا کیونکہ اس پر کوئی مخفی سے مخفی چیز بھی حقیقتاً مخفی نہیں یا صرف انکل پچو باتیں بنا رہے ہو؟ فضول گپ مار رہے ہو تم نے آپ ان کے نام گھڑ لیے، تم نے ہی انہیں نفع نقصان کا مالک قرار دیا اور تم نے ہی ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ یہی تمہارے بڑے کرتے رہے۔ نہ تو تمہارے ہاتھ میں کوئی ربانی دلیل ہے نہ اور کوئی ٹھوس دلیل یہ تو صرف وہم پرستی اور خواہش پروری ہے۔ عدایت اللہ کی طرف سے نازل ہو چکی ہے۔ کفار کا مکر انہیں بھلے رنگ میں دکھائی دے رہا ہے وہ اپنے کفر پر اور اپنے شرک پر ہی ناز کر رہے ہیں دن رات اسی میں مشغول ہیں اور اسی کی طرف اوروں کو بلا رہے ہیں جیسے فرمایا: (وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ) (فصلت:۲۵) ان کے شیطانوں نے ان کی بے ڈھنگیاں ان کے سامنے دلکش بنا دی ہیں یہ راہ اللہ سے طریقہ ہدیٰ سے روک دیئے گئے ہیں ایک قراءت اس کی صدوا بھی ہے یعنی انہوں نے اسے اچھا جان کر پھر اوروں کو اس میں پھانسا شروع کر دیا اور راہ رسول سے لوگوں کو روکنے لگے رب کے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کو کون راہ دکھا سکے؟ جیسے فرمایا آیت (ومن یرد اللہ فتنۃ فلن تملک لہ من اللہ شیئا) جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو اس کے لیے اللہ کے ہاں کچھ بھی تو اختیار نہیں۔ اور آیت میں ہے گو تو ان کی ہدایت کا لالچی ہو لیکن اللہ ان گمراہوں کو راہ دکھانا نہیں چاہتا پھر کون ہے جو ان کی مدد کرے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ....

کافر موت مانگیں گے:

کفار کی سزا اور نیک کاروں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کافروں کا کفر و شرک بیان فرما کر ان کی سزا بیان فرمائی کہ وہ مومنوں کے ہاتھوں قتل و غارت ہوں گے، اس کے ساتھ ہی آخرت کے سخت تر عذابوں میں گرفتار ہوں گے جو اس دنیا کی سزا سے درجہا

بدتر ہیں ملاعنہ کرنے والے میاں بیوی سے رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے۔ یہاں کا عذاب فانی وہاں کا باقی اور اس آگ کا عذاب جو یہاں کی آگ سے ستر حصے زیادہ تیز ہے پھر قید وہ جو تصور میں بھی نہ آسکے۔ جیسے فرمان ہے: (فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ) (الفجر:۲۵) آج اس عذاب جیسے نہ کسی کے عذاب نہ اس جیسی کسی کی قید و بند۔ فرمان ہے: (واعتدنالمن کذب بالساعة سعیرا) قیامت کے منکروں کے لیے ہم نے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے دور سے ہی انہیں دیکھتے ہی شور وغل شروع کر دے گی وہاں کے تنگ و تاریک مکانات میں جب یہ جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو ہائے وائے کرتے ہوئے موت مانگنے لگیں گے۔ ایک ہی موت کیا مانگتے ہو بہت سی موتیں مانگو۔ اب بتاؤ کہ یہ ٹھیک ہے یا جنت خلد ٹھیک ہے جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے کہ وہ ان کا بدلہ ہے اور ان کا ہمیشہ رہنے کا ٹھکانا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ....

پھر نیکوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ ان سے جن جنتوں کا وعدہ ہے اس کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نہریں جاری ہیں جہاں چاہیں پانی لے جائیں پانی نہ بگڑنے والا پھر دودھ کی نہریں ہیں اور دودھ بھی ایسا جس کا مزہ کبھی نہ بگڑے اور شراب کی نہریں ہیں جس میں صرف لذت ہے۔ نہ بدمزگی، نہ بے ہودہ نشہ، اور صاف شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں اور ساتھ ہی رب کی رحمت مالک معرفت اس کے پھل ہمیشگی والے اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا ہونے والی نہیں۔ جب آنحضرت (ﷺ) نے کسوف کی نماز پڑھی تھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ حضور (ﷺ) ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پچھلے پاؤں پیچھے کو ہٹنے لگے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے جنت کو دیکھا تھا اور چاہا تھا کہ ایک خوشہ توڑلوں اگر لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے۔ ابو یعلی میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز میں ہم آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ تھے کہ آپ ناگاہ آگے بڑھے اور ہم بھی بڑھے پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے گویا کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا پھر آپ پیچھے ہٹ آئے۔ نماز کے خاتمہ کے بعد حضرت ابی بن کعب ؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) آج تو ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا کہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا ہاں میرے سامنے جنت پیش کی گئی جو تر و تازگی سے مہک رہی تھی میں نے چاہا کہ اس میں سے ایک خوشہ انگور کا توڑ لاؤں لیکن میرے اور اس کے درمیان آڑ کر دی گئی اگر میں اسے توڑ لاتا تو تمام دنیا پوری دنیا تک اسے کھاتی رہتی اور پھر بھی ذرا سا بھی کم نہ ہوتا۔ ایک دیہاتی نے حضور (ﷺ) سے پوچھا کہ کیا جنت میں انگور ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس نے کہا کتنے بڑے خوشے ہوں گے؟ فرمایا اتنے بڑے کا اگر کوئی کالا کوا مہینہ بھر اڑتا رہے تو بھی اس خوشے سے آگے نہ نکل سکے۔ اور حدیث میں ہے کہ جنتی جب کوئی پھل توڑیں گے اسی وقت اس کی جگہ دوسرا لگ جائے گا۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں جنتی خوب کھائیں پئیں گے لیکن نہ تھوک آئے گی نہ ناک آئے گی نہ پیشاب نہ پاخانہ مشک جیسی خوشبو والا پسینہ آئے گا اور اسی سے کھانا ہضم ہو جائے گا۔ جیسے سانس بے تکلف چلتا ہے اس طرح تسبیح و تقدیس الہام کی جائے گی (مسلم وغیرہ) ایک اہل کتاب نے حضور (ﷺ) سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں جنتی کھائیں پئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ ہر شخص کو کھانے پینے، جماع اور شہوت کی اتنی قوت دی

جائے گی جتنی یہاں سو آدمیوں کو مل کر ہو۔اس نے کہا اچھا تو جو کھائے گا پئے گا اسے پیشاب پاخانے کی بھی حاجت لگے گی پھر جنت میں گندگی کیسی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ پسینے کے راستے سب ہضم ہو جائے گا اور وہ پسینہ مشک بو ہوگا۔(مسند ونسائی) فرماتے ہیں کہ جس پرندے کی طرف کھانے کے ارادے سے جنتی نظر ڈالے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا اس کے سامنے گر پڑے گا بعض روایتوں میں ہے کہ پھر وہ اسی طرح بحکم الٰہی زندہ ہو کر اڑ جائے گا، قرآن میں ہے وہاں بکثرت میوے ہوں گے کہ نہ کٹیں نہ ٹوٹیں نہ ختم ہوں نہ گھٹیں سائے جھکے ہوئے شاخیں نیچی۔سائے بھی دائمی ہوں گے جیسے فرمان ہے ایماندار نیک کردار بہتی نہروں والی جنتوں میں جائیں گے وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور بہترین لمبے چوڑے سائے۔حضور (ﷺ) فرماتے ہیں جنت کے ایک درخت کے سائے تلے تیز سواری والا سوار سو سال تک تیز دوڑتا ہوا جائے لیکن پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔قرآن میں ہے سائے ہیں پھیلے اور بڑھے ہوئے۔عموماً قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے تاکہ لوگوں کو جنت کا شوق ہو اور دوزخ سے ڈر لگے یہاں بھی جنت کا اور وہاں کی چند نعمتوں کا ذکر فرما کر فرمایا کہ یہ ہے انجام پرہیزگار اور تقوی شعار لوگوں کا اور کافروں کا انجام جہنم ہے جیسے فرمان ہے کہ جہنمی اور جنتی برابر نہیں جنتی بامراد ہیں۔خطیب دمشق حضرت بلال بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے بندگان رب کیا تمہارے کسی عمل کی قبولیت کا یا کسی گناہ کی معافی کا کوئی پروانہ تم میں سے کسی کو ملا؟ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم بیکار پیدا کئے گئے ہو؟ اور تم اللہ کے بس میں آنے والے نہیں ہو؟ واللہ اگر اطاعت ربانی کا بدلہ دنیا میں ہی ملتا تو تم تمام نیکیوں پر جم جاتے۔کیا تم دنیا پر ہی فریفتہ ہو گئے ہو؟ کیا اسی کے پیچھے مرمٹو گے؟ کیا تمہیں جنت کی رغبت نہیں جس کے پھل اور جس کے سائے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔(ابن ابی حاتم)

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ ....

شاداں وفرحاں لوگ:

جو لوگ اس سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں اور وہ اس کے عامل ہیں وہ تو تجھ پر اس قرآن کے اترنے سے شاداں وفرحاں ہو رہے ہیں کیونکہ خود ان کی کتابوں میں اس کی بشارت اور اس کی صداقت موجود ہے۔جیسے:(اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ) (البقرۃ:۱۲۱) میں ہے کہ اگلی کتابوں کو اچھی طور سے پڑھنے اس آخری کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔آنحضرت (ﷺ) کی رسالت کی خبر ہے اور وہ اس وعدے کو پورا دیکھ کر خوشی سے مان لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے وعدے غلط نکلیں اس کے فرمان صحیح ثابت نہ ہوں پس وہ شاداں ہوتے ہوئے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ہاں ان جماعتوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے، غرض بعض اہل کتاب مسلمان ہیں بعض نہیں، تو اے نبی اعلان کر دے کہ مجھے صرف اللہ واحد کی عبادت کا حکم ملا ہوا ہے کہ دوسرے کی شرکت کے بغیر صرف اسی کی عبادت اس کی ہی توحید کے ساتھ کروں یہی حکم مجھ سے پہلے کے تمام نبیوں اور رسولوں کو ملا تھا، اسی راہ کی طرف اسی الٰہی عبادت کی طرف میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں۔اسی اللہ کی طرف سب کو بلاتا ہوں اور اسی اللہ کی طرف میرا لوٹنا ہے۔جس طرح ہم نے تم سے پہلے نبی بھیجے ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اسی طرح یہ قرآن جو محکم اور مضبوط ہے عربی زبان میں جو تیری اور تیری قوم کی زبان ہے اس قرآن کو ہم نے تجھ پر نازل فرمایا۔یہ بھی تجھ پر خاص احسان ہے کہ اس واضح اظہار مفصل اور محکم کتاب کے ساتھ

تجھے ہم نے نوازا کہ نہ اس کے آگے سے باطل آسکے نہ اس کے پیچھے سے آ کر اس میں مل سکے یہ حکیم وحمید اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے پاس الہامی علم آسمانی وحی آ چکی ہے اب بھی اگر تو نے ان کی خواہش کی ماتحتی کی تو یاد رکھ کہ اللہ کے عذابوں سے تجھے کوئی بھی نہ بچا سکے گا۔ نہ کوئی تیری حمایت پر کھڑا ہوگا۔ سنت نبویہ اور طریقہ محمدیہ کے علم کے بعد جو گمراہی والوں کے راستوں کو اختیار کریں ان علماء کے لیے اس آیت میں زبردست وعید ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ....

یہ قرآن کریم حکم خاص ہے عربی زبان میں ہے:

پھر فرمایا: وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اس طور پر نازل کیا ہے کہ وہ خاص حکم عربی زبان میں ہے) اہل کتاب جو فروعی مسائل میں احکام اسلامیہ کو ان مسائل کے خلاف پاتے تھے جو انہیں شرائع سابقہ سے یاد تھے اور ان کی وجہ سے احکام قرآنیہ کا انکار کرتے تھے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے' مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے کتابیں نازل کیں اور ان میں ازمنہ سابقہ کے مخاطبین کے اعتبار سے احکام بھیجے پھر ان میں سے بہت سے احکام کو بعد میں آنے والی امتوں کے لیے منسوخ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے احکام نازل کر دیئے اسی طرح ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں قرآن کے مخاطبین کی رعایت کی گئی ہے اور ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں اگر قرآن میں ایسے احکام پاتے ہو جو سابقہ شرائع کے موافق نہیں اور ان کی وجہ سے قرآن کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ عادۃ اللہ سے اور شرائع سابقہ کے اصول سے جاہل ہونے پر بلکہ تجاہل پر مبنی ہے' اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ پہلی کتابوں میں شرائع کا اختلاف تھا اور وہ کتابیں مختلف زبانوں میں تھیں جس طرح ان کا فروعی اختلاف اور کئی زبانوں میں نازل ہونا ایک دوسرے کی تکذیب کا سبب نہ بنا تو اب قرآن جو عربی زبان میں نازل ہو گیا اور شرائع سابقہ کی بعض چیزیں اس نے منسوخ کر دیں تو اس کو قرآن کی تکذیب کا ذریعہ کیوں بناتے ہو قرآن مجید کی تکذیب کرنا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا منکر ہونا سراپا ضلالت اور سفاہت ہے۔

قال صاحب الروح ج ۱۳ ص ۱۲۷ شروع فی رد انکارهم لفروع الشرائع الواردة ابتداء اوبدلا من الشرائع المنسوخة ببيان الحكمة فی ذلک وان الضمير راجع لما انزل اليک والاشارة الى مصدر (انزلناه) او (انزل اليک) ای مثل ذلک الانزال البديع الجامع لاصول مجمع عليها وفروع متشعبة الى موافقة و مخالفة حسبما يقتضيه قضية الحكمة انزلناه حاكما يحكم فی القضايا والواقعات بالحق ويحكم به كذلک" (الى ان قال) وقيل ان الاشارة الى انزال الكتاب السالفة على الانبياء عليهم السلام' والمعنى كما انزلنا الكتب على من قبل انزلنا هذا الكتاب عليک لان قوله تعالىٰ (والذين اتيناهم الكتاب) يتضمن انزاله تعالىٰ ذالک وهذا الذی انزلنا بلسان العرب كما ان الكتب السابقة بلسان من انزلت عليه (وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم) والى هذا ذهب الامام ابو حيان۔

پھر فرمایا: وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ (اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والا اور بچانے والا ہو) اس میں بظاہر

حضرت سرورِ عالم (ﷺ) کو خطاب ہے اور فی الواقع حضرات مؤمنین کو دین پر ثابت رہنے کی تلقین ہے اور بظاہر آپ کو یہ خطاب یہ بات واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ جب بالفرض آپ دشمنوں کی خواہشوں کا اتباع کرنے میں ماخوذ ہو سکتے ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بطریق اولیٰ ماخوذ ہوں گے۔ قال صاحب الروح (ص ۱۶۸ ج ۱۳) وامثال هذه القوارع انما هي لقطع اطماع الكفرة وتهييج المؤمنين على الثبات في الدين لا للنبي (ﷺ) فانه عليه الصلاة والسلام بمكان لا يحتاج فيه الى باعث او مهيج ومن هنا قيل ان الخطاب لغيره۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ اَوْلَادًا وَاَنْتَ مِثْلُهُمْ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ مِنْهُمْ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِاَنَّهُمْ عَبِيْدٌ مَرْبُوْبُوْنَ لِكُلِّ اَجَلٍ مُدَّةٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ مَكْتُوْبٌ فِيْهِ تَحْدِيْدُهٗ يَمْحُوا اللّٰهُ مِنْهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ۚ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فِيْهِ مَا يَشَاءُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَغَيْرِهَا وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ اَصْلُهُ الَّذِيْ لَا يُغَيَّرُ مِنْهُ شَيْءٌ وَهُوَ مَا كَتَبَهٗ فِي الْاَزَلِ وَاِنْ مَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الْمَزِيْدَةِ نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فِيْ حَيَاتِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ فَذَاكَ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قَبْلَ تَعْذِيْبِهِمْ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ لَا عَلَيْكَ اِلَّا التَّبْلِيْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اِذَا صَارُوْا اِلَيْنَا فَنُجَازِيْهِمْ اَوَلَمْ يَرَوْا اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَقْصِدُ اَرْضَهُمْ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ فِيْ خَلْقِهٖ بِمَا يَشَاءُ لَا مُعَقِّبَ رَادَّ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ بِاَنْبِيَائِهِمْ كَمَا مَكَرُوْا بِكَ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ وَلَيْسَ مَكْرُهُمْ كَمَكْرِهٖ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ فَيُعِدُّ لَهَا جَزَاءَهَا وَهٰذَا هُوَ الْمَكْرُ كُلُّهٗ لِاَنَّهٗ يَاْتِيْهِمْ بِهٖ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرُ الْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ اَيِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ لَهُمْ اَمْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَكَ لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ لَهُمْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ عَلٰى صِدْقِيْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ مِنْ مُؤْمِنِي الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى ع ۶ ۱۲

ترجمہ: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے آنحضور ﷺ کو تعدد ازواج پر عار دلایا) اور آپ سے پہلے ہم کتنے رسول بھیج چکے اور ہم نے دی تھیں ان کو بیویاں اور اولاد (آپ بھی انہیں کے مانند ہیں) اور نہیں ہوا کسی رسول سے (ان

(کیوں کہ وہ بندے اور ماتحت ہیں) ہر ایک وعدہ (مدت) لکھا ہوا ہے (کیوں کہ وہ بندے اور ماتحت ہیں) کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے (اس میں سے) جو چاہے اور باقی رکھتا ہے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ یعنی احکام وغیرہ میں سے جو چاہے) اور اسی کے پاس ہے اصل میں کتاب (جس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں اور وہ وہ ہے جس کو اللہ نے روز اوّل میں لکھ دیا) اور اگر (اس میں نون شرطیہ کا ادغام ما زائدہ میں ہوا ہے) دکھلا دیں ہم آپ کو کوئی وعدہ جو ہم نے ان سے کیا ہے (آپ کی زندگی ہی میں سزا دے کر اور جواب شرط محذوف ہے یعنی فذاک) یا ان سے آپ کو اٹھالیں (ان کو سزا دینے سے پہلے ہی) سو آپ کا ذمہ تو پہونچا دینا ہے (آپ پر پہونچا دینے کی ذمہ داری ہے) اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا (جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو بدلہ دیں گے) کیا وہ نہیں دیکھتے (یعنی مکہ والے) کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آتے ہیں (کفار کی زمین کا ارادہ کرتے ہیں) کناروں سے (نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر فتح کے ذریعہ) اللہ حکم کرتا ہے (اپنی مخلوق میں جو چاہے) کوئی نہیں پیچھے ڈالے (رد کر دے) اس کا حکم اور وہ جلد حساب لیتا ہے اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے (امتوں میں سے انے نبیوں کے ساتھ جیسے آپ کے ساتھ فریب کر رہے ہیں) اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب (خدا تعالیٰ کا فریب ان جیسا فریب نہیں ہے کیوں کہ وہ فریب کاری سے بری ہے وہ جانتا ہے جو کچھ کماتا ہے ہر شخص (سو بدلہ اس کے حق میں تیار رکھتا ہے یہ ہے مکمل فریب کیوں کہ خدا تعالیٰ یہ بدلہ ان کو ایسے طریقہ پر دے گا کہ ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوگا) اور عنقریب جان لے گا کافر (مراد جنس کافر ہے اور ایک قراءت میں کفار ہے) کہ کس کا ہے پچھلا گھر (آخرت کے گھر میں بہترین انجام، انکے لئے ہے یا آنحضور کے لیے یا صحابہؓ کے لیے؟) اور کافر کہتے ہیں (آپ سے) کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے (ان کفار سے) کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے بیچ میں (میری سچائی پر) اور جس کو کتاب کا علم ہے (یہود و نصاریٰ میں سے ایمان والے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُدَّةٍ: یہاں اجل تمام مدت کے معنی میں آیا ہے انتہاء مدت کے معنی میں نہیں۔

قوله: بِہٖ مِنَ الْعَذَابِ: اس میں اشارہ کیا کہ اَلَّذِیْ نَعِدُھُمْ میں موصول کی ضمیر عائد مقدر ہے، اور جواب شرط محذوف ہے۔

قوله: لَا عَلَیْكَ: اس سے اشارہ کیا کہ آپ کے ذمہ فقط تبلیغ ہے۔ یہ فائدۂ حصر ہے۔

قوله: نَقْصِدُ: یہاں نَاْتِیْ یہ قصد کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: وَلَیْسَ مَکْرُھُمْ: اس سے اشارہ کر دیا اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدابیر کے مقابلہ ان کی تدبیر نہ ہونے کے برابر ہے پھر ان کے مکر کا حال سامنے کر دیا۔

قوله: عُقْبَی الدَّارِ: سے اچھا انجام مراد ہے اور عقبی کی الدار کی طرف نسبت سے معلوم ہوا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ ....

آپ (ﷺ) سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازواج واولاد تھے:

روح المعانی (ص ۱۶۸ ج ۱۳) میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت (ﷺ) پر اعتراض کیا کہ ان کی تو بہت سی بیویاں ہیں جو شخص نبی ہوا اسے نبوت کے کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ بہت ساری بیویاں رکھے' اللہ تعالیٰ شانہ نے جواب میں ان سے تو خطاب نہیں فرمایا لیکن اپنے نبی (ﷺ) کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں اور ان کو ہم نے بہت سی بیویاں دی تھیں اور بیویاں ہی نہیں ان کے اولاد بھی تھی بیویوں کا زیادہ ہونا اور صاحب اولاد ہونا یہ چیز نہ نبوت کے خلاف ہے نہ کارہائے نبوت سے معارض ہے' یہودیوں کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بارے میں علم تھا کہ ان کی بہت سی بیویاں تھیں اور وہ ان کے بارے میں نبی ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے تھے پھر بھی انہوں نے بطور عناد اعتراض کیا اور کثرت ازواج کو مرتبہ نبوت کے خلاف کہا اس سے انہیں مشرکین کو بھی دین اسلام سے روکنا مقصود تھا اور خود اپنے لیے کفر پر جمے رہنے کا بھی ایک بہانہ تلاش کر لیا' قرآن مجید نے اس انداز سے ان کا جواب دے دیا کہ آئندہ جو بھی کوئی شخص ایسا جاہلانہ اعتراض کرے اپنے اعتراض کا مسکت جواب پالے' بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ کا کام قول سے بھی تعلیم دینا تھا اور عمل سے بھی' اس لیے تو انسانوں کی طرف انسانوں کو نبی بنا کر بھیجا گیا' نکاح کرنا انسانوں کی ضرورت کی چیز ہے جب نکاح ہوگا تو اولاد بھی ہوگی بیویوں کے ساتھ کس طرح گزارہ کیا جائے اور اولاد کی کس طرح تربیت کی جائے یہ سب باتیں بھی تو قولاً اور فعلاً بتانے اور سمجھانے کی ہیں' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اگر مجرد یعنی غیر شادی شدہ ہوتے تو ان کی امتیں ازدواجی زندگی کے طریقے کس طرح سیکھتیں پھر سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) تو آخری رسول ہیں سارے انسانوں کے نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں آپ کی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں خانگی حالات جاننے کی امت مسلمہ کو ضرورت تھی ان احوال کو حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بیان کیا' کثیر تعداد میں ان کی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں' اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دلائل اور معجزات سے آنحضرت (ﷺ) کا رسول ہونا معلوم ہو گیا تو اس پر اعتراض ختم ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کر سکتے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی ہو۔

کوئی رسول از خود معجزہ لانے پر قادر نہیں:

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ .... (اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کوئی آیت لے آئے الا یہ کہ اللہ کا حکم ہو) اس میں لفظ ''آیت'' کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے معجزہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طرح طرح کے معجزات کی جو معاندین فرمائشیں کرتے ہیں ان معجزات کا لانا نبی کی قدرت اور دسترس میں نہیں ہے ہاں اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے معجزہ کی تخلیق اور اعجاز اسی کے قبضہ میں ہے۔

اگر کسی نبی سے لوگوں نے فرمائشی معجزہ طلب کیا اور وہ پیش نہ کرسکا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ اللہ کا نبی نہیں، جو دلائل پیش کئے جاچکے ہیں اور جو معجزات ظاہر ہوچکے ہیں ان کے ہوتے ہوئے فرمائشی معجزات طلب کرنا محض ضد اور عناد تھا اور اللہ کے نبی کی تصدیق نہ کرنا یہ کفر ہے، کوئی نبی بے دلیل اور بے معجزہ نہیں گزرا اور فرمائشی معجزہ ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ اس کے پابند نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے لفظ ''آیۃ'' سے احکام مراد لیے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ جو کہتے ہو کہ احکام میں نسخ کیوں ہوا پہلی امتوں کے جو احکام تھے وہ پورے کے پورے اس امت کے لیے کیوں باقی نہ رکھے گئے یا اس امت کے لیے جو احکام جاری کئے گئے تھے ان کو بعد میں منسوخ کیا گیا اور ان کی جگہ دوسرا حکم کیوں آیا یہ جاہلانہ اعتراض ہے اللہ کا کوئی نبی اپنے پاس سے کوئی حکم نہیں لاسکتا اپنی حکمت کے موافق اللہ تعالیٰ احکام جاری فرمادیتا ہے پھر منسوخ فرمادیتا ہے نبی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنے پاس سے بدل دے یا منسوخ کردے، مخالفین جو یہ چاہتے ہیں کہ نبی ہماری مرضی کے مطابق حکم لائے یہ سفاہت اور ضلالت ہے سورۂ یونس میں فرمایا: (قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ)۔

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ (ہر زمانہ کے لیے لکھے ہوئے احکام ہیں) یعنی گزشتہ امتوں کو جو احکام دیئے گئے وہ بھی حکمت کے مطابق تھے اور ان کے احوال کے مناسب تھے اور اب جو اس امت کو احکام دیئے جارہے ہیں وہ بھی حکمت کے مطابق ہیں اور ان کے حالات کے مناسب ہیں۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے:

صاحب روح المعانی نے اس آیت کے ذیل میں بہت کچھ لکھا ہے اور مفسرین کے مختلف اقوال جمع کئے ہیں پہلی بات تو یہ لکھی ہے: ای ینسخ ما یشاء نسخه من الاحکام لما تقتضیه الحکمة بحسب الوقت ویثبت بدله ما فیه الحکمة او یبقیه علی حاله غیر منسوخ او یثبت مایشاء اثباته مطلقا اعم منهما و من الانشاء ابتداء۔

یعنی اللہ تعالیٰ جن احکام کو چاہتا ہے منسوخ فرمادیتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے منسوخ نہیں فرماتا، یہ مضمون: لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ کی ایک تفسیر کے موافق ہے صاحب معالم التنزیل نے ص ۲۲ ج ۳ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ سے بھی یہ تفسیر نقل کی ہے۔ وقالو یمحوا الله ما یشاء من الشرائع والفرائض فینسخه ویبدله ویثبت ما یشاء منها فلا ینسخه پھر صاحب روح المعانی نے حضرت عکرمہ سے نقل کیا ہے: یمحوا بالتوبة جمیع الذنوب ویثبت بدل ذلک حسنات، یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کی وجہ سے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے اور ان کے بدلہ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک سے نقل کیا ہے۔ یمحوا من دیوان الحفظة مالیس بحسنة ولا بسیءة لانهم مامورون بکتب کل قول وفعل ویثبت ما هو حسنة او سیءة مطلب یہ ہے کہ جو فرشتے بنی آدم کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ توحسب حکم ہر قول اور ہر فعل کو لکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ شانہ نیکیوں اور برائیوں کو باقی رکھتا ہے اور جو اعمال نیکی یا بدی کے دائرہ میں نہیں آتے انہیں مٹادیتا ہے پھر حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ اس سے بنی آدم کی اجل یعنی زندگی کے اوقات مقررہ مراد ہیں شب قدر میں ان لوگوں کی اجل دیوان اموات میں لکھی جاتی ہے جنہیں آئندہ

سال کے اندر موت آنی ہے اور زندوں کے دیوان سے ان کا نام مٹا دیا جاتا ہے

مفتی شفیع صاحب: یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ام الکتب کے لفظی معنی اصل کتاب کے ہیں مراد اس سے وہ لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا

معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت اور باقی رکھتا ہے اور اس محو واثبات کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے جس پر نہ کسی کی دسترس ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

ائمہ تفسیر میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ اور قتادہؒ وغیرہ نے اس آیت کو بھی احکام وشرائع کے محو واثبات یعنی مسئلہ نسخ کے متعلق قرار دیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجتے ہیں جن میں احکام شریعت اور فرائض کا بیان ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب احکام دائمی ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے مناسب اپنی حکمت کے ذریعہ جس حکم کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ثابت اور باقی رکھتے ہیں اور اصل کتاب بہر حال ان کے پاس محفوظ ہے جس میں پہلے ہی سے یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لیے نازل کیا گیا ہے یہ ایک میعاد کے لیے یا خاص حالات کی بنا پر ہے جب وہ میعاد گذر جائیگی یا وہ حالات بدل جائیں گے تو یہ حکم بھی بدل جائے گا اس ام الکتب میں اس کی میعاد اور وقت مقرر بھی پوری تعیین کے ساتھ درج ہے اور یہ بھی کہ اس حکم کو بدل کو کونسا حکم لا یا جائے گا اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ احکام خداوندی کبھی منسوخ نہ ہونے چاہئیں کیونکہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد منسوخ کرنا علامت اس کی ہے کہ حکم جاری کرنے والے کو حالات کا اندازہ نہ تھا اس لیے حالات دیکھنے کے بعد اس کو منسوخ کرنا پڑا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی شان اس سے بلند وبالا ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہو کیونکہ تقریر مذکور سے معلوم ہوگیا کہ جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اتنی مدت کے لیے جاری کیا گیا ہے اس کے بعد بدلا جائے گا اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی مریض کا حال دیکھ کر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا اس وقت کے مناسب حال تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس دوا کا یہ اثر ہوگا اس کے بعد اس دوا کو بدل کر فلاں دوسری دوا دی جائے گی خلاصہ یہ ہے کہ اس تفسیر کے مطابق آیت میں محو واثبات سے مراد احکام کا منسوخ ہونا اور باقی رہنا ہے۔

اور ائمہ تفسیر کی ایک جماعت سفیان ثوری وکیع وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے اس آیت کی دوسری تفسیر نقل کی جس میں مضمون آیت کو نوشتہ تقدیر کے متعلق قرار دیا ہے اور معنی آیت کے یہ بیان کئے گئے ہیں کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق مخلوقات کی تقدیریں اور ہر شخص کی عمر اور زندگی بھر میں ملنے والا رزق اور پیش آنے والی راحت یا مصیبت اور ان سب چیزوں کی مقداریں اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہیں پھر بچہ کی پیدائش کے وقت فرشتوں کو بھی لکھوا دیا جاتا ہے اور ہر سال شب قدر میں اس سال کے اندر پیش آنے والے معاملات کا چٹھا فرشتوں کے سپرد کردیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر فرد مخلوق کی عمر رزق حرکات وسکنات سب متعین ہیں اور لکھے ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس نوشتہ تقدیر میں سے جس کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں۔ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ یعنی اصل کتاب جس کے

اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔
مطابق محو واثبات کے بعد انجام کار عمل ہونا ہے وہ اللہ کے پاس ہے

تشریح اس کی یہ ہے کہ بہت سی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال سے انسان کی عمر اور رزق بڑھ جاتے ہیں بعض سے گھٹ جاتے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ صلہ رحمی عمر میں زیادتی کا سبب بنتی ہے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بعض اوقات آدمی کوئی ایسا گناہ کرتا ہے کہ اس کے سبب رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور ماں باپ کی خدمت واطاعت سے عمر بڑھ جاتی ہے اور تقدیر الٰہی کو کوئی چیز بجز دعاء کے ٹال نہیں سکتی

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیر کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوسکتے ہیں اور دعا کی وجہ سے بھی تقدیر بدلی جاسکتی ہے اس آیت میں اسی مضمون کا بیان اس طرح کیا گیا کہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر وتبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد وہ کتاب ہے تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا اور پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے بعض اوقات لکھی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں اس آیت کی تصریح کے مطابق محو واثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کے آخری جملہ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ نے بتلادیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے جو ام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ صرف علم الٰہی کے لیے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط اعمال یا دعاء کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسی لیے وہ محو واثبات اور کمی بیشی سے بالکل بری ہے۔ (ابن کثیر)

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ ....

کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال:

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی شان محو واثبات اور صفت تغیر وتبدیل کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں کفر کے زوال اور اسلام کے عروج اور اقبال کو بیان فرماتے ہیں کہ اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں کافروں پر دنیوی آفات اور مصائب کے نزول کی خبر دی تھی کما قال تعالیٰ: **ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعة او تحل قریبا من دارھم** الخ اور فرمایا تھا **لھم عذاب فی الحیوة الدنیا ولعذاب الاخرة اشق** اب ان آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اب ان مواعید کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں ان منکرین نبوت کو چاہئے کہ کفر کے زوال اور اختلال کے اور اسلام کے عروج اور اقبال کے جو آثار من جانب اللہ نمودار ہو رہے ہیں نظر اٹھا کر ان کو دیکھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ان لوگوں کو آپ ﷺ کی نبوت میں اس بناء پر شبہ ہے کہ کفر وتکذیب کی بناء پر جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ نازل کیوں نہیں ہوتا تو اس کے متعلق سن لیجئے۔

اے نبی ﷺ! اگر ہم آپ ﷺ کو اس عذاب میں سے جس کا کافروں کو وعدہ دیتے ہیں اس کا کچھ حصہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھلا دیں یعنی آپ ﷺ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور اہل کفر کی ذلت وخواری آپ

ﷺ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ان وعدوں کے وقوع سے پہلے آپ کو دنیا سے اٹھالیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں اور خادموں کے ہاتھ پر باقی ماندہ وعدوں کو پورا کریں، بہرحال جو بھی صورت ہو آپ ﷺ فکر میں نہ پڑیں آپ ﷺ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی بہرحال آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا خدا نے اسلام کی فتح ونصرت اور غلبہ کا اور کفر کی ذلت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو یا سویرے سے باقی ان منکرین کو تاخیر اور مہلت سے بے خبر نہیں ہونا چاہئے کفر کے زوال اور اسلام کے عروج کے آثار شروع ہو گئے ہیں کیا یہ منکرین نبوت اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کفر کو اطراف وجوانب سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں دن بدن ملک میں اسلام بڑھتا اور پھیلتا جارہا ہے اور کفر گھٹتا جارہا ہے اور سرداران کفر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جارہے ہیں اور روز بروز اسلام کی شوکت بڑھ رہی ہے اور کفر وشرک ذلیل وخوار ہو رہا ہے تو اعدائے اسلام اس سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ بعض مفسرین نے: اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا سے فتوحات اسلامیہ مراد لی ہیں اس بناء پر ان کو اشکال پیش آیا کہ یہ سورت تو مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور ہجرت سے پہلے فتوحات اسلامیہ نہ تھیں تو اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ یہ سورت مدنی ہے مگر آیت کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اس پر یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ نے اپنے اردو فائدہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ نے اپنے فارسی فائدہ میں اسی مطلب کا اختیار کیا وہی راجح اور مختار ہے اور اشکال سے خالی ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یعنی روز بروز شوکت اسلام بزمین عرب منتشر می شود و دار الحرب ناقص می گردد از اطراف آں عامہ مفسرین ایں آیت را مدنی دانند ونزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد ومراد از نقصان دار الحرب اسلام اسلام وغفار وجہینہ ومزینہ وقبائل یمن است پیش از ہجرت، انتہی۔

اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے یعنی اسلام پھیلتا جارہا ہے عرب کے ملک میں اور کفر گھٹتا ہے" اھ۔

مقصود اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ اگر یہ معاندین آپ ﷺ کی نبوت اور دعوت کو قبول نہ کریں تو رنجیدہ نہ ہوں آپ ﷺ کا جو کام تھا وہ آپ ﷺ نے کر دیا اور آیت لہم عذاب فی الحیوة الدنیا لا یزال الذین کفروا تصیبہم بما صنعوا قارعة میں ہم نے عذاب کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر آئے گا اس کا کچھ حصہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو دکھا دیں گے اور باقی ماندہ حصہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد پورا ہوگا آپ بے فکر رہیں قضاء الٰہی میں بعض فتوحات آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہی واقع ہونے والے تھے اور بعض آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہونے والے تھے۔ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ فتوحات اور غلبہ اسلام کا کیا اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ان میں سے بعض دکھلا دیں گے اور بعض آپ ﷺ کے اٹھا لینے کے بعد آپ کے خادموں کے ہاتھ پورے ہوں گے کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ ہم دن بدن کفار کی زمین اطراف وجوانب سے کم کرتے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کا وارث بناتے جاتے ہیں۔

اور اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کوئی اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے کافروں کو جلد سزا دے گا اور مؤمنوں کو جلد جزاء دے گا اور یہ لوگ جو نبی کریم ﷺ اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق گزشتہ کافروں نے بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مکر وفریب کیا مگر سب بے کار گیا اس لیے کہ سب مکر وفریب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ مکر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ایسے طریقہ سے برائی پہنچانا کہ خبر نہ ہو سو یہ امر حقیقتاً اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کافروں کے مکر کو چلنے نہیں دے گا ہر شخص جو بھی کام اور تدبیر کرتا ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور یہ مکر کرنے والے اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ پڑیں ان کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت کا اچھا انجام کس کے لیے ہے۔

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے نہیں آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے خداوند قدوس نے میری صداقت کے بڑے بڑے نشانات تم کو دکھائے، شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سچ کو بڑھاتا ہے اور جھوٹ کو مٹاتا ہے اور جس کے پاس کتاب الٰہی کا صحیح علم ہے۔ وہ بھی میری نبوت کا کوئی گواہ ہے یعنی جن یہودیوں اور عیسائیوں کو توریت اور انجیل کا صحیح اور واقعی علم ہے اور وہ طالب دنیا اور حق کو چھپانے والے نہیں تو وہ میری نبوت کو خوب جانتے ہیں چنانچہ ایسے یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دی قال اللہ تعالیٰ: اولم یکن لهم اية ان يعلمه علمو ابنی اسراءيل۔

اللهم انی اشهد انک انت الله لا اله الا انت وحدک لاشریک لک واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبدک ورسولک ربنا اتنا بما انزلتنا واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى اله واصحابه اجمعين وعلينا معهم یاارحم الراحمين۔

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ ١٤ مَكِّيَّةٌ ٧٢ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٥٢ رُكُوْعَاتُهَا ٧

سورۂ ابراہیم مکہ میں اتری — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی باون آیتیں ہیں اور سات رکوع

الٓرٰ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
الْكُفْرِ إِلَى النُّوْرِ الْإِيْمَانِ بِإِذْنِ بِأَمْرِ رَبِّهِمْ وَيُبْدَلُ مِنْ إِلَى النُّوْرِ إِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْغَالِبِ
الْحَمِيْدِ (١) الْمَحْمُوْدِ اللّٰهِ بِالْجَرِّ بَدَلٌ أَوْ عَطْفُ بَيَانٍ وَمَا بَعْدَهُ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (٢) الَّذِيْنَ نَعْتٌ
يَسْتَحِبُّوْنَ يَخْتَارُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ النَّاسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِ الْإِسْلَامِ وَ
يَبْغُوْنَهَا أَيِ السَّبِيْلَ عِوَجًا مُعْوَجَّةً أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ (٣) عَنِ الْحَقِّ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا
بِلِسَانِ بِلُغَةِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ لِيُفْهِمَهُمْ مَا أَتٰى بِهٖ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ
هُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ (٤) فِيْ صُنْعِهٖ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ التِّسْعِ وَقُلْنَا لَهُ أَنْ أَخْرِجْ
قَوْمَكَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ مِنَ الظُّلُمٰتِ الْكُفْرِ إِلَى النُّوْرِ الْإِيْمَانِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيّٰىمِ اللّٰهِ بِنِعَمِهٖ إِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ التَّذْكِيْرِ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَلَى الطَّاعَةِ شَكُوْرٍ (٥) لِلنِّعَمِ وَاذْكُرْ إِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ أَبْنَآءَكُمْ
الْمَوْلُوْدِيْنَ وَيَسْتَحْيُوْنَ يَسْتَبْقُوْنَ نِسَآءَكُمْ لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ أَنَّ مَوْلُوْدًا يُوْلَدُ فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ
يَكُوْنُ سَبَبَ ذَهَابِ مُلْكِ فِرْعَوْنَ وَفِيْ ذٰلِكُمْ الْإِنْجَاءِ وَالْعَذَابِ بَلَآءٌ إِنْعَامٌ أَوِ ابْتِلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
ع ١٢ عَظِيْمٌ (٦)

ترجمہ: الٓرٰ (ان حروف کی مراد حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں، یہ قرآن) ایک کتاب ہے جو ہم نے اتاری (اے محمدؐ) آپ پر تاکہ آپ نکالو لوگوں کو اندھیروں (کفر) سے اجالے (ایمان) کی طرف انکے رب کے حکم سے (الی النور سے اگلا جملہ بدل واقع ہے) اس زبردست (غالب) اور خوبیوں والے (جس کی تعریف کی گئی ہو) کے راستہ (طریقہ) کی جانب وہ اللہ (لفظ اللہ مکسور ہے بدل واقع ہونے کی وجہ سے یا عطف بیان کی وجہ سے اور مابعد کا جملہ اس کی صفت ہے اور اللہ کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں مبتدا ہوگا اور اگلا جملہ اس کی خبر) ایسا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (مملوک، مخلوق اور بندے ہونے کے اعتبار سے) اور مصیبت ہے کافروں کے لیے ایک سخت عذاب کی جو کہ (اگلا جملہ صفت واقع ہے) پسند کرتے ہیں (ترجیح دیتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر اور روکتے ہیں لوگوں کو اللہ کی راہ (دین اسلام) سے اور تلاش کرتے ہیں اس (راہ) میں کجی (ٹیڑھا پن) یہی لوگ راستہ بھول کر دور جا پڑے (راہ حق سے) اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر اپنی قوم کی زبان (بولی) بولنے والا تاکہ ان کو سمجھا کر (تاکہ اپنے پیغام کو ان کے ذہنوں میں اتار دے (پس گواہ کرتا ہے اور ہم نے موسیٰ کو بھیجا اپنی (نو) نشانیاں دے کر (اور ان سے کہا) کہ اپنی قوم (بنی اسرائیل کو) نکال اندھیرے سے (کفر) سے اجالے (ایمان) کی طرف اور یاد دلا انکو اللہ کے دن (اس کی نعمتوں کو) البتہ اس میں (یاد دہانی میں) نشانیاں ہیں اس کے لیے جو صبر کرنے والا ہے (اطاعت پر) شکر گذار ہے (نعمتوں پر) اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب نجات دی تم کو فرعون کی قوم سے وہ پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں (پیدا ہونے والوں کو) اور زندہ رکھتے تھے (باقی رہنے دیتے تھے) تمہاری عورتوں کو (بعض کاہنوں کی اس پیشینگوئی کی وجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون کی بادشاہت کے چلے جانے کا سبب بنے گا) اور اس (نجات اور سزا) میں بڑی مدد (انعام یا آزمائش) ہوئی تمہارے رب کی طرف سے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: هٰذَا الْقُرْاٰنُ: کتاب مرفوع ہے اسلئے کہ وہ مبتداء محذوف کی خبر ہے نہ کہ وہ مبتداء ہے اور اَنْزَلْنٰهُ اسکی خبر ہے۔

قوله: اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ: یعنی من العزیز کا یہ علم کی طرح ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں۔

قوله: يَخْتَارُوْنَ: یہ يَسْتَحِبُّوْنَ کی تفسیر ہے کسی چیز کو پسند کرنے والا وہ اپنے نفس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ چیز اس کو سب سے بڑھ کر محبوب ہو۔

قوله: السَّبِيْلَ: يَبْغُوْنَهَا کی ضمیر مؤنث کی طرف لوٹتی ہے سبیل مذکر و مؤنث آتا ہے۔

قوله: عَنِ الْحَقِّ: ضلال کی صفت بعد سے لائی گئی یہ اسناد مجازی ہے بعد حقیقت میں گمراہ کے لئے ہوتا ہے۔

قوله: بِلُغَةِ: یعنی قرآن زبان جبرائیل سے اترا نہ ان کی زبان سے ہے۔ ان کی لغت میں اتارا۔

قوله: قُلْنَا لَهٗ: اس کو ماقبل سے جوڑنے کے لئے مقدر مانا۔

قوله: بِنِعَمِهٖ: ایام کا ذکر کیا اور مراد اس سے مظروف لیا۔

قوله: اَلْمَوْلُوْدِيْنَ: سے مراد وہ بچے جو اس کے بعد پیدا ہوئے نہ کہ اس سے پہلے۔

قوله: يَسْتَبْقُوْنَ: سے تفسیر کرکے اشارہ کیا استحیاء تو اختیار انسانی سے باہر ہے یہاں مراد باقی چھوڑنا۔

قوله: اعلم: (بتلایا) باب تفعل یہ قبول اذن یا تکلف کے لئے یہاں نہیں۔

قوله: لَاُعَذِّبَنَّكُمْ: جزاء محذوف ہے وہ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ...... نہیں۔

تفسیر مقبولین

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ ....

یعنی اس کتاب کی عظمت شان کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہیے کہ ہم اس کے اتارنے والے اور آپ جیسی رفیع الشان شخصیت اس کی اٹھانے والی ہے اور مقصد بھی اس قدر اعلیٰ وارفع ہے جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا وہ یہ کہ خدا کے حکم و توفیق سے تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں، یا گورے، مزدور ہوں یا سرمایہ دار، بادشاہ ہوں یا رعایا۔ سب کو جہالت و اوہام کی گھٹاٹوپ اندھیریوں سے نکال کر معرفت و بصیرت اور ایمان و ایقان کی روشنی میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے۔

اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ....

کافروں کی صفات:

پھر کافروں کی تین صفات بیان فرمائیں اور وہ یہ ہیں کہ: اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا والی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں اسے ترجیح دیتے ہیں) ان کا یہ دنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو نظر انداز کرنا ان کے کفر پر جمے رہنے کا باعث بنا ہوا ہے' ان کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (یعنی وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں) نہ خود ایمان لاتے ہیں نہ دوسروں کو ایمان لانے دیتے ہیں۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ (کہ اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے ہیں) یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور اس پر اعتراض کریں۔

ان لوگوں کی یہ حرکتیں بیان فرما یا کر ارشاد فرمایا: اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ کہ یہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں راہ حق کا ... کرکے ہدایت سے دور پہنچ چکے ہیں۔ قال صاحب الروح والمراد انهم قد ضلوا عن الحق ووقعوا عنه بمراحل۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ ....

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے:

اس آیت میں ایک بہت اہم بات بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب اپنی اپنی قوموں کی زبان

میں ان سے بات کرتے تھے اور اپنی قوم کی زبان میں انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے اور بیان فرماتے تھے' حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے ان کی بیوی حوا بھی تشریف لائیں اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بھاری تعداد میں مرد اور عورت پیدا فرمائے۔ (وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً) حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت بڑھتی رہی پھیلتی رہی قبیلے بنتے چلے گئے مختلف زبانیں پیدا ہوتی چلی گئیں یہ زبانوں اور صورتوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں سورۂ روم میں فرمایا: (وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعٰلِمِينَ) (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا ہدایت دینے کے لیے انبیاء کرام اور رسل عظام کو مبعوث فرمایا تعلیم و تبلیغ اور افادہ و استفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہی ہے جب زبانیں مختلف ہیں اور لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا اور باری تعالیٰ شانہ کے احکام بیان کرنا اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے پیغمبروں کے سپرد فرمایا تو ظاہر ہے کہ ہر نبی کو وہی زبان بولنا ضروری ہوا جو زبان ان کے مخاطبین کی تھی لِيُبَيِّنَ لَهُمْ میں اس بات کو بیان فرمایا کہ جو بھی نبی آیا اس نے اپنی قوم سے انہیں کی زبان میں باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام آباد ہو گئے تھے ان کا وطن سابق بابل کے قریب تھا وہاں جو بھی زبان بولتے ہوں ہجرت کر کے جب شام میں تشریف لے آئے اور وہاں کے لوگوں میں شادی کر لی اور ان لوگوں کی زبان سیکھ لی تو نبوت سے سرفراز ہو کر انہی کی زبان میں تبلیغ فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے' مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اپنی قوم کی زبان کے علاوہ دوسری زبان نہیں جانتے تھے' مطلب یہ ہے کہ جس قوم کی طرف بعثت ہوئی ان کی زبان جانتے تھے بعض لوگوں نے جو حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں اشکال کیا ہے کہ وہ دوسرے ملک سے آ کر آباد ہوئے تھے پھر آیت کے عموم میں کیسے داخل ہوئے یہ اشکال کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے ان کی زبان جاننا دعوت و تبلیغ کے لیے کافی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ اور عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز و اذان مشروع ہونے کی حکمت:

سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے تمام انسانوں کی طرف ان کی بعثت نہیں ہوتی تھی۔ کما قال النبی: ((و كان النبي يبعث الى قومه خاصة و بعثت الى الناس عامة)) (صحیح بخاری) آپ کی بعثت سارے زمانوں کے لیے سارے جنات کیلئے اور سارے انسانوں کے لیے ہے چونکہ آپ کے مخاطبین اولین اہل عرب ہی تھے اس لیے آپ بھی اپنی قوم کی زبان میں خطاب فرماتے تھے اور قرآن مجید بھی عربی زبان میں نازل ہوا پھر عربی زبان کی بلاغت اور لطافت ایسی ہے جو دوسری کسی زبان میں نہیں ہے اس میں الفاظ بھی ثقیل نہیں ہیں جیسا کہ انگریزی اور سنسکرت وغیرہ میں ہیں اور اس زبان کا سیکھنا بھی آسان ہے اور معجزہ کی جو شان عربی زبان میں ہے وہ دوسری زبانوں میں نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے محمد عربی کو خاتم الانبیاء بنایا اور اپنی آخری کتاب بھی عربی زبان میں نازل فرمائی چونکہ سارے انسان خاتم الانبیاء (ﷺ) کی امت دعوت ہیں اس لیے امت کی وحدت قائم رکھنے کے لیے کسی ایک ہی

زبان میں آخری کتاب کا نازل ہونا ضروری تھا اور اپنی لطافت فصاحت و بلاغت اور معجزہ ہونے کے اعتبار سے عربی زبان ہی کو برتری حاصل تھی اور اب بھی ہے اس لیے عربی ہی کو ساری امت کی مرکزی زبان قرار دیا گیا اگر ہر علاقے کے رہنے والوں کی زبانوں میں الگ کتاب اللہ ہوتی تو پوری امت کی مرکزیت اور وحدت کی صورت نہ بنتی جیسا کہ قرآن مجید کے معانی کا جاننا اور سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا مطلوب ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا یاد رکھنا پڑھنا پڑھانا تلاوت کرنا بھی مطلوب ہے جیسا اس کے احکام پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے ایسا ہی اس کے الفاظ کی تلاوت کرنے پر بھی اجر ملتا ہے۔ زبان کی سلاست اور لطافت جو عربی زبان میں ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسے حفظ کر لیتے ہیں اور بوڑھے لوگ بھی یاد کر لیتے ہیں اس کے حروف بھی ایسے ہیں جنہیں سب ادا کر سکتے ہیں (اگرچہ بعض حروف کی ادائیگی میں ذرا محنت اور مشق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ادا سب ہو جاتے ہیں) برخلاف اس کے بعض زبانوں کے حروف ایسے ہیں کہ دیگر علاقوں کے باشندوں سے ادا نہیں ہوتے مثلاً (ڑ) اور (ڈ) اہل عرب ادا نہیں کر سکتے اس لیے عربی زبان ہی کو اسلامی عربی زبان قرار دیا گیا قرآن بھی اسی زبان میں نازل ہوا نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جاتی ہے اور اذان بھی اسی زبان میں دی جاتی ہے۔

پھر چونکہ اہل استطاعت پر حج کرنا بھی فرض ہے اس کے لیے مکہ معظمہ آنا پڑتا ہے اور یہاں اہل عرب سے واسطہ پڑنا ضروری ہے اس لیے بھی مسلمانوں کے لیے مرکزی عالمی زبان عربی ہی ہونا ضروری ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذمہ داری حق پہنچانے اور حق سمجھانے کی تھی رہا ہدایت دینا تو یہ اللہ جل شانہ کی قضاء و قدر اور ارادہ سے متعلق ہے اسی لیے فرمایا: فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبانوں میں بیان فرماتے تھے اس کے بعد اللہ نے جس کو چاہا گمراہی پر باقی رکھا اور جس کو چاہا ہدایت دی۔ قال صاحب الروح ص ۱۸۲ ج ۱۳ کانه قيل فبينوا لهم فاضل الله تعالى من شاء اضلاله وهدى من شاء هدايته حسب ما اقتضته حكمته تعالى البالغة۔

آیت کے ختم پر فرمایا: (وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞) اور وہ غالب ہے وہ جو چاہے وہی ہوگا اور وہ حکمت والا بھی ہے وہ اپنی حکمت کے موافق فیصلے فرماتا ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ نِعْمَتِيْ بِالتَّوْحِيْدِ وَالطَّاعَةِ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ جَحَدْتُمُ
النِّعْمَةَ بِالْكُفْرِ وَالْمَعْصِيَةِ لَاُعَذِّبَنَّكُمْ دَلَّ عَلَيْهِ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۞ وَقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اِنْ تَكْفُرُوْٓا
اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ مِنْ خَلْقِهٖ حَمِيْدٌ ۞ مَحْمُوْدٌ فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ اَلَمْ يَاْتِكُمْ
اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ قَوْمِ صَالِحٍ وَالَّذِيْنَ مِنْ مع ۲
بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ لِكَثْرَتِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَةِ عَلٰى
... فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ اَيْ اِلَيْهَا لِيَعَضُّوْا عَلَيْهَا مِنْ شِدَّةِ الْغَيْظِ وَقَالُوْٓا اِنَّا

كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ عَلٰى زَعْمِكُمْ وَاِنَّا لَفِىْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹ مُوْقِعٍ لِلرِّيْبَةِ قَالَتْ
رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَىْ لَا شَكَّ فِىْ تَوْحِيْدِهٖ لِلدَّلَائِلِ الظَّاهِرَةِ عَلَيْهِ فَاطِرِ خَالِقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ اِلٰى طَاعَتِهٖ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ مِنْ زَائِدَةٌ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ يُغْفَرُ بِهٖ
مَاقَبْلَهٗ اَوْ تَبْعِيْضِيَّةٌ لِاِخْرَاجِ حُقُوْقِ الْعِبَادِ وَيُؤَخِّرَكُمْ بِلَا عَذَابٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَجَلِ الْمَوْتِ
قَالُوْٓا اِنْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا مِنَ الْاَصْنَامِ
فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ حُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ عَلٰى صِدْقِكُمْ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ مَا نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ كَمَاقُلْتُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ بِالنُّبُوَّةِ وَمَا كَانَ مَا يَنْبَغِىْ لَنَآ اَنْ
نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ بِاَمْرِهٖ لِاَنَّا عَبِيْدٌ مَرْبُوْبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱
يَثِقُوْا بِهٖ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ اَىْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْ ذٰلِكَ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ
اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ عَلٰى اَذَاكُمْ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲ ع

ترجمہ: اور جب تمہارے پروردگار نے سنا دیا (اطلاع دی) اگر تم نے شکر کیا (میری نعمتوں کا اللہ کو ایک مان کر اور فرمانبرداری کر کے) تو اور بھی دوں گا اور اگر ناشکری کی (کفر و نافرمانی کر کے نعمت کو ٹھکرایا تو میں تمہیں ضرور سزا دوں گا اگلا جملہ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے) تو میرا عذاب البتہ سخت ہے اور موسیٰ نے کہا (اپنی قوم سے) اور اگر کفر کرو گے تم اور وہ لوگ جو زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پرواہ ہے (اپنی مخلوق سے) سب خوبیوں والا ہے (بندوں کے ساتھ برتاؤ میں خوبیوں کا مالک ہے) کیا نہیں پہونچی تم کو (استفہام تقریر ہے) ان لوگوں کی خبر جو پہلے تھے تم سے قوم نوح و عاد (قوم ہود) اور قوم ثمود (صالح کی قوم) اور جو ان کے بعد ہوئیں کسی کو ان کی خبر نہیں مگر اللہ کو (ان کی کثرت کی وجہ سے) انکے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے روشن دلیلوں کے ساتھ (اپنی سچائی پر) سو ان قوموں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دیدیئے (یعنی غصہ سے ہاتھ کاٹ لئے) اور کہا (بقول تمہارے) جو بات تم لے کر آئے ہو اس سے ہمیں انکار ہے اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس پر یقین ہیں (ہم شک وشبہ میں پڑ گئے ہیں (ان پیغمبروں نے کہا کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟ (استفہام انکاری ہے یعنی خدا تعالیٰ کی توحید میں کھلے دلائل کی وجہ سے شک نہ ہونا چاہئے) جو بنانے والا (پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا وہ تم کو بلاتا ہے (اپنی اطاعت کی جانب) تاکہ معاف کرے تمہارے کچھ گناہ (من زائدہ ہے، کیوں کہ اسلام سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا من تبعیضیہ ہے، حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے) اور ڈھیل دے تم کو (بغیر عذاب دیئے) ایک مدت معینہ (مرنے کے وقت) تک کہنے لگے تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو، تم چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو

ان چیزوں سے جن کو پوجا ہمارے باپ دادا کرتے رہے (بت مراد ہیں) سولاؤ کوئی کھلی ہوئی سند ر (واضح دلیل اپنی صداقت پر) احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے) نبوت دے کر) اور ہمارے لیے (مناسب) نہیں ہے کہ لے آئیں تمہارے پاس سند مگر اللہ کی اجازت (حکم) سے (کیوں کہ ہم اس کے پروردہ بندے ہیں) اور اللہ ہی پر بھروسہ (اعتماد) کرنا چاہئے ایمان والوں کو اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں اللہ پر (یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے سے کوئی چیز ہمارے لئے رکاوٹ بننے والی نہیں ہے) حالانکہ وہ دکھا چکا ہم کو ہماری راہیں اور ہم ضرور صبر کریں گے اس ایذا (تکلیف) پر جو تم ہمیں پہونچاتے ہو اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنیوالوں کو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اِلَیْهَا: یہاں فی یہ لام کے معنی میں ہے۔

قوله: لِیَعُضُّوْا عَلَیْهَا: دونوں ضمیریں کفار کے لئے یہ نہیں کہ دوسری ضمیر افواھم کی رسولوں کی طرف ہے۔ جس کا معنی یہ بنتا ہے کفار نے رسولوں کو کلام سے روکنے کے لئے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ دیے۔ پہلے قول: عضوا علیکم الانامل الایہ کے موافق ہے۔

قوله: من ارضنا: یعنی انہوں نے دو باتوں پر قسم اٹھائی کہ ان میں سے ایک ضرور ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ....

شکرِ نعمت اور اس کی صورتیں:

شکر نعمت ایک اہم مطلوب ہے جس میں سب سے پہلا درجہ اقرار نعمت کا ہے۔ اس طرح کہ دل میں بھی اس کا احساس ویقین ہو اور زبان و بیان سے بھی اس کا اقرار واظہار کہ یہ نعمت اللہ ہی کی عطاء فرمودہ اور صرف اسی کی بخشی ہوئی ہے۔ اور پھر اس نعمت کو صرف وخرچ بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کے لیے اور اس کی ہدایت وتعلیم کے مطابق کرے۔ یہ سب شکر نعمت میں داخل ہے۔ سو شکر نعمت بذات خود ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ اس سے نعمتوں میں برکت نصیب ہوتی ہے اور ان کی حفاظت ہوتی اور ان کو بقاء ملتی اور دوام نصیب ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی نعمت ایمان وہدایت کی نعمت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز وبہرہ ور کرتی ہے۔ اللہ اپنے فضل وکرم سے اپنی بخشی ہوئی ہدایت ایمان کی اس عظیم الشان وبے مثال نعمت اور اس کے علاوہ دوسری ان نعمتوں کے شکر کی توفیق بخشے جن کا احاطہ وادراک بھی اس وحدہ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ فلك الحمد والشكر ياربى حتى ترضى ولك الحمد والشكر بعد ماترضى والى ان نتشرف برؤيتك ولقائك۔

کفران نعمت باعث وبال ونکال:

پس کفران نعمت اور ناشکری تمہارے لیے وبال ونکال کا باعث بنے گی، سواس طرح ناشکری اور کفران نعمت کا نقصان خود تم ہی کو پہنچے گا اوراس کا بھگتان تم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ اور کفران نعمت خداوندی کے جحود وکتمان سے بھی ہوتا ہے اور کفر ومعصیت کے ارتکاب سے بھی۔ (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) بہر کیف کفران نعمت کا نتیجہ وانجام بہت برا ہے۔ اور یہ چیز انسان کے لیے بڑے وبال ونکال کا باعث اور ذریعہ بن جاتی ہے۔

وَ قَالَ مُوْسٰی اِنْ تَكْفُرُوْٓا ....

یعنی کفار فرط غیظ سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے جیسے دوسری جگہ ہے: عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ یا انبیاء کی باتیں سن کر فرط تعجب سے ہاتھ منہ پر رکھ لیے، یا ہاتھ منہ کی طرف لے جا کر اشارہ کیا کہ بس چپ رہیے یا ہماری اس زبان سے اس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو جو آگے آرہا ہے۔ یا پیغمبر کی باتیں سن کر ہنستے تھے اور کبھی ہنسی دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اَيْدِيَهُمْ کی ضمیر کفار کی طرف اور اَفْوَاهِهِمْ کی رُسل کی طرف راجع ہو، یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ میں اڑا دیے کہ وہ بالکل بول نہ سکیں یا دونوں ضمیریں رسل کی طرف ہوں یعنی گستاخانہ طور پر انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر انہی کے منہ میں ٹھونس دیے بعض کے نزدیک یہاں ایدی سے مراد نعمتیں ہیں۔ یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء نے پیش کی تھیں، مثلاً شرائع الٰہیہ وغیرہ وہ ناقدری سے ان ہی کی طرف لوٹا دیں کسی کو قبول نہ کیا جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اس کے منہ پر ماری۔ بہر حال کوئی معنی لیے جائیں سب کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے نعمت خداوندی کی ناقدری کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی ان کے ساتھ بڑی بے رخی بلکہ گستاخی سے پیش آئے۔ بہر کیف اس سے اس عناد اور ہٹ دھرمی کا پتہ چلتا ہے اور اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے اہل باطل نے حضرات انبیائے کرام کے مقابلے میں کام لیا۔ سواس میں ایک طرف تو اہل حق اور خاص کر دعاۃ حق کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ اہل فکر وباطل سے آج ان کو جس دکھ اور دلآزار سلوک سے واسطہ پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے بھی ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرات انبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیوں سے بھی یہی کچھ ہوتا آیا ہے۔ اور دوسری طرف اس میں منکرین ومکذبین کے لیے تنبیہ وتہدید بھی ہے کہ اگر تم لوگ تکذیب وانکار کی اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو آخر کار تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے کے منکرین ومکذبین کا ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لیے ایک اور یکساں و بے لاگ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا ہی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَ قَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨

دعوت حق سے اعراض وروگردانی کا نتیجہ قلق واضطراب:

ان لوگوں نے پیغمبروں سے کہا کہ ہم یقیناً تمہاری دعوت کی بناء پر سخت اضطراب انگیز شک میں پڑے ہیں۔ اور یہ دعوت حق کی ایک خصوصیت اور اس کی امتیازی شان ہے کہ اس کا انکار کرنے اور اس سے منہ موڑنے والوں کا سکون واطمینان غارت ہوجاتا ہے۔ اور ایک ایسا کانٹا ان کے دلوں میں لگ جاتا ہے جو برابر نہیں چبھتا رہتا ہے۔ اور اس طرح یہ

لوگ ایک داخلی کرب اور قلبی قلق واضطراب کے نقد عذاب میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ حق سے محرومی کا اصل عذاب آخرت میں ہوگا جوکہ بڑا سخت، انتہائی کربناک اور رسوا کن ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: (ولعذاب الاخرۃ اکبر) نیز فرمایا گیا (ولعذاب الاخرۃ اشق) نیز فرمایا گیا: (ولعذاب الاخرۃ اخزی) ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ اس کے برعکس دعوت حق کو قبول کرنے اور اس کے مطابق ذکر و یاد خداوندی میں مصروف ہوجانے سے دلوں کو سکون واطمینان کی وہ عظیم الشان اور بے مثال دولت نصیب ہوتی ہے جو دنیا کے کسی بازار اور منڈی میں نہیں مل سکتی، اور جس کے لیے دنیا ماری ماری پھرتی اور طرح طرح کے جتن کرتی ہے۔ وہ ایمان والوں کو مفت اور اس قدر ارزانی اور سہولت سے ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) (الرعد:۲۸) یعنی آگاہ رہے اے لوگو! کہ اللہ کے ذکر ہی سے اطمینان ملتا ہے دلوں کو۔ وباللہ التوفیق،۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ لَتَصِيْرُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ دِيْنِنَا فَاَوْحٰى
اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ الْكَافِرِيْنَ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ اَرْضَهُمْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ بَعْدَ
هَلَاكِهِمْ ذٰلِكَ النَّصْرُ وَاِيْرَاثُ الْاَرْضِ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ اَيْ مَقَامَهٗ بَيْنَ يَدَيَّ وَ خَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾
بِالْعَذَابِ وَ اسْتَفْتَحُوْا اِسْتَنْصَرَ الرُّسُلُ بِاللّٰهِ عَلٰى قَوْمِهِمْ وَ خَابَ خَسِرَ كُلُّ جَبَّارٍ مُتَكَبِّرٍ عَنْ طَاعَةِ
اللّٰهِ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مُعَانِدٍ لِلْحَقِّ مِّنْ وَّرَآئِهٖ اَيْ اَمَامَهٗ جَهَنَّمُ يَدْخُلُهَا وَ يُسْقٰى فِيْهَا مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾
هُوَ مَآءٌ يَسِيْلُ مِنْ جَوْفِ اَهْلِ النَّارِ مُخْتَلِطًا بِالْقَيْحِ وَالدَّمِ يَّتَجَرَّعُهٗ يَبْتَلِعُهٗ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ لِمَرَارَتِهٖ وَ لَا
يَكَادُ يُسِيْغُهٗ يَزْدَرِدُهٗ لِقُبْحِهٖ وَ كَرَاهَتِهٖ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ اَيْ اَسْبَابُهُ الْمُقْتَضِيَةُ لَهٗ مِنْ اَنْوَاعِ الْعَذَابِ مِنْ
كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ بَعْدَ ذٰلِكَ الْعَذَابِ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ قَوِيٌّ مُتَّصِلٌ مَثَلُ
صِفَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ مُبْتَدَاٌ وَ يُبْدَلُ مِنْهُ اَعْمَالُهُمْ الصَّالِحَةُ كَصِلَةٍ وَصَدَقَةٍ فِيْ عَدَمِ الْاِنْتِفَاعِ
بِهَا كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ شَدِيْدُ هُبُوْبِ الرِّيْحِ فَجَعَلَتْهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا لَا يَقْدِرُ
عَلَيْهِ وَالْمَجْرُوْرُ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ لَا يَقْدِرُوْنَ اَيِ الْكُفَّارُ مِمَّا كَسَبُوْا عَمِلُوْا فِي الدُّنْيَا عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَيْ
لَا يَجِدُوْنَ لَهٗ ثَوَابًا لِعَدَمِ شَرْطِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْهَلَاكُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ يَا مُخَاطَبًا اِسْتِفْهَامُ
تَقْرِيْرٍ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ
جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ بَدَلَكُمْ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ شَدِيْدٍ وَ بَرَزُوْا اَيِ الْخَلَائِقُ وَالتَّعْبِيْرُ فِيْهِ وَفِيْمَا

الْاَتْبَاعُ لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا الْمَتْبُوْعِیْنَ اِنَّا ۔۔۔ فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا ۔۔۔ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۔۔۔ بَعْدَهٗ بِالْمَاضِیْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ

کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا جَمْعُ تَابِعٍ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ دَافِعُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ مِنْ الْاُوْلٰی

لِلتَّبْیِیْنِ وَالثَّانِیَةُ لِلتَّبْعِیْضِ قَالُوْا اَیِ الْمَتْبُوْعُوْنَ لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰکُمْ لَدَعَوْنَاکُمْ اِلَی الْهُدٰی

ع ۹ ۱۵ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ زَائِدَةٌ مَّحِیْصٍ ﴿۲۱﴾ مَلْجَأٌ

ترجمہ: اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہماری ملت میں (ہمارے دین میں آجاؤ) تب حکم بھیجا ان کو انکے رب نے کہ ہم غارت کریں گے ان ظالموں (کافروں) کو اور آباد کریں گے تمکو اس زمین میں (انکی زمین میں) انکے بعد (ان کے ہلاک ہو جانے کے بعد (یہ (نصرت اور زمین کا وارث بنا دینا) اس کے لیے ہے جو ڈرتا ہو میرے سامنے کھڑے ہونے سے (یعنی اس کا کھڑا ہونا میرے سامنے) اور ڈرتا میرے (عذاب) کے وعدے سے اور فتح طلب کی (مدد مانگی رسولوں نے اللہ سے اپنی قوم کے مقابلہ میں) اور نامراد ہوا (خسارے میں پڑ گیا) ہر سرکش (اللہ کی اطاعت سے) اور ضدی (حق کا مخالف) اس کے آگے (سامنے) جہنم ہے (جس میں وہ داخل ہوگا) اور ایسا پانی پینے کو (وہاں) دیا جائے گا جو لہو اور پیپ ہوگا (جو پانی جہنمیوں کے پیٹ سے بہتا ہوگا اور خون پیپ سے ملا ہوا ہوگا) اور وہ گھونٹ گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اتارنے کی کوشش کرے گا) اور گلے سے نہیں اتار سکے گا (ناگوار اور برا ہونے کی وجہ سے نگلنے کی کوشش کرے گا) اور اس پر موت آئیگی (اسباب موت طرح طرح عذاب کی شکل میں) ہر طرف سے آئیں گے مگر وہ کسی مرے گا نہیں اور پھر اس کے پیچھے (اس عذاب کے بعد) ایک سخت عذاب کا سامنا ہوگا (جو زبردست اور مسلسل ہوگا) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا (یہ مبتدا ہے آگے بدل ہے) ان کے نیک (نیک) اعمال (جیسے صلہ رحمی، صدقہ، بیکار ہونے میں ان) کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ تیز آندھی کے دن تیزی کے ساتھ ہوا اڑا کر لے جائے (تیز و تند ہوا اسے اڑا کر صاف کر دے کہ اس کا نام و نشان تک نہ مل سکے، اور مجرور مبتداء کی خبر ہے) انکے ہاتھ نہ لگا (یعنی کفار کے) اپنی کمائی میں سے (دنیا میں جو کام کیے) کچھ بھی (یعنی ثواب نہیں پائیں گے ثواب ملنے کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے) یہی ہے بہک کر (ہلاک ہو کر) دور جا پڑنا کیا تو نے نہیں دیکھا (اے مخاطب! استفہام تقریر ہے) کہ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین بالکل ٹھیک (خلق کا متعلق) اگر چاہے تم کو لے جائے اور لائے کوئی نئی مخلوق (تمہاری جگہ) اور یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل سخت) نہیں اور اللہ کے سامنے پیش ہوں گے (ساری مخلوق یہاں اور اس کے بعد ماضی کا لفظ لانا اس کے واقعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) پھر کہیں گے کمزور (پیروی کرنے والے) بڑی کرنے والوں کو پیشواؤں کو) ہم تمہارے پیچھے چلنے والے تھے (تبع تابع کی جمع ہے) تو کیا آج تم اللہ کے عذاب سے ہمارا کچھ بچاؤ کر سکتے ہیں؟ (پہلا من بیانیہ ہے اور دوسرا من تبعیضیہ ہے) وہ (پیشوا) کہیں گے اگر اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم بھی تم کو راستہ دکھاتے (تمہیں ہدایت کے راستے کی جانب دعوت دیتے) اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہمارا چھٹکارا (جائے پناہ) نہیں ہے (من زائدہ ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَتَصِيْرُنَّ: یہاں العود صیرورت کے معنی میں ہے۔

قوله: اَرْضَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ الارض میں الف لام عہد کا ہے اور مخاطبین کی زمین مراد۔

قوله: بَعْدِ هَلَاكِهِمْ: اس سے اشارہ کیا مضاف محذوف ہے اور وہ ہلاک ہے۔

قوله: مَقَامَہ: مقام کی اضافت ذات باری تعالیٰ کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اور وہ بین یدیہ ہے۔

قوله: اَمَامِہ: یہاں وراء امام کے معنی میں ہے نہ خلف کے۔

قوله: يَدخُلُهَا: اس سے اشارہ ہے یسقی کا عطف محذوف پر ہے تقدیر یہ ہے یدخلھا ویسقی۔

قوله: فِيْهَا: اس کو مقدر مانا کیونکہ جملہ معطوفہ میں ایک ضمیر معطوفہ علیہا جملہ کی طرف عائد چاہئے۔

قوله: يَزْدَرِدُہ: ازدراد پانی وغیرہ کا حلق سے سہولت سے گزرنا اور نفس کا اسے قبول کرنا۔

قوله: مِنْ كُلِّ مَكَانٍ: یہ مَكَانٍ یہاں جہت وطرف کے معنی میں ہے۔

قوله: بَعْدَ ذٰلِكَ الْعَذَابِ: یہاں وراء یہ امام کے معنی میں نہیں بلکہ بعد اور پیچھے کے معنی میں ہے۔

قوله: فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ: یوم کی نسبت عاصف کی طرف نھارہ صائم کی قسم سے ہے یہ مجرور مبتداء محذوف کی خبر ہے نہ یہ کہ اس کی خبر محذوف اور مجرور جملہ مستانفہ ہے۔

قوله: لَا يَجِدُوْنَ لَہٗ ثَوَابًا: ثوابا کی قید بڑھا کر اشارہ کہ یقدرون یہاں یجدون کے معنی میں ہے اور کفار ثواب سے محروم ہوں گے عدل قدرت میں تو تمام ہی شریک ہوں گے۔

قوله: تَنْظُرْ: یہاں تری۔ سے رؤیت بصر مراد ہے نہ قلب ایک مفعول پر اکتفاء ہے۔

قوله: الْاَتْبَاعُ: یہاں وہ پیروکار مراد ہیں جو ان کے مخالف ہوں گے نہ کہ معاون۔ اتباع جمع تابع ہے۔

قوله: مِنْ الْاُوْلٰی: پہلا مِنْ مابعد کا بیان اور وہ لفظ شئی ہے جو کہ مفعول سے حال کی جگہ ہے گویا کہا: فھل انتم مغنون عنا بعض الشئی الذی ھو العذاب۔

قوله: لَدَعَوْنَاكُمْ: یہاں ہدایت سے فقط دعوت ہدایت مراد ہے نہ کہ ایصال مطلوب۔

قوله: مِنْ زَائِدَۃٌ: یعنی من محیص میں من زائدہ ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ ....

کافر جب تنگ ہوئے، کوئی حجت باقی نہ رہی تو نبیوں کو دھمکانے لگے اور دیس نکالنے سے ڈرانے لگے۔ قوم شعیب نے بھی اپنے نبی اور مؤمنوں سے یہی کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ لوطیوں نے بھی یہی کہا تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے نکال دو۔ وہ اگرچہ مکر کرتے تھے لیکن اللہ بھی ان کے داؤ میں تھا۔ اپنے نبی کو سلامتی کے ساتھ مکے سے لے گیا مدینے والوں کو آپ کا انصار و مددگار بنا دیا وہ آپ کے لشکر میں شامل ہو کر آپ کے جھنڈے تلے کافروں سے لڑے اور بتدریج اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترقیاں دیں یہاں تک کہ بالآخر آپ نے مکہ بھی فتح کر لیا اب تو دشمنان دین کے منصوبے خاک میں مل گئے ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی ان کی آرزویں پامال ہو گئیں۔ اللہ کا دین لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہو گیا، جماعتوں کی جماعتیں دین میں داخل ہونے لگیں، تمام روئے زمین کے ادیان پر دین اسلام چھا گیا، کلمہ حق بلند و بالا ہو گیا اور تھوڑے سے زمانے میں مشرق سے مغرب تک اشاعت اسلام ہو گئی فالحمد للہ۔ یہاں فرمان ہے کہ ادھر کفار نے نبیوں کو دھمکایا ادھر اللہ نے ان سے سچا وعدہ فرمایا کہ یہی ہلاک ہوں گے اور زمین کے مالک تم بنو گے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہمارا کلمہ ہمارے رسولوں کے بارے میں سبقت کر چکا ہے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا اور آیت میں ہے: (كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ) (المجادلۃ: ۲۱) اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب آئیں گے، اللہ قوت والا اور عزت والا ہے۔ اور آیت میں ارشاد ہے کہ ذکر کے بعد زبور میں بھی یہی تحریر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا کہ تم اللہ سے مدد طلب کرو، صبر و برداشت کرو، زمین اللہ ہی کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے انجام کار پرہیزگاروں کا ہی ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (الاعراف: ۱۳۷) ضعیف اور کمزور لوگوں کو ہم نے زمین کی مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جہاں ہماری برکتیں تھیں بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے ہمارا ان سے جو بہترین وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا ان کے دشمن فرعون اور فرعونی اور ان کی تمام تیاریاں سب یکمشت خاک میں مل گئیں۔ نبیوں سے فرما دیا گیا کہ یہ زمین تمہارے قبضے میں آئے گی یہ وعدے ان کے لیے ہیں جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہیں اور میرے ڈراوے اور عذاب سے خوف کھاتے رہیں۔ جیسے فرمان باری ہے: فَاَمَّا مَنْ طَغٰى (النازعات: ۳۷) یعنی جس نے سرکشی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور آیت میں ہے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف جس نے کیا اسے دوہری جنتیں ہیں۔

رسولوں نے اپنے رب سے مدد و فتح اور فیصلہ طلب کیا یا یہ کہ ان کی قوم نے اسے طلب کیا جیسے قریش مکہ نے کہا تھا کہ الٰہی اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی دردناک عذاب ہمیں کر۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ادھر سے کفار کا مطالبہ ہوا ادھر سے رسولوں نے بھی اللہ سے دعا کی جیسے بدر والے دن ہوا تھا کہ ایک طرف رسول اللہ (ﷺ) دعا مانگ رہے تھے دوسری جانب سرداران کفر بھی کہہ رہے تھے کہ الٰہی آج سچے کو غالب کر یہی ہوا بھی۔ مشرکین سے کلام اللہ میں اور جگہ فرمایا گیا

ہے کہ تم فتح طلب کیا کرتے تھے لواب وہ آ گئی اب بھی اگر باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے الخ نقصان یافتہ وہ ہیں جو متکبر ہوں اپنے تئیں کچھ گنتے ہوں حق سے عناد رکھتے ہوں قیامت کے روز فرمان ہوگا کہ ہر ایک کافر سرکش اور بھلائی سے روکنے والے کو جہنم میں داخل کرو جو اللہ کے ساتھ دوسروں کی پوجا کرتا تھا اسے سخت عذاب میں لے جاؤ۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو لایا جائے گا وہ تمام مخلوق کو ندا کر کے کہے گی کہ میں ہر ایک سرکش ضدی کے لیے مقرر کی گئی ہوں۔ الخ اس وقت ان بدلوگوں کا کیا ہی برا حال ہوگا جب کہ انبیا تک اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے ہوں گے۔

وراء یہاں پر معنی امام سامنے کے ہیں جیسے آیت: (وكان وراءهم ملك) میں ہے ابن عباس کی قراءت ہی وکان امامھم ملک ہے غرض سامنے سے جہنم اس کی تاک میں ہوگی جس میں جا کر پھر نکلنا ناممکن ہوگا قیامت کے دن تک تو صبح شام وہ پیش ہوتی رہی اب وہی ٹھکانا بن گئی پھر وہاں اس کے لیے پانی کے بدلے آگ جیسا پیپ ہے اور حد سے زیادہ ٹھنڈا اور بدبودار وہ پانی ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے رستا ہے۔ جیسے فرمایا: (هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ) (ص:۵۷) پس ایک گرمی میں حد سے گزرا ہوا ایک سردی میں حد سے گزرا ہوا۔ صدید کہتے ہیں پیپ اور خون کو جو دوزخیوں کے گوشت سے اور ان کی کھالوں سے بہا ہوا ہوگا۔ اسی کو طینۃ الخبال بھی کہا جاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب اس کے پاس لایا جائے گا تو اسے سخت تکلیف ہوگی منہ کے پاس پہنچتے ہی سارے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں گر پڑے گی۔ ایک گھونٹ لیتے ہی پیٹ کی آنتیں پاخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ کھولتا ہوا گرم پانی پلائے جائیں گے جو چہرہ جھلسا دے الخ۔ جبرا گھونٹ گھونٹ کر کے اتارے گا، فرشتے لوہے کے گرز مار مار کر پلائیں گے، بدمزگی، بدبو، حرارت، گرمی کی تیزی یا سردی کی تیزی کی وجہ سے گلے سے اترنا محال ہوگا۔ بدن میں، اعضا میں، جوڑ جوڑ میں وہ درد اور تکلیف ہوگی کہ موت کا مزہ آئے لیکن موت آنے کی نہیں۔ رگ رگ پر عذاب ہے لیکن جان نہیں نکلتی۔ ایک ایک رواں ناقابل برداشت مصیبت میں جکڑا ہوا ہے لیکن روح بدن سے جدا نہیں ہو سکتی۔ آگے پیچھے دائیں بائیں سے موت آ رہی ہے لیکن آتی نہیں۔ طرح طرح کے عذاب دوزخ کی آگ گھیرے ہوئے ہے مگر موت بلائے سے بھی نہیں آتی۔ نہ موت آئے نہ عذاب جائے۔ ہر سزا ایسی ہے کہ موت کے لیے کافی سے زیادہ ہے لیکن وہاں تو موت کو موت آ گئی ہے تا کہ سزا دوام والی ہوتی رہے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ پھر سخت تر مصیبت ناک الم افزا عذاب اور ہیں۔ جیسے زقوم کے درخت کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے جس کے شگوفے شیطانوں کے سروں جیسے ہیں وہ اسے کھائیں گے اور پیٹ بھر کے کھائیں گے پھر کھولتا ہوا تیز گرم پانی پیٹ میں جا کر اس سے ملے گا پھر ان کا لوٹنا جہنم کی جانب ہے۔ الغرض کبھی زقوم کھانے کا کبھی آگ میں جلنے کا کبھی صدید پینے کا عذاب انہیں ہوتا رہے گا۔ اللہ کی پناہ۔ فرمان رب عالیشان ہے۔ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ (الرحمٰن:۴۳) یہی وہ جہنم ہے جسے کافر جھٹلاتے رہے۔ آج جہنم کے اور ابلتے ہوئے تیز گرم پانی کے درمیان وہ چکر کھاتے پھریں گے۔ اور آیت میں ہے کہ زقوم کا درخت گنہگاروں کی غذا ہے جو پگھلتے ہوئے تانبے جیسا ہوگا، پیٹ میں جا کر ابلے گا اور ایسے جوش مارے گا جیسے گرم پانی کھول رہا ہو۔ اسے پکڑو اور اسے بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر گرم پانی کے تریڑے کا عذاب بہاؤ مزہ چکھ تو اپنے خیال میں بڑا عزیز تھا اور اکرام والا تھا یہی جس سے تم ہمیشہ شک شبہ کرتے رہے۔ سورۃ واقعہ میں فرمایا کہ وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال

دیئے جائیں گے یہ بائیں ہاتھ والے کیسے بدلوگ ہیں گرم ہوا اور گرم پانی میں پڑے ہوئے ہوں گے اور دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا نہ باعزت دوسری آیت میں ہے سرکشوں کے لیے جہنم کا برا ٹھکانا ہے جس میں داخل ہوں گے اور وہ رہائش کی بدترین جگہ ہے اس مصیبت کے ساتھ تیز گرم پانی اور پیپ لہو اور اسی کے ہم شکل اور بھی قسم قسم کے عذاب ہوں گے جو دوزخیوں کو بھگتنے پڑیں گے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا نہ کہ اللہ کا ظلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ....

بعض کفار کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ خیرات کی مد میں کیے ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی، بہتیرے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی، کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا لیا اس وقت کام نہ آئے گا؟ اس کا جواب اس تمثیل میں دیا۔ یعنی جسے خدا کی صحیح معرفت نہیں۔ محض فرضی اور وہمی خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہیں۔ وہ محشر میں اسی طرح اڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں، اس وقت کفار نیک عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہوں گے حالانکہ وہ یہی موقع ہوگا جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! یہ کیسی حسرت کا وقت ہوگا کہ جن اعمال کو ذریعۂ قرب ونجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح عین اس موقع پر بے حقیقت ثابت ہوئے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا....

قیامت کے دن کی باہم گفتگو اور پیشوایانِ کفر کی ذلت اور ندامت کا ذکر:

(ربط) گزشتہ آیات میں پیغمبروں کے انکار کی سزا کا ذکر تھا اب قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو کو ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو تھے کیا آج کے دن تم ہم کو عذاب سے بچا سکتے ہو وہ انکار کریں گے کہ آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے اور یہ عذر کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے اگر ہم راہ راست پر ہوتے تو تمہیں کیوں گمراہ کرتے چنانچہ فرماتے ہیں، اور سب مؤمن اور کافر اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور اور کم درجے کے کافران لوگوں سے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے یہ کہیں گے کہ تحقیق ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے تمہارے کہنے سے ہم نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دفع کر سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو تو وہ پیشوایان کفر عذر خواہی کے طور پر جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت اور توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی سیدھے راستے پر لے چلتے چونکہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے ہم نے تم کو گمراہی کی طرف بلایا اب یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے ہمارا کہنا مانا اور اللہ کے رسولوں کو نہ مانا اور اب ہم اور تم سب مبتلائے بلا ہیں ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم خواہ اضطراب اور بے قراری ظاہر کریں یا صبر کریں دونوں حالتوں میں ہمارے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں یہ دار جزاء ہے یہاں رنج وغم سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اٹل ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ گفتگو جہنم میں جانے کے بعد ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح آتی ہے: واذ یتحاجون فی النار

يقول الضعفؤ اللذين استكبروا انا كنا لكم تبعا فهل انتم مغنون عنا نصيبا من النار قال اللذين استكبروا انا كل فيها ان الله قد حكم بين العباد.

اور میدان حشر میں باہمی مخاصمت کا ذکر ان آیتوں میں ہے:۔

ولو ترى اذ الظلمون موقوفون عند ربهم يرجع بعضهم الى بعض القول يقول الذين استضعفوا للذين استكبروا لولا انتم لكنا مؤمنين قال الذين استكبروا للذين استضعفوا انحن صددنكم عن الهدى بعد اذ جاء كم بل كنتم مجرمين وقال الذين استضعفوا للذين استكبروا بل مكر اليل والنهار اذ تامروننا ان نكفر بالله ونجعل له اندادا واسروا الندامة لما رأ العذاب وجعلنا الاغلل فى اعناق الذين كفروا، هل يجزون الا ما كانوا يعملون.

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ اِبْلِيْسُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ وَاُدْخِلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ وَاجْتَمَعُوْا عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَصَدَقَكُمْ وَوَعَدْتُّكُمْ اَنَّهُ غَيْرُ كَائِنٍ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ زَائِدَةٌ سُلْطٰنٍ قُوَّةٍ وَقُدْرَةٍ اُقْهِرُكُمْ عَلٰى مُتَابَعَتِيْ اِلَّآ لٰكِنْ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ عَلٰى اِجَابَتِيْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ بِمُغِيْثِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ بِاِشْرَاكِكُمْ اِيَّايَ مَعَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فِي الدُّنْيَا قَالَ تَعَالٰى اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾ مُؤْلِمٌ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا مِنَ اللّٰهِ وَمِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَفِيْمَا بَيْنَهُمْ سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾ اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا وَيُبْدَلُ مِنْهُ كَلِمَةً طَيِّبَةً اَيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ هِيَ النَّخْلَةُ اَصْلُهَا ثَابِتٌ فِي الْاَرْضِ وَفَرْعُهَا غُصْنُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ تُعْطِيْ اُكُلَهَا ثَمَرَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ بِاِرَادَتِهِ كَذٰلِكَ كَلِمَةُ الْاِيْمَانِ ثَابِتَةٌ فِيْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ وَعَمَلُهُ يَصْعَدُ اِلَى السَّمَآءِ وَيَنَالُهُ بَرَكَتُهُ وَثَوَابُهُ كُلَّ وَقْتٍ وَيَضْرِبُ يُبَيِّنُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ يَتَّعِظُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ هِيَ كَلِمَةُ الْكُفْرِ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ هِيَ الْحَنْظَلَةُ اجْتُثَّتْ اُسْتُؤْصِلَتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ مُسْتَقَرٌّ وَثَبَاتٌ كَذٰلِكَ كَلِمَةُ الْكُفْرِ لَا ثَبَاتَ لَهَا وَلَا فَرْعَ وَلَا بَرَكَةَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ هُوَ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ فِي

عَنْ رَبِّهِمْ وَدِيْنِهِمْ وَنَبِيِّهِمْ فَيُجِيْبُوْنَ اَيْ فِي الْقَبْرِ لَمَّا يَسْأَلُهُمُ الْمَلَكَانِ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ
وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ الْكُفَّارَ فَلَا يَهْتَدُوْنَ لِلْجَوَابِ بِالصَّوَابِ
بِالصَّوَابِ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ الشَّيْخَيْنِ
بَلْ يَقُوْلُوْنَ لَا نَدْرِيْ كَمَا فِي الْحَدِيْثِ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ۚ ﴿٢٧﴾ ع ١٦

ترجمہ: اور شیطان (ابلیس) کہے گا جب کہ مقدمات کا فیصلہ ہو چکے گا (اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے، اور جہنمی شیطان کے پاس جمع ہوں گے) کہ بلا شبہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (قیامت وجزاء کے متعلق، پس وہ اس نے سچ کر دکھایا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا (کہ قیامت نہیں آئے گی) مگر میں نے وہ وعدہ تم سے خلاف کیا تھا میرا تم پر اور کچھ زور تو چلتا نہ تھا (فاء زائدہ ہے کہ اپنی تابعداری پر مجبور کر سکتا) سوائے اس کے کہ تم کو بلایا تھا سو تم نے میرا کہنا مان لیا، پس اب مجھے ملامت مت کرو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو (میرا کہنا ماننے پر) آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں (تمہاری مدد کر کے) اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو (لفظ مصرخی یاء کے فتح اور یاء کے کسرہ کے ساتھ ہے) میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم مجھے اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے (تم نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرائے رکھا) اس سے پہلے (دنیا میں ارشاد ربانی ہے) یقیناً ظالموں (کافروں) کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہیں میں رہیں گے (خالدین حال مقدرہ ہے ان کی مبارکبادی ہے وہاں (اللہ اور اس کے فرشتوں کی اور آپس میں بھی) سلام کیا تم نے دیکھا نہیں کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال (اگلا جملہ اس سے بدل واقع ہے) پاکیزہ کلمہ (لا الہ الا اللہ) کی وہ ایک اچھے (کھجور) کے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) خوب جمی ہوئی ہے اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پیدا کرتا (دیتا) رہتا ہے (یہی حال کلمہ طیبہ کا ہے کہ اس کی جڑ مؤمن کے دل میں ہوتی ہے اور اسکا عمل آسمان پر چلا جاتا ہے جسکی برکت وثواب کا پھل ہر وقت اسے حاصل ہوتا رہتا ہے اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ فکر کریں (نصیحت پکڑیں) اور ایمان لے آئیں) اور گندہ کلمہ (کلمہ کفر) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گندہ درخت (حنظل کا درخت) کہ جس کو اکھاڑ لیا گیا ہو (جڑ سے نکال لیا گیا ہو) زمین کے اوپر سے اس کے لئے کچھ ٹھہراؤ نہیں پائیداری اور جماؤ نہیں اسی طرح کلمہ کفر کو جماؤ حاصل نہیں نہ ہی اس کی ٹہنی ہے اور نہ برکت ہے) مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات (کلمہ توحید) سے دنیاوی زندگی اور آخرت میں (یعنی قبر میں جب دو فرشتے ان کے رب ان کے دین اور ان کے نبی کے بارے میں سوال کریں گے تو یہ صحیح صحیح جواب دیں گے جیسا کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے) اور بچلا دیتا ہے اللہ ظالموں کو (کافروں کو چنانچہ ان کو صحیح جواب کی ہدایت نہیں ہوگی بلکہ وہ کہیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے) اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اِبْلِیْسُ: یہ اہل نار کو کافروں کے مہالیڈر کا خطاب عام ہے جو آگ کے منبر پر ہوگا۔

قوله: فَاَخْلَفْتُکُمْ: سے مراد میں نے تم سے جھوٹ بولا۔

قوله: لٰکِنْ: الا یہ لکن کے معنی میں ہے یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ دعا جنس غلبہ وقوت سے نہیں۔

قوله: بِاِشْرَاکِکُمْ: بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ میں ما مصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: فَرْعُهَا: اس میں اضافت استغراق کے لئے ہے۔

قوله: تُعْطِیْ: یہ ایتاء سے اتیان سے نہیں اس کا معنی لانا اور دینا ہے۔

قوله: فِی الْقَبْرِ: کہہ کر اشارہ کیا آخرت سے قرب آخرت مراد نہ کہ بعینہ آخرت۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ ....

یعنی حساب کتاب کے بعد جب جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے گا اس وقت کفار دوزخ میں جا کر یا داخل ہونے سے پہلے ابلیس لعین کو الزام دیں گے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا۔ اب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کر۔ تا کہ عذاب الٰہی سے رہائی ملے۔ تب ابلیس ان کے سامنے لیکچر دے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ نے صادق القول پیغمبروں کے توسط سے ثواب وعقاب اور دوزخ وجنت کے متعلق سچے وعدے کیے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل وبراہین سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے۔ میں نے اس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کیے۔ جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی ادنیٰ فکر وتامل سے واضح ہو سکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے۔ میرے پاس نہ حجت وبرہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے ماننے پر مجبور کر دیتا، بلاشبہ میں نے بدی کی تحریک کی اور تم کو اپنے مشن کی طرف بلایا، تم جھپٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے جدھر شہ دی ادھر ہی اپنی رضا ورغبت سے چل پڑے۔ اگر میں نے اغوا کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی نہ دعوے کو پرکھا آنکھیں بند کر کے پیچھے ہو لیے۔ انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو۔ میرا جرم اغوا بجائے خود رہا لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہو سکتے ہو۔ آج تم کو مدد دینا تو درکنار، خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں۔ ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزا میں پکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا۔ تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اس کے احکام کے سامنے اس طرح سر تسلیم وانقیاد خم کیا جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہیے تھا) بہرحال اپنے جہل وغباوت سے جو

شرک تم نے کیا تھا اس وقت میں اس سے منکر اور بیزار ہوں۔ یا بِمَا اَشْرَكْتُمُوْنِ میں بائے سببیت لے کر یہ مطلب ہو کہ تم نے مجھ کو خدائی کا رتبہ دیا اس سبب سے میں بھی کافر بنا۔ اگر میری بات کوئی نہ پوچھتا تو میں کفر وطغیان کے اس درجہ میں کہاں پہنچتا۔ اب ہر ایک ظالم اور مشرک کو اپنے کیے کی سزا دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا چاہیے۔ شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ گزشتہ آیت میں ضعفاء ومستکبرین (عوام اور لیڈروں) کی گفتگو نقل کی گئی تھی اسی کی مناسبت سے یہاں دوزخیوں کے مہالیڈر (ابلیس لعین) کی تقریر نقل فرمائی چونکہ عوام کا الزام اور ان کی استدعا دونوں جگہ یکساں تھی شاید اسی لیے شیطان کی گفتگو کے وقت اس کا ذکر ضروری نہیں معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ مقصود ان مکالمات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ لوگ اس افراتفری کا تصور کر کے شیاطین الانس والجن کے اتباع سے باز رہیں۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ....

اہل ایمان کا ثواب:

دوسری آیت میں ان حضرات کے اجر وثواب کا تذکرہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے حکم سے ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور صرف داخلہ ہی نہیں ہوگا خلود بھی ہوگا ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی السلام علیکم کہیں گے اس کی مزید تشریح سورۂ یونس کے پہلے رکوع کے ختم پر گزر چکی ہے وہاں فرمایا: تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً ....

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال:

یہ تین آیات ہیں جن میں پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور دوسری آیت میں کلمہ خبیثہ کو شجرہ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ ایمان لا الٰہ الا اللہ مراد ہے اور کلمہ خبیثہ سے کلمہ کفر مراد ہے، کلمہ طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ خوب مضبوطی کے ساتھ زمین میں جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں اونچائی میں اوپر جارہی ہوں اور وہ ہمیشہ پھل دیتا ہو جب بھی اس کی فصل آئے تو فصل ضائع نہ ہو۔ سنن ترمذی (تفسیر سورۂ ابراہیم) میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) سے کھجور کا درخت مراد ہے جس سے کلمہ طیبہ کو تشبیہ دی ہے لا الٰہ الا اللہ کی جڑ (یعنی مضبوط اعتقاد) مؤمن کے قلب میں استحکام اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اس کی شاخیں یعنی اعمال صالحہ جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور ان پر رضائے الٰہی کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں کما فی سورۃ فاطر: (اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ) کھجور کا درخت زمین میں مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہوتا ہے اپنی جڑوں میں استحکام اور پھلوں میں عمدگی اور شاخوں میں بلندی لیے ہوئے ہوتا ہے اس کے پھل بھی ہر فصل میں آتے رہتے ہیں اور لوگ اس سے برابر منتفع ہوتے رہتے ہیں اس کے پھل میں غذائیت بھی

ہے اور قوت بھی ہے اور دیکھنے میں بھی نظروں میں خوب بھاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کی مثال دینے کے بعد کلمہ خبیثہ کی مثال دی اور فرمایا کہ کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر ایسا ہے جیسے کوئی خبیث درخت ہو جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اسے کوئی قرار اور ثبات نہ ہو سنن ترمذی کی مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ شجرہ خبیثہ سے حنظل مراد ہے جو بہت زیادہ کڑوا ہوتا ہے اس کا مزہ بھی برا ہے اور اس کی بو بھی بدترین ہے اور اس کے کھانے سے بہت سی مضرتیں پیدا ہوتی ہیں اس کا جماؤ بھی زمین میں نہیں ہوتا زمین سے یوں ہی ذرا تھوڑا سا تعلق ہوتا ہے ہلکے سے ہاتھ کے اشارے سے اکھڑ آتا ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ چونکہ پہلی مثال میں شجرہ طیبہ فرمایا ہے اس لیے حنظل کو مشاکلۃً شجرہ خبیثہ فرمادیا ورنہ حنظل کا درخت نہیں ہوتا بلکہ بیل ہوتی ہے حنظل کی نہ جڑ مضبوط ہے نہ مزا اچھا ہے اور بدبو سے بھرا ہوا ہے اور نہ اس کی شاخیں اونچی ہیں اور مزید یہ کہ بدبودار ہوتا ہے، کفر کے کلمات کا یہی حال ہے حق کے سامنے ان کا کوئی جماؤ نہیں کافر کو اس سے نقصان ہی نقصان ہے اور اس کے اعمال پر بھی رضائے الٰہی مرتب نہیں ہوتی اور چونکہ کافر کے اعمال کے قبول ہونے کا احتمال ہی نہیں اس لیے مشبہ بہ یعنی حنظل کے تذکرہ میں شاخوں کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ (انوار البیان)

اَلَمْ تَرَ اِلَى تَنظُرْ الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اَیْ شُكْرَهَا كُفْرًا هُمْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ وَّ اَحَلُّوْا اَنْزَلُوْا قَوْمَهُمْ
بِاِضْلَالِهِمْ اِيَّاهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝۲۸ اَلْهَلَاكِ جَهَنَّمَ عَطْفُ بَيَانٍ يَصْلَوْنَهَا يَدْخُلُوْنَهَا وَ بِئْسَ
الْقَرَارُ ۝۲۹ اَلْمَقَرُّ هِیَ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا شُرَكَاءَ لِّيُضِلُّوْا بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيْلِهٖ دِيْنِ
الْاِسْلَامِ قُلْ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا بِدُنْيَاكُمْ قَلِيْلًا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ مَرْجِعَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِدَاءٌ فِيْهِ وَ
لَا خِلٰلٌ ۝۳۱ مُخَالَّةٌ اَیْ صَدَاقَةٌ تَنْفَعُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ السُّفُنَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ
بِالرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ بِاَمْرِهٖ بِاِذْنِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝۳۲ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ
جَارِيَيْنِ فِیْ فَلَكِهِمَا لَا يَفْتَرَانِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ ؟ وَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ النَّهَارَ ۝۳۳ لِتَبْتَغُوْا فِيْهِ مِنْ فَضْلِهٖ وَ
اٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ عَلٰى حَسْبِ مَصَالِحِكُمْ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ بِمَعْنٰى اِنْعَامِهٖ لَا
تُحْصُوْهَا لَا تُطِيْقُوْا عَدَّهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ الْكَافِرَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝۳۴ كَثِيْرُ الظُّلْمِ لِنَفْسِهٖ بِالْمَعْصِيَةِ وَالْكُفْرِ ع ۵ ۱۷

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان (شکر) کا ناشکری سے بدلہ کیا (کفار قریش مراد ہیں) اور اپنی قوم کو اتارا (ان کو گمراہ کر کے) تباہی کے گھر میں (ہلاکت میں ڈالا) جو دوزخ ہے (یہ عطف بیان ہے) اس میں پہنچ کر (داخل ہو کر) رہیں ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور ٹھہرائے اللہ کے مقابل (شریک) کہ بہکائیں (یاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ) اس کے راستہ (دین اسلام) سے آپ کہہ دیجئے مزا اڑا لو (اپنی دنیا سے تھوڑا بہت) پھر تم کو لوٹنا ہے (واپس جانا ہے) آگ کی طرف آپ کہہ دیجئے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ سودا (فدیہ) کام دے گا نہ دوستی (تعلق یعنی رفاقت کہ جو فائدہ دے، قیامت کا دن مراد ہے) اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے پھل پیدا کئے تمہارے روزی کے لیے اور کام میں لگا دیا یا تمہاری کشتی کو تا کہ دریا میں چلے (سواریوں اور بوجھ کو لیکر) اس کے حکم (اجازت سے اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے ندیوں کو اور کام میں لگا دیا تمہارے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر (اپنے مدار پر برابر چکر لگا رہے بلا تخلف) اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے رات کو (تا کہ اس میں آرام کر سکو) اور دن کو (تا کہ اس میں تم روزی تلاش کر سکو) اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی (تمہارے مصالح کے مطابق) اور اگر تم اللہ کے احسان (انعامات) شمار کرنے لگو تو پورے نہ کر سکو گے (گن نہ سکو گے) اور انسان (کافر) بڑا بے انصاف ناشکرا ہے گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی جان پر ظلم ڈھاتا ہے اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: شُكْرَهَا: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف مقدر ہے اور تبدیلی نعمت سے یہی مراد ہے۔

قوله: لِيُضِلُّوا: اگرچہ ضلال واضلال کفار کی غرض نہیں کہ جس کی بناء پر انہوں نے شریک بنائے ہوں مگر اس کا نتیجہ گمراہی ہے اس لئے اس کو غرض قرار دیا۔

قوله: يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ: قل کا مفعول محذوف ہے اس پر اس کا جواب قُلْ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا دلالت کرتا ہے اور يُقِيمُوا جواب امر ہے۔

قوله: بِإِذْنِهٖ: امر کی تفسیر اذن سے کی اور مراد اس سے ارادہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے بغیر کسی چیز کا وجود نہیں۔

قوله: جَارِيَيْنِ: اس سے اشارہ کیا دونوں اپنے مدار میں کوشش وجہد کر رہے ہیں۔

قوله: مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ: كُلِّ سے یہاں بعض مراد ہے اور وہ بھی وہی جو تمہاری مصلحتوں کے مطابق ہوں۔

تفسیر مقبولین

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝

مذمت کفار و مشرکین و مدح مؤمنین صالحین:

یہ آیت کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے انعامات کیے اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا جنہوں نے شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کی مضرتوں سے آگاہ فرمایا مگر ان لوگوں نے اس نعمت کی ناشکری کا اور بجائے اس کے کہ منعم حقیقی کی شکرگزاری اور اطاعت شعاری کرتے اس کی ناشکری پر کمربستہ ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قل لعبادی الذین امنوا میں اپنے خاص بندوں کو مراسم عبودیت بجالانے کی تلقین فرمائی کہ تم اپنے منعم حقیقی کی اطاعت اور عبادت میں لگے رہو اور ان کفار نابکار کی طرح ناشکرے نہ بنو کیا اے دیکھنے والے تو نے ان ظالموں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ناشکری سے بدل ڈالا کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کو اختیار کیا خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے گھر میں جا اتارا۔ یعنی شجرہ طیبہ کے بدلے شجرہ خبیثہ کھلایا جسے کھا کر وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرارگاہ ہے اور ان ظالموں نے تبدیل نعمت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ منعم کو بھی بدل ڈالا کہ اللہ جو منعم حقیقی تھا اس کے ہم سر بنائے اور اس کے شریک ٹھہرائے تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں اے نبی ﷺ! آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ اچھا چند روز فائدہ اٹھالو اور دنیا میں خوب مزے اڑالو۔ پس تمہارا آخری ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ تہدید اور وعید ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی بدپرہیز سے کہے کل ماشئت فانہ جاءک الموت (اچھا تو جو چاہے کھا تیرا انجام موت اور ہلاکت ہے) کفار و فجار کی اس تہدید و وعید کے بعد اپنے خاص بندوں کو ہدایت فرماتے ہیں اے نبی آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے جو میرے خاص بندے ہیں درہم و دینا کے بندے نہیں جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اور چند روزہ ہے ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نعمت الٰہی کی شکرگزاری میں لگے رہیں کہ نماز پڑھتے رہیں جو دین کا ستون ہے اور کفر و اسلام کے درمیان فارق ہے اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں پوشیدہ اور ظاہر خدا کی راہ میں خیرات کرنا یہ مالی شکر ہے بہرحال جان اور مال سے اللہ کی نعمت کے شکر میں لگے ہیں ایسے دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی چل سکے گی یعنی آخرت میں کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا اور نہ کسی کی دوستی کام آوے گی اس دن کے آنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ کرلو یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کے لیے شرکاء تجویز کیے اب آئندہ آیت میں منعم حقیقی کے اوصاف بیان کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی نعمت منعم حقیقی کی معرفت ہے اور منعم حقیقی کی ذات و صفات کی معرفت ہی سعادت کبریٰ ہے اس لیے آئندہ آیات میں منعم حقیقی کے دس اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۱) اللہ پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا۔ (۲) اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو تمہارے لیے چھت بنایا اور

زمین کوتمہارے لیے فرش بنایا۔(۳)اورآسمان سے پانی اتاراجوتمہاری زندگی کا سامان ہے کما قال تعالیٰ وجعلنا من الماء کل شیءحی پھراس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے۔(٤)اورپھرایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تمہارے لیے کشتیوں کومسخر کیا تاکہ وہ تم کواللہ کے حکم سے دریا میں لے کر چلیں جن کے ذریعہ تم تجارت وغیرہ کرسکو۔(٥)اورتمہارے نفع کے لیے نہروں کومسخر کیا کہ جس طرح چاہوان سے فائدہ حاصل کرو۔(٦)اورمسخر کیا تمہارے لیے آفتاب کو۔(٧)اور مسخر کیا تمہارے لیے چاند کوکہ دونوں ایک طریقہ پر برابر چلتے ہیں اوردونوں سے تم کوہزاروں فوائد حاصل ہوتے ہیں کھیتوں اور پھلوں کا پکنااورحساب وغیرہ کاتعلق انہی دونوں سے ہے۔(٨)اورمسخر کیا تمہارے لیے رات کوتاکہ تم آرام کرو۔(٩) اورمسخر کیا تمہارے لیے دن کوتاکہ تم اپنے کاروبارکرو۔(١٠)اوران کے علاوہ دیا تم کواس قدربے شمارہیں کہ اگرتم ان کوشمارکرنا چاہوتوشمار میں نہیں لاسکتے اگراپنے اعصاب دماغیہ میں اوران کے آثار میں غورکرے کہ ہرایک میں کیا کیا نعمتیں مضمرہیں تو شمارنہیں کرسکتا بلکہ ایک ہی لقمہ میں اگرغورکرے کہ کس طرح حلق سے نیچے اترااورکس طرح خون بنااورکس طرح پاخانہ بناتو اس کی حقیقت اورکنہ کونہیں پہنچ سکتا ہے بے شک انسان بڑاہی ظالم اور بڑاہی ناشکراہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کوبے محل استعمال کرتا ہے نعمت دینے والے کے حق کونہیں پہچانتا اورنعمت کا شکرتوکیا کرتا بلکہ اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرتا ہے آنحضرت ﷺ کا وجودباوجودکمال درجہ کی نعمت تھااس کی دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔

وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ مكة اٰمِنًا ذَا اَمْنٍ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰى دُعَاءَهُ فَجَعَلَهُ حَرَمًا لَا يُسْفَكُ فِيْهِ دَمُ اِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيْهِ اَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهُ وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهُ وَّاجْنُبْنِيْ بَعِّدْنِيْ وَبَنِيَّ عن اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَيِ الْاَصْنَامُ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا فَمَنْ تَبِعَنِيْ عَلَى التَّوْحِيْدِ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ مِنْ اَهْلِ دِيْنِيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ هٰذَا قَبْلَ عِلْمِهِ اَنَّهُ تَعَالٰى لَا يَغْفِرُ الشِّرْكَ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ اَيْ بَعْضَهَا وَهُوَ اِسْمٰعِيْلُ مَعَ اُمِّهٖ هَاجَرَ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ هُوَ مَكَّةُ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ الَّذِيْ كَانَ قَبْلَ الطُّوْفَانِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً قُلُوْبًا مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ تَمِيْلُ وَتَحِنُّ اِلَيْهِمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَوْ قَالَ اَفْئِدَةُ النَّاسِ لَحَنَّتْ اِلَيْهِ فَارِسُ وَالرُّوْمُ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِفِ اِلَيْهِ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ مَا نُسِرُّ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿٣٨﴾ يُحْتَمَلُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ كَلَامِهٖ تَعَالٰى اَوْ كَلَامِ اِبْرَاهِيْمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ اَعْطَانِيْ عَلَى مَعَ الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وُلِدَ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سَنَةً وَاِسْحٰقَ ۭ

وُلِدَ لَهٗ مِائَةٌ وَثِنْتَا عَشْرَةَ سَنَةً اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَاجْعَلْ وَمِنْ
ذُرِّیَّتِیْ مَنْ یُّقِیْمُهَا وَاَتٰی بِمِنْ لِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَهٗ اَنَّ مِنْهُمْ کُفَّارًا رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ اَلْمَذْکُوْرَ
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ هٰذَا قَبْلَ اَنْ یَّتَبَیَّنَ لَهٗ عَدَاوَتُهُمَا لِلّٰهِ وَقِیْلَ اَسْلَمَتْ اُمُّهٗ وَقُرِئَ وَالِدِیْ مُفْرَدًا
ع ۶/۷ ۱۸ وَوَلَدِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ یَثْبُتُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب کہ ابراہیم نے دعا مانگی اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دیجئے (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی اور اس جگہ کو حرم بنا دیا جس میں نہ کسی انسان کا خون گرانا جائز ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنا روا ہے نہ ہی وہاں شکار کھیلنے کی اجازت ہے اور نہ گھاس اکھاڑنا درست ہے) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا (دور رکھ) پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا (اپنی پوجا پاٹ میں لگا کر (سو جس نے میری پیروی کی (توحید میں) وہ تو میرا (ہم مذہب) ہے ہی اور جس نے میرا کہنا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے (یہ دعا اس وقت فرمائی جب انہیں معلوم نہیں تھا کہ شرک معاف نہیں کیا جائے گا) اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو (یعنی بعض اولاد کو یعنی حضرت اسماعیل کو مع ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی نہیں (مکہ مراد ہے) تیرے محترم گھر کے پاس (جو طوفان نوح سے پہلے سے موجود ہے) بسایا ہے اے ہمارے رب تاکہ نماز قائم رکھیں سو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل (راغب) کردے (حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم "افئدة الناس" فرما دیتے تو سب لوگوں کے دل حرم کی طرف جھک پڑتے خواہ وہ فارسی ہوں یا رومی یا کوئی بھی) اور روزی دے ان کو پھلوں سے تاکہ وہ آپ کے شکرگذار ہوں (دعاء ابراہیمی قبول ہوئی اور صورت یہ ہوئی کہ طائف کی پیداوار مکہ کی طرف منتقل ہونے لگی) اے ہمارے پروردگار تو جانتا ہے ان سب باتوں کو جن کو ہم مخفی رکھتے ہیں چھپاتے ہیں) اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کوئی چیز (من زائدہ ہے) پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (یہ کلام الٰہی ہے یا ابراہیم کا مقولہ دونوں احتمال ہیں) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے عنایت کیے (عطا فرمائے) مجھے بڑھاپے کے باوجود (علی مع کے معنی میں ہے) اسماعیل (حضرت ابراہیم اس وقت ننانوے سال کے تھے) اور اسحاق (ان کی پیدائش اس وقت ہوئی جب ابراہیم کی عمر ایک سو بارہ سال تھی) بیشک میرا رب دعا کو سننے والا ہے اے میرے رب! مجھے نماز کی پابندی کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی (ایسے ہوں جو اس کو قائم رکھیں (حضرت ابراہیم نے ''من'' اس لئے استعمال فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا تھا کہ ان کی اولاد میں سے بعض کافر بھی ہوں گے) اے میرے رب! اور قبول کر میری دعا (جو کی ہے) اے میرے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے (یہ دعا اس وقت مانگی تھی جب کہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے والدین اللہ کے دشمن ہیں ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی والدہ مشرف با یمان ہو چکی تھی ایک قراءت کے مطابق ''والدی'' اور ''ولدی'' مفرد ہے) اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم (ثابت) ہو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: ذَا اَمنٍ: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ امنا یہ تامر کی طرح اسم نسبت ہے۔ اسم فاعل نہیں۔
قوله: عن اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ: ان مصدریہ ہے عبادت کے معنی میں مفسرہ نہیں۔
قوله: اَضْلَلْنَ: اس میں اصنام کی طرف اضلال کی نسبت سببیت کی وجہ سے ہے کیونکہ لوگ انہی کے سبب گمراہ ہوئے گویا انہوں نے گمراہ کیا۔
قوله: مِنْ اَهْلِ دِيْنِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ حضرت نے اپنے کو ان میں سے بعض شمار کیا وہ فرط اختصاص کی وجہ سے ہے۔
قوله: بَعْضِهَا: اس سے اشارہ کیا من تبعیضیہ ہے بیان کے لئے نہیں۔
قوله: الَّذِيْ كَانَ قَبْلَ: اس سے اشارہ کیا کہ بناء ابراہیمی سے پہلے زمان نوح علیہ السلام میں بھی وہاں اللہ تعالیٰ کا گھر موجود تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔
قوله: لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اسکنت سے متعلق ہے۔
قوله: اَعْطَانِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ ھب سے یہاں معروف ھبہ مراد نہیں بلکہ عطاء کرنا ہے کیونکہ ہبہ اولاد میں ممکن نہیں وہ اموال میں ہوتا ہے۔
قوله: وَاجْعَلْ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ ومن ذریتی کا عطف اجعلنی کے منصوب پر ہے۔ قریب پر نہیں۔
قوله: يَقُوْمُ: یہاں یثبت کے معنی میں ہے حساب ثابت ہوا کرتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ ....

دعاء ابراہیمی کا ذکر:

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید ونعم الہیہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں دعاء ابراہیمی کا ذکر کرتے ہیں چونکہ اہل مکہ کو یہ زعم تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے طریقہ پر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا نقل فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ بڑے موحد تھے اور شرک سے متنفر تھے۔ اور اپنی اولاد کے لیے یہی دعا کرتے تھے کہ اے اللہ ان سب کو شرک اور بتوں سے دور رکھنا لہٰذا ان کی نسل کو چاہئے کہ ان کے طریقہ پر چلے اور انہیں کی دعاؤں سے یہ ریگستانی خطہ ایک پرامن اور آباد شہر بنا لہٰذا تم کو چاہئے کہ ان احسانات کو دیکھ کر خدا کے شکر گزار بنو خانہ کعبہ کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ایک خدا کی عبادت کریں یہ گھر ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی عبادت کے لیے بنایا تھا اسی وجہ سے اس گھر کو بیت اللہ کہا جاتا

ہے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام توحید اسلام کی دعوت دیتے تھے اور عبادت اصنام سے منع کرتے تھے اس لیے ان کا قصہ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی تشریح ہے اس لیے کہ توحید بمنزلہ شجرہ طیبہ کے ہے اور شرک بمنزلہ شجرہ خبیثہ کے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار اس شہر کو مقام امن اور مقام محفوظ بنا دیجئے کہ جو اس میں داخل ہو وہ آفات ظاہری و باطنی سے مامون و محفوظ ہو جائے یعنی اس کو حرم محترم بنا دیجئے اور مجھ کو اور میری صلبی اولاد کو اور اس اولاد کو جو میری زندگی میں پیدا ہو سب کو بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ بت ظاہری ہوں یا باطنی کیوں کہ نفس باطنی بت ہے کما قال افرء یت من اتخذ الٰہہ ھواہ مطلب یہ تھا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری اولاد کو شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھنا کیوں کہ ہوائے نفس کا اتباع یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی کہ ان کے صلبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا کیوں کہ اس دعا میں و بنی سے عام اولاد مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلبی فرزند ہیں اور وہ اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری صلبی اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھے گا مگر یہ دعا اس لیے فرمائی کہ ہماری معصومیت اور محفوظیت ہمارا طبعی اور ذاتی امر نہیں بلکہ اللہ کی عصمت اور اس کی حفاظت اور اس کی تائید و توفیق پر ہے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ مجھ کو توحید خالص پر قائم اور ثابت قدم رکھ اور براہ لطف و کرم شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھ چنانچہ ان کے صلبی بیٹے یا جو بیٹے اس دعا کے وقت موجود تھے وہ سب شرک سے محفوظ رہے۔

(تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۰۵ جلد ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۲۱۰ جلد ۱۳ کو دیکھیں)

لہٰذا قریش مکہ کا غیر اللہ کو پوجنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے منافی نہیں کیونکہ وہ ان کی صلبی اولاد نہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قریش کے حق میں قبول نہیں ہوئی تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کی منقصت لازم نہیں آتی یہ ضروری نہیں کہ نبی کی دعا بتمام و کمال قبول ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے صلبی بیٹوں کے حق میں یا اس اولاد کے حق میں جو اس وقت موجود تھی قبول ہوئی ساری نسل کے حق میں قبول نہیں ہوئی نیز قرآن کریم میں صرف ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دعا ان بیٹوں کے ساتھ مخصوص تھی جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خاص محبت تھی قیامت تک آنے والی نسل کے لیے نہ تھی۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعا بھی قبول ہوئی کہ مکہ ایک مامون اور محفوظ شہر بن گیا اور جبابرہ کے تسلط اور ظالموں کی غارت گری سے محفوظ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے بیٹوں کیلئے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دور رکھ اس لیے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میری اولاد شیطانی کرشموں کو دیکھ کر کہیں گمراہ نہ ہو جائے اے میرے پروردگار تحقیق ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں بغیر آپ کی عصمت اور حفاظت کے ان کے فتنہ سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے آپ سے یہ دعا مانگ رہا ہوں پس جس نے میری پیروی کی اور میرے پیچھے چلا یعنی مسلمان اور موحد ہوا تو وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ وابستہ ہے اور نجات اور رفع درجات میں میرے ساتھ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے دین کا تابع نہ ہوا اور میری ملت میں داخل نہ ہوا تو اے رب بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے یعنی تو مغفرت اور رحمت پر قادر ہے کہ ان نافرمانوں کو توبہ کی توفیق دے دے اور کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا اختیار ہے وہ اگر چاہے تو کافروں کو بھی بخش دے لیکن اس نے خبر دے دی ہے کہ مشرک اور کافر اور منافق کو نہیں بخشے گا اس کی قدرت اور اختیار ویسا ہی ہے۔ اے پروردگار تحقیق میں نے بسایا ہے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں جو ریگستان ہے اور ناقابل زراعت نہیں ان کو تیرے محترم گھر کے قریب لا کر بسایا ہے اور زراعت وغیرہ کے لیے نہیں بسایا بلکہ اے ہمارے پروردگار تحقیق میں نے ان کو اس لیے بسایا ہے تاکہ نماز کو قائم رکھیں اور تیری عبادت کریں اور تیری طرف متوجہ رہیں اور تیرے گھر سے برکت حاصل کریں۔ جب میری اولاد تیرے محترم گھر کے پاس آباد ہوگی تو بحق جوار (پڑوس) ان پر تیری خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں گی پڑوسی کا بھی حق ہوتا ہے اور چونکہ یہ وادی غیر ذی زرع بے آب و گیاہ ہے جس میں ظاہری طور پر زندگی کا کوئی سامان نہیں اس لیے کچھ انسانوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے کہ جن سے یہ انس حاصل کر سکیں اور کچھ انسانوں سے مسلمان مراد ہیں۔ اور ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ اے اللہ ان کو قسم قسم کے پھلوں سے رزق تیری اطاعت اور عبادت میں ان کو مدد دے اور تاکہ یہ تیری نعمتوں کا شکر کریں اور مزید نعمت کے مستحق بنیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار! تحقیق آپ ہماری تمام حاجتوں کو خوب جانتے ہیں جو ہم دل میں پوشیدہ رکھیں اور جو ہم زبان سے ظاہر کریں میری یہ عرض و معروض بحق عبودیت وافتقار و حاجت ہے آپ کی اطلاع کے لیے نہیں آپ کو ہمارا سارا ظاہر و باطن معلوم ہے آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اپنی اولاد کو بسانے میں میری کیا نیت ہے اور میری یہ والہانہ عرض و معروض کس لیے ہے آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور بے شک اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور التجا بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں پھر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا شکر ہے اس اللہ کا جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق جیسے دو بیٹے عطا کیے جو ہر ایک ملت اسلام کا اور توحید کا شجرہ طیبہ ہے بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے یعنی وہ بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے اس لیے اور دعا میں اضافہ کیا اور کہا اے میرے پروردگار مجھ کو نماز کا قائم رکھنے والا کر دے کہ ٹھیک ٹھیک تیرے آداب عبودیت کو بجا لاؤں اور میری بعض اولاد کو بھی کل اولاد کو اس لیے نہ کہا کہ ان کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ سب اولاد مسلمان نہ ہوگی یا مسلمان ہوگی مگر نماز کی پابند نہ ہوگی اے ہمارے پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام اہل ایمان کی جس دن حساب قائم ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت اس وقت تھی جب کہ وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور خدا کی مغفرت اور رحمت میں داخل ہو جائیں اور جب ان کا خاتمہ کفر اور گمراہی پر ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام ان سے بری ہو گئے۔

کما قال تعالیٰ: وما کان استغفار ابرھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

قَالَ تَعَالٰی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ۚ الْكَافِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ بِلَا عَذَابٍ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ لِهَوْلِ مَاتَرٰی يُقَالُ شَخَصَ بَصَرَ فُلَانٍ اَیْ فَتَحَهٗ فَلَمْ

يَغُضُّهُ مُهْطِعِينَ مُسْرِعِينَ حَالٌ مُقْنِعِي رَافِعِي رُءُوسِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ بَصَرُهُمْ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ قُلُوْبُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ خَالِيَةٌ مِنَ الْعَقْلِ لِفَزْعِهِمْ وَ اَنْذِرِ خَوِّفْ يَامُحَمَّدُ النَّاسَ الْكُفَّار يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ هُوَ يَوْمُ الْقِيمَةِ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ بِاَنْ تَرُدَّنَا اِلَى الدُّنْيَا اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ بِالتَّوْحِيْدِ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ فَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ حَلَفْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مَا لَكُمْ مِّنْ زَائِدَةٌ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ عَنْهَا اِلَى الْاٰخِرَةِ وَّ سَكَنْتُمْ فِيْهَا فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ مِنَ الْاُمَمِ السَّابِقَةِ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ مِنَ الْعُقُوْبَةِ فَلَمْ تَنْزَجِرُوْا وَ ضَرَبْنَا بَيَّنَّا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ فِي الْقُرْاٰنِ فَلَمْ تَعْتَبِرُوْا وَ قَدْ مَكَرُوْا بِالنَّبِيِّ ﷺ مَكْرَهُمْ حَيْثُ اَرَادُوْا قَتْلَهُ اَوْ تَقْيِيْدَهُ اَوْ اِخْرَاجَهُ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۗ اَيْ عِلْمُهُ اَوْ جَزَاؤُهُ وَ اِنْ مَا كَانَ مَكْرُهُمْ وَاِنْ عَظُمَ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ اَلْمَعْنٰى لَا يُعْبَأُ بِهٖ وَلَا يَضُرُّ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَالْمُرَادُ بِالْجِبَالِ هُنَا قِيْلَ حَقِيْقَتُهَا وَقِيْلَ شَرَائِعُ الْاِسْلَامِ الْمُشَبَّهَةُ بِهَا فِي الْقَرَارِ وَالثَّبَاتِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ لَام لِتَزُوْلَ وَرَفْعِ الْفِعْلِ فَاِنْ مُخَفَّفَةٌ وَالْمُرَادُ تَعْظِيْمُ مَكْرِهِمْ وَ قِيْلَ الْمُرَادُ بِالْمَكْرِ كُفْرُهُمْ وَيُنَاسِبُهُ عَلَى الثَّانِيَةِ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا وَ عَلَى الْاُوْلٰى مَا قُرِئَ وَمَا كَانَ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۗ بِالنَّصْرِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَالِبٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ مِمَّنْ عَصَاهُ اُذْكُرْ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ هُوَ يَوْمُ الْقِيمَةِ فَيُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى اَرْضٍ بَيْضَاءَ نَقِيَّةٍ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَرَوٰى مُسْلِمٌ حَدِيْثًا سُئِلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ قَالَ عَلَى الصِّرَاطِ وَ بَرَزُوْا خَرَجُوْا مِنَ الْقُبُوْرِ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَ تَرَى يَامُحَمَّدُ تُبْصِرُ الْمُجْرِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ مَشْدُوْدِيْنَ مَعَ شَيَاطِيْنِهِمْ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ اَلْقُيُوْدِ اَوِ الْاَغْلَالِ سَرَابِيْلُهُمْ قُمُصُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ لِاَنَّهُ اَبْلَغُ لِاشْتِعَالِ النَّارِ وَّ تَغْشٰى تَعْلُوْا وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِبَرَزُوْا اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۗ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ يحاسب جميع الخلق في قدر نصف نهار من ايام الدنيا لحديث
بذلك هٰذَا القرانُ بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ اي انزل لتبليغهم وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا بما فيه من الحجج اَنَّمَا
ع ۱۱ ۱۹ هُوَ اي الله اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ بادغام التاء في الاصل في الذال يتعظ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع اصحاب
العقول

ترجمہ: (حق تعالیٰ نے فرمایا) اور ہرگز یہ خیال مت کر کہ اللہ ان کاموں سے بے خبر ہے جو ظالم (کفار مکہ) کرتے ہیں ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے (سزا نہ دے کر) اس دن کے لیے جب آنکھیں پتھرا جائیں گی (ہولناک منظر کو دیکھ کر کہا جاتا ہے "شخص بصر فلان" یعنی فلاں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں) دوڑتے ہوں گے (جلدی جلدی یہ لفظ حال واقع ہے) اپنے سر اوپر اٹھائے ہوئے (بلند کئے ہوئے آسمان کی طرف) پھر کر نہیں آئیں گے ان کیطرف ان کی نگاہیں (آنکھیں) اور ان کے دل (قلوب) اڑ گئے ہوں گے (خوف کے مارے حواس باختہ ہوں گے) اور ڈرایئے (خوف دلایئے اے محمدؐ) لوگوں (کافروں) کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب (قیامت کا دن مراد ہے) تب کہیں گے ظالم (کفر کرنے والے) اے ہمارے پروردگار! مہلت دے ہم کو (ہمیں دنیا میں واپس کر کے) تھوڑی مدت تک کہ ہم تیرے بلاوے (دعوت توحید) کو قبول کر لیں اور پیروی کر لیں رسول کی (ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ان سے کہا جائے گا) کیا تم قسم نہ کھاتے تھے (حلف اٹھاتے تھے) اس سے پہلے (دنیا میں) کہ تم کو لوٹنا نہیں ہے (من زائدہ ہے دنیا سے آخرت کی جانب) اور آباد تھے تم (دنیا میں) انہیں لوگوں کی بستیوں میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (کفر کر کے پہلی قوموں میں سے) اور کھل چکا تھا تم پر کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا (عذاب دے کر لیکن تم بھی باز نہیں آئے) اور بتلا ہم نے (بیان کئے ہم نے) تمہارے لئے سارے قصے (قرآن کریم میں مگر تم نے عبرت حاصل نہیں کی اور یہ بنا چکے ہیں اپنے داؤ (یعنی ان کی تدبیروں کا اس کو علم ہے یا ان تدبیروں کی سزا اس کے پاس موجود ہے) اور نہ ہوگا (ان ما نافیہ کے معنی میں ہے) ان کا داؤ (اتنی بڑی تدبیر) کہ اس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں (یعنی تدبیریں لغو ہیں وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہونچاتے ہیں یہاں پہاڑوں سے مراد یا تو حقیقی معنی ہیں بعض حضرات کی رائے یہی ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ پہاڑوں سے مراد ارکان شریعت ہیں جن کو اپنی پختگی اور استحکام میں پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ایک قراءت میں لتزول کا لام مفتوح اور فعل مرفوع ہے اس صورت میں ان مخففہ ہوگا اور مراد تدبیروں کا بڑا ہونا ہوگا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مکر سے مراد کفر ہے اور دوسری قراءت کے مناسب یہ آیت کریمہ بھی ہے: تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هذا اور قراءت اولیٰ کے مناسب اس آیت کریمہ کی ایک آیت لفظ وما كان کے ساتھ ہے) سو خیال مت کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ نصرت جو اپنے رسولوں سے کر چکا ہے بیشک اللہ زبردست ہے اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی ہے اپنی نافرمانی کرنے والے سے بدلہ لینے والا (نافرمانوں سے یاد کیجئے) جس دن بدلی جائے گی اس زمین میں دوسری زمین اور آسمان بھی بدلے جائیں گے) قیامت کے دن ایک سفید زمین پر لوگوں کا حشر ہوگا جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت ہے اور مسلم کی روایت ہے

کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ اس دن کہاں ہوں گے آپؐ نے فرمایا پل صراط پر) اور نکل کھڑے ہوں گے (قبروں سے) خدائے واحد اور زبردست کے حضور اور (اے محمدؐ) تم دیکھو گے اس دن مجرموں (کافروں) کو اس حال میں کہ جکڑے ہوئے (بندھے ہوئے ہوں گے اپنے شیطانوں کے ساتھ) بیڑیوں (ہتھکڑیوں یا طوقوں) میں ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے (کیوں کہ گندھک آگ کو زیادہ بھڑکاتی ہے) اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانکے ہوئے ہوگی (آگ کے شعلے چہروں سے بلند ہو رہے ہوں گے (پوری مخلوق کا حساب وکتاب دنیاوی ایام کے حساب سے آدھے دن میں نمٹا دے گا جیسا کہ حدیث میں ہے) یہ (قرآن کریم) پیغام ہے لوگوں کے لیے یعنی لوگوں تک ہدایت پہونچانے کے لئے ہے) اور تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرایا جائے اور تا کہ جان لیں (ان دلائل کے ذریعہ جو اس میں موجود ہیں) کہ وہ (اللہ) ہی معبود واحد ہے اور تا کہ نصیحت پکڑیں (اصل میں یہاں تاء کا ادغام ذال میں ہو رہا ہے یعنی یتعظ عقل والے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِلَا عَذَابٍ: کہہ کر اشارہ کیا کہ تاخیر کا معنی یہاں بلا عذاب چھوڑنا ہے۔

قوله: لِهَوْلِ مَاتَرٰی: اس سے اشارہ کیا کہ تشخص یہاں تقرر کے معنی میں ہے، اسکا سبب طاری ہونے والا خوف ہے۔

قوله: مُسْرِعِيْنَ: یہ حال ہے صفت نہیں هطع - تیزی سے چلنا۔

قوله: لَایَرْتَدُّ: یہاں عدم ارتداد سے نگاہوں کا پتھرانا ہی مراد ہے۔

قوله: خَالِيَةٌ مِنَ الْعَقْلِ: اس سے اشارہ کیا کہ هواء کا معنی خلاء ہے اور یہاں مجازی معنی عقل سے خالی ہونا لیا گیا ہے۔

قوله: فَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا: اس سے اشارہ کیا کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ اور لام کا آنا یہ نافیہ اور مخففہ میں فرق ظاہر کرنے والا ہے۔

قوله: بَيْضَاءَ نَقِيَّةٍ: اس سے مراد خالص ہے۔

قوله: قَطِرَانٍ: گندھک

قوله: مَتَعَلِّقٌ بِبَرَزُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تخشی سے متعلق نہیں اور اس پر کل نفس دلالت کرتا ہے۔

قوله: اُنْزِلَ لِتَبْلِيْغِهِمْ: یہاں بلاغ بمعنی تبلیغ ہے اس کی خبر محذوف ہے اور وہ انزل ہے اور اس کی علت اس کے قائم مقام لائے ہیں۔

قوله: لِيُنْذَرُوْا: یہ محذوف پر معطوف ہے یعنی تا کہ وہ نصیحت پائیں اور لوگوں کو ڈرائیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ....

قیامت کے دن کا ایک منظر، عذاب آنے پر ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دیدی جائے:

قرآن مجید نازل ہوتا تھا رسول اللہ (ﷺ) سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے لیکن مشرکین مکہ عناد و تکذیب سے باز نہ آتے تھے اور اپنے احوال اور اموال میں مست تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر عذاب نہ آنے کی وجہ سے یوں کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ ان کی اس جاہلانہ بات سے دوسرے لوگوں کے متاثر ہونے کا بھی احتمال تھی اللہ جل شانہٗ نے فرمادیا کہ آپ یہ خیال نہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے اسے سب خبر ہے ان کے حال اور انکار و تکذیب کا علم ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تکذیب کرنے والوں پر وہ دنیا ہی میں عذاب بھیج دے نیز عذاب آنے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کفر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دے رہا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی اور نظر بھی الٹ کر واپس نہ آئے گی ایسی ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھتے ہونگے، کہ پلک بھی نہ جھپک سکے گی تیزی سے دوڑ رہے ہونگے سر اوپر کو اٹھائے ہونگے اور ان کے دل بالکل ہوا ہونگے یعنی دہشت سے حواس باختہ ہو چکے ہونگے مواخذے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ بس یہ دنیا ہے نہ قیامت ہے نہ حساب ہے، نہ عذاب ہے، ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ: (وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ) کا خطاب ہر اس شخص کی طرف ہے جس کے خیال میں یہ آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے، پھر فرماتے ہیں کہ یہ خطاب نبی اکرم (ﷺ) کو بھی ہوسکتا ہے آپ سے ایسے گمان کا صادر ہونا تو محال ہے لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کے بارے میں جو آپ یقین رکھتے ہیں اسی پر دائم و قائم رہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بظاہر خطاب آپ کو ہے لیکن اس سے مقصود دوسروں کو متنبہ کرنا ہے اور اس میں تنبیہ ہے اور تنبیہ شدید و اکید ہے کہ جس ذات سے ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا جب اسے ایسے خیال کی ممانعت کردی گئی تو جو شخص ایسا گمان کرسکتا ہے ہو اسے تو ایسے گمان سے بہت زیادہ دور رہنا چاہیے۔ قیامت کا ہولناک منظر بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ کہ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپہنچے گا۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو کہیں گے کہ اے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دیدیجیے آپ نے ہمیں جن کاموں کی دعوت دی تھی یعنی آپ کی طرف سے ہمیں جن کاموں کے کرنے کا بلاوا پہنچا تھا ہم ان پر عمل کریں گے اور آپ کا حکم مانیں گے اور رسولوں کا اتباع کریں گے، ان لوگوں کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم دنیا میں بستے رہے دنیا کو آباد کیا تمہیں جب حق کی دعوت دی جاتی تھی اور قیامت کے دن کے آنے کی خبر دی جاتی تھی اور اس پر ایمان لانے کو کہا جاتا تھا اور تم ساری سنی ان سنی کر دیتے تھے تم تو یوں قسم کھاتے تھے کہ ہمیں دنیا ہی میں رہنا ہے یہاں سے ٹلنا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے خوب سمجھایا (ﷺ) ان کا سمجھانا

ایمان لانے کو فرمانا سمجھدار انسان کے لیے کافی تھا لیکن مزید تنبیہ و تذکیر کے لیے یہ بات بھی کم نہ تھی کہ تم لوگ جن بستیوں میں سکونت پذیر تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے، تمہیں معلوم تھا کہ یہ ان لوگوں کی بستیاں ہیں اور ان لوگوں کے گھر ہیں، جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جو لوگ ان بستیوں میں رہتے تھے اور ان گھروں میں بستے تھے کفر و انکار کی وجہ سے ان پر عذاب آیا، اور مزید یہ کہ ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کیں اور پہلے لوگوں کی بربادی کے واقعات سنائے (جنہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے بیان فرمایا) اور تم بھی نسلاً بعد نسل سنتے چلے آرہے تھے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم نے حق کو ٹھکرایا قیامت پر ایمان نہ لائے اب کہتے ہو کہ مہلت دی جائے اب مہلت کا کوئی موقعہ نہیں۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۞

جس روز دوسری زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ ۔ يَوْمَ يَأْتِيهِم سے بدل ہے یا انتقام کا مفعول فیہ ہے یا اُذْكُرُوا محذوف کا مفعول بہ ہے اور السَّمٰوٰتُ کا عطف الْاَرْض پر ہے۔

تبدیلی دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) تبدیل ذاتی یعنی ایک شیٔ کی بجائے دوسری چیز لے آئی جائے جیسے میں نے درہم کو دینار سے بدل لیا یا بدل دیا درہم دے کر دینار لے لیا۔ اللہ نے فرمایا ہے: بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا ہم ان کو ان کی کھالوں کی جگہ دوسری کھالیں دے دیں گے۔ (۲) تبدیل وصفی (یعنی نفس شیٔ تو باقی رکھی جائے اس کی حالت شکل وغیرہ بدل دی جائے) جیسے بَدَّلْتُ الْحَلْقَةَ بِالْخَاتِمِ میں نے چھلا بدل کر انگوٹھی بنا دی یعنی چھلے کو پگھلا کر انگوٹھی کی شکل دے دی چھلے کی شکل کو انگوٹھی کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

عبدالرزاق عبد بن حمید ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود کا قول اس آیت کی تشریح کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: یہ زمین بدل کر ایسی زمین کر دی جائے گی جو چاندی کی طرح ہوگی جہاں نہ کبھی حرام خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی اور گناہ کیا گیا ہوگا۔ بیہقی نے یہ حدیث مرفوعاً بھی بیان کی ہے یعنی حضرت ابن مسعود کا قول نہیں ہے بلکہ رسول اللہ (ﷺ) کا قول ہے اور حضرت ابن مسعود راوی ہیں اور موقوفاً بھی یعنی حضرت ابن مسعود کا قول بھی قرار دیا ہے اور موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔ میں کہتا ہوں: اس جگہ موقوف حدیث بھی مرفوع کی طرح ہے (واقعات قیامت کا بیان اجتہاد فکر و رائے سے کوئی صحابی نہیں کر سکتا کہ جس میں غلطی کا امکان ہو سکے۔ مبدء و معاد ملائکہ نبوت جنت و دوزخ اور مستقبل کے سلسلے میں جو اقوال کسی صحابی کی طرف منسوب ہیں وہ یقیناً صحابی کے از خود نہیں ضرور رسول اللہ (ﷺ) سے سنے ہوئے ہیں احتیاطاً یا کسی اور وجہ سے رسول اللہ (ﷺ) کی طرف ان کی نسبت نہیں کی گئی۔ پس تبدیل ارض و سماء کے سلسلے میں بھی جو حضرت ابن مسعود کا قول ہے وہ یقیناً رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان ہے۔)

ایک دوسری سند سے ابن جریر و حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: یہ زمین بدل کر سفید زمین ہو جائے گی جیسے خالص چاندی۔ احمد ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوایوب کی روایت سے اور (صرف) ابن جریر نے حضرت انس کی روایت سے (موقوفاً) بیان کیا: قیامت کے دن اللہ اس زمین کو چاندی کی ایسی زمین سے بدل دے گا جس پر گناہ نہیں کیا گیا ہوگا۔ ابن جریر نے ابوحمزہ کے سلسلے سے حضرت زید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اس آیت کے ذیل

میں فرمایا: یہ زمین چاندی کی طرح سفید ہو جائے گی۔ ابن ابی الدنیا نے صفت الجنۃ میں حضرت علی کی روایت سے اس آیت کی تشریح کے ذیل میں بیان کیا کہ (حضرت علی نے فرمایا) زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ زمین ایسی ہوگی جیسے چاندی اور آسمان بھی ایسا ہی ہوگا۔ عبد بن حمید نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے' عکرمہ نے کہا: ہم کو یہ (روایت) پہنچی ہے کہ یہ زمین لپیٹ دی جائے گی اور اس کے برابر ایک اور زمین ہوگی۔ اس زمین سے اس زمین کی طرف لوگوں کو لے جا کر جمع کیا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت سہل بن سعد کی روایت آئی ہے' حضرت سہل نے فرمایا کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ (ﷺ) فرما رہے تھے: قیامت کے دن لوگوں کو ایک سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جس کا رنگ خاکستری (سفید مائل بہ مٹیالا) ہوگا اور چھنے ہوئے آٹے کی ٹکیہ کی طرح (ہموار و ہم رنگ) ہوگی جس کسی کی کوئی (عمارت' منارہ' گنبد وغیرہ غرض کوئی) نشانی نہ ہوگی۔ بیہقی نے بسند سدی صغیر بحوالہ کلبی از ابو صالح اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس میں کمی بیشی کر دی جائے گی۔ ٹیلے' پہاڑ' وادیاں' درخت اور جو کچھ اس زمین میں ہے' ختم کر دیا جائے گا اور عکاظ کے چمڑے کی طرح اس کو کھینچ کر پھیلایا جائے گا۔ وہ چاندی کی طرح ایک سفید زمین ہوگی جس پر کوئی خون نہیں بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا اور آسمانوں کے سورج' چاند' ستارے ختم کر دیئے جائیں گے۔

حاکم نے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو چمڑے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور سب مخلوق کو (اس پر) جمع کیا جائے گا۔

حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن چمڑے کے کھینچنے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا' پھر کسی آدمی کیلئے قدموں کے رکھنے سے زیادہ جگہ نہ ہوگی' پھر سب سے پہلے مجھے پکارا جائے گا اور میں سجدہ میں گر پڑوں گا' پھر مجھے اجازت ملے گی تو اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا اور عرض کروں گا: اے میرے رب! یہ جبرئیل ہیں (حضرت جبرئیل اس وقت رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور حضرت جبرئیل نے اس سے پہلے رحمٰن کو کبھی نہ دیکھا ہوگا) انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے ان کو میرے پاس بھیجا تھا۔ حضرت جبرئیل خاموش ہوں گے' کوئی بات نہیں کریں گے۔ اللہ فرمائے گا: اس نے سچ کہا تھا۔ پھر اللہ مجھے شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! تیرے بندے زمین کے تمام اطراف میں ہیں۔ یہی مقام محمود ہوگا (اللہ کی حمد کرنے کا مقام جس پر قیامت کے دن رسول اللہ (ﷺ) کو فائز کیا جائے گا)۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہوگی جو اللہ اپنے ہاتھ سے اہل جنت کی مہمانی کیلئے تیار کرے گا' جیسے تم لوگ سفر کیلئے اپنی روٹی تیار کرتے ہو (اس حدیث میں ((نُزُلًا لِاَهْلِ الْجَنَّةِ)) کا لفظ آیا ہے' ہم نے نُزُل کا ترجمہ مہمانی کیا ہے خواہ مہمان کیلئے تیار کیا ہوا کھانا یا کوئی اور چیز جو کھانے کیلئے کھانے سے پہلے پیش کی جائے) دراوردی نے کہا: نُزُل اس چیز کو کہتے ہیں جو طعام مہمانی سے پہلے مہمان کو پیش کی جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہل جنت کو جنت میں پہنچنے تک مختلف مواقف و مقامات پر بطور نُزُل زمین کی روٹی پیش کی جائے گی اور آخر وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

اسی طرح ابن مرجان نے الارشاد میں بیان کیا ہے کہ زمین بدل کر ایک روٹی کر دی جائے گی (جس کو) مؤمن اپنے قدموں کے درمیان سے (اٹھا کر) کھائے گا اور حوض (غالباً کوثر یا تسنیم) کا پانی پئے گا۔ ابن حجر نے لکھا ہے: اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ میدان حشر کے سارے مواقف کی پوری مدت میں مؤمنوں کو بھوک کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اللہ اپنی قدرت سے زمین کی فطرت بدل دے گا کہ اللہ کی مشیّت کے مطابق مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے بغیر کمائی اور تکلیف کے اٹھا کر (روٹی) کھائیں گے' اسی کی تائید کرتا ہے۔ سعید بن جبیر کا وہ قول جو ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ زمین سفید روٹی ہو جائے گی جو مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے (اٹھا کر) کھائے گا' اسی طرح کا محمد بن کعب کا قول بھی مروی ہے۔ بیہقی نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین بدل کر سفید مثل روٹی کے ہو جائے گی جس کو اہل اسلام حساب سے فراغت کے وقت تک کھاتے رہیں گے۔ امام ابوجعفر یعنی امام باقر کا قول بھی اسی روایت میں اسی طرح آیا ہے۔

خطیب نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ بہت زیادہ بھوکے ہوں گے کہ ایسے بھوکے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے' بہت زیادہ پیاسے ہوں گے کہ ایسے پیاسے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے بالکل برہنہ ہوں گے کہ کبھی ایسے ننگے نہ رہے ہوں گے اور ایسے تھکے ہوئے ہوں گے کہ کبھی ایسے نہ تھکے ہوں گے۔ پس جس نے (دنیا میں) اللہ کیلئے کھانا کھلایا ہوگا' اللہ (اس روز) اس کو کھانا کھلائے گا اور جس نے اللہ کیلئے پانی پلایا ہوگا' اللہ اس کو پانی پلائے گا اور جس نے اللہ کے واسطے لباس پہنایا ہوگا' اللہ اس کو لباس پہنائے گا اور جس نے (اللہ کیلئے) کوئی عمل کیا ہوگا' اللہ اس کیلئے کافی ہوگا۔

ابن جریر نے محمد بن کعب کا قول اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں نقل کیا ہے' ابن کعب نے کہا: آسمان باغ ہو جائیں گے اور سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی اور زمین تبدیل کر کے کچھ اور کر دی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود کا ایک قول آیا ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین آگ ہو جائے گی۔ کعب احبار کا قول ہے کہ سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی۔

مسلم نے حضرت ثوبان کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک یہودی عالم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر دریافت کیا: جس روز زمین دوسری زمین میں تبدیل کر دی جائے گی' اس روز لوگ کہاں ہوں گے؟ حضرت (ﷺ) نے فرمایا: پل سے ورے تاریکی میں۔

مسلم نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے' ام المؤمنین نے فرمایا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! بیان فرمائیے کہ جس روز زمین تبدیل کر دی جائے گی تو لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا: صراط پر۔ بیہقی نے کہا: اس حدیث میں صراط کا لفظ بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کو (اس کے بعد) صراط سے گزرنا ہی ہوگا' اسلئے بطور مجاز صراط پر ہونے کی صراحت فرمائی۔ اب حضرت ثوبان کی روایت سے اس روایت کی مطابقت ہو جائے گی۔ حضرت ثوبان کی روایت میں "پل سے ورے تاریکی میں" آیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی ہے کہ تبدیل ارضی یعنی اس زمین سے منتقل ہو کر ارض موقف پر پہنچنا تو زجرہ (جھڑکی یا جھنجھوڑ) کے وقت ہوگا (جو پل صراط پر پہنچنے سے پہلے ہوگا)۔

بیہقی نے حضرت ابی بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ آیت: وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً کی تشریح میں آپ نے فرمایا: دونوں خاک ہو جائیں گے جو کافروں کے چہروں پر پڑے گی' مؤمنوں کے چہروں پر نہیں پڑے گی۔

کافروں کے چہروں پر اس روز خاک ہوگی جن پر سیاہی چڑھی ہوگی۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ کا یہی مطلب ہے'

سیوطی نے لکھا ہے: قدماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ کیا تبدیل ارض سے مراد صرف تبدیل اوصاف (احوال، رنگ، ہیئت وغیرہ) ہے یا تبدیل ذات ہی ہوجائے گی۔ مؤخر الذکر قول کو ابن ابی حمزہ نے ترجیح دی ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ دنیا کی زمین نابود ہوجائے گی اور موقف قیامت کی نئی زمین پیدا کی جائے گی۔

شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ تبدیل ارض کی احادیث اور زمین کو کھینچ کر پھیلانے اور اس میں کمی بیشی کرنے کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں' کیونکہ یہ سارے حوادث ارض دنیا پر واقع ہوں گے اور اس موقف کی زمین اس کے علاوہ ہوگی۔ یہ زمین بدل جائے گی تو ایک جھڑکی سے سب لوگ یہاں سے نکل کر ارض محشر میں پہنچ جائیں گے۔

ابن حجر نے لکھا ہے: اسی طرح ان احادیث میں بھی باہم منافات نہیں جن میں سے کسی میں زمین کا روٹی ہوجانا اور کسی میں خاک ہوجانا اور کسی میں آگ ہوجانا مذکور ہے۔ کچھ زمین روٹی بن جائے گی' کچھ خاک ہوجائے گی اور سمندر کی زمین آگ ہو جائے گی۔ حضرت ابی بن کعب کا اثر اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ مؤمنوں کے قدموں کے نیچے کی زمین روٹی بن جائے گی اور کافروں کے قدموں کے نیچے کی زمین خاک اور آگ ہوجائے گی۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ صاحب افصاح نے ان تمام متضاد احادیث کا تعارض دور کرنے کیلئے کہا ہے کہ زمین و آسمان کی تبدیلی دو مرتبہ ہوگی: پہلی مرتبہ نفخۂ صعق (پہلی مرتبہ صور پھونکنے) سے پہلے ہو گی کہ ستارے جھڑ جائیں گے' چاند اور سورج بے نور ہوجائیں گے' آسمان تانبے کی طرح سرخ ہوجائے گا' اس کا پوست اتار لیا جائے گا' پہاڑ اڑے اڑے پھریں گے' سمندر آگ ہوجائیں گے' زمین میں لرزہ پیدا ہوجائے گا اور وہ پارہ پارہ ہوجائے گی' اس کی ہیئت ہی بدل جائے گی' پھر پہلا صور پھونکا جائے گا تو آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے' آسمان بدل کر دوسرا آسمان ہوجائے گا اور زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور ویسا ہی دوبارہ کر دیا جائے گا جیسے وہ پہلے تھی۔ اس کے اندر قبریں ہوں گی جن کے اندر مردے ہوں گے۔

پھر (دوبارہ صور پھونکے جانے پر) زمین میں دوسری تبدیلی ہوگی' یہ اس وقت ہوگا جب لوگ میدان حشر میں کھڑے ہوں گے' ایسی حالت میں روئے زمین' جس کو ساہرہ کہا جائے گا اور اس پر حساب فہمی ہوگی' بدل دیا جائے گا۔ اس وقت زمین چاندی کی ہوگی' سفید خاکستری رنگ ہوگا جس پر نہ خوں ریزی کی گئی ہوگی نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا۔ اس تبدیلی کے وقت لوگ صراط پر کھڑے ہوں گے اور سب اس میں سما جائیں گے۔ جو بچیں گے' وہ جہنم کے پل پر ٹھہرے ہوں گے۔ دوزخ اس وقت منجمد ہو گی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ زمین آگ ہوجائے گی' اس سے یہی مراد ہے۔ جب لوگ صراط سے گزر جائیں گے اور (مؤمن) انبیاء علیہم السلام کے حوضوں پر پہنچ کر قیام کریں گے اور حیاض انبیاء کا پانی پئیں گے تو زمین روٹی کی ایک ٹکیہ بنا دی جائے گی۔ جو جنت میں جانے والے ہوں گے' وہ سب اس روٹی میں سے کھائیں گے۔ جنت کے بیل کے جگر یا مچھلی کی جگری کا ان کیلئے سالن ہوگا۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سوائے مسجدوں کے سب زمین نابود ہو جائے گی' مساجد کو باہم ملا دیا جائے گا (یعنی تمام مساجد یکجا جمع کر دی جائیں گی)۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو شاید سب مساجد کی زمین جنت کی زمین بنا دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد والنسائی عن عبد اللہ بن زید وفی الصحیحین والترمذی عن ابی ہریرۃ۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اور (قبروں سے نکل کر حساب فہمی اور جزا و سزا کیلئے) ایک غالب اللہ کے سامنے آئیں گے۔ واحد و قہار' دو صفتیں ذکر کرنے سے یہ بات بتائی ہے کہ معاملہ بہت سخت ہوگا۔ ایسے اللہ کی پیشی ہوگی جو سب پر غالب ہے' جس سے مقابلہ ممکن نہیں۔ نہ اس کے سوا کہیں پناہ کی جگہ ہوگی' نہ فریاد۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ

سُوْرَةُ الْحِجْرِ ۱۵ مَكِّيَّةٌ ۵۴	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ۹۹	رُكُوْعَاتُهَا ۶
سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی	شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے	اوراس کی ننانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں	

الٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْقُرْآنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

ترجمہ: الٓرٰ (اس کی مراد اللہ ہی جانتے ہیں) یہ (آیتیں) کتاب (قرآن کریم) کی آیتیں ہیں (اضافت بیانیہ ہے) اور روشن قرآن کی (جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والا ہے یہ معطوف ہے صفت کی زیادتی کے ساتھ)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هٰذِهِ الْاٰيَاتُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں اسم اشارہ کو تانیث کی صورت میں کیوں لائے۔

قوله: وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ: اشارہ فرمایا کہ آیات الکتاب کی اضافت من کے معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

قرآن حکیم کی عظمت شان کا ایک اہم پہلو:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی یعنی یہ اس طرح کے جملے اور فقرے نہیں جو عام لوگوں کے کلام اور ان کی گفتگو میں پائے جاتے ہیں بلکہ ان میں سے ایک ایک ٹکڑا اور حصہ ایک آیت اور نشانی ہے ایسے عظیم الشان معانی اور حقائق کی جو انقلاب آفرین ہیں، اور جن سے انسانی زندگی اور معاشرے کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ سو ان آیات کریمات کو اسی اعتبار سے دیکھا اور پڑھا جائے، سو یہ اس عظیم الشان کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو کہ اللہ کے رسول، ﷺ پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں لوگوں کو، سو یہ کلام حکیم کوئی عام کلام نہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے جس کے حصے کوئی عام کلام

کے حصے نہیں۔ بلکہ یہ معجزانہ شان رکھنے والے ٹکڑے ہیں، ان کو جملے نہیں کہا جاتا جس طرح دوسرے مختلف کلاموں میں پائے جاتے ہیں بلکہ آیات ہیں جو کہ اس کی شان اعجاز کی نشانیاں اور اس کی مظہر ہیں۔ سو ان کو اسی اعتبار سے دیکھا اور پڑھا جائے۔

قرآن حکیم ایک کامل کتاب:

اسی بناء پر اس کو یہاں بھی اور دوسرے کئی مقامات پر بھی الْكِتٰبِ کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا ہے سو یہی وہ کتاب ہے کہ الکتاب کہلانے کے لائق ہے، اور جو بڑی ہی عظیم الشان کتاب ہے، اور ایسی عظیم الشان کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ ہوگی، نہ ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ جو کہ رحمتوں بھری ایسی کامل اور عظیم الشان کتاب ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسری کوئی کتاب کتاب کہلائے جانے کی مستحق ہی نہیں۔ اور جو کہ تمہارے لئے اے بنی نوع انسان ضامن و کفیل ہے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کی، سو اس سے منہ موڑنا پرلے درجے کی حماقت اور سب سے بڑی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس کتاب حکیم کو صدق دل سے اپناؤ اور اس کی تعلیمات مقدسہ اور ہدایات عالیہ کے مطابق اپنی زندگی بناؤ تا کہ تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکو اور ہمیشہ کے اس خسارے اور افسوس سے بچ سکو جو اس کے منکرین کا مقدر بن چکا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس اس کتاب عظیم کو اس کی انہی عظمتوں کے مطابق دیکھا اور پڑھا جائے۔

قرآن حکیم کی عظمت اس کی صفت مبین کے اعتبار سے:

ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والے اس قرآن عظیم کی، یعنی اس قرآن مجید کی جو کھول کر بیان کرتا ہے حق و باطل کو، صحیح اور غلط کو، جائز و ناجائز کو، سعادت و شقاوت اور کامیابی و ناکامی کو۔ اور اس بات کو بھی کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، کسی بشر کے بس ہی میں نہیں کہ وہ ایسا عظیم الشان کلام پیش کر سکے، سو یہ قرآن مبین اپنی مثال آپ ہے۔ اسی لئے اس کی تنوین تعظیم کی ہے۔ جیسا کہ الکتاب کی تعریف اس کی تعظیم کے لیے ہے (محاسن التاویل وغیرہ) مبین کے معنی واضح ہونے والے کے بھی ہیں اور واضح کرنے والے کے بھی۔ اور قرآن حکیم میں یہ دونوں معنی پائے جاتے ہیں اور بدرجہ تمام و کمال پائے جاتے ہیں۔ سو یہ کتاب حکیم اپنے معانی و مطالب کے اعتبار سے نہایت واضح ہے اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں پایا جاتا، نیز یہ کتاب حکیم آفتاب اور دلیل آفتاب کے مصداق اپنی صداقت و حقانیت پر خود گواہ ہے اور ایسی اور اس طور پر کہ اس کے لئے کسی بیرونی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں۔

مُظْهِرٍ لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفُ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ رُبَمَا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ يَوَدُّ يَتَمَنَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِذَا عَايَنُوْا حَالَهُمْ وَحَالَ الْمُسْلِمِيْنَ لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲ وَرُبَّ لِلتَّكْثِيْرِ فَاِنَّهٗ يُكْثِرُ مِنْهُمْ تَمَنِّيْ
ذٰلِكَ وَقِيْلَ لِلتَّقْلِيْلِ فَاِنَّ الْاَهْوَالَ تُدْهِشُهُمْ فَلَا يُفِيْقُوْنَ حَتّٰى يَتَمَنَّوْا ذٰلِكَ اِلَّا فِيْ اَحْيَانٍ قَلِيْلَةٍ ذَرْهُمْ اُتْرُكِ
الْكُفَّارَ يَا مُحَمَّدُ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا بِدُنْيَاهُمْ وَ يُلْهِهِمُ يُشْغِلُهُمُ الْاَمَلُ بِطُوْلِ الْعُمُرِ وَ غَيْرِهٖ عَنِ
الْاِيْمَانِ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ عَاقِبَةَ اَمْرِهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ زَائِدَةٌ قَرْيَةٍ اُرِيْدَ
اَهْلُهَا اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ اَجَلٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَحْدُوْدٌ لِهَلَاكِهَا مَا تَسْبِقُ مِنْ زَائِدَةٌ اُمَّةٍ اَجَلَهَا
وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ يَتَاَخَّرُوْنَ عَنْهُ وَ قَالُوْا اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ
عَلَيْهِ الذِّكْرُ الْقُرْاٰنُ فِيْ زَعْمِهٖ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا هَلَّا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ فِيْ قَوْلِكَ اِنَّكَ نَبِيٌّ وَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ تَعَالٰى مَا نُنَزِّلُ فِيْهِ حَذْفُ
اِحْدَى التَّائَيْنِ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ بِالْعَذَابِ وَ مَا كَانُوْٓا اِذًا اَيْ حِيْنَ نُزُوْلِ الْمَلَائِكَةِ بِالْعَذَابِ
مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ مُؤَخَّرِيْنَ اِنَّا نَحْنُ تَاْكِيْدٌ لِاِسْمِ اِنَّ اَوْ فَصْلٌ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ الْقُرْاٰنَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹
مِنَ التَّبْدِيْلِ وَالتَّحْرِيْفِ وَالزِّيَادَةِ وَالنَّقْصِ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا فِيْ شِيَعِ فِرَقِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَ
مَا كَانَ يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ اِسْتِهْزَاءُ قَوْمِكَ بِكَ وَ هٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ اَيْ مِثْلَ اِدْخَالِنَا التَّكْذِيْبَ فِيْ قُلُوْبِ اُولٰٓئِكَ نُدْخِلُهٗ فِيْ قُلُوْبِ
الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲ اَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ اَيْ سُنَّةُ اللّٰهِ فِيْهِمْ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ اَنْبِيَائَهُمْ وَهٰؤُلَاءِ مِثْلُهُمْ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا
مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ فِي الْبَابِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴ يَصْعَدُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ سُدَّتْ اَبْصَارُنَا بَلْ
ع ۱۵ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵ يُخَيَّلُ اِلَيْنَا ذٰلِكَ

ترجمہ: اکثر (تشدید اور تخفیف کے ساتھ) آرزو (تمنا) کریں گے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا (قیامت کے دن جب وہ اپنی حالت اور اہل ایمان کی حالت کا مشاہدہ کریں گے) کیا اچھا ہوتا جو مسلمان ہوتے (لفظ رب تکثیر کے لئے ہے کیونکہ اس

بات کی یہ کثرت تمنا کریں گے بعض نے کہا کہ رب تقلیل کے لیے ہے کیونکہ ان کی خستہ حالی ان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرے گی جب ذرا افاقہ ہوگا تو اس تھوڑے سے وقت میں وہ یہ تمنا کریں گے) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے (اے محمد! کفار کو ان کے حال پر رہنے دیجئے) کھالیں اور برت لیں (اپنی دنیا کو) اور امید میں لگے رہیں (درازئ عمر کی چھوٹ میں پڑ کر ایمان سے محروم رہیں) سو آئندہ انھیں معلوم ہو جائے گا (اپنا انجام یہ آیت جہاد کے حکم سے پہلے کی ہے) اور ہم نے غارت نہیں کی (مِنْ زائدہ ہے) کوئی بستی (بستی والے مراد ہیں) مگر اس کی میعاد (مدت) لکھی ہوئی تھی مقرر (ان کی ہلاکت کا وقت متعین تھا) نہ سبقت کرتی ہے (مِنْ زائدہ ہے) کوئی جماعت اپنے وقت مقرر سے اور نہ پیچھے رہتی ہے اور (ان کفار نے نبی کریم ﷺ سے) یوں کہا اے وہ شخص جس پر قرآن کے معنی میں ہے) ہمارے پاس فرشتوں کے خیال کے مطابق اس پر قرآن نازل کیا گیا) تحقیق کہ تم مجنون ہو، کیوں نہیں لے آتے (لَوْ مَا هَلَّا کے معنی میں ہے) ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تم سچے ہو (اپنی اس بات میں کہ تم نبی ہو اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم نہیں اتارتے (اس میں ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے) فرشتوں کو مگر فیصلہ کے لئے (عذاب بھیجنے کے لئے) اور اس وقت (جب فرشتے عذاب لے کر اترتے ہیں) ان کو مہلت بھی نہیں دیجاتی (عذاب میں تاخیر نہیں کی جاتی) تحقیق ہم نے آپ (نحن ضمیر یا تو ان کے اسم کی تاکید کے لئے ہے یا فصل کے لئے) اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن حکیم مراد ہے) اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں (اس میں تبدیلی و تحریف اور کمی و زیادتی سے ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں) اور ہم بھیج چکے آپ سے پہلے (پیغمبر) اگلے لوگوں کے گروہوں میں نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ ان کا استہزاء کیا کرتے تھے (جس طرح آپ کی استہزاء کی جاتی ہے اسمیں آنحضور کو تسلی دی گئی ہے) اسی طرح ہم بٹھا دیتے ہیں (جیسے ان کے دلوں میں ہم نے تکذیب بٹھادی) یہ استہزاء مجرمین (کفار) کے دلوں میں ایمان نہیں لائیں گے اس (نبی کریم ﷺ) پر اور یہ دستور پہلوں ہی سے ہوتا آیا ہے (یعنی خدائی دستور یہی چلا آرہا ہے کہ انبیاء کو جھٹلانے کے سبب مکذبین کو عذاب دیا جارہا ہے یہ بھی انھیں لوگوں کی طرح ہیں) اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول دیں اور سارے دن اس (دروازہ) میں چڑھتے رہیں تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر رکھا ہے (جس کی وجہ سے ہمیں ایسا لگتا ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُظْهِرٍ لِلْحَقِّ: اس سے اشارہ کیا کہ مبین یہ مظہر کے معنی میں ہے جو کہ متعدی ہے اور قرآن کو صفت اضافیہ کے ساتھ لائے ہیں۔

قوله: مِنْ زَائِدَةٌ: یعنی کم اَهْلَكْنَا میں من زائدہ ہے۔

قوله: اَجَلٌ: یہاں کتاب معلوم کی تفسیر اجل سے کر کے اشارہ کیا کہ وہ لوح محفوظ میں درج ہے۔ اس لئے اس کو مدت معلوم کہہ سکتے ہیں۔

قوله: يَتَأَخَّرُوْنَ عَنْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں استفعال بمعنی تفعل ہے۔

قوله: مُؤَخِرِیْنَ: یہاں نظر انتظار کے معنی میں ہے۔ رؤیت کے معنی میں نہیں۔
قوله: تَاکِیْدٌ لِاِسْمِ: اس کو مؤکد لائے کیونکہ اس میں ان کے انکار و استہزاء کی تردید ہے۔
قوله: فِرَقٍ: الشیع یہ شیعة کی جمع جو ایک طریقہ پر متفق ہونے والے گروہ کو کہا جاتا ہے۔
قوله: کَانَ: مقدر کو لا کر بتلا دیا کہ ما یہاں ماضی پر داخل ہے۔
قوله: کُفَّارِ مَکَّةَ: ان کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ تشبیہ الشی بنفسہ لازم نہ آئے۔
قوله: یَصْعَدُوْنَ: تاکہ کھلے دن میں اس کے عجائب کو دیکھیں اور ظلوا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔
قوله: سُدَّتْ: یہ سکرت۔ روکنے کے معنی میں ہے نہ کہ عقل کا ماؤف کرنا۔
قوله: یُخَیَّلُ اِلَیْنَا: اس سے اشارہ کیا گیا کہ تن بیتی کو بھی سحر قرار دے کر رد کر دیں گے یہ ضد کی انتہاء ہے۔

تفسیر مقبولین

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے:

یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام جیسی عظیم الشان نعمت الٰہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی محرومی پر ماتم کریں گے اور دست حسرت مل کر کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے! وہ وقت کب آئے گا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی کے پیش آتے رہیں گے ہر موقع پر کفار کو رو رو کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہوگی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو جنگ بدر کا تھا جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید غیبی دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے فقراء مہاجرین اور اوس و خزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، افسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات و ترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہی دستی و حرمان پر پچھتانے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت و افسوس کا مقام وہ ہوگا جب فرشتہ جان نکالنے کے لیے سامنے کھڑا ہے اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آ رہے ہیں۔ اس وقت ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کر لیا ہوتا کہ آج عذاب بعد الموت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یاس انگیز نظارہ وہ ہوگا جو طبرانی کی حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے۔ بعد مشرکین ان پر طعن کریں گے کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا فائدہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو، اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: (رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ) (الحجر:2) گویا یہ آخری موقع ہوگا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○

یعنی عنقریب ہی انہیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔ ''سوف'' یعنی مرنے کے ساتھ ہی ''ذَرْهُمْ'' یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ غم وحزن نہ کیجئے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا، فوری اور وقتی مقصدوں کی الٹ پھیر میں لگے رہنا، مدت عمر کو دور دراز کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا، یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کی ہیں۔ اور جس طرح گزشتہ مشرک اور جاہلی قوموں کے حق میں صادق تھیں آج بھی فرنگستان کی ''مہذب'' وروشن خیال'' قوموں پر کیسی صادق آرہی ہیں! يَتَمَتَّعُوْا، تمتع سے مراد انہیں مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمامتر عاجل وفوری ہے۔ وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ سے صاف اشارہ اسی طرف ہو گیا کہ طول امل میں پڑے رہنا ہرگز مؤمن کے شایان شان نہیں۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ ....

ہر قوم اپنے مقررہ وقت پر اپنے انجام کو پہنچ کر رہی:

پس تاریخ کے اس حوالے سے موجودہ دور کے سرکش کفار کو سبق لینا چاہئے۔ اور کچھ عرصہ اگر عذاب نہیں آتا تو اس سے دھوکے میں پڑنے اور مست ہونے کی بجائے ان کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور اپنی روش بدل لینی چاہیے۔ ورنہ وہ عذاب ان پر اپنے مقررہ وقت پر آکر رہے گا جس کے یہ مستحق ہیں، مگر اس وقت کے پچھتاوے سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لیے ایک ہے۔ پس جس انجام سے کل وہ باغی قومیں دوچار ہوئیں وہ ان کے لئے بھی آکر رہے گا۔ سو ان لوگوں پر جو ان کے کفر وانکار، تمرد وسرکشی اور مطالبہ عذاب کے باوجود عذاب نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر عذاب آئے گا ہی نہیں۔ اور یہ قابل مواخذہ ہی نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عذاب کی یہ تاخیر دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کی بناء پر ہے۔ اور وہ سنت الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم پر عذاب بھیجنے سے پہلے اس کو اتنی مہلت دیتا ہے کہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ اور اتمام حجت کے بعد بھی اگر یہ قوم باز نہیں آتی تو وہ لازماً اپنے آخری انجام سے دوچار ہو کر رہتی ہے۔ اور نوشتہ خداوندی کے مطابق جب ایسی قوم کی مدت مہلت پوری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے ہولناک انجام سے دوچار ہو کر رہتی ہے، سرمو اس میں فرق واقع نہیں ہوتا، نہ اس میں کسی طرح کی تقدیم ہوتی ہے نہ تاخیر، پس منکرین ومکذبین کو تاخیر عذاب سے کسی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے:

یہ چار آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں منکرین رسالت کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اے وہ شخص جس پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا گیا ہے ہمیں تیرے دیوانہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ان کا اصل مقصود دیوانہ بتانا تھا آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی بتانے کی بجائے جو انہوں نے (الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ) (جس پر ذکر نازل کیا گیا) کہا ان کا یہ کہنا بطور تمسخر کے تھا کیونکہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے، دوسری آیت میں منکرین اور معاندین کی کٹ حجتی بیان فرمائی ہے اور تیسری آیت میں ان کی کٹ حجتی کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کٹ حجتی کے طور پر یوں کہا کہ اگر

تم اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہوتو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آؤ، تم فرشتے کیوں نہیں لاتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جواب میں فرمایا کہ ہم فرشتوں کو فیصلے کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب لوگوں کی درخواست پر فرشتے آجائیں گے تو ان کا آنا فیصلہ ہی کے لیے ہوتا ہے فرشتوں کے آنے پر بھی لوگ ایمان نہیں لاتے تو لازمی طور پر عذاب آجاتا ہے اور اس وقت منکرین کو مہلت بھی نہیں دی جاتی، قرآن مجید کے مخاطب جو یوں کہہ رہے ہیں کہ فرشتے نازل ہو کر آپ کی رسالت کی گواہی دے دیں ان کی اس بات کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان کی ہلاکت جلدی ہو جائے کیونکہ انہیں فرشتوں کی آمد پر بھی ماننا نہیں ہے۔

چوتھی آیت میں قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ (بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا، اور بلاشبہ ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں) منکرین رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) جو منکرین قرآن بھی تھے انہوں نے بطور تمسخر انکار کیا اللہ جل شانہ نے ان کی تردید فرمائی: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ اور فرمایا کہ ہم نے قرآن نازل کیا تمہارے نہ ماننے سے حقیقت واقعیہ نہیں بدلے گی، منکرین یہ بھی کہتے تھے کہ اس کو یہ اللہ کی کتاب بتاتے ہیں اگر یہ اللہ کی طرف سے ہی ہے تب بھی چند دن کی بات ہے نہ جانے یہ کتنے دن زندہ رہتے ہیں اور کتنے دن ان کی دعوت کا کام چلتا ہے، اور یہ جو کتاب ان کے دعوے کے مطابق ان پر نازل ہو رہی ہے نہ جانے محفوظ بھی رہے گی یا نہیں، اور اس کے پڑھنے والے اور اس کو یاد رکھنے والے آگے بڑھیں گے یا نہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار انسانوں کو نہیں بنایا جیسا کہ توریت شریف کی حفاظت ان کے علماء اور مشائخ کے ذمے ڈالی گئی تھی سورۃ مائدہ میں جو (بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ) فرمایا ہے اس میں ان کی اسی ذمہ داری کو بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید ہر طرح کی تغییر اور تبدیل اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے اس کی تمام قراءات اور روایات کے جاننے والے پڑھنے پڑھانے والے اور حفظ کرنے والے ہمیشہ سے موجود ہیں اور جب تک اللہ کی مشیت ہوگی ہمیشہ موجود رہیں گے، رسول اللہ ﷺ نے جو قرآن شریف چھوڑا تھا وہ آج تک مسلمانوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی نہ کوئی شخص کر سکتا ہے اگر کوئی غلط پڑھے گا یا غلط چھاپ دے گا تو فوراً پکڑا جائے گا اسی سال کا قاری یا حافظ کسی جگہ اگر غلطی کر دے تو نو سال کا بچہ جس نے قرآن حفظ کر رکھا ہو اسی وقت ٹوک دے گا سینکڑوں سال پہلے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے دیکھ لو جو مسلسل یکے بعد دیگرے لکھے گئے ہیں وہ سب ابتداء سے انتہا تک الفاظ اور حروف اور کلمات اور ترتیب آیات کے اعتبار سے بالکل پوری طرح متفق ہیں کوئی فرق نہیں اور کوئی اختلاف نہیں اس کو دوست اور دشمن مانتے ہیں، بعض جاہل اختلاف قراءات کو بہانہ بنا کر اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کا یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ یہ قراءات بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور یہ قراءات ہمیشہ سے محفوظ ہیں اور موجود ہیں اگر کوئی شخص بعض آیات کے منسوخ ہونے پر اشکال کرے تو اس کا یہ اشکال بے وزن ہے اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نسخ نہیں ہوا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے شیاطین سے بھی محفوظ ہے، ملحدین سے بھی، منکرین سے بھی، محرفین سے بھی، (لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ) (جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ

اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم ومحمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا اِثْنَی عَشَرَ الْحَمَلُ ۱ وَ وَالثَّوْرُ ۲ وَالْجَوْزَاءُ ۳ وَالسَّرَطَانُ
۴ وَالْاَسَدُ ۵ وَالسُّنْبُلَةُ ۶ وَالْمِیْزَانُ ۷ وَالْعَقْرَبُ ۸ وَالْقَوْسُ ۹ وَالْجُدَیُ ۱۰ وَالدَّلْوُ
۱۱ وَالْحُوْتُ ۱۲ وَهِیَ مَنَازِلُ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السَّیَّارَةِ الْمِرِّیْخُ ۱ وَلَهُ الْحَمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَالزُّهَرَةُ
۲ وَلَهَا الثَّوْرُ وَالْمِیْزَانُ وَعُطَارِدٌ ۳ وَلَهُ الْجَوْزَاءُ وَالسُّنْبُلَةُ وَالْقَمَرُ ۴ وَلَهَا السَّرَطَانُ وَالشَّمْسُ
۵ وَلَهَا الْاَسَدُ وَالْمُشْتَرِیُ ۶ وَلَهُ الْقَوْسُ وَالْحُوْتُ وَزُحَلُ وَلَهُ الْجُدَیُ وَالدَّلْوُ وَّ زَیَّنّٰهَا بِالْكَوَاكِبِ
لِلنّٰظِرِیْنَ ۱۶ وَ حَفِظْنٰهَا بِالشُّهُبِ مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۱۷ مرجوم اِلَّا لكن مَنِ اسْتَرَقَ
السَّمْعَ خطفه فَاَتْبَعَهٗ لحقه شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ۱۸ كوكب مضیء یحرقه اویثقبه اویخبله وَ الْاَرْضَ
مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ جبالا ثوابت لئلا تتحرك باهلها وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ
مَّوْزُوْنٍ ۱۹ معلوم مقدر وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ بالیاء من الثمار والحبوب وَ جعلنا لكم مَنْ
لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ۲۰ من العبید والدواب والانعام فانما یرزقهم الله وَ اِنْ مَّا مِّنْ زائدة شَیْءٍ اِلَّا
عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ مفاتیح خزائنه وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۲۱ علی حسب المصالح وَ اَرْسَلْنَا
الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ تلقح السحاب فیمتلئ ماء فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ السحاب مَآءً مطرا فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ
وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ۲۲ ای لیست خزائنه بایدیكم وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۲۳
الباقون نرث جمیع الخلق وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ ای من تقدم من الخلق من لدن ادم وَ
لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ۲۴ المتاخرین الی یوم القیمة وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ فی
صنعه عَلِیْمٌ ۲۵ بخلقه ع ۲/۲

ترجمہ: اورہم نے آسمان میں برج بنائے بارہ برج، (۱) حمل، (۲) ثور (۳) جوزاء (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت، یہ بارہ برج ان سات سیاروں کے منازل کہلاتے ہیں (۱) مریخ، ستارے کے لئے حمل اور عقرب دو برج ہیں اور (۲) زہرہ، ستارے کے لئے ثور اور میزان دو برج ہیں اور (۳) عطارد ستارے کے لئے جوزاء اور سنبلہ دو برج ہیں اور (۴) قمر کے لئے صرف سرطان برج ہے اور (۵) سورج کے

لئے بھی صرف ایک برج ''اسد'' ہے اور (۶) مشتری ستارے کے لئے قوس اور حوت دو برج ہیں اور (۷) زحل ستارے کے جدی اور دلو دو برج ہیں) اور رونق دی اس کو دیکھنے والوں کی نظر میں۔ اور محفوظ رکھا ہم نے (شعلوں کے ذریعہ) ہر شیطان مردود (رانده درگاہ) سے مگر یہ جو چوری سے سن بھاگا (لے اڑا) سو اس کے پیچھے پڑا (اس کو دھر لیا) چمکتا ہوا انگارہ (ایک چمکدار ستارہ جو اس کو جلا ڈالتا ہے یا اس کو چھید کر دیتا ہے یا اس کو حواس باختہ کر دیتا ہے) اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا (بچھا دیا) اور اس پر بوجھ رکھ دیئے (مضبوط پہاڑ تا کہ وہ اپنے رہنے والوں کو لے کر ڈگمگا نہ جائے) اور اگائی اس میں ہر چیز اندازے سے (متعین مقدار میں) اور اس میں تمہارے لئے معیشت کے اسباب بنا دیئے (یاء کے ساتھ پھل اور غلے) اور ہم نے بنائیں (وہ چیز جن کو تم روزی نہیں دیتے (نوکر چاکر، جانور چوپائے ان سب کو اللہ ہی روزی دیتا ہے) اور نہیں ہے کوئی چیز (من زائدہ ہے) مگر اس کے خزانے (خزانے کی چابیاں) ہمارے پاس موجود ہیں اور نہیں اتارتے ہم مگر اندازۂ معلوم پر (مخلوق کی ضروریات اور مصلحتوں کے مطابق) اور ہم نے رس بھری (بادل لئے ہوئے اور پانی سے لبریز) ہوائیں چلائیں اور اتارا ہم نے آسمان (بادل) سے پانی (بارش) اور پھر تم کو پلایا اور تمہارے پاس اس کا خزانہ نہیں ہے (اس کے ذخیرے تمہارے قبضہ میں نہیں آسکتے) اور ہم ہی زندہ کرنے والے اور مارنے والے ہیں اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے (باقی رہنے والے، ساری مخلوق کے وارث ہم ہی ہوں گے) اور تم میں سے جو پہلے گذرے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں (یعنی آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر جو مخلوق گذر چکی) اور ہم جانتے ہیں انکو بیشک وہی حکمتوں والا ہے (اپنی کاریگری میں) خبردار ہے (اپنی مخلوق سے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَالْعَقْرَبُ: مطلب یہ ہے کہ حمل و عقرب یہ مریخ کے منازل سے ہیں۔

قوله: مرجوم: یہاں فعیل رجیم۔ یہ مرجوم مفعول کے معنی میں ہے۔ ستارے کا شعلہ اس کے پیچھے پڑتا ہے۔

قوله: لکن: یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ استراق سمع یہ حفاظت کی جنس سے نہیں۔

قوله: خَطِفَةٌ: اس سے سنا ہوا کلام مراد ہے۔ جس کو وہ جنی سے اُچک کر دوسری تک پہنچاتے ہیں اس کو بطور تشبیہ استراق کہا ہے۔

قوله: لَحِقَهٗ: اتبع یہ باب افعال ہے مگر یہاں محق مجرد کے معنی میں لازم ہے۔

قوله: یَخْبِلُهٗ: جنّی چور کو کم از کم شہاب سے یہ تخیل پیدا ہو جاتا ہے کہ شہاب اس کو جلا ڈالے اور اس میں سوراخ کر دے گا۔

قوله: مَعْلُوْم: اس سے موزون کی تاویل کی چنداں حاجت نہیں کیونکہ آج کل ہوا و حرارت کا بھی وزن ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شئی ناپ تول کر بنائی ہے سبحان من جل قدرتہ۔

قوله: مِنَ الثِّمَارِ: اس سے اشارہ کیا کہ معایش جمع معیشۃ ہے اور یہ مصدر ہے مگر اس سے مراد جس پر انسان گزارا کرتے ہیں۔

قوله: مَفَاتِیْحُ خَزَائِنِهٖ: مصناف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس سے مراد قدرت الٰہی ہر چیز پر حاوی ہے اور وہی مفاتیح ہیں۔

قوله: بِمُخْرَجِيْنَ: یعنی تمہیں اس کے نکالنے پر قدرت نہ ہوگی انسانوں سے اس چیز کی نفی کی جس کو اپنی ذات کے لئے ثابت کیا۔

قوله: الْوٰرِثُوْنَ: کی تفسیر الباقون سے کر کے بتلایا وارثوں کو استعارۃ باقی کے لئے استعمال کیا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

ستارے آسمان کیلئے زینت ہیں اور انکے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے:

اللہ جل شانہ نے ان آیات میں آیات تکوینیہ بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے آسمان میں برج یعنی ستارے بنائے ہیں اور آسمان کو زینت والا پر رونق بنا دیا، رات کو جب دیکھنے والے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ستاروں کی جگمگاہٹ سے نہایت عمدہ پر رونق منظر نظر آتا ہے، سورۃ ملک میں فرمایا: (وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ) (اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے شیاطین کے لیے دوزخ کا عذاب تیار کیا ہے۔)

ستاروں کو مصابیح یعنی چراغ سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے مزید توضیح کے لیے سورۃ صافات کی آیات ذیل اور ان کا ترجمہ پڑھئے: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ (بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو آراستہ کر دیا ایک زینت کے ساتھ جو ستاروں کی زینت ہے اور ہم نے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان سے، شیطان عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر جانب سے ان کو مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشگی والا عذاب ہے، سوائے اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے)۔

سورۂ حجر اور سورۃ صافات اور سورۃ ملک کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ آسمان میں جو ستارے ہیں ان سے آسمان کی زینت بھی ہے اور شیاطین سے حفاظت بھی ہے اور سورۃ نحل میں فرمایا: (وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ) (اور ستارہ کے ذریعہ وہ لوگ راہ پاتے ہیں) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین باتوں کے لیے پیدا فرمایا اول تو انہیں آسمان کی زینت بنایا دوم شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا سوم ان کو علامات بنایا جن کے ذریعہ راہ یاب ہوتے ہیں (یعنی راتوں کو سفر کرنے والے ان کے ذریعے اپنے سفر کے رخ کا پتہ چلا لیتے ہیں) سو جس شخص نے ان تینوں باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کہی اس نے خطا کی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس بات کو نہیں جانتا تھا خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑا حضرت قتادہؒ نے منجمین کی تردید کی وہ اپنی عمر بھی ضائع کرتے ہیں اور وہ بات کرتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں اور ان لوگوں کو بھی

تنبیہ فرمادی جوان کی بات مانتے ہیں اوران کے پیچھے پھرتے ہیں۔

بروج سے کیا مراد ہے؟

ہم نے بروج کا ترجمہ ستارے کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ سورۂ ملک میں ستاروں ہی کو زینت بتایا ہے اور ستاروں ہی کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بتایا ہے معلوم ہوا جو چیز آسمان کی زینت ہے وہی شیاطین کے مارنے کا سبب ہے بعض مفسرین نے جو بروج کا ترجمہ بروج ہی کیا ہے اور اس سے آسمان کے وہ بارہ برج مراد لیے ہیں جنہیں ہیئت والے بیان کرتے ہیں ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے یہ بارہ برج فرضی ہیں ان کے نام فلاسفہ نے خود رکھ لیے ہیں اور خود ہی تجویز کر لیے ہیں یہ برج شیاطین کو نہیں مارتے پھر آیت کریمہ میں ان سے بروج فلاسفہ کیسے مراد لیے جا سکتے ہیں۔

صاحب تفسیر جلالین نے یہاں سورۂ حجر میں اور سورۂ فرقان میں بروج سے وہی فلاسفہ والے بارہ برج مراد لیے ہیں اور ان کے نام بھی لکھے ہیں اور صاحب معالم التنزیل نے اولاً تو یوں لکھا ہے کہ والبروج ھی النجوم الکبار پھر وہی فلاسفہ والے بارہ برج اور ان کے نام ذکر کردیئے ہیں صاحب کمالین نے مفسر جلال الدین سیوطی کی تردید کرتے ہوئے کہا: ولا یلیق بمثل المصنف ان یذکر تلک الامور المبتنی علی الامور الوھمیۃ فی التفسیر مع انہ انکر فی کثیر من المواضع فی حاشیۃ الانوار علم الھیءۃ فضلا عن النجوم لکنہ اقتفی الشیخ المحلی حیث ذکرھا فی سورۃ الفرقان کذلک مصنف جیسے آدمی کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ تفسیر میں ان امور کا ذکر کرے جن کی بنا اوہام پر ہے باوجود اس کے کہ مصنف نے انوار کے حاشیہ میں بہت سارے مواقع میں علم الھیءۃ پر نکیر کی ہے چہ جائیکہ علم نجوم لیکن یہاں مصنف نے شیخ جلالین الدین محلی کی پیروی کی ہے کہ اس نے انہیں سورۃ الفرقان میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ سورۂ حجر کی آیت بالا میں فرمایا کہ ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کردیا جو کوئی شیطان چوری سے کوئی بات سننے لگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، سورۂ صافات میں اس کو اور زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا کہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر جانب سے ان کو مارا جاتا ہے اور دور بھگا دیا جاتا ہے، یہ ان کا دنیا میں حال ہے اور آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب ہے ہاں اگر کوئی شیطان اوپر پہنچ کر چوری کے طور پر جلدی سے کوئی کلمہ لے بھاگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، بات کے چرانے والے شیطان کو مارنے کے لیے جو چیز پیچھے لگتی ہے اسے سورۂ حجر میں شہاب مبین سے اور سورۂ صافات میں شہاب ثاقب سے تعبیر فرمایا شہاب انگارہ کو اور شعلہ کو کہتے ہیں اس شعلے اور انگارے کی کیا حقیقت ہے اس کے سمجھنے کے لیے سورۂ ملک کی آیت کو بھی سامنے رکھ لیں، سورۂ ملک میں ستاروں کو چراغ بتایا اور آسمان کی زینت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ستارے شیاطین کے مارنے کے لیے ہیں دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ بدون اس سبب کے شہاب پیدا نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ استراق کے وقت شہاب سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے پس ممکن ہے کہ شہاب کبھی محض طبعی طور پر ہوتا ہو اور کبھی اس غرض کے لیے ہوتا ہو اور اس میں کوکب (ستارہ) کو یہ دخل ہو کہ سخونیت کوکب (ستاروں کی گرمی) سے خود مادہ شیاطین میں یا مادہ بخارات میں بواسطہ فعل ملائکہ کے نار پیدا ہو جاتی ہے جس سے شیاطین کو ہلاکت یا فساد عقل کا صدمہ پہنچتا ہو ۱ھ۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشین گوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ

لوگ کچھ بھی نہیں ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل آتی ہے، آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کڑ کڑ کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۹۲ از بخاری ومسلم)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝

زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ اور درخت معرفت الٰہی کی نشانیاں ہیں:

آسمان کے بروج اور آسمان کی زینت اور شیاطین سے ان کی حفاظت کا ذکر فرمانے کے بعد زمین کے پھیلانے کا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دینے کا تذکرہ فرمایا، زمین بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے زمین پر لوگ بستے ہیں اور آسمان کی طرف بار بار دیکھتے ہیں دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ پر دلالت کرتے ہیں اور سورۃ لقمان میں فرمایا: (وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ) (اور اللہ نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کرنے لگے۔)

تفسیر روح المعانی ص ۲۹ ج ۱۴ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پھیلا دیا تو وہ کشتی کی طرح ڈگمگانے لگی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس میں بھاری پہاڑ پیدا فرما دیئے تاکہ وہ حرکت نہ کرے ان پہاڑوں کے بارے میں سورۃ نبا میں فرمایا ہے: (اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا) (کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا) یہ استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں یعنی کیلیں بنا دیا یعنی پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی لیکن یہ ایک سبب ظاہری کے طور پر ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑ بھی پھٹ جاتے ہیں اور زمین بھی ہل جاتی ہے اور پہاڑ اور زمین حرکت کرنے لگتے ہیں پھر فرمایا: (وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ) (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی) موزون کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ای مقدر بمقدار معین تقتضیه الحکمة فهو مجاز مستعمل فی لازم معناه۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝

سامانہائے زیست کے بارے میں دعوت غور وفکر:

سو آسمان و زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد اس ارشاد سے انسان کے سامان زندگی اور اللہ پاک کے حکمتوں بھرے نظام ربوبیت کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور ہم ہی نے رکھ دیئے زمین میں طرح طرح کے وہ سامان ہائے زیست کھانے کے، پینے کے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے اور علاج معالجہ وغیرہ وغیرہ کے طرح طرح کے وہ سامان جن سے تم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے اور طرح طرح سے مستفید ہوتے ہو۔ اور دن رات کے پورے دورانیے میں اور لگاتار مستفید ہوتے ہو۔ سو ذرا سوچو تو سہی کہ کس قدر قادر مطلق اور کیسا مہربان اور وہاب وکریم ہے تمہارا وہ رب جس نے تمہارے لئے یہ سب کچھ پیدا فرمایا اور تمہاری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر۔ سو ذرا سوچو کہ زمین سے اگنے والی طرح طرح کی پیداواریں اور غلے اس میں پائی جانے والی قسما قسم کی کانیں اور عظیم الشان خزانے جن سے تم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے اور طرح طرح مستفید ہوتے ہو آخر یہ سب کچھ کس کی بخشش وعطاء ہے؟ اور اس کا تم پر کیا حق عائد ہوتا ہے؟ سو وہی اللہ وحدہ لاشریک خالق و مالک حقیقی ہے، جو کہ معبود برحق ہے، اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور

مَطْرُوْدٌ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ اَلْجَزَاءِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَىِ النَّاسُ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ وَقْتِ النَّفْخَةِ الْاُوْلٰى قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ اَىْ بِاَغْوَائِكَ لِىْ وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَجَوَابُهٗ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ الْمَعَاصِىْ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ تعالىٰ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهُوَ اِنَّ عِبَادِىْ اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ قوة اِلَّا لٰكِنْ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ اَلْكَافِرِيْنَ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَىْ مَنِ اتَّبَعَكَ مَعَكَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اَطْبَاقٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهَا مِّنْهُمْ جُزْءٌ نَصِيْبٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے آدمی (آدم) کو پیدا کیا کھنکھناتے (خشک مٹی کہ جب اسے خشک ہونے کے بعد بجایا جائے تو بجنے لگے) ہوئے گارے (سیاہ مٹی) سے جو سنا ہوا ہو (خمیر اٹھا ہوا) اور جن کو (جان سے مراد ابوالجن شیطان مراد ہے) پیدا کیا اس سے پہلے (تخلیق آدم سے پہلے) آگ کی لو سے (آگ جس میں دھواں نہ ہو اور مسامات میں گھستی چلی جائے) اور (یاد کیجئے اس وقت کو) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے پھر جب اس کو ٹھیک کروں (مکمل کردوں) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (جس سے وہ زندہ ہو جائے روح کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب آدمؑ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے) تو گر پڑو اسکے آگے سجدہ کرتے ہوئے (جھک کر آداب بجالانا) تب سجدہ کیا ان سب فرشتوں نے مل کر (اس جملہ میں كُلُّهُمْ اور اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ دو تاکیدیں ہیں) مگر ابلیس (جنوں کا گرو گھنٹال جو اس وقت فرشتوں میں شامل تھا) نے نہ مانا (انکار کیا) کہ ساتھ یہ سجدہ کرنے والوں کے (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) اے ابلیس! تجھ کو کیا ہوا (تجھے کس نے روکا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ لا ءزائدہ ہے) بولا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ سجدہ کروں (مجھے زیب نہیں دیتا کہ سجدہ کروں) ایک ایسے انسان کو جس کو تُو نے بنایا کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے فرمایا تو نکل یہاں سے (یعنی جنت سے یا آسمانوں سے) تجھ پر مار ہے (تو دھتکارا ہوا ہے) اور تجھ پر پھٹکار ہے انصاف کے دن تک (یوم جزاء تک) بولا اے رب! تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ جس دن مردے زندہ ہوں (جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں) فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی اسی مقرر وقت کے دن تک (نفخۂ اولیٰ کے وقت تک) بولا اے رب! جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھودیا (یعنی آپ کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اس میں باء قسمیہ ہے اور جواب قسم اگلی آیت ہے) میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں (گناہوں کو بنا سنوار کر پیش کروں گا) اور ان سب کو راہ سے کھودوں گا مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں، (یعنی اہل ایمان) فرمایا (حق تعالیٰ شانہ نے) یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی اور (وہ) جو میرے بندے ہیں (مجھ پر ایمان لانے والے ہیں) تیرا ان پر کچھ اختیار (زور) نہیں مگر (لیکن) جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں (کافروں میں) ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے (یعنی جس نے تیری پیروی کی) اس کے سات دروازے (طبقے) ہیں (ان میں (ہر

مطرود وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ الجزاء قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ اى الناس قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ وقت النفخة الاولى قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ اى باغوائك لى والباء للقسم وجوابه لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ المعاصى وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ اى المؤمنين قَالَ تعالى هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ وهو اِنَّ عِبَادِيْ اى المؤمنين لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ قوة اِلَّا لكن مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ الكافرين وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اى من اتبعك معك لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اطباق لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ نصيب مَّقْسُوْمٌ ۝ ع

ترجمہ: اور ہم نے آدمی (آدم) کو پیدا کیا کھنکھناتے (خشک مٹی کہ جب اسے خشک ہونے کے بعد بجایا جائے تو بجنے لگے) ہوئے گارے (سیاہ مٹی) سے جو سنا ہوا ہو (خمیر اٹھا ہوا) اور جن کو (جان سے مراد ابوالجن شیطان مراد ہے) پیدا کیا اس سے پہلے (تخلیق آدم سے پہلے) آگ کی لو سے (آگ جس میں دھواں نہ ہو اور مسامات میں گھستی چلی جائے) اور (یاد کیجئے اس وقت کو) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے پھر جب اس کو ٹھیک کروں (مکمل کر دوں) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (جس سے وہ زندہ ہو جائے روح کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب آدمؑ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے) تو گر پڑو اسکے آگے سجدہ کرتے ہوئے (جھک کر آداب بجالانا) تب سجدہ کیا ان سب فرشتوں نے مل کر (اس جملہ میں كُلُّهُمْ اور اَجْمَعُوْنَ ۝ دو تاکیدیں ہیں) مگر ابلیس (جنوں کا گرو گھنٹال جو اس وقت فرشتوں میں شامل تھا) نے نہ مانا (انکار کیا) کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) اے ابلیس! تجھ کو کیا ہوا (تجھے کس نے روکا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ لاء زائدہ ہے) بولا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ سجدہ کروں (مجھے زیب نہیں دیتا کہ سجدہ کروں) ایک ایسے انسان کو جس کو تُو نے بنایا کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے فرمایا تو نکل یہاں سے (یعنی جنت سے یا آسمانوں سے) تجھ پر مار ہے (تو دھتکارا ہوا ہے) اور تجھ پر پھٹکار ہے انصاف کے دن تک (یوم جزاء تک) بولا اے رب! تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ جس دن مردے زندہ ہوں (جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں) فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی اسی مقرر وقت کے دن تک (نفخۂ اولیٰ کے وقت تک) بولا اے رب! جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھو دیا (یعنی آپ کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اس میں باء قسمیہ ہے اور جواب قسم اگلی آیت ہے) میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں (گناہوں کو بنا سنوار کر پیش کروں گا) اور ان سب کو راہ سے کھو دوں گا مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں، (یعنی اہل ایمان) فرمایا (حق تعالیٰ شانہ نے) یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی اور (وہ) جو میرے بندے ہیں (مجھ پر ایمان لانے والے ہیں) تیرا ان پر کچھ اختیار (زور) نہیں مگر (لیکن) جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں (کافروں میں) ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے (یعنی جس نے تیری پیروی کی) اس کے سات دروازے (طبقے) ہیں (ان میں (ہر

دروازے کے لئے ان میں سے ایک فرقہ (حصہ) ہے بانٹا ہوا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْاِنْسَانَ: اس میں الف لام عہد کا ہے اس وجہ سے آدم سے تفسیر کی گئی ہے۔
قوله: صَلْصَالٍ: دراصل چونچ سے دانا اٹھانے کو کہتے ہیں۔
قوله: مُتَغَیِّرٍ: یہ تفسیر کر کے بتلایا کہ یہ تصویر سے پہلے کی بات ہے۔
قوله: اَلْجَانَّ: اس کی تفسیر ابوالجن سے کی کہ اس کو نار سموم سے پیدا کیا۔ السَّمُوْمِ مسام میں گھس جانے والی ہو۔
قوله: جَرَیْتُ: نفخ اصل میں کھوکھرے جسم میں ہوا کا داخل کرنا۔ بطور تمثیل اجراء سے تعبیر کیا۔
قوله: کَانَ بَیْنَ الْمَلَائِکَةِ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ حکم کے وقت یہ بھی ملائکہ کے مجمع میں موجود تھا پس استثناء درست ہے۔
قوله: مِنْ اَنْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں۔
قوله: مَا مَنَعَكَ: اس کو منع کے معنی میں نہ کہ عرض کے معنی میں۔
قوله: لَا یَنْبَغِیْ لِیْ: لم اکن لاسجد کی تفسیر اس سے کر کے اشارہ ہے لام زائدہ تاکید نفی کیلئے ہے اسی وجہ سے لی ساتھ لائے۔
قوله: بِاِغْوَائِكَ لِیْ: ما مصدر یہ ہے موصولہ نہیں بما کی باقسمیہ ہے۔
قوله: اَلْمَعَاصِیْ: یہ لازمن کا مفعول محذوف ہے یہ نہیں کہ یہ بمنزلہ لازم کے ہے۔
قوله: هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ: یعنی یہ میرا سچا راستہ ہے اس کے ساتھ ساتھ میں اس کی نگہبانی کرنے والا ہوں۔ اس سے اشارہ ملا کہ مومن اس سے چھوٹنے والے ہیں۔
قوله: عِبَادِیْ: یہ صراط مستقیم کا بیان ہے اور عدم وصل کی وجہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ان عبادی میں ابلیس کے اس وہم کی تکذیب ہے کہ اسکو غیر مخلص بندوں پر قابو حاصل ہے۔ حالانکہ اسکی قوت فقط تحریض و تلبیس ہے۔ پس یہ استثناء منقطع ہے۔
قوله: من اتبعک: مدعوھم میں غائبین کو حاضرین پر تغلیب دی گئی ہے۔
قوله: اطباق: اس سے اشارہ کیا درکات جہنم میں حسب مراتب اتارا جائے گا۔ مقسوم بانٹا ہوا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

ذکر پیدائش انس و جن و قصہ پیدائش آدم علیہ السلام:

(ربط) اوپر کی آیتوں میں حق جل شانہ نے حیوانات کی پیدائش سے اپنی قدرت اور خالقیت کا ذکر فرمایا اب یہاں جن وانس سے اسی مقصود پر استدلال فرماتے ہیں اور جان سے مراد یہاں جنوں کا باپ ہے جس طرح اوپر کی آیتوں میں

انسان سے تمام انسانوں کے باپ مراد ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ آدمیوں کا باپ، ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر زابی غالب تھا اور جنوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ناری کا غلبہ تھا۔ ابلیس اسی قسم میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے ان دومختلف نوعوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ان دونوعوں کی خلقت اور باہمی عداوت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو جو نوع انسانی کی اصل اور فرد اول ہیں۔ بجتی ہوئی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کی اصل اور ابتدا تراب ہے یعنی خاک کے متفرق اجزاء پھر اس کو پانی میں ترکیا تو وہ طین ہوگئی پھر کچھ دیر کے بعد طین لازب یعنی چمکتی ہوئی لیس دار ہوگئی پھر حما مسنون یعنی سڑا ہوا اور بدبودار گارا ہوگیا۔ پھر خشک ہو کر وہ صلصال بجنے والی ہوگئی۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ انسان کو بجنے والی مٹی سے بنایا جیسے ٹھیکرا۔ اور فخار اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔

بدن انسانی میں نفخ روح اور اس کو مسجود ملائکہ بنانے کی مختصر تحقیق:

روح کوئی جسم ہے یا جوہر مجرد اس میں علماء و حکماء کا اختلاف قدیم زمانے سے چلا آتا ہے شیخ عبدالرؤف مناوی نے فرمایا کہ اس میں حکماء کے اقوال ایک ہزار تک پہنچتے ہیں مگر سب قیاسات اور تخمینے ہی ہیں کسی کو یقینی نہیں کہا جاسکتا امام غزالی، امام رازی اور عموماً صوفیہ اور فلاسفہ کا قول یہ ہے کہ وہ جسم نہیں بلکہ جوہر مجرد ہے امام رازی نے اس کے بارہ دلائل پیش کئے ہیں

مگر جمہور علماء امت روح کو ایک جسم لطیف قرار دیتے ہیں نفخ کے معنی پھونک مارنے کے ہیں اگر بقول جمہور روح کو جسم لطیف قرار دیا جائے تو اس کو پھونکنا ظاہر ہے اور جوہر مجرد مان لیا جائے تو پھونکنے کے معنی اس کا بدن سے تعلق پیدا کر دینا ہوگا۔

(بیان القرآن)

روح اور نفس کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق:

یہاں اس طویل الذیل بحث کو چھوڑ کر ایک خاص تحقیق پر اکتفاء کیا جاتا ہے جو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تحریر فرمائی ہے حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسم ہیں، علوی اور سفلی، روح علوی مادہ سے مجرد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے اہل کشف کو اس کا اصل مقام عرش کے اوپر دکھائی دیتا ہے کیونکہ وہ عرش سے زیادہ لطیف ہے اور روح علوی بنظر کشفی اوپر نیچے پانچ درجات میں محسوس کی جاتی ہے وہ پانچ یہ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفی، اور یہ سب عالم امر کے لطائف میں سے ہیں جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اور روح سفلی وہ بخار لطیف ہے جو بدن انسانی کے عناصر اربعہ آگ پانی مٹی ہوا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی روح سفلی کو نفس کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس روح سفلی کو جسے نفس کہا جاتا ہے ارواح علویہ مذکورہ کا آئینہ بنا دیا ہے جس طرح آئینہ جس آفتاب کے مقابل کیا جائے تو آفتاب کے بہت بعید ہونے کے باوجود اس میں آفتاب کا عکس آ جاتا ہے اور روشنی کی وجہ سے وہ بھی آفتاب کی طرح چمک اٹھتا ہے اور آفتاب کی حرارت بھی اس میں آ جاتی ہے جو کپڑے کو جلا سکتی ہے اسی طرح ارواح علویہ اگرچہ اپنے

تجرد کی وجہ سے بہت اعلیٰ وارفع اور بہت مسافت بعیدہ پر ہیں مگر ان کا عکس اس روح سفلی کے آئینہ میں آکر ارواح علویہ کی کیفیات وآثار اس میں منتقل کر دیتا ہے اور یہی آثار جو نفوس میں پیدا ہو جاتے ہیں ہر ہر فرد کے لئے ارواح جزئیہ کہلاتے ہیں

پھر یہ روح سفلی جس کو نفس کہتے ہیں اپنی ان کیفیات وآثار کے ساتھ جن کو ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے اس کا تعلق بدن انسانی میں سب سے پہلے مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات اور زندگی ہے روح سفلی کے تعلق سے سب سے پہلے انسان کے قلب میں حیات اور وہ ادراکات پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس نے ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے یہ روح سفلی پورے بدن میں پھیلی ہوئی باریک رگوں میں سرایت کرتی ہے جن کو شرائین کہا جاتا ہے اور اس طرح وہ تمام ابدان انسانی کے ہر حصہ میں پہنچ جاتی ہے۔

روح سفلی کے بدن انسانی میں سرایت کرنے ہی کو نفخ روح سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ کسی چیز میں پھونک بھرنے سے بہت مشابہ ہے۔

اور آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کر کے من روحی اسی لئے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں روح انسانی کا اشرف واعلیٰ ہونا واضح ہو جائے کیونکہ وہ بغیر مادے کے محض امر الٰہی سے پیدا ہوئی ہے نیز اس میں تجلیات رحمانیہ کے قبول کرنے کی ایسی استعداد ہے جو انسان کے علاوہ کسی دوسرے جاندار کی روح میں نہیں ہے۔

اور انسان کی پیدائش میں اگرچہ عنصر غالب مٹی کا ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن درحقیقت وہ دس چیزوں کا جامع ہے جن میں پانچ عالم خلق کی ہیں اور پانچ عالم امر کی عالم خلق کے چار عنصر آگ پانی مٹی ہوا اور پانچواں ان چاروں سے پیدا ہونے والا بخار لطیف جس کو روح سفلی یا نفس کہا جاتا ہے اور عالم امر کی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفی، اسی جامعیت کے سبب انسان خلافت الٰہیہ کا مستحق بنا اور نور معرفت اور نار عشق ومحبت کا متحمل ہوا جس کا نتیجہ بے کیف معیت الٰہیہ کا حصول ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:
((المرء مع من احب)) یعنی ہر انسان اس فرد کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔

اور انسان میں تجلیات الٰہیہ کی قابلیت اور معیت الٰہیہ کا جو درجہ اس کو حاصل ہے اسی کی وجہ سے حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا جائے ارشاد ہوا: فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور انسان کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے جان یعنی ابوالجن کو لُو کی آگ سے پیدا کیا۔

جمہور مفسرین کے نزدیک جان بتشدید نون جنوں کا باپ ہے جو ایسی لطیف آگ سے پیدا کیا گیا جو لطافت کی وجہ سے مسامات میں گھس جاتی ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ علیہ اور قتادہ رحمہ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ جان سے ابلیس مراد ہے جو شیطانوں کا باپ ہے اور ان دونوں قولوں میں یہ فرق ہے کہ جنوں میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ ان کا حال انسانوں جیسا ہے بخلاف شیاطین کے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں اور نہ وہ مرتے ہیں۔ سب کے سب ابلیس کے ساتھ مریں گے جب ان کا باپ مرے گا

تب وہ بھی مریں گے۔ (تفسیر خازن وقرطبی)

امام رازی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن ایک مستقل جنس ہے اور شیاطین دوسری جنس ہے مگر زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مؤمن ہوا اس کو شیطان نہیں کہا جا سکتا ہے جنات میں سے جو کافر ہوا صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۷۰ جلد ۵ وتفسیر روح المعانی ص ۳۳ جلد ۱۴)

علامہ صاوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اصول تین ہیں۔ آدم علیہ السلام ابو البشر ہے۔ اور جان ابو الجن ہے اور ابلیس ابو الشیاطین ہے۔ (صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۹۶ جلد ۲)

خداوند لطیف وخبیر نے اول ملائکہ کو نور سے بنایا ان کے بعد قوم جن کو نار سموم سے بنایا جن کا مادہ مائکہ سے ذرا قریب تھا بعد از اں انسان کو مٹی سے بنایا۔ جس کا مادہ کثیف ہے باقی رہے حیوانات گھوڑا اور گدھا اور بیل اور بھینس وغیرہ معلوم نہیں کہ کب بنائے گئے آدم علیہ السلام سے پہلے یا پیچھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نکتہ: آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے اس لیے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ خدا کے خشوع وخضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقام عبدیت وعبودیت ان کو علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو اس لیے کہ ہر شئے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اس لیے آدم علیہ السلام نے خاکی ہونے کی وجہ سے تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار وآثار کو نہ سمجھ سکا جن کو خود دست قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا اس لیے اب آئندہ آیات میں انسان کی فضیلت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں۔ اور اولاد آدم کے ساتھ ابلیس لعین کی عداوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد باخبر رہے کہ شیطان کو اپنا دشمن جانے اور فرشتوں کو اپنا دوست جانے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے کالے کیچڑ سے ایک آدمی کا پتلہ بنانے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں یعنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ یہ سجدہ تحیت وتعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سو جب اللہ تعالیٰ ان کو بنا چکا تو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر ایک بارگی ہی ان کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ اس تعبیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا۔ اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ کما قال تعالی: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ابلیس نے از راہ تکبر اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم علیہ السلام پر حسد کیا لیکن اللہ کے حکم کو نہ دیکھا۔ اللہ کا حکم سب سے بالا اور برتر ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا اور ابلیس تجھے کیا امر مانع ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ فرشتے کس درجہ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ ابلیس بولا میں وہ نہیں ہوں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھناتے ہوئے سڑے کالے کیچڑ سے پیدا کیا۔ یعنی میرے اس سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں میں پیدا ہوا ہوں آگ سے اور وہ پیدا ہوا ہے مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل اور بہتر ہے۔ اس لیے کہ آگ جوہر لطیف ہے اور بہترین عنصر ہے اور مٹی ایک جسم کثیف اور بدترین عنصر ہے مطلب یہ تھا کہ آدم علیہ السلام ایک جسم کثیف ہے

اور میں ایک جسم روحانی اور لطیف ہوں اور لطیف کثیف سے اعلیٰ ہے۔ پس اعلیٰ ادنیٰ کو کیسے سجدہ کرے یہ سب اس کا خیال خام تھا جس پر کوئی دلیل نہ تھی اس لعین نے یہ نہ جانا کہ فضل وشرف کا دارومدار اللہ کے حکم پر ہے نہ کہ مادہ اور ہیولیٰ پر اور یہ نہ خیال کیا کہ فرشتے جو خالص نورانی ہیں اور ان میں ظلمت اور کدورت کا شائبہ نہیں وہ اس خلیفہ خاکی کو سجدہ کر رہے ہیں نیز فرشتوں کو جو علو منزلت اور قرب خداوندی حاصل ہے وہ اس کی نظروں کے سامنے تھا ان کو دیکھ کر بھی یہ نہ سمجھا کہ جب خالص نور سے پیدا ہونا دلیل افضلیت کی نہیں تو نار سے پیدا ہونا کیسے افضلیت کی دلیل ہو سکتی ہے ابلیس نے محض تکبر اور حسد کی بناء پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور بہانہ یہ بنایا کہ آگ گارے اور مٹی سے بہتر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ جب ابلیس نے از راہ تکبر وغرور فرمان خداوندی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو بہتر جانا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے مغرور اور بے ادب جب تیرے غرور کا یہ حال ہے تو تو یہاں سے نکل جا تو راندہ درگاہ ہے اور تجھ پر میری لعنت ہے روز قیامت تک تو ہمیشہ کے لیے ملعون ہوا۔ بولا اے میرے پروردگار مجھے مہلت دیجئے اس دن تک کہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں غرض یہ تھی کہ مروں نہیں اس لیے کہ بعث کے بعد موت نہیں اور اس درخواست سے مقصود یہ تھا کہ مجھ کو اتنی طویل مہلت مل جائے کہ اولاد آدم علیہ السلام سے بدلہ لے سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو تجھ کو مہلت دی گئی نفخۂ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور ان کے ساتھ تو مرے گا اور نفخہ ثانیہ کے بعد سب کے ساتھ تو بھی زندہ ہوگا۔ نفخۂ اولیٰ یعنی جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارا عالم مرجائے گا اس میں ابلیس بھی مرجائے گا۔ پھر چالیس سال کے بعد نفخہ ثانیہ یعنی دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے اور اس چالیس سال کے درمیانی وقفہ میں ابلیس بھی مردہ پڑا رہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔ شیطان نے حشر تک زندہ رہنے کی درخواست کی مگر بارگاہ خداوندی سے وقت معین یعنی صور پھونکنے تک منظوری ہوئی اللہ نے شیطان کی ایک بات تو منظور فرمائی کہ اس کو بنی آدم کے اغواء کے لیے طویل مہلت دے دی گئی۔ مگر اس کی دوسری درخواست کہ وقت بعث تک اس کو مہلت مل جائے یہ منظور نہ ہوئی۔ بولا اے پروردگار! جیسا تو نے مجھے بہکایا میں بھی اولاد آدم کو بہکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا البتہ میں ان کے لیے زمین میں تیری معصیت کو خوب صورت بنا کر دکھاؤں گا یعنی ان کو دنیا کی بہاریں دکھاؤں گا اور ان سب کو راہ حق سے گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص اور چیدہ بندے ہیں کیونکہ وہ میرے بس میں آنے والے نہیں۔ فرمایا کہ یہی اخلاص اور بندگی میرے تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے بے شک جو میرے اصل بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں پر شیطان کا تسلط نہ ہونے کے معنی:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور منتخب بندوں پر شیطانی فریب کا اثر نہیں ہوتا مگر اسی واقعہ آدم میں یہ بھی مذکور ہے کہ آدم وحوا پر اس کا فریب چل گیا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا (آل عمران) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس لئے آیت مذکورہ میں اللہ کے مخصوص بندوں پر شیطان کا تسلط نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلوب وعقول پر شیطان کا ایسا تسلط نہیں ہوتا کہ وہ اپنی غلطی پر کسی وقت متنبہ ہی نہ ہوں جس کی وجہ سے ان کو توبہ نصیب نہ ہو یا کوئی ایسا گناہ کر بیٹھیں جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔

اور مذکورہ واقعات اس کے منافی نہیں کیونکہ آدم وحوا علیہما السلام نے توبہ کی اور یہ توبہ قبول ہوئی اسی طرح حضرات صحابہ نے بھی توبہ کر لی تھی اور شیطان کے مکر سے جس گناہ میں ابتلاء ہوا وہ معاف کر دیا گیا۔

آگے فرمایا ہاں تیرا زور صرف ان لوگوں پر ہے جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے ہو لے۔ شہوت پرست تیرے پیچھے لگ جائیں گے انہیں پر تیرا زور چلے گا اور بے شک تیرے تمام پیچھے چلنے والوں کی وعدہ گاہ دوزخ ہے یعنی شیطان اور اس کے پیرو سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان گمراہوں میں سے ایک حصہ مقرر اور معین ہے ہر دروازے سے وہی لوگ داخل ہوں گے جو ان کے لیے مقرر اور معین ہے۔

سبعۃ ابواب سے بعض سلف کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ جہنم۔ لظی۔ حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص طبقہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور مجموعہ طبقات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ حضرت شاہ عبد القادر لکھتے ہیں۔ جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ویسے ہی دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل لوگوں پر بانٹے ہوئے ہیں۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لیے ہے کہ بعض موحدین نرے فضل سے جنت میں جائیں گے۔ بغیر عمل کے باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔ اھ۔

بظاہر ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ابلیس سے کلام کیا مگر یہ کلام خطاب تہدید غضب تھا جیسے کوئی بادشاہ کسی خادم کو دھمکائے اور زجر و توبیخ کرے تو ایسا بالمشافہ کلام دلیل عزت وکرامت نہیں بلکہ دلیل اہانت وحقارت ہے۔
(دیکھو آکام المرجان فی احکام الجان ص ۱۵۶)

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ بساتین وَّ عُیُوْنٍ ۝ تجری فیھا ویقال لھم اُدْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ ای سالمین من کل مخوف او مع سلام ای سلموا وادخلوا اٰمِنِیْنَ ۝ من کل فزع وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ حقد اِخْوَانًا حال منھم عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ حال ایضا ای لا ینظر بعضھم الی قفا بعض لدوران الاسرۃ بھم لَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَا نَصَبٌ تعب وَّ مَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ ۝ ابدا نَبِّئْ خبر یا محمد عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ للمؤمنین الرَّحِیْمُ ۝ بھم وَ اَنَّ عَذَابِیْ للعصاۃ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝ المؤلم وَ نَبِّئْھُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰھِیْمَ ۝ وھم ملائکۃ اثنا عشر او عشرۃ او ثلاثۃ منھم جبرئیل اِذْ

دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ اَیْ ھٰذَا اللَّفْظُ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ لَمَّا عَرَضَ عَلَیْھِمُ الْاَکْلَ فَلَمْ یَاْکُلُوْا اِنَّا مِنْكُمْ
وَجِلُوْنَ ۝٥٢ خَائِفُوْنَ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝٥٣ ذِیْ عِلْمٍ کَثِیْرٍ
ھُوَ اِسْحَاقُ کَمَا ذُکِرَ فِیْ ھُوْدَ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ بِالْوَلَدِ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ حَالٌ اَیْ مَعَ مَسِّہٖ اِیَّایَ
فَبِمَ فَبِاَیِّ شَیْءٍ تُبَشِّرُوْنَ ۝٥٤ اِسْتِفْھَامُ تَعَجُّبٍ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ
الْقٰنِطِيْنَ ۝٥٥ اَلْاٰئِسِیْنَ قَالَ وَمَنْ اَیْ لَا یَّقْنَطُ بِکَسْرِ النُّوْنِ وَفَتْحِھَا مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝٥٦
اَلْکَافِرُوْنَ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَانُکُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝٥٧ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝٥٨
کَافِرِیْنَ اَیْ قَوْمِ لُوْطٍ لِاِھْلَاکِھِمْ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٥٩ لِاِیْمَانِھِمْ اِلَّا امْرَاَتَهٗ
ع ١٦ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝٦٠ اَلْبَاقِیْنَ فِی الْعَذَابِ لِکُفْرِھَا

ترجمہ: بیشک خدا سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے (جو چشمے ان باغوں میں بہہ رہے ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا) جاؤ ان میں سلامتی سے (ہر خطرہ اور اندیشہ سے مامون یا سلام کے ساتھ یعنی سلام کرتے ہوئے اور داخل ہو جاؤ) جمع خاطر سے (ہر طرح کے کھٹکے سے بے فکر ہو کر) اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی (کینہ) سب بھائی بھائی ہو کر رہیں گے (یہ ھم ضمیر سے حال واقع ہے) ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے (یہ بھی حال واقع ہے یعنی ایک دوسرے کی گدی کو نہیں دیکھ سکیں گے کیونکہ جن تختوں پر وہ بیٹھے ہوں گے وہ گھومنے والے ہوں گے) ان کو وہاں کوئی تکلیف نہیں پہونچے گی اور نہ وہاں سے (کبھی نکالے جائیں گے، خبر سنا دیجئے اے محمد! میرے بندوں کو میں ہوں اصل بخشنے والا (اہل ایمان کو) مہربان (اہل ایمان پر) اور یہ بھی کہ میرا عذاب (گنہگاروں کے لئے وہ) بڑا دردناک عذاب ہے اور حال سنا دیجئے ان کو ابراہیمؑ کے مہمانوں کا (یہ بارہ فرشتے تھے یا دس تھے یا تین تھے جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی موجود تھے) جب چلے آئے اس کے گھر میں اور بولے سلام (یعنی لفظ سلام کہا) وہ بولے (یعنی ابراہیم علیہ السلام، جب ان کے سامنے کھانا پیش کیا اور انہوں نے نہیں کھایا) ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے وہ بولے ڈرو مت ہم (آپ کے پروردگار کے فرستادہ ہیں اور) آپ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک عالم فرزند کی (صاحب علم فرزند، مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہے) بولے کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو (لڑکے کی) جب کہ مجھ کو بڑھاپا آلیا، (یہ حال واقع ہے یعنی میرے بڑھاپے کے باوجود) اب کس چیز کی خوشخبری سناتے ہو (یہ استفہام تعجب ہے) وہ بولے ہم نے آپ کو سچی خوشخبری سنائی سو نا امیدوں میں مت ہو (مایوس ہونے والوں میں) بولے کون (یعنی نہیں) آس توڑتا ہے (نون کے کسرہ اور فتح کے ساتھ) اپنے پروردگار کی رحمت سے مگر جو گمراہ ہیں (کافر ہیں) بولے تمہاری کیا مہم (پروگرام) ہے؟ اے اللہ کے بھیجے ہوئے لوگو! وہ بولے ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک گنہگار قوم کی طرف (یعنی قوم لوط کے کافروں کو ہلاک کرنے کے لئے) مگر لوط کے گھر

والے ہم ان کو بچالیں گے (ان کے ایمان کی وجہ سے) ان سب کو مگر ایک اس کی عورت ہم نے طے کرلیا ہے کہ وہ رہ جانے والوں میں ہوگی (یعنی ان کے ساتھ رہ جائے گی جو اپنے کفر کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہوں گے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: سَالِمِیْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ ظرف مشتق کی تاویل سے حال ہے۔

قوله: اُدْخُلُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ اٰمنین حال ثانیہ ادخلوا کی ضمیر سے ہے۔ سلام سے نہیں کیونکہ فعل عمل میں اصل ہے۔

قوله: لِدَوْرَانِ: جہاں وہ گھومے گا وہ نشست گاہیں گھوم جائیں گی پس تمام احوال میں مقابل رہیں گے۔

قوله: الْاَسِرَّةِ: یہ سریر کی جمع ہے۔

قوله: عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ: یہ حال ہے اور علی مع کے معنی میں ہے۔

قوله: فَبِمَ: یہ استفہام تعجبی ہے۔

قوله: الضَّآلُّوْنَ: کی تفسیر کافروں سے کرکے اشارہ کیا کہ یہ: لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ کے موافق ہے۔

قوله: لِاِهْلَاكِهِمْ: اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: قَدَّرْنَآ: یہاں قدرنا قلنا کے قائم مقام ہے کیونکہ تقدیر بمعنی قضی ایک قول ہے اور ملائکہ کی طرف تقدیر کا اسناد قرب کی وجہ سے ہے۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾

متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہوگا:

گزشتہ آیت میں دوزخ کا اور اس کے دروازوں کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ دوزخ میں ابلیس کا اتباع کرنے والے داخل ہوں گے، اب یہاں ان آیات میں اہل جنت اور ان کی بعض نعمتوں کا ذکر ہے، جنت والے کون ہیں؟ یہ متقی حضرات ہیں تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں کفر شرک سے بچنا سب سے بڑا تقویٰ ہے، کبیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ میں شامل ہے مکروہات سے بچنا اور مشابہات سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے جنت میں کوئی کافر ومشرک تو جا ہی نہیں سکتا مسلمان اپنے اپنے تقویٰ کے اعتبار سے جنت کے درجات میں داخل ہوں گے دار النعیم جس میں اہل ایمان داخل ہوں گے اس کا نام جنت ہے اور اسے بہشت بھی کہا جاتا ہے پھر اس میں بہت سے باغیچے ہوں گے اس لیے بہت سی جگہ لفظ جَنّٰتٍ جمع کے ساتھ وارد ہوا ہے، یہاں بھی لفظ جَنّٰتٍ آیا ہے اور اس کے ساتھ لفظ عُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ بھی ہے جو عین کی جمع ہے، عین عربی میں چشمہ کو کہتے ہیں جنت میں باغ بھی ہوں گے اور چشمے بھی ہوں گے اور متعدد آیات میں (جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ) وارد ہوا

ہے، یعنی ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہرے بھرے باغ درختوں پر پھل ہوں گے اہل جنت کے قریب لٹکے ہوئے ہوں گے، چشمے اور نہریں جاری ہوں گی اور ان کے سوا کثیر تعداد میں دیگر انمول اور بے مثال نعمتیں ہوں گی اور ان سب سے زیادہ بڑھ کر اللہ کی رضا حاصل ہوگی اس میں داخل ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے اور سلامتی کے ساتھ رہ، امن بے خوف، ہوں گے نہ کوئی خوف ہوگا نہ نعمتیں چھینے جانے کا اندیشہ ہوگا، آپس میں نہ بغض نہ حسد نہ دشمنی نہ مخالفت نہ مخاصمت، سب بھائیوں کی طرح ایک دل ہوکر رہیں گے، دنیا میں جو آپس میں کسی وجہ سے کوئی کھوٹ، کینہ اور دشمنی تھی وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پہلے نکال دی جائے گی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ: ((قلوبهم على قلب رجل واحد لا اختلاف بينهم ولا تباغض)) یعنی ان سب کے دل ایسے ہوں گے جیسے ایک ہی شخص کا دل ہو نہ آپس میں کوئی اختلاف ہوگا اور نہ بغض ہوگا، مفسر ابن کثیر نے (ص ۵۵ ج ۲) حضرت ابوامامہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جنت میں کوئی مؤمن اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک اس کے سینہ سے کھوٹ کپٹ کو نہ نکال دیا جائے جیسے حملہ کرنے والا درندہ ہٹایا جاتا ہے اسی طرح سے مؤمن کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ اس آیت سے جنت کی دو خصوصیات معلوم ہوئیں اول یہ کہ کبھی کو کبھی تکان اور ضعف محسوس نہ ہوگا بخلاف دنیا کے کہ یہاں محنت و مشقت کے کاموں سے تو ضعف و تکان ہوتا ہی ہے خالص آرام اور تفریح سے بھی کسی نہ کسی وقت آدمی تھک جاتا ہے اور ضعف محسوس کرنے لگتا ہے خواہ وہ کتنا ہی لذیذ کام اور مشغلہ ہو۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو آرام و راحت اور نعمتیں وہاں کسی کو مل جائیں گی پھر وہ دائمی ہوں گی نہ وہ نعمتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ ان میں سے اس شخص کو نکالا جائے گا سورۂ ص میں ارشاد ہے: اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ یعنی یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور اس آیت میں فرمایا: وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ یعنی ان کو کبھی ان نعمتوں راحتوں سے نکالا نہیں جائے گا بخلاف معاملات دنیا کے کہ یہاں اگر کوئی کسی کو بڑے سے بڑا انعام و راحت دے بھی دے تو یہ خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے کہ جس نے یہ انعامات دیئے ہیں وہ کسی وقت ناراض ہوکر یہاں سے نکال دے گا۔

ایک تیسرا احتمال جو یہ تھا کہ نہ جنت کی نعمتیں ختم ہوں اور نہ اس کو وہاں سے نکالا جائے مگر وہ خود ہی وہاں رہتے رہتے اکتا جائے اور باہر جانا چاہے قرآن عزیز نے اس احتمال کو بھی ایک جملہ میں ان الفاظ سے ختم کردیا ہے کہ: لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ یعنی یہ لوگ بھی وہاں سے پلٹ کر آنے کی کبھی خواہش نہ کریں گے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾

ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ، ان سے خوفزدہ ہونا اور انکو بیٹے کی بشارت دینا:

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر ہے، یہ مہمان اللہ جل شانہ کے بھیجے ہوئے فرشتے تھے جو اس لیے بھیجے گئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیں اور اس پر بھی مامور تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کردیں، اس کا مفصل تذکرہ سورۂ ھود (ع ۷) میں گزر چکا ہے اور سورۂ ذاریات میں بھی مذکور ہے، اور سورۂ عنکبوت رکوع ۴ میں بھی ہے جب یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور اندر داخل ہوگئے تو انہوں نے سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا

جواب دیا (جیسا کہ سورۃ ھود اور سورۃ ذاریات میں تصریح ہے) یہ فرشتے چونکہ انسانوں کی صورتوں میں تھے اور اس سے پہلے ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لیے اول تو یوں فرمایا کہ: (قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ) یعنی یہ حضرات ایسے ہیں جن سے کوئی جان پہچان نہیں، اور چونکہ انہیں انسان سمجھا تھا اس لیے ایک موٹا تازہ بچھڑا بھنا ہوا ضیافت کے طور پر ان کے سامنے لا کر رکھ دیا، وہ فرشتے تھے جو کھاتے پیتے نہیں ہیں اس لیے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے جب یہ ماجرا دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مزید توحش ہوا اور اپنے دل میں ان کی طرف سے ڈر محسوس کرنے لگے اور صرف دل میں ہی نہیں زبان سے بھی (اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ) (بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں) مہمانوں نے کہا کہ آپ ڈریئے نہیں ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت زیادہ ہو چکی تھی خود بھی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھی جیسا کہ سورۃ ھود میں مذکر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے اس حالت میں بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو یہ کیسی بشارت دے رہے ہو اس بشارت کا ظہور کس طرح ہوگا چونکہ بات اس انداز سے فرمائی تھی جس میں استفہام انکاری کی جھلک تھی اس لیے فرشتوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے آپ کو امر واقعی کی بشارت دی ہے (ظاہری اسباب عادیہ کے اعتبار سے اچنبھے کی سی بات ہے لیکن جس نے بشارت بھیجی ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں) لہٰذا آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو امید نہیں رکھتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی کے طور پر میرا سوال نہیں بلکہ اس اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا ہے اس لیے یہ سوال زبان پر آ گیا کہ اب اس حالت میں اولاد کس طرح ہوگی یہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں تھی جیسا کہ سورۃ ھود میں مذکور ہے سورۃ صافات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے دعا کی تھی کہ (رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ) (کہ اے میرے رب مجھے صالحین میں سے ایک فرزند عطا فرما دے) اللہ نے فرمایا: (فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ) (کہ ہم نے انہیں حلم والے فرزند کی بشارت دی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ سورۃ صافات کی مذکورہ آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی ہے اور سورۃ ھود اور سورۃ حجر اور سورۃ ذاریات میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

ابراہیم نے کہا: اے فرستادگان (الٰہی) تمہارا (آنے کا) معاملہ کیا ہے؟

یعنی اس بشارت کے علاوہ اصل سبب تمہارے نازل ہونے کا کیا ہے، وہ کیا بڑا کام ہے جس کیلئے تم کو بھیجا گیا ہے۔ شاید حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ متعدد فرشتوں کے آنے کی غرض یہ خوشخبری تو ہو نہیں سکتی، بشارت دینے کیلئے تو ایک بھی کافی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت مریم کو ایک ہی فرشتہ نے بشارت دی تھی۔ یا حضرت ابراہیم یہ سمجھے کہ ان کے آنے کی اگر اصل غرض اگر خوشخبری پہنچانی ہوتی تو آتے ہی بشارت دیتے۔ بشارت تو انہوں نے خوف کو دور کرنے کیلئے ذیلی اور ضمنی طور پر دے دی (شروع میں تو مہمان بن کر آئے تھے)۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

فرشتوں نے کہا: ہم کو مجرم لوگوں کو ہلاک کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ اَیْ لُوْطًا اِلْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ لَهُمْ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَا اَعْرِفُكُمْ قَالُوْا بَلْ
جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا اَیْ قَوْمُكَ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ یَشُكُّوْنَ وَ هُوَ الْعَذَابُ وَ اَتَیْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فِیْ قَوْلِنَا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ اِمْشِ خَلْفَهُمْ وَ لَا
یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ لِئَلَّا یَرٰی عَظِیْمَ مَا یَنْزِلُ بِهِمْ وَّ امْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الشَّامُ وَ قَضَیْنَآ
اَوْحَیْنَا اِلَیْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ وهو اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۶۶﴾ حَالٌ اَیْ یَتِمُّ اِسْتِیْصَالُهُمْ فِی
الصَّبَاحِ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ مَدِیْنَةُ سَدُوْمَ وَهُمْ قَوْمُ لُوْطٍ لَمَّا اُخْبِرُوْا اَنَّ فِیْ بَیْتِ لُوْطٍ مُرْدًا حِسَانًا وَهُمُ
الْمَلٰئِكَةُ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ حَالٌ طَمَعًا فِیْ فِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ قَالَ لُوْطٌ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا
تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ بِقَصْدِكُمْ اِیَّاهُمْ بِفِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ نَنْهَكَ عَنِ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۰﴾ عَنْ اِضَافَتِهِمْ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۷۱﴾ مَا تُرِیْدُوْنَ مِنْ قَضَآءِ الشَّهْوَةِ
فَتَزَوَّجُوْهُنَّ قَالَ تَعَالٰی لَعَمْرُكَ خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیْ وَحَیَاتِكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ
یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ یَتَرَدَّدُوْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ صَیْحَةُ جِبْرَئِیْلَ مُشْرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾ وَقْتَ شُرُوْقِ الشَّمْسِ
فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا اَیْ قُرَاهُمْ سَافِلَهَا بِاَنْ رَفَعَهَا جِبْرَئِیْلُ اِلَی السَّمَآءِ وَاَسْقَطَهَا مَقْلُوْبَةً اِلَی الْاَرْضِ وَ
اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۷۴﴾ طِیْنٍ طُبِخَ بِالنَّارِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰیٰتٍ دَلَالَاتٍ
عَلٰی وَحْدَانِیَّتِهٖ تَعَالٰی لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴿۷۵﴾ لِلنَّاظِرِیْنَ الْمُعْتَبِرِیْنَ وَ اِنَّهَا اَیْ قُرٰی قَوْمِ لُوْطٍ لَبِسَبِیْلٍ
مُّقِیْمٍ ﴿۷۶﴾ طَرِیْقِ قُرَیْشٍ اِلَی الشَّامِ لَمْ یَنْدَرِسْ اَفَلَا یَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَعِبْرَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ
﴿۷۷﴾ وَ اِنْ مُخَفَّفَةٌ اَیْ اِنَّهُ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ هِیَ غَیْضَةُ شَجَرٍ بِقُرْبِ مَدْیَنَ وَهُمْ قَوْمُ شُعَیْبٍ
لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ بِتَكْذِیْبِهِمْ شُعَیْبًا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ بِاَنْ اَهْلَكْنَاهُمْ بِشِدَّةِ الْحَرِّ وَ اِنَّهُمَا اَیْ قُرٰی قَوْمِ
ع ۵/۱۹ لُوْطٍ وَالْاَیْكَةِ لَبِاِمَامٍ طَرِیْقٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾ وَاضِحٍ اَفَلَا یَعْتَبِرُ بِهِمْ اَهْلُ مَكَّةَ

ترجمہ: پھر جب وہ بھیجے ہوئے لوط کے گھر (لوط کے پاس) پہونچے تو (ان سے) بولے تم لوگ اوپرے ہو (یعنی میں تم سے واقف نہیں) بولے نہیں، پر ہم لے کر آئے ہیں آپ کے پاس وہ چیزیں جس میں وہ (آپ کی قوم کے لوگ) جھگڑتے

تھے شک کرتے تھے یعنی عذاب اور ہم لے کر آئے ہیں آپ کے پاس پکی بات اور ہم سچے ہیں (اپنی بات میں) سو آپ نکل جایئے اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں اور آپ ان کے پیچھے ہو لیجئے (یعنی ان کے پیچھے چلئے) اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی (تاکہ قوم لوط پر نازل ہونے والے خوفناک عذاب کو نہ دیکھ لے) اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم دیا جاتا ہے (یعنی شام میں) اور ہم نے مقرر کر دیا (اس کی طرف وحی کی) یہ بات (کہ) ان کی جڑ کٹے گی صبح ہوتے ہی (یہ حال واقع ہے یعنی صبح کے وقت ان کی بیخ کنی ہو جائے گی) اور شہر کے لوگ (شہر سدوم کے لوگ جو لوط کی قوم کے تھے جب ان کو یہ خبر ملی کہ لوط کے گھر میں کچھ خوبصورت بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں حالانکہ وہ فرشتے تھے) آئے خوب خوشیاں مناتے ہوئے (یہ حال واقع ہے، مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کے لالچ میں) بولے (لوط) یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور میری آبرو مت کھوؤ (مہمانوں کے ساتھ بدفعل کا قصد کر کے) بولے کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا دنیا کی حمایت (ضیافت) سے بولے، یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے (اگر شہوت پوری کرنا چاہتے ہو تو ان سے شادی کر لو حق تعالیٰ نے فرمایا) قسم ہے تیری جان کی (یہ آنحضور کو خطاب ہے یعنی آپ کی زندگی کی قسم وہ اسی مستی (مدہوشی) میں ہیں پھر آ دبایا ان کو ایک ہولناک آواز (جو جبرئیل علیہ السلام کی تھی) نے سورج نکلتے وقت پھر ہم نے ان بستیوں کو اوپر تلے کر دیا (یعنی جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو آسمان کے قریب لیجا کر الٹ کر دے مارا) اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے (جو آگ میں پکے ہوئے تھے) بیشک اس (مذکورہ واقعہ) میں نشانیاں ہیں (حق تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیلیں ہیں) دھیان کرنے والوں (عبرت سے دیکھنے والوں) کے لئے اور وہ (یعنی قوم لوط کی بستیاں سیدھی راہ پر واقع ہیں (قریش کے شام کے راستے میں پڑتی ہیں کہ جن کے نشانات تاہنوز موجود ہیں مٹے نہیں کیا ان سے وہ عبرت حاصل نہیں کرتے؟) بیشک ان باتوں میں نشانی ہے (نصیحت ہے) ایمان والوں کیلئے اور بن کے رہنے والے (ان مخففہ یعنی انہ تھا) لوگ بھی (مدین کے قریب ایک گھنا جنگل ہے جس میں قوم شعیبؑ آباد تھی) بڑے ظالم تھے (شعیبؑ کو جھٹلانے کی وجہ سے) سو ہم نے ان سے بدلہ لیا (شدید گرمی سے ہلاک کر کے) اور یہ دونوں (قوم لوط کی بستیاں اور بن) کھلے راستے پر واقع ہیں (تو پھر کیا اہل مکہ ان سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لِئَلَّا يَرَى عَظِيْمَ: پیچھے چلیں تاکہ اس بڑے عذاب کا معائنہ نہ کریں اور اس کی ان میں طاقت نہیں۔

قوله: مُرْدًا: یہ امرد کی جمع بے ریش لڑکا۔

قوله: لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ: اس سے ان کی گمراہی اور شدت شہوت مراد ہے جس نے ان کی عقول کو ہوا کر دیا تھا۔

قوله: وَقْتَ شُرُوْقٍ: اس سے اشارہ کیا کہ ابتداء عذاب طلوع فجر کے وقت ہوگا اور جبرائیلؑ کی چیخ کی ابتداء صبح صادق کے بعد ہوگی۔

قوله: مقیم ثابت اور تندرس: خراب ہونا مٹنا۔

قوله: هِيَ غَيْضَةٌ: جنگل۔

قوله: امام: یہ شارع کے لئے بولا گیا ہے معروف معنی میں نہیں۔

قوله: وَاضِح: یعنی مبین لازم ہے۔

تفسیر مقبولین

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور ہلاکت:

یہ فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے یہ خوبصورت انسانوں کی شکلوں میں تھے اور چونکہ وہ اس بستی کے رہنے والوں میں نہ تھے (اور بستی والے باہر سے آنے والے لوگوں کو اپنے برے مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے) اس لیے بری نیت کے ساتھ خوش ہوتے ہوئے پہنچے تا کہ ان مہمانوں سے اپنا کام نکالیں، حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں تم میری فضیحت نہ کرو اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے کہنے لگے کہ کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں کو مہمان بنانے سے منع نہیں کر چکے ہیں، ہمارے اور آنے والے لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئیں، آپ کو کیا ضرورت ہے کہ باہر کے آنے والوں کو مہمان بنائیں نہ آپ مہمان بناتے نہ آپ کے رسوا ہونے کی نوبت آتی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی شہوت کو پوری کرنے کے لیے ان بیہودہ حرکتوں کی کیا ضرورت ہے یہی میری بیٹیاں (قوم کی لڑکیاں) ہیں تم ان سے حلال طریقے سے قضائے شہوت کا کام نکالو ان لوگوں نے کہا ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب نہیں تمہیں معلوم ہے ہم کیا چاہتے ہیں (کمافی سورۃ ھود) فرشتوں نے کہا کہ آپ تھوڑا سا صبر کریں صبح ہوتے ہی یہ لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے رات کے وقت نکل گئے بیوی وہیں رہ گئی۔ جب سورج نکلا تو ایک سخت آواز آئی جو بہت کرخت تھی پھر اوپر سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین کو اوپر اٹھایا اور زمین کا تختہ الٹ دیا، زمین کے اوپر کا حصہ نیچے ہو گیا اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا۔ جس سے لوگ دب گئے اور مزید یہ ہوا کہ لگاتار مسلسل پتھر برسا دیئے گئے۔ یہ پتھر سجیل کے تھے سورۃ ھود اور سورۃ حجر میں (حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ) فرمایا اور سورۃ ذاریات میں (حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ) فرمایا ہے دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے وہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑے نہیں تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے جاتے ہیں جس کا ترجمہ "کنکر" کیا گیا ہے۔

یہ لفظ سنگ اور گل سے مرکب ہے سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کو اگر پکایا جائے تو اس سے پتھر کی طرح ایک چیز بن جاتی ہے۔ سورۃ ھود میں (سِجِّيۡلٍ مَّنۡضُوۡدٍ) فرمایا یعنی ان پر پتھروں کی جو بارش کی گئی جو لگاتار گر رہے تھے آیات قرآنیہ کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا، ان کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا، اور ان پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورۃ براۃ میں (الۡمُؤۡتَفِكَاتِ) (یعنی الٹی ہوئی بستیاں فرمایا ہے) اور سورۃ

نجم میں فرمایا ہے: (وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى) (اور الٹی ہوئی بستیوں کو پھینک مارا پھر ان بستیوں پر وہ چیز چھا گئی جو چھا گئی) یعنی اوپر سے پتھر برسنا شروع ہوئے۔

حضرت لوط علیہ السلام مؤمنین کو لے کر راتوں رات بستیوں سے نکل چکے تھے جو عذاب آیا وہ کافروں پر آیا۔ ان کی بیوی کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی تھی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور ہلاک والوں میں شریک ہو گئی ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔

یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زمین الٹ دی گئی تو وہ اسی سے مر گئے ہوں گے پھر پتھر کیوں برسائے گئے؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ بستیوں سے باہر تھے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی۔

یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں ان کو الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بحر میت پیدا فرمایا جو آج بھی موجود ہے پانی بدبودار ہے اس سے انسانوں کو یا کھیتوں کو نفع نہیں ہوتا اور یہ پانی انہیں بستیوں کی حدود میں ہے کسی دوسری جگہ سے نہیں آتا۔

لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں جن کی الٹی ہوئی بستیوں پر گزرتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ: (إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ) (بلاشبہ اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں، بلاشبہ یہ بستیاں شاہراہ عام پر پڑی ہیں، بے شک اس میں اہل ایمان کے لیے نشانی ہے۔)

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یہ جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ کفر اور فعل بد کا برا نتیجہ ہے اور ایمان اور طاعت باعث نجات ہے، پھر یہ فرمایا کہ یہ بستیاں ایک عام شاہراہ پر پڑتی ہیں، اہل عرب جب شام کو جاتے ہیں تو ان الٹی ہوئی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہ کرنا بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے، اس کے بعد مزید توجہ دلائی اور عبرت کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لیے بڑی نشانی ہے، جس نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی وہ عبرت کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا اہل ایمان ہی نصیحت قبول کرتے ہیں، اور مانتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں، سورۃ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے: (وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ) (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل عرب تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں بھی پڑتی تھی جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گزر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں اور بدکاروں کا کیا انجام ہوا تم وہاں سے گزرتے ہو اور الٹی ہوئی بستیاں دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے کیا بالکل ہی سمجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو، قرآن مجید بیان سامنے ہے تاریخوں میں بھی واقعہ موجود ہے لیکن عبرت کا نام نہیں، کفر کی وجہ سے اور مردوں سے قضاء شہوت کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا، اب یورپ کی اقوام کو دیکھ لو جو مہذب سمجھی جاتی ہیں ہلاکت کے دھارے پر ہیں کافر تو ہیں ہی زنا کاری ان میں عام تھی ہی اب مردوں سے قضاء حاجت کرنے کا رواج بھی عام ہو گیا ہے اور حکومتوں نے قانونی طور پر ان کو جائز قرار دے دیا ہے۔ (فَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ)

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ وَادٍ بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ وَالشَّامِ وَهُمْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ صَالِحًا لِاَنَّهُ
تَكْذِيْبٌ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيْءِ بِالتَّوْحِيْدِ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فِي النَّاقَةِ فَكَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهَا وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقْتَ الصَّبَاحِ فَمَا اَغْنٰى دَفَعَ عَنْهُمْ الْعَذَابَ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ مِنْ بِنَاءِ الْحُصُوْنِ
وَجَمْعِ الْاَمْوَالِ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَا
مُحَالَةَ فَيُجَازٰى كُلُّ اَحَدٍ بِعَمَلِهِ فَاصْفَحِ يَا مُحَمَّدُ عَنْ قَوْمِكَ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اَعْرِضْ عَنْهُمْ
اِعْرَاضًا لَا جَزْعَ فِيْهِ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ لِكُلِّ شَيْءٍ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ بِكُلِّ شَيْءٍ وَ
لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْفَاتِحَةُ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ لِاَنَّهَا تُثْنٰى فِيْ كُلِّ
رَكْعَةٍ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ اَلِنْ جَانِبَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ مِنْ عَذَابِ
اللّٰهِ اَنْ يَّنْزِلَ عَلَيْكُمُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ اَلْبَيِّنُ الْاِنْذَارِ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا الْعَذَابَ عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ اَلْيَهُوْدِ
وَالنَّصَارٰى الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ اَيْ كُتُبَهُمُ الْمُنَزَّلَةَ عَلَيْهِمْ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ اَجْزَاءً حَيْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضٍ
وَكَفَرُوْا بِبَعْضٍ وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهِمُ الَّذِيْنَ اقْتَسَمُوْا طُرُقَ مَكَّةَ يَصُدُّوْنَ النَّاسَ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَالَ
بَعْضُهُمُ الْمُرَادُ بِهِمْ فِي الْقُرْاٰنِ سِحْرٌ وَبَعْضُهُمْ كَهَانَةٌ وَبَعْضُهُمْ شِعْرٌ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾
سُؤَالَ تَوْبِيْخٍ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ يَا مُحَمَّدُ بِمَا تُؤْمَرُ اَيْ اِجْهَرْ بِهٖ وَامْضِهٖ وَاَعْرِضْ عَنِ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ هٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ بِكَ بِاَنْ اَهْلَكْنَا كُلًّا مِّنْهُمْ بِاٰفَةٍ
وَهُمُ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ وَالْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَعَدِيُّ بْنُ قَيْسٍ وَالْاَسْوَدُ بْنُ الْمُطَّلِبِ وَالْاَسْوَدُ ابْنُ عَبْدِ
يَغُوْثَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ صِفَةٌ وَقِيْلَ مُبْتَدَاٌ وَلِتَضَمُّنِهٖ مَعْنَى الشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِيْ
خَبَرِهٖ وَهُوَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ عَاقِبَةَ اَمْرِهِمْ وَلَقَدْ لِلتَّحْقِيْقِ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا
يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ مِنَ الْاِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيْبِ فَسَبِّحْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ اَيْ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَكُنْ

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ الْمُصَلِّيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ الْمَوْتُ

ع ۶/۲۰/۶

ترجمہ: اور بیشک جھٹلایا حجر والوں نے (مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی کا نام ہے مراد قوم ثمود ہے) رسولوں کو (کیونکہ انھوں نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور صالح کو جھٹلانا باقی تمام رسولوں کو جھٹلانے کے ہم معنی ہے، اس واسطے کہ دعوت توحید میں سب برابر تھے) اور ان کو ہم نے اپنی نشانیاں (صالح کی اونٹنی میں) دیں سو وہ ان سے منہ پھیرتے رہے (ان نشانیوں میں غور نہیں کرتے تھے اور پہاڑوں سے گھر تراشتے تھے اطمینان کے ساتھ پھر آ دبایا ان کو ہولناک آواز نے صبح ہی صبح، پھر کام نہ آیا ان کے (عذاب کو روک نہیں سکا) جو کچھ انھوں نے کمایا تھا (یعنی قلعوں کی تعمیر اور مال کا جمع کرنا) اور ہم نے نہیں بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بغیر حکمت کے اور قیامت بیشک آنے والی ہے یقیناً سو ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا) سو درگذر کر (اے محمد! اپنی قوم سے) اچھی طرح (اس طرح درگزر کیجئے کہ دل میں کوئی شکوہ وشکایت نہ رہے یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہے) تمہارا پروردگار ہی ہے (جو سب کا) پیدا کرنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے اور بلاشبہ ہم نے دہرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورۃ عطا کی ہے (حضور کا ارشاد ہے کہ اس سے سورۂ فاتحہ مراد ہے کیوں کہ ہر رکعت میں یہ سورۃ دہرائی جاتی ہے (بخاری ومسلم) اور قرآن عظیم عنایت فرمایا یہ جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو بہرہ مند کر دیا ہے تو آپ اپنی آنکھوں کو اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھئے (اور اگر یہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر بیکار غم نہ کیجئے، اور مؤمنوں کے لیے اپنے بازو پھیلا دیجئے (ان پر شفقت رکھئے) اور اعلان کر دیجئے کہ میں (عذاب الٰہی سے) کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں (صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں) جیسا ہم نے (یہ عذاب) نازل کیا ہے ان بانٹنے والوں (یہود ونصاریٰ) پر جنھوں نے قرآن کو (اپنی آسمانی کتابوں کو جو ان پر نازل ہوئیں) پارہ پارہ کر دیا (اس طرح ٹکڑے کر دیئے تھے کہ کتاب کے بعض حصے کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے مکہ کے راستوں کو بانٹ رکھا تھا وہ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے بعض کہتے تھے کہ قرآن میں جادو ہے کچھ کہتے تھے کہ کہانت ہے اور کچھ کہتے تھے کہ شعر ہے) سو قسم ہے تیرے رب کی قسم ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے (ڈانٹ ڈپٹ کر) غرض کہ جو کچھ آپ کو (اے محمد) حکم دیا گیا ہے اسے کھول کر سنا دیجئے (صاف صاف بیان کر دیجئے) اور ان مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) ہم کافی ہیں تیری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو (انھیں ہم کسی نہ کسی آفت میں ہلاک کر کے رہیں یہ ٹھٹھا کرنے والے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس اسود بن مطلب، اسود بن یغوث تھے) جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود ٹھہراتے ہیں (یہ صفت ہے اور بعض کے نزدیک مبتداء ہے اور چونکہ یہ معنی شرط کو متضمن ہے اس لئے اس کی خبر پر فاء داخل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے) سو عنقریب معلوم کر لیں گے (اپنے انجام کو) اور واقعی (قد تحقیق کے لئے ہے) ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان کی باتوں سے (ہنسی اور تکذیب کی باتوں سے) سو آپ اپنے رب کی خوبیاں بیان کیا کیجئے (یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کا ورد رکھیں) اور اس کے سامنے سجدہ کرنے والوں میں ہو جائے (نماز پڑھتے رہئے) اور بندگی کرتے رہیے اپنے رب کی یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات آ جائے (یقین سے مراد موت ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَادٍ: حجر وہ وادی ہے جس میں ان کی سکونت تھی۔
قوله: في الناقة: کہہ کر اشارہ کیا کہ آیت سے پہلی مراد ہے، جمع لائے اس کے بچے اور دودھ اور جرع کی وجہ سے۔
قوله: لِكُلِّ شَيْءٍ: صیغہ مبالغہ کا بیان ہے تعمیم کے لئے مفعول کو حذف کر دیا۔
قوله: تُثنٰى: یہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔
قوله: وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ: سبع مثانی سے جب فاتحہ مراد لی گئی تو بقیہ قرآن کو قرآن عظیم کہا۔
قوله: لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ: کسی چیز پر تمنا کی نگاہ مت ڈالو۔
قوله: اَصْنَافًا: یہاں ازواج کا متعارف معنی مراد نہیں بلکہ اصناف واقسام مراد ہیں۔
قوله: كَمَآ اَنْزَلْنَا: یہ النذیر کا وصف ہے جو کہ مفعول ہے اور نذیر وہ دردناک عذاب ہے۔
قوله: كُتُبَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ قرآن بول کر آسمانی کتابیں مراد لیں جن میں یہود ونصاری نے تحریفات کیں۔
قوله: عِضِيْنَ: یہ عضہ کی جمع ہے اصل عضوہ یہ عضی الشاۃ سے ہے جب اس کے اعضاء کو الگ الگ کر دیا جائے۔
قوله: لَنَسْئَلَنَّهُمْ: یہ توبیخ کا سوال ہے۔
قوله: اِجْهَرْ بِهٖ: حجت کو سرعام کھول کر بیان کرو۔
قوله: الْمُسْتَهْزِءِيْنَ: یہ جبرئیل امین کے اشارات سے ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ نے کفایت کر دی۔
قوله: للتحقيق: لقد یہاں تقلیل کے لئے نہیں جیسا عموماً مضارع پر ہوتا ہے۔
قوله: الْمُصَلِّيْنَ: اس میں جزء کو ذکر کر کے کل مراد لیا وہ سجدہ ہے جس سے کل نماز مراد لی۔
قوله: الْمَوْتُ: موت کو یقین کہا کیونکہ اس کا آملنا یقینی ہے جو ہر زندہ مخلوق کو پالے گی۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۸۰

آل ثمود کی تباہیاں:

حجر والوں سے مراد ثمودی ہیں جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک نبی کا جھٹلانے والا گویا سب نبیوں کا انکار کرنے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا۔ ان کے پاس ایسے معجزے پہنچے جن سے حضرت صالح علیہ السلام کی سچائی ان پر کھل گئی۔ جیسے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان سے اونٹنی کا نکلنا جو ان کے شہروں میں چرتی چگتی تھی اور ایک دن وہ پانی پیتی تھی ایک دن شہروں کے جانور۔ مگر پھر بھی یہ لوگ گردن کش ہی رہے بلکہ اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس وقت

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا بس اب تین دن کے اندر اندر قہر الٰہی نازل ہوگا۔ یہ بالکل سچا وعدہ ہے اور اٹل عذاب ہے ان لوگوں نے اللہ کی بتلائی ہوئی راہ پر بھی اپنے اندھاپے کو ترجیح دی۔ یہ لوگ صرف اپنی قوت جتانے اور ریاکاری ظاہر کرنے کے واسطے تکبر و تجبر کے طور پر پہاڑوں میں مکان تراشتے تھے۔ کسی خوف کے باعث یا ضرورتاً یہ چیز نہ تھی۔ جب رسول کریم ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان کے مکانوں سے گزرے تو آپ نے سر پر کپڑا ڈال لیا اور سواری کو تیز چلایا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جن پر عذاب الٰہی اترا ہے ان کی بستیوں سے روتے ہوئے گزرو۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی شکل بنا کر چلو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں عذابوں کا شکار تم بھی بن جاؤ آخر ان پر ٹھیک چوتھے دن کی صبح عذاب الٰہی بصورت چنگھاڑ آیا۔ اس وقت ان کی کمائیاں کچھ کام نہ آئیں۔ جن کھیتوں اور پھولوں کی حفاظت کے لئے اور انہیں بڑھانے کے لئے ان لوگوں نے اونٹنی کا پانی پینا نہ پسند کر کے اسے قتل کر دیا وہ آج بے سود ثابت ہوئے اور امر رب اپنا کام کر گیا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

قرآن عظیم سبع مثانی اور ایک لازوال دولت:

اے نبی ﷺ ہم نے جب قرآن عظیم جیسی لازوال دولت تجھے عنایت فرما رکھی ہے تو تجھے نہ چاہئے کہ کافروں کے دنیوی مال و متاع اور ٹھاٹھ باٹھ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے۔ یہ تو سب فانی ہے اور صرف ان کی آزمائش کے لئے چند روزہ انہیں عطا ہوا ہے۔ ساتھ ہی تجھے ان کے ایمان نہ لانے پر صدمے اور افسوس کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ ہاں تجھے چاہئے کہ نرمی، خوش خلقی، تواضع اور ملنساری کے ساتھ مؤمنوں سے پیش آتا رہے۔ جیسے ارشاد ہے: (لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ) (التوبہ:128) لوگو تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک رسول آگئے ہیں جن پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے جو تمہاری بہبودی کا دل سے خواہاں ہے جو مسلمانوں پر پرلے درجے کا شفیق و مہربان ہے۔ سبع مثانی کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم کی ابتدا کی سات لمبی سورتیں ہیں سورۃ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس۔ اس لئے کہ ان سورتوں میں فرائض کا، حدود کا، قصوں کا اور احکام کا خاص طریق پر بیان ہے اسی طرح مثالیں، خبریں اور عبرتیں بھی زیادہ ہیں۔ بعض نے سورۃ اعراف تک کی چھ سورتیں گنوا کر ساتویں سورت انفال اور براۃ کو بتلایا ہے ان کے نزدیک یہ دونوں سورتیں مل کر ایک ہی سورت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھ ملی تھیں لیکن جب آپ نے تختیاں گرا دیں تو دو اٹھ گئیں اور چار رہ گئیں۔ ایک قول ہے قرآن عظیم سے مراد بھی یہی ہیں۔ زیادہ کہتے ہیں میں نے تجھے سات جز دیئے ہیں۔ حکم، منع، بشارت، ڈر اور مثالیں، نعمتوں کا شمار اور قرآنی خبریں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد سبع مثانی سے سورۃ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں۔ یہ سات آیتیں (بسم اللہ الرحمن الرحیم سمیت ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ نے تمہیں مخصوص کیا ہے یہ کتاب کا شروع ہیں۔ اور ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں۔ خواہ فرض نماز ہو خواہ نفل نماز ہو۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ اسی قول کو پسند فرماتے ہیں اور اس بارے میں جو حدیثیں مروی ہیں ان سے اس پر استدلال کرتے ہیں ہم نے وہ تمام احادیث فضائل سورۃ فاتحہ کے بیان میں اپنی اس تفسیر کے اول میں لکھ دی ہیں فالحمد للہ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ دو حدیثیں وارد فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نماز

پڑھ رہا تھا جو آنحضرت ﷺ آئے مجھے بلایا لیکن میں آپ کے پاس نہ آیا نماز ختم کر کے پہنچا تو آپ نے پوچھا کہ اسی وقت کیوں نہ آئے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نماز میں تھا۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں آیت: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (الانفال:۲۴) یعنی ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی بات مان لو جب بھی وہ تمہیں پکاریں۔ سن اب میں تجھے مسجد میں سے نکلنے سے پہلے ہی قرآن کریم کی بہت بڑی سورت بتلاؤں گا۔ تھوڑی دیر میں جب حضور ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا آپ نے فرمایا وہ سورۃ آیت (الحمد للہ ربّ العالمین) کی ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی بڑا قرآن ہے جو میں دیا گیا ہوں۔ دوسری میں آپ کا فرمان ہے کہ ام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ پس صاف ثابت ہے کہ سبع مثانی اور قرآن عظیم سے مراد سورۃ فاتحہ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس کے سوا اور بھی یہی ہے اس کے خلاف یہ حدیثیں نہیں۔ جب کہ ان میں بھی یہ حقیقت پائی جائے جیسے کہ پورے قرآن کریم کا وصف بھی اس کے مخالف نہیں۔ جیسے فرمان الٰہی ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ پس اس آیت میں سارے قرآن کو مثانی کہا گیا ہے۔ اور متشابہ بھی۔ پس وہ ایک طرح سے مثانی ہے اور دوسری وجہ سے متشابہ۔ اور قرآن عظیم بھی یہی ہے جیسے کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ تقویٰ پر جس مسجد کی بنا ہے وہ کون ہے؟ تو آپ نے اپنی مسجد کی طرف اشارہ کیا حالانکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آیت مسجد قبا کے بارے میں اتری ہے۔ پس قاعدہ یہی ہے کہ کسی چیز کا ذکر دوسری چیز سے انکار نہیں ہوتا۔ جب کہ وہ بھی وہی صفت رکھتی ہو۔ واللہ اعلم۔

پس تجھے ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے بے نیاز رہنا چاہئے اسی فرمان کی بنا پر امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحیح حدیث جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہم میں سے وہ نہیں جو قرآن کے ساتھ تغنی نہ کرے کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ جو قرآن کو لے کر اس کے ماسوا سے دست بردار اور بے پرواہ نہ ہو جائے وہ مسلمان نہیں۔ گو یہ تفسیر بالکل صحیح ہے لیکن اس حدیث سے یہ مقصود نہیں حدیث کا صحیح مقصد اس ہماری تفسیر کے شروع میں ہم نے بیان کر دیا ہے ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ کے ہاں ایک مرتبہ مہمان آئے آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا آپ نے ایک یہودی سے رجب کے وعدے پر آٹا ادھار منگوایا لیکن اس نے کہا بغیر کسی چیز کو رھن رکھے میں نہیں دوں گا اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا واللہ میں امین ہوں اور زمین والوں میں بھی اگر یہ مجھے ادھار دیتا یا میرے ہاتھ فروخت کر دیتا تو میں اسے ضرور ادا کرتا پس: (لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ) (الحجر:۸۸) نازل ہوئی اور گویا آپ کی دل جوئی کی گئی۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں انسان کو ممنوع ہے کہ کسی کے مال و متاع کو للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکے۔ یہ جو فرمایا کہ ان کی جماعتوں کو جو فائدہ ہم نے دے رکھا ہے اس سے مراد کفار کے مالدار لوگ ہیں۔

كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ﴿۹۰﴾

سابقہ امتوں نے اپنی کتابوں کے اجزاء بنا رکھے تھے:

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائی

تھیں ان لوگوں نے ان کے مختلف اجزاء کر لیے تھے یعنی بعض پر ایمان لاتے تھے بعض کے منکر ہوجاتے تھے اور ان میں تحریف وتبدیل بھی کرتے تھے ان تقسیم کرنے والوں کو الْمُقْتَسِمِيْنَ سے تعبیر فرمایا اور جو کتابیں ان پر نازل ہوئی تھیں ان کو قرآن سے تعبیر کیا لفظ قرآن فعلان کا وزن ہے جو قَرَءَ يَقْرَءُ سے ماخوذ ہے ہر وہ چیز جو پڑھی جائے وہ قرآن ہے یہ اس کا لغوی معنی ہے اور امت حاضر کی اصطلاح میں لفظ قرآن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا علم ہے یعنی مخصوص نام ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، آیت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں پر عذاب نازل کیا جنہوں نے احکام الٰہیہ کے حصے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتابوں کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے، اسی طرح سے اس زمانے کے مکذبین پر بھی عذاب نازل ہوسکتا ہے، قال صاحب معالم التنزیل ص ۵۸ ج ۳ جزؤہ فجعلوہ جزءً فامنوا ببعضه وكفروا ببعضه وقال مجاهد هم اليهود والنصارىٰ قسموا كتابهم ففرقوه وبدلوه ۱ ھ، کہ انہوں نے کتاب اللہ کو حصوں میں تقسیم کردیا اور بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کردیا اور مجاہد کہتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اسے تقسیم کیا اور تبدیل کیا۔ صحیح بخاری ص ۶۸۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے مذکورہ بالا تفسیر یوں نقل کی ہے: قال امنوا ببعض وكفروا ببعض اليهود والنصارىٰ

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں سولہ مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور مکہ معظمہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو تقسیم کرلیں جس شخص کی طرف سے بھی آنے والے گزریں وہ ان سے یوں کہے کہ اہل مکہ میں سے جو شخص مدعی نبوت نکلا ہے اس کے دھوکہ میں نہ آنا کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص دیوانہ ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص کاہن ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شاعر ہے (العیاذ باللہ) چنانچہ ان لوگوں نے ایسا کیا اس قول کی بناء پر انزلنا جو ماضی کا صیغہ ہے مضارع کے معنی میں ہوگا اور مطلب یہ ہے کہ مکہ کے راستے کی گھاٹیاں تقسیم کرنے والے اور ان پر بیٹھنے والے ہلاک ہوں گے چنانچہ یہ لوگ غزوہ بدر میں مقتول ہوگئے اس تفسیر کی بنا پر الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کریم کو اس طرح بانٹ لیا کہ اس کے بارے میں بطور تکذیب مختلف قسم کی باتیں کہتے تھے کوئی کہتا تھا کہ یہ سحر ہے اور کسی کا کہنا تھا کہ یہ شعر ہے اور بعض نے یوں کہا کہ یہ کذب ہے اور بعض نے اسے (اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ) بتایا اس صورت میں قرآن سے قرآن مجید ہی مراد ہوگا اور کتب سابقہ مراد لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۞

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا عبرتناک انجام:

حکم ہو رہا ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ آپ اللہ کی باتیں لوگوں کو صاف صاف بے جھجک پہنچا دیں نہ کسی کی رورعایت کیجئے نہ کسی کا ڈر خوف کیجئے۔ اس آیت کے اترنے سے پہلے تک حضور ﷺ پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے لیکن اس کے بعد آپ اور آپ کے اصحاب نے کھلے طور پر اشاعت دین شروع کردی۔ ان مذاق اڑانے والوں کو ہم پر چھوڑ دے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے تو اپنی تبلیغ کے فریضے میں کوتاہی نہ کر یہ تو چاہتے ہیں کہ ذرا سی سستی آپ کی طرف سے دیکھیں تو خود بھی دست بردار ہو جائیں۔ تو ان سے مطلقاً خوف نہ کر اللہ تعالیٰ تیری جانب اتارا گیا لوگوں کی برائی سے تجھے محفوظ رکھ لے گا۔ چنانچہ ایک دن

حضور ﷺ راستے سے جارہے تھے کہ بعض مشرکوں نے آپ کو چھیڑا اسی وقت حضرت جرائیل علیہ السلام آئے اور انہیں نشتر مارا جس سے ان کے جسموں میں ایسا ہو گیا جیسے نیزے کے زخم ہوں اسی میں وہ مر گئے اور یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤسا تھے۔ بڑی عمر کے تھے اور نہایت شریف گنے جاتے تھے۔ بنواسد کے قبیلے میں تو اسود بن عبد المطلب ابوزمعہ۔ یہ حضور ﷺ کا بڑا ہی دشمن تھا۔ ایذائیں دیا کرتا تھا اور مذاق اڑایا کرتا تھا آپ نے تنگ آکر اس کے لئے بددعا بھی کی تھی کہ اے اللہ اسے اندھا کردے بے اولاد کردے۔ بنی زہرہ میں سے اسود تھا اور بنی مخزوم میں سے ولید تھا اور بنی سہم میں سے عاص بن وائل تھا۔ اور خزاعہ میں سے حارث تھا۔ یہ لوگ برابر حضور ﷺ کو ایذاء رسائی کے درپے لگے رہتے تھے اور لوگوں کو آپ کے خلاف ابھارا کرتے تھے اور جو تکلیف ان کے بس میں ہوتی آپ کو پہنچایا کرتے جب یہ اپنے مظالم میں حد سے گزر گئے اور بات بات میں حضور ﷺ کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آیت (فاصدع سے یعلمون) تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ طواف کررہے تھے کہ حضرت جرائیل علیہ السلام آئے بیت اللہ شریف میں آپ کے پاس کھڑے ہو گئے اتنے میں اسود بن عبد یغوث آپ کے پاس سے گزرا تو حضرت جرائیل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور اسی میں وہ مرا۔ اتنے میں ولید بن مغیرہ گزرا اس کی ایڑی ایک خزاعی شخص کے تیر کے پھل سے کچھ یونہی سی چھل گئی تھی اور اسے بھی دو سال گزر چکے تھے حضرت جرائیل علیہ السلام نے اسی کی طرف اشارہ کیا وہ پھول گئی، پکی اور اسی میں وہ مرا۔ پھر عاص بن وائل گزرا۔ اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا کچھ دنوں بعد یہ طائف جانے کے لئے اپنے گدھے پر سوار چلا۔ راستے میں گر پڑا اور تلوے میں کیل گھس گئی جس نے اس کی جان لی۔ حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا اسے خون آنے لگا اور اسی میں مرا۔ ان سب موذیوں کا سردار ولید بن مغیرہ تھا اسی نے انہیں جمع کیا تھا پس یہ پانچ یا سات شخص تھے جو جڑ تھے اور ان کے اشاروں سے اور ذلیل لوگ بھی کمینہ پن کی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ اس لغو حرکت کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ انہیں اپنے کرتوت کا مزہ ابھی ابھی آجائے گا۔ اور بھی جو رسول کا مخالف ہو اللہ کے ساتھ شرک کرے اس کا یہی حال ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی بکواس سے اے نبی تمہیں تکلیف ہوتی ہے دل تنگ ہوتا ہے لیکن تم ان کا خیال بھی نہ کرو۔ اللہ تمہارا مددگار ہے۔ تم اپنے رب کے ذکر اور اس کی تسبیح اور حمد میں لگے رہو۔ اس کی عبادت جی بھر کر کرو نماز کا خیال رکھو سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دو۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم شروع دن کی چار رکعت سے عاجز نہ ہو میں تجھے آخر دن تک کفایت کروں گا۔ حضور علیہ السلام کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کا معاملہ آپڑتا تو آپ نماز شروع کردیتے۔

یقین کا مفہوم:

یقین سے مراد اس آخری آیت میں موت ہے اس کی دلیل سورۃ مدثر کی وہ آیتیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جہنمی اپنی برائیاں کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے مسکینوں کو کھانا کھلاتے نہیں تھے باتیں بنایا کرتے تھے اور قیامت کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ موت آگئی یہاں بھی موت کی جگہ لفظ یقین ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون ؓ کے انتقال کے بعد جب حضور ﷺ ان کے پاس گئے تو انصار کی ایک عورت ام العلاء نے کہا کہ اے ابوالسائب

اللہ کی تجھ پر رحمتیں ہوں بیشک اللہ تعالیٰ نے تیری تکریم وعزت کی حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا تجھے کیسے یقین ہو گیا کہ اللہ نے اس کا اکرام کیا انہوں نے جواب دیا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں پھر کون ہوگا جس کا اکرام ہو؟ آپ نے فرمایا سنو اسے موت آ چکی اور مجھے اس کیلئے بھلائی کی امید ہے اس حدیث میں بھی موت کی جگہ یقین کا لفظ ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز وغیرہ عبادات انسان پر فرض ہیں جب تک کہ اس کی عقل باقی رہے اور ہوش حواس ثابت ہوں جیسی اس کی حالت ہو اسی کے مطابق نماز ادا کر لے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر، نہ ہو سکے تو بیٹھ کر، نہ ہو سکے تو کروٹ پر لیٹ کر۔ بدمذہبوں نے اس سے اپنے مطلب کی ایک بات گھڑ لی ہے کہ جب تک انسان درجہ کمال تک نہ پہنچے اس پر عبادات فرض رہتی ہیں لیکن جب معرفت کی منزلیں طے کر چکا تو عبادت کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے یہ سراسر کفر ضلالت اور جہالت ہے۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ انبیا اور حضور سرور انبیاء علیہم السلام اور آپ کے اصحاب معرفت کے تمام درجے طے کر چکے تھے اور دین کے علم وعرفان میں سب دنیا سے کامل تھے رب کی صفات اور ذات کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے باوجود اس کے سب سے زیادہ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور رب کی اطاعت میں تمام دنیا سے زیادہ مشغول رہتے تھے اور دنیا کے آخری دم تک اسی میں لگے رہے۔ پس ثابت ہے کہ یہاں مراد یقین سے موت ہے تمام مفسرین صحابہ تابعین وغیرہ کا یہی مذہب ہے فالحمد للہ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے اس نے جو ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے اس پر ہم اس کی تعریفیں کرتے ہیں اسی سے نیک کاموں میں مدد پاتے ہیں اسی کی پاک ذات پر ہمارا بھروسہ ہے ہم اس مالک حاکم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ بہترین اور کامل اسلام ایمان اور نیکی پر موت دے وہ جواد ہے اور کریم ہے۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ

سُوْرَةُ النَّحْلِ ١٦ مَكِّيَّة ٧٠ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ١٢٨ | رُكُوْعَاتُهَا ١٦

سورۂ نحل مکہ میں اتری   شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے   اور اس کی ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع

سورہ نحل مکی ہے بجز آیت وان عاقبتم الخ کے اس میں ۱۲۸ آیتیں ہیں

لَمَّا اسْتَبْطَأَ الْمُشْرِكُوْنَ الْعَذَابَ نَزَلَ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ اَيِ السَّاعَةُ وَاَتٰى بِصِيْغَةِ الْمَاضِيْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ اَيْ
قَرُبَ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ تَطْلُبُوْهُ قَبْلَ حِيْنِهٖ فَاِنَّهٗ وَاقِعٌ لَا مَحَالَةَ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيْهًا لَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (١)
بِهٖ غَيْرَهٗ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اَيْ جِبْرَئِيْلَ بِالرُّوْحِ بِالْوَحْيِ مِنْ اَمْرِهٖ بِاِرَادَتِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ وَ
هُمُ الْاَنْبِيَاءُ اَنْ مُفَسِّرَةٌ اَنْذِرُوْۤا خَوِّفُوا الْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ وَاَعْلِمُوْهُمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا
فَاتَّقُوْنِ (٢) خَافُوْنِ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اَيْ مُحِقًّا تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (٣) بِهٖ مِنَ الْاَصْنَامِ
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ اِلٰى اَنْ صَيَّرَهٗ قَوِيًّا شَدِيْدًا فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ مُّبِيْنٌ (٤)
بَيِّنُهَا فِيْ نَفْيِ الْبَعْثِ قَائِلًا مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ وَالْاَنْعَامَ الْاِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَنَصْبُهٗ بِفِعْلٍ
يُفَسِّرُهٗ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْ جُمْلَةِ النَّاسِ فِيْهَا دِفْءٌ مَا تَسْتَدْفِئُوْنَ بِهٖ مِنَ الْاَكْسِيَةِ وَالْاَرْدِيَةِ مِنْ اَشْعَارِ
هَا وَاَصْوَافِهَا وَّمَنَافِعُ مِنَ النَّسْلِ وَالدَّرِّ وَالرُّكُوْبِ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (٥) قَدَّمَ الظَّرْفَ لِلْفَاصِلَةِ وَلَكُمْ
فِيْهَا جَمَالٌ زِيْنَةٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ تَرُدُّوْنَهَا اِلٰى مَرَاحِهَا بِالْعَشِيِّ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ (٦) تُخْرِجُوْنَهَا اِلَى
الْمَرْعٰى بِالْغَدَاةِ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اَحْمَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ
وَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ عَلٰى غَيْرِ الْاِبِلِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (٧) وَبِجَهْدِهَا بِكُمْ حَيْثُ خَلَقَهَا لَكُمْ وَّ خَلَقَ
الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَالتَّعْلِيْلُ بِهِمَا لِتَعْرِيْفِ النِّعَمِ لَا يُنَافِيْ

خَلْقَهَا لِغَيْرِ ذٰلِكَ كَالْاَكْلِ فِى الْخَيْلِ الثَّابِتِ بِحَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٨ مِنَ
الْاَشْيَاءِ الْعَجِيْبَةِ الْغَرِيْبَةِ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ اَیْ بَيَانُ الطَّرِيْقِ الْمُسْتَقِيْمِ وَ مِنْهَا اَیِ السَّبِيْلِ جَآئِرٌ
حَائِدٌ عَنِ الْاِسْتِقَامَةِ وَ لَوْ شَآءَ هِدَايَتَكُمْ لَهَدٰىكُمْ اِلٰى قَصْدِ السَّبِيْلِ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ فَتَهْتَدُوْنَ اِلَيْهِ ع ۹ ۷
بِاخْتِيَارٍ مِنْكُمْ

ترجمہ: (عذاب کے آنے میں جب مشرکین نے جلدی چاہی تو یہ آیات نازل ہوئیں) اللہ کا حکم آ پہنچا (یعنی قیامت کی گھڑی، قیامت کے وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے صیغہ ماضی لائے یعنی عنقریب) سو اس کی جلدی مت کرو (وقت سے پہلے طلب نہ کرو کیونکہ وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے) وہ پاک ہے (اس کے لئے پاکی ہے) اور برتر ہے ان کے شریک بتلانے سے (غیر اللہ کی اس کے ساتھ شرکت سے) اتارتا ہے فرشتوں کو (یعنی جبرئیل کو بھید (وحی) دیکر) اپنے حکم (ارادہ) سے جس پر چاہے اپنے بندوں (پیغمبروں) میں کہ (ان مفسرہ ہے خبردار کردو (کفار کو خوف دلاؤ عذاب کا اور ان کو بتلادو) کہ کسی کی بندگی نہیں ہے سوا میرے سو مجھ سے ڈرو (خوف کھاؤ) آسمان اور زمین بنائے ٹھیک ٹھیک (یعنی تدبیر کرتے ہوئے) وہ برتر ہے ان کے شریک بتلانے سے (اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرنے سے) آدمی کو پیدا کیا ایک بوند سے (منی سے یہاں تک کہ اس کو طاقتور، مضبوط بنادیا) پھر جب ہی ہوگیا جھگڑا کرنے والا (بے حد جھگڑالو) بولنے والا (یہ کہہ کر قیامت کا صاف انکار کرنے والا کہ ان بودی پرانی ہڈیوں کو کوئی زندہ کرے گا؟) اور چوپائے (اونٹ، گائے بکریاں وغیرہ یہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اگلا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے) پیدا کیے تمہارے واسطے (کچھ لوگوں کے لئے) ان میں جاڑے کا سامان ہے (بال اور اون سے بنے ہوئے کمبلوں اور چادروں سے جو تم گرمی حاصل کرتے ہو) اور کتنے فائدے (نسل اور دودھ اور سواری کے) اور بعضوں کو کھاتے ہو (ظرف کو فاصلہ کے لئے مقدم کیا) اور تمہارے لئے ان میں خوبصورتی (زینت) ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو (شام کے وقت جب ان کو چرا کر ان کے ٹھکانوں پر واپس لاتے ہو) اور جب چرانے لیجاتے ہو (جب صبح کے وقت ان کو چراگاہ کی طرف نکال کرلے جاتے ہو) اور اٹھالے چلتے ہیں تمہارے بوجھ (تمہارے بار) ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں (بغیر اونٹ پر سوار ہوئے نہ پہونچ سکتے) مگر جان مار (مشقت سے (بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا ہے مہربان ہے (تم پر کہ ان کو تمہارے واسطے پیدا کیا) اور (پیدا کیے) تمہارے واسطے گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے (یہ مفعول لہ ہے اور تینوں جانوروں کے پیدا کرنے کی ان دونوں علتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی پیدائش کی کوئی اور غرض نہ ہو چنانچہ گھوڑے کے گوشت کا کھانا حدیث صحیحین سے ثابت ہے) اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے (عجیب وغریب چیزیں) اور اللہ کا کام ہے کہ راہ حق بتانا (سیدھی راہ کو واضح کرنا) اور کچھ راہیں ٹیڑھی بھی ہیں (سیدھے راستے سے ہٹی ہوئیں) اور اگر وہ چاہے (تمہاری ہدایت کو) تو ہدایت دے (سیدھی راہ کی) تم سب کو (تو تم سے اپنے اختیار سے اس تک پہنچ جاتے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَاَتٰی بِصِیْغَةِ الْمَاضِیْ: قطعی ویقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر فرمائی۔
قوله: بِہٖ غَیْرَہٗ: اس میں ضمیر عائد محذوف کی طرف اشارہ کردیا۔
قوله: جِبْرَئِیْلَ: تمام کا ذکر کر کے بعض کو مراد لیا اور وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔
قوله: بِالرُّوْحِ: وحی کو روح کہا اس لئے کہ وہ دین میں اس طرح ہے جیسا جسم میں روح یا اس طرح کہہ لیں کہ جہالت سے مردہ دلوں کو وحی نور علم سے زندہ کردیتی ہے۔
قوله: بِاِرَادَتِہٖ: اشارہ کیا کہ عن یہ باکے معنی میں ہے اور امر ارادہ کے معنی میں ہے کیونکہ ارادہ الٰہی کے بغیر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔
قوله: اَنْ مُفَسِّرَۃٌ: روح وحی کے معنی میں قول پر دلالت کرتی ہے پس ان مفسرہ کی شرط پائی گئی۔
قوله: وَاَعْلِمُوْھُمْ: اس کو مقدر مانا پس انہ لا الٰہ الا آنا یہ دوسرا مفعول بنا اور انہ کی ضمیر ضمیر شان ہے۔
قوله: خَلَقَھَا لَکُمْ: اس میں جس کی خاطر بنایا اس کا ذکر کردیا اور مابعد اس کی تفصیل لائے۔
قوله: فِیْ جُمْلَةِ: الناس اس میں اشارہ کہ خطاب تمام انسانوں کو ہے خاص مومنوں کو نہیں۔
قوله: تُخْرِجُوْنَھَا: اس سے اشارہ ہے کہ گھروں کے صحن دو اوقات میں ان سے زینت پاتے ہیں۔
قوله: بَیَانُ الطَّرِیْقِ: مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ وعدہ الٰہی تو بیان طریق کا ہے نہ کہ نفس طریق کا۔
قوله: اَلْمُسْتَقِیْمِ: القصد یہ مصدر ہے جو فاعل کے معنی میں آیا ہے۔ لفظ سبیل مؤنث و مذکر آتا ہے۔

تفسیر مقبولین

اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝

قیامت کا آنا یقینی ہے، انسان بڑا جھگڑالو ہے:

یہاں سے سورۂ نحل شروع ہے اس میں عموماً اللہ کی توحید بیان کی گئی ہے اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں، اس میں ایک جگہ شہد کی مکھی کے گھر بنانے اور پھلوں کو چوسنے اور اس سے شہد پیدا ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، شہد کی مکھی کو عربی میں نحل کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النحل رکھا گیا۔

مذکورہ بالا آیت میں معاد یعنی قیامت اور توحید و رسالت اور آسمان و زمین کی تخلیق اور انسانوں کی پیدائش کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا: اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ (اللہ کا حکم آپہنچا لہٰذا تم اس کے بارے میں جلدی نہ مچاؤ) جب مشرکین کے سامنے ایمان نہ لانے پر اور شرک اختیار کرنے پر عذاب آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ عذاب آنے والا نہیں یہ تو خالی دھمکیاں ہیں ہمیں تو عذاب آتا ہوا نظر نہیں آتا، اور جب قیامت کی بات سامنے آتی تھی تو اس کا بھی انکار کرتے تھے اور عذاب

کے بارے میں کہتے تھے کہ عذاب آنا ہے تو کیوں نہیں آجاتا، ابھی آجائے اور جلدی آجائے، ان کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حکم آپہنچا یعنی اس کا آنا یقینی ہے اور جس چیز کا آنا یقینی ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز پہنچی ہو، کسی چیز کے آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ نہیں آئے گی، دنیا کی جتنی زندگی گزر گئی اس کے اعتبار سے اب قیامت کے آنے میں قابل ذکر دیر نہیں رہی، یہ امت آخر الامم ہے اس کے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بعثت انا والساعۃ کھاتین (یعنی میں اور قیامت دونوں اس طرح سے بھیجے گئے ہیں جیسے آپس میں یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور ان میں بیچ کی انگلی اشارہ والی انگلی ہے ذرا سی آگے بڑھی ہوئی ہے) اتنی بات ہے کہ میں اس سے پہلے آگیا۔ (رواہ البخاری)

بعض مفسرین نے اَمْرُ اللّٰہِ سے تکذیب کرنے والوں کا عذاب مرادلیا ہے صاحب معالم التنزیل (ص ۱۷ ج ۲) لکھتے ہیں کہ نضر بن حارث نے یوں کہا تھا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (کہ اے اللہ اگر یہ (یعنی دین اسلام) حق ہے آپ کی طرف سے ہے (تو اس کے قبول نہ کرنے پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجیے، اس نے عذاب جلدی آنے کا مطالبہ کیا لہٰذا عذاب آگیا اور وہ (اور اسکے ساتھی) غزوہ بدر کے موقع پر مقتول ہو گئے۔

پھر فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں) مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دیتے تھے اور غیر اللہ کو بھی عبادت کا مستحق جانتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی اور صاف بتادیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور اس سے برتر ہے کہ کوئی اس کے برابر اور مستحق عبادت ہو، یہ مضمون جگہ جگہ قرآن میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

ذکر دلائل توحید:

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم سب سے اول اور مقدم اور اہم ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی تعلیم دیتے رہے۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون اور توحید کے بعد درجہ تقویٰ کا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تمام اولین اور آخرین کو وصیت فرمائی ولقد وصینا الذین اوتوا الكتب من قبلكم وایاكم ان اتقوا الله اس لیے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت و حکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور کمال قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ رب اکرم تمہارا خالق بھی ہے اور منعم بھی ہے اور باوجود تمہاری نافرمانیوں اور سرکشیوں کے تمہارے عذاب اور سزا میں جلدی نہیں کرتا تم کو چاہئے کہ نعمتوں سے منعم کو پہچانو اور اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور یہ دلائل چند قسم کے ہیں۔

قسم اول: زمین و آسمان کے تغیرات اور اس کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص انداز اور خاص مقدار پر پیدا کرنا حالانکہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا۔ یہ اس کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں زمین و آسمان سب سے عظیم ہیں اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔

قسم دوم: آسمان و زمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا۔ کما قال اللہ تعالی: خَلَقَ

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۝ ایک قطرہ آب سے ایک عجیب وغریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔انسان کی یہ عجیب وغریب پیدائش خدا کی کمال قدرت وحکمت کی دلیل ہے انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔کوئی جز سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے بلکہ یہ کسی علیم وقدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔لہٰذا ماں باپ کو خالق نہیں کہا جا سکتا۔

قسم سوم: احوال انسانی کے بعد حیوانات کے احوال سے استدلال کیا جو انسان کے کام آتے ہیں۔بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے۔پھر کسی کو کیا اور کسی کو کیا پیدا کیا۔کما قال اللہ تعالی: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ اور اس ضمن میں حیوانات کے جو فوائد اور منافع بیان فرمائے ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے اور ہر ایک مستقل نعمت ہے جس کا شکر بندوں کو واجب ہے اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اولا حیوانات کے ان منافع کا ذکر فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہے اور انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں جیسے بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے اور اس کے بعد ان چوپایوں کا ذکر جو سواری کے کام آتے ہیں۔

قسم چہارم: جس کو وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ میں ذکر فرمایا اس آیت میں ان چوپایوں کی پیدائش سے استدلال کیا جو انسان کے لیے ضروری اور لابدی تو نہیں مگر سواری اور زیب و زینت اور شان وشوکت کا ذریعہ ہیں۔جب جنگل جاتے ہیں تو جنگل بھر جاتے ہیں اور جب شام کو گھر واپس آتے ہیں تو گھر میں رونق ہو جاتی ہے اور ویخلق مالا تعلمون میں ان سواریوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو ہنوز ظہور میں نہیں آئیں بلکہ آئندہ چل کر پیدا ہوں گی۔جیسے ریل گاڑی اور دخانی جہاز اور موٹر اور بائیسکل یہ سواریاں نزول آیت کے وقت موجود نہ تھیں۔اور لوگ اس وقت ان چیزوں سے واقف نہ تھے۔

قسم پنجم: عجائب حیوانات کے بعد عجائب نباتات سے اپنی قدرت وحکمت پر استدلال فرمایا۔کما قال تعالی: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝ یہ قسم قسم کے نباتات اس کی قدرت کاملہ کی واضح اور روشن دلیل ہیں۔جن کی ماہیت اور حقیقت اور ان کی خاصیت اور کیفیت دریافت کرنے سے بڑے بڑے حکماء کی عقلیں عاجز ہیں۔

قسم ششم: احوال نباتات کے بعد اب شمس وقمر وکواکب وسیارات کے احوال سے استدلال کرتے ہیں کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ جائے کہ کھیتوں اور پھلوں کا پکنا شمس وقمر اور کواکب وسیارات کی تاثیر سے ہے کما قال اللہ تعالی: وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ

النَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ بلکہ اللہ تعالیٰ کے قدرت اور ارادہ سے ہے۔

قسم ہفتم: اس کے بعد اشجار و نباتات کے اختلاف الوان سے استدلال فرمایا کہ نباتات کے الوان (رنگتوں) کا مختلف ہونا طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کے قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔

قسم ہشتم: (استدلال باحوال کائنات بحریہ) کما قال اللہ تعالی: وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ان آیات میں کائنات بحریہ اور ان کے احوال سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی جانوروں کو پکڑتے ہو اور قسم قسم کے جواہر اس سے نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر کرتے ہو۔

قسم نہم: (استدلال باحوال کائنات ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں) کما قال تعالی: وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کر دیئے جس سے اس کی جنبش اور اضطراب میں سکون آ گیا۔

قسم دہم: (استدلال باحوام نجوم فلکیہ) کما قال تعالی: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ (فتلك عشرة كاملة) اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل اور براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ ان تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی چیز کے خالق نہیں تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں کہ لائق عبادت وہ ذات پاک یا برکات ہے جو ان عجائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شئے کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ دلائل مذکورہ: جب گزشتہ آیات میں وجود باری تعالیٰ پر احوال فلکیہ اور احوال انسانیہ اور احوال حیوانیہ اور احوال نباتیہ اور عناصر اربعہ سے استدلال فرمایا تو اخیر میں ان تمام دلائل کا نتیجہ بیان فرمایا: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ اور چونکہ اتباع حق سے تکبر مانع تھا اس لیے مضمون مذکورہ کو اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝ پر ختم فرمایا۔

تفصیل دلائل توحید

قسم اول:۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ خداوند قدیر نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں یہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہی معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہو کر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہو کر زمین بن گیا۔ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ

اتفاقی طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔ یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایتھر کا مقتضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کبھی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوق خداوندی ہیں اور قدرت قدیرہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و آسمان کا ہر جز اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

قسم دوم: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو ایک بے حس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی۔ پس وہ نکلا بڑا جھگڑالو پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات وصفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی میں جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرہ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجھدار انسان کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادر شکم میں رہا اور خون حیض اس کی غزا رہی اور مختلف مراحل اور منازل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جوان ہوا یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تصویر تھی۔

یہ آیت ابی بن خلف جمحی کے بارے میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا یہ شخص آنحضرت ﷺ کے حضور میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ تیرا یہ خیال ہے کہ خدا اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ یہ جھگڑالو انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو ایک بے حس نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے عقل اور دانائی اور گویائی دی اب یہ ہمارے ساتھ جھگڑتا ہے اور اپنی پیدائش سے دوبارہ پیدا ہونے پر دلیل نہیں پکڑتا بوسیدہ ہڈی سے انسان کا پیدا کرنا نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ عجب نہیں جو ذات تجھ کو نطفہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قسم سوم: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ اور خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہیں جو تم کو جاڑے سے بچائے جسے جڑاول کہتے ہیں اس کے علاوہ کتنے فائدے ہیں اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو یعنی ان کے گوشت اور چربی اور دودھ اور گھی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو اس وقت تر و تازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور چہل پہل ہے اور جب صبح کے وقت ان کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چراگاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا جو تمہارے لیے سامان سفر بھی ہے اور سامان زراعت و حراثت بھی ہے اور ان کا دودھ اور گوشت تمہاری اعلیٰ ترین غذا ہے اور ان کا صوف اور بال تمہارا سامان لباس ہے۔

قسم چہارم: وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَةً ؕ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ ان عجیب وغریب چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ جیسے انواع و اقسام کے کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور یا جو پہاڑوں کے کھڈوں میں ہیں جن کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

نکتہ: اول حق تعالیٰ نے ان حیوانات کے منافع کا ذکر فرمایا جن کی انسان کو کھانے کے لئے ضرورت ہے دوم ان حیوانات کا ذکر کیا جن سے بجائے غذا کے سواری کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ سے ان حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا جن کی انسان کو ضرورت نہیں ہوئی۔

جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ:

وَعَلَی اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝

اوپر سے دلائل توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے درمیان میں بطور جملہ معترضہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ دلائل مذکورہ صراط مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ ہی پر پہنچتا ہے سیدھا راستہ یعنی دین اسلام جو اس راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے ہیں جو خدا تک نہیں پہنچتے وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں مطلب یہ ہے کہ راہ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو راستے ہیں جیسے یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور نیچریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستہ کا بیان کرنا اللہ کے ذمہ ہے کیونکہ وہ طریق ہدایت کو ظاہر کیے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر چلے وہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے علم اور مشیت کے ساتھ ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر کر دیتا اس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جس کو چاہا شہوات کے اور ظلمات کے بیابانوں میں گم گشتہ راہ بنایا اب آگے پھر اپنی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت میں احوال حیوانات سے استدلال تھا اب احوال نباتات سے استدلال فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ تَشْرَبُوْنَهٗ وَّمِنْهُ شَجَرٌ یَنْبُتُ بِسَبَبِهٖ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝ تَرْعَوْنَ دَوَابَّكُمْ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰیَةً دَالَّةً عَلٰی وَحْدَانِیَّتِهٖ تَعَالٰی لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِیْ صُنْعِهٖ فَیُؤْمِنُوْنَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی مَا قَبْلَهٗ وَالرَّفْعِ مُبْتَدَاءٌ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ بِالْوَجْهَیْنِ مُسَخَّرٰتٌۢ بِالنَّصْبِ حَالٌ وَالرَّفْعِ خَبَرٌ بِاَمْرِهٖ ؕ بِاِرَادَتِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ یَتَدَبَّرُوْنَ وَسَخَّرَ لَكُمْ وَمَا ذَرَاَ خَلَقَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ

مِنَ الْحَيَوَانِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهُ ط كَاَحْمَرَ وَاَخْضَرَ وَاَصْفَرَ وَغَيْرِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ يَتَّعِظُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ ذَلَّلَهُ لِرُكُوْبِهٖ وَالْغَوْصِ فِيْهِ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا
طَرِيًّا هُوَ السَّمَكُ وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ج هِيَ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ وَتَرَى تُبْصِرُ
الْفُلْكَ السُّفُنَ مَوَاخِرَ فِيْهِ تَمْخَرُ الْمَاءَ اَيْ تَشُقُّهُ بِجَرْيِهَا فِيْهِ مُقْبِلَةً وَمُدْبِرَةً بِرِيْحٍ وَاحِدَةٍ وَلِتَبْتَغُوْا
عَطْفٌ عَلٰى لِتَاْكُلُوْا تَطْلُبُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تَعَالٰى بِالتِّجَارَةِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ وَاَلْقٰى
فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ جِبَالًا ثَوَابِتَ اَنْ لَا تَمِيْدَ تَتَحَرَّكَ بِكُمْ وَجَعَلَ فِيْهَا وَاَنْهٰرًا كَالنِّيْلِ وَّسُبُلًا
طُرُقًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِلٰى مَقَاصِدِكُمْ وَعَلٰمٰتٍ ط تَسْتَدِلُّوْنَ بِهَا عَلَى الطُّرُقِ كَالْجِبَالِ بِالنَّهَارِ وَ
بِالنَّجْمِ بِمَعْنَى النُّجُوْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِلَى الطُّرُقِ وَالْقِبْلَةِ بِاللَّيْلِ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ وَهُوَ اللّٰهُ كَمَنْ لَّا
يَخْلُقُ ط وَهُوَ الْاَصْنَامُ حَيْثُ تُشْرِكُوْنَهَا مَعَهٗ فِي الْعِبَادَةِ لَا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ وَاِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط تَضْبِطُوْهَا فَضْلًا اَنْ تُطِيْقُوْا شُكْرَهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ حَيْثُ يُنْعِمُ
عَلَيْكُمْ مَعَ تَقْصِيْرِكُمْ وَعِصْيَانِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ بِالتَّاءِ
وَالْيَاءِ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهُوَ الْاَصْنَامُ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُصَوَّرُوْنَ مِنَ
الْحِجَارَةِ وَغَيْرِهَا اَمْوَاتٌ لَا رُوْحَ فِيْهِمْ خَبَرٌ ثَانٍ غَيْرُ اَحْيَاءٍ ج تَاكِيْدٌ وَمَا يَشْعُرُوْنَ لا اَيِ الْاَصْنَامُ
ع ۲ ۱۲ ۸ اَيَّانَ وَقْتَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اَيِ الْخَلْقُ فَكَيْفَ يُعْبَدُوْنَ اِذْ لَا يَكُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا الْخَالِقُ الْحَيُّ الْعَالِمُ بِالْغَيْبِ

ترجمہ: وہی ہے جس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے اور اسی سے درخت ہوتے ہیں (اسی سے درخت اُگتے ہیں) جس میں چراتے ہو (اپنے مویشوں کو چگاتے ہو) اس سے تمہارے واسطے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجوریں اور انگور، اور ہر قسم کے میوے اس (مذکورہ) بات میں نشانی (حق تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل) ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں (حق تعالیٰ کی کاریگری میں پھر اس پر ایمان لاتے ہیں) اور تمہارے کام میں لگا دیا رات اور دن اور سورج (نصب کے ساتھ ماقبل پر عطف کرتے ہوئے اور رفع کے ساتھ مبتدا جاننے کی صورت میں) اور چاند کو اور ستارے (اس میں بھی رفع، نصب دونوں صورتیں ہیں) کام میں لگے ہیں (منصوب ہونے کی صورت میں حال واقع ہے اور مرفوع ہونے کی صورت میں جر واقع ہے) اس کے حکم (ارادہ) سے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں (غور و فکر کرتے ہیں) اور تمہارے کام میں لگا دیا) ان چیزوں کو جو تمہارے واسطے پھیلا دیں (پیدا کیں) زمین

میں (حیوانات، نباتات وغیرہ) رنگ برنگ کی (سرخ زرد، ہری وغیرہ) اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچتے (نصیحت پکڑتے) ہیں اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو (جہاز رانی اور غوطہ خوری کے لئے) کہ اس میں تازہ گوشت (مچھلی کا) کھاؤ اور اس میں سے زیورات نکالو جو پہنتے ہو (موتی اور مرجان) دیکھتے ہو کہ کشتیاں پانی چیر کر چلتی ہیں (پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں ان کے چلنے کے وقت پانی آگے پیچھے ہٹ جاتا ہے ایک ہی ہوا کے ساتھ) اور اس واسطے کہ تلاش کرو (یہ جملہ لا کلوا پر عطف ہے اور تَبْتَغُوْا، تطلبوا کے معنی میں ہے) اسکی روزی (تجارت کے ذریعہ روزی تلاش کر سکو) اور تا کہ احسان مانو (حق تعالیٰ کا اس نعمت عظیمہ پر) اور زمین پر بوجھ رکھدئے (مضبوط پہاڑ) تا کہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے (ہلنے نہ لگے) اور (اس میں جاری کردیں) نہریں اور راستے تا کہ تم راہ پاؤ اپنی منزل مقصود تک پہونچ سکو) اور ایسی علامتیں بنائیں (جو تمہیں راستہ بتانیوالی ہیں جیسے پہاڑوں میں) اور ستاروں (نجم نجوم کے معنی میں ہے) سے لوگ راہنمائی حاصل کرتے ہیں (راستہ کی، اور رات کے وقت قبلہ کی سمت معلوم کرتے ہیں) بھلا جو پیدا کرے (خدا تعالیٰ) برابر ہے اس کے جو کچھ پیدا نہ کرے (وہ بت ہیں کہ جن کو تم عبادت میں اس کا شریک ٹھہراتے ہو؟ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے) کیا تم سوچتے نہیں ہو (اس بات کو تا کہ ایمان لے آؤ) اور اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمتوں کو تو شمار نہ کر سکو گے (ان نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکو گے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا تو دور کی بات ہے) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (کہ تمہاری کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود تم پر نعمتوں کی بارش کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جن کو پکارتے ہیں (تاء اور یاء کے ساتھ، جنکی عبادت کرتے ہو) اللہ کے سوا (بت مراد ہیں) کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں (پتھروں وغیرہ سے بنائے گئے ہیں) وہ مردے ہیں (ان میں روح نہیں ہے (خبر ثانی ہے) بے جان ہیں (یہ تاکید ہے) اور نہیں جانتے (یعنی بت) کب (کس وقت) اٹھائے جائیں گے (لوگ پھر کیسے ان کی عبادت کی جارہی ہے، کیونکہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو پیدا کرنے والا ہو زندہ ہو اور غیب کی باتوں کو جاننے والا ہو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَآءً لَّكُمْ: اس میں لام یہ انزل کا صلہ ہے۔

قوله: يُنْبِتُ بسببه: درخت کے پانی کی طرف نسبت سبیت کے واسطہ کی وجہ سے ہے۔

قوله: سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ: اس میں تسخیر سے مراد مہیا کرنا اور اس طرح بنانا کہ جس سے فوائد حاصل ہوں۔

قوله: سَخَّرَ لَكُمْ: ماء کا عطف اللیل پر ہے قریب پر نہیں۔

قوله: سخر الماء: پانی کو چیرنا۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰى لِتَاْكُلُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ کسی قریب پر عطف نہیں۔

قوله: لان: اس میں لام کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں۔

قوله: وَجَعَلَ فِيْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف رواسی پر ہے کیونکہ القیٰ میں جعل کا معنی پایا جاتا ہے۔

قولہ: لا روح فیھم: کا یہ معنی نہیں کہ پہلے روح تھی پھر زائل ہوگئی۔ یہ والذین یدعون کی دوسری خبر ہے۔

تفسیر مقبولین

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ....

احوال نباتات سے استدلال:

وہی ہے رب تمہارا جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا۔ تمہارا اسی سے پینا ہے اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اگتے ہیں جس میں تم اپنے مویشی چراتے ہو اسی پانی سے اللہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے۔ جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کر پھٹا اور اس سے سورگیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف۔ حالانکہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب وعلل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے جو اس میں غور وفکر کرلے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاری گری اور کرشمہ سازی ہے۔

قسم ششم: وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ اور رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کردیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد ورفت اور چاند اور سورج کے طلوع وغروب سے اور اوقات کے بدلنے سے کارخانہ عالم چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم سے ایسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کردی ہے اور انسان ان سے اوقات اور فصول کو معلوم کرتا ہے۔ پس فلاسفہ اور منجمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ، کواکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے، غلط ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں۔ سب اس کے بیگاری ہیں جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ہماری قدرت ویکتائی کی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کواکب ونجوم سب اجسام ہیں مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں۔ حالانکہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم کے تابع نہیں بذات خود عالم سفلی میں مدبر اور متصرف ہیں یہ لوگ بے عقل ہیں۔

غرض جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی وہ سمجھتا ہے کہ چاند اور سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے ہیں پس جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی خدا تعالیٰ ہے اور چونکہ آثار علویہ کی دلالت قدرت قاہرہ پر ظاہر و باہر ہے اس لیے اس آیت کو عقل پر ختم فرمایا۔

قسم ہفتم: وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝
اور مسخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو کس اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا حالانکہ ان کے رنگ مختلف ہیں جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیں انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیزیں صورت اور شکل اور رنگ اور بو کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے اگر کواکب اور نجوم کی تاثیر ہوتی تو سب نباتات ایک رنگ کے ہوتے۔ ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت اور الوہیت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں اور غافل نہیں ذرا غفلت کا پردہ اٹھا تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلا لیا اس لیے اس آیت کو تذکر پر ختم فرمایا۔ کیونکہ ان کی دلالت اس قدر واضح ہے کہ اس میں دقیق نظر وفکر کی حاجت نہیں محض تذکر اور یاددہانی کافی ہے۔

قسم ہشتم: وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ حق جل شانہ نے اپنی الوہیت کے ثابت کرنے کے لیے اول اجرام سماویہ سے استدلال کیا اور پھر دوسری مرتبہ میں انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا اور تیسری مرتبہ میں عجائب حیوانات سے استدلال کیا اور چوتھے مرتبہ میں عجائب نباتات سے استدلال کیا اب احوال عناصر کے عجائب سے استدلال فرماتے ہیں عناصر میں اول پانی کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور وہ ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ یعنی مچھلی نکال کر کھاؤ سمندر کا پانی شور ہے مگر مچھلی جو اس سے نکلتی ہے اسکا گوشت شور نہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے کہ شور میں سے ایک لذیذ چیز تمہارے کھانے کے لیے نکال دی اور تاکہ تم اس سمندر سے زیور نکالو یعنی موتی اور مرجان نکالو جس کو تم پہنتے ہو یعنی تمہاری عورتیں۔ چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے لیے ہوتی ہے اس لیے حق تعالیٰ نے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو کہ چیرتی چلی جاتی ہیں، کشتی کا ایک ہی ہوا سے ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا یہ خدا کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لیے ہے تاکہ اس کے فضل سے روزی تلاش کرو۔ یعنی تاکہ تم کشتیوں پر سوار ہو کر تجارت کرو اور فضل الٰہی سے نفع کماؤ اور تاکہ اللہ عزوجل کی شکرگزاری کرو کہ یہ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب اور تمہارا اس طرح سے سفر یہ اللہ کی نعمت ہے، جس کا شکر واجب ہے۔

قسم نہم: وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝
جب عنصر خاکی سے استدلال فرماتے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ زمین تم کو لے کر حرکت نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا اور پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا تاکہ زمین حرکت نہ کر سکے اس لیے زمین ٹھہر گئی یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک جسم کو خفیف بنایا اور ایک جسم (پہاڑ) کو ثقیل بنایا اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا کیں جیسے نیل اور فرات اور جیحون اور سیحون اور اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور پیدا کی زمین میں راہیں اور راستے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو، ان دلائل میں غور کرو کہ شاید تم اپنی منزل مقصود کی راہ پالو اور راستوں کی شناخت کے لیے اللہ نے اور بھی نشانیاں رکھی ہیں جن سے چلنے والے راستہ معلوم کرتے

ہیں اگر زمین کی ساری سطح یکساں ہوتی۔ کہیں درخت اور پہاڑ اور یہ نشان نہ ہوتے تو مسافر کو راستہ چلنا اور منزل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

قسم دہم: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾

اور علاوہ ازیں ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی چیزیں راستوں کی علامتیں نہیں بلکہ لق و دق میدانوں میں ستارے بھی راستوں کی علامتیں ہیں کہ قافلے ان کی سیدھ میں چلتے ہیں سمت اور رخ اور راستوں کا پتہ ستاروں کے ذریعے چلتا ہے اگر یہ علامتیں نہ ہوتیں تو بہت مشکل پڑ جاتی۔

تہدید براعراض از دلائل واضحہ:

یہاں تک توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ اب آگے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو ان دلائل واضحہ میں ذرا بھی غور نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو خدا ان اجرام علویہ اور سفلیہ اور حیوانات عجیبہ اور نباتات غریبہ اور مصنوعات عظیمہ کو پیدا کرتا ہے۔ مثل ان بتوں کے ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے پس کیا تم سوچتے نہیں کہ خالق اور غیر خالق کا برابر ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی نعمتیں مبذول ہوتی رہتی ہیں صرف ایک اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لو کہ اس نے تمہیں صحت دی۔ عقل دی سننے کے لیے کان دیئے اور بولنے کے لئے زبان دی اور پکڑنے کے لیے ہاتھ دیئے اور چلنے کے لیے پیر دیئے اس قسم کی بے شمار نعمتیں تم کو دیں جن کو تم گن نہیں سکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں بند نہیں کیں۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے منعم کی پرستش کرو کہ جس کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور وہ ایسا مہربان ہے کہ باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں تم پر بند نہیں کرتا اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور جو تم زبان سے ظاہر کرتے ہو۔ وہ تمہارے نیک و بد کی تمہیں سزا دے گا وہی عالم الغیب ہے قابل عبادت ہے ظاہر و باطن اس کے نزدیک برابر ہے یہ بت جن کو نہ تمہاری بدی کی خبر ہے اور نہ نیکی کی۔ پوجنے کے لائق نہیں اور جن حقیر چیزوں کی یہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں پس کیسے خالق کے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ تو مردے ہیں زندہ نہیں۔ وہ تو جمادات ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں پس یہ بت معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ معبود کے لئے حیات ازلیہ اور علم محیط چاہئے اور تمہارے ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ان کے عابدین یعنی جو ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یعنی ان کو قیامت کا علم نہیں اور نہ اپنے عابدین کی عبادت کا علم ہے لہٰذا جسے اپنے عبادت کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو وہ معبود ہی کیا ہوا تو ایسوں کو پوجنا کمال بے وقوفی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالق معبود اور عالم الغیب اور محیط کل ہو اور خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے پس ثابت ہوا کہ تمہارا معبود ایک اور یگانہ ہے۔ احد اور صمد ہے اس کے سوا کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل ایک معبود ہونے سے انکار کرتے ہیں اور وہ متکبر ہیں اس لیے انہیں حق کے قبول کرنے سے عار ہے بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور حق کو قبول نہ کرنا یہ تکبر ہے جو خدا

تعالیٰ کے نزدیک غایت درجہ مبغوض ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ متکبرین قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوں گے تاکہ لوگ انہیں اپنے قدموں سے پامال کریں مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ان کے اجسام صغیر اور حقیر ہوں گے تاکہ خوب ذلیل ہوں اور آگ میں ان کے اجسام کبیر (بڑے) ہو جائیں گے تاکہ عذاب شدید اور ضرب شدید و مدید کے موزوں اور محل بن سکیں۔

اور چونکہ حق سے اعراض کا منشاء تکبر تھا اس لیے آیت کو متکبرین کی مذمت پر ختم فرمایا۔

اِلٰهُكُمْ اَلْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَا نَظِيْرَ لَهٗ فِيْ ذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَالَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ جَاحِدَةٌ لِلْوَحْدَانِيَّةِ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ مُتَكَبِّرُوْنَ عَنِ
الْاِيْمَانِ بِهَا لَا جَرَمَ حَقًّا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ فَيُجَازِيْهِمْ بِذٰلِكَ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ وَنَزَلَ فِي النَّضْرِ بْنِ الْحَارِثِ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا اِسْتِفْهَامِيَّةٌ ذَا
مَوْصُوْلَةٌ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ عَلٰى مُحَمَّدٍ قَالُوْٓا هُوَ اَسَاطِيْرُ اَكَاذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِضْلَالًا لِلنَّاسِ
لِيَحْمِلُوْٓا فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ اَوْزَارَهُمْ ذُنُوْبَهُمْ كَامِلَةً لَمْ يُكَفَّرْ مِنْهَا شَيْءٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ بَعْضِ
اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ لِاَنَّهُمْ دَعَوْهُمْ اِلَى الضَّلَالِ فَاتَّبَعُوْهُمْ فَاشْتَرَكُوْا فِي الْاِثْمِ اَلَا
ع سَاۗءَ بِئْسَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ يَحْمِلُوْنَهٗ حَمْلُهُمْ هٰذَا

ترجمہ: تمہارا معبود برحق (تمہاری عبادت کا مستحق) تو ایک ہی ہے، جو اپنی ذات و صفات میں بے نظیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ پھر جو لوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تو ان کے دل ہی انکار میں ڈوبے ہوئے ہیں (اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں) اور وہ گھمنڈ کرنے والے ہیں (ایمان قبول کرنے سے تکبر کر رہے ہیں) ضروری بات ہے کہ اللہ ان کے سب کھلے اور چھپے احوال جانتے ہیں (لہٰذا ان باتوں کا انہیں ضرور بدلہ دے گا) بیشک حق تعالیٰ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (یعنی انہیں ضرور سزا دیں گے اگلی آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی) اور جب لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ (ما استفہامیہ ہے اور ذا موصولہ) تمہارے پروردگار نے (محمد پر) کیا بات اتاری ہے؟ تو کہتے ہیں (وہ بات) محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں (لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے) نتیجہ یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو انجام کار (اپنے گناہوں کا پورا بوجھ جن کا کچھ بدلہ بھی دنیا میں نہیں چکایا گیا ہوگا) قیامت کے روز اور جنہیں یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے ان کے گناہوں کا بھی (کچھ) بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا (کیونکہ انہوں نے دوسروں کو گمراہی کی طرف بلایا تھا جس کی وجہ سے دوسروں نے ان کی پیروی کی لہٰذا پیروی کرنے والوں کے گناہ میں آمادہ کرنے والے بھی شریک سمجھے جائیں گے) تو دیکھو کہ کیا ہی برا بوجھ ہے جو اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں (یہ ان کا بوجھ لادنا برا ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ: الٰہ کا معنی بتلایا کہ وہ ہے جو عبادت کا حقدار ہو۔
قوله: مُتَكَبِّرُوْنَ: یہاں استفعال تفعل کے معنی میں مبالغہ کے لئے لائے۔
قوله: اِنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ: محبت نہ کرنے سے مراد سزا دینا ہے۔
قوله: مَّا: یہ استفہامیہ ہے نافیہ اور شرطیہ اور موصولہ نہیں ہے۔
قوله: ذَا: یہ موصولہ ہے اسم اشارہ نہیں۔
قوله: هُوَ اَسَاطِيْرُ: مبتداء کو مقدر مانا اور وہ ھو کی ضمیر ہے۔
قوله: فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ لام یہاں عاقبت کا ہے۔
قوله: حَمْلَهُمْ: یہ مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر مقبولین

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ....

یعنی جو دلائل وشواہد اوپر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کر سکتا ہے لیکن غور وطلب تو وہ کرے جسے اپنی عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان وکفر کے نیک وبد انجام کی طرف کب التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور پیغمبر کے سامنے تواضع سے گردن جھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ....

قرآن حکیم کے ارشادات کو افسانے کہنا کفر کی علامت ہے:

ان منکرین قرآن سے جب سوال کیا جائے کہ کلام اللہ میں کیا نازل ہوا تو اصل جواب سے ہٹ کر بک دیتے ہیں کہ سوائے گزرے ہوئے افسانوں کے کیا رکھا ہے؟ وہی لکھ لئے ہیں اور صبح شام دوہرا رہے ہیں پس رسول اللہ ﷺ پر افترا باندھتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی اس کے خلاف اور کچھ کہنے لگتے ہیں۔ دراصل کسی بات پر جم ہی نہیں سکتے اور یہ بہت بری دلیل ہے ان کے تمام اقوال کے باطل ہونے کی۔ ہر ایک جو حق سے ہٹ جائے وہ یونہی مارا مارا بہکا بہکا پھرتا ہے کبھی حضور رسول ﷺ کو جادوگر کہتے، کبھی شاعر، کبھی کاہن، کبھی مجنون۔ پھر ان کے بڈھے گرو ولید بن مغیرہ مخزومی نے انہیں بڑے غور وخوض کے بعد کہا کہ سب مل کر اس کلام کو موثر جادو کہا کرو۔ ان کے اس قول کا نتیجہ بد ہوگا اور ہم نے انہیں اس راہ پر اس لئے لگا دیا ہے کہ یہ اپنے پورے گناہوں کے ساتھ ان کے بھی کچھ گناہ اپنے اوپر لادیں جو ان کے مقلد ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے چل

رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ہدایت کی دعوت دینے والے کو اپنے اجر کے ساتھ اپنے متبع لوگوں کا اجر بھی ملتا ہے لیکن ان کے اجر کم نہیں ہوتے اور برائی کی طرف بلانے والوں کو ان کی ماننے والوں کے گناہ بھی ملتے ہیں لیکن ماننے والوں کے گناہ کم ہو کر نہیں۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے: (وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ) (العنکبوت:13) یہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ہی ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کے افترا کا سوال ان سے قیامت کے دن ہونا ضروری ہے۔ پس ماننے والوں کے بوجھ گو ان کی گردنوں پر ہیں لیکن وہ بھی ہلکے نہیں ہوں گے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَهُوَ نَمْرُوْذُ بَنٰى صَرْحًا طَوِيْلًا لِيَصْعَدَ مِنْهُ اِلَى السَّمَآءِ لِيُقَاتِلَ اَهْلَهَا فَاَتَى اللّٰهُ قَصَدَ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ الْاَسَاسِ فَاَرْسَلَ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَالزَّلْزَلَةَ فَهَدَمَتْهَا فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ اَیْ وَهُمْ تَحْتَهٗ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطُرُ بِبَالِهِمْ وَقِيْلَ هٰذَا تَمْثِيْلٌ لِاِفْسَادِ مَا اَبْرَمُوْا مِنَ الْمَكْرِ بِالرُّسُلِ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ يُذِلُّهُمْ وَيَقُوْلُ لَهُمُ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰئِكَةِ تَوْبِيْخًا اَيْنَ شُرَكَآءِىَ بِزَعْمِكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ تُخَالِفُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْهِمْ فِیْ شَانِهِمْ قَالَ اَیْ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الْخِزْیَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ يَقُوْلُوْنَهٗ شَمَاتَةً بِهِمُ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ اِنْقَادُوْا وَاسْتَسْلَمُوْا عِنْدَ الْمَوْتِ قَائِلِيْنَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ شِرْكٍ فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِكَةُ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَيُقَالُ لَهُمْ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى مَاْوٰى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْاِيْمَانِ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ حَيَاةٌ طَيِّبَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اَیِ الْجَنَّةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا قَالَ تَعَالٰى فِيْهَا وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ هِیَ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهٗ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ كَذٰلِكَ الْجَزَاءُ يَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ طَاهِرِيْنَ مِنَ الْكُفْرِ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ وَيُقَالُ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ (۳۲) هَلْ مَا يَنْظُرُوْنَ يَنْتَظِرُ الْكُفَّارُ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ الْمَلٰٓئِكَةُ لِقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ
اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ الْعَذَابُ اَوِ الْقِيَامَةُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَيْهِ كَذٰلِكَ كَمَا فَعَلَ هٰٓؤُلَاءِ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ كَذَّبُوْا رُسُلَهُمْ فَاُهْلِكُوْا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۳۳) بِالْكُفْرِ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا اَيْ جَزَاؤُهَا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
ع ۱۰ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۳۴) اَيِ الْعَذَابُ

ترجمہ: البتہ دغابازی کر چکے تھے جو ان سے پہلے (نمرود نے ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کیا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کرے) پھر پہونچا حکم اللہ کا ان کی عمارت پر بنیادوں سے (چنانچہ آندھی اور زلزلہ آیا اور اس عمارت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا) پھر ان پر چھت گر پڑی (اور وہ ان کے تلے دب گئے) اور ان پر عذاب آیا جہاں سے ان کو خبر نہ تھی (یعنی ایسی طرف سے عذاب آیا کہ انہیں خطرہ بھی نہیں گذر سکتا تھا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ان کفار نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ جو مکر کا جال بنا تھا یہ اس کی تمثیل ہے) پھر قیامت کے دن ان کو اللہ رسوا کرے گا (اور ڈانٹتے ہوئے فرشتوں کی زبانی) ان سے پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک (تمہارے خیال کے مطابق) جن پر (جن کے بارے میں) مسلمانوں سے جھگڑا کرتے تھے (مسلمانوں سے اختلاف کیا کرتے تھے) اس وقت (انبیاء اور اہل ایمان میں سے) جاننے والے پکار اٹھیں گے بیشک آج کے دن رسوائی اور برائی منکروں پر ہے (یہی بات ان کی بدتر حالت سے خوش ہوتے ہوئے کہیں گے) جنہوں نے انکی جان نکالی تھی ایسی حالت میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے کفر کرکے تب ظاہر کریں گے اطاعت (فرمانبرداری ظاہر کریں گے اور موت کے قریب ہتھیار ڈال دیں گے یہ کہتے ہوئے کہ) ہم تو کچھ برائی (شرک نہیں کرتے تھے (اس پر فرشتے کہیں گے) کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے (لہٰذا اس پر تم کو بدلہ دے گا) پھر ان سے کہا جائے گا سو دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ سدا اسی میں رہا کرو کیا برا ٹھکانہ (جائے پناہ) ہے غرور کرنے والوں کا اور ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی (شرک سے) کہ کیا اتارا ہے تمہارے پروردگار نے؟ نیک بات، جنہوں نے بھلائی کی (ایمان لاکر) ان کے لئے بھلائی ہے اس دنیا میں (پاکیزہ زندگی) اور آخرت کا گھر (جنت) بہتر ہے (دنیا و مافیہا سے حق تعالیٰ نے جنت کے بارے میں فرمایا) اور کیا خوب ہے پرہیزگاروں کا گھر (وہ) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں (دائمی قیام کے، یہ مبتدا ہے اور اگلا جملہ خبر ہے) جن میں داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں گے ایسا (بدلہ) حق تعالیٰ پرہیزگاروں کو دیں گے جنہیں (صفت ہے) فرشتوں نے ایسی حالت میں موت دی ہوگی کہ وہ پاک تھے (کفر سے بچے رہے) فرشتے ان سے کہیں گے موت کے وقت السلام علیکم (اور آخرت میں ان سے کہا جائے گا) تم جنت میں چلے جاؤ اپنے اعمال کے سبب یہ (کفار) اس چیز کے منتظر ہیں کہ (ان کی جانیں قبض کرنے کے لیے) ان پر فرشتے اتر آئیں (لفظ تاتیھم تاء اور یاء کے ساتھ ہے) یا آپ کے پروردگار کا حکم آئے (حکم سے مراد عذاب لئے ہوئے) اسی طرح (جس طرح انہوں نے کیا) ان سے پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا (وہ امتیں جنہوں نے

اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا نتیجتاً ہلاک ہو گئیں) اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ انہیں بلا قصور ہلاک کر دیا ہو) لیکن (ہلاک کرنے کے) انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے آخر کار ان کی بد عملیوں کی سزائیں (پاداش) انہیں ملیں اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں آ گھیرا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: طَوِيْلًا: نمرود نے پانچ ہزار ہاتھ بلند محل بنایا تا کہ اہل سماء سے جنگ کرلے۔

قوله: قَصَدَ: یہاں مسبب کا ذکر کیا اور مراد سبب مجاز الیا۔

قوله: بُنْيَانَهُمْ: اس میں مضاف مقدر یعنی ان کی بنیادوں کے گرانے کا ارادہ فرمایا۔

قوله: قِيْلَ هٰذَا تَمْثِيْلٌ: اس صورت میں منصوبہ بندی کرنے والوں کی جڑ کاٹنا اور منصوبے کو ناکام کرنا مراد ہے پھر غرور کی دیوار کے گرانا مراد نہ ہوگا۔

قوله: تَوْبِيْخًا: یہ استفہام توبیخی ہے۔

قوله: بِزَعْمِكُمْ: شرکاء کی اضافت بھی ان کے زعم کے مطابق ہے اور اس کو بڑھا کر توبیخ مقصود ہے۔

قوله: يَقُوْلُ: یہ مضارع ہے جو ماضی کے معنی میں ہے۔

قوله: وَاسْتَسْلَمُوْا عِنْدَ الْمَوْتِ: یہاں سلم بمعنی صلح اور تواضع ہے۔

قوله: هِيَ: یہ مخصوص بالمدح ہے جو کہ محذوف ہے کیونکہ اس کا تذکرہ پہلے ہوا۔

قوله: بِاِهْلَاكِهِمْ: نفی ظلم ہے اس ظلم کی نفی مراد ہے جو لوگوں کے ہاں ظلم ہے۔

قوله: جَزَاؤُهَا: یہ لا کر اشارہ کیا کہ یہاں مضاف مقدر ہے۔

تفسیر مقبولین

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ....

معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ:

مشرکین مکہ جو قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں سوچتے تھے اور آپس میں مشورے کرتے تھے۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں ان لوگوں کی مکاری کا تذکرہ فرمایا جو پہلی امتوں میں گزرے ہیں، یہ لوگ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا کیا کرایا سب برباد کر دیا جیسے کوئی شخص عمارت بنائے اور پھر اس کی بنیادیں اور ستون گر پڑیں اور پھر اوپر سے چھت گر جائے ان کی بنائی ہوئی تعمیر بھی برباد ہوئی اور خود بھی اس میں دب کر رہ گئے اپنے مقاصد میں ناکام ہوئے اور اس طرح ان پر عذاب آ گیا بعض

کا انہیں خیال بھی نہ تھا، آیت کریمہ سے عام اقوام مراد لی جائیں تو کسی خاص قوم یا کسی خاص شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں رہتی، کثیر تعداد میں ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی اور ان کی تدبیریں ناکام ہوئیں اور ان پر عذاب آیا اور برباد و ہلاک ہوئے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: واختار جماعة بناءه على التمثيل حسبما سمعت وعليه فالمراد على المختار من الذين كفروا من قبل ما يشمل جميع الماكرين الذين هدم تعالى بنيانهم وسقط في ايديهم ایک جماعت نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس کی بناء تمثیل پر ہے پس مختار قول کے مطابق اس سے مراد سابقہ اقوام کے کافر ہیں جو ان تمام مکاروں کو شامل ہے جن کی تعمیریں خود ان کے اپنے اوپر گر پڑیں اور انہیں کے ہاتھوں گریں۔ (ص ۱۳۶ ج ۱۴)

اور حافظ ابن کثیر نے بھی (ص ۵۶۶ ج ۲) یہ بات لکھی ہے: حيث قال هذا من باب المثل بالابطال ما صنعه هؤلاء الذين كفروا بالله واشركوا في عبادته جو یہ فرمایا یہ ان کافروں کی ان مکاریوں کے ابطال کے لیے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کیا۔

لیکن خود صاحب روح المعانی اور حافظ ابن کثیر نے اور علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے شہر بابل میں ایک محل بنایا تھا جس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ اور چوڑائی تین ہزار ہاتھ تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ آسمان پر چڑھے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آسمان والوں سے قتال کرے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیج دی جس نے اس محل کو گرا دیا اور اس کی چھت نمرود پر اور اس کے اتباع پر گر پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ خود نمرود اس وقت ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ محل کی بربادی کے بعد زندہ رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مچھر کے ذریعے ہلاک فرما دیا جو اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے بخت نصر مراد ہے اس نے بھی مکاری کی تھی اور اونچا محل بنایا تھا پھر وہ محل برباد ہو گیا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اگر محل بنانے والی بات درست ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے فرعون نے اپنے وزیر سے کہا تھا: (يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا) (اے ہامان بنا دے میرے لیے ایک عمارت شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) فرعون کی تدبیریں بھی فیل ہوئیں، قارون بھی اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسایا گیا عاد و ثمود بھی برباد ہوئے اور دنیا میں عذاب چکھ لیا۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ....

مشرکین کی جان کنی کا عالم:

مشرکین کی جان کنی کے وقت کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب فرشتے ان کی جان لینے کے لئے آتے ہیں، تو یہ اس وقت سننے عمل کرنے اور مان لینے کا اقرار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے کرتوت چھپاتے ہوئے اپنی بے گناہی بیان کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھا کر اپنا مشرک نہ ہونا بیان کریں گے۔ جس طرح دنیا میں اپنی بے گناہی پر لوگوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ انہیں جواب ملے گا کہ جھوٹے ہو، بداعمالیاں جی کھول کر کر چکے ہو، اللہ غافل نہیں جو باتوں میں آ

جائے ہر ایک عمل اس پر روشن ہے۔ اب اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتو اور جہنم کے دروازوں سے جا کر ہمیشہ اسی بری جگہ میں پڑے رہو۔ مقام برا، مکان برا، ذلت اور سوائی والا، اللہ کی آیتوں سے تکبر کرنے کا اور اس کے رسولوں کی اتباع سے جی چرانے کا یہی بدلہ ہے۔ مرتے ہی ان کی روحیں جہنم رسید ہو جائیں اور جسموں پر قبروں میں جہنم کی گرمی اور اس کی لپک آنے لگی۔ قیامت کے دن روحیں جسموں سے مل کر نار جہنم میں گئیں اب نہ موت نہ تخفیف۔ جیسے فرمان باری ہے: وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (النمل) یہ دوزخ کی آگ کے سامنے ہر صبح شام لائے جاتے ہیں۔ قیامت کے قائم ہوتے ہی اے آل فرعون تم سخت تر عذاب میں چلے جاؤ۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ....

اہل تقویٰ کا اچھا انجام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جو ان کی خواہش ہوگی:

گزشتہ آیات میں کافروں کے مکر اور آخرت میں جو انہیں عذاب ہوگا اور رسوائی ہوگی اس کا ذکر تھا اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ فرشتے ایسی حالت میں ان کی جانیں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، ان آیات میں اہل ایمان کے اچھے اعمال اور اچھے اقوال کا تذکرہ فرمایا اور انہیں بشارت دی کہ وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور ان باغیچوں میں ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ موجود ہوگا جو بھی چاہیں گے وہ سب ملے گا، سورۃ زخرف میں فرمایا: (وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ) (اور وہاں وہ چیزیں موجود ہوں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی) ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو اسی طرح بدلہ عطا فرماتا ہے، تقویٰ میں ہر چیز آگئی شرک و کفر سے بچنا اور تمام گناہوں سے بچنا لفظ تقویٰ ان سب کو شامل ہے متقی حضرات کی موت کے وقت کی حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کریں گے کہ یہ لوگ پاکیزہ ہوں گے جس کا دل کفر و شرک سے پاک ہو اور دل میں ایمان کی نورانیت ہو اور اس کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین ہو ظاہر ہے کہ موت کے وقت بھی اس کی حالت اچھی ہوگی، فرشتے بھی ان سے اچھا معاملہ کرتے ہیں اور انہیں اس وقت سلام پیش کرتے ہیں اور جنت کی بھی بشارت دے دیتے ہیں، دنیا سے ایمان پر رخصت ہونا اور اچھے اعمال لے کر جانا یہ جنت میں جانے کا سبب ہے، جنت کا حقیقی داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن موت کے وقت اس کی خوشخبری بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ في معالم التنزيل ص ٦٦ ج ٣ طيبين مؤمنين طاهرين من الشرك، قال مجاهد زكية افعالهم واقوالهم وقيل معناه ان وفاتهم تقع طيبة سهلة۔

فائدہ: چند آیات پہلے فرمایا تھا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اور یہاں ان آیات میں فرمایا: وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان دونوں آیتوں کا سبب نزول ایک ہی ہے جس کا کچھ تذکرہ: كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور وہ یہ کہ مکہ معظمہ کے مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ اس شہر میں آنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کے لیے مختلف راستوں پر بیٹھ جاؤ جب اس پر عمل کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کسی قبیلے کا کوئی نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتا تو جھوٹی باتیں کر کے اسے وہیں سے برگشتہ کرتے تھے جب وہ لوگ اپنی قوم میں واپس ہوتے اور ان کی قوم کے لوگ دریافت کرتے کہ کیا معلوم کر کے آئے ہو تو یہ نمائندہ انہیں

راستوں پر بیٹھنے والوں کا قول نقل کر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ (کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہوتی ہیں) اور ان نمائندوں میں سے جو شخص یہ طے کر ہی لیتا کہ مجھے اصل بات کا پتہ چلانا ہی ہے تو وہ ان لوگوں کی باتوں میں نہ آتا تھا اور حضور اقدس ﷺ تک پہنچ ہی جاتا تھا یہ شخص مکہ معظمہ میں داخل ہو جاتا اور مومنین سے ملاقات کرتا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا تو اہل ایمان جواب میں کہتے تھے کہ آپ کی دعوت حق ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ پر خیر نازل فرمائی ہے مومنین کا جواب سن کر یہ نمائندہ مطمئن ہو جاتا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو مطمئن کر دیتا تھا۔

فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾

یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور وغفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے۔ باطل پرستی میں تمادی ہوتی رہی، توبہ کے وقت توبہ نہ کی، اخیر تک انبیاء کی تکذیب ومخالفت پر تلے رہے اور ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الٰہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان کا استہزاء وتمسخر انہی پر الٹ پڑا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ خدا کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں ظلم وتعدی کا امکان ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری کسی کا کیا بگڑا انہی کا نقصان ہوا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ مِنَ الْبَحَائِرِ وَالسَّوَائِبِ فَاِشْرَاكُنَا وَتَحْرِيْمُنَا بِمَشِيْئَتِهٖ فَهُوَ رَاضٍ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ اَیْ كَذَّبُوْا رُسُلَهُمْ فِيْمَا جَاءُوْا بِهٖ فَهَلْ فَمَا عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ هِدَايَةٌ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا كَمَا بَعَثْنَاكَ فِيْ هٰؤُلَاءِ اَنِ اَیْ بِاَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ الْاَوْثَانَ اَنْ تَعْبُدُوْهَا فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ فَاٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ وَجَبَتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ فَلَمْ يُؤْمِنْ فَسِیْرُوْا يَا كُفَّارَ مَكَّةَ فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾ رُسُلَهُمْ مِنَ الْهَلَاكِ اِنْ تَحْرِصْ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى هُدٰىهُمْ وَقَدْ اَضَلَّهُمُ اللّٰهُ لَا تَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مَنْ یُّضِلُّ مَنْ يُرِيْدُ اِضْلَالَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ مَانِعِيْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اَيْ غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِيْهَا لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ قَالَ تَعَالٰى بَلٰى يَبْعَثُهُمْ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا مَصْدَرَانِ مُؤَكِّدَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ اَيْ وَعَدَ ذٰلِكَ وَعْدًا وَحَقَّهُ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ اَیْ اَھْلُ مَکَّۃَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ لِیُبَیِّنَ مُتَعَلِّقٌ بِیَبْعَثُھُمُ الْمُقَدَّرِ لَھُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ مَعَ
الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْہِ مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ بِتَعْذِیْبِھِمْ وَاِثَابَۃِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾
فِیْ اِنْکَارِ الْبَعْثِ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰہُ اَیْ اَرَدْنَا اِیْجَادَہٗ وَقَوْلُنَا مُبْتَدَأٌ خَبَرُہٗ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ
ع ۵/۱۱ فَیَکُوْنُ ﴿۴۰﴾ اَیْ فَھُوَ یَکُوْنُ وَفِیْ قِرَائَۃٍ بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلٰی نَقُوْلُ وَالْاٰیَۃُ لِتَقْرِیْرِ الْقُدْرَۃِ عَلَی الْبَعْثِ

ترجمہ: اور مکہ کے مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کر سکتے اور اس کے حکم بغیر کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراتے (جیسے بحیرہ اور سائب جانور، پس ہمارا شریک کرنا اور ان جانوروں کو حرام ٹھہرانا اس کی مشیت سے ہے لہٰذا ان باتوں سے خوش ہے، حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں) ایسا ہی کیا ان سے اگلوں نے بھی (یعنی اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی باتوں کو جھٹلایا) سو رسولوں کے ذمہ نہیں ہے مگر پہونچا دینا، صاف صاف (واضح طور پر بیان کر دینا ان کا کام ہے کسی کو ہدایت دینا ان کی ذمہ داری نہیں ہے) اور ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول پیدا کیا ہے (جس طرح ہم نے آپ کو ان لوگوں میں سے رسول بنا کر بھیجا ہے) کہ اللہ کی بندگی کرو (ان سے پہلے با محذوف ہے یعنی بان ہے اور بندگی سے مراد اللہ کو ایک ماننا ہے) اور بچو معبودانِ باطلہ سے (یعنی بتوں کی پرستش نہ کرو) پھر کسی کے لئے ان میں سے ہدایت کی راہ کھولدی (کہ وہ ایمان لے آیا) اور کسی پر گمراہی ثابت ہوئی (علم خداوندی میں، اس لئے وہ ایمان نہیں لا سکا) سو سفر کرو (اے کفار مکہ!) ملکوں میں پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا (اپنے پیغمبروں کو جھٹلانے والے آخر ہلاک ہوئے) اگر آپ (اے محمدؐ) طمع کریں ان کو راہ پر لانے کی (جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے تو آپ راہ راست پر نہیں لا سکتے) کیونکہ حق تعالیٰ راہ نہیں دیتا (یہدی معروف و مجہول دونوں طرح سے ہے) جس کو بچلاتا ہے (جس کے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے) اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں (اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں) اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں (مکمل زور لگا کر قسم کھاتے ہیں) کہ جو مر جائے گا اللہ دوبارہ اسکو نہیں اٹھائے گا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) ہاں ضرور (اٹھائے گا) اس پر پکا وعدہ ہو چکا ہے (یہ دونوں مصدر تاکید کے لئے ہیں اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی وعد اللہ وعدا و حقہ حقا) لیکن اکثر لوگ (یعنی مکہ کے رہنے والے) نہیں جانتے (اس بات کو) اٹھائے گا تا کہ ظاہر کر دے (یبعثھم فعل مقدر سے متعلق ہے) ان پر وہ بات جس میں وہ جھگڑتے ہیں (اہل ایمان کے ساتھ) کفار کے عذاب اور اہل ایمان کے ثواب جیسے دینی معاملات میں) اور تا کہ جان لیں کافر کہ وہ جھوٹے تھے (دوبارہ زندہ کئے جانے کے انکار کرنے میں) جب ہم کسی چیز کو کرنا چاہیں تو ہمارا یہی کہنا کافی ہوتا ہے (یعنی جب کسی چیز کو ہم موجود کرنے کا ارادہ کر لیں لفظ قولنا مبتدا ہے اور اس کی خبر اگلا جملہ ہے) کہ ”تو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے (فیکون فھو یکون تھا، اور ایک قراءت میں یکون نصب کے ساتھ ہے نقول پر عطف کرتے ہوئے آیت کریمہ کا مقصد بعث بعد الموت پر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو بیان کرنا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِاَنِ: ان مصدریہ ہے تفسیریہ نہیں کیونکہ اس کی شرائط نہیں۔

قوله: اَنْ تَعْبُدُوْهَا: یہاں مضاف محذوف ہے اور وہ عبادۃ ہے۔ یعنی عبادۃ الطاغوت سے پرہیز کرو۔

قوله: وَقَدْ اَضَلَّهُمُ اللّٰهُ: اس سے مقید کیا تاکہ عدم قدرت کا ترتب حرص پر ہو۔

قوله: لَا تَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ جزاء مقدر ہے۔ اس کی علت کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

قوله: بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ: اگر اس کو مجہول پڑھا جائے تو من یضل مبتداء اور لا یهدی یہ اس کی خبر بنے گی اس کا مطلب یہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہ کر دیا جائے وہ اس کی طرف راہ نہیں پاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں تبدیلی نہیں۔

قوله: مَنْ يُّرِيْدُ اِضْلَالَهٗ: اس سے تفسیر اسلئے کی کیونکہ اگر مراد حقیقی ضلالت ہو تو ہدایت کی نفی کی ضرورت نہیں جیسا واضح ہے۔

قوله: اَرَدْنَا اِيْجَادَهٗ: یہاں مضاف ایجاد کو مقدر مانا۔

قوله: فَهُوَ يَكُوْنُ: ان یکون مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اور جملہ محل نصب میں جواب امر ہے۔

قوله: عَطْفًا عَلٰى نَقُوْلُ: اس بناء پر نہیں کہ یہ جواب امر ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ....

مشرکین کے ایک مغالطے کی تردید:

یعنی یہ کہ وہ لوگ اپنے کفر و شرک اور اپنے شرکیہ اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے استدلال کرتے تھے، یعنی یہ کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ کسی چیز کو از خود حرام ٹھہراتے۔ یعنی بحیرہ و سائبہ وغیرہ جن چیزوں کو انہوں نے از خود حرام قرار دے رکھا تھا۔ مشرکین کے اس قول باطل کا مدعا و مقصد یہ تھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے حکم و ارشاد اور اس کی رضاء اور مشیت سے کرتے ہیں۔ اور اس پر وہ راضی ہے۔ ورنہ ہم ایسا کیوں کرتے۔ اور وہ ہمیں اس کے لیے یہ چھوٹ کیوں دیتا؟ حالانکہ مشیت خداوندی اور چیز ہے اور رضائے خداوندی بالکل دوسری چیز۔ اس کی مشیت سے اس کی رضاء لازم نہیں آتی۔ وہ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب پر کبھی راضی نہیں ہوسکتا۔ سبحانہ وتعالیٰ: اس کا اپنا ارشاد اور قول فصل ہے۔ (وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ....) (الزمر: ۷) سو مشرکین کا یہ قول محض ایک قول باطل، مغالطہ اور محض ایک عذر لنگ ہے جس سے وہ اپنے باطن کی سیاہی کو اور گہرا اور پکا کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ مشرک لوگ کہتے ہیں کہ ہم جن خود ساختہ بتوں اور معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے اور بحیرہ و سائبہ وغیرہ جن چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں تو یہ سب اللہ کی مرضی سے کرتے ہیں۔ ورنہ وہ ہمیں ایسا کیوں کرنے دیتا۔ ہمیں اپنی قدرت سے ان کاموں سے روک دیتا۔ سو یہ ان لوگوں کی محض کج بحثی اور کٹ حجتی ہے

جس کا حق اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر گزر چکا۔

موجودہ کفار و مشرکین اپنے پیشروؤں کے طریقے پر:

چنانچہ ان لوگوں کے اس مغالطے کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح کیا ان سے پہلے کے لوگوں نے، سو ان کا ایسا کہنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ اسی طرح کیا ان سے پہلے کے اہل کفر و باطل نے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے کفر و باطل پر اڑے رہے۔ اور حق کے مقابلے میں طرح طرح کی حجت بازیوں اور خرمستیوں سے کام لیتے رہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ تو جب دونوں فریقوں کے جرائم ایک سے ہیں تو ان کے عذاب بھی ایک جیسے ہوں گے۔ سو دور حاضر کے ان اہل کفر و باطل کو ان گزشتہ اقوام سے سبق لینا چاہیے اور ایسے ہولناک انجام سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔ قبل اس سے کہ یہ اسی انجام سے دو چار ہوں جس سے وہ لوگ دو چار ہو چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لئے ایک اور بے لاگ ہے۔ سو فرصت عمر کے تمام ہونے سے پہلے ایسے لوگوں کے لئے تلافی مافات کا موقع موجود ہے مگر اس کے بعد اس کا کوئی موقع ممکن نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے اپنے کرائے کا بھگتان بھگتنا ہوگا۔

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

پیغمبروں کے ذمے پیغام رسانی ہے اور بس:

اس کے بعد ان کی ذمہ داری ختم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبروں کے ذمے تو صرف پیغام حق کو پہنچا دینا ہے کھول کر اور بس۔ آگے منوانا نہ تو ان کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ بلکہ یہ امر تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے نور حق و ہدایت سے سرفراز فرما دے اور جس کو چاہے اس سے محروم کر دے کہ اس چیز کا مدار و انحصار اصل میں انسان کے اپنے باطن اور اس کی نیت و ارادہ پر ہے۔ سو جس میں طلب صادق اور نیت خالص موجود ہوگی اس کو وہ اپنے کرم سے نور حق و ہدایت سے نوازے گا۔ اور جو طلب صادق اور نیت خالص سے محروم ہوگا وہ نور حق و ہدایت سے بھی محروم رہے گا۔ اور لوگوں کے دلوں اور ان میں پوشیدہ نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں سبحانہ وتعالیٰ۔ وہی جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور کون کس کے لائق ہے؟ اس لئے عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اس خالق و مالک سے اپنے ظاہر و باطن کا معاملہ صحیح رکھے کہ اس سے اس کی کوئی بھی حالت اور کیفیت کسی بھی طرح مخفی نہیں رہ سکتی۔ پس ہمیشہ اور حال میں اس کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح رکھنے کی کوشش کرے وباللہ التوفیق۔ تبلیغ حق کے بعد قبول حق کی ذمہ داری خود لوگوں کے اپنے ذمے ہے۔ اس کے بعد لوگ اپنے کئے کرائے کے خود ہی ذمہ دار اور جوابدہ ہونگے اور انکے لئے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ....

کیا پاکستان و ہندوستان میں بھی اللہ کا کوئی رسول آیا ہے؟

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اس آیت سے نیز دوسری آیت: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے علاقوں میں بھی اللہ کے پیغمبر ضرور آئے ہوں گے۔ خواہ وہ یہیں کے باشندے ہوں یا

کسی دوسرے ملک میں ہوں اور ان کے نائب اور مبلغ یہاں پہنچے ہوں اور آیت: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ جس امت کی طرف بھیجے گئے ہیں ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد بظاہر وہ قوم عرب ہے جو آپ کی بعثت و نبوت کی سب سے پہلے مخاطب ہوئی کیونکہ ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے کوئی رسول نہیں آیا تھا اسی لیے ان لوگوں کا لقب قرآن کریم میں امیین رکھا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی دنیا میں بھی آپ سے پہلے کوئی رسول نہ آیا ہو واللہ اعلم۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں اس بات کا بہت زیادہ تقاضا تھا کہ جن لوگوں کے سامنے حق کی دعوت پیش کر رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلا رہا ہوں یہ لوگ ایمان قبول کر ہی لیں، لیکن سارے انسانوں کا اسلام قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر میں نہیں ہے اس لیے ارشاد فرمایا: اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ (اگر آپ حرص کریں تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ فرماتا ہے) آپ اپنا کام کرتے رہیں جسے ایمان نہیں لانا وہ ایمان نہ لائے گا۔ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور جو لوگ گمراہی اختیار کریں گے اور اس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ان کے لیے کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا، اگر یہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہم اللہ کے علاوہ جن لوگوں کی پرستش کرتے ہیں وہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے تو ان کی جہالت اور حماقت ہے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝ لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد لوگ کیسے زندہ کیے جائیں گے اللہ جل شانہ نے ان کا استبعاد دور فرمایا اور اپنی قدرت کاملہ بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝ (کہ جب ہم کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کریں تو ہمارا یہ فرما دینا کافی ہے کہ ہو جا لہٰذا وہ چیز وجود میں آجاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے پیدا فرمانے پر قدرت ہے، کسی بھی چیز کا پیدا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے جس نے پہلے سب کو پیدا فرمایا وہ اس بات پر کیسے قادر نہ ہوگا کہ دوبارہ پیدا فرما دے، قیامت اور بعث و نشر کا انکار کرنے والے یہ تو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ہے لیکن یہ بات نہیں مانتے کہ موت کے بعد دوبارہ پیدا ہوں گے۔ سورۂ ق میں ان کے استبعاد کو دور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے) اور سورۂ یٰسین میں فرمایا: قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ۝ (آپ فرما دیجیے کہ ان گلی ہوئی ہڈیوں کو وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) جس کے (کُنْ) (ہو جا) فرمانے سے ہر چیز کا وجود ہو جاتا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ دوبارہ کیسے پیدا فرمائے گا جہالت ہے اور حماقت ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ لِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا بِالْاَذٰى مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ وَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ نُنْزِلَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا دَارًا حَسَنَةً ۭ هِيَ الْمَدِيْنَةُ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَيْ

الْجَنَّةُ اَكْبَرُ اَعْظَمُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ اَيِ الْكُفَّارُ اَوِ الْمُتَخَلِّفُوْنَ عَنِ الْهِجْرَةِ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ مِنَ
الْكَرَامَةِ لَوَافَقُوْهُمْ هُمُ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا عَلٰى اَذَى الْمُشْرِكِيْنَ وَالْهِجْرَةِ لِاِظْهَارِ الدِّيْنِ وَعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَيَرْزُقُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ
لَا مَلَائِكَةً فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ الْعُلَمَاءَ بِالتَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾ ذٰلِكَ فَاِنَّهُمْ
يَعْلَمُوْنَهُ وَاَنْتُمْ اِلٰى تَصْدِيْقِهِمْ اَقْرَبُ مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيِّنٰتِ
مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَرْسَلْنَاهُمْ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَةِ وَالزُّبُرِ الْكُتُبِ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ الْقُرْاٰنَ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ فِيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾ فِيْ ذٰلِكَ فَيَعْتَبِرُوْنَ
اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا الْمَكَرَاتِ السَّيِّاٰتِ بِالنَّبِيِّ فِيْ دَارِ النَّدْوَةِ مِنْ تَقْيِيْدِهٖ اَوْ قَتْلِهٖ اَوْ اِخْرَاجِهٖ كَمَا
ذُكِرَ فِي الْاَنْفَالِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ كَقَارُوْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٤٥﴾
اَيْ مِنْ جِهَةٍ لَا تَخْطُرُ بِبَالِهِمْ وَقَدْ اُهْلِكُوْا بِبَدْرٍ وَلَمْ يَكُوْنُوْا يُقَدِّرُوْنَ ذٰلِكَ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فِيْ
اَسْفَارِهِمْ لِلتِّجَارَةِ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٤٦﴾ بِفَائِتِيْنَ الْعَذَابَ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ تَنَقُّصٍ شَيْئًا
فَشَيْئًا حَتّٰى يَهْلِكَ الْجَمِيْعُ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُوْلِ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾ حَيْثُ لَمْ
يُعَاجِلْهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ لَهٗ ظِلٌّ كَشَجَرٍ وَجَبَلٍ يَّتَفَيَّؤُا يَمِيْلُ ظِلٰلُهٗ
عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ جَمْعُ شِمَالٍ اَيْ عَنْ جَانِبَيْهَا اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهٗ سُجَّدًا لِلّٰهِ حَالٌ اَيْ خَاضِعِيْنَ
بِمَا يُرَادُ مِنْهُمْ وَهُمْ اَيِ الظِّلَالُ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ صَاغِرُوْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ اَيْ نَسَمَةٍ تَدِبُّ عَلَيْهَا اَيْ تَخْضَعُ لَهٗ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وَغُلِّبَ فِي الْاِتْيَانِ بِمَا مَا لَا
يَعْقِلُ لِكَثْرَتِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ خَصَّهُمْ بِالذِّكْرِ تَفْضِيْلًا وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَتَكَبَّرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ
يَخَافُوْنَ اَيِ الْمَلٰٓئِكَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يَسْتَكْبِرُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ حَالٌ مِنْ هُمْ اَيْ عَالِيًا عَلَيْهِمْ
بِالْقَهْرِ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ بِهٖ

تَرْجَمَہ: اور جنھوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے (اس کا دین قائم کرنے کے لئے) ان پر ظلم وستم ہو چکنے کے بعد (اہل مکہ

کی طرف سے جنھیں ستایا گیا یعنی نبی کریم ﷺ اور انکے صحابہؓ) انہیں ہم دنیا (مدینہ) میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب (جنت) تو بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیتے (یعنی کافر یا ہجرت سے رہ جانیوالے اگر مہاجرین کے مرتبہ سے واقف ہو جاتے تو یہ لوگ بھی ہجرت والوں کا ساتھ دیتے) یہ لوگ ایسے ہیں جو ثابت قدم رہے (دین کے غلبہ کی خاطر، مشرکوں کے ستانے پر اور ہجرت کی تکلیف گوارا کی) اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں! (اس لئے اللہ انہیں ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا) اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسولوں کو بھیجا تو وہ آدمی تھے جن کے پاس ہم نے وحی بھیجی (وہ فرشتے نہیں تھے) پس اہل علم (علماء تورات و انجیل) سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں (کیونکہ اہل کتاب ان باتوں سے واقف ہیں اور تمہیں ان کی تصدیق پر زیادہ اطمینان ہوگا بہ نسبت مسلمانوں کی تصدیق کے آنحضرت کے متعلق) اور ہم نے ان پیغمبروں کو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا (لفظ بالویت محذوف سے متعلق ہے) یعنی ارسلنا ھم بالحجج الواضح) اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ واضح طور پر بیان کر دیں جو مضامین ان لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں (قرآن کریم میں حلال و حرام سے متعلق) اور اس لئے کہ وہ غور و فکر کریں (ان باتوں میں اور پھر ان سے عبرت حاصل کریں) پھر جن لوگوں نے بری بری تدبیریں کیں (نبی کریم ﷺ کے بارے میں دار الندوہ میں جمع ہو کر، کسی نے قید کرنے کا مشورہ دیا، کسی نے قتل کر دینے کا اور کسی نے جلاوطن کر دینے کا جیسا کہ سورہ انفال میں گذر چکا ہے) کیا وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں) قارون کی طرح) دھنسا دے؟ یا ایک ایسے راستہ سے عذاب ان پر آپڑے جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو؟ (یعنی ایسی طرف سے عذاب آجائے جس کی طرف دھیان بھی نہ جا سکے چنانچہ بدر میں یہ مشرکین تباہ ہوئے حالانکہ انہیں اس کا خیال تک نہ تھا) یا (تجارتی سفروں میں) عذاب الٰہی آتے جاتے انہیں آپکڑے) سو یہ لوگ اللہ کو ہرگز ہرا نہیں سکتے (عذاب سے بچ نہیں سکے) یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے (آہستہ آہستہ یہاں تک کہ سب ہلاک ہو جائیں یہ فاعل یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا، بڑا ہی رحمت والا ہے (جلد سزا نہیں دیتا) کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں (درختوں پہاڑوں) کو نہیں دیکھا جن کے سائے کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف ڈھلکتے رہتے ہیں، (شمائل، شمال کی جمع ہے یعنی صبح ایک طرف اور شام دوسری طرف سائے جھکتے رہتے ہیں) کہ اللہ کے سامنے سجدہ کرتے رہتے ہیں (یہ حال واقع ہے یعنی اللہ کے حکم کے تابعدار ہیں) اور یہ (سائے) سب کے سب اس کے آگے مطیع ہیں (ان سایوں کو عقلاء کے درجہ میں مان لیا گیا ہے) اور آسمان میں جتنی چیزیں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں (یعنی زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں وہ سب اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اور یہاں غیر ذوی العقول کی کثرت کی وجہ سے ''ما'' کے ساتھ تعبیر کرنے میں انہیں کی رعائت کی گئی ہے) اور فرشتے سربسجود رہتے ہیں (بطور خاص فرشتوں کا ذکر ان کی فضیلت ظاہر کرنا ہے) اور وہ تکبر نہیں کرتے وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں (یعنی فرشتے یخافون، یستکبرون کی ضمیر سے حال واقع ہے) اپنے اوپر سے (یہ ھم ضمیر سے حال واقع ہے یعنی ان پر بالادستی رکھنے والا طاقت کے ساتھ) اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں (جس چیز کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ: فی لام کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے۔

قوله: الْكُفَّارُ: یہاں سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع مہاجرین نہیں اگر چہ ان کا قریب میں تذکرہ ہے کیونکہ تو جو کہ انتفاء کے لئے آتا ہے وہ ان کے احوال کے مناسب نہیں۔

قوله: مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ: یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

قوله: لَوَافَقُوْهُمْ: لو کا جواب محذوف ہے نہ کہ ماقبل۔

قوله: هُمُ الَّذِيْنَ: یہ مدح کی وجہ سے محل رفع میں واقع ہے۔

قوله: الْعُلَمَاءِ بِالتَّوْرٰةِ: یہاں کتاب کو ذکر فرمایا کیونکہ وہی نصیحت ہے۔

قوله: فَإِنَّهُمْ: ان کا جواب محذوف ہے۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ: یعنی وما ارسلنا یا نوحی کے ساتھ نہیں یا لا یعلمون کے ساتھ بھی نہیں۔

قوله: بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَةِ: کتب کے ساتھ ان کی مغایرت بیان کی۔

قوله: الْقُرْاٰنَ: اس کو ذکر سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ نصیحت وتنبیہ ہے پس یہ سبب کو مسبب کا نام دے دیا۔

قوله: فِيْهِ مِنَ الْحَلَالِ: اس کو مقدر مانا تاکہ معلوم ہو کہ یہ تبیین حلال وحرام کے اعتبار سے ہے۔

قوله: تَنَقُّصٍ: یعنی ان کے جان وکی لائی جائے جبکہ عذاب سے پکڑے جانے کا خطرہ ہو نہ کہ اچانک۔

قوله: جَمْعُ شِمَالٍ: یہ انسان کے یمین وشمال سے استعارہ ہے۔ شاید یمین کو واحد اور شمال کو جمع لانا اس لحاظ سے ہو کہ اوّل میں ما کے لفظ کا لحاظ دوسرے میں معنی کا لحاظ ہے۔

قوله: عَنْ جَانِبَيْهَا: یمین وشمال جوانب کے لحاظ سے کہہ دیا۔

قوله: حَالٌ: یعنی ظلال سے حال ہے صفت نہیں۔

قوله: خَاضِعِيْنَ: خواہ طبعی ہو یا اختیاری۔

قوله: وَهُمْ دٰخِرُوْنَ: یہ ظلال سے دوسرا حال ہے۔

قوله: الدبیب: زمین وآسمان میں کسی جگہ حرکت کو کہا جاتا ہے۔

قوله: حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ: یعنی یہ یستکبرون کی ضمیر سے حال ہے اور من فوقهم یہ هم ضمیر سے حال ہے۔ یعنی اس حال میں کہ وہ ان پر قہر سے غالب ہے۔

تفسیر مقبولین

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ....

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا وآخرت کی خیر وخوبی کا وعدہ:

مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کی تو مشرکین مکہ کو بہت زیادہ ناگوار ہوا یہ لوگ آپ کے بھی دشمن ہو گئے اور جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے ان سے بھی دشمنی کرتے تھے، شروع میں عموماً ایسے لوگوں نے اسلام قبول کیا جو دنیاوی اعتبار سے بڑے نہیں سمجھے جاتے تھے یہ لوگ پردیسی تھے مالی اعتبار سے کمزور تھے اور ان میں بعض غلام تھے مکہ کے مشرک انہیں مارتے پیٹتے تھے اور بہت تکلیف پہنچاتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حبشہ جانے کی اجازت دے دی، حبشہ میں نصرانی حکومت تھی یہ حضرات وہاں پہنچے آرام سے رہنے لگے لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے وہاں بھی پیچھا کیا وہاں جاکر بادشاہ کو بہکایا اور ورغلایا اور کہا کہ ہمارے وطن کے کچھ لوگ جو نوعمر ہیں اور بے وقوف ہیں انہوں نے نیا دین اختیار کرلیا ہے۔ اور وہ تمہارے ملک میں آگئے ہیں ان کو واپس کیا جائے، بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورۃ مریم سنائی اور پوری کیفیت بتائی کہ ہم لوگ دینی اعتبار سے ایسے ایسے بدحال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول بھیجا ہم نے ان کا اتباع کرلیا، یہ لوگ دشمنی کرتے ہیں اور ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں اسی لیے ہم تمہارے ملک میں آگئے ہیں، یہ سن کر بادشاہ اور اس کے متعلقین مطمئن ہو گئے اور ان حضرات کو حبشہ میں اطمینان سے رہنے کا موقع مل گیا پھر ان میں سے بعض حضرات واپس مکہ مکرمہ آگئے اور بعض حضرات وہیں رہتے رہے اور ۸ ہجری میں دوسری ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے، ان سے پہلے وہ حضرات مکہ معظمہ سے آچکے تھے جنہوں نے براہ راست مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی، بعض حضرات نے دو ہجرتیں کیں حبشہ بھی پہنچے اور وہاں سے مکہ معظمہ کو واپس پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ چلے آئے اور بعض حضرات نے ایک ہی مرتبہ ہجرت کی یہ ہجرتیں مشرکین کے ظلم کی وجہ سے تھیں، آیت بالا میں ہجرت کرنے والوں سے ایک تو وعدہ فرمایا ہے کہ ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے دوسرے انہیں آخرت کے اجر سے باخبر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حبشہ میں بھی ان کو اچھا ٹھکانہ دیا اور مدینہ میں بھی، اپنے وطن اور اعزہ واقرباء، مال جائیداد وغیرہ کو چھوڑ دینا جہاں پیدا ہوئے پلے بڑھے آسان نہیں ہے لیکن حضرات صحابہ نے سب کچھ قربان کردیا تکلیفیں برداشت کیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی انہیں اچھا ٹھکانہ دیا اور آخرت کے ثواب کی بھی خوشخبری دی اور فرمایا: وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ کہ آخرت کا ثواب اس دنیاوی آرام وراحت اور مال ودولت سے بدرجہا بڑا ہے۔

ساتھ ہی لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ بھی فرمایا اس کی ضمیر کس طرف راجع ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بطور جملہ معترضہ کافروں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اور ہجرت کا آخرت والا ثواب جان لیتے تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو عین الیقین کے درجہ

میں اپنی ہجرت کا ثواب معلوم ہوجاتا تو اور زیادہ دینی کاموں میں مشقت برداشت کرتے اور ہجرت کرنے میں جو سختیاں اور دشواریاں برداشت کیں ان پر اور زیادہ خوش ہوتے۔ (روح المعانی ص۱٤٦ ج۱٤)

کیا ہجرت دنیا میں بھی فراخی عیش کا سبب ہوتی ہے؟

آیات مذکورہ میں چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الشان وعدے کئے گئے ہیں اول تو دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دینے کا دوسرے آخرت کے بے حساب ثواب عظیم کا دنیا میں اچھا ٹھکانا ایک نہایت جامع لفظ ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے مکان اور پڑوسی اچھے ملیں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو رزق اچھا ملے دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہو عام لوگوں کی زبان پر ان کی تعریف اور بھلائی ہو عزت وشرف ملے جو ان کے خاندان اور اولاد تک چلے۔ (قرطبی)

آیت کا شان نزول اصالۃ وہ پہلی ہجرت ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حبشہ کی طرف کی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کی ہجرت مدینہ منورہ دونوں اس میں داخل ہوں آیت میں یہاں انہی مہاجرین حبشہ یا مہاجرین مدینہ کا ذکر ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ انہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے تھا جنہوں نے حبشہ کی طرف یا پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ دنیا میں پورا ہو چکا جس کا سب نے مشاہدہ کرلیا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ان کا کیسا اچھا ٹھکانا بنادیا ایذاء دینے والے پڑوسیوں کے بجائے غمخوار ہمدرد وجاں نثار پڑوسی ملے دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہوا ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ گذرنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے گئے فقراء ومساکین مال دار ہوگئے دنیا کے ممالک فتح ہوئے ان کے حسن اخلاق حسن عمل کے کارنامے رہتی دنیا تک ہر موافق ومخالف کی زبان پر ہیں ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت وشرف بخشا یہ تو دنیا میں ہونے والی چیزیں تھیں جو ہو چکیں اور آخرت کا وعدہ پورا ہونا بھی یقینی ہے لیکن تفسیر بحر محیط میں ابوحیان کہتے ہیں۔

والذین ھاجروا عام فی المھاجرین کائنا ما کانوا فیشمل اولھم واخرھم وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا کا لفظ تمام مہاجرین عالم کے لئے عام اور شامل ہے کسی بھی خطے اور زمانہ کے مہاجر ہوں اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت تک اللہ کے لئے ہر ہجرت کرنے والا اس میں داخل ہے۔

عام تفسیری ضابطہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آیت کا شان نزول اگرچہ کوئی خاص واقعہ اور خاص جماعت ہو مگر اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے اس لئے وعدہ میں تمام دنیا کے اور ہر زمانہ کے مہاجرین بھی شامل ہیں اور یہ دونوں وعدے تمام مہاجرین کے لئے پورا ہونا امر یقینی ہے۔

اسی طرح کا ایک وعدہ مہاجرین کے لئے سورۃ نساء کی اس آیت میں کیا گیا ہے: وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَةً جس میں وسعت مکانی اور فراخی عیش خاص طور سے موعود ہیں مگر قرآن کریم نے ان وعدوں کے ساتھ مہاجرین کے کچھ اوصاف اور ہجرت کی کچھ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں اس لئے ان وعدوں کے مستحق وہی مہاجرین ہو سکتے ہیں جو ان اوصاف کے حامل ہوں اور جنہوں نے مطلوبہ شرائط پوری کردی ہوں،

ان میں سب سے پہلی شرط تو فی اللہ کی ہے یعنی ہجرت کرنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو اور میں دنیاوی منافع

تجارت، ملازمت وغیرہ اور نفسانی فوائد پیش نظر نہ ہوں دوسری شرط ان مہاجرین کا مظلوم ہونا ہے۔ مِنۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا، تیسرا وصف ابتدائی تکالیف ومصائب پر صبر اور ثابت قدم رہنا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ ....

انسان اور منصب رسالت پر اختلاف:

پانچواں شبہ: قال اللہ تعالی: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡٓ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡٓا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ بِالۡبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِؕ وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ۝

(ربط) اس آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں جو وہ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر بشر نہیں ہوتا بلکہ فرشتہ ہونا چاہئے۔ یہ لوگ رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لیے ایسا کہتے تھے حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جتنے پیغمبر ہم نے پہلے بھیجے وہ سب بشر تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرلو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے فرشتے نازل نہیں کئے، بلکہ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا اور ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے رسول بنا کر آپ سے پہلے مگر صرف مردوں کو نہ فرشتوں کو اور نہ عورتوں کو وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف، مقام نبوت ورسالت مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول نہیں بنایا اور نہ ان کی طرف وحی نبوت ورسالت بھیجی۔ حضرت مریمؑ اور مادر موسیٰؑ کی طرف جس وحی کا ذکر آیا ہے وہ وحی الہام اور وحی ولایت تھی نہ کہ وحی نبوت ورسالت کیونکہ وحی کا لفظ قرآن کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے "الہام" کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ واوحی ربك الی النحل میں ایحاء سے وحی الہام مراد ہے۔ اور وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم میں ایحاء سے وسوسہ مراد ہے اس لیے کہ وحی کے لغوی معنی القاء خفی کے ہیں جو وحی نبوت اور وحی الہام اور وسوسہ وغیرہ کو شامل ہیں۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ شان خداوندی اس سے بالاتر ہے کہ اس کا پیغمبر آدمی ہو اگر خدا کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتوں کو بھیجتا اس پر خدا تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ فرشتوں کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجتا ہے سابق میں اس نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب آدمی تھے اور سب مرد تھے تو محمد ﷺ کی نبوت ورسالت میں کیا استبعاد ہے۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے دریافت کرلو کہ جن میں ہمیشہ پیغمبر آتے رہے وہ تم کو بتلادیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک جو نبی گزرا وہ مرد تھا فرشتہ نہ تھا اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم اس لیے دیا کہ کفار مکہ ان کے علم کے معتقد تھے غرض یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر نبی بھیجے گئے وہ سب مردوں میں سے تھے اور کھلے معجزات اور صحیفوں کے ساتھ بھیجے گئے اور اسی طرح اے نبی ﷺ ہم نے تیری طرف یہ نصیحت کی کتاب اتاری تا کہ تو تمام لوگوں کے لیے اللہ کے نازل کردہ احکام۔ اوامر ونواہی کو صاف اور واضح طور پر بیان کرے اور نیز یہ نصیحت کی کتاب اس لیے اتاری گئی کہ وہ اس میں غور وفکر کریں اور جانیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں اور ہدایت پا جائیں۔ غور وفکر سے انسان حق کی راہ پاتا ہے اور عناد اور غفلت آدمی کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

فائدہ اولیٰ: (۱) اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے۔ اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے۔ اور بغیر دلیل معلوم کیے اس پر عمل کرے تقلید شخصی میں کسی خاص امام کی ذات کا

اتباع مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا ﷺ کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم، عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصود حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے۔ جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے البتہ بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کیے کسی حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی فقاہت اور درایت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے فتویٰ کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا۔ تقلید فی الدرایت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلوم وجہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن وحدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ راسخین فی العلم اور مستنبطین کی تقلید کرے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے۔

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش ۔ بازاران گریہ وآشوب باش

اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر عرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر بالاتر کا اتباع واجب ہے معلوم نہیں کہ مدعیان کمتری بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع وشراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں اسی طرح علم اور فہم کے نابالغوں کا فتویٰ بغیر ائمہ ہدایت۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور شافعیؒ اور احمدؒ کی تصدیق اور ولایت کے معتبر نہیں یہ حضرات باتفاق اہل علم۔ علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم اور عقل کے بالغ ہیں ہمیں کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم وعقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجئے تا کہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

فائدہ دوم: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلق تقلید کو فرض فرمایا ہے اور مطلق تقلید کے دو فرد ہیں ایک تقلید شخصی کو سب مسائل ضرور یہ ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے دوسرے تقلید غیر شخصی وہ یہ ہے کہ جس عالم دین سے چاہے حکم شرعی دریافت کر کے اس پر عمل کرے اور آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں قسموں کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مطلق کا وجود خارج میں افراد ہی کے ضمن میں ہوتا ہے لہٰذا تقلید شخصی بھی مامور بہ کا ایک فرد ہوگی فی حد ذاتہ تقلید کی دونوں قسمیں جواز میں برابر ہیں اور صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں مسلمان اپنے شہر کے عالم اور مفتی سے حکم شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرتے تھے اور یہ تقلید شخصی تھی قراءت قرآن بہ سبعۃ احرف جائز اور مخیر تھی مگر حضرت عثمانؓ نے باجماع صحابہ کرام قراءت قرآن کو لغت قریش پر مقصود کر دیا اور باقی حروف پر قراءت قرآن کو ممنوع قرار دیا تقلید غیر شخصی فی حد ذاتہ جائز ہے بشرطیکہ مقصود اتباع شریعت ہو اور بشرطیکہ ہوائے نفسانی سے خالی ہو اور اگر مقصود اتباع ہوائے نفس ہو کہ جس امام کا قول اس کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اس کو لے لے تو یہ تلفیق ہے اور باجماع امت حرام ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے تقلید غیر شخصی سے دین کھیل تماشہ نہیں پڑھا وہ لامحالہ کسی کی تقلید پر مجبور ہے تو اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور

امام شافعیؒ کی تقلید بہتر ہے۔

اے مسلمانو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۸۰ ہجری میں گزرے اور صحابہ کرام کو دیکھا اور پھر صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے علم حاصل کیا تو کیا ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اس زمانہ کے علماء اہل حدیث سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی تقلید تو شرک اور بدعت ہو جائے اور اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید توحید بن جائے۔ اے مسلمانو! تم اپنے انجام کو سوچ لو۔ (و ما علینا الا البلاغ)۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ جار مجرور کس سے متعلق ہے اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھیں ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا سے متعلق ہے یعنی و ما ارسلنا الا رجالا بالبینات و الزبر اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں انزلنا مقدر ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں اَرْسَلْنَا مقدر ہے یعنی اَرْسَلْنٰك بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ لہٰذا ہم نے آپ کو کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ اور ان مضامین کے ساتھ بھیجا جو کتب سابقہ میں بیان کیے گئے ہم نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے اس صورت میں وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ . اَرْسَلْنَا مقدر پر معطوف ہوگا۔

منکرین حدیث کی تردید:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ میں قرآن کو ذکر بتایا کیونکہ وہ عبرتوں اور ''موعظتوں'' پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی یوں فرمایا: لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس ذکر کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا) اس میں یہ بتادیا کہ آپ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی کتاب بندوں تک پہنچا دیں بلکہ اس کا بیان کرنا بھی آپ سے متعلق تھا، اس میں ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ رسول کی حیثیت (العیاذ باللہ) ایک ڈاکیے کی سی ہے۔ انہوں نے قرآن لاکر دے دیا اب ہم اس کو خود سمجھ لیں گے یہ ملحد خود تو زندیق بن ہی چکے ہیں اب چاہتے ہیں کہ امت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں، جب رسول اللہ ﷺ کو درمیان میں سے نکال دیں گے تو عمل کرنے کے لیے پاس رہے گا کیا؟ قرآن مجید میں تو مجمل طریقے پر احکام بیان کیے گئے ہیں اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، سورۃ نساء میں رسول کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت بتایا ہے اور سورۃ آل عمران میں آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ) اور سورۃ احزاب میں آپ کو مقتدیٰ بتایا ہے اور آپ کی ذات گرامی کو عمدہ نمونہ فرمایا ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) جو شخص قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب مانتا ہے اس پر واجب ہے کہ احادیث شریفہ میں وارد شدہ تفصیلات کے مطابق قرآن پر عمل کرے۔ حدیث کے بغیر کوئی شخص قرآن مجید پر چل ہی نہیں سکتا قرآن مجید میں حکم ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہو تو ہاتھ منہ دھولو اور سر کا مسح کرلو جس کو سب عوام و خواص وضو کہتے ہیں لیکن یہ بات کہ کتنی کتنی مرتبہ دھوئے قرآن مجید میں نہیں ہے اور پھر اس وضو کو توڑنے والی کیا چیزیں ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن رکعتوں کی تعداد نہیں بتائی، نماز میں نظر کہاں رہے، ہاتھ کہاں ہوں، ہر رکعت میں کتنے رکوع ہیں کتنے سجدے ہیں قرآن مجید نے یہ نہیں بتایا، قرآن مجید میں حج و عمرہ پورا کرنے کا حکم ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ

یہ دونوں کس طرح ادا ہوتے ہیں حج کس تاریخ میں ہوتا ہے طواف میں کتنے چکر ہیں، کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں ختم ہوتا ہے، صفا مروہ کے درمیان کتنی مرتبہ آنا جانا ہے احرام کس طرح باندھا جاتا ہے، عمرہ میں کیا افعال ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے میت کو غسل دیا جانا اور کفن دفن کا طریقہ بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکاح انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے اس کا انعقاد کس طرح ہوتا ہے اور دیت (خون بہا) میں کیا دینا پڑتا ہے ایک جان کی دیت کتنی ہے اور مختلف اعضاء کی دیت میں کیا دیا جائے یہ سب چیزیں بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں، قرآن مجید میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے کاٹا جائے اور کتنا مال چرانے پر کاٹا جائے کیا ایک چنا اور ایک لاکھ روپے چرانے کا ایک ہی حکم ہے، پھر اگر دوسری بار چوری کرلے تو کیا کیا جائے، قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے اس میں کیا تفصیل ہے متفرق کر کے مارے جائیں یا متواتر، ان سب چیزوں کا جواب قرآن مجید میں نہیں ہے، مذکورہ بالا چیزیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں آپ کے بیان فرمانے کے مطابق ہی عمل کیا جائے تب قرآن مجید پر عمل ہوگا۔

قرآن مجید کا اعلان ہے کہ دین کامل ہے اور بے شمار احکام ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں اور جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بیان اور تشریح کے بغیر قرآن مجید پر عمل نہیں ہوسکتا اور یہ بیان و تشریح کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرمایا ہے جیسا کہ اوپر آیت شریفہ میں واضح طور پر مذکور ہے۔ منکرین حدیث کی یہ کیسی جاہلانہ بات ہے کہ جس پر قرآن مجید نازل ہوا اس کا بیان فرمانا اور اس کی تشریح اور تفہیم معتبر نہ ہو اور ان جاہلوں کی تفہیم اور تشریح معتبر ہوجائے، جو لوگ انکار حدیث کا فتنہ لے کر اٹھے ہیں نہ صرف ونحو سے واقف ہیں نہ بلاغت و فصاحت سے، نہ انہیں صیغوں کی پہچان ہے نہ حروف اصلیہ وزائدہ کی نہ مادہ اشتقاق سے باخبر ہیں لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کر کے خود گمراہ ہوچکے ہیں اور امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کو حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے جو شخص قرآن کو ماننے کا دعویٰ دار ہے وہ قرآن کی ان آیات کو کیوں نہیں مانتا جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اقتداء اور اتباع کو فرض قرار دیا گیا ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔

بات سچی یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنہ انکار حدیث کا شوشہ نکالا ہے یہ لوگ خود سے سوچنے اور کرنے والے نہیں ہیں ان کو یہود و نصاریٰ نے اور مشرکین نے اس کام پر لگایا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنوں کا کھلونا بن گئے ہیں (اعاذ اللہ الامة المسلمة من اباطیلهم)

آیت کے ختم پر فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (تاکہ یہ لوگ فکر کریں) قرآن مجید میں جو عبرت و موعظت اور جو واضح بیانات ہیں اور جو آیات تکوینیہ مذکور ہیں ان میں فکر کرنے سے ہدایت تک پہنچ سکتے ہیں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ ....

اللہ عزوجل کا غضب:

اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور مالک ارض و سماوات اپنے حلم کا باوجود علم کے باوجود اور اپنی مہربانی کا باوجود غصے کے بیان

فرماتا ہے کہ وہ اگر چاہے اپنے گنہگار بدکردار بندوں کو زمین میں دھنسا سکتا ہے۔ بے خبری میں ان پر عذاب لا سکتا ہے لیکن اپنی غایت مہربانی سے درگزر کئے ہوئے ہے جیسے سورۃ تبارک میں فرمایا اللہ جو آسمان میں ہے کیا تم اس کے غضب سے نہیں ڈرتے؟ کہ کہیں زمین کو دلدل بنا کر تمہیں اس میں دھنسا نہ دے کہ وہ تمہیں ہچکولے ہی لگاتی رہا کرے کیا تمہیں آسمانوں والے اللہ سے ڈر نہیں لگتا کہ کہیں وہ تم پر آسمان سے پتھر نہ برسا دے۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مکار، بدکردار لوگوں کو ان کے چلتے پھرتے، آتے، کھاتے، کماتے ہی پکڑ لے۔ سفر حضر رات دن جس وقت چاہے، پکڑ لے جیسے فرمان ہے: (اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ) (الاعراف: ۹۷) کیا بستی والے اس سے نڈر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رات میں ان کے سوتے سلاتے ہی آ جائے۔ یا دن چڑھے ان کے کھیل کود کے وقت ہی آ جائے۔ اللہ کو کوئی شخص اور کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا وہ ہارنے والا، تھکنے والا اور ناکام ہونے والا نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ڈر خوف کے انہیں پکڑ لے تو دونوں عتاب ایک ساتھ ہو جائیں ڈر اور پھر پکڑ۔ ایک کو اچانک موت آ جائے دوسرا ڈرے اور پھر مرے۔ لیکن رب العلی، رب کائنات بڑا ہی رؤف و رحیم ہے اس لئے جلدی نہیں پکڑتا۔ بخاری و مسلم میں ہے خلاف طبع باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ انہیں رزق و عافیت عنایت فرماتا ہے۔ بخاری مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑ نازل فرماتا ہے پھر وہ اچانک تباہ ہو جاتا ہے پھر حضور ﷺ نے آیت: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ھود: ۱۰۲) پڑھی۔ اور آیت میں ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ (الحج: ۴۸) بہت سی بستیاں ہیں جنہیں میں نے کچھ مہلت دی لیکن آخر ان کے ظلم کی بنا پر انہیں گرفتار کر لیا۔ لوٹنا تو میری ہی جانب ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ ....

ہر مخلوق فرشتے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں:

ان آیات میں بندوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور اپنی شان خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان کو کیوں نہیں دیکھتے؟ ان میں غور کرو اور دیکھو کہ ان کا سایہ دائیں طرف بائیں طرف جو زمین پر پڑتا ہے اس سائے میں بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان خالقیت ظاہر ہو رہی ہے یہ سائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتے ہیں یہ سائے اسی طرف جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور اس کے حکم کے سامنے عاجز محض ہیں، اور سایوں پر اور سایہ والی چیزوں پر کچھ منحصر نہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں، ان میں حیوانات بھی ہیں اور فرشتے بھی، اور یہ فرشتے تکبر نہیں کرتے فرمانبرداری اور اطاعت ہی ان کا شعار ہے، فرشتے اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور قاہر اور غالب ہے اور اس سے ڈرتے ہیں کہ اس کی طرف سے کوئی گرفت نہ ہو جائے قال صاحب الروح ص ۵۸ ج ۳ و معنی کونہ سبحانہ فوقهم قهره و غلبته لان الفوقية المكانية مستحيلة بالنسبة اليه تعالى (وقال ایضا) و خوف ربهم كناية عن خوف عذابه (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کے اوپر ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قہر اور غلبہ ہے کیونکہ

مکانی برتری اللہ تعالیٰ کی نسبت سے محال ہے اور فرمایا ان کے رب کا خوف کنایہ ہے اس کے عذاب کے خوف سے) اور علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں: (ھو) کقولہ تعالیٰ: وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ)

سایوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتا ہے اسی طرف سایہ پڑتا ہے اور سایہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور گھٹتا بھی ہے ہر طرح کا تصرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اور سب تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے منقاد اور فرمانبردار ہیں اس لیے (سُجَّدًا لِلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ) فرمایا ہے سورۂ فرقان میں فرمایا: (اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا) (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اس نے سایہ کو کس طرح پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا) جب آفتاب نکلتا ہے تو ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا جاتا ہے پھر جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا ہے سایہ کم ہوتا جاتا ہے بظاہر سایہ کا وجود آفتاب کے چلنے اور اس کے سامنے اجسام کثیف آنے کی وجہ سے ہے لیکن خود آفتاب کی حرکت ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے اور پھر سایوں کا وجود میں آنا اور گھٹنا بڑھنا یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ذرا سا بھی سایہ نہ ہو، سایہ کا ایک مثل دو مثل ہونا سایہ کے بڑھنے ہی کی وجہ سے ہے اللہ چاہتا تو سایہ ایک ہی جگہ پر ٹھہرا رہتا جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے نہ آفتاب خود کوئی حیثیت رکھتا ہے اور نہ سایہ، سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

سایوں کی فرمانبرداری بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا جو بھی چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں سب اللہ کی فرمانبردار ہیں، تکوینی طور پر ان کا وجود اور ان کی کیفیات اسی طرح سے ہیں جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے ان میں شمس و قمر، ستارے، درخت، پہاڑ اور چوپائے سبھی ہیں جیسا کہ سورۂ حج کے دوسرے رکوع میں ان چیزوں کا خصوصی تذکرہ ہے۔ یہاں سورۂ نحل میں من دابۃ یعنی زمین پر جو چیزیں چلتی پھرتی ہیں وہ سب اللہ کی فرمانبردار ہیں، پھر خاص طور پر فرشتوں کا تذکرہ فرمایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اور اس کے قہر اور غلبہ کے سامنے اپنے اندر کوئی بڑائی محسوس نہیں کرتے، سورۂ نساء میں فرمایا: لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے) جتنی جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنی قدر اس کی شان بندگی بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتا اور مانتا ہے، فرشتوں کو تو بہت زیادہ معرفت حاصل ہے وہ کیوں کر عبادت گزار اور فرمانبردار نہ ہوں گے، نہ صرف یہ کہ وہ عبادت گزار اور سجدہ ریز ہیں بلکہ وہ اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

فائدہ: آیت شریفہ میں وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ فرمایا اس سجدہ سے مفسرین نے مطیع اور فرمانبردار ہونا مراد لیا ہے کیونکہ ظاہری حال میں ہر چیز سے سجدہ کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا لیکن مخلوقات میں جو جماعتیں ذوی العقول ہیں (فرشتے اور انسان اور جن) ان کا سجدہ حقیقی بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے طور پر نہیں بلکہ اس طرح سے کہ جو سجدہ ریز ہیں وہ فرمانبرداری ہی کے ذیل میں سجدہ کرتے ہیں جن لوگوں کو اختیار دیا گیا ہے ان لوگوں کا مؤمن ہونا اور پھر اپنے اختیار سے سجدہ کرنا یہ انقیاد کا اعلیٰ

درجہ ہے اہل ایمان تکوینی طور پر منقاد ہیں اور تشریعی طور پر بھی ہاں جو لوگ اہل ایمان نہیں ہیں وہ تکوینی طور پر منقاد ہیں اس لیے سورۂ حج میں (وَ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ) فرمایا۔

وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ تاکید اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ اَتٰی بِهٖ لِاِثْبَاتِ الْاِلٰهِیَّةِ وَالْوَحْدَانِیَّةِ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ خَافُوْنِ دُوْنَ غَیْرِیْ وَفِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ وَ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مِلْکًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا وَ لَهُ الدِّیْنُ الطَّاعَةُ وَاصِبًا ؕ دَائِمًا حَالٌ مِنَ الدِّیْنِ وَالْعَامِلُ فِیْهِ مَعْنَی الظَّرْفِ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ الْاِلٰهُ الْحَقُّ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْکَارِ اَوِ التَّوْبِیْخِ اَیْ لَا یَاْتِیْ بِهَا غَیْرُهٗ وَمَا شَرْطِیَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ اَصَابَکُمُ الضُّرُّ الْفَقْرُ وَالْمَرَضُ فَاِلَیْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ تَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَکُمْ بِالْاِسْتِغَاثَةِ وَ الدُّعَاءِ وَلَا تَدْعُوْنَ غَیْرَهٗ ثُمَّ اِذَا کَشَفَ الضُّرَّ عَنْکُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْکُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِکُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِیَکْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ مِنَ النِّعْمَةِ فَتَمَتَّعُوْا ۫ بِاجْتِمَاعِکُمْ عَلٰی عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اَمْرُ تَهْدِیْدٍ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ عَاقِبَةَ ذٰلِكَ وَ یَجْعَلُوْنَ اَیِ الْمُشْرِکُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَهِیَ الْاَصْنَامُ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ بِقَوْلِهِمْ هٰذَا لِلّٰهِ وَهٰذَا لِشُرَکَائِنَا تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ سُؤَالَ تَوْبِیْخٍ وَ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ عَمَّا کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ عَلَی اللّٰهِ مِنْ اَنَّهٗ اَمَرَکُمْ بِذٰلِكَ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ بِقَوْلِهِمُ الْمَلَائِکَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ سُبْحٰنَهٗ ۙ لَا تَنْزِیْهًا لَهٗ عَمَّا زَعَمُوْا وَ لَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَیِ الْبَنُوْنَ وَالْجُمْلَةُ فِیْ مَحَلِّ رَفْعٍ اَوْ نَصْبٍ بِیَجْعَلُ الْمَعْنٰی یَجْعَلُوْنَ لَهُ الْبَنَاتِ الَّتِیْ یَکْرَهُوْنَهَا وَ هُوَ مُنَزَّهٌ عَنِ الْوَلَدِ وَ یَجْعَلُوْنَ لَهُمُ الْاَبْنَاءَ الَّذِیْنَ یَخْتَارُوْنَهَا فَیَخْتَصُّوْنَ بِالْاَبْنَاءِ لِقَوْلِهٖ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ وَ لَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ تُوُلِّدَ لَهٗ ظَلَّ صَارَ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا مُتَغَیِّرًا تَغَیُّرَ مُغْتَمٍّ وَّ هُوَ کَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾ مُمْتَلِیءٌ غَمًّا فَکَیْفَ تُنْسَبُ الْبَنَاتُ اِلَیْهِ تَعَالٰی یَتَوَارٰی یَخْتَفِیْ مِنَ الْقَوْمِ اَیْ قَوْمِهٖ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ خَوْفًا مِنَ التَّعْیِیْرِ مُتَرَدِّدًا فِیْمَا یَفْعَلُ بِهٖ اَیُمْسِکُهٗ یَتْرُکُهٗ بِلَا قَتْلٍ عَلٰی هُوْنٍ هَوَانٍ وَذُلٍّ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ بِاَنْ یَئِدَهٗ اَلَا سَآءَ بِئْسَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ حُکْمُهُمْ هٰذَا حَیْثُ نَسَبُوْا لِخَالِقِهِمُ الْبَنَاتِ اللَّاتِیْ هُنَّ عِنْدَهُمْ بِهٰذَا الْمَحَلِّ لِلَّذِیْنَ لَا

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَيِ الْكُفَّارُ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ اَيِ الصِّفَةُ السُّوْىٰ بِمَعْنَى الْقَبِيْحَةِ وَ هِيَ الْبَنَاتُ مَعَ
اِحْتِيَاجِهِمْ اِلَيْهِنَّ لِلنِّكَاحِ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ الصِّفَةُ الْعُلْيَا وَ هُوَ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ
مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ۝ فِيْ خَلْقِهٖ ع ۱۰ ۱۳

ترجمہ: اور اللہ نے فرمایا دو دو معبود (اثنی، الھین کی تاکید ہے) مت پکڑو، معبود ایک ہی ہے (اس سے الوہیت اور وحدانیت کرنا مقصود ہے) سو مجھ سے ہی ڈرو (میرے علاوہ کسی سے مت ڈرو (اس میں التفات عن الغائب ہے) جو کچھ آسمانوں میں ہے اسی کا ہے، وہی مالک وخالق ہے سب اسی کے بندے ہیں) اور ہمیشہ اسی کی عبادت ہے (واصبا دین سے حال واقع ہے اور معنی ظرف اس میں عامل ہے) پھر کیا تم اللہ کے سوا اور دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟ (حالانکہ وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، استفہام یا تو انکار کے لئے ہے یا توبیخ کے لئے) تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے (اس کے سوا کوئی بھی اسے نہیں دیتا اور ما شرطیہ ہے یا موصولہ ہے) پھر جب تمہیں کوئی دکھ پہونچتا ہے (افلاس یا بیماری پیش آتی ہے) تو اسی کے آگے فریاد کرتے ہو (آوازیں بلند کرتے ہو یا دعاء کرکے اس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتے ہو (پھر جب تم سے دکھ درد دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے پروردگار کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے تاکہ جو نعمت ہم نے اس کو دی اس کی ناشکر کرے سو مزے اڑا لو (سب مل کر بت پرستی کرلو، یہ امر تہدید کیلئے ہے) آخر کار تم کو پتہ چل جائے گا (اس کے انجام کا) پھر یہ لوگ (مشرکین) ان چیزوں کے لئے جس کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں (کہ وہ نفع بخش ہیں یا نقصان دہ، یعنی بت) ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے حصہ لگاتے ہیں (یعنی کھیتی باڑی اور جانوروں میں ہے، یہ کہہ کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ان بتوں کی ڈھیری ہے) قسم اللہ کی تم سے جوابدہی ہوگی سوال توبیخی ہے، اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا جاتا ہے) جو تم نے بہتان طرازیاں کی ہیں (کہ اللہ نے تمہیں اس کام کے بارے میں حکم دیا ہے) اور یہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے رہتے ہیں (یعنی فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے رہتے ہیں) اس کے لئے پاکی ہو (ان چیزوں سے جن کا اللہ کے لئے یہ لوگ گمان کرتے ہیں) اور اپنے لئے اپنی من چاہتی چیز پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے اور جملہ محل رفع میں ہے یہ یجعل کی وجہ سے منصوب ہے خلاصہ یہ کہ اللہ کے لئے تو بیٹیوں کا انتخاب کر رکھا ہے جو خود کے لئے پسند نہیں حالانکہ اللہ بالکل اولاد سے پاک ہے اور اپنے لئے بیٹے تجویز کر رکھے ہیں جو ان کی من پسند چیز ہے چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝ جب خوشخبری ملے ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی تو سارے دن اس کا چہرہ سیاہ رہتا ہے (مارے غم کے بے رونق) اور جی میں گھٹتا رہتا ہے (غم میں ڈوبا رہتا ہے پھر بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کیسے کرتا ہے؟) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس خبر سے شرم کے مارے جو اسے دی گئی تھی (عار کے ڈر سے اس تردد کے ساتھ کہ نہ معلوم اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا) اس کو رہنے دے (بلا قتل کے چھوڑے رکھے ذلت قبول کرکے (رسوائی و پستی کے ساتھ) یا اس کو مٹی میں داب دے (زندہ دفن کر دے) سنتے ہو! بہت برا فیصلہ کرتے ہیں (کہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف تو بیٹیوں کی نسبت کرتے ہیں جن کی حیثیت ان کے نزدیک بس اتنی ہے) جو لوگ نہیں مانتے

آخرت کو (یعنی کفار) انکی بری مثال ہے (بری مثال سے بری عادت مراد ہے، وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہے باوجودیکہ وہ نکاح کے لئے لڑکیوں کے محتاج ہیں) اور اللہ کی مثال سب سے اوپر ہے (اللہ کے لئے اعلیٰ صفت ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں) اور وہ زبردست ہے (اپنے ملک میں) حکمت والا ہے (اپنی مخلوق میں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لِإِثْبَاتِ الْإِلٰهِيَّةِ: جب کوئی ایسا اسم لایا جائے جس میں افراد کا معنی ہو مگر وہ جنسیت اور وحدت پر دلالت کرتا ہو تو وحدت دلالت کے لئے اس کے بعد تاکید لانا ضروری ہوگا۔

قوله: الطَّاعَةُ: یہاں دین سے جزاء مراد نہیں بلکہ طاعت مراد ہے جزاء تو آخرت میں ہوگی۔

قوله: وَاصِبًا: ہمیشہ اور دائم کے معنی میں آتا ہے۔

قوله: حَالٌ: واصبا یہ الدین سے حال ہے۔

قوله: لَا يَأْتِيْ بِهَا: مسبیت خبر ہونے کے لحاظ سے ہے۔ ان کے ساتھ نعمت کا استقرار یہ اخبار کا سبب ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حصول کے بغیر ہے۔

قوله: تَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَكُمْ: الجؤار۔ دعا میں اواز کو بلند کرنا۔

قوله: لَا يَعْلَمُوْنَ: ضمیر مرفوع کا مرجع تو مخاطبین ہیں اور لوٹنے والی ضمیر ما محذوف کی طرف لوٹتی ہے جو کہ انھا ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ فِيْ مَحَلِّ رَفْعٍ: یعنی ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور لھم خبر ہے اور نصب کی صورت میں اس کا عطف بنات پر ہے۔

قوله: اَلَّتِيْ يَخْتَارُوْنَهَا: یہاں اختیار کے معنی میں ہے۔

قوله: ظَلَّ: اس کی تفسیر صار سے کر کے بتلایا کہ ظل دن گزارنے کے معنی میں نہیں بلکہ ہو جانے کے معنی میں ہے۔

قوله: مُتَغَيِّرًا: اس سے اشارہ کیا اسواد وجہ سے مراد غم شدید میں مبتلا ہونا ہے یہ کنایہ ہے۔

قوله: قَوْمِهٖ: اشارہ کیا کہ وہ اپنی قوم وقبیلہ سے چھپاتا ہے تمام اقوام سے تو ممکن نہیں۔

قوله: مُتَرَدِّدًا فِيْمَا يَفْعَلُ بِهٖ: یہ جملہ یتواری کی ضمیر سے حال ہے۔

قوله: بِمَعْنَى الْقَبِيْحَةِ: سے مراد زندہ درگور کرنا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے:

اللہ واحد کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، وہ لاشریک ہے، وہ ہر چیز کا خالق ہے، مالک ہے، پالنہار ہے۔ اسی کی خالص عبادت دائمی اور واجب ہے۔ اس کے سو دوسروں کی عبادت کے طریقے نہ اختیار کرنے چاہئیں۔ آسمان و زمین کی تمام مخلوق خوشی یا ناخوشی اس کی ماتحت ہے۔ سب کو لوٹایا جانا اسی کی طرف ہے، خلوص کے ساتھ اسی کی عبادت کرو۔ اسکے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے سے بچو۔ دین خالص صرف اللہ ہی کا ہے آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک وہی تنہا ہے۔ نفع نقصان اسی کے اختیار میں ہے، جو کچھ نعمتیں بندوں کے ہاتھ میں ہیں سب اسی کی طرف سے ہیں، رزق نعمتیں عافیت تصرف اسی کی طرف سے ہے، اسی کے فضل و احسان بدن پر ہیں۔ اور اب بھی ان نعمتوں کے پالنے کے بعد بھی تم اس کے ویسے ہی محتاج ہو مصیبتیں اب بھی سر پر منڈلا رہی ہیں۔ سختی کے وقت وہی یاد آتا ہے اور گڑگڑا کر پوری عاجزی کے ساتھ کٹھن وقت میں اسی کی طرف جھکتے ہو۔ خود مشرکین مکہ کا بھی یہی حال تھا کہ جب سمندر میں گھر جاتے باد مخالف کے جھونکے کشتی کو پتے کی طرح ہچکولے دینے لگتے تو اپنے ٹھاکروں، دیوتاؤں، بتوں، فقیروں، ولیوں، نبیوں سب کو بھول جاتے اور خالص اللہ سے لو لگا کر خلوص دل سے اس سے بچاؤ اور نجات طلب کرتے۔ لیکن کنارے پر کشتی کے پار لگتے ہی اپنے پرانے اللہ سب یاد آجاتے اور معبود حقیقی کے ساتھ پھر ان کی پوجا پاٹ ہونے لگتی۔ اس سے بڑھ کر بھی ناشکری کفر اور نعمتوں کی فراموشی اور کیا ہوسکتی ہے؟ یہاں بھی فرمایا کہ مطلب نکل جاتے ہی بہت سے لوگ آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ لیکفروا کا لام لام عاقبت ہے اور لام تعلیل بھی کہا گیا ہے یعنی ہم نے یہ خصلت ان کی اس لئے کردی ہے کہ وہ اللہ کی نعمت پر پردے ڈالیں اور اس کا انکار کریں حالانکہ دراصل نعمتوں کا دینے والا، مصیبتوں کا دفع کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں۔ پھر انہیں ڈراتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو اپنا کام چلالو، معمولی سا فائدہ یہاں کا اٹھالو لیکن اس کا انجام ابھی ابھی معلوم ہوجائے گا۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

معبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے اسی سے ڈرو:

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں، آسمان میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے (مخلوق اور مملوک اپنے خالق اور مالک کے برابر نہیں ہوسکتے لہٰذا معبود بھی نہیں ہوسکتے) جب سب کچھ اسی کی ملکیت ہے تو ہمیشہ اسی کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے لازمی طور پر ہمیشہ اسی کی عبادت کرو جب اس کی اطاعت لازم ہے تو اس کے علاوہ کسی دوسرے سے ڈرنے کا کوئی موقع نہیں اسی کو فرمایا: اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے جو ڈر کے مارے بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پوجا نہ کی تو یہ ہمیں تکلیف پہنچائیں گے۔ قولہ تعالی: وَاصِبًا ۭ فسر بثلاثة معان (الاول) دائما (والثانی) واجبا (والثالث) تاعبا ای تجب طاعة اللہ تعالٰی ان تعب العبد فیھا قالہ القرطبی) (وَاصِبًا ۭ کی تفسیر تین معانی کے ساتھ کی گئی ہے (۱) دائماً (ہمیشہ) (۲) واجباً (ضروری حق) (۳) تاعباً یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس قدر واجب ہے کہ بندہ اس میں اپنے آپ کو تھکا دے)

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ ....

یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں، مویشی میں، تجارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) جیسا کہ مشرکین عرب کا دستور تھا جس کا ذکر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکا مالا یعلمون سے مراد وہ ہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع وضرر سمجھتے تھے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند ان کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کیے گئے پتھر کے بت جو ہر قسم کے علم وشعور سے کورے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔

یعنی قیامت میں ان افتراء پردازیوں کی تم سے ضرور بازپرس ہوگی۔ خدا کے دیے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک وسہیم بناؤ۔ (باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جداگانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں)

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝

مشرکین کی بھونڈی تجویز، اللہ کے لیے بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے تجویز کرتے ہیں خود ان کے یہاں بیٹی پیدا ہونے کی خبر مل جائے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے

مشرکین جو شرک کرتے ہیں اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مال کا کچھ حصہ باطل معبودوں کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جس کی تفسیر سورۃ انعام کی آیت (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ) (الی اخر الایۃ) میں گزر چکی ہے۔ مال تو دیا اللہ نے اس میں شریک کر دیا باطل معبودوں کو اور اوپر سے یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے، اس لیے فرمایا: (تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ) (کہ اللہ کی قسم تم سے افتراء پردازیوں کے بارے میں ضرور ضرور سوال ہوگا اور سورۃ انعام میں فرمایا: (سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ) (وہ عنقریب ان کی افتراء پردازیوں کا بدلہ دے گا۔)

اس کے بعد مشرکین کا ایک اور شرکیہ عقیدہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا اور یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ہی شرک ہے وہ اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو، سورۃ مریم میں فرمایا: (وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا) (یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) صحیح بخاری ص ۷۴٤ ج ۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے گالی دی اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے، مشرکین کی بھونڈی عقل تو دیکھو کہ اول تو اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد بتا کر مشرک ہوئے پھر جو اولاد تجویز کی وہ بھی لڑکی، جبکہ اپنے ہاں لڑکی کا پیدا ہونا برا سمجھتے ہیں اور اپنے لیے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں، سورۃ زخرف میں فرمایا: (وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا) (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے) اپنے لیے لڑکیاں پسند نہیں کرتے اور اللہ کی اولاد تجویز کرنے بیٹھے تو لڑکیاں تجویز کر دیں۔ سورۃ زخرف میں فرمایا (اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ) (کیا اللہ نے اپنی اولاد بنانے کے لیے لڑکی کو پسند فرمایا جو زیور میں نشوونما پائے اور جو جھگڑے میں قوت بیان نہ رکھتی ہو) صنف ضعیف کو اللہ کی بیٹیاں بتا رہے ہیں، بیوقوفی کی انتہا ہے۔

اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کر دیں اور اپنا حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو خبر ملے کہ اس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی

ہے تو اس خبر سے اس کا چہرہ سیاہ یعنی بے رونق ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹا گھٹا پھرتا رہتا ہے، لوگوں کے سامنے آنے میں عار محسوس کرتا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے کہ لوگ یہ عیب نہ لگائیں کہ تیرے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے اور ساتھ ہی اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے روکے رکھوں یا عار سے بچنے کے لیے زمین میں گاڑ دوں، پھر ہوتا یہ تھا کہ بچی کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رواج کی وجہ سے لوگوں کے سامنے آکر اپنے کو باعزت قرار دیتے تھے گویا انہوں نے بہت بڑا عزت کا کارنامہ انجام دیا کہ اپنی لڑکی کو زندہ دفن کر دیا سورۂ تکویر میں فرمایا: (اور جب زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں سوال کیا جاوے گا کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی) عرب جن جہالتوں میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ جہالت بھی تھی۔ رواج نے انہیں سخت دل بنا دیا اپنی زندہ بچی کو دفن کرتے ہوئے ذرا رحم نہیں آتا تھا عورت اسلام سے پہلے بالکل بے حیثیت تھی، اس سے بڑی بے آبروئی کیا ہوگی، کہ بچی پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھی، اور ہندوستان میں تو یہ حال تھا کہ شوہر مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اسلام نے عورت کو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس کے حقوق بتائے بچیوں کی پرورش کا ثواب بتایا اسے عزت کے ساتھ گھر میں رہنے کا حکم دیا پھر بھی عورتوں کی ناسمجھی پر افسوس ہے کہ دور حاضر کے ملحدوں اور زندیقوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنی ذات کو بے آبرو کر رہی ہیں بے پردہ پھرنے میں گندی زندگی گزارنے میں ہنر سمجھتی ہیں شوہروں کے بجائے دوست تلاش کرتی پھرتی ہیں آخر میں فرمایا: (اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ) (خبردار ان کے فیصلے برے ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنا ہی بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے پھر اولاد بھی تجویز کی تو ایسی چیز تجویز کی جسے اپنے لیے سبب ذلت اور موجب عار سمجھتے ہیں۔

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ بِالْمَعَاصِيْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا اَيِ الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ نَسَمَةٍ تَدِبُّ عَلَيْهَا وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ عَلَيْهِ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ مِنَ الْبَنَاتِ وَالشَّرِيْكِ فِي الرِّيَاسَةِ وَاِهَانَةِ الرُّسُلِ وَ تَصِفُ تَقُوْلُ اَلْسِنَتُهُمُ مع ذٰلِكَ الْكَذِبَ وَهُوَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ عِنْدَ اللّٰهِ اَيِ الْجَنَّةِ كَقَوْلِهِ وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى قَالَ تَعَالٰى لَا جَرَمَ حَقًّا اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ مُتْرَكُوْنَ فِيْهَا اَوْ مُقَدَّمُوْنَ اِلَيْهَا وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ الرَّاءِ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ رُسُلًا فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ السَّيِّئَةَ فَرَاَوْهَا حَسَنَةً فَكَذَّبُوا الرُّسُلَ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ مُتَوَلِّيْ اُمُوْرِهِمُ الْيَوْمَ اَيْ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالْيَوْمِ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ عَلٰى حِكَايَةِ الْحَالِ الْاٰتِيَةِ اَيْ لَا وَلِيَّ لَهُمْ غَيْرُهٗ وَهُوَ عَاجِزٌ عَنْ نَصْرِ نَفْسِهٖ فَكَيْفَ يَنْصُرُهُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ لِلنَّاسِ الَّذِي اخْتَلَفُوْا

فِيْهِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَهُدًى عَطْفٌ عَلٰى لِتُبَيِّنَ وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ بِهٖ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بِالنَّبَاتِ بَعْدَ مَوْتِهَا يُبْسِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيَةً دَالَّةً عَلٰى
الْبَعْثِ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ

ترجمہ: اور اگر اللہ پکڑ لے لوگوں کو ان کی ناانصافی (گناہوں) پر تو نہ چھوڑے اس (زمین) پر ایک بھی چلنے والا (جاندار مخلوق جو رینگ کر چلنے والی ہے) لیکن وہ انہیں ایک متعین وقت تک ڈھیل دیتا ہے پھر جب وہ وقت موعود آ پہنچے گا تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے سرک سکیں گے اور نہ آگے سرک سکیں گے، اور یہ اللہ کے واسطے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں جنہیں خود پسند نہیں کرتے (یعنی لڑکیوں کا ہونا، اور خدا کا بادشاہت میں شریک کرنا اور پیغمبروں کی توہین) اور ان کی زبان جھوٹ بیان کرتی ہے (یعنی یہ کہ) ان کے لئے اچھائی ہی اچھائی ہے اللہ کے یہاں یعنی جنت جیسا کہ دوسری آیت میں نقل فرمایا گیا ہے: وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْ .... حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) یقینی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے بلاشبہ وہ اس میں سب سے پہلے پہنچنے والے ہیں (جہنم رسید ہونے والے ہیں یا سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور ایک قراءت میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی حدود سے آگے بڑھنے والے) خدا کی قسم آپ سے پہلے جتنی امتیں گذری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے پیغمبروں کو بھیجا تھا لیکن شیطان ان کا رفیق (کارساز) بن بیٹھا آج کے دن (یعنی دنیا میں) اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی (آخر میں، کہا گیا ہے کہ الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے، آنے والے حال کی حکایت کرتے ہوئے، یعنی شیطان کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں ہوگا جو خود بھی اپنی مدد سے عاجز ہوگا چہ جائیکہ ان کی مدد کر سکے) اور ہم نے آپ پر (اے محمد ﷺ) اس کتاب (قرآن کریم) کو اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ واضح کر دیں ان (لوگوں) کی غرض سے اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے (سبزی اگا کر) زمین کو زندگی بخشی اس کے مردہ (خشک) ہو جانے کے بعد بلاشبہ اس (شئی مذکور) میں نشانی ہے (دوبارہ زندہ کئے جانے پر دلالت کرنے والی ہے) ایسے لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں (غور و فکر کے ساتھ)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: اَلْاَرْضَ: اس کو علیہا مضمر ذکر کیا حالانکہ اس کا تذکرہ پہلے موجود نہیں اس کی وجہ الناس یا الدوابہ سے دلالت پائی جاتی ہے۔

قولہ: ان: اپنے مدخول سمیت مبتداء محذوف کی خبر ہے تصف کا مفعول نہیں۔

قولہ: مُقَدَّمُوْنَ: افرطتہ فی طلب الماء سے لیا گیا جس کا معنی آگے بڑھانا ہے۔

قولہ: فِی الدُّنْیَا: دنیا کے وقت یوم سے تعبیر کیا گیا کیونکہ آخرت کی نسبت سے یہ ایک دن کی مانند ہے۔

قولہ: لَا وَلِیَّ لَهُمْ: مبتداء و خبر کا معرفہ آنا حصر کے لئے مفید ہے تو اس سے ناصر کی نہایت بلیغ انداز سے نفی ثابت ہوئی۔

قوله: سِمَاعَ تَدَبُّر: اس سے اشارہ کیا کہ مطلق سماع مراد نہیں بلکہ تدبر سے سننا مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ ....

یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کردے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی، کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی خطا وقصور سے تو کوئی خالی ہوگا؟ (کُلُّکُمْ خَطَّاؤُوْنَ) جب خاطی و بدکار فوراً ہلاک کردیے گئے تو صرف معصوم انبیاء کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ان کا ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا موزوں ہے۔ جب نیک و بدانسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہوگا، کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجیے خدا نے انسانوں کے ظلم وعدوان پر بارش بند کردی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مریں گے۔ بہرحال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے حلم وحکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ واصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موعود تک انھیں ڈھیلا چھوڑتا ہے۔ جب وقت آ پہنچا، پھر ایک سکینڈ ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ سے خاص دابہ ظالمہ مراد لیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مطلب واضح ہے کوئی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ....

یعنی قرآن صرف اس لیے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید و معاد اور احکام حلال وحرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت وتحقیق کے ساتھ بیان کردے۔ کوئی اشکال وخفا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم ﷺ بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دوٹوک فیصلہ سنادیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کردیں۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

یعنی فیصلہ اور بیان تو سب کے لیے ہے لیکن اس کی ہدایت سے منتفع ہونا اور رحمت الٰہی کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع ورغبت ایمان لاتے ہیں۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً اِعْتِبَارًا **نُسْقِيْكُمْ** بَيَانٌ لِلْعِبْرَةِ **مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ** اَيِ الْاَنْعَامِ مِنْ لِلْاِبْتِدَاءِ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُسْقِيْكُمْ **بَيْنِ فَرْثٍ** ثُفْلُ الْكَرِشِ **وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا** لَا يَشُوْبُهٗ شَيْءٌ مِنَ الْفَرْثِ وَالدَّمِ مِنْ طَعْمٍ اَوْ لَوْنٍ اَوْ رِيْحٍ وَهُوَ بَيْنَهُمَا **سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ** ۞ سَهْلُ الْمُرُوْرِ فِيْ حَلْقِهِمْ لَا يَغُصُّ بِهٖ وَ **مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ** ثَمَرٌ **تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا** خَمْرًا تُسْكِرُ سُمِّيَتْ بِالْمَصْدَرِ وَهٰذَا

قَبَلَ تَحْرِيْمِهَا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ۭ كَالتَّمَرِ وَالزَّبِيْبِ وَالْخَلِّ وَالدِّبْسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيَةً عَلٰى
قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑰ يَتَدَبَّرُوْنَ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ وَحْىَ اِلْهَامٍ اَنِ مُفَسِّرَةٌ اَوْ
مَصْدَرِيَّةٌ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا تَاوِىْ اِلَيْهَا وَّمِنَ الشَّجَرِ بُيُوْتًا وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ⑱ اَىِ النَّاسُ
يَبْنُوْنَ لَكِ مِنَ الْاَمَاكِنِ وَالْاِلَهِ تَاوِيْ اِلَيْهَا ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ اُدْخُلِيْ سُبُلَ رَبِّكِ طُرُقَهٗ
فِيْ طَلَبِ الْمَرْعٰى ذُلُلًا ۭ جَمْعُ ذَلُوْلٍ حَالٌ مِنَ السُّبُلِ اَىْ مُسَخَّرَةٌ لَكِ فَلَا تَعْسُرُ عَلَيْكِ وَاِنْ تَوَعَّرَتْ
وَلَا تَضِلِّيْ عَنِ الْعَوْدِ مِنْهَا وَاِنْ بَعُدَتْ وَ قِيْلَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِيْ اُسْلُكِيْ اَىْ مُنْقَادَةً لِمَا يُرَادُ مِنْكِ
يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ هُوَ الْعَسَلُ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ مِنَ الْاَوْجَاعِ قِيْلَ
لِبَعْضِهَا كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ تَنْكِيْرُ شِفَاءٍ اَوْ لِكُلِّهَا بِضَمِيْمَةٍ اِلٰى غَيْرِهٖ اَقُوْلُ وَ بِدُوْنِهَا بِنِيَّةٍ وَ قَدْ اَمَرَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑲ فِيْ صُنْعِهٖ تَعَالٰى
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڟ عِنْدَ انْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ
الْعُمُرِ اَىْ اَخَسِّهٖ مِنَ الْهَرَمِ وَالْخَرَفِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۭ قَالَ عِكْرِمَةُ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ لَمْ
ع ٩ ٥ ١٥ يَصِرْ بِهٰذِهِ الْحَالَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ قَدِيْرٌ ⑳ عَلٰى مَا يُرِيْدُهٗ

ترجمہ: اور بے شک تمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی جگہ ہے (سامان عبرت ہے) پلاتے ہیں تم کو (یہ عبرت کا بیان ہے) اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے (یعنی جانوروں کے پیٹ سے) من ابتدائیہ ہے اور نُسْقِيْكُمْ سے متعلق ہے) گوبر (گندگی) اور لہو کے بیچ میں سے صاف ستھرا دودھ کے درمیانی حصہ ہوتا ہے) پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے (حلق سے نیچے اترنے میں آسانی ہوتی ہے اس سے اچھو نہیں لگتا) اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور عرق کشید کرتے ہو (نشہ آور شراب تیار کرتے ہو (سکر مصدر ہے جس کے معنی شراب کے پڑ گئے، یہ آیت حرمت شراب کے حکم سے پہلے کی ہے) اور عمدہ غذا (جیسے کھجور، کشمش، منقی، سرکہ، شیرۂ کھجور) دونوں کی چیزیں حاصل کرتے ہو بلاشبہ اس بات میں لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت پر) ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں (غور وفکر کرتے ہیں) آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی) وحی، الہام کے معنی میں ہے) کہ (ان مفسرۃ ہے یا مصدر یہ ہے) پہاڑوں میں اپنا چھتہ بنا لے (ٹھکانہ کرنے کے لئے) اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنائی جاتی ہیں (یعنی ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر (اپنی غذا کی تلاش میں) چل جو تیرے لئے آسان کردیئے گئے ہیں (ذل ذل کی جمع ہے سبل سے حال واقع ہے یعنی وہ راستے تیرے لئے آسان کردیئے

گئے ہیں ان میں کوئی دشواری نہیں رہتی خواہ وہ کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں اور وہاں سے واپسی میں ہرگز بھٹک نہیں سکتی خواہ وہ راستے دُور دراز ہی کیوں نہ ہوں اور بعض کی رائے میں اسلکی کی ضمیر سے حال واقع ہے یعنی جس کام کے لئے تجھے پیدا کیا گیا ہے تو اسے بجالاتی ہے) اس کے پیٹ سے عرق (شہد) نکلتا ہے مختلف رنگوں کا جس میں انسان کے لئے شفاء ہے (تکالیف سے، بعض کے نزدیک کچھ بیماریوں سے شفاء جیسا کہ شفاء کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض کے نزدیک ہر مرض کی دواء ہے بشرطیکہ دوسرا بدرقہ اس کے ساتھ شامل کرلیا جائے میں کہتا ہوں کہ بغیر بدرقہ کے بھی شہد ہر بیماری کی دواء ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو چنانچہ ایک صحابی کو دستوں کی شکایت تھی اس کو آنحضور ﷺ نے شہد استعمال کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے) بلاشبہ اسمیں لوگوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں (اللہ کی کاریگری میں) اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا (حالانکہ تم کچھ نہیں تھے) پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری زندگی پوری ہونے پر) اور بعضوں کو تم میں نکمی عمر کو پہونچا تا ہے (بڑھاپا اور پیرانہ سالی کی خستہ حالت تک) جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے (حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ جو تلاوت قرآن کو معمول بنائے رکھے وہ اس بدترین حالت میں مبتلا نہیں ہوگا) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، (اپنی مخلوق کے بندوبست کے سلسلہ میں) بڑی قدرت والے ہیں (جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَعِبْرَةً: یعنی ایسی دلالت موجود ہے جس کے ذریعہ جہالت سے علم کی طرف عبرت حاصل ہو۔

قوله: مِمَّا فِي بُطُونِهٖ: اس میں ضمیر کو مفرد لانے میں لفظ کا لحاظ ہے۔ اور بقول سیبویہ انعام بروزن افعال مفرد ہے اور سورہ مومنون میں اس کو مؤنث لایا گیا ہے وہ معنی کے لحاظ سے ہے اور یہ اسم جمع ہے۔

قوله: مِنْ لِلْاِبْتِدَاءِ: یعنی من بین فرث الایہ۔ اس میں من ابتدائیہ ہے البتہ مما فی بطونہ میں من تبعیضیہ ہے۔

قوله: مُتَعَلِّقَةٌ بِنُسْقِيْكُمْ: یہ لبنا سے حال نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

قوله: ثِفْلُ الْكَرِشِ: اس کا معنی گوبر ہے۔

قوله: وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ: اس کا تعلق محذوف نسقیکم سے ہے اور اس کا عطف وان لکم فی الانعام پر ہے۔

قوله: وَحْيَ اِلْهَامٍ: اس سے اشارہ کردیا کہ وحی سے مراد یہاں دل کے اندر ڈالنا ہے۔ ان مفسرہ ہے کیونکہ ایحا میں قول کا معنی پایا جاتا ہے۔

قوله: النَّاسُ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شہد کی مکھیوں کے لئے چھپر بناتے ہیں تاکہ ان سے شہد حاصل کریں۔

قوله: مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ: اس سے مراد جو تم پسند کرو میٹھی یا کڑوی۔

قوله: جَمْعُ ذَلُوْلٍ: اس کا مفرد نہیں ہے اور ذلل سبل سے حال ہے اس کی صفت نہیں ہے۔

قوله: هُوَ الْعَسَلُ: یعنی شراب سے یہاں شہد مراد ہے کیونکہ وہی پیا جاتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً

چوپایوں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لیے عبرت ہے:

ان آیات سے پہلے بارش کی نعمت کا تذکرہ تھا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرما دیتا ہے اور اس سے طرح طرح کی غذائیں ملتی ہیں ان آیات میں اولاً دودھ کا اور ثانیاً سکر کا اور اس کے ساتھ رزق حسن کا ثالثاً شہد کا تذکرہ فرمایا۔

دودھ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دیکھو چوپایوں میں تمہارے لیے عبرت ہے چوپایوں سے دودھ کے جانور مراد ہیں غور کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے پیٹوں سے دودھ نکال کر پلاتا ہے یہ جانور چارہ اور گھاس پھونس کھاتے ہیں اس سے خون بھی بنتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر بھی اور دودھ بھی، یہ دودھ خون اور گوبر کے درمیان سے صاف ستھرا خالص نکلتا ہے اس میں ایک ذرہ بھی گوبر یا خون کا نہیں ہوتا، اور اس دودھ کا پینا نہایت سہل ہے آسانی سے گلے میں اتر جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے جانوروں نے کھایا تھا گھاس پھونس اور اس سے پیدا ہوا دودھ، یہ دودھ پیدا ہوا تو چھوٹوں اور بڑوں کے لیے غذا بن گیا۔ معالم التنزیل میں ص ۷۵ ج ۳ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جانور جب چارہ کھاتا ہے اور اس کے معدہ میں جگہ پکڑ لیتا ہے اور معدہ اسے پیستا ہے تو نیچے گوبر، درمیان میں دودھ اور اوپر خون بن جاتا ہے، پھر باذن اللہ تعالیٰ جگر اپنا کام کرتا ہے خون رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر اپنی جگہ رہ جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یوں دعا کرے: ((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ)) (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے بہتر کھلا) اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے: ((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ)) (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں سے اور زیادہ دے) عام کھانے کی دعا میں: ((اَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ)) فرمایا اور دودھ پینے میں وَزِدْنَا مِنْهُ فرمایا اس کا سبب آنحضرت ﷺ نے خود ہی بتا دیا: فانه ليس شيء من الطعام والشراب الا اللبن کہ دودھ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

(رواہ ابوداؤد ص ۶۸ ج ۲)

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ ....

دودھ کا تذکرہ فرمانے کے بعد نخیل اور اعناب کے پھلوں کا تذکرہ فرمایا یعنی ہم نے تمہیں کھجور اور انگور کے پھل عطا کیے جن سے تم سکر اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، کھجوروں اور انگوروں کی مٹھاس اور غذائیت کو لوگ عام طور سے جانتے ہیں ان دونوں سے عمدہ چیزیں بناتے ہیں اچھا رزق تیار کر کے کھاتے ہیں، اس میں جو لفظ ''سکر'' وارد ہوا ہے۔ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ نشہ والی چیز کیا ہے اور یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نشہ تو حرام ہے جو چیز حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے اس کو مقام

امتنان میں یعنی احسان کرنے کے بیان میں کیسے ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ نحل مکی ہے اس وقت تک نشہ والی چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں لوگ شراب سے منتفع ہوتے تھے لہٰذا اس کا تذکرہ فرما دیا، لیکن چونکہ بعد میں حرام ہونے والی تھیں اس لیے خوبی پر دلالت کرنے والا کوئی کلمہ ذکر نہیں فرمایا اور اس کے علاوہ انگور سے جو دوسری عمدہ چیزیں تیار کر لیتے ہیں انہیں رزق حسن سے تعبیر فرمایا، اور حضرت ابن عباس ؓ سے ایک قول یوں مروی ہے کہ اہل حبشہ کی لغت میں سرکہ کو سکر کہتے ہیں (گویا لفظ سکر یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے) اور صاحب معالم التنزیل نے ابوعبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکر سے طعم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایسی کھانے کی چیزیں دیں جن میں مزہ اور لذت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔)

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ ....

اس کے بعد شہد کی مکھی کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں گھر بنا یعنی شہد کے لیے چھتہ تیار کر لے اور شہد کی مکھی سے فرمایا کہ تو پھلوں میں سے کھا لے یعنی چوس لے اور اس کام کے لیے اللہ کے بنائے راستوں میں آنا جانا، یہ راستے شہد کی مکھی کے لیے آسان فرما دیئے تھے، جب وہ پھلوں سے رس چوس کر آتی ہے تو چوسا ہوا مواد ان چھتوں میں جمع کرتی ہے جو پہلے سے بنا رکھے تھے، یہ جمع شدہ مواد جسے شہد کی مکھیاں چوس چوس کر لاتی ہیں عسل یعنی شہد ہے اس کو پیتے ہیں یہ میٹھی مقوی چیز ہے اور اس کا رنگ بھی مختلف ہے شہد ایک میٹھی غذا ہی نہیں دوا دارو کے لیے بھی اس کا استعمال بہت مفید ہے۔ اس لیے فرمایا کہ: فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((علیکم بالشفائین العسل و القرآن)) کہ تم ایسی دو چیزوں کو لازم کر لو جو سراپا شفا ہیں ایک شہد دوسرے قرآن (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۱) مطلب یہ ہے کہ اپنے امراض کے علاجوں کے لیے شہد کو استعمال کرو اور قرآن مجید پڑھ کر مریض پر دم کرو، اطباء نے شہد کے بہت سے منافع لکھے ہیں اور امراض کے لیے استعمال کرنے کے بہت سے طریقے بتائے ہیں، قرآن مجید سراپا شفا ہے تجربہ ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے تو شفا ہو جاتی ہے حضرات صحابہ ؓ ایک جگہ تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کو زہریلے جانور نے ڈس لیا تھا جو اس علاقہ کا سردار تھا، وہ لوگ حضرات صحابہ کرام ؓ کے پاس آئے اور اپنی پریشانی ظاہر کی، ان میں سے ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا جس کے اثر سے وہ ڈسا ہوا شخص بالکل ٹھیک ہو گیا جیسے کوئی شخص رسی میں باندھا ہو پھر اسے چھوڑ دیا جائے۔

(صحیح بخاری ص ۳۰۴ ج ۱)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ (بلاشبہ اس میں لوگوں کے لیے نشانی ہے جو فکر کرتے ہیں۔)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمِنْكُمْ غَنِیٌّ وَ فَقِیْرٌ وَ مَالِكٌ وَ مَمْلُوْكٌ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا اَیِ الْمَوَالِیْ بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ اَیْ بِجَاعِلِیْ مَا رَزَقْنَاهُمْ مِنَ الْاَمْوَالِ وَغَیْرِهَا شِرْكَةً بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَمَالِیْكِهِمْ فَهُمْ اَیِ الْمَمَالِیْكُ وَالْمَوَالِیْ فِیْهِ سَوَآءٌ شُرَكَاءُ الْمَعْنٰی لَیْسَ لَهُمْ

شُرَكَاءُ مِنْ مَمَالِيْكِهِمْ فِيْ اَمْوَالِهِمْ فَكَيْفَ يَجْعَلُوْنَ بَعْضَ مَمَالِيْكِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ لَهُ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ۝٧١ يَكْفُرُوْنَ حَيْثُ يَجْعَلُوْنَ لَهُ شُرَكَاءَ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا فَخَلَقَ حَوَّاءَ
مِنْ ضِلْعِ اٰدَمَ وَسَائِرَ النَّاسِ مِنْ نُطَفِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً
اَوْلَادَ الْاَوْلَادِ وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ مِنْ اَنْوَاعِ الثِّمَارِ وَالْحُبُوْبِ وَالْحَيَوَانِ اَفَبِالْبَاطِلِ الصَّنَمِ
يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝٧٢ بِاِشْرَاكِهِمْ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهِ مَا لَا
يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ بِالْمَطَرِ وَالْاَرْضِ بِالنَّبَاتِ شَيْئًا بَدَلٌ مِنْ رِزْقًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝٧٣
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ وَهُوَ الْاَصْنَامُ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ لَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَشْبَاهًا تُشْرِكُوْنَهُمْ بِهِ اِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ اَنْ لَا مِثْلَ لَهُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧٤ ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا وَّيُبْدَلُ مِنْهُ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا
صِفَةٌ تُمَيِّزُهُ مِنَ الْحُرِّ فَاِنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ لِعَدَمِ مِلْكِهِ وَّمَنْ نَكِرَةٌ مَوْصُوْفَةٌ اَيْ حُرًّا
رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا اَيْ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ كَيْفَ يَشَاءُ وَالْاَوَّلُ مَثَلُ
الْاَصْنَامِ وَالثَّانِيْ مَثَلُهُ تَعَالٰى هَلْ يَسْتَوٗنَ اَيِ الْعَبِيْدُ الْعَجَزَةُ وَالْحُرُّ الْمُتَصَرِّفُ لَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٧٥ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُوْنَ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
وَّيُبْدَلُ مِنْهُ رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ وُلِدَ اَخْرَسَ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ لِاَنَّهُ لَا يَفْهَمُ وَلَا يُفْهِمُ وَّهُوَ كَلٌّ
ثَقِيْلٌ عَلٰى مَوْلٰىهُ وَلِيِّ اَمْرِهِ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ يصرفه لَا يَاْتِ مِنْهُ بِخَيْرٍ بِنُجْحٍ وَهٰذَا مَثَلُ الْكَافِرِ
هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ اَيِ الْاَبْكَمُ الْمَذْكُوْرُ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ اَيْ وَمَنْ هُوَ نَاطِقٌ نَافِعٌ لِلنَّاسِ حَيْثُ
ع ۱۰ ۱۲ يَاْمُرُ بِهِ وَيَحُثُّ عَلَيْهِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٧٦ وَهُوَ الثَّانِي الْمُؤْمِنُ لَا وَقِيْلَ هٰذَا مَثَلُ اللّٰهِ تَعَالٰى
وَالْاَبْكَمُ لِلْاَصْنَامِ وَالَّذِيْ قَبْلَهُ فِي الْكَافِرِ وَالْمُؤْمِنِ

ترجمہ: اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی کے لحاظ سے فضیلت دی (کوئی امیر ہے کوئی فقیر، کوئی آقا ہے کوئی غلام) پھر ایسا نہیں کہ جس کو روزی دی گئی (یعنی آقا) وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو لٹا ڈالے (یعنی جو کچھ مال و دولت وغیرہ ہم نے ان آقاؤں کو دیا وہ اس میں اپنے ساتھ اپنے غلاموں کو بھی شریک کریں) کیونکہ وہ سب (آقا و غلام) اس میں برابر کے

حقدار ہیں (شریک ہیں یعنی جب یہ لوگ اپنے غلاموں کی مال میں شرکت گوارہ نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق کی شرکت کیسے گوارہ کر رہے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مکر رہے ہیں (اس کے لئے شریک ٹھہرا کر کفر کر رہے ہیں) اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کر دیئے (چنانچہ حواء کو آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کر دیا اور باقی انسانوں کو مرد وعورت کی منی سے پیدا کر دیا) اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لیئے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیئے (یعنی اولاد کی اولاد) اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں (طرح طرح کے پھل، پھول، جانور) پھر کیا یہ لوگ بنیاد جھوٹی باتیں (بت) تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں (اللہ کے ساتھ شریک کر کے) یہ اللہ کو چھوڑ کر (اس کے سوا) ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ آسمان سے (بارش کے ذریعہ) روزی دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (گھاس پھونس کے ذریعہ) (زمین میں سے کچھ رزق دے سکتے ہیں (لفظ شیئا رزقا سے بدل واقع ہے) اور نہ انھیں کسی بات کا مقدور ہے (کسی چیز پر بھی انھیں قدرت نہیں، بت مراد ہیں) پس تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو (اس کے لئے کوئی شریک تجویز نہ کرو) اللہ تعالیٰ جانتا ہے (کہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے (اور تم کچھ نہیں جانتے (یہ بات) اللہ تعالیٰ ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں (اگلا جملہ اس سے بدل واقع ہے) ایک غلام ہے کسی دوسرے کی ملک (لفظ عبدا کے ساتھ مملوکا کی قید آزاد آدمی کو الگ کرنے کے لئے ہے کیونکہ اللہ کا بندہ تو وہ بھی ہوتا ہے) وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا (مالکانہ اختیار نہ ہونے کی وجہ سے) اور ایک دوسرا آدمی ہے (یہ نکرہ موصوفہ ہے (یعنی آزاد آدمی) کہ ہم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ اسے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے (یعنی جو چاہتا ہے اس روزی میں تصرف کرتا ہے پہلی مثال تو بتوں کی ہے اور دوسری مثال حق تعالیٰ کی ہے) اب بتلاؤ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (یعنی غلام عاجز اور آزاد وقدرت رکھنے والا ہرگز برابر نہیں ہو سکتے) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں (تنہا) مگر (اہل مکہ میں سے) اکثر آدمی جانتے ہی نہیں (کہ انہیں کیا سزا بھگتنی پڑے گی) اس لئے وہ شریک کرتے رہتے ہیں اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں (اگلا جملہ بدل واقع ہے) دو آدمی ہیں ایک (پیدائشی طور پر) گونگا ہے کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا (نہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ دوسرے کو سمجھا سکتا ہے) اپنے آقا پر ایک بوجھ (وبال جان) ہے اسے جہاں کہیں بھیجتا ہے کوئی درست کام کر کے نہیں لاتا، کامیاب ہو کر نہیں آتا یہ مثال تو کافر کی ہوئی) کیا یہ شخص (مذکورہ گونگا) اور ایسا شخص برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو (یعنی وہ شخص جو ناطق ہو لوگوں کو فائدہ پہونچانے والا ہو اور اچھی باتوں پر لوگوں کو ابھارتا ہو) اور خود بھی معتدل طریقہ پر ہو (دوسری مثال مومن کی ہے، یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے کہا گیا ہے کہ یہ دوسری مثال اللہ تعالیٰ کی ہے اور گونگے کی مثال بتوں کی ہے اور پہلی دو مثالوں کے مصداق کافر اور مؤمن ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: بِرَآدِّيْ: اس کا معنی دینے والا۔

قولہ: اَلْمَعْنٰى لَيْسَ لَهُمْ شُرَكَاءُ: یہ جملہ نفی کے جواب میں آیا ہے اس میں مشرکین کی اس حرکت کی تردید کی ہے کہ

انہوں نے اللہ کی بعض مخلوقات کو اس کی الوہیت میں شریک ٹھہرایا حالانکہ وہ اپنے غلاموں کو اللہ کے دیئے ہوئے مال میں شریک کرنے کے لئے تیار نہیں۔

قوله: یَکْفُرُوْنَ: یہاں یجحدون کفر کے معنی کو متضمن ہے اور وہ متعدی ہے اس لئے ب کی ضرورت نہیں۔

قوله: حَیْثُ یَجْعَلُوْنَ لَهٗ: اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات کی نسبت کی جائے۔

قوله: مِنْ اَنْوَاعِ الثِّمَارِ: یہاں من تبعیضیہ ہے۔

قوله: بِاِشْرَاکِهِمْ: اس میں انکے کفر کی نوعیت بتائی ہے کہ اللہ کے انعامات کی نسبت انہوں نے بتوں کی طرف کردی ہے۔

قوله: لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ: اس میں جمع کی ضمیر اور لا یملک میں مفرد کی ضمیر اس لئے لائی گئی کہ ما مفرد ہے اور الہۃ کے معنی میں جمع ہے۔

قوله: لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ اَشْبَاهًا: اس میں اشارہ کیا کہ امثال یہاں مثل کی جمع بمعنی صفت نہیں ہے۔

قوله: تُشْرِکُوْنَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہیں اس لئے کہ مثال کا بیان کرنا ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینا ہوتا ہے اور وہ اس سے بری ہے۔

قوله: لِعَدَمِ مِلْکِهٖ: کیونکہ غلام کی ملکیت کوئی نہیں اور اس کی قدرت بھی مسلوب ہوتی ہے اس سے مکاتب اور ماذون کا فرق واضح ہو گیا۔

قوله: نَکِرَۃٌ مَوْصُوْفَۃٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ موصولہ نہیں۔

قوله: اَلْعَبِیْدُ: اس میں اشارہ ہے کہ یستوون میں ضمیر کو اس لئے جمع لائے کہ اس کا تعلق دونوں جنسوں سے ہے پس معنی یہ ہے کیا آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں؟

قوله: وَلِیِّ اَمْرِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ مولی یہاں ولی سے ہے جو کہ قرب کے معنی میں ہے نہ کہ مالک کے معنی میں ہے۔

قوله: نَافِعٌ لِلنَّاسِ: یعنی عدل کا وہی حکم دے سکتا ہے جس میں یہ صفات کمالیہ پائی جائیں۔

قوله: هُوَ الثَّانِیْ: یعنی من یأمر بالعدل میں رجلین میں سے مؤمن ہی مراد ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ ....

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری عطا کی ہے۔ کوئی مالدار ہے، مالک ہے، بادشاہ ہے، ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کرتا ہے۔ کوئی نادار، فقیر، غلام اور ادنیٰ فوجی ہے، ایک روپیہ بھی صرف نہیں کر سکتا۔

معاش میں درجات کا اختلاف انسانوں کے لئے رحمت ہے:

اس آیت میں واضح طور پر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فقر و غنی اور معیشت میں انسانوں کے مختلف درجات ہونا کہ کوئی غریب ہے کوئی امیر کوئی متوسط الحال یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے اور انسانی مصالح کا مقتضی اور انسانوں کے

لئے رحمت ہے اگر یہ صورت نہ رہے اور مال وسامان میں سب انسان برابر ہو جائیں تو نظام عالم میں خلل اور فساد پیدا ہو جائے گا اسی لئے جب سے دنیا آباد ہوئی کسی دور اور کسی زمانے میں سب انسان مال ومتاع کے اعتبار سے مساوی نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں اور اگر کہیں زبردستی ایسی مساوات پیدا کر بھی دی جائے تو چند ہی روز میں تمام انسانی کاروبار میں خلل اور فساد کا مشاہدہ ہو جائے گا حق تعالیٰ نے جیسے تمام انسانوں کو عقل ودماغ اور قوت وطاقت اور صلاحیت کار میں مختلف مزاجوں پر تقسیم کیا ہے اور ان میں ادنیٰ اعلیٰ متوسط کی اقسام ہیں جس کا کوئی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا اسی طرح یہ بھی ناگزیر ہے کہ مال ومتاع میں بھی یہ مختلف درجات قائم ہوں کہ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اس کا صلہ پائے اور اگر اہل صلاحیت اور نااہل کو برابر کر دیا گیا تو اہل صلاحیت کی حوصلہ شکنی ہوگی جب معیشت میں اس کو نااہلوں کے برابر ہی رہنا ہے تو وہ کونسا داعیہ ہے جو اسے جدوجہد اور فکر وعمل پر مجبور کرے اس کا لازمی نتیجہ صلاحیت کار کو برباد کرنا ہوگا۔

ارتکازِ دولت کے خلاف قرآنی احکام:

البتہ خالق کائنات نے جہاں عقلی اور جسمانی قوتوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس کے تابع رزق اور مال میں تفاوت قائم فرمایا وہیں معاش کا یہ نظام محکم بھی قائم فرمایا کہ ایسا نہ ہونے پائے کہ دولت کے خزانوں اور کسب معاش کے مرکزوں پر چند افراد یا کوئی خاص جماعت قبضہ کر لے دوسرے اہل صلاحیت کے کام کرنے کا میدان ہی باقی نہ رہے کہ وہ اپنی عقلی اور جسمانی صلاحیتوں سے کام لے کر معاش میں ترقی کر سکیں اس کے لئے قرآن کریم سورۂ حشر میں ارشاد فرمایا: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ یعنی ہم نے تقسیم دولت کا قانون اس لئے بنایا کہ دولت صرف سرمایہ داروں میں منحصر ہو کر نہ رہ جائے۔

آج کل دنیا کے معاشی نظاموں میں جو افراتفری پھیلی ہوئی ہے وہ اس ربانی قانون حکمت کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں دولت کے مرکزوں پر سود وقمار کے راستہ سے چند افراد یا جماعتیں قابض ہو کر باقی ساری مخلوق کو اپنا معاشی غلام بنانے پر مجبور کر دیتی ہیں ان کے لئے بجز غلامی اور مزدوری کے کوئی راستہ اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے نہیں رہ جاتا وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود صنعت وتجارت کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

سرمایہ داروں کے اس ظلم وجور کے ردعمل کے طور پر ایک متضاد نظام اشتراکیت کمیونزم یا سوشلزم کے نام سے وجود میں آتا ہے جس کا نعرہ غریب وامیر کے تفاوت کو ختم کرنا اور سب میں مساوات پیدا کرنا ہے ظالمانہ سرمایہ داری کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے عوام اس نعرہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں مگر چند ہی روز میں وہ مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ یہ نعرہ محض فریب تھا معاشی مساوات کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوا اور غریب اپنی غربت اور فقر وفاقہ کے ساتھ بھی جو ایک انسانی احترام رکھتا تھا اپنی مرضی کا مالک تھا یہ احترام انسانیت بھی ہاتھ سے جاتا رہا نظام اشتراکیت میں انسان کی قدر وقیمت مشین کے ایک پرزے سے زائد نہیں کسی جائداد کی ملکیت کا تو وہاں تصور ہی نہیں ہو سکتا اور جو معاملہ وہاں ایک مزدور کے ساتھ کیا جاتا ہے اس پر غور کریں تو وہ کسی چیز کا مالک نہیں اس کی اولاد اور بیوی بھی اس کی نہیں بلکہ سب ریاست کی مشین کے کل پرزے ہیں جن کو مشین اسٹارٹ ہوتے ہی اپنے کام پر لگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ریاست کے مفروضہ مقاصد کے سوا نہ اس کا کوئی ضمیر ہے نہ آواز ریاست کے جبر وتشدد

خدا تعالیٰ اور مذہب کی مخالفت اور خالص مادہ پرستی نظام اشتراکیت کا بنیادی اصول ہے۔

اور ناقابل برداشت محنت سے کراہنا ایک بغاوت شمار ہوتا ہے جس کی سزا موت ہے

یہ وہ حقائق ہیں جن سے کوئی اشتراکی انکار نہیں کر سکتا ان کے پیشواؤں کی کتابیں اور اعمال نامے اس کے شاہد ہیں کہ ان کے حوالوں کو جمع کرنا بھی ایک مستقل کتاب بنانے کے مترادف ہے۔

قرآن حکیم نے ظالمانہ سرمایہ داری اور احمقانہ اشتراکیت کی دونوں انتہاؤں کے درمیان افراط وتفریط سے پاک ایک ایسا نظام بنایا ہے کہ رزق اور دولت میں فطری تفاوت کے باوجود کوئی فرد یا جماعت عام مخلوق کو اپنا غلام نہ بنا سکے اور مصنوعی گرانی اور قحط میں مبتلا نہ کر سکے سود اور جوے کو حرام قرار دے کر ناجائز سرمایہ داری کی بنیاد منہدم کر دی پھر ہر مسلمان کے مال میں غریبوں کا حق متعین کر کے شریک کر دیا جو غریبوں پر احسان نہیں بلکہ ادائے فرض ہے۔ فِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ اس پر شاہد ہے پھر مرنے کے بعد مرنے والے کی تمام ملکیت کو افراد خاندان میں تقسیم کر کے ارتکاز دولت کا خاتمہ کر دیا قدرتی چشموں سمندروں اور پہاڑی جنگلوں کی خودرو پیداوار کو تمام خلق خدا کا مشترک سرمایہ قرار دے دیا جس پر کسی فرد یا جماعت کا قبضہ مالکانہ جائز نہیں جب کہ سرمایہ داری نظام میں یہ سب چیزیں صرف سرمایہ داروں کی ملکیت قرار دے دیگئی ہیں۔

چونکہ علمی عملی صلاحیتوں کا متفاوت اور مختلف ہونا ایک امر فطری ہے اور تحصیل معاش بھی انہی صلاحیتوں کے تابع ہے اس لئے مال ودولت کی ملکیت کا متفاوت ہونا بھی عین تقاضائے حکمت ہے جس کو دنیا کا کچھ بھی عقل وشعور ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا اور مساوات کے نعرے لگانے والے بھی چند قدم چلنے کے بعد اس مساوات کے دعوے کو چھوڑنے اور معیشت میں تفاوت وتفاضل پیدا کرنے پر مجبور ہو گئے۔

خروشیف نے ۵ مئی کو سپریم سویٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

ہم اجرتوں میں فرق مٹانے کی تحریک کے سختی سے مخالف ہیں ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کے ایک سطح پر لانے کے کھلے بندوں مخالف ہیں یہ لینن کی تعلیم ہے اس کی تعلیم یہ تھی کہ سوشلسٹ سماج میں مادی محرکات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔ (سویٹ ورلڈ ص ۳۴۶)

معاشی مساوات کے خواب کی یہ تعبیر عدم مساوات تو ابتداء ہی سے سامنے آگئی تھی مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ عدم مساوات اور امیر وغریب کا تفاوت اشتراکی مملکیت روس میں عام سرمایہ دار ملکوں سے بھی آگے بڑھ گیا۔

لیون شیڈ لکھتا ہے:

شاید ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدوروں کی اجرتوں میں اتنا تفاوف ہو جتنا روس میں ہے۔

واقعات کی ان چند مثالوں نے آیت مذکورہ: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ کی جبری تصدیق منکرین کی زبانوں سے کرادی۔ وَاللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ یہاں اس آیت کے تحت تو صرف اتنا ہی بیان کرنا تھا کہ رزق ومال میں تفاوت قدرتی اور فطری اور عین مصالح انسان کے مطابق ہے۔

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ سو وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو

اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ (مالک ومملوک) سب اس مال میں برابر ہو جائیں۔ یعنی مالداروں اور بادشاہوں کو اللہ نے جو زیادہ مال عطا کیا ہے، وہ اپنا زائد مال اپنے غلاموں اور خادموں کو اتنا دینے والے نہیں کہ آقا اور غلام اور بادشاہ وفقیر، سب مال میں برابر ہو جائیں۔

اس آیت سے مشرکوں کے شرک کی تردید مقصود ہے۔ مشرک، اللہ کے ساتھ مخلوق کو الوہیت و معبودیت میں شریک قرار دیتے تھے باوجودیکہ ان کے فرضی معبود کسی چیز میں اللہ کے شریک نہیں بن سکتے تھے (االلہ خالق ہے اور اس کے سوا ہر چیز مخلوق، اللہ مالک ہے اور ہر چیز اس کی مملوک، اللہ حاکم ہے اور ہر چیز اس کی محکوم۔ کوئی مخلوق اس کی ہم جنس نہیں، اس کے مشابہ نہیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ کسی کیفیت وحالت میں۔ مترجم) مشرک خود تو اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اپنے مال میں اپنے غلاموں کو مساویانہ شریک کر لیں باوجودیکہ غلام وآقا دونوں ہم جنس ہوتے ہیں اور آقا کے پاس خداداد مال ہوتا ہے اور آقا اپنے غلام کا رازق نہیں ہوتا، رزق اس کو بھی اللہ دیتا ہے۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ زائد رزق عطا فرما دیتا ہے، وہ اپنا رزق غلاموں کو نہیں دیتے بلکہ غلام اپنا رزق کھاتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ پس اس رزق میں مالک ومملوک سب برابر ہیں، سب خداداد رزق کھاتے ہیں۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۞ ٹ یا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ کے شریک قرار دیتے ہیں۔ شرک کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی بعض نعمتوں کا انکار کیا جائے اور ان کو شریکوں کی عطا کردہ قرار دیا جائے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسے واضح دلائل وبراہین سے اپنی توحید والوہیت کو ثابت کر رہا ہے اور یہ دلائل توحید اللہ کی نعمت ہیں تو کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ....

بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان:

اپنے بندوں پر اپنا ایک اور احسان جتاتا ہے کہ انہی کی جنس سے انہی کی ہم شکل، ہم وضع عورتیں ہم نے ان کے لئے پیدا کیں۔ اگر جنس اور ہوتی تو دلی میل جول، محبت ومودت قائم نہ رہتی لیکن اپنی رحمت سے اس نے مرد عورت ہم جنس بنائے۔ پھر اس جوڑے سے نسل بڑھائی، اولاد پھیلائی، لڑکے ہوئے، لڑکوں کے لڑکے ہوئے، حفدہ کے ایک معنی تو یہی پوتوں کے ہیں، دوسرے معنی خادم اور مددگار کے ہیں پس لڑکے اور پوتے بھی ایک طرح خدمت گزار ہوتے ہیں اور عرب میں یہی دستور بھی تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں انسان کی بیوی کی سابقہ گھر کی اولاد اس کی نہیں ہوتی۔ حفدہ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کے سامنے اس کے لئے کام کاج کرے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد دامادی رشتہ ہے اس کے معنی کے تحت میں یہ سب داخل ہیں، چنانچہ قنوت میں جملہ آتا ہے والیك نسعی و نحفد ہماری سعی کوشش اور خدمت تیرے لئے ہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اولاد سے، غلام سے، سسرال والوں سے، خدمت حاصل ہوتی ہے ان سب کے پاس سے نعمت الٰہی ہمیں ملتی ہے۔ ہاں جن کے نزدیک وحفدۃ کا تعلق ازواجا سے ہے ان کے نزدیک تو مراد اولاد اور اولاد کی اولاد اور داماد اور بیوی کی اولاد ہیں۔ پس یہ سب بسا اوقات اسی شخص کی حفاظت میں، اس کی گود میں اور اس کی خدمت میں ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہی مطلب سامنے رکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ اولاد تیری غلام ہے۔ جیسے کہ ابوداؤد میں ہے اور جنہوں نے حفدہ سے مراد خادم لیا ہے۔ ان

کے نزدیک یہ معطوف ہے اللہ کے فرمان: ﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ (النحل:72) پر یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں اور اولاد کو خادم بنادیا ہے اور تمہیں کھانے پینے کی بہترین ذائقے دار چیزیں عنایت فرمائی ہیں پس باطل پر یقین رکھ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرنی چاہئے۔ رب کی نعمتوں پر پردہ ڈال دیا اور ان کی دوسروں کی طرف نسبت کردی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے احسان جتاتے ہوئے فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ میں نے تجھے ذی عزت نہیں بنایا تھا؟ میں نے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے تابع نہیں کیا تھا اور میں نے تجھے سرداری میں اور آرام میں نہیں چھوڑا تھا؟

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ...

اللہ پاک کیلئے مثالیں بیان کرنے کی ممانعت:

سو ارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ اللہ کیلئے مثالیں مت بیان کرو کہ وہ نظیر ومثال سے پاک ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ پس نہ تم اللہ کیلئے کوئی مثل بناؤ اور نہ تم اس کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دو کہ اس کی کوئی نظیر ومثال سرے سے ہے ہی نہیں۔ اور وہ اس طرح کے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ وبالا ہے۔ سو اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی طرف سے مثالیں بیان کرنے سے صاف اور صریح طور پر منع فرمادیا گیا۔ اور طرح طرح کے شرکیات کے ایک بڑے دروازے کو ہمیشہ کیلئے بند فرمادیا گیا۔ کیونکہ انسان اپنی عقل وفکر سے جو بھی کوئی مثال بیان کرے گا وہ مخلوق ہی سے متعلق اور اسی کے دائرے میں ہوگی۔ اس سے آگے وہ نکل سکتا ہی نہیں۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی بہرحال مخلوق اور محدود ہے۔ جبکہ حضرت حق جل مجدہ۔ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس اس کو ویسے مانا جائے جیسے وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسول بتائے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ:

ارشاد فرمایا گیا بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے اور تم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ حق اور حقیقت کے بارے میں۔ مگر اتنا ہی جتنا کہ نور وحی سے معلوم ہو اور بس۔ سو تم جو بھی مثال بیان کروگے وہ مخلوق کے دائرے ہی میں ہوگی کہ تم اور تمہاری کھوپڑی سب کچھ مخلوق ومحدود ہے جبکہ اللہ تعالیٰ خالق اور دائرہ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

سو اس طرح اس ارشاد ربانی سے ایک ایسے دروازے کو بند کردیا گیا جس سے طرح طرح کی گمراہیوں نے جنم لیا اور جنم لیتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے اللہ پاک سبحانہ وتعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرکے طرح طرح کی گمراہیوں کا ارتکاب کیا۔ پہلے بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے۔ اس لئے یہاں پر صاف اور صریح طور پر اس سے منع فرمادیا گیا ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی مثالیں مت بیان کیا کرو کہ وہ مخلوق کی مثالوں سے پاک اور وراء الوراء ہے۔ تم اس کو ویسے ہی مانو جیسے وہ اپنے بارے میں خود بتائے اور جیسے اس کے بارے میں اس کے رسول بتائیں۔

دو مثالیں پیش فرما کر مشرکین کی تردید فرمائی:

ان آیات میں بھی مشرکین کی تردید فرمائی اور اس بارے میں دو مثالیں بیان فرمائیں ایک مثال یہ ہے کہ جیسے ایک غلام ہے وہ کسی کی ملکیت میں ہے خود کسی چیز کا مالک نہیں لہٰذا کسی مال میں بھی کسی قسم کا تصرف کرنے کا ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خوب روزی عطا فرمائی اسے اپنے مال پر پورا اختیار ہے پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر کسی روک ٹوک کے بغیر جس طرح چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے دونوں شخصوں کا حال سامنے رکھ کر یہ مشرکین بتائیں کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ تھوڑے سے علم وفہم والا بھی جواب دینے کا ارادہ کرے گا تو یہی کہے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو اللہ تعالیٰ کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے کیونکہ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل ہے کوئی اس کے برابر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا کوئی عقلی اور نقلی جواز نہیں، جو لوگ شرک میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کیا ہیں اور یہ کہ اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا ہمسر نہیں، اور اس کے علاوہ عبادت کا مستحق بھی کوئی نہیں، ان میں اکثر کا یہ حال ہے کہ جانتے نہیں بلکہ جاننا چاہتے بھی نہیں، اگر جاننا چاہتے تو غور وفکر کرتے اور حق کے طالب ہوتے تو ان کا یہ غور وفکر ان سے شرک چھڑا کر انہیں توحید پر ڈال دیتا، اب رہے وہ لوگ جو جانتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے وہ کچھ رواج سے دبے ہوئے ہیں جو آبائی دین کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور کچھ ایسے ہیں جو دنیاوی منافع کی وجہ سے شرک اور مشرکین سے جدا ہونا نہیں چاہتے۔ قال صاحب الروح ص ۱۹۶ ج ۱۴: ونفی العلم عن اکثرھم للاشعار بان بعضھم یعلمون ذلک وانہالم یعملوا بموجبہ عنادا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان میں سے اکثر سے علم کی نفی کی یہ بتلانے کے لیے کہ ان میں سے بعض اسے جانتے ہیں مگر اس پر عمل عناد کی وجہ سے نہیں کرتے۔

دوسری مثال یوں بیان فرمائی کہ جیسے دو آدمی ہوں ان میں سے ایک پیدائشی طور پر گونگا ہو (جو بہرا بھی ہوتا ہے وہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے، اور اپنی اس حالت کی وجہ سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا) کسی کے گھر ایسا بچہ پیدا ہو گیا جو بچہ اس لائق ہوتا ہی نہیں کہ وہ کسی کی خدمت کرے بلکہ جو لوگ اس کی پرورش اور پرداخت کرتے ہیں ان کے لیے بھی مصیبت بنا ہوا ہوتا ہے نہ اپنی خدمت خود کر سکے نہ دوسروں کی خدمت کے لائق، اور دوسرے اس کی خدمت کریں تو ان کے لیے بھی وبال، اس کو جہاں کہیں بھی بھیجا جائے کسی قسم کی کوئی بھلائی لے کر واپس نہیں آتا اول تو یہی پتہ نہیں ہوتا کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھ گیا ہے پھر جب کہیں جائے گا تو جن سے کوئی چیز لینی ہے یا کچھ کام لینا ہے ان کو سمجھانے سے عاجز رہے گا، اب تم سمجھ لو ایک طرف تو یہ شخص ہے جو گونگا ہے، بہرا ہے نہ یقینی طور پر بات سمجھتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے خدمت بھی نہیں کر سکتا جو لوگ اس کی خدمت کریں ان کے لیے بھی وبال جان ہے کہیں بھیجا جائے تو خیر لے کر واپس نہ آئے اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ ہے جو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت بھی عطا فرمائی ہے وہ خود بھی ٹھیک کام کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور عملی طور پر صراط مستقیم پر ہے جس مطلب اور مقصد کے لیے جاتا ہے اپنے علم وعمل کو کام میں لا کر جلد ہی

مفید کام کر کے واپس آجاتا ہے یہ دو قسم کے آدمی ہیں اب بتاؤ کہ یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر سمجھدار یہ جواب دے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے بت اور وہ سب باطل معبود جو کسی نفع وضرر کے مالک نہیں کیسے اللہ شانہٗ کے برابر ہو سکتے ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَیْ عِلْمِ مَا غَابَ فِیْهِمَا وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ مِنْهُ لِاَنَّهٗ بِلَفْظِ کُنْ فَیَکُوْنُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ اَلْجُمْلَةُ حَالٌ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ بِمَعْنَی الْاَسْمَاعِ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ اَلْقُلُوْبَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ عَلٰی ذٰلِكَ فَتُؤْمِنُوْنَ اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ مُذَلَّلَاتٍ لِلطَّیَرَانِ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ اَیِ الْهَوَاءِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ مَا یُمْسِكُهُنَّ عِنْدَ قَبْضِ اَجْنِحَتِهِنَّ وَ بَسْطِهَا اَنْ یَقَعْنَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ بِقُدْرَتِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ هِیَ خَلْقُهَا بِحَیْثُ یُمْکِنُهَا الطَّیَرَانُ وَخَلْقُ الْجَوِّ بِحَیْثُ یُمْکِنُ الطَّیَرَانُ فِیْهِ وَاِمْسَاكُهَا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا مَوْضِعًا تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا كَالْخِیَامِ وَالْقِبَابِ تَسْتَخِفُّوْنَهَا لِلْحَمْلِ یَوْمَ ظَعْنِكُمْ سَفَرِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا اَیِ الْغَنَمِ وَاَوْبَارِهَا اَیِ الْاِبِلِ وَاَشْعَارِهَاۤ اَیِ الْمَعْزِ اَثَاثًا مَتَاعًا لِبُیُوْتِکُمْ كَبُسُطٍ وَاَکْسِیَةٍ وَّمَتَاعًا تَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۸۰﴾ تَبْلٰی فِیْهِ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ مِنَ الْبُیُوْتِ وَالشَّجَرِ وَالْغَمَامِ ظِلٰلًا جَمْعُ ظِلٍّ تَقِیْکُمْ حَرَّ الشَّمْسِ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا جَمْعُ کِنٍّ وَهُوَ مَا یُسْتَکَنُّ فِیْهِ كَالْغَارِ وَالسِّرْدَابِ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ قُمُصًا تَقِیْكُمُ الْحَرَّ اَیْ وَالْبَرْدَ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ حَرْبَکُمْ اَیِ الطَّعْنَ وَالضَّرْبَ فِیْهَا كَالدُّرُوْعِ وَالْجَوَاشِنِ كَذٰلِكَ كَمَا خَلَقَ هٰذِهِ الْاَشْیَاءَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ فِی الدُّنْیَا عَلَیْكُمْ بِخَلْقِ مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَیْهِ لَعَلَّكُمْ یَا اَهْلَ مَكَّةَ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ تُوَحِّدُوْنَهٗ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِسْلَامِ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ یَا مُحَمَّدُ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۲﴾ اَلْاِبْلَاغُ الْبَیِّنُ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ اَیْ یُقِرُّوْنَ بِاَنَّهَا مِنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا بِاِشْرَاكِهِمْ وَ
اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ اذْکُرْ ع ۱۱ ۱۷

ترجمہ: اور آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں (آسمان وزمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کا علم اللہ کے پاس ہے) قیامت کا معاملہ بس ایسا ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی (کیونکہ کلمہ کن کہتے ہی قیامت برپا

جائے گی) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے (یہ حال واقع ہے) اور اس نے تمہیں کان دیئے (سمع اسماع کے معنی میں ہے) اور آنکھ اور دل تا کہ تم (ان نعمتوں پر (شکر کرو (اور ایمان لے آؤ) کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا (آسمان وزمین کے درمیان) میں مسخر ہورہے ہیں (اڑنے کی استعداد لئے ہوئے ہیں) ان کو کوئی نہیں تھامتا بجز اللہ کے (بازوؤں کے پھیلانے اور سکوڑنے کے وقت انہیں گر جانے سے) بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے (کہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں اور کس قدرت کے تحت ان کے لئے اڑنا آسان کیا اور فضا کو پیدا کیا کہ جس میں اڑنا اور پروں کو سمیٹنا ممکن ہو سکے) اور اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا (جس میں تم سکونت اختیار کر سکتے ہو) اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھال کے گھر بنادیئے (جیسے خیمے اور قبے) جو سبک ہیں (اٹھانے میں ہلکے پھلکے) کوچ کرو (سفر کی حالت میں) یا اقامت کی حالت ہو اور (بھیڑوں کے (اون سے) اور (اونٹ کے (روؤں سے اور (بکریوں سے کتنے ہی سامان (جیسے گھروں کے بچھونے، کمبل اور سامان (جس سے تم فائدہ اٹھاتے ہو) ایک خاص وقت تک (پھر پھٹ پھٹا جاتی ہیں) اور اللہ نے پیدا کی ہوئی بعض چیزوں کے (گھر، درخت، بادل) تمہارے لئے سائے پیدا کردیئے ظلال، ظل کی جمع ہے، جو تم کو دھوپ کی گرمی سے بچاتے ہیں) اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنادیں (اکنان، کن کی جمع ہے چھپنے کی جگہ جیسے غار اور تہہ خانے) اور تمہارے لئے لباس (کرتے) بنادیئے جو گرمی (اور سردی) سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں نیز آہنی لباس بنادیا جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتا ہے تلوار اور نیزہ بازی کے وقت کام آتا ہے جیسے زرہ اور جوشن) اللہ تعالیٰ اسی طرح (جیسے ان چیزوں کو پیدا کیا) اپنی نعمتیں پوری کررہا ہے (دنیا میں) تم پر (تمہاری ضروریات پوری کرکے) تاکہ تم (اے مکہ والو!) اس کے آگے جھک جاؤ (توحید بجالاؤ) پھر اگر اس پر بھی یہ لوگ اعتراض کریں (اسلام سے روگردانی کریں) تو آپ کے ذمہ صاف صاف پیغام حق پہنچادینا ہے یہ حکم جہاد سے منسوخ ہو چکا ہے یہ لوگ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں (یعنی یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں) پھر ان کی ناشکری کرتے ہیں (اس کے ساتھ شرک کرکے) اور اکثر ان میں ناشکرے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: عِلْمِ مَا غَابَ: یعنی بندوں سے جو غائب ہے وہ مراد ہے۔

قوله: اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ: یعنی نگاہ کا اوپر والی پلک سے نیچے کی جانب پلٹنا اور یہ حرکت ایک ہی زمانے میں پائی جاتی ہے اور اللہ کا مخلوق کو پیدا کرنا بھی ایک ہی مرتبہ ہے جو اس سے قریب تر وقت میں ہوگا اور او یہاں بل کے معنی میں ہے۔

قوله: مُذَلَّلَاتٍ لِلطَّيَرَانِ: یعنی اپنے پروں وغیرہ کے ذریعے وہ فضا میں تابع کئے ہوئے ہیں۔

قوله: وَاِمْسَاكُهَا: یعنی جسم کا بوجھ اس کے گرنے کا متقاضی ہے نہ کہ اوپر معلق رہے اور نیچے بھی کوئی سہارا نہیں جو اس کو روک سکے بس قدرت ہی ہے۔

قوله: مَوْضِعًا تَسْكُنُوْنَ: یعنی سکن فعل بمعنی مفعول ہے یعنی جس کے اندر آدمی رہائش اختیار کرتا ہے۔

قولہ: اَلْقُبَاب: یہ قبۃ کی جمع ہے چمڑے کا خیمہ۔
قولہ: اَلْاِبِلِ: یعنی اون وغیرہ کی اضافت انعام کی طرف مجازی ہے کیونکہ تمام کا ذکر کر کے مراد جز لیا ہے۔
قولہ: تُبْلٰی فِیْہِ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے طویل عرصہ تک چلتے ہیں۔
قولہ: کِنٌ: اس کی جمع اکنان ہے گھر، غار اور خیمے پر بولا جاتا ہے۔
قولہ: اَلْحَرَّ: اس کو خاص اس لئے کیا کہ ان کے ہاں گرمی سردی کی بنسبت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یا متقابلین میں سے ایک کا تذکرہ بطور اکتفاء ہے۔
قولہ: وَالْجَوَاشِنِ: یہ جوش کی جمع ہے ذرع کو کہا جاتا ہے جبکہ سربال اس کے مقابلے میں عام ہے۔
قولہ: یُقِرُّوْنَ: اس کی تفسیر اقرار سے کر کے اشارہ کیا کہ وہ انکار کرنے والے ہیں جو کہ اس کا مقابل ہے۔ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا اس کا مؤید ہے۔
قولہ: اَلْكٰفِرُوْنَ: یہاں عناد سے انکار کرنے والے مراد ہیں اور کفار کی اکثریت اسی طرح تھی۔

تفسیر مقبولین

وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....

اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے:

توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو آسمانوں کی اور زمین کی ان سب چیزوں کا علم ہے جو مخلوقات کے علم اور فہم اور عقل و ادراک سے باہر ہیں، وقوع قیامت کی جو خبر آ رہی ہے اس میں اس کی تمہید ہے، مذکورہ بالا علوم غیبیہ کا تذکرہ فرما کر جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے یوں فرمایا کہ جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اس وقت اچانک آ جائے گی اور ایسی جلدی اس کا وقوع ہوگا جیسے پلک جھپک جائے، پلک جھپکنے میں کچھ دیر بھی لگتی ہے اس سے بھی کم وقت میں آ پہنچے گی، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس میں منکرین بعث کی تردید فرمائی کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے جو قیامت کا وقت مقرر کیا ہے اس کے مطابق آئے گی اس وقت جلدی سے آ جائے گی مردوں کو زندہ کرنا اور گلی سڑی ریزہ ریزہ ہڈیوں میں جان ڈالنا یہ سب کچھ اس کی قدرت میں ہے سب کے احوال اور اعمال بھی اسے معلوم ہیں وہ زندہ فرما کر اپنے علم کے مطابق حساب لے گا اور جزا دے گا، موحد ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ معاد اور بعث و نشور پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اس لیے توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرما دیا۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ....

دلائل انفسی میں غور وفکر کی دعوت:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور اللہ ہی نے تم سب کو نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے (اے لوگو!)۔ جو ایک بڑا ثبوت ہے اس کمال قدرت اور بے نہایت رحمت وعنایت کا سبحانہ وتعالیٰ۔ سو نو ماہ تک تم لوگ اپنی ماؤں کے پیٹوں میں رہے جہاں حیض اور خون تمہاری غذا تھی۔ تو اس قادر مطلق نے اپنی قدرت بے پایاں اور رحمت وعنایت بے نہایت سے تم کو وہاں سے نکالا۔ جبکہ تم لوگ کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور جاننے کے قابل بھی نہیں تھے کہ تم محض گوشت کی بوٹی کی طرح تھے تو اس نے تمہیں وسائل علم وادراک سے نوازا اور تم کو بتدریج اور آہستہ آہستہ کہاں سے کہاں پہنچایا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پھر اس کی قدرت وعنایت کو بھلا کر اس کا باغی بن جانا کس قدر اور کتنی بڑی بے انصافی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ وضلال سے ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

کانوں اور آنکھوں کی نعمت کے بارے میں غور وفکر کا سامان:

ارشاد فرمایا اور اسی نے تمہیں کان بخشے اور آنکھیں عطا کیں۔ جو کہ عظیم الشان ذرائع ووسائل ہیں علم وادراک کے حصول کے۔ جن سے اس نے محض اپنے فضل وکرم سے تمہیں نوازا ہے۔ اور اس نے تمہاری طرف سے کسی طرح کی اپیل ودرخواست کے بغیر تمہیں نوازا ہے۔ سو ان عنایات کا تقاضا تھا کہ تم لوگ ان ذرائع ووسائل علم وادراک سے صحیح طور پر کام لے کر نور علم ومعرفت سے سرشار ہوتے اور اپنے خالق ومالک کے حضور دل وجان سے جھک جاتے۔ اور اس طرح تم اس کا حق شکر ادا کرنے کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوتے اور خود اپنے لئے بھی سعادت دارین کی سرفرازی کا سامان کرتے۔ مگر تم لوگوں نے اس کے برعکس اسی وحدہ لاشریک کے ساتھ کفر وشرک جیسے سنگین اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا۔ جو کہ دارین کی ہلاکت وتباہی اور ابدی اور ہولناک خسارے کا باعث ہے۔

نعمت دل کی عنایت اور اس کا تقاضا:

سو ارشاد فرمایا اور اسی نے تمہیں دل دیئے تا کہ تم لوگ شکر ادا کرسکو پس اس واہب مطلق کا جس نے تم کو ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا اس کا شکر ادا کرو دل وجان سے۔ اس کے ان عظیم احسانات کو پہچان کر۔ اور ان کا احساس کر کے۔ اور اس طرح کہ تم ان نعمتوں کو اس کی اطاعت وبندگی اور رضاء وخوشنودی میں صرف کرو کہ یہ اس کا حق شکر بھی ہے جو تم لوگوں پر واجب ہے۔ اور اسی میں خود تمہارا بھلا ہے کہ اس سے ایک طرف تو تمہاری ان نعمتوں میں برکت آئے گی اور دوسری طرف تم اپنے خالق ومالک کی رضاء وخوشنودی سے سرفراز ہوسکو گے جو کہ اصل مقصود اور سب سے بڑا شرف وانعام ہے۔ وباللہ التوفیق۔ مگر تم لوگوں نے الٹا اس واہب مطلق کی بخشی ہوئی ان انمول اور عظیم الشان نعمتوں کو اس کی معصیت ونافرمانی میں صرف کیا اور کفر وشرک جیسے جرائم کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ....

پھر ارشاد فرمایا کہ کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمانی فضا میں مسخر ہیں ان کو نیچے گرنے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں صرف

اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے رکے ہوئے ہیں، اڑ رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں حالانکہ بوجھ والے ہیں زمین کی کشش انہیں اپنی طرف نہیں کھینچ پاتی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پروں کی حرکت کی وجہ سے ہوا میں تموج اور تحریک ہے جس کی وجہ سے نہیں گرتے اس کا جواب یہ ہے کہ پروں میں یہ قوت اور ہوا میں یہ تحریک اور تموج کہاں سے آیا؟ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا فرمایا ہوا ہے، ذرا انسان تو اڑ کے دیکھ لے اپنے ہاتھوں کو حرکت دے پھر دیکھے فضا میں ٹھہر سکتا ہے یا نہیں، اسی سے ہوائی جہاز کو بھی سمجھ لیں ہزاروں سال انسان کو پتہ ہی نہ تھا کوئی فضاء میں چلنے والی سواری وجود میں آ سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دماغ میں ڈالا اور طریقہ بتایا تو اس کی مشین اور باڈی بنانے کے لائق ہو گئے، یہ تسخیر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب اس کی تسخیر نہیں رہتی تو سارے آلات دھرے رہ جاتے ہیں، ہوشمند پائلٹ بے قابو ہو جاتا ہے اور جہاز گر پڑتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ....

احسانات الٰہی کی ایک جھلک:

قدیم اور بہت بڑے ان گنت احسانات وانعامات والا اللہ اپنی اور نعمتیں ظاہر فرما رہا ہے۔ اسی نے بنی آدم کے رہنے سہنے آرام اور راحت حاصل کرنے کے لئے انہیں مکانات دے رکھے ہیں۔ اسی طرح چوپائے، جانوروں کی کھالوں کے خیمے، ڈیرے، تم کو اس نے عطا فرما رکھے ہیں کہ سفر میں کام آئیں، نہ لے جانا دو بھر نہ لگانا مشکل، نہ اکھیڑنے میں کوئی تکلیف۔ پھر بکریوں کے بال، اونٹوں کے بال، بھیڑوں اور دنبوں کی اون، تجارت کے لئے مال کے طور پر اسے تمہارے لیے بنایا ہے۔ وہ گھر کے برتنے کی چیز بھی ہے اس سے کپڑے بھی بنتے ہیں، فرش بھی تیار ہوتے ہیں، تجارت کے طور پر مال تجارت ہے۔ فائدے کی چیز ہے جس سے لوگ مقررہ وقت تک سودمند ہوتے ہیں۔ درختوں کے سائے اس نے تمہارے فائدے اور راحت کے لئے بنائے ہیں۔ پہاڑوں پر غار قلعے وغیرہ اس نے تمہیں دے رکھے ہیں کہ ان میں پناہ حاصل کرو۔ چھپنے اور رہنے سہنے کی جگہ بنا لو۔ سوتی، اونی اور بالوں کے کپڑے اس نے تمہیں دے رکھے ہیں کہ پہن کر سردی گرمی کے بچاؤ کے ساتھ ہی اپنا ستر چھپاؤ اور زیب وزینت حاصل کرو اور اس نے تمہیں زرہیں، خود بکتر عطا فرمائے ہیں جو دشمنوں کے حملے اور لڑائی کے وقت تمہیں کام دیں۔ اسی طرح وہ تمہیں تمہاری ضرورت کی پوری پوری نعمتیں دیئے جاتا ہے کہ تم راحت وآرام پاؤ اور اطمینان سے اپنے منعم حقیقی کی عبادت میں لگے رہو۔ تسلمون کی دوسری قراءت تسلمون بھی ہے۔ یعنی تم سلامت رہو۔ اور پہلی قراءت کے معنی تاکہ تم فرمانبردار بن جاؤ۔ اس سورۃ کا نام سورۃ النعم بھی ہے۔ لام کے زبر والی قراءت سے یہ بھی مراد ہے کہ تم کو اس نے لڑائی میں کام آنے والی چیزیں دیں کہ تم سلامت رہو، دشمن کے وار سے بچو۔ بیشک جنگل اور بیابان بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں لیکن یہاں پہاڑوں کی نعمت اس لئے بیان کی کہ جب سے کلام ہے وہ پہاڑوں کے رہنے والے تھے تو ان کی معلومات کے مطابق ان سے کلام ہو رہا ہے اسی طرح چونکہ وہ بھیڑ بکریوں اور اونٹوں والے تھے انہیں یہی نعمتیں یاد دلائیں حالانکہ ان سے بڑھ کر اللہ کی نعمتیں مخلوق کے ہاتھوں میں اور بھی بیشمار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سردی کے اتارنے کا احسان بیان فرمایا حلانکہ اس سے اور بڑے احسانات موجود ہیں۔ لیکن یہ ان کے سامنے اور ان کی جانی پہچانی چیز تھی۔ اسی طرح چونکہ یہ لڑنے بھڑنے والے جنگجو لوگ

تھے لڑائی کے بچاؤ کی چیز بطور نعمت ان کے سامنے رکھی حالانکہ اس سے صد ہا درجے بڑی اور نعمتیں بھی مخلوق کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ اسی طرح چونکہ ان کا ملک گرم تھا فرمایا کہ لباس سے تم گرمی کی تکلیف زائل کرتے ہو ورنہ کیا اس سے بہتر اس منعم حقیقی کی اور نعمتیں بندوں کے پاس نہیں؟

اسی لئے ان نعمتوں اور رحمتوں کے اظہار کے بعد ہی فرماتا ہے کہ اگر اب بھی یہ لوگ میری عبادت اور توحید کے اور میرے بے پایاں احسانوں کے قائل نہ ہوں تو تجھے ان کی ایسی پڑی ہے؟ چھوڑ دے اپنے کام میں لگ جا تجھ پر تو صرف تبلیغ ہی ہے وہ کئے جا۔ یہ خود جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نعمتوں کا دینے والا ہے اور اس کی بیشمار نعمتیں ان کے ہاتھوں میں ہیں لیکن باوجود علم کے منکر ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں بلکہ اس کی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ مددگار فلاں ہے رزق دینے والا فلاں ہے، یہ اکثر لوگ کافر ہیں، اللہ کے ناشکرے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اس آیت کی تلاوت اس نے تمہیں چوپایوں کی کھالوں کے خیمے دیئے اس نے کہا یہ بھی سچ ہے، اسی طرح آپ ان آیتوں کو پڑھتے گئے اور وہ ہر ایک نعمت کا اقرار کرتا رہا آخر میں آپ نے پڑھا اس لئے کہ تم مسلمان اور مطیع ہو جاؤ اس وقت وہ پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخری آیت اتاری کہ اقرار کے بعد انکار کر کے کافر ہو جاتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا هُوَ نَبِيُّهَا يَشْهَدُ لَهَا وَعَلَيْهَا وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي
الْاِعْتِذَارِ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ لا تُطْلَبُ مِنْهُمُ الْعُتْبٰى اَيِ الرُّجُوْعُ اِلٰى مَالَا يَرْضَى اللّٰهُ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
كَفَرُوا الْعَذَابَ النَّارَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ يُمْهَلُوْنَ عَنْهُ اِذَا رَاَوْهُ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
شُرَكَآءَهُمْ مِنَ الشَّيَاطِيْنِ وَغَيْرِهَا قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا نَعْبُدُهُمْ مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا
اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اَيْ قَالُوْا لَهُمْ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ فِيْ قَوْلِكُمْ اِنَّكُمْ عَبَدْتُمُوْنَا كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى مَا كَانُوْا اِيَّانَا
يَعْبُدُوْنَ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ اَيْ اِسْتَسْلَمُوْا لِحُكْمِهٖ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ مِنْ اَنَّ اٰلِهَتَهُمْ تَشْفَعُ لَهُمْ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا النَّاسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دينه زِدْنٰهُمْ عَذَابًا
فَوْقَ الْعَذَابِ الَّذِي اِسْتَحَقُّوْهُ بِكُفْرِهِمْ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَقَارِبُ اَنْيَابُهَا كَالنَّخْلِ الطِّوَالِ
بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ بِصَدِّهِمُ النَّاسَ عَنِ الْاِيْمَانِ وَاذْكُرْ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
هُوَ نَبِيُّهُمْ وَجِئْنَا بِكَ يَا مُحَمَّدُ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ اَيْ قَوْمِكَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ تِبْيَانًا بَيَانًا
لِّكُلِّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَيْهِ مِنْ اَمْرِ الشَّرِيْعَةِ وَّهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى بِالْجَنَّةِ لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اَلْمُوَحِّدِيْنَ۔

ترجمہ: (اس وقت کو یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہی دینے والا کھڑا کریں گے (وہ اس امت کا نبی) ہوگا جو اس امت کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا، یہ قیامت کا دن ہوگا) پھر ان کافروں کو اجازت نہ دی جائے (عذر و معذرت کرنے کی) اور نہ ان سے توبہ لی جائے گی (یعنی ان سے ایسی چیزوں سے توبہ کرنے کی فرمائش نہیں کی جائے گی جن میں حق تعالیٰ کی ناراضگی ہے) اور جب ظالم (یعنی کافر) عذاب (جہنم کی آگ) کو دیکھیں گے تو عذاب ان سے نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی (عذاب سامنے آجانے کے بعد ان کو مہلت نہیں دی جائے گی) اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ (شیاطین وغیرہ) شریک ٹھہرایا ہے جب اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے اے پروردگار! یہ ہیں ہمارے شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے (جن کی عبادت کیا کرتے تھے) اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے (یہ کہیں گے کہ) نہیں تم سراسر جھوٹے ہو! کہ تم نے ہماری بندگی کی چنانچہ دوسری آیت میں بھی ارشاد ہے: اور اس دن یہ لوگ اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے (یعنی اس کے آگے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے) اور گم ہو جائیں جو کچھ افتراء پردازیاں کرتے تھے (یہ کہ ان کے معبود ہیں جو ان کی سفارش کریں گے) جو لوگ کفر کرتے تھے اور روکتے تھے (لوگوں کو) اللہ کی راہ (اس کے دین) سے ان کے لئے ہم بڑھائیں گے سزا پر دوسری سزا (اپنے کفر کی وجہ سے جس کے وہ مستحق ہوئے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (ایسے بچھو ہوں گے کہ کھجور کے بڑے بڑے درختوں کے برابر انکے ڈنک ہوں گے) ان کے اس فساد کے مقابلہ میں جو وہ کرتے تھے (لوگوں کو ایمان سے روک کر اور وہ دن بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جس دن ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ جو انہیں میں کا ہوگا ان کے مقابلہ میں کھڑے کریں گے (مراد اس امت کا نبی ہے) اور ان لوگوں (آپ کی امت پر) ہم آپ کو (اے محمدؐ) گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر کتاب (قرآن کریم کو) اتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا (واضح کرنے والا) ہے ان باتوں کو جس کے لوگ محتاج ہیں اپنے دین کے بارے میں) اور ہدایت ہے (گمراہی سے) اور رحمت ہے اور خوشخبری سنانے والا ہے (جنت کی) مسلمانوں کے لئے (توحید پرستوں کے لئے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: اُذْکُرْ: اس سے اشارہ کیا کہ یوم فعل محذوف کا ظرف ہے نہ کہ مذکورہ کا۔

قولہ: قَالُوْا رَبَّنَا: اس سے اشارہ ہے کہ یہ قول ان کا اپنی خطاء کے اعتراف کے طور پر ہے یا عذاب کی کمی میں التماس کے طور پر ہے۔

قولہ: وَنَزَّلْنَا: یہ جملہ مستانفہ ہے۔

تفسیر مقبولین

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ....

قیامت کے دن کے چند مناظر، کافروں اور مشرکوں کیلئے عذاب کی وعید:

ان آیات میں روز قیامت کے بعض مناظر ذکر فرمائے ہیں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن ہر امت میں سے ہم ایک گواہ قائم کریں گے یہ گواہ ان کا پیغمبر ہوگا جو ان کے کفر کے بارے میں گواہی دے گا، جب کفار قیامت کے دن جمع ہوں گے تو انہیں کسی قسم کے عذر اور معذرت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ اللہ کو راضی کر لو اور راضی کر کے عذاب سے چھوٹ جاؤ کیونکہ راضی کرنے کا موقع صرف دنیا ہی میں تھا وہاں کفر سے توبہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ راضی ہو جاتا لیکن جب کفر پر موت آ گئی تو اب اپنے رب کو راضی کرنے کا کوئی راستہ نہ رہا اب تو عذاب میں جانا ہی ہوگا۔

کفر کی سزا میں جب انہیں عذاب نظر آئے گا اور عذاب میں داخل ہونے لگیں گے تو خلاصی کا یا تخفیف عذاب کا یا مہلت کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اس موقع پر کفار اور مشرکین اپنے شرکاء یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں یعنی یہ وہ معبود ہیں جنہیں ہم نے آپ کی عبادت میں شریک کر لیا تھا ان کے شرکاء یعنی باطل معبود ان کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کر دیں گے۔

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر ص ۱۶۳ ج ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو بولنے کی قوت عطا فرمائے گا اور وہ یوں کہیں گے کہ تم نے جو ہمارے بارے میں معبود ہونے کا عقیدہ بنایا اس میں تم جھوٹے ہو ہم معبود نہیں تھے ہم تو معبود حقیقی کی مخلوق تھے اور عاجز محض تھے ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا، کافروں کو رسوا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ بتوں کو زبان دے دے گا جب یہ کفار عذاب دیکھیں گے اور عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے تو فرمانبرداری کی باتیں کرنے لگیں گے اور یوں کہیں گے کہ اے رب جو کچھ حکم ہو ہم کرنے کے لیے تیار ہیں ہمیں عذاب سے محفوظ کر دیا جائے، دنیا میں جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو کفر و شرک کی باتیں کرتے تھے اور انہیں ضد تھی کہ حق قبول نہ کریں گے، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جن سے وہ پاک ہے، ساری باتیں اس دن گم ہو جائیں گی اور توبہ کا بھی موقع نہ دیا جائے گا قبول ایمان اور توبہ کا موقع دنیا میں تھا جسے پیچھے چھوڑ آئے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا وہ مبتلائے عذاب ہوں گے اور ان کے فساد پھیلانے کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا ایک عذاب کفر پر دوسرا عذاب فساد کرنے پر۔ قال صاحب الروح ای زدناهم عذابا فوق العذاب الذی یستحقونه بکفرهم بسبب استمرارهم علی الافساد وهو الصد عن السبیل صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اپنے کفر کی وجہ سے وہ جس عذاب کے مستحق تھے اس سے اوپر اور عذاب دیا فساد پر ان کے اصرار کی وجہ سے اور ان کا فساد راہ حق سے لوگوں کو روکنا ہے۔ (ص ۲۱۲ ج ۱۴)

آخر میں فرمایا ہم ہر جماعت میں سے ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہوگا اور ان پر گواہی دے گا، یہ ہر امت کا نبی ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کو بھی اپنی امت پر گواہ بنایا جائے گا، آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے، کہ میری امت گواہی دینے کے لائق ہے، شاہد عدل ہے (کما مر فی البقرۃ) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ھولاء سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں وہ حضرات اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے اور آنحضرت ﷺ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ان حضرات کی گواہی حق ہے۔

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ: اس میں کتاب یعنی قرآن کو ہر چیز کا بیان فرمایا گیا ہے مراد اس سے دین کی سب چیزیں اور باتیں ہیں کیونکہ وحی و نبوت کا مقصد انہی چیزوں سے متعلق ہے اس لئے معاشی فنون اور ان کے مسائل کو قرآن میں ڈھونڈھنا ہی غلط ہے اگر کہیں کوئی ضمنی اشارہ آ جائے تو وہ اس کے منافی نہیں رہا یہ سوال کہ قرآن کریم میں دین کے بھی تو سب مسائل مذکور نہیں تو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کہنا کیسے درست ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اصول تو تمام مسائل کے موجود ہیں انہی کی روشنی میں احادیث رسول کریم ﷺ ان مسائل کا بیان کرتی ہیں اور کچھ تفصیلات کو اجماع و قیاس شرعی کے سپرد کر دیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ احادیث رسول کریم ﷺ اور اجماع و قیاس سے جو مسائل نکلے ہیں وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے بیان کئے ہوئے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ التَّوْحِيْدِ وَالْإِنْصَافِ وَالْإِحْسَانِ اَدَاءِ الْفَرَائِضِ اَوْ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ كَمَا فِي الْحَدِيْثِ وَ إِيْتَآءِ اِعْطَاءِ ذِي الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ خَصَّهٗ بِالذِّكْرِ اِهْتِمَامًا بِهٖ وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ الزِّنَا وَالْمُنْكَرِ شَرْعًا مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ وَالْبَغْيِ ۚ الظُّلْمِ لِلنَّاسِ خَصَّهٗ بِالذِّكْرِ اهْتِمَامًا كَمَا بَدَأَ بِالْفَحْشَاءِ لِذٰلِكَ يَعِظُكُمْ بِالْاَمْرِ وَالنَّهْيِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَتَّعِظُوْنَ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ وَفِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ هٰذِهٖ اَجْمَعُ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ لِلْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ مِنَ الْبَيْعَةِ وَالْاِيْمَانِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا تَوْثِيْقِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ بِالْوَفَاءِ حَيْثُ حَلَفْتُمْ بِهٖ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ اَفْسَدَتْ غَزْلَهَا مَا غَزَلَتْهُ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اِحْكَامٍ لَهٗ وَبَرْمٍ اَنْكَاثًا ۭ حَالٌ جَمْعُ نِكْثٍ وَهُوَ مَا يُنْكَثُ اَيْ يُحَلُّ اِحْكَامُهٗ وَهِيَ امْرَأَةٌ حَمْقَاءُ مِنْ مَكَّةَ كَانَتْ تَغْزِلُ طُوْلَ يَوْمِهَا ثُمَّ تَنْقُضُهٗ تَتَّخِذُوْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَكُوْنُوْا اَيْ لَا تَكُوْنُوْا مِثْلَهَا فِي اتِّخَاذِكُمْ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا هُوَ مَا يَدْخُلُ فِي الشَّيْءِ وَلَيْسَ مِنْهُ اَيْ فَسَادًا اَوْ خَدِيْعَةً بَيْنَكُمْ بِاَنْ تَنْقُضُوْهَا اَنْ اَيْ لِاَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ جَمَاعَةٌ هِيَ اَرْبٰى اَكْثَرُ مِنْ اُمَّةٍ ۭ وَ كَانُوْا يُحَالِفُوْنَ الْحُلَفَاءَ فَاِذَا وَجَدُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَعَزَّ نَقَضُوْا

حَلَفَ أُولٰئِكَ وَ حَالَفُوْا هُمْ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ يَخْتَبِرُكُمُ اللّٰهُ بِهٖ اَىْ بِمَا اَمَرَ بِهٖ مِنَ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ لِيَنْظُرَ الْمُطِيْعَ
مِنْكُمْ وَالْعَاصِىَ اَوْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ اَرْبٰى لِيَنْظُرَ اَتَفُوْنَ اَمْ لَا وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾
فِى الدُّنْيَا مِنْ اَمْرِ الْعَهْدِ وَ غَيْرِهٖ بِاَنْ يُعَذِّبَ النَّاكِثَ وَ يُثِيْبَ الْوَافِىَ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اَهْلَ
دِيْنٍ وَاحِدٍ وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سُؤَالَ تَبْكِيْتٍ عَمَّا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ لِتُجَازَوْا عَلَيْهِ وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا دَخَلًا بَيْنَكُمْ كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا فَتَزِلَّ قَدَمٌ اَىْ
اَقْدَامُكُمْ عَنْ مَحَجَّةِ الْاِسْلَامِ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا اِسْتِقَامَتِهَا عَلَيْهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ الْعَذَابَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَىْ بِصَدِّكُمْ عَنِ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ اَوْ بِصَدِّكُمْ غَيْرَكُمْ عَنْهُ لِاَنَّهٗ يَسْتَنُّ بِكُمْ وَ لَكُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ فِى الْاٰخِرَةِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا بِاَنْ تَنْقُضُوْهُ لِاَجْلِهٖ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ
الثَّوَابِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِمَّا فِى الدُّنْيَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ ذٰلِكَ فَلَا تَنْقُضُوْا مَا عِنْدَكُمْ مِنَ الدُّنْيَا يَنْفَدُ يَفْنٰى
وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ دَائِمٌ وَ لَنَجْزِيَنَّ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا عَلَى الْوَفَاءِ بِالْعُهُوْدِ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَحْسَنُ بِمَعْنٰى حَسَنٍ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً قِيْلَ
هِىَ حَيَاةُ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ فِى الدُّنْيَا بِالْقَنَاعَةِ وَالرِّزْقِ الْحَلَالِ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ اَىْ اَرَدْتَّ قِرَائَتَهٗ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اَىْ قُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ
الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ تَسَلُّطٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ
يَتَوَلَّوْنَهٗ بِطَاعَتِهٖ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ اَىِ اللّٰهِ تَعَالٰى مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع ١٣ ١١ ١٩

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل کا (توحید بجالانے یا انصاف کرنے کا) اور بھلائی کرنے کا (فرائض کی ادائیگی کا یا یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو جیسا کہ حدیث میں ہے) اور قرابت داروں کو دینے کا (رشتہ داروں کی تخصیص ان کی اہمیت کے پیش نظر ہے اور منع کرتا ہے بے حیائی (زنا) سے اور ہر نامعقول کام سے (جو شریعت کی نظر میں برا ہو جیسے کفر اور گناہ کا ارتکاب) اور سرکشی (لوگوں پر زیادتی کرنے) سے ظلم کی تخصیص اہمیت کے پیش نظر ہے جیسا کہ شروع میں فحش کا ذکر اسی مقصد سے ہوا ہے) تم کو سمجھاتا ہے (حکم دیکر اور منع کر کے) تاکہ تم یاد رکھو (نصیحت پکڑو تذکرون" میں تا. کا ادغام ذال میں ہو رہا ہے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خیر و شر کے سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ جامع

ترین آیت ہے) اور پورا کرو اللہ کا عہد (بیعت اور ایمان وغیرہما) جب آپس میں عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو ان کے مستحکم (پکا) کرنے کے بعد حالانکہ اللہ کو گواہ بھی بنا چکے ہو (ایفاء عہد پر قسم کھا کر (یہ جملہ حال واقع ہے) بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو (یہ ان کے لئے دھمکی ہے) تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے توڑا (بیکار کر دیا) اپنا سوت (جس کا کات رہی تھی) (محنت کے بعد (مستحکم و مضبوط کاتنے کے بعد (ٹکڑے ٹکڑے (انکاثا حال واقع ہے اور نکث کی جمع ہے، کسی مضبوط چیز کو ڈھیلا کر دینا کھول دینا، یہ مکہ میں ایک بیوقوف عورت تھی جو پورے دن سوت کاتتی اور پھر شام کو خراب کر دیتی تھی) تم مت بناؤ (یہ تکونوا کی خبر سے حال واقع ہے یعنی تم اس عورت کے مشابہ نہ بنو، اپنے بنانے میں) قسموں کو فساد کا ذریعہ (دخل ایسی چیز کو کہتے ہیں جو شئی کی جنس سے نہ ہو اور اس میں داخل کر دی جائے یعنی فساد اور دھوکہ کا ذریعہ اپنی قسموں کو نہ بناؤ) اپنے درمیان (قسموں کو توڑ کر) تاکہ (ان لان کے معنی میں ہے) ایک جماعت بڑھ جائے دوسری جماعت سے (زمانہ جاہلیت میں لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے پھر جب طاقت میں دوسروں پر بڑھ چڑھ جاتے تو پھر ان قسموں کو توڑ دیتے تھے) یہ تو اللہ تم کو پرکھتا ہے (آزماتا ہے) اس سے (اس عہد کے ذریعہ جس کو پورا کرنے کا تم کو حکم دیا تاکہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان کو دیکھ سکے یا اگر غالب گروہ ہے تو دیکھے کہ عہد کو پورا کرتا ہے یا نہیں؟) اور تاکہ ظاہر کر دے تمہارے لیے قیامت کے دن ان چیزوں کو جن میں تم اختلاف کرتے تھے (دنیا میں، عہد وغیرہ کے سلسلہ میں۔ یعنی عہد شکنی کرنے والے کو قیامت کے دن سزا دے گا اور عہد کی پاسداری کرنے والے کو جزا دے گا) اگر اللہ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا (ایک ہی دین کے ماننے والے لیکن وہ جسے چاہتا ہے بے راہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ پر ڈال دیتا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی (تاکید تمہیں اس پر بدلہ دیا جائے) اور اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ (اس جملہ کو بغرض تاکید مکرر لایا گیا ہے) کبھی لوگوں کے پاؤں اکھڑ نہ جائیں (یعنی تمہارے قدم اسلام کی میانہ روی سے ڈگمگا نہ جائیں) جمنے کے بعد (اسلام پر قدم مضبوط ہونے کے بعد) اور تمہیں اس کی پاداش میں تکلیف (عذاب) کا مزہ چکھنا پڑے کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو تم نے روکا (یعنی تم ایفائے عہد سے رک گئے یا تم نے دوسروں کو ایفائے عہد سے روکا کیوں کہ وہ تمہارے طریقہ پر چلیں گے) اور تم ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو (آخرت میں) اور اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو (یعنی دیا کے فائدوں کی خاطر عہد توڑ ڈالو) جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے (تو ان عہدوں کو نہ توڑنا) جو کچھ تمہارے پاس ہے (دنیاوی سامان) وہ ختم ہو جائے گا (فنا ہو جائے گا) اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا (دائمی ہے) اور ہم بدلہ میں ضرور دیں گے (**ولنجزین**، یاء اور نون کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے) صبر کرنے والوں کو (ایفاء عہد پر) ان کا حق اچھے کاموں پر جو کرتے تھے (احسن حسن کے معنی میں ہے) جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ "حیات طیبہ" سے مراد جنت ہے اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا میں قناعت اور رزق حلال مراد ہے) اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں انکا اجر دیں گے سو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں (یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ لیا کیجئے) یقیناً اس کا زور (قابو) ان لوگوں پر نہیں چلتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں پس اس کا زور تو انھیں پر ہے جو اس کو رفیق سمجھتے (اس کی اطاعت کر

کے) اوران لوگوں پر جواس کے ساتھ شریک کرتے ہیں (یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلتَّوْحِیْدِ: یہ عدل کا معنی ہے اور یہ تعطیل اور تشریک کے درمیان میں ہے یا جبر وقدر اور بخل وتبذیر کے درمیان میں ہے۔

قوله: اَلْقَرَابَةِ: یہاں ذی القربیٰ کو اہتمام کے لئے لائے ہیں۔ نیز تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔

قوله: اَلزِّنَا: اس سے اشارہ کیا کہ فحشاء اور منکر الگ الگ چیزیں ہیں۔

قوله: خَصَّهٗ بِالذِّکْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ منکر میں اگرچہ یہ سب داخل ہیں مگر ظلم اس میں بڑا منکر ہے۔

قوله: تَتَّعِظُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں تذکر نصیحت حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ: اس سے اشارہ کیا کہ تَتَّخِذُوْنَ کا جملہ یہ تکون کی ضمیر سے حال ہے۔ اس پر معطوف نہیں۔

قوله: مَاغَزَلَتْهُ: اس میں اشارہ کیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: جَمْعُ نَكْثٍ: اس کا معنی کپڑے کی پھٹی ہوئی جگہ توڑنا تا کہ دوبارہ اسے دھاگے سے رفو کریں اور مَا يُنْكَثُ بمعنی منکوث ہے یعنی ٹوٹا ہوا۔

قوله: حَالٌ: تَتَّخِذُوْنَ تَكُوْنُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔ صفت نہیں ہے

قوله: هُوَ مَا يَدْخُلُ: یعنی دخل اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز میں داخل ہو اور وہ اس میں سے نہ ہو اور یہاں دھوکہ اور فساد مراد ہے۔

قوله: لِاَنْ تَكُوْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں اور یہ جملہ کے ساتھ مل کر مفعول لہ ہے۔ اسی لئے لام مقدر مانا گیا ہے۔

قوله: فَاِذَا وَجَدُوْا: اس سے اشارہ ہے کہ جب قریش اپنے دشمن حلیفوں میں سے کسی دوسرے حلیف کو زیادہ طاقتور دیکھتے تو پہلے حلیف کے ساتھ معاہدے کو توڑ دیتے اور ان کے دشمنوں سے عہد کر لیتے۔

قوله: كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا: یعنی دَخَلًا بَيْنَكُمْ کو دوبارہ لائے تا کہ جس چیز سے منع کیا گیا ہے اسکی قباحت میں مبالغہ ہو جائے۔

قوله: اَقْدَامُكُمْ: قدم کو واحد ذکر کیا اور نکرہ لا کر اشارہ کر دیا کہ جب ایک قدم کا پھسلنا اتنا خطرناک ہے تو بہت سارے قدموں کا پھسلنا خطرناک کیوں نہیں ہوگا۔

قوله: بِصَدِّكُمْ عَنِ الْوَفَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ ما مصدریہ ہے موصولہ نہیں اور یہ بھی اشارہ کیا کہ صد لازم ہے جو کہ اعراض کے معنی میں ہے اور اس کا متعدی ہونا بھی جائز ہے۔

قوله: بِاَنْ تَنْقُضُوْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ اشتری کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ استبدال مراد ہے۔

قوله: بِاَحْسَنِ: اس سے اشارہ کیا کہ احسان یہاں حسن کے معنی میں ہے۔

قوله: قُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل لوح محفوظ سے اسی طرح پڑھایا۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ....

یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے اسی لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت سورۂ نحل میں یہ ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ.... (ابن کثیر)

اور حضرت اکثم بن صیفی تو اسی آیت کی بناء پر اسلام میں داخل ہوئے امام ابن کثیر نے حافظ حدیث ابویعلی کی کتاب معرفۃ الصحابہ میں سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے جب ان کو رسول کریم ﷺ کے دعوائے نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں آپ کا خود جانا مناسب نہیں اکثم نے کہا کہ اچھا تو قبیلہ کے دو آدمی منتخب کرو جو وہاں جائیں اور حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں یہ دونوں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں اکثم کے دو سوال یہ ہیں:

من انت و ما انت؟ آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس کے بعد آپ نے سورۂ نحل کی یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ.... ان دونوں قاصدوں نے درخواست کی کہ یہ جملے ہمیں پھر سنایئے آپ اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہوگئی قاصد واپس اکثم بن صیفی کے پاس آئے اور بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں یہ چاہا تھا کہ آپ کا نسب معلوم کریں مگر آپ نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی صرف باپ کا نام بیان کردینے پر اکتفاء کیا مگر جب ہم نے دوسروں سے آپ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب شریف ہیں اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد ﷺ نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں۔

ان قاصدوں نے آیت مذکورہ اکثم بن صیفی کو سنائی آیت سنتے ہی اکثم نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے اور رذیل اخلاق سے روکتے ہیں تم سب ان کے دین میں جلد داخل ہو جاؤ تا کہ تم دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو پیچھے تابع بن کر نہ رہو۔ (ابن کثیر)

اسی طرح حضرت عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے کہنے سننے سے شرما شرمی اسلام قبول کرلیا تھا مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں تھا یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اچانک آپ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ

پر نازل ہوئی حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط اور مستحکم ہوا اور رسول کریم ﷺ کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی (ابن کثیر نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے)۔

اور جب رسول کریم ﷺ نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی تو اس کا تاثر یہ تھا جو اس نے اپنی قوم قریش کے سامنے بیان کیا۔

واللہ ان لہ لحلاوۃ و ان علیہ لطلاوۃ و ان اصلہ لمورق و اعلاہ لثمر و ما ہو بقول بشر: خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تین چیزوں کا حکم اور تین چیزوں کی ممانعت:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے عدل احسان اور اہل قرابت کو بخشش اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے فحش کام اور ہر برا کام اور ظلم و تعدی ان چھ الفاظ کی شرعی مفہوم اور اس کے حدود کی تشریح یہ ہے۔

عدل: اس لفظ کے اصلی اور لغوی معنی برابر کرنے ہیں اسی کی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے قرآن کریم میں اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اسی معنی کے لئے آیا ہے اور اسی لحاظ سے لفظ عدل افراط تفریط کے درمیان اعتدال کو بھی کہا جاتا ہے اور اسی کی مناسبت سے بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ لفظ عدل کی تفسیر ظاہر و باطن کی برابری سے کی ہے یعنی جو قول یا فعل انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہو اور باطن میں بھی اس کا وہی اعتقاد اور حال ہو اور اصل حقیقت یہی ہے کہ یہاں لفظ عدل اپنے عام معنی میں ہے جو ان سب صورتوں کو شامل ہے جو مختلف ائمہ تفسیر سے منقول ہیں ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں

اور ابن عربی نے فرمایا کہ لفظ عدل کے اصلی معنی برابری کرنے ہیں پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے مثلاً ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

دوسرا عدل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لئے انجام کار مضر ہوں اور قناعت و صبر سے کام لے نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے کسی انسان کو اس کے کسی قول و فعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذاء اور تکلیف نہ پہونچے،

اسی طرح ایک عدل یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملہ کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو فیصلہ میں کسی کی طرف میلان

کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے اور ایک عدل یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے ابوعبداللہ رازی نے یہی معنی اختیار کر کے فرمایا ہے کہ عدل میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔ (بحرمحیط)

امام قرطبی نے عدل کے مفہوم میں اس تفصیل کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہ تفصیل بہت بہتر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کا صرف لفظ عدل تمام اعمال واخلاق حسنہ کی پابندی اور برے اعمال واخلاق سے اجتناب کو حاوی اور جامع ہے۔

الاحسان: اس کے اصل لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ فعل یا خلق وعادت کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرے دوسرے یہ کہ کسی دوسری شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے اور دوسرے معنی کے لئے عربی زبان میں لفظ احسان کے ساتھ حرف الی استعمال ہوتا ہے جیسا ایک آیت میں: وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فرمایا ہے

امام قرطبی نے فرمایا کہ آیت میں یہ لفظ اپنے عام مفہوم کے لئے مستعمل ہوا ہے اس لئے احسان کی دونوں قسموں کو شامل ہے پھر پہلی قسم کا احسان یعنی کسی کام کو اپنی ذات میں اچھا کرنا یہ بھی عام ہے عبادات کو اچھا کرنا اعمال واخلاق کو اچھا کرنا معاملات کو اچھا کرنا۔

حضرت جبرائیل کی مشہور حدیث میں خود آنحضرت محمد ﷺ نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ احسان عبادت کے لئے ہے اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر استحضار کا یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین تو ہر شخص کو ہونا ہی چاہئے کہ حق تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ یہ تو اسلامی عقیدہ کا اہم جز ہے کہ حق تعالیٰ کے علم وبصر سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں رہ سکتا خلاصہ یہ ہے کہ دوسرا حکم اس آیت میں احسان کا آیا ہے اس میں عبادت کا احسان حدیث کی تشریح کے مطابق بھی داخل ہے اور تمام اعمال اخلاق عادات کا احسان یعنی ان کو مطلوبہ صورت کے مطابق بالکل صحیح ودرست کرنا بھی داخل ہے اور تمام مخلوقات کیساتھ اچھا سلوک کرنا بھی داخل ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر انسان ہوں یا حیوان۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔

اس آیت میں اول عدل کا حکم دیا گیا پھر احسان کا بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دیدے اور اپنا وصول کرلے نہ کم نہ زیادہ اور کوئی تکلیف تمہیں پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف تم اس کو پہنچاؤ نہ کم نہ زیادہ اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو کہ کچھ کم ہو جائے تو بخوشی قبول کرلو اسی طرح دوسرا کوئی تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذاء پہونچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اس کو معاف کردو بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو اسی طرح عدل کا حکم تو فرض وواجب کے درجہ میں ہوا اور احسان کا حکم نفلی اور تبرع کے طور پر ہوا۔

اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی. تیسرا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ہے اِیْتَآئِ کے معنی اعطاء یعنی کوئی چیز دینے کے ہیں اور لفظ قربی کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں ذی القربی کے معنی رشتہ دار ذی رحم اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی کے معنی

ہوئے رشتہ دار کو کچھ دینا یہاں اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ کیا چیز دینا لیکن ایک دوسری آیت میں اس کا مفعول مذکور ہے اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی یعنی دو رشتہ دار کو اس کا حق ظاہر یہی ہے کہ یہاں بھی یہی مفعول مراد ہے کہ رشتہ دار کو اس کا حق دیا جائے اس حق میں رشتہ دار کو مال دے کر مالی خدمت کرنا بھی داخل ہے اور جسمانی خدمت بھی بیمار پرسی اور خبر گیری بھی زبانی تسلی و ہمدردی کا اظہار بھی اور اگرچہ لفظ احسان میں رشتہ داروں کا حق ادا کرنا بھی داخل تھا مگر اس کو اس کی زیادہ اہمیت بتلانے کے لئے علیحدہ بیان فرمایا گیا۔

یہ تین حکم ایجابی تھے آگے تین ممانعت و حرمت کے احکام ہیں۔

وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ : یعنی اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے فحشاء اور منکر اور بغی سے فحشاء ہر ایسے برے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی اور واضح ہو ہر شخص اس کو برا سمجھے اور منکر وہ قول و فعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو اس لئے اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جا سکتا اور لفظ منکر میں تمام گناہ ظاہری اور باطنی عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں اور بغی کے اصل معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں مراد اس سے ظلم و عدوان ہے یہاں اگرچہ لفظ منکر کے مفہوم میں فحشاء بھی داخل ہے اور بغی بھی لیکن فحشاء کو اس کی انتہائی برائی اور شناعت کی وجہ سے الگ کر کے بیان فرمایا اور مقدم کیا اور بغی کو اس لئے الگ بیان کیا کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ تعدی باہمی جنگ و جدل تک یا اس سے بھی آگے عالمی فساد تک پہنچ جاتی ہے۔

حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب شدید تو ہونا ہی ہے اس سے پہلے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ظالم کو سزا دیدیتے ہیں اگرچہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ فلاں ظلم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت نے جو چھ حکم ایجابی اور تحریمی دیئے ہیں اگر غور کیا جائے تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر ہیں۔ رزقنا اللہ تعالٰی اتباعہ۔

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ....

اوپر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا ان کے بعض افراد کو بالتخصیص بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ایفائے عہد کی تاکید اور غدر و بدعہدی سے ممانعت کی یہ چیز علاوہ فی نفسہٖ مہتم بالشان ہونے کے اس وقت مخاطبین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی جس کا مسلم قوم کے عروج و ترقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہاء اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لیے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ قول مرداں جان دارد خصوصاً جب خدا کا نام لے کر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے۔ وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنا رہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو۔ اگر تم نے خیانت اور بدعہدی کی۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دے گا۔ کیونکہ تمہاری کسی قسم کی کھلی چھپی

دغابازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا ....

اور تم (مکہ کی) اس (بیوقوف) عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد ریزہ ریزہ کر کے نوچ ڈالا۔ اور تم (مکہ کی) اس (بیوقوف) عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد ریزہ ریزہ کر کے نوچ ڈالا ۔

غَزْل بٹنا' کاتنا' مضبوط کرنا۔ انکاث' نِکْث کی جمع ہے' ریزہ ریزہ' سارے بل کھلے ہوئے۔

ابن ابی حاتم نے ابوبکر بن ابی حفص کا بیان نقل کیا ہے کہ (مکہ کی ایک عورت) سعیدہ اسدیہ پاگل تھی۔ بال اور کھجور کی چھال کے ریشے جمع کرتی تھی۔ اسی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ کلبی اور مقاتل نے کہا کہ ربطہ بنت عمر بن سعد بن کعب بن زید بن مناۃ بن تمیم ایک الھڑ' بیوقوف عورت تھی۔ اس کا لقب جعر تھا۔ اس کے دماغ میں کچھ خرابی تھی۔ اس نے ایک چرخہ ہاتھ بھر کا اور اس میں ایک میخ انگل بھر کی اور دمر کہ بہت بڑا بنا رکھا تھا۔ (روز) وہ اون' روئیں اور بالوں کی کتائی کرتی تھی اور اپنی باندیوں سے بھی کتواتی تھی۔ سب مل کر دوپہر تک کاتتی تھیں' دوپہر کو وہ سب کا کاتا ہوا دھاگہ کھول ڈالتی تھی (اور ریزہ ریزہ کر دیتی تھی) یہی اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ اس پس منظر میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عورت جو کاتنے کا کام برابر کرتی تھی' کاتنا ترک نہیں کرتی تھی اور کاتنے کے بعد کتے ہوئے سوت کو توڑنے سے بھی باز نہیں رہتی تھی' تم اس کی طرح نہ ہو جاؤ۔ یا تو عہد ہی نہ کرو اور کرو تو اس کو پورا بھی کرو۔ ہر مرتبہ معاہدہ کر کے اس کو نہ توڑو۔

تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امۃ ھی اربی من امۃ (کہ اس طرح) تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو' محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ دَخَلَ بگاڑ' دھوکہ' فریب' خیانت۔ دَخَلَ لغوی (ساخت کے) اعتبار سے اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کسی دوسری چیز کے اندر اس کو خراب کرنے اور بگاڑنے کیلئے داخل کیا جائے' بعض علماء نے کہا: دخل اور دغل یہ ہے کہ ظاہر میں تو وفائے عہد کرے اور باطن میں اس کو توڑ دے۔ اَرْبیٰ تعداد افرادی اور مال میں زیادہ۔ مجاہد نے کہا: (دور جاہلیت میں) عرب کا دستور تھا کہ ایک قبیلہ یا ایک جماعت دوسری جماعت سے باہمی امداد کا بقسم معاہدہ کر لیتی تھی (یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کی حلیف ہو جاتی تھی' دونوں کا معاہدہ بحلف ہو جاتا تھا) لیکن جب ان دونوں قبیلوں میں سے کسی کو اپنے حلیفوں کی دشمن جماعت زیادہ طاقتور یا مالدار نظر آتی تھی تو اپنے حلیفوں سے غداری کر کے حلیفوں کے دشمنوں سے جا کر مل جاتے تھے اور ان سے مخالفہ کر لیتے تھے۔ مجاہد کی تشریح کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کمزوروں سے عہد شکنی کر کے طاقتوروں سے تم معاہدے کر لیتے ہو' محض اسلئے کہ تم کو غلبہ اور طاقت حاصل ہو جائے' ایسا نہ کرنا چاہئے۔

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ تم اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ صرف اس وجہ سے بنا لیتے ہو کہ تمہارا ایک گروہ دوسرے ہم معاہدہ گروہ سے تعداد اور مال میں زیادہ ہوتا ہے' اسلئے طاقتور گروہ کو معاہدہ شکنی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ جس طرح قریش نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت سے قریش کی تعداد زیادہ ہے اور مالی طاقت بھی بڑھ رہی ہے' اسلئے دو ہی سال میں معاہدہ توڑ دیا۔

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ پس اس سے اللہ تمہاری آزمائش کرتا

ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے (عملاً) ظاہر کردے گا۔

یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے بڑا اور برتر کر کے اللہ جانچ کرتا ہے کہ یہ جماعتیں اللہ سے کئے ہوئے عہد اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہتی ہیں یا مؤمنوں کی قلت اور قریش کی کثرت وشوکت دیکھ کر توڑ دیتی ہیں اور دنیا میں کئے ہوئے اختلافی امور کا فیصلہ جب قیامت کے دن اللہ کرے گا اور ہر ایک کو اعمال کا بدلہ دے گا تو جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا' ان کو ثواب اور جن لوگوں نے وعدہ شکنی کی ہوگی' ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کردے گا۔

فرمایا: وَلَا تَتَّخِذُوٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ .... کہ اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ اس مضمون کو بطور تاکید دوبارہ ذکر فرمایا اور ساتھ ہی قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کا نتیجہ بھی بیان فرمایا اور نتیجہ کے نتیجہ سے بھی باخبر فرمادیا، نتیجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا (کہ اس کی وجہ سے قدم جمنے کے بعد پھسل جائے گا) اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑا تو یہ تو کفر ہے، ایمان کے بعد کوئی شخص کفر کے گڑھے میں جا پڑے اس سے زیادہ لغزش والا کون ہوسکتا ہے عہد توڑا ایمان چھوڑا کفر کے گڑھے میں جا پڑا اس سے بڑی لغزش کوئی نہیں، اور اگر بندوں کے عہد کو توڑا ان کو دھوکہ دیا اگرچہ حدود کفر میں داخل نہ ہوا بدعہدی کی وجہ سے جو مستحق عقاب وعذاب ہوئے یہ بھی بہت بڑی لغزش ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ ایمان پر پختگی کے ساتھ جمیں جب قدم راسخ ہوگیا تو اسے جمائے رہیں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں پھر نتیجے کا نتیجہ بیان فرمایا یعنی قدم پھسلنے کے بعد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے دنیا میں بھی برا عذاب چکھوگے اور آخرت میں بھی برے عذاب میں گرفتار ہوگے۔ قال صاحب الروح: والمراد من السوء العذاب الدنيوى من القتل والاسر والنهب والجلاء وغير ذلك مما يسوء اور اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل ص ۸٤ ج ۳ بعض اکابر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: معناه مثلتم طريقة نقض العهد على الناس بنقضكم العهد یعنی جب تم عہد توڑ دوگے تو لوگوں کے لیے مثال بن جاؤ گے ان کو بھی اس کا راستہ مل جائے گا، نقض عہد کر کے دوسروں کے لیے نقض عہد کا راستہ ہموار کرنا یہ اللہ کے راستہ سے روکنا ہے، اور بعض اکابر نے فرمایا ہے: فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ قسمیں کھا کر دھوکہ دینا اور اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ بنا دینا ایسی چیز ہے جس سے سلب ایمان کا خطرہ ہے بہت سے لوگ اللہ کی قسم کھا کر وعدہ کر لیتے ہیں یا کسی گزشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا ہے۔ فلاں نے ایسا کیا ہے اور مخاطب کو فریب دینا مقصود ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام مکر وفریب کے لیے استعمال کیا اس کی پاداش میں سلب ایمان کی سزا مل سکتی ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا....

(اس سے پہلی آیات میں ایفاء عہد کی تاکید اور عہد شکنی کی مذمت کا بیان تھا جو ایک خاص عمل ہے اس آیت میں تمام اعمال صالحہ اور عاملین صالحین کا عمومی بیان ہے مضمون آیت کا یہ ہے کہ آخرت کا اجر وثواب اور دنیا کی برکات صرف ایفائے عہد میں منحصر نہیں اور نہ کسی عامل کی تخصیص ہے بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ) جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو (کیونکہ کافر کے اعمال صالحہ مقبول نہیں) تو ہم اس شخص کو (دنیا میں تو) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت

میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

حیات طیبہ کیا چیز ہے؟

جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں حیات طیبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ اور بالطف زندگی ہے اور بعض ائمہ تفسیر نے اس سے آخرت کی زندگی مراد لی ہے اور جمہور کی تفسیر کے مطابق بھی اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کو کبھی فقر وفاقہ یا بیماری پیش نہ آئے گی بلکہ مراد یہ ہے کہ مؤمن کو اگر کبھی معاشی تنگی یا کوئی تکلیف بھی پیش آتی ہے تو دو چیزیں اس کو پریشان نہیں ہونے دیتیں ایک قناعت اور سادہ زندگی کی عادت جو تنگدستی میں بھی چل جاتی ہے دوسرے اس کا یہ عقیدہ کہ مجھے اس تنگی اور بیماری کے بدلے میں آخرت کی عظیم الشان دائمی نعمتیں ملنے والی ہیں بخلاف کافر وفاجر کے کہ اگر اس کو تنگدستی اور بیماری پیش آتی ہے تو اس کے لئے کوئی تسلی کا سامان نہیں ہوتا عقل وہوش کھو بیٹھتا ہے بعض اوقات خودکشی کی نوبت آجاتی ہے اور اگر اس کو فراخی عیش بھی نصیب ہو تو اس کو زیادتی کی حرص کسی وقت چین سے نہیں بیٹھنے دیتی وہ کروڑ پتی ہو جاتی ہے تو ارب پتی بننے کی فکر اس کے عیش کو خراب کرتی رہتی ہے۔

ابن عطیہ نے فرمایا کہ مؤمنین صالحین کو حق تعالیٰ دنیا میں بھی وہ فرحت وانبساط اور پرلطف زندگی عطا فرماتے ہیں جو کسی حال میں متغیر نہیں ہوتی تندرستی اور فراخ دستی کے وقت تو ان کی زندگی کا پرلطف ہونا ظاہر ہے ہی خصوصا اس بنا پر کہ بلاضرورت مال کو بڑھانے کی حرص ان میں نہیں ہوتی جو انسان کو ہر حال میں پریشان رکھتی ہے اور تنگدستی یا بیماری بھی پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ان کا مکمل یقین اور مشکل کے بعد آسانی کلفت کے بعد راحت ملنے کی قوی امید ان کی زندگی کو بےلطف نہیں ہونے دیتی جیسے کاشتکار کھیت بوئے اور اس کی پرورش کے وقت اس کو کتنی ہی تکلیفیں پیش آجائیں سب کو اس لئے راحت محسوس کرتا ہے کہ چند روز کے بعد اس کا بڑا صلہ اس کو ملنے والا ہے تاجر اپنی تجارت میں ملازم اپنی ڈیوٹی ادا کرنے میں کیسی کیسی محنت ومشقت بلکہ بعض اوقات ذلت بھی برداشت کرتا ہے مگر اس لئے خوش رہتا ہے کے چند روز کے بعد اس کو تجارت کا بڑا نفع یا ملازمت کی تنخواہ ملنے کا یقین ہوتا ہے مؤمن کا بھی یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ مجھے ہر تکلیف پر اجر مل رہا ہے اور آخرت میں اس کا بدلہ دائمی عظیم الشان نعمتوں کی صورت میں ملے گا اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس لئے یہاں کے رنج وراحت اور سرد وگرم سب کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے اس کی زندگی ایسے حالات میں بھی مشوش اور بےلطف نہیں ہوتی یہی وہ حیات طیبہ ہے جو مؤمن کو دنیا میں نقد ملتی ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ یعنی جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں تو شروع کرنے سے پہلے اللہ سے پناہ کی دعا کریں تاکہ شیطان مردود قراءت میں وسوسہ نہ پیدا کر سکے اور تلاوت میں کوئی غیر لفظ شامل نہ کر دے کیونکہ شیطان کی عادت ہے کہ اللہ نے جو بھی پیغمبر یا نبی بھیجا اور اس نے اللہ کا کلام پڑھا تو شیطان نے اس کی قراءت میں مداخلت ضرور کی۔ اس آیت میں قراءت کرنے سے مراد ہے: ارادۂ قراءت کرنا۔ ایجاز کلام کیلئے ارادہ کی تعبیر فعل سے کی اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو شخص عبادت کرنے کا ارادہ کر لے تو اس کے بعد عبادت ضرور کرے (ایسا نہ ہو کہ ارادہ کر لے اور عبادت نہ کرے) نخعی اور ابن

سیرین نے ظاہر لفظ کو دیکھ کر (یعنی فَإِذَا قَرَأْتَ کا ظاہری مطلب مراد لے کر) صراحت کی ہے کہ تلاوت کرنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے۔ اس کے علاوہ تاخیر تعوذ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عبادت اقرب الی الاجابت ہو جائے گی۔ ویسے شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ کی طلب تو ہمیشہ ہی کرنا چاہئے (آغاز قراءت پر ہی موقوف نہیں ہے)۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قراءت سے پہلے دعا کرتے (یعنی اعوذ باللہ پڑھا کرتے) تھے۔ جمہور سلف وخلف کا اسی پر اجماع ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ سنت ہے اور عطاء نے اسی آیت کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے واجب ہونے کی صراحت کی ہے' کیونکہ اِسْتَعِذْ امر کا صیغہ ہے اور امر کا حقیقی مفہوم وجوب ہے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم شیطانی وسوسہ کو دفع کرنے کیلئے دیا گیا ہے اور یہ مسنون ہونے کی علامت ہے (اگر اغواء شیطانی کا اندیشہ نہ ہو تو ترک تعوذ جائز ہے) یہ دلیل کمزور ہے۔ وجوب تعوذ اس کے باوجود بھی ہو سکتا ہے۔

جمہور علماء تعوذ کے واجب ہونے کے قائل نہیں کیونکہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے قراءت سے پہلے تعوذ کو ترک کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بعض وقت ترک تعوذ جائز ہے۔ اگر بعض وقت تعوذ کو ترک کرنا رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت نہ ہوتا تو علماء بھی ترک تعوذ کو جائز نہ قرار دیتے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعوذ پڑھے بغیر بھی قرآن کی تلاوت فرمائی۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس کا بیان منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری تہائی رات میں اٹھ بیٹھے اور سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ سے پڑھیں' پھر کھڑے ہو کر وضو کیا الی آخرہ..... صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا: ہم ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت گرامی میں حاضر تھے کہ اچانک آپ کو غفلت سی ہوگئی' پھر کچھ دیر کے بعد مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت اتری ہے۔ اس کے بعد آپ نے تلاوت کی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

مسئلہ * کیا نماز کے اندر ہر رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے' یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد قائل ہیں کہ نماز کی صرف پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھی جائے۔ امام شافعی ہر رکعت میں تعوذ کے قائل ہیں۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حسن اور عطاء اور ابن سیرین کے نزدیک ہر رکعت میں اعوذ پڑھنی مستحب ہے۔ امام مالک نے کہا: فرض نماز میں تعوذ نہ کیا جائے۔ بیضاوی نے امام شافعی کے قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ جو حکم کسی شرط پر مرتب ہو' قیاس کا تقاضا ہے کہ تکرار شرط سے تکرار حکم ہوگی۔ پس جب بھی کسی رکعت میں کوئی شخص قراءت کرے گا' اعوذ پڑھنا ہوگی خواہ پہلی رکعت ہو یا دوسری۔ امام مالک نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت انس کی روایت پیش کی ہے۔ حضرت انس نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے بھی اور سب جہری قراءت سورۂ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔ صحیحین کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ یہ حضرات نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ سے شروع کرتے تھے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: جہراً اعوذ نہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پوشیدہ' چپکے سے بھی نہ پڑھی جائے۔ ہماری

دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت میں ثناء (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ...) پڑھنے کے بعد اعوذ پڑھا کرتے تھے۔ پہلی رکعت کے علاوہ کسی دوسری رکعت میں اعوذ پڑھنا کسی روایت میں نہیں آیا۔ ابن السنی اور ابن ماجہ نے حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوجاتے تھے تو تین بار اللہ اکبر کبیرًا اور تین بار الحمدللہ کثیرًا اور تین بار سبحان اللہ بکرۃً واصیلاً کہنے کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھتے تھے۔ امام احمد اور امام ابن حبان اور ابوداؤد کی روایت میں مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کے بعد مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ کے الفاظ بھی آئے ہیں (میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اس کی پھونک سے اور اس کے دم کرنے سے اور اس کے وسوسہ سے) حاکم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

امام احمد اور حاکم اور اہل السنن نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات میں نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کے بعد پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ پھر تین بار لا الٰہ الا اللہ اور تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد پڑھتے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ نَّفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ۔ امام احمد نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بھی یہی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ آیا ہے مگر اس کی اسناد میں بعض راویوں کے نام ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔ حاکم اور بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: جب نماز میں داخل ہوتے تھے۔ حضرت انس کی روایت سے دارقطنی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس اسناد میں ایک راوی حسین بن علی بن اسود ہے اس کے متعلق اہل علم نے کلام کیا ہے۔ مراسیل ابوداؤد میں حسن بصری کا قول (بغیر صحابی) کے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ کے ساتھ تعوذ کرتے تھے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

فائدہ: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے: اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ کہنا افضل ہے اس لفظ سے آیت کے لفظ اَسْتَعِيْذُ کی موافقت ہو جاتی ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کہنا بھی اسی کے قریب ہے۔

میں کہتا ہوں: ماہر اہل تجوید اور فقہاء کے نزدیک اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ آیا ہے دوسرے الفاظ نہیں آئے۔ ثعلبی اور واحدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو۔ مجھے حضرت جبرئیل نے قلم سے یعنی لوح محفوظ سے (نقل کرکے) ایسا ہی پڑھایا ہے۔

ابوعمرو دانی نے التیسیر میں لکھا ہے: میں نے بعینہٖ یہی لفظ (اعوذ) پڑھا اور اسی کو لیا اور قرآن کی تلاوت شروع کرتے وقت (یعنی نماز سے باہر) جہر کے ساتھ یہی لفظ پڑھا جاتا ہے۔ اہل تجوید میں کسی کی قراءت اس کے خلاف مجھے معلوم نہیں اور پاروں وغیرہ کے شروع میں اس کو پڑھنا اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔ نص قرآنی کی تعمیل اور سنت کا اتباع اسی سے ہوتا ہے۔

امام القراء حمزہ صرف سورۂ فاتحہ کے شروع میں اعوذ کو جہر سے پڑھتے تھے باقی قرآن میں پوشیدہ پڑھتے تھے۔ خلف کی روایت یہی ہے لیکن خلاد نے حمزہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ آپ کے نزدیک جہر واخفاء دونوں درست ہیں۔ جہر سے پڑھے یا

آپ افتراء کرنے والے ہیں (آپ انتہائی جھوٹے ہیں یہ سب باتیں اپنی طرف سے کہتے ہیں) بلکہ ان میں اکثر لوگ جاہل ہیں (قرآن کریم کی حقیقت اور نسخ کے فائدے سے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اس کو روح القدس (جبرئیل) لے کر آئے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے موافق (بالحق نزلہ سے متعلق ہے) تاکہ ایمان لانے والوں کو (اس کتاب پر ایمان لانے میں) ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری کا ذریعہ ہو جائے اور ہم کو معلوم ہے (تحقیق کے لئے ہے) کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی تعلیم دیتا ہے (قرآن کریم کی اور وہ ایک نصرانی لوہار تھا جس کے پاس نبی کریم ﷺ آیا جایا کرتے تھے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں (کہ وہ ان کو تعلیم دیتا ہے) اس کی زبان (بولی) تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو صاف عربی ہے (فصیح و بلیغ، اس کو کوئی عجمی کس طرح سکھا سکتا ہے؟) جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ان کو اللہ تعالیٰ کبھی راہ پر نہیں لائیں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی جھوٹ افتراء کرنے والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں (قرآن کریم) پر ایمان نہیں رکھتے (یہ کہہ کر کہ یہ تو آدمی کا کلام ہے) اور یہ لوگ پورے جھوٹے ہیں (حرف ان اور تکرار کے ذریعہ جو تاکید لائی گئی ہے اس کا مقصد کفار کے اس قول کو رد کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ) افتراء کرنے والے ہیں) جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے (کلمہ کفر کے بولنے پر اور وہ کلمہ کفر بول بھی دے) بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (لفظ مَن یا تو مبتداء ہے یا شرطیہ ہے لهم عذاب شدید خبر ہے یا جواب شرط اگلی آیت اس پر دلالت کرتی ہے) لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا (یعنی کفر کے لئے اس نے اپنے سینے کو کھول دیا اور اس کے سینہ میں گنجائش پیدا کر لی، گویا کفر پر ریجھ گیا) سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ (وعید) اس واسطے ہے کہ انھوں نے عزیز رکھا (ترجیح دی) دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں اور اللہ راستہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو یہ وہی ہیں کہ جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہی ہے بے ہوش (اپنے مقصد سے) لازمی بات ہے (حقیقت ہے) کہ یہ لوگ آخر میں بالکل گھاٹے میں رہیں گے (دائمی آگ میں ان کے ٹھکانہ کے باعث) پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے (مدینہ کی طرف) ہجرت کی مصیبت اٹھانے کے بعد (انکو سزائیں دی گئیں اور کلمہ کفر کے تلفظ پر مجبور ہوئے ایک قراءت "فتنوا" صیغہ معروف کے ساتھ ہے یعنی کفر کیا اور لوگوں کو بھی ایمان سے ہٹا کر مبتلائے فتنہ کیا) پھر جہاد کیا اور (اطاعت پر) قائم رہے تو آپ کا رب (اس ابتلا کے بعد ان کو بخشنے والا ہے، (ان پر) مہربان ہے (پہلے ان کی خبر پر دوسرے ان کی خبر دلالت کرتی ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِمَا يُنَزِّلُ: یعنی جو مصالح اتارے جاتے ہیں شاید کہ اس اتارنے میں بھی مصلحت ہو۔

قوله: قَالُوْآ: یہ اذا کا جواب ہے اور واللہ اعلم بِمَا يُنَزِّلُ یہ جملہ معترضہ کفار کی توبیخ کے لئے لائے ہیں۔

قوله: جِبْرَئِيلُ: روح کی اضافت قدس کی طرف جبکہ اس کا معنی طہارت ہے خاتم الجود کی طرح ہے یعنی مقدس ومطہر۔

قوله: بِاِيْمَانِهِمْ: یہاں ب علی کے معنی میں ہے اور هدی وبشری یہ دونوں یثبت کے محل پر معطوف ہیں۔

اخفاء سے دونوں کا اختیار ہے۔ باقی قراء کا کوئی قول جہر و اخفاء کے متعلق منقول نہیں۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً بِنَسْخِهَا وَإِنْزَالِ غَيْرِهَا لِمَصْلَحَةِ الْعِبَادِ مَّكَانَ آيَةٍ وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا أَيِ الْكُفَّارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ كَذَّابٌ تَقُوْلُهُ مِنْ عِنْدِكَ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ حَقِيْقَةَ الْقُرْاٰنِ وَفَائِدَةَ النَّسْخِ قُلْ لَهُمْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ جِبْرَئِيْلُ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِنَزَلَ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِإِيْمَانِهِمْ بِهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ لِلتَّحْقِيْقِ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ الْقُرْاٰنَ بَشَرٌ وَهُوَ قَيْنٌ نَصْرَانِيٌّ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ قَالَ تَعَالٰى لِسَانُ لُغَةِ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ يَمِيْلُوْنَ إِلَيْهِ أَنَّهُ يُعَلِّمُهُ أَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا الْقُرْاٰنُ لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ ذُوْ بَيَانٍ وَفَصَاحَةٍ فَكَيْفَ يُعَلِّمُهُ أَعْجَمِيٌّ إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مُؤْلِمٌ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ بِقَوْلِهِمْ هٰذَا مِنْ قَوْلِ الْبَشَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَالتَّاكِيْدُ بِالتَّكْرَارِ وَإِنَّ وَغَيْرِهِمَا رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ عَلَى التَّلَفُّظِ بِالْكُفْرِ فَتَلَفَّظَ بِهِ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَمَنْ مُبْتَدَأٌ أَوْ شَرْطِيَّةٌ وَالْخَبَرُ أَوِ الْجَوَابُ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ دَلَّ عَلَيْهِ هٰذَا وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا لَهُ أَيْ فَتَحَهُ وَوَسَّعَهُ بِمَعْنٰى طَابَتْ بِهِ نَفْسُهُ فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ الْوَعِيْدُ لَهُمْ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اخْتَارُوْهَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ عَمَّا يُرَادُ بِهِمْ لَا جَرَمَ حَقًّا أَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ لِمَصِيْرِهِمْ إِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا إِلَى الْمَدِيْنَةِ مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا عُذِّبُوْا وَتَلَفَّظُوْا بِالْكُفْرِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَيْ كَفَرُوْا أَوْ فَتَنُوا النَّاسَ عَنِ الْإِيْمَانِ ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْا عَلَى الطَّاعَةِ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا أَيِ الْفِتْنَةِ لَغَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ بِهِمْ وَخَبَرُ إِنَّ الْأُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِ خَبَرُ الثَّانِيَةِ

ع ۱۴ / ۱۰ / ۲۰

ترجمہ: اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت دوسری آیت کی جگہ (پہلی آیت کو منسوخ کر کے دوسری آیت کو اس جگہ نازل کرتے ہیں، بندوں کی مصلحت کے پیش نظر) اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو (کفار نبی کریم ﷺ سے کہتے ہیں) کہ

قوله: لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ : یہ دونوں جملے مستانفہ ہیں۔
قوله: عَلَی التَّلَفُّظِ بِالْکُفْرِ: اس میں اشارہ ہے کہ جان کی مجبوری کے وقت کفریہ الفاظ زبان پر لانا جبکہ دل ایمان پر مطمئن ہو جائز ہے۔
قوله: وَمَنْ مُبْتَدَأٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ کا بدل نہیں ہے۔
قوله: اَوِالْجَوَابُ: اس سے اشارہ کیا کہ بالکفر میں ب لام کے معنی میں ہے کیونکہ ب شرح کا صلہ نہیں بن سکتا۔
قوله: اِخْتَارُوْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ اِسْتَحَبُّوْا کا صلہ علی نہیں آتا۔ یہاں اسلئے آیا کہ وہ اختار کے معنی کو متضمن ہے۔
قوله: بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ: اس سے اشارہ کیا کہ فُتِنُوْا کو فتنوا بھی پڑھ سکتے ہیں مگر اس صورت میں فاعلی ضمیر الذین ھاجروا کی طرف لوٹے گی۔

تفسیر مقبولین

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ ....

منکرین نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات

(ربط) اب یہاں سے منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اصول دین میں پہلی اصل توحید ہے اور دوسری اصل نبوت ہے دلائل توحید کے بعد نبوت کے متعلق چند شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا جب کوئی حکم منسوخ ہو جاتا تو کفار کہتے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب سے مسخرہ پن کرتے ہیں کبھی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں۔ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ میں اس شبہ کا ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ نسخ احکام کے مصالح کو ہم خوب جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اور منکرین نبوت دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے حالات کسی سے سن کر اور سیکھ کر آتے ہیں اور ان سنی سنائی اور سیکھی سکھائی باتوں کو اللہ کا کلام کہہ کر لوگوں کے سامنے آکر بیان کر دیتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ۔

اس آیت کریمہ میں ان کے اس شبہ کا یہ جواب دیا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ﷺ کسی سے سن کر یہ قصے بیان کرتے ہیں تو یہ بتلاؤ کہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت آپ ﷺ نے کیسے بنالی جس کے معارضہ اور مقابلہ سے تمام بلغاء عرب عاجز و درماندہ ہیں کیا یہ عربی عبارت بھی اسی غلام نے آپ کو سکھائی ہے وہ غلام تو عجمی ہے۔ عربی زبان میں بات بھی نہیں کر سکتا۔ یہ فصاحت و بلاغت تو درکنار۔ اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے تو تم بھی اس عجمی غلام سے قرآن جیسی ایک سورت بنوا لاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور ایک آیت اور حکم منسوخ کر کے دوسری آیت اور دوسرا حکم نازل کرتے ہیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے اور جو حکم اس نے پہلے نازل کیا اور جو بعد میں نازل کیا اس کی حکمت

اور مصلحت وہی خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ بس تو تو مفتری ہے اپنی طرف سے ایک حکم بناتا ہے اور اپنے ساختہ اور پرداختہ کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ ایک حکم کو نازل کرے اور پھر اسے منسوخ کر دے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ جو حکم نازل کرتا ہے وہ اس کی حکمت اور مصلحت سمجھتا ہے جس وقت جو حکم مناسب معلوم ہوتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ اس کی مثال طبیب کا نسخہ بدلنے کی ہے طبیب کا نسخہ نہ پہلا غلط ہے نہ پچھلا۔ طبیب مرض کے حال کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے پس اس پر اعتراض کرنا حماقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ تو مفتری نہیں بلکہ ان میں اکثر جاہل اور نادان ہیں نسخ احکام کی حکمت اور مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ مرا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو پاک روح یعنی جبرئیل امین علیہ السلام تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے اس میں کذب اور افتراء کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مرتبہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور معنوی انوار و برکات کے لحاظ سے قلب کو منور اور مطمئن کرتا ہے جو پروردگار عالم نے یہ کلام بندوں کی تربیت کے لیے نازل فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کو دین پر ثابت قدم رکھے اور ان کی نورانیت اور قوت اور سکینت سے اور طمانینت میں زیادتی کرے تاکہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور سمجھ جائیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے احوال سے خبردار ہے۔

اور اطاعت شعاروں کے لیے ہدایت اور بشارت بنے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ ظلمت و تاریکی میں ان کی راہ نمائی کرے اور راہ حق ان کو سمجھا وے اور بتلاوے۔ اور بشارت کا مطلب یہ ہے کہ فرمانبرداروں کو جنت کی خوشخبری دے تاکہ یہ مسلمین، مؤمنین، مخلصین کے درجے کو پہنچ جائیں۔

کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب:

اور البتہ تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو ان کو ایک آدمی سکھلاتا ہے۔

مکہ میں بلعام نامی ایک نصرانی لوہار تھا اس کی زبان عجمی تھی۔ مشرک کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو قرآن بلعام سکھاتا ہے، فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کے سکھانے کو منسوب کرتے ہیں جو عجمی ہے اور غیر فصیح ہے اور یہ قرآن صاف اور فصیح عربی ہے اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ فصحاء و بلغاء اس کے معارضہ سے عاجز اور درماندہ ہیں پس جو شخص صاف عربی بولنے پر بھی قادر نہ ہو وہ دوسرے کو ایسا فصیح و بلیغ کلام کیونکر سکھا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ قرآن نہ تعلیم بشری ہے اور نہ خود آپ ﷺ کا ساختہ اور پرداختہ ہے بلکہ وحی ربانی اور تنزیل سبحانی ہے ایسے علوم و معارف اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور ایسی فصاحت و بلاغت ایک عجمی لوہار کے پاس کہاں سے آئی بفرض محال اگر یہ فضل و کمال کسی لوہار کے پاس ہوتا تو دنیا اس کے قدموں میں گرتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی نام بھی نہ لیتا بہرحال ایسی مہمل بات سوائے کور باطن کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ عقلاً یہ بات ناممکن ہے کہ ایسا فاضل معلم جس نے آپ ﷺ کو ایسے عجیب و غریب علوم کی تعلیم دی کہ دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ ہو حتیٰ کہ مکہ کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوں اگر آپ ﷺ نے کسی معلم سے تعلیم پائی ہوتی تو کم از کم حضور پرنور ﷺ کے برابر تو تاریخ میں اس کا نام و نشان ملتا۔ بے شک جو لوگ اللہ کی

آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اور باوجود دلائل اعجاز کے اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ ان کو دنیا میں راہ راست نہیں دکھلاتا اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور معاذ اللہ یہ لوگ جو آپ ﷺ کو مفتری کہتے ہیں، آپ مفتری نہیں مفتری اور جھوٹ بنانے والے وہ لوگ ہیں جو دیدہ دانستہ اللہ کی آیات کو نہیں مانتے اور حقیقت میں ایسے ہی لوگ جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ انما یعلمہ بشر ،اور دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہوئے نہیں جھجکتے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ ....

ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جانے کی سزا، جس سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس کا حکم:

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ میں توحید کی دعوت دینا شروع کیا تو اہل مکہ کو بہت ناگوار ہوا وہ اس کوئی بات سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو پہلے تو محبوب جانتے تھے لیکن توحید کی دعوت دینے کی وجہ سے آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے ستاتے تھے آپ کی دعوت جو قبول کر لیتے تھے ان کے ستانے میں تو بہت ہی زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے، ابتداء جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان میں عموماً وہ لوگ تھے جو دنیاوی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو غلام تھے یا باہر سے آئے ہوئے تھے ان کے مارنے پیٹنے میں مشرکین مکہ ذرا سی کسر بھی اٹھا کر نہیں رکھتے تھے، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہؓ انہیں تکلیف اٹھانے والے حضرات میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے سات افراد نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمار اور ان کی والدہ سمیہ اور صہیب اور بلال اور مقدادؓ رسول اللہ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا (ابو طالب) کے ذریعے فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت کا ذریعہ ان کی قوم کو بنا دیا باقی حضرات کو مشرکین مکہ نے لوہے کی زرہیں پہنا پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا مشرکین ان سے کہتے تھے کہ ایمان سے پھر جاؤ اور کفر کا کلمہ کہہ دو ورنہ اسی عذاب میں رہو گے، حضرت بلالؓ کے علاوہ باقی سب نے صرف زبانی طور پر مشرکین کے کہنے کے مطابق بعض کلمات کہہ دیئے لیکن حضرت بلالؓ نے زبان سے بھی کوئی کفریہ کلمہ نہیں کہا انہوں نے اپنی جان کو اللہ کی راہ میں بالکل ہی بے حقیقت بنا دیا، پھر حضرت بلالؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا اور حضرت عمارؓ کے والدین کو مشرکین نے شہید کر دیا ان کی والدہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔ (البدایۃ والنہایہ ص ۵۹ ج ۳)

مذکورہ بالا آیت اسی موقع پر نازل ہوئی جبکہ بعض صحابہ نے دل سے ایمان پر مطمئن ہوتے ہوئے کافروں کی مار سے بچنے کی وجہ سے ظاہری طور پر صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دیا تھا تفسیر درمنثور ص ۱۳۲ ج ۳ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمارؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا خبر ہے انہوں نے عرض کیا کہ بری بات ہے پھر بیان کیا کہ آج میں اس وقت چھوٹا ہوں جبکہ آپ کے بارے میں غلط کلمات استعمال کیے اور ان کے معبودوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا، آپ نے فرمایا تمہارے دل کا کیا حال ہے عرض کیا دل تو ایمان کے ساتھ مطمئن ہے فرمایا اگر وہ لوگ پھر ایسی ہی تکلیف دینے لگیں تو پھر ایسے کلمات کہہ دینا اس پر آیت کریمہ: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ نازل ہوئی۔

تفسیر درمنثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا اس کے

بارے میں وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا نازل ہوئی۔

آیت بالا میں یہ بتا دیا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے پھر مرتد ہو جائے اور یہ مرتد ہونا دل سے ہو شرح صدر کے ساتھ ہو ایسے شخص پر اللہ کا غصہ ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ جس شخص کو مجبور کیا گیا کہ کفر اختیار کر لے اور اس نے جان بچانے کے لیے کفر کا کلمہ کہہ دیا تو اس کی گنجائش ہے اور اجازت ہے (لیکن اگر تکلیف کو جھیل جائے جیسے حضرت بلال ؓ نے کیا یا شہید ہو جائے جیسا کہ حضرت عمار ؓ کے والدین نے اختیار کیا تو یہ افضل ہے) تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے آدمیوں نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور انہیں مسیلمہ کے پاس لے آئے مسیلمہ نے ایک سے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے کانوں پر ہاتھ دھر کر اشارہ کر دیا کہ میں بہرا ہوں اس پر مسیلمہ نے ان کو قتل کر دیا پھر دوسرے سے اسی طرح سوال کیا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں انہوں نے کہا ہاں پھر کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے اس پر بھی ہاں کر لیا، لہٰذا ان کو چھوڑ دیا، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا تیرا ساتھی (جو مقتول ہو گیا) وہ تو ایمان پر گزر گیا (یعنی دل سے بھی مؤمن رہا اور زبان سے بھی کوئی کلمہ ایمان کے خلاف نہیں کہا) اور تو نے رخصت یعنی شرعی اجازت پر عمل کر لیا۔ واضح رہے کہ محض یوں ہی ڈرانے دھمکانے کا نام اکراہ نہیں ہے۔

اگر کوئی فرد یا جماعت یوں کہے کہ اتنا ماریں گے کہ کوئی نہ کوئی عضو تلف کر دیں گے یا قتل کر دیں گے اور وہ واقعی اس پر قادر بھی ہوں اور جس سے کہا ہے بھاگنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ایسی صورت میں بھی صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دینے کی اجازت ہے، دل ہر حال میں ایمان سے سرشار اور لبریز رہنا لازم ہے۔

عبداللہ ابن ابی سرح جن کا ذکر اوپر ہوا یہ حضرت عثمان بن عفان ؓ کے رضاعی بھائی تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے پھر ان کو شیطان نے بہکایا تو مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے، فتح مکہ کے دن حضرت عثمان ؓ انہیں خدمت عالی میں لے کر حاضر ہوئے تو انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا، گو وہ بعد میں مسلمان ہو گئے لیکن آیت شریفہ میں جو (وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا) فرمایا ہے اس کا مضمون اور اس کا حکم تا ابد باقی ہے جو شخص پہلے ہی سے دل سے کافر ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد دل سے کفر اختیار کر لے اس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور آخرت میں اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی صاحب اقتدار نے مردار، خنزیر کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا اور یوں کہا کہ بات نہ مانے گا تو مار ڈالوں گا یا کوئی عضو کاٹ دوں گا اور اندازہ ہے کہ مذاق میں یا محض دھمکی کے طور پر نہیں کہہ رہا ہے تو اس صورت میں حرام چیز کھانے پینے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ایسے موقع پر حرام کھانا پینا فرض ہے۔ اگر حرام نہ کھایا اور زبردستی کرنے والے نے قتل کر دیا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کو قتل کرنا حلال

نہیں ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ ....

ہجرت کر کے ثابت قدم رہنے والوں کا اجر وثواب، قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر:

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت کے بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل (ص ۸۷ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ عیاش بن ابی ربیعہ اور ابی جندب اور ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عبداللہ بن ابی اسید کے بارے میں نازل ہوئی ان حضرات کو مشرکین نے اسلام قبول کرنے پر تکلیفیں دیں تو انہوں نے ان کے شر سے محفوظ ہونے کے لیے بعض ایسے کلمات کہہ دیئے جو مشرکین کی خواہش کے مطابق تھے پھر ان حضرات نے ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا اور استقامت کے ساتھ ایمان پر جمے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر مہربانی فرمائے گا۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت حسن اور حضرت عکرمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ہو گئے ہجرت کی اور جہادوں میں بھی حصہ لیا۔ آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے یہ اعلان عام ہے کہ کفر کے بعد جو بھی شخص ایمان قبول کرے گا اور ایمان پر ثابت قدم رہے گا دار السلام کو ہجرت کرے گا جہاد میں حصہ لے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا اسلام کی وجہ سے وہ سب معاصی ختم ہو جاتے ہیں جو زمانہ کفر میں کیے تھے: اِنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ فتنہ میں ڈالنے والے ہوں یا فتنہ میں ڈالے جانے ہوں اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرنے پر پچھلا سب کچھ معاف ہے۔ قد قرأ ابن عامر فتنوا علی صیغة الماضی المعلوم۔

اُذْكُرْ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ تُحَاجُّ عَنْ نَّفْسِهَا لَا يُهِمُّهَا غَيْرُهَا وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ جَزَاءَ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ شَيْئًا وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا وَيُبْدَلُ مِنْهُ قَرْيَةً هِيَ مَكَّةُ وَالْمُرَادُ اَهْلُهَا كَانَتْ اٰمِنَةً مِنَ الْغَارَاتِ لَا تَهَاجُ مُّطْمَئِنَّةً لَا تَحْتَاجُ اِلَى الْاِنْتِقَالِ عَنْهَا لِضِيْقٍ اَوْ خَوْفٍ يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا وَاسِعًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ بِتَكْذِيْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ فَقُحِطُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ وَالْخَوْفِ بِسَرَايَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ الْجُوْعُ وَالْخَوْفُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا

تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ اَیْ لِوَصْفِ اَلْسِنَتِكُمْ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِمَا لَمْ یُحِلَّهُ اللّٰهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهُ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط بِنِسْبَتِهٖ ذٰلِكَ اِلَیْهِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ط لَهُمْ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾ مُؤْلِمٌ وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا اَیِ الْیَهُوْدُ حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ ج فِیْ اٰیَةِ وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ اِلٰى اٰخِرِهَا وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ بِتَحْرِیْمِ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ بِارْتِكَابِ الْمَعَاصِیْ الْمُوْجِبَةِ لِذٰلِكَ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ الشِّرْكَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا

ع ۱۵ ۹ ۲۱ رَجَعُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا عَمَلَهُمْ لا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا اَیِ الْجَهَالَةِ اَوِ التَّوْبَةِ لَغَفُوْرٌ لَّهُمْ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۹﴾ بِهِمْ

ترجمہ: (اور وہ وقت یاد کیجئے) جس دن ہر شخص اپنی اپنی طرفداری میں گفتگو (حجت بازی) کرتا ہوا آئے گا (اسے کسی دوسرے کی پرواہ نہیں ہوگی یہ قیامت کا دن ہوگا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتے ہیں (اگلا جملہ بدل ہے) ایک بستی تھی (یعنی مکہ، مراد اہل مکہ ہیں) جہاں ہر طرح کا امن چین تھا (لوٹ مار نہیں تھی) اطمینان تھا (کسی تنگی یا خوف کی وجہ سے نقل مکانی کی ضرورت نہیں تھی) ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ان کو پہنچا کرتی تھیں لیکن پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا کر) اس پر اللہ نے انہیں قحط میں گھیر کر مزہ چکھا دیا (سالہا سال قحط میں مبتلا رہے) اور ان پر خوف چھا گیا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لشکرکشی کے خطرہ کی وجہ سے) ان کی حرکتوں کی پاداش میں اور پھر خود انہیں میں سے ایک رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس آ گیا مگر انھوں نے اسے جھٹلایا تب انہیں (بھوک اور خوف کے) عذاب میں پکڑا جب وہ ظالم تھے سو کھاؤ (اے ایمان والو!) اللہ نے تمہیں جو رزق عطا فرمایا ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر فی الحقیقت تم اسی کی عبادت کرتے ہو تم پر حرام کر دیا مراد، خون، خنزیر کا گوشت اور جس کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص ناجائز مجبور ہو جائے بشرطیکہ لذت کا طلبگار نہ ہو اور نہ حد سے گذر جانے والا ہو تو حق تعالیٰ بخشنے والا، رحمت والا ہے، اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارا محض جھوٹا زبانی دعویٰ ہو (تمہاری زبان پر جھوٹی بات ہو) انکی نسبت بے دھڑک یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے (حالانکہ اللہ نے نہ اسے حلال قرار دیا نہ حرام) تاکہ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ سکو (اس بات کی نسبت اللہ کی طرف کرکے) بلاشبہ جو لوگ اللہ پر افتراء پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں ہیں یہ چندروزہ عیش ہے (دنیا میں) اور انکے لئے (آخرت میں) دردناک ہے اور صرف یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان اس سے پہلے ہم آپ سے کر چکے ہیں (یہ آیت: وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ج ----) ہم نے ان پر کچھ زیادتی نہیں کی (یہ چیزیں حرام کرکے) بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے (ایسی برائیاں کیں جو اس کو حرام کرنے کا سبب بنیں) یہاں جو لوگ نادانی سے برائیوں (شرک باللہ) میں پڑ گئے پھر تائب

(رجوع) ہو گئے اس کے بعد اور ٹھیک ٹھاک کر لیا اپنا عمل تو بلاشبہ آپ کا پروردگار (نافرمانی اور توبہ کے بعد انکو) معاف کرنے والا (ان پر) رحم کرنے والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: تُحَاجُ: یہ تفسیر اس لئے کی گئی کہ عن تجادلو کا صلہ نہیں بن سکتا۔

قوله: لَا يُهِمُّهَا غَيْرُهَا: یعنی ہر ایک نفسی نفسی کہے گا دوسرے کی فکر نہ ہوگی۔

قوله: جَزَاءُ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ: اس سے اشارہ کر دیا کہ تکلیف کے پہنچ جانے کو استعارہ ذوق سے تعبیر کر دیا ہے۔

قوله: فَكُلُوا: اس سے اشارہ کیا کہ جاہلیت کی حرکات سے باز رہو کہ بحیرہ سائبہ وغیرہ بنانے لگ جاؤ۔

قوله: لِوَصْفِ اَلْسِنَتِكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ما مصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: اَلْكَذِبَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ لَا تَقُوْلُوْا کی وجہ سے منصوب ہے اور هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ یہ الکذب کا بدل ہے اور زبان کو کذب کہا گیا ہے۔ یہ وصف کذب میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

قوله: بِنِسبَةِ ذٰلِكَ: ذٰلِكَ کا مشار الیہ کذب ہے اور لما تصف یہ مطلقاً اثبات کذب کے لئے آیا ہے۔

قوله: لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ متاع مبتداء ہے اور اس کی خبر ظرف مقدر ہے۔

قوله: بِارْتِكَابِ الْمَعَاصِيْ: یعنی ان کے لئے تحریم بطور سزاء کے مقرر کی گئی ہے نہ کہ دفع مضرت کے لئے۔

تفسیر مقبولین

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا.....: جس روز ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں بات کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی' ہر شخص کو اپنے ہی بچاؤ کی فکر اور کوشش ہوگی' دوسرے کا خیال بھی نہ ہوگا۔ کافر کہے گا: اے ہمارے مالک! انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا' اے ہمارے مالک! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا۔ ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں جو معبود برحق ہے کہ ہم (خود) مشرک نہیں تھے۔ ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دے' ہم نیک عمل کریں گے۔ مؤمن کہے گا: اے رب! میں تجھ سے اپنی جان کی امان مانگتا ہوں' مجھے کافر لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر دینا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ فرمایا: ''ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچتے ہوں گے۔ جب دوزخ انسانوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی جس کی

وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھ کر عرض کرے گا: اے میرے مالک! میری جان (بچادے)۔"
بغوی نے لکھا ہے: حضرت عمر بن خطاب نے کعب احبار سے فرمایا: (کچھ آخرت کا تذکرہ کر کے) ہمارے اندر (اللہ کا) خوف پیدا کردو۔ کعب احبار نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اگر ستر پیغمبروں کے برابر عمل کر کے آپ قیامت کا دن پائیں گے تب بھی قیامت آپ پر بار بار ایسے حالات لائے گی کہ اس وقت آپ کو اپنی جان کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال ہی نہیں رہے گا۔ جہنم ایک ایسا دم کھینچے گی کہ ہر مقرب فرشتہ اور ہر برگزیدہ نبی دوزانو بیٹھ جائے گا' یہاں تک کہ حضرت ابراہیم بھی کہہ اٹھیں گے: میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان مانگتا ہوں۔ اس کی تصدیق اللہ کی بھیجی ہوئی آیت میں موجود ہے۔ ارشاد فرمایا ہے: يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔

عکرمہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں باہم جھگڑا برابر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ روح اور بدن میں بھی باہم جھگڑا ہوگا۔ روح کہے گی: اے میرے رب! نہ میرے ہاتھ تھے جن سے میں پکڑتی' نہ میرے پاؤں تھے جن سے میں چلتی' نہ میری آنکھ تھی کہ میں دیکھتی (جو کچھ بداعمالی ہے' وہ اس بدن کی ہے) بدن کہے گا: تو نے مجھے لکڑی کی طرح (بے حس' بے شعور' بے جان) پیدا کیا تھا۔ میرے ہاتھ نہ تھے کہ میں پکڑتا' میرے پاؤں نہ تھے کہ میں ان سے چلتا' نہ میری آنکھیں تھیں کہ میں ان سے دیکھتا۔ جب یہ میرے اندر نور کی شعاع کی طرح آ گئی تو میری زبان بولنے لگی' میری آنکھ بینا ہو گئی اور میرے پاؤں رواں ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ نے روح اور جسم کو اس طرح بنایا ہے جیسے ایک اندھا اور ایک اپاہج کسی کے باغ میں پہنچ گئے' باغ میں درختوں پر پھل لگے ہوئے تھے۔ اندھا تو پھلوں کو دیکھ ہی نہ سکتا تھا اور اپاہج (دیکھتا تو تھا) پھلوں تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ آخر اندھے نے اپاہج کو اپنے اوپر سوار کر لیا' اس طرح دونوں نے پھل حاصل کر لئے (اور دونوں چوری کے مجرم قرار پائے) روح اور بدن بھی دونوں اسی طرح عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا میں نفس سے مراد ذات ہے۔ عین شیء اور ذات شیء کو نفس شیء کہا جاتا ہے اور جو عین اور ذات نہ ہو' اس کو غیر کہتے ہیں۔ یعنی ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے دفاع کرے گا۔

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ کا یہ مطلب ہے کہ کسی کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا' کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً ....

ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں:

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت بالا میں کسی خاص بستی کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی مثال بیان فرمائی ہے' اور اس سے اہل مکہ کو متنبہ کرنا اور ڈرانا مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ بہت سی بستیاں ایسی گزر چکی ہیں جو امن اور اطمینان سے رہتی تھیں اس کے رہنے والوں کی زندگی خوب اچھے طریقے پر گزرتی تھی ہر جگہ سے ان کے پاس رزق پہنچتا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ نعمتوں کی ناشکری کی کفر پر جمے رہے۔ ان کے پاس جو رسول آیا اس کو جھٹلا دیا ان کی ان سب حرکتوں کی وجہ سے انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔ یہ عذاب بھوک کا بھی تھا خوف کا بھی۔ جن بستیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ان میں سے کسی

بھی بستی کا حال سامنے رکھ لو اور اس سے عبرت حاصل کرو۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "بستی" سے خود مکہ معظمہ ہی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ انہیں میں سے تھے نسب کے اعتبار سے آپ قریشی اور ہاشمی تھے۔ جن کی مکہ معظمہ میں بات چلتی تھی اور آپ مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں سے بھی تھے مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا کہ امن چین سے اطمینان سے رہتے اور زندگی گزارتے تھے۔ عرب کے قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن حرم کی وجہ سے اہل مکہ پر کوئی حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کو سورۃ عنکبوت میں یوں فرمایا ہے: (اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ) (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) اہل مکہ کے لیے کھانے پینے کی فراوانی بھی خوب تھی۔ ہر طرف سے ان کے پاس رزق آتا تھا۔ خوب کھاتے پیتے اور پہنتے تھے۔ اس کو سورۃ قصص میں یوں بیان فرمایا: (اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ) (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کی نبوت کے ماننے سے انکاری ہوئے۔ اور آپ کو طرح طرح سے ستانے اور دکھ دینے لگے۔ اور آپ کو مکہ معظمہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اللہ کے نبی کو ستایا اور اس شہر سے نکلنے پر مجبور کیا جو آپ کا وطن اصلی اور وطن عزیز تھا۔ بلکہ آپ کے اجداد حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا آباد کیا ہوا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے تب بھی اہل مکہ نے اپنی دشمنی جاری رکھی۔ آپ نے ان کے لیے بددعا کر دی اور عرب قبائل جو مسلمان ہو گئے ان سے فرما دیا کہ اہل مکہ کو غلہ نہ دیں سات سال تک بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ مردار چیزیں مرے ہوئے کتے اور جلی ہوئی ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوئے۔ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ایسا نظر آتا تھا جیسے آسمان تک دھواں ہی دھواں ہے۔ یہ ان کی بھوک کا عالم تھا اور کیونکہ اہل ایمان سے دشمنی تھی اس لیے مسلمانوں کی طرف سے خوف زدہ بھی رہتے تھے۔ اہل مکہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ صلہ رحمی والے ہیں مردوں سے دشمنی ہے عورتوں اور بچوں کو کیوں تکلیف میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں کو اجازت دے دی کہ اہل مکہ کو غلہ پہنچائیں اور خود بھی اپنے پاس سے ان کے لیے غلہ بھیجا اہل مکہ نے عمومی طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن آپ نے ان کی تکلیف کو دور کرنے کی راہ استوار فرما دی۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی کو اختیار کیا ہے آیت بالا میں (قَرْيَةً) (بستی) سے مکہ معظمہ ہی مراد ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کو بطور مثال پیش فرما کر دوسرے شہروں کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو جب نعمتوں کی ناشکری اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے اہل مکہ کا ایسا ایسا حال ہوا جو بیت اللہ کے پاس رہتے تھے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے والے تھے تو تم پر بھی عذاب آسکتا ہے کفر سے اور کفران نعمت سے توبہ کرو۔ اور ایمان لا کر اللہ کے سچے پکے بندے بن جاؤ۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نعمتوں کی ناشکری نعمتوں کے زوال کا سبب بن جاتی ہے اور سورۃ ابراہیم میں فرمایا ہے۔ (لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ) (اگر تم شکر کرو گے تو اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے۔)

فائدہ: جوع اور خوف کو لباس فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لوگ پہلے نعمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے نعمتوں نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔ اب جب بھوک کی وجہ سے دبلے ہو گئے اور ان کا حال بدل گیا رنگ متغیر ہو گیا تو گویا پہلے لباس کے بعد انہوں نے دوسرا لباس اوڑھ لیا اس لیے بھوک اور خوف کو لباس سے تعبیر فرمایا اور چونکہ اپنی خوشی سے نہیں اوڑھا تھا اس لیے فَأَذَاقَهَا اللهُ فرمایا کہ اللہ نے انہیں یہ لباس پہنا دیا۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ لباس پہنانے کو چکھانے سے کیوں تعبیر کیا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ص ۲۴۳ ج ۱۴) لکھتے ہیں کہ ان کی بدحالی کو کڑوی چیز سے تشبیہ دے کر اصابہا اور کساھا کے بجائے اذاقہا فرمایا۔ یعنی انہیں بھوک اور خوف کے ذریعہ برا مزہ چکھا دیا اپنی بدحالی کو ایسا محسوس کر رہے تھے جیسے کوئی بہت کڑوی چیز کھا رہے ہوں۔ شبه اثر الجوع والخوف وضررهما الغاشي باللباس بجامع الاحاطة والاشتمال فاستعير الله اسمه واوقع عليه الاذاقة المستعارة للاصابة واوثرت للدلالة على شدة التاثير التى تفوت لو استعملت الاصابة وبينوا العلاقة بان المدرك من اثر الضرر شبه بالمدرك من طعم المر البشع من باب استعارة محسوس لمعقول۔ (روح المعانی ص ۲۴۳ ج ۱۴)

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ....

محرمات مذکورہ میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں:

اس آیت میں لفظ انما سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام چیزیں صرف یہی چار ہیں جو آیت میں مذکور ہیں اور اس سے زیادہ صریح طور پر: قُلْ لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا .... سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے سوا کوئی چیز حرام نہیں حالانکہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق باجماع امت اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں اس اشکال کا جواب خود انہی آیات کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جگہ عام حرام وحلال کا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مشرکین جاہلیت نے جو بہت سی چیزوں کو اپنی طرف سے حرام کر لیا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرمت کا حکم نہیں دیا تھا ان کا بیان کرنا مقصود ہے کہ تمہاری حرام کردہ اشیاء میں سے اللہ کے نزدیک صرف یہی چیزیں حرام ہیں

تحریمات الٰہیہ کا ذکر و بیان:

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر صرف یہ چیزیں حرام فرمائی ہیں جن کو إِنَّمَا کے کلمہ حصر سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سو وہی حرام ہیں نہ کہ "بحرہ"، "سائبہ" وغیرہ وہ چیزیں جن کو تم لوگوں نے از خود حرام قرار دے رکھا ہے۔ سو یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی۔ کہ محرمات تو ان چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔ سو اس میں ان محرمات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کا تعلق کھانے پینے کی ان اشیاء اور مویشی جانوروں سے ہے جن کو ان لوگوں نے از خود حرام ٹھہرا رکھا تھا۔ نہ کہ تمام اشیاء سے۔ سو تحریم و تحلیل اللہ تعالیٰ ہی کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ اس نے اپنے بندوں کیلئے "طیبات" یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہرایا اور "خبائث" یعنی خبیث اور

گندی چیزوں کو حرام قرار دے دیا۔ اور وہی جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے لئے طیب اور پاکیزہ چیزیں کیا ہیں اور ناپاک اور خبیث کیا۔ اس کے سوا یہ شان اور کسی میں بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تحلیل و تحریم اسی کا حق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

غیر اللہ کی طرف منسوب چیز کی حرمت کا ذکر و بیان:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور ہر چیز جس پر نام لیا گیا ہو اللہ کے سوا کسی اور کا اس کے تقرب کی نیت سے۔ خواہ اس کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو یا کسی اور کا۔ کیونکہ وہ چیز غیر اللہ کے لئے نامزد کر دینے کے باعث حرام قرار پا گئی۔ پس اہل بدعت جو اس کے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس طرح وہ اپنی شرکیات کیلئے جو چور دروازہ نکالنا چاہتے ہیں وہ سب باطل و مردود ہے۔ کہ یہاں نص قرآنی میں اُھِلَّ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا معنی باتفاق اہل لغت رفع الصوت ہے۔ یعنی آواز اٹھانا اور نامزد کرنا نہ کہ ذبح کرنا۔ اور جن حضرات مفسرین نے اس موقع پر ذبح کا ذکر فرمایا ہے تو وہ محض ایک کثیر الوقوع صورت کے ذکر کے طور پر کیا ہے نہ کہ حصر کیلئے۔ نیز اس لیے کہ اس کی حرمت اتفاقی اور اجماعی ہے۔ ورنہ (اھل) کا اصل معنی ذبح ہے ہی نہیں۔ بہر کیف جس چیز کو غیر اللہ کے تقرب کیلئے مخصوص کیا گیا اور اس پر اسی کا نام لیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔ اور اس کی شدت حرمت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہاں پر اس کا ذکر خنزیر کے گوشت پر معطوف کر کے فرمایا گیا ہے۔ مفسر احمد مصطفیٰ مراغی مرحوم اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ غیر اللہ سے مراد عام ہے خواہ کوئی جن ہو یا انسان۔ جیسے کوئی نبی یا ولی۔ زندہ ہو یا مردہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کسی کی طرف بھی اس کو منسوب کیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: ((ملعون من ذبح لغیر اللہ)) یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر کے کسی چیز کو ذبح کیا وہ ملعون یعنی لعنتی ہے۔ خواہ ایسے شخص نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ سو جس سے سید بدوی یا ابراہیم دسوقی یا سیدہ زینب وغیرہ کسی بھی نام سے کوئی جانور ذبح کیا وہ حرام ہے۔ اس کا کھانا جائز نہیں۔

(تفسیر المراغی جلد ۱۴ صفحہ ۱۵۳ طبع بیروت لبنان)

مضطر کیلئے اکل حرام کی مشروط اجازت:

سو (غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ) کی ان دو قیدوں سے واضح فرما دیا گیا کہ نہ تو حرام کو لذت و شوق کی بناء پر کھائے اور نہ حد ضرورت سے زیادہ۔ بلکہ اس قدر کھائے جس سے اس کی جان بچ سکتی ہو اور بس۔ مثلاً ایک لقمے سے جان بچ سکتی ہو تو دوسرا نہ کھائے وغیرہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو مضطر و لاچار شخص بقدر ضرورت اور بمقدار سد رمق کھا سکتا ہے اور بس اور اس سے زیادہ اس کے لئے جائز نہیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً اِمَامًا قُدْوَةً جَامِعًا لِخِصَالِ الْخَیْرِ قَانِتًا مُطِیْعًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا مَائِلًا اِلَی الدِّیْنِ الْقَیِّمِ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰهُ اصْطَفَاهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۲۱﴾ فِیْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ وَ اٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً هِیَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِیْ كُلِّ اَهْلِ الْاَدْیَانِ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

اَلَّذِيْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ يَامُحَمَّدُ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ دِيْنَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٢٣ كَرَّرَ رَدًّا عَلٰى زَعْمِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اَنَّهُمْ عَلٰى دِيْنِهٖ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ فَرَضَ تَعْظِيْمَهٗ عَلَى
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ عَلٰى نَبِيِّهِمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ اُمِرُوْا اَنْ يَّتَفَرَّغُوْا لِلْعِبَادَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالُوْا لَا نُرِيْدُهٗ وَاخْتَارُوا
السَّبْتَ فَشُدِّدَ عَلَيْهِمْ فِيْهِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝١٢٤ مِنْ اَمْرِهٖ بِاَنْ يُّثِيْبَ
الطَّائِعَ وَيُعَذِّبَ الْعَاصِيَ بِانْتِهَاكِ حُرْمَتِهٖ اُدْعُ النَّاسَ يَامُحَمَّدُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ دِيْنِهٖ بِالْحِكْمَةِ بِالْقُرْاٰنِ وَ
الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ مَوَاعِظِهٖ اَوِ الْقَوْلِ الرَّفِيْقِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ اَيْ بِالْمُجَادَلَةِ الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ كَالدُّعَاءِ اِلَى
اللّٰهِ بِاٰيَاتِهٖ وَالدُّعَاءِ اِلٰى حُجَجِهٖ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اَيْ عَالِمٌ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝١٢٥
فَيُجَازِيْهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَنَزَلَ لَمَّا قُتِلَ حَمْزَةُ وَمُثِّلَ بِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَاٰهُ
لَاُمَثِّلَنَّ بِسَبْعِيْنَ مِنْهُمْ مَكَانَكَ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ عَنِ الْاِنْتِقَامِ لَهُوَ
اَيِ الصَّبْرُ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝١٢٦ فَكَفَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَّرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ
اِلَّا بِاللّٰهِ بِتَوْفِيْقِهٖ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اَيِ الْكُفَّارِ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا لِحِرْصِكَ عَلٰى اِيْمَانِهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُوْنَ ۝١٢٧ اَيْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ فَاَنَا نَاصِرُكَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِيَ وَّالَّذِيْنَ هُمْ
ع ١٦/٩/٢٢ مُّحْسِنُوْنَ ۝١٢٨ بِالطَّاعَةِ وَالصَّبْرِ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ

ترجمہ: بیشک ابراہیم بڑے مقتدا تھے (راہ دکھانے والے، نمونہ عمل، عمدہ خصلتوں کے جامع تھے) اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک طرف (مضبوط دین کی طرف جھکاؤ رکھنے والے ہو رہے تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکرگذار تھے اللہ نے ان کو چن لیا تھا (منتخب کر لیا تھا) اور ان کو سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا اور ہم نے ان کو (صیغۂ غائب سے التفات) دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں (جملہ ادیان کے پیروکاروں میں نیک نامی) اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے (کہ جن کے لئے بلند مراتب ہیں) پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی (اے محمدؐ) کہ آپ ابراہیمؑ کے طریقہ (دین ابراہیمی) پر جو کہ بالکل ایک کی طرف ہو رہے تھے چلئے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے (اس جملہ کو یہود و نصاریٰ پر رد کرنے کے لئے مکرر لائے جن کا گمان تھا وہ دین ابراہیم پر ہیں) بس ہفتہ کی تعظیم انہیں لوگوں پر فرض کی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا (اپنے نبی سے، مراد یہود ہیں جن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کی عبادت کے لئے خود کو فارغ کر لیں، یہودی بولے کہ جمعہ کو ہم نہیں چاہتے، اور ہفتہ کے دن کو انھوں نے منتخب کر لیا (اس دن ان پر سختی کی

گئی) بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں باہم فیصلہ کردے گا جس بات میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے (اس کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اطاعت گذار کو ثواب اور گنہگار کو عذاب دے گا اس کی حرمت کے حکم کو پامال کرنے کی پاداش ہیں) آپؐ (اے محمدؐ) اپنے پروردگار کی راہ (دین اسلام) کی طرف (لوگوں کو) بلایئے حکمت (قرآن کریم) اور اچھی نصیحت (وعظ یا دلوں کو نرم کرنے والی بات) کے ذریعہ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (جیسے اللہ کی آیتوں کے ذریعہ اس کی طرف دعوت اور اس کی دلیلوں کی طرف دعوت) تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستے سے گم ہو گیا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے (پس وہ ان کو بدلہ دے گا یہ آیت جہاد کے حکم سے پہلے کی ہے اور جب حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور ان کو مثلہ کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ کفار میں سے ستر آدمیوں کو آپ کے بدلہ میں مثلہ کروں گا) اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر صبر کرو (انتقام نہ لے کر) تو وہ (صبر کرنا) صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے (نبی کریم ﷺ رک گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا مسند بزار نے اس روایت کو نقل کیا) اور صبر کیجئے آپ کا صبر کرنا خدا ہی کی توفیق خاص سے ہے اور ان لوگوں پر غم نہ کیجئے (یعنی کفار پر اگر وہ ایمان نہ لائیں، کیونکہ آپؐ ان کے ایمان کے بے حد خواہشمند ہیں اور تنگ دِل نہ ہوں ان تدبیروں سے جو یہ کیا کرتے ہیں (یعنی ان کی تدبیروں پر غم نہ کیجیے میں ان پر آپ کو غالب رکھنے والا ہوں) اللہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیز کرتے ہیں (کفر اور گناہوں سے) اور نیکی کرتے ہیں (اطاعت اور صبر کرکے۔ اللہ کے ساتھ ہونے کا مطلب اس کی مدد اور نصرت کرنا ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: جَامِعًا: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں امت کا لفظ جامع کے معنی میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام تمام صفات خیر کے جامع تھے جو ایک شخص میں پائی جانی مشکل ہیں۔

قوله: إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں وہ سیدھی راہ پر تھے۔

قوله: فَرَضَ: اس سے اشارہ کیا کہ جعل یہاں فرض کے معنی میں ہے۔

قوله: تَعْظِيمَهٗ: یہ مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: بِالْحِكْمَةِ: یعنی امت کے خاص لوگوں کو جو حق کے طلبگار ہوں ان کو دین کے اسرار سکھانے والے۔

قوله: الْقَوْلِ الرَّفِيقِ: اس سے مراد رغبت اور ڈر اور انذار و بشارت سے ملی ہوئی بات۔

قوله: بِالْمُجَادَلَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ موصول کی تانیث وہ موصوف کی تانیث کی وجہ سے ہے اور وہ مجادلۃ ہے یہ نہیں کہ وہ طریقہ کی صفت ہے۔

قوله: عَالِمٌ: یہ معنی کرکے اشارہ کیا کہ اعلم اسم تفضیل فاعل کے معنی میں ہے۔

قوله: وَاصْبِرْ: اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کو صراحت کے ساتھ صبر کی تلقین کی گئی کیونکہ سب سے زیادہ آپ اس کے حقدار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے متعلق علم وثوق میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔

قوله: لَا تَهْتَمَّ: اس میں ملزوم کا ذکر کر کے مطلقا لازم کا ارادہ کیا ہے۔

قوله: بِالطَّاعَةِ: اس سے اسارہ کیا کہ اخلاص اطاعت کے ساتھ ضروری ہے۔

قوله: بِالْعَوْنِ: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ کی معیشت کے ساتھ مراد عون ونصرت کی معاونت ہے۔ ذات وجسمیت کی نہیں۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۟ۙ

ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے اتباع کا حکم:

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں توحید کی دعوت دینے اور شرک کی تردید کرنے کی وجہ سے انہیں آگ تک میں ڈالا گیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو نواز دیا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کر دیا، ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں) اللہ تعالیٰ نے انہیں جن کلمات یعنی جن احکام کا حکم دیا انہیں پورا کیا اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور ان کی شریعت کا اتباع کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جیسا کہ آیت بالا میں مذکور ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد تشریف لانے والے انبیاء کرام علیہم السلام سب ان کی شریعت کا اتباع کرنے والے تھے اور ان کی امتیں اپنے نبیوں کا اتباع کرتی تھیں اس لیے ابراہیم علیہ السلام اپنے بعد کے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے امام اور مقتدیٰ ہو گئے ان کو آیت بالا میں مقتدیٰ اور سورۃ بقرہ میں لوگوں کا امام بتایا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت توحید ہی توحید ہے اور فرمانبرداری ہی فرمانبرداری ہے اس لیے سورۃ بقرہ میں اس شخص کو بیوقوف بتایا جو ملت ابراہیمی سے ہٹے، ارشاد ہے: (وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) (اور ملت ابراہیمی سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کر لیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں جب فرمایا ان کے رب نے فرمایا فرمانبردار ہو جاؤ، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العلمین کا فرمانبردار ہوں۔)

ملت ابراہیمی اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے داعی ہیں، جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک، بت پرست، بے حیا، بے شرم، بداخلاق، بداعمال، دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں، اور جس قدر بھی دنیا میں قبائح اور برے کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیمی سے ہٹے ہوئے ہیں گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں

دوسرے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ حماقت ہی سے ہوتا ہے۔

حج کرنا اور حج میں صفا مروہ کی سعی کرنا منیٰ میں قربانیاں کرنا، اور عیدالاضحیٰ میں پورے عالم میں قربانیاں ہونا، اور ختنہ کرنا یہ سب ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں سے ہیں جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں آئی ہیں۔

آیت بالا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قانت بھی بتایا ہے، یہ کلمہ لفظ ''قنوت'' سے ماخوذ ہے جو فرمانبرداری اور عبادت گزاری کے معنی میں آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانبردار بھی تھے اور عبادت گزار بھی، سورۃ آل عمران نے فرمایا: (مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ حنیف تھے اور فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن مجید میں ''حنیف'' فرمایا ہے۔ اس کا مادہ ح۔ ن۔ ف ہے امام راغب لکھتے ہیں: الحنف هو الميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو المائل الى ذلك (ص ١٣٣) یعنی حنف یہ ہے کہ گمراہی سے ہٹتے ہوئے حق پر استقامت ہو، اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے تفسیر در منثور ص ١٤٠ ج ١ میں مسند احمد اور الادب المفرد (للبخاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو کونسا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: الحنفية السمعة یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہے۔ (اس سے دین اسلام مراد ہے۔)

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ مشرک بھی ہیں، قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ سورۃ بقرہ میں اور سورۃ آل عمران میں فرمایا: (وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) اور یہاں سورۃ نحل میں (وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) بھی فرمایا اور (وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) بھی فرمایا، مشرکین مکہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا انتساب رکھتے تھے اس میں ان کی بھی تردید ہے کہ تم مشرک ہو اور وہ موحد تھے تمہارا ان کا کیا جوڑ ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے (شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ) بھی فرمایا یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر عام و خاص سب ہی بندے کرتے ہیں خلیل اللہؑ بدرجہ اولیٰ شکر گزار تھے اس میں اہل مکہ کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو تمہیں نعمتوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے، تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے مکہ بسایا ہے اور مکہ میں بسنے والوں کے لیے ہر طرح کے پھلوں کے لیے دعا کی موحد تھے تم بھی موحد ہو جاؤ۔ شرک چھوڑو، تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نعمتوں کے شکر گزار بھی تھے، تم نعمتوں کی قدردانی بھی نہیں کرتے (ناشکری کا وبال بھوک اور خوف کی صورت میں بھگت چکے ہو اور اب ناشکری چھوڑ و اور ایمان قبول کرو۔)

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ....

ہفتہ کے دن کی تعظیم یہودیوں پر لازم تھی:

دنیا میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور آخرت میں جو ان کا مرتبہ ہوگا اس کا ذکر کرنے کے بعد اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ فرمایا سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ سنیچر

کے دن کی تعظیم کریں اس دن انہیں مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت تھی، انہوں نے خلاف ورزی کی اور مچھلیوں کا شکار کیا اور کچھ حیلے تراش لیے جس پر وہ بندر بنا دیئے گئے جس کا ذکر سورۃ بقرہ (رکوع آٹھ میں) اور سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔ یہودیوں پر یہ جہالت سوار تھی کہ وہ جس دین پر چلتے تھے اس کو ابراہیم علیہ السلام کا دین بتا دیتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں ان کے بارے میں کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں، اللہ جل شانہ نے انکی تردید فرمائی کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کا جو یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نہ تھا انکے بعد یہودیوں پر جیسے بعض چیزیں حرام کردی گئی تھیں اسی طرح سنیچر کی تعظیم کا حکم بھی دیا گیا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب نہ کرو۔ (قال صاحب الروح ص ۲۵۲ ج ۱۴ فان الیھود کانوا یزعمون ان السبت من شعائر السلام وان ابراھیم علیہ السلام کان محافظا علیہ ای لیس السبت من شرائع ابراھیم شعائر ملتہ علیہ السلام التی امرت باتباعھا حتی یکون بینہ وبین بعض المشرکین علاقۃ فی الجملۃ)

اَلَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا کے بارے میں صاحب معالم التنزیل حضرت قتادہ سے نقل کرتے ہیں۔ ھم الیھود استحلوا بعضھم وحرمہ بعضھم (یعنی یہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے جب ان کو سنیچر کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا تو ان میں سے بعض لوگوں نے اس کی تحریم کی خلاف ورزی کی اور بعض لوگوں نے حکم کے مطابق عمل کر کے اس کو باقی رکھا۔)

یہ تفسیر زیادہ اقرب ہے جو سورۃ اعراف کی تصریح کے مطابق ہے وہاں بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے سنیچر کے دن کی بے حرمتی کی اور مچھلیاں پکڑیں اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے۔

جمعہ کا دن آخر الانبیاء ﷺ کی امت کے لیے رکھا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ دن اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور یوم الفطر کے دن سے بھی بڑا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص۔۱۲۰) اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ جو بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹) اس دن میں اجتماع بھی رکھا گیا ہے خطبہ بھی ہے نماز جمعہ بھی ہے جمعہ میں حاضر ہونے کی بڑی بڑی فضیلتیں اور جمعہ چھوڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں احادیث شریف میں مذکور ہیں، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے (ہمارے فیصلے بھی جلدی ہوں گے اور جنت میں داخلہ بھی پہلی امتوں سے پہلے ہوگا) ہاں اتنی بات ہے کہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر یہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا انہوں نے اس میں اختلاف کیا پھر اللہ نے ہمیں راہ بتادی۔ (یعنی ہمارے لیے یوم جمعہ مقرر فرما دیا) سو لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں یہود نے کل کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے پرسوں کا دن لے لیا (صحیح بخاری ص۔۱۲۰ ج۱۶) یہ جو فرمایا کہ اہل کتاب پر یہ دن فرض کیا گیا تھا حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کے نبیوں کے ذریعہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک دن اپنی سمجھ سے متعین کرلیں لہٰذا یہودیوں نے سنیچر کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن لے لیا ان کے دونوں دن بعد میں آتے ہیں پہلے ہمارا دن آتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ وہ ہمارے تابع ہیں اپنے اپنے وقت میں جو یہود و نصاریٰ مسلمان تھے اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے اب تو سب کافر ہی ہیں۔ پھر فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ .... (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ فرما

دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے) یہودیوں پر سنیچر کی تعظیم لازمی کی گئی تھی اور ان پر اس دن شکار کرنا حرام کردیا گیا تھا، وہ اس میں مختلف رہے بعض شکار کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس طرح فیصلہ فرمادے گا کہ حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب عطا فرمائے گا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرمادے گا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ ....

اوپر کی آیتوں میں مخاطبین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لے کر آئے ہیں، اگر کامیابی چاہتے ہو اور حنیف ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ .... سے خود پیغمبر ﷺ کو تعلیم دی جارہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیے، اس کے تین طریقے بتلائے۔ حکمت، موعظت، حسنہ، جدال بالتی ہی احسن حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کیے جائیں ۔جن کو سن کر فہم وادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے۔ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑجائیں اور کسی قسم کی علمی ودماغی ترقیات وحی الٰہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کرسکیں۔ موعظت حسنہ موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت وحسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے، بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہوجاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑجاتی ہیں۔ ایک مایوس و پژمردہ قوم جھرجھری لے کر کھڑی ہوجاتی ہے، لوگ ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں۔ اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی وفہیم نہیں ہوتے، مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں، ان میں موثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ ونصیحت سنتے ہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث ومناظرہ کا بازار گرم ہو۔ بعض اوقات اہل فہم وانصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لیے وَجَادِلْهُم بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فرمادیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو، خواہی نخواہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے، مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہیے۔ خشونت، بداخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ....

داعی حق کو کوئی ایذاء پہونچائے تو بدلہ لینا بھی جائز ہے مگر صبر بہتر ہے:

اس کے بعد کی تین آیتوں میں داعیان حق کے لئے ایک اور اہم ہدایت ہے وہ یہ کہ بعض اوقات ایسے سخت دل جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ ان کو کتنی ہی نرمی اور خیرخواہی سے بات سمجھائی جائے وہ اس پر بھی مشتعل ہوجاتے ہیں زبان درازی کرکے ایذاء پہونچاتے ہیں اور بعض اوقات اس سے بھی تجاوز کرکے ان کو جسمانی تکلیف پہونچانے بلکہ قتل تک سے بھی گریز نہیں کرتے ایسے حالات میں دعوت حق دینے والوں کو کیا کرنا چاہیے۔

اس کیلئے وَاِنْ عَاقَبْتُمْ .... میں ایک تو ان حضرات کو قانونی حق دیا گیا کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ کو بھی اس سے بدلہ لینا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ بدلہ لینے میں مقدار ظلم سے تجاوز نہ ہو جتنا ظلم اس نے کیا ہے اتنا ہی بدلہ لیا جائے اس میں زیادتی نہ ہونے پائے اور آخر آیت میں مشورہ دیا کہ اگرچہ آپ کو انتقام لینے کا حق ہے لیکن صبر کریں اور انتقام نہ لیں تو یہ بہتر ہے۔

آیات مذکورہ کا شان نزول اور رسول کریم ﷺ وصحابہ کی طرف سے تعمیل حکم:

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے غزوہ احد میں ستر صحابہ کی شہادت اور حضرت حمزہؓ کو قتل کر کے مثلہ کرنے کے واقعہ میں نازل ہوئی صحیح بخاری کی روایت اسی کے مطابق ہے دارقطنی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ:

غزوہ احد میں جب مشرکین لوٹ گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ستر اکابر کی لاشیں سامنے آئیں جن میں آنحضرت محمد ﷺ کے عم محترم حضرت حمزہؓ بھی تھے چونکہ مشرکین کو ان پر بڑا غیظ تھا اس لئے ان کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش پر اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ ان کی ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹے گئے پیٹ چاک کیا گیا رسول کریم ﷺ کو اس منظر سے سخت صدمہ پہنچا اور آپ نے فرمایا کہ میں حمزہ کے بدلے میں مشرکین کے ستر آدمیوں کا اسی طرح مثلہ کروں گا جیسا انہوں نے حمزہ کو کیا ہے اس واقعہ میں یہ تین آیات نازل ہوئیں: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ .... (تفسیر قرطبی) بعض روایات میں ہے کہ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ بھی ان ظالموں نے اسی طرح کا معاملہ مثلہ کرنے کا کیا تھا۔

(کما رواہ الترمذی واحمد وابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہما عن ابی بن کعب)

اس میں چونکہ رسول کریم ﷺ نے فرط غم میں بلا لحاظ تعداد ان صحابہ کے بدلے میں ستر مشرکین کے مثلہ کرنے کا عزم فرمایا تھا جو اللہ کے نزدیک اس اصول عدل ومساوات کے مطابق نہ تھا جس کو آپ کے ذریعے دنیا میں قائم کرنا منظور تھا اس لئے ایک تو اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ بدلہ لینے کا حق تو ہے مگر اسی مقدار اور پیمانہ پر جس مقدار کا ظلم ہے بلا لحاظ تعداد چند کا بدلہ ستر سے لینا درست نہیں دوسرے آپ کو مکارم اخلاق کا نمونہ بنانا مقصود تھا اس لئے یہ نصیحت کی گئی کہ برابر سرابر بدلہ لینے کی اگرچہ اجازت ہے مگر وہ بھی چھوڑ دو اور مجرموں پر احسان کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اب ہم صبر ہی کریں گے کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لیں گے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا (مظہری عن البغوی) فتح مکہ کے موقع پر جب یہ تمام مشرکین مغلوب ہو کر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قبضہ میں تھے یہ موقع تھا کہ اپنا وہ عزم وارادہ پورا کر لیتے جو غزوہ احد کے وقت کیا تھا مگر آیات مذکورہ کے نزول کے وقت ہی رسول کریم ﷺ اپنے ارادے کو چھوڑ کر صبر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے فتح مکہ کے وقت ان آیات کے مطابق صبر کا عمل اختیار کیا گیا شاید اسی بنا پر بعض روایات میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی تھیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ان آیات کا نزول مکرر ہوا ہو اول غزوہ احد میں نازل ہوئیں اور پھر فتح مکہ کے وقت دوبارہ نازل ہوئیں۔

(کما حکاہ المظہری عن ابن الحصار)

مسئلہ: اس آیت نے بدلہ لینے میں مساوات کا قانون بتایا ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے اس کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جائے گا جو زخمی کر دے تو اتنا ہی زخم اس کرنے والے کو لگایا جائے گا جو کسی ہاتھ یا پاؤں کاٹے

پھر قتل کر دے۔

البتہ اگر کسی نے پتھر مار کر کسی کو قتل کیا یا تیروں سے زخمی کر کے قتل کیا تو اس میں نوعیت قتل کی صحیح مقدار متعین نہیں کی جاسکتی کہ کتنی ضربوں سے یہ قتل واقع ہوا ہے اور مقتول کو کتنی تکلیف پہنچی ہے اس معاملہ میں حقیقی مساوات کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اس لئے اس کو تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا۔ (جصاص)

مسئلہ: آیت کا نزول اگرچہ جسمانی تکالیف اور جسمانی نقصان پہنچانے کے متعلق ہوا ہے مگر الفاظ عام ہیں جس میں مالی نقصان پہنچانا بھی داخل ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی سے اس کا مال غصب کرے تو اس کو بھی حق حاصل ہے کہ حق کے مطابق اس سے مال چھین لے یا یا چوری کر کے لے لے بشرطیکہ جو مال لیا ہے وہ اپنے حق کی جنس سے ہو مثلاً نقد روپیہ لیا ہے تو اس کے بدلے میں اتنا ہی نقد روپیہ اس سے غصب یا چوری کے ذریعے لے سکتا ہے غلّہ کپڑا وغیرہ لیا ہے تو اسی طرح کا غلّہ کپڑا لے سکتا ہے مگر اس جنس کے بدلے میں دوسری جنس نہیں لے سکتا مثلاً روپے کے بدلے میں کپڑا یا کوئی دوسری استعمالی چیز زبردستی نہیں لے سکتا اور بعض فقہا نے مطلقاً اجازت دی ہے خواہ جنس حق سے ہو یا کسی دوسری جنس سے اس مسئلہ کی کچھ تفصیل قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے اور تفصیلی بحث کتب فقہ میں مذکور ہے۔

آیت: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ میں عام قانون مذکور تھا جس میں سب مسلمانوں کے لئے برابر کا بدلہ لینا جائز مگر صبر کرنا افضل و بہتر بتلایا گیا ہے اس کے بعد کی آیت میں نبی کریم ﷺ کو خصوصی خطاب فرما کر صبر کرنے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے کیونکہ آپ کی شان عظیم اور منصب بلند کے لئے دوسروں کی نسبت سے وہی زیادہ موزوں و مناسب ہے اس لئے فرمایا: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی آپ تو انتقام کا ارادہ ہی نہ کریں صبر ہی کو اختیار کریں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کا صبر اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہوگا یعنی صبر کرنا آپ کے لئے آسان کر دیا جائے گا۔

سورۃ بنی اسرآئیل

سُورَةُ بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۱۷ مَكِّيَّةٌ ۵۰ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۱۱۱ — رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

سورۂ بنی اسرائیل مکہ میں اتری ۔ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔ اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں اور بارہ رکوع

سُبْحٰنَ تَنْزِيْهُ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ مُحَمَّدٍ لَيْلًا نَصَبٌ عَلَى الظَّرْفِ وَالْاِسْرَاءُ سَيْرُ اللَّيْلِ وَ فَائِدَةُ ذِكْرِهِ الْاِشَارَةُ بِتَنْكِيْرِهٖ اِلٰى تَقْلِيْلِ مُدَّتِهٖ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَيْ مَكَّةَ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِبُعْدِهٖ مِنْهُ الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ بِالثِّمَارِ وَالْاَنْهَارِ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَائِبِ قُدْرَتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝ اَيِ الْعَالِمُ بِاَقْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَفْعَالِهٖ فَاَنْعَمَ عَلَيْهِ بِالْاِسْرَاءِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى اجْتِمَاعِهٖ بِالْاَنْبِيَاءِ وَعُرُوْجِهٖ اِلَى السَّمَاءِ وَرُؤْيَتِهٖ عَجَائِبَ الْمَلَكُوْتِ وَمُنَاجَاتِهٖ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُتِيْتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ اَبْيَضُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ يَضَعُ حَافِرَهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ فَرَكِبْتُهٗ فَسَارَ بِيْ حَتّٰى اَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَرَبَطْتُ الدَّابَّةَ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ يَرْبِطُ فِيْهَا الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ دَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَنِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّاِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ قَالَ ثُمَّ عَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ لَهٗ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاٰدَمَ فَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَا لِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ يَحْيٰى وَعِيْسٰى فَرَحَّبَا بِيْ وَدَعَوَا لِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِيُوْسُفَ وَاِذَا هُوَ قَدْ اُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَا لِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ وَ

مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِيْلَ وَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِدْرِيْسَ فَرَحَّبَ بِيْ وَ دَعَالِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِيْلَ وَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِهَارُوْنَ فَرَحَّبَ بِيْ وَ دَعَالِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرِيْلُ قِيْلَ وَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰى فَرَحَّبَ بِيْ وَ دَعَالِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ وَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِيْمَ فَاِذَا هُوَ مُسْتَنِدٌ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ يَدْخُلُهٗ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ اِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا وَرَقُهَا كَاٰذَانِ الْفِيَلَةِ وَاِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَهَا تَغَيَّرَتْ فَمَا اَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَصِفَهَا مِنْ حُسْنِهَا قَالَ فَاَوْحٰى اِلَيَّ مَا اَوْحٰى وَ فَرَضَ عَلَيَّ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَمْسِيْنَ صَلَاةً فَنَزَلْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلَى مُوْسٰى فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ خَمْسِيْنَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ وَاِنِّيْ قَدْ بَلَوْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَ خَبَرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ اَيْ رَبِّ خَفِّفْ عَنْ اُمَّتِيْ فَحَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى قَالَ مَا فَعَلْتَ قُلْتُ قَدْ حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّيْ وَ بَيْنَ مُوْسٰى وَ يَحُطُّ عَنِّيْ خَمْسًا خَمْسًا حَتّٰى قَالَ يَا مُحَمَّدُ هِيَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بِكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ فَتِلْكَ خَمْسُوْنَ صَلَاةً وَ مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرًا وَ مَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَاحِدَةً فَنَزَلْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْاَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَرَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ تعالى **وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** لِ **اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝** يُفَوِّضُوْنَ اِلَيْهِ اَمْرَهُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ تَتَّخِذُوْا بِالْفَوْقَانِيَّةِ

[illegible] ٦١٦ [illegible]

وكيلا [illegible] وأن زائدة والقول مضمر يا ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ في السفينة إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا كثير

الشكر لنا حامدا في جميع أحواله وَقَضَيْنَا أوحينا إِلَى بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ التوراة لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ

أرض الشام بالمعاصي مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا۝ تبغون بغيا عظيما فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُوْلٰىهُمَا أولى مرتي

الفساد بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ أصحاب قوة في الحرب والبطش فَجَاسُوْا ترددوا

لطلبكم خِلٰلَ الدِّيَارِ وسط دياركم ليقتلوكم ويسبوكم وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا۝ وقد أفسدوا الأولى

بقتل زكريا فبعث عليهم جالوت وجنوده فقتلوهم وسبوا أولادهم وخربوا بيت المقدس ثُمَّ رَدَدْنَا

لَكُمُ الْكَرَّةَ الدولة والغلبة عَلَيْهِمْ بعد مائة سنة بقتل جالوت وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ

نَفِيْرًا۝ عشيرة وقلنا إِنْ أَحْسَنْتُمْ بالطاعة أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ لأن ثوابه لها وَإِنْ أَسَأْتُمْ بالفساد فَلَهَا

إساءتكم فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ المرة الْاٰخِرَةِ بعثناهم لِيَسُوْٓءُوْا وُجُوْهَكُمْ يحزنوكم بالقتل والسبي حزنا يظهر في

وجوهكم وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ بيت المقدس فيخربوه كَمَا دَخَلُوْهُ وخربوه أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا يهلكوا مَا

عَلَوْا غلبوا عليه تَتْبِيْرًا۝ إهلاكا وقد أفسدوا ثانيا بقتل يحيى فبعث عليهم بخت نصر فقتل منهم

ألوفا وسبى ذريتهم وخرب بيت المقدس وقلنا في الكتاب عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَّرْحَمَكُمْ بعد المرة الثانية إن

تبتم وَإِنْ عُدْتُّمْ إلى الفساد عُدْنَا إلى العقوبة وقد عادوا بتكذيب محمد صلى الله عليه وسلم فسلط

عليهم بقتل قريظة ونفي النضير وضرب الجزية عليهم وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا۝ محبسا و

سجنا إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ أي للطريقة التي هِيَ أَقْوَمُ أعدل وأصوب وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا۝ وَ يخبر أَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ أَعْتَدْنَا أعددنا لَهُمْ عَذَابًا

ع أَلِيْمًا۝ مؤلما هو النار

ترجمہ: وہ ذات پاک ہے (اس کے لیے پاکی ثابت ہے) جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو لے گیا راتوں رات (لَيْلًا
مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اَسْرٰی کے معنی رات کو چلنے کے ہیں لَيْلًا کو نکرہ لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے کم
سے کم مدت کی طرف اشارہ ہوتا ہے) مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) (مسجد حرام بیت المقدس کے دور
ہونے کی وجہ سے) جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے (پھلوں اور نہروں سے) تاکہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے
نمونے (عجائب قدرت) وہی ہے سننے والا دیکھنے والا (یعنی آنحضور ﷺ کے اقوال و افعال کو جاننے والے ہیں، سو اللہ نے

ان پر اسراء کے ذریعہ انعام فرمایا کہ جس میں آپ کی انبیاء سے ملاقات ہوئی، معراج آسمانی کا واقعہ پیش آیا عجائب ملکوت کا مشاہدہ ہوا اور حق تعالیٰ سے ملاقات ومناجات کی سعادت نصیب ہوئی، خود نبی کریم ﷺ نے واقعہ اسراء کو یوں بیان فرمایا کہ میرے پاس براق لایا گیا جو ایک سفید رنگ کا جانور تھا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا جس کا کھر تا حد نگاہ جاتا تھا چنانچہ میں اس پر سوار ہوا اور وہ براق مجھے لے کر چل پڑا یہاں تک کہ میں بیت المقدس آیا، اور اس میں دو رکعت نماز ادا کی پھر باہر آیا جبرئیل علیہ السلام نے دو برتن پیش کیے جن میں سے ایک میں شراب تھی دوسرے میں دودھ میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبرئیل بولے کہ آپ نے صحیح فطرت کو اختیار کیا فرمایا کہ پھر مجھے آسمان دنیا پر لے گئے اور جبرئیل نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا تو آسمان سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا جبرئیل! پوچھا گیا تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں دریافت کیا گیا کہ تمہیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب ملا ہاں بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا تو حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی تو مجھے سلام کیا پھر مجھے دعاء خیر دی پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں بھی جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو اسی طرح پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا کہ جبریل! پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ پوچھا گیا کہ آپ کو ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں جبرئیل دروازہ کھولا گیا تو دونوں خالہ زاد بھائی یحییٰ وعیسیٰ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور مجھے دعاء خیر دی پھر مجھے تیسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں بھی جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا کہ جبرئیل! دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ محمدؐ! پوچھا گیا کہ آپ کو ان کے پاس بھیجا گیا تھا جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا چنانچہ دروازہ کھلا تو یوسفؑ سے ملاقات ہوئی دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ انہیں ساری دنیا کے حسن کا ایک حصہ ملا ہے انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی پھر مجھے چوتھے آسمان پر لے جایا گیا اور جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ جبرئیل ہوں! سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں پوچھا گیا کہ آپ کو ان کے بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا تھا' چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا تو ادریسؑ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی اس کے بعد مجھے پانچویں آسمان پر لے جایا گیا جبرئیل نے دروازہ کھلوایا پوچھا کہ آپ کو ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا تھا چنانچہ دروازہ کھلا تو ہارون سے ملاقات ہوئی انہوں نے خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی، اس کے بعد مجھے چھٹے آسمان پر پہنچایا گیا اور جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا کہ جبرئیل! سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ! دریافت کیا گیا کہ آپ کو ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں! چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا وہاں موسیٰ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعاء خیر دی اس کے بعد مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا اور جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرئیل ہوں، دریافت کیا گیا کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں سوال کیا گیا کہ ان کے پاس آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا تھا! چنانچہ دروازہ کھلا تو ابراہیم سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں جن کو دوبارہ حاضری کی نوبت نہیں آتی ہے اس کے بعد مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کے مانند اور اس کے پھل مٹکوں کے برابر تھے پیغامات الٰہی جب اس مقام پر چھا گئے تو جو کیفیت اس کی خوبصورتی کی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے ارشاد نبوی ہے کہ پھر

جو کچھ وحی آنی تھی وہ مجھ پر آئی اور روزانہ کے لیے پچاس نمازیں فرض ہوئیں غرضیکہ واپسی پر جب موسیٰ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہ آپ کی امت کے لیے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ روزانہ پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں! بولے کہ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اس میں کمی کی درخواست کیجئے آپ کی امت یہ حکم نہیں بجالاسکتی کیونکہ میں نے بنی اسرائیل کو خوب آزمالیا ہے ارشاد نبوی ہے کہ میں بارگاہ خداوندی میں پھر حاضر ہوا اور عرض گذار ہوا کہ اے پروردگار میری امت پر کچھ تخفیف فرما چنانچہ پانچ نمازیں کم کردی گئیں لیکن جب موسیٰ کے پاس واپس آیا اور انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ پانچ نمازیں کم ہو گئیں انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی امت اس پر بھی عمل نہیں کرسکتی جائیے اور اس میں کچھ اور کمی کرائیے آپ فرماتے ہیں کہ میں اسی طرح برابر موسیٰ اور اپنے رب کے پاس آتا جاتا رہا اور پانچ پانچ نمازیں کم کراتا رہا بالآخر حکم الٰہی ہو گیا کہ اے محمدؐ! روزانہ کی یہ پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہوگا اور اس طرح پچاس نمازیں ہو جائیں گی اور جو شخص کسی نیک کام کا ارادہ کرے گا اور اس کام کو کسی وجہ سے انجام نہ دے سکے گا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جائیگی اور اگر اس نے وہ کام کرلیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ لی جائیں گی لیکن اگر کوئی کسی برے کام کا ارادہ کرے گا۔ مگر اس برے کام کا ارتکاب اس نے نہیں کیا تو کچھ نہیں لکھا جائے گا البتہ جب وہ برا کام کرلے گا تو صرف ایک برائی لکھی جائے گی غرضیکہ اس کے بعد میں موسیٰ کے پاس آیا اور واقعہ کی اطلاع دی تو انہوں نے پھر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونے اور مزید تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا کہ آپ کی امت اتنی طاقت نہیں رکھتی میں نے جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کے پاس جاچکا ہوں اب مجھے (بار بار جاتے ہوئے) شرم آتی ہے یہ روایت بخاری ومسلم کی ہے البتہ اس کے الفاظ مسلم کے ہیں اور حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کی تجلی کا مشاہدہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ بنایا (تاکہ) میرے سوا تم کسی اور کو کارساز نہ بناؤ (جس کی طرف اپنے کام سپرد کردو، اور ایک قراءت میں لفظ تتخذ تاء کے ساتھ ہے صنعت التفات ہوگی اور ان زائد ہوگا اور لفظ قول مقدر ہوگا) ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بلاشبہ نوح ایک شکرگزار بندہ تھا (ہمارا بے حد شکر گزار ہر حال میں ہماری تعریف کرنے والا) اور ہم نے خبر دیدی تھی (یہ بات بتلادی تھی) بنی اسرائیل کو ان کی کتاب (تورات) میں کہ تم ضرور سرزمین میں (ملک شام میں گناہ کر کے) دومرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور حد درجہ کی سرکشی کرو گے (بڑا زور باندھو گے) پھر جب ان دونوں میں پہلی بار آئے گی (پہلے فساد آئے گا) ہم تم پر ایسے بندے مسلط کردیں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے (لڑنے اور پکڑنے دھکڑنے میں بڑے طاقتور ہوں گے) پھر وہ (تمہیں قتل وقید کرنے کے لیے) گھس پڑیں) تمہیں تلاش کرتے پھریں گے) تمہارے گھروں میں اور اللہ کا وعدہ تو اسی لیے تھا کہ پورا ہوکر رہے! (چنانچہ پہلا فساد تو حضرت زکریا کے قتل کرنے پر ہوا، اللہ نے ان پر جالوت بادشاہ کو مسلط کردیا انہوں نے سب کو قتل کر کے ان کی اولاد کو قیدی بنالیا اور بیت المقدس کو برباد کرڈالا) پھر ان پر ہم تمہارا غلبہ کردیں گے (جالوت کے واقعہ قتال کے سو سال بعد) اور مال ودولت اور اولاد کی کثرت سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور تمہیں بڑے جتھے والا (گروہ بند) بنادیں گے (اور ہم نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ) اگر تم اچھے کام کرتے رہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کرو گے (کیونکہ اس کا ثواب تمہیں ہی ملے گا (اور اگر برے کام کرو گے تو بھی اپنے لیے کرو گے (اس کا

نقصان تمہیں ہی ہوگا) پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئیگا (تو پھر ہم انہیں مسلط کردیں گے کہ) وہ تمہارا منہ بگاڑ دیں گے (قتل اور گرفتار کر کے تمہیں اس درجہ غمگین کردیں گے کہ غم کا اثر تمہارے چہروں پر نمایاں ہو جائے گا) اور اسی طرح یہ لوگ مسجد (بیت المقدس میں داخل ہو کر اسے برباد کر ڈالیں گے جس طرح پہلی مرتبہ یہ حملہ آور گھسے) اور اسے خراب کر چکے) اور جس چیز پر انکا زور (بس) چلا اسے توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں (چنانچہ دوسری دفعہ حضرت یحییٰ کو شہید کر کے فساد برپا کر دیا، اللہ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرما دیا جس نے ہزاروں آدمی مار ڈالے اور ان کی نسل کو قید کر لیا اور بیت المقدس کو بھی تخریب کاری کا نشانہ بنایا) ہم نے کتاب تورات میں لکھ دیا تھا کہ عجب نہیں تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اس دوسری دفعہ کے بعد بشرطیکہ تم توبہ کر لو) لیکن اگر پھر تم سرکشی اور فساد کی طرف لوٹے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے (یعنی کان پکڑی، چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی پھر تکذیب کی تو حق تعالیٰ نے بھی ان پر قریظہ کی جنگ اور بنی نضیر کی جلاوطنی اور جزیہ کی وباء مسلط کر دی) اور ہم نے کافروں کے لیے جہنم کا قید خانہ (جیل خانہ) تیار کر رکھا ہے بلاشبہ یہ قرآن اس راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا (درمیانہ اور درست) راستہ ہے اور نیکوکار اہل ایمان کو خوشخبری دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے (اور قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انکے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تکلیف دہ عذاب یعنی جہنم کی آگ)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مُحَمَّدٍ: اس سے اشارہ کیا کہ عبد جو کہ عام ہے اس کا تذکرہ کر کے خاص مراد لیا۔

قوله: لَيْلًا: یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مفعولیت کی وجہ سے نہیں اور سریٰ، اسریٰ کا ایک معنی ہے۔

قوله: اَلْإِشَارَةُ بِتَنْكِيْرِهٖ: لیلا کو اس لیے بڑھایا کہ اس کی تنکیر مدت کی نہایت قلت پر دلالت کرے۔

قوله: لِبُعْدِهٖ مِنْهُ: اس سے بیت المقدس کے نام اقصیٰ کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بعید ترین مساجد سے ہے۔

قوله: عَجَائِبِ قُدْرَتِنَا: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے وہ عجائبات مراد ہیں جو وحدانیت باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والے ہوں۔

قوله: لان له: اس سے اشارہ ہے کہ ان مصدریہ ہے مفسرہ نہیں۔

قوله: وَالْقَوْلُ مُضْمَرٌ: اس سے اشارہ ہے کہ قول مضمر ہے تفسیر نہیں۔ مضمر اس لیے مانا تا کہ عبارت منظم ہو جائے۔

قوله: يا ذُرِّيَّةَ: اس سے اشارہ کیا ذُرِّيَّةَ کا نصب منادیٰ ہونے کی وجہ سے ہے۔

قوله: اَوْحَيْنَا: قضاء سے وحی اس لیے مراد لی کیونکہ اس کا فیصلہ شدہ ہونا تو قطعی ہے۔

قوله: تَبْغُوْنَ بَغْيًا: یعنی احکام الٰہی اور لوگوں کے معاملات میں تم سرکشی میں انتہاء کرنے والے ہو۔

قوله: اَصْحَابِ قُوَّةٍ: اس سے بخت نصر جو اس زمانے کا بڑا زور آور بادشاہ تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: بمثل ما اوتی: اس سے [illegible] کے اصول [illegible]
اشارہ ہے۔

قوله: بعضنا علیہم: اس سے اشارہ ہے کہ لام محذوف سے متعلق ہے [illegible]

قوله: ما علوا: اشارہ ہے کہ ما موصولہ لیتبروا کا مفعول ہے [illegible]

قوله: ان عدتم: اس سے اشارہ ان شرطیہ ہے وہ ان عدنا اور اس کا عطف [illegible] ہے۔

قوله: حصیرًا: قید خانے کو حصر اور حصیر کہا جاتا ہے یعنی ایسی جگہ جہاں سے نکل نہ سکیں۔

قوله: للطریقة: اس سے اشارہ ہے کہ موصول [illegible] صفت ہے۔

قوله: ویبشر اَنَّ الَّذِیْنَ: اس کا عطف یبشر پر [illegible] ہے۔ [illegible]

قوله: اعتدنا: یہ اعداد سے ہے [illegible]

تفسیر مقبولین

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا....

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے عالم بالا [illegible]

یہاں سے سورۃ الاسراء شروع ہو رہی ہے اسراء کا معنی ہے رات کو سفر کرانا اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اس سورت کی پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے اس مناسبت سے یہ سورت سورۃ الاسراء کے نام سے معروف ہے۔

آیت مذکورہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اور سورۃ النجم کی آیات (عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى) میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات ملاحظہ فرمائیں۔ آیت بالا میں چونکہ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ فرمایا ہے اور احادیث شریفہ میں مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر تشریف لے جانے کا بھی ذکر ہے اور اس تذکرہ میں عروج بھی فرمایا ہے اس لیے اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ کو لفظ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ سے جو شروع فرمایا ہے اس میں ان کم فہموں کے خیال و گمان کی تردید ہے جو اس واقعہ کو محال اور ممتنع سمجھتے تھے اور اب بھی بعض جاہل ایسا خیال کرتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ میں شک کرتے ہیں، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کچھ قدرت ہے وہ کسی بھی چیز سے عاجز نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے وہ ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے اس کی قدرت کاملہ سے کوئی چیز خارج نہیں۔

اور اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ جو فرمایا اس میں رسول اللہ ﷺ کی شان عبدیت کو بیان فرمایا ہے۔ عبدیت بہت بڑا مقام

ہے۔ اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنالیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ((احب الاسماء الی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمٰن)) کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹ از شرح السنۃ)

ایک مرتبہ ایک فرشتہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے اگر تم چاہو تو عبدیت والے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو تو بادشاہت والے نبی بن جاؤ، آپ نے مشورہ لینے کے لیے جبرائیل کی طرف دیکھا انہوں نے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (جو حدیث کی راویہ ہیں انہوں) نے بیان بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۱ از شرح السنۃ)

اسراء کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لفظ (عَبْدِہٖ) لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سن کر کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ آپ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی، اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کرلے کہ مقام عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت میں شریک قرار دے دے، اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کر کے گمراہ ہوئے اس طرح کی کوئی گمراہی امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نہ آجائے۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اور بعض مرتبہ حرم مکہ پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے (کما قال تعالیٰ: اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اور مسجد اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لیے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے ان میں وہ سب سے زیادہ دور ہے کوئی شخص مسجد حرام سے روانہ ہو تو پہلے مدینہ منورہ سے گزرے گا پھر بہت دن کے بعد مسجد اقصیٰ پہنچے گا (جب اونٹوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنے جانے کا تقریباً چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اس لیے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے۔

(روح المعانی ص ۹ ج ۱۵)

مسجد اقصیٰ کے بارے میں الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے، یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت گاہ ہے اور ان حضرات کا قبلہ رہا ہے اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے چاروں طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں، اور دنیاوی اعتبار سے اس لیے بابرکت ہے کہ وہاں پر انہار اور اشجار بہت ہیں، لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائب قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لمبا سفر ہو جاتا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہونا ان کی امامت کرنا اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا یہ سب عجائب قدرت میں سے تھا۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (بلاشبہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ السَّمِيْعُ فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے اور الْبَصِيْرُ ۝ فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور رات کی تاریکی میں حفاظت کرنے والا ہے۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تک تشریف لے جانے کا ذکر ہے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالت بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

واقعہ معراج کا مفصل تذکرہ:

ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں، ہم نے پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا اور پھر عالم بالا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا اس لیے بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کرنا:

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی، میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے میں نے دودھ کو لے لیا اس پر جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا اور پہلے آسمان میں حضرت آدم اور دوسرے آسمان میں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا اور ساتویں آسمان میں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں آپ نے بتایا کہ وہ البیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا اللہ کی کسی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانک رکھا تھا۔

(مسلم ص ۹۷ ج ۱)

اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا منظور تھا اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں، انہوں نے کہا کہ واپس جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجیے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا اور عرض کیا کہ اے رب میری امت پر تخفیف فرما دیجیے چنانچہ پانچ نمازیں کم فرما دیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی آپ اپنے رب کی طرف رجوع کیجیے اور تخفیف کا سوال کیجیے آپ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہوتا رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا کبھی بارگاہ الٰہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کے بدلہ دس نمازوں کا ثواب ملے گا لہٰذا یہ (ثواب میں) پچاس ہی ہیں، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا پھر اسے نہ کرے گا تو اس کے لیے (محض ارادہ کی وجہ سے) ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور جس شخص نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کر لیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کر لیا تو ایک گناہ لکھا جائے گا، آپ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں بات بتا دی انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو میں نے کہا میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ (ص ۱۹ ج ۱)

صحیح مسلم (ص ۹۶ ج ۱) میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد ﷺ یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجیے میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کیا، (یہ بیت المقدس مین امامت فرمانا، آسمانوں پر تشریف لے جانے سے پہلے واقع ہوا۔)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص ۶ ج ۳ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت جو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہوئے پھر ایک اذان دینے والے نے اذان دی اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے سب انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا، جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھا دی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرائیل نے کہا اے محمد ﷺ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے، میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاءؑ سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعارف نہیں ہوا تھا اس لیے یوں فرما دیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرائیل نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے۔)

صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی تفصیل:

صحیح بخاری میں واقعہ معراج بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انسؓ نے بواسطہ

حضرت ابوذرؓ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاریؓ نقل کیا ہے۔ فی مجمع الزوائد ص ۷۴ ج ۱ فربطت الدابة بالحلقة التی تربط بها الانبیاء ثم دخلنا المسجد فنشرت لی الانبیاء سمی اللہ ومن لم یسم فصلیت بهم (دیکھو ص ۱۰۔ ۴۵۵۔ ۴۷۱۔ ۵۴۸ ج ۱)

حضرت انسؓ نے حضرت مالک بن صعصعہؓ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے کچھ جاگ رہا ہوں کچھ سو رہا ہوں، میرے پاس تین آدمی آئے میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پر تھا میرا سینہ چاک کیا گیا پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا گیا پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اس کے بعد اس کو درست کر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایہ لایا گیا وہ قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا یہ چوپایہ براق تھا۔

آسمان میں تشریف لے جانا اور آپ کے لیے دروازہ کھولا جانا حضرات انبیاء کرامؑ سے ملاقات فرمانا اور ان کا مرحبا کہنا۔

میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک پہنچ گیا۔ حضرت جبرائیل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ کھولیے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے جبرائیل نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں اس نے دریافت کیا، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے! اس پر مرحبا کہا گیا اور دروازہ کھول دیا گیا اور کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بک من ابن و نبی بیٹے اور نبی کے لیے مرحبا، پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرائیل سے اسی طرح کا سوال جواب ہوا جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اور اوپر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ (علیہما السلام) کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا ان کے الفاظ یوں تھے۔ مرحبا بک من اخ و نبی (مرحبا ہو بھائی کے لیے اور نبی کے لیے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں جبرائیل سے وہی سوال ہوا جو پہلے آسمانوں میں داخل ہونے سے قبل ہوا تھا پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں یوسف علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبا بک من اخ و نبی کہا پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرائیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا، دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی وہی کہا: مرحبا بک من اخ و نبی پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی جبرائیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا۔ دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں ہارون علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من اخ و نبی کہا پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسب سابق حضرت جبرائیل سے وہی سوال جواب ہوئے، جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من اخ و نبی کہا جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے (دوسری روایت میں ہے کہ اس کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے) پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی جبرائیل علیہ السلام سے حسب سابق سوال جواب ہوا جب

[illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پایا [illegible] نے انہیں سلام کیا انہوں نے [illegible] مرحبا بالابن [illegible] حضرت ابراہیم نے مرحبا بک من ابن ونبی فرمایا کیونکہ آپ ان کی نسل سے تھے۔ باقی حضرات نے مرحبا بک من اخ ونبی فرمایا۔

البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا:

اس کے بعد "البیت المعمور" میرے سامنے کردیا گیا میں نے جبرائیل سے سوال کیا یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ "البیت المعمور" ہے۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو کبھی بھی واپس نہیں ہوتے پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے بیر ہجر کے مٹکوں کے برابر ہیں اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔

"سدرۃ المنتہیٰ" کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں میں نے جبرائیل سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی جتنی بھی نسل چلی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے لہٰذا انہیں بھی مرحبا بک من ابن ونبی کہنا چاہیے تھا اگر اہل تاریخ کی یہ بات صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اخوت کا ذکر مناسب جانا کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام عہدہ نبوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں اور تلطفاً و تادباً ابن کہنا مناسب نہ جانا۔

(کذا فی حاشیۃ البخاری ص ۵۵ عن الکرمانی)

پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنے پر پانچ نمازیں رہ جانا:

اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں میں واپس آیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا انہوں نے دریافت کیا (کہ اپنی امت کے لیے) آپ نے کیا کیا، میں نے کہا مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے بڑی محنت کی ہے (وہ لوگ مفروضہ نمازوں کا اہتمام نہ کرسکے) بلاشبہ آپ کی امت کو اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ ہوگی، جائیے اپنے رب سے (تخفیف کا) سوال کیجیے میں واپس لوٹا اور اللہ جل شانہ سے تخفیف کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں باقی رکھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا تو تیس (۳۰) نمازیں باقی رہ گئیں موسیٰ علیہ السلام نے پھر توجہ دلائی تو تخفیف کا سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس (۲۰) نمازیں کردی گئیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کی بات کہی تو درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نمازیں کردی گئیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میرے درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رہنے دیں، موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میں نے کہا کہ میں نے تسلیم کرلیا (اب درخواست نہیں کرتا) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی کہ میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا اور اپنے بندوں کے لیے تخفیف کردی اور میں ایک نیکی کا بدلہ دس بنا کردیتا ہوں (لہٰذا ادا کرنے میں پانچ رہیں اور ثواب میں پچاس رہیں۔)

یہ روایت صحیح بخاری میں ص ٤٥٥ پر ہے اور صحیح بخاری میں ص ٤٧١ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابوذر رضی اللہ عنہ جو معراج کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے تذکرہ کے بعد یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے جبرائیل اور اوپر لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہونے اور اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے اور بارگاہ الٰہی میں بار بار سوال کرنے پر پانچ نمازیں باقی رہ جانے کا ذکر ہے اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ کہ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی (پچاس نمازیں فرض کردیں تو پچاس ہی کا ثواب ملے گا) اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں فرمایا کہ اسے ایسے رنگوں سے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا پھر میں جنت میں داخل کردیا گیا وہاں دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی خشک ہے۔

ص ٥٤٨ ج ١ پر بھی حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث معراج ذکر کی ہے وہاں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بتوسط حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اس میں البیت المعمور کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ پھر میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا میں نے دودھ لے لیا جس پر جبرائیل نے کہا یہی وہ فطرت، یعنی دین اسلام ہے جس پر آپ ہیں اور آپ کی امت ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کرانے کے لیے کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سالت ربی حتی استحییت ولکنی ارضی واسلم (میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ شرما گیا اب تو میں راضی ہوتا ہوں تسلیم کرتا ہوں) (انتھی روایۃ البخاری)

نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام:

معراج کی رات میں جو نمازوں کا انعام ملا اور پانچ نمازیں پڑھنے پر بھی پچاس نمازوں کا ثواب دینے کا اللہ جل شانہ نے جو وعدہ فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی انعام فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ) سے لے کر آخر تک عنایت فرمائیں اور ساتھ ہی اس قانون کا بھی اعلان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو شرک نہ کرتے ہوں (مسلم ص ٩٧ ج ١) مطلب یہ ہے کہ کبیرہ کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہ رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا ہوجائے گا (قالہ النووی) کافر اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

معراج میں دیدار الٰہی:

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رؤیت ہوئی تو وہ رؤیت بصری تھی یا رؤیت قلبی تھی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔

جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رؤیت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت کو ثابت کرتے تھے اور بیان کرتے تھے جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے علامہ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

والاصل فی الباب حدیث ابن عباس حبر الامة والمرجوح الیه فی المعضلات وقد راجعه ابن عمر فی هذه المسئلة هل رای محمد ﷺ به فاخبره انه راه ولا یقدح فی هذا حدیث عائشة فان عائشة لم تخبر انها سمعت النبی یقول لم ار ربی وانما ذکرت ما ذکرت متأولة لقول الله تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۤئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ولقول الله تعالیٰ: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ واصحابی اذا قال قولا وخالفه غیره منهم لم یکن قوله حجة واذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویة وجب المصیر الی اثباتها فانها لیست مما یدرک بالعقل ویوخذ بالظن وانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس ان تکلم فی هذه المسئلة بالظن والاجتهاد قلت لم اجد التصریح من ابن عباس انه رأی ربه تعالیٰ بعینی راسه وروی مسلم عنه انه راه بقلبه وفی روایة رآه بفواده مرتین والعلم عند الله العلیم۔

سورۃ النجم میں جو (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى) اور (وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى) وارد ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ان میں جبرائیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ نے ان کو اصل صورت میں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے انہوں نے افق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی یہی فرماتے تھے کہ (فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى) اور (لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى) سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح الامام النووی ص ۹۷-۹۸ ج ۱)

قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا:

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آجانا ایک ہی رات میں ہوا واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو قریش کا قافلہ تھا اور وہ شام سے واپس آرہا تھا صبح کو جب آپ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد ﷺ بیان کر رہے ہیں کہ رات کو انہوں نے اس طرح سفر کیا پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آگئے، حضرت ابوبکر نے اول تو یوں کہا تم لوگ جھوٹ بولتے ہو ان لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی وہ اپنے بارے میں یہ بیان دے رہے ہیں اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: اِنْ كَانَ قَالَهٗ فَقَدْ صَدَقَ کہ اگر انہوں نے یہ بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر کا لقب صدیق پڑ گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۳۶۰ ج ۲ البدایہ والنہایہ)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش فرما دیا:

قریش مکہ تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس ان کا دیکھا ہوا تھا کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت

المقدس گئے تھے اس میں نماز پڑھی ہے تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیز کیسی ہیں (یعنی اس کے ستون اور دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا) اس وقت آپ حطیم میں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرمایا ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب اچھی طرح اس کی ہر ہر چیز کو محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) اللہ جل شانہ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھا دیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے رہے میں ان سب کا جواب دیتا رہا۔ (صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۱)

بعض روایات میں یوں ہے: فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ (اللہ نے بیت المقدس کو میرے لیے واضح طریقے پر روشن فرما دیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیاں پوچھ رہے تھے وہ میں انہیں بتاتا رہا۔) (صحیح بخاری ص ۵۴۸ ج ۱)

تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۲ میں ہے کہ جب آپ نے بیت المقدس کی علامات سب بتا دیں تو وہ لوگ جو آپ کی بات پر شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کر رہے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا تھا ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا پھر جب میں واپس آ رہا تھا تو مقام ضجنان میں پہنچا دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں ایک برتن میں پانی تھا جسے انہوں نے کسی چیز سے ڈھانپ رکھا تھا میں نے ان کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھانکا ہوا تھا (اہل عرب پانی، دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ کرنے پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ ایسی چیزیں بلا اجازت استعمال میں ان کے ہاں رواج عام پذیر تھا اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ نے مزید فرمایا کہ دیکھو وہ قافلہ ابھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے ان کے آگے ایک چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں ایک سیاہ رنگ کا اور دوسرا سفید رنگ کا ہے، یہ بات سن کر وہ لوگ جلدی جلدی تنعیم کی گھاٹی کی طرف چل دیئے وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آ رہا ہے اور اس کے آگے آگے وہی اونٹ ہے جب قافلے پر گزرنے کی تصدیق ہوگئی تو ان لوگوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے، پھر قافلہ والوں سے سوال کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک اونٹ بدک کر چلا گیا تھا ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو ہمیں بلا رہا تھا کہ یہ تمہارا اونٹ ہے یہ آواز سن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا کہ یہ محمد ﷺ کی آواز ہے۔

سفر معراج کے بعض دیگر مشاہدات:

معراج کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروح حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں جن

بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد دوم میں اور حافظ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد بن محمد سلیمان مغربی الردانی نے جمع الفوائد جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے، بعض چیزیں اوپر ذکر ہو چکی ہیں بعض ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲)

ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جس پر خود عامل نہیں، اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸)

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

سود خوروں کی بدحالی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے (انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آ رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

کچھ لوگوں کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں:

حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے زینت اختیار کرتے ہیں، پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس سے بہت سخت

آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لیے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔ (الترغیب والترہیب ص۵۱۱ ج ۳)

ایک شیطان کا پیچھے لگنا:

موطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو سیر کرائی گئی آپ نے جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لیے ہوئے آپ کا پیچھا کر رہا تھا۔ آپ جب بھی (دائیں بائیں) التفات فرماتے وہ نظر پڑ جاتا تھا جبرائیل نے عرض کیا کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں جنہیں آپ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے گا اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بتا دو! اس پر جبرائیل نے کہا کہ آپ یہ کلمات پڑھیں۔

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات التى لا يجاوزهن بر و لا فاجر من شر ما ينزل من السماء و شر ما يعرج فيها، و شر ما ذرأ فى الارض و شر ما يخرج منها و من فتن الليل و النهار، و من طوارق الليل و النهار، الا طارقا يطرق بخير يا رحمن۔ (موطا مالک کتاب الجامع)

فرشتوں کا پچھنے لگانے کے لیے تاکید کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے انہوں نے کہا کہ آپ اپنی امت کو حجامت یعنی پچھنے کا حکم دیجیے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۳۸۹ از ترمذی و ابن ماجہ)

عرب میں پچھنے لگانے کا بہت رواج تھا اس سے زائد خون اور فاسد خون نکل جاتا ہے۔ بلڈ پریشر کا مرض جو عام ہو گیا ہے یہ اس کا بہت اچھا علاج ہے لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سر میں اپنے مونڈھوں کے درمیان پچھنے لگاتے تھے۔ (حوالہ بالا)

مجاہدین کا ثواب:

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ شب معراج میں نبی اکرم ﷺ جبرائیل کے ساتھ چلے تو آپ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کر لیتے تھے اور اسی ایک دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی آپ نے جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے:

پھر آپ کا ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، کچلے جانے کے بعد ویسے ہی ہو جاتے تھے

جیسے پہلے تھے اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ لوگ نماز کے بارے میں کاہلی کرنے والے ہیں سوتے رہ جاتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی:

پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں اور ضریع اور زقوم یعنی کانٹے دار خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سڑا ہوا گوشت کھانے والے:

پھر آپ ﷺ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپ نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار کے ساتھ رات گزارتی ہے۔ ضریع آگ کے کانٹے، اور زقوم دوزخ کا بدترین بدبودار درخت۔

لکڑیوں کا بڑا گٹھڑا اٹھانے والا:

پھر ایک ایسے شخص پر آپ ﷺ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بڑا گٹھڑا ہے وہ اسے اٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ جبرائیل نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور مزید امانتوں کا بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

ایک بیل کا چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا:

اس کے بعد ایسے سوراخ سے گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا، وہ چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اس میں داخل ہو جائے، آپ نے سوال فرمایا یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی برا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنت کی خوشبو:

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آ رہی تھی یہ مشک کی خوشبو تھی اور ساتھ ہی ایک آواز بھی آ رہی تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں انہیں لائیے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

دوزخ کی آواز سننا:

اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا وہاں صوت منکر یعنی ایک آواز ایسی سنی جو ناگوار تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا یہ جہنم ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کررہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آیئے اور اپنا وعدہ پورا فرمایئے۔ (انتھی روایۃ ابی ہریرۃ من جمع الفوائد ص۱۵۱ ج ۳ طبع مدینہ منورہ)

باب الحفظہ

پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظہ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی: (وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ). (فتح الباری ص۲۰۹ ج۷ سیرت ابن ہشام)

پہلے آسمان پر داروغہ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ فرمانا:

جب آپ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہنستے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا نہیں، آپ نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لیے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت (بھی) آپ کے سامنے اسے ہنسی آجاتی، یہ فرشتہ ہنسا ہی نہیں ہے آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا کہ اس فرشتے سے کہیے کہ مجھے دوزخ دکھادے، جبرائیل علیہ السلام نے اس سے کہا: یا مالک ار محمداً النار (اے مالک محمد ﷺ کو دوزخ دکھادو) اس پر اس فرشتے نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی اوپر اٹھ آئی آپ نے فرمایا اے جبرائیل اس کو کہیے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کردے، چنانچہ جبرائیل نے اس فرشتے سے کہا کہ اس کو واپس کردو فرشتے نے اسے واپس ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا۔ (سیرت ابن ہشام ص۲۴۹ علی حامش الروض الانف)

دودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ ﷺ کا دودھ کو لے لینا:

صحیح مسلم میں (ص۹۱) جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا ہے آپ نے دودھ لے لیا اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں صحیح مسلم کی دوسری روایت جو صفحہ ۹۵ پر مذکور ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالم بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دودھ لے لیا اور امام بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ بیت المعمور سامنے کیے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا، بیت المقدس میں بھی پینے کے لیے چیزیں پیش کی گئی ہوں اور پھر عالم بالا میں بھی حاضر خدمت کی گئی ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے دوبارہ پیش کیے جانے میں عقلاً نقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے، صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس

میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں بعض مرتبہ راویوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے جسے دوسرا ذکر دیتا ہے ومع ذالک المثبت مقدم علی من لم یحفظ صحیح مسلم (کی روایت ص ۹۷ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے دودھ لے لیا تو حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ قائد اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے۔ الفتح الباری (ص ۲۱۰ ج ۷) میں علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ دودھ کے بارے میں جو ھی الفطرۃ التی انت علیہا فرمایا، ممکن ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ میں دودھ داخل ہوتا ہے اور وہی اس کی آنتوں کو پھیلا دیتا ہے (اور ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لہٰذا فطری طور پر فطرت اسلام اور بچہ کی ابتدائی غذا میں ایک مناسبت ہوئی اس لیے فطرت سے دین اسلام مراد لیا) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ (جو برتن پیش کیے گئے وہ) چار تھے دودھ اور شہد اور خمر اور پانی، کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیرینی میں شہد جیسا ہو، کبھی اس کو شہد کہہ دیا کبھی پانی اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی مگر سامان نشاط ضرور ہے اس لیے مشابہ دنیا کے ہے، شہد بھی اکثر تلذذ کے لیے پیا جاتا ہے غذا کے لیے نہیں تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا اور پانی بھی معین غذا ہے غذا نہیں جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے۔ (کذا فی نشر الطیب وراجع فتح الباری ص ۲۱۰ ج ۸) تفسیر ابن کثیر ص ۵ ج ۳ میں دلائل النبوۃ للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے پانی کو اور شراب کو چھوڑ دیا اور دودھ کو لے لیا تو جبرائیل نے کہا کہ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر شراب پی لیتے، تو آپ اور آپ کی امت راہ صحیح سے ہٹ جاتی۔

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

روایات حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں طرح وارد ہوا ہے لفظ ''سدرۃ'' عربی زبان میں بیری کو کہتے ہیں اور ''المنتہیٰ'' کا معنی ہے انتہاء ہونے کی جگہ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اس پر منتہی ہوتے جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔)

پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سدرہ پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی شخص بیان نہیں کر سکتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کی پروانے چھائے ہوئے تھے اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چل سکتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کے سایہ میں ۱۰۰ سو سوار سایہ لے سکتے ہیں۔

قال النووی قال ابن عباس و المفسرون وغیرھم سمیت سدرۃ المنتھی لان علم الملکۃ ینتھی الیھا ولم یجاوزھا احد الا رسول اللہ۔

جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ فرمانا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک دیکھتا ہوں کہ میں ایک ایسی نہر پر ہوں جس کے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبے ہیں جو بیچ میں سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرائیل یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے میں نے جو دھیان کیا تو دیکھتا ہوں کہ اس کی مٹی (جس کی سطح پر پانی ہے) خوب تیز خوشبو والا مشک ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۷۱)

فوائد و اسرار اور حکم متعلقہ واقعہ معراج شریف

براق کیا تھا اور کیسا تھا؟

''لفظ براق'' بریق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ برق سے لیا گیا ہے برق بجلی کو کہتے ہیں برق کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے اس تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سوار ہوتے تھے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (ص ۳۹۰) میں ارشاد نقل کیا ہے۔ وکانت الانبیاء ترکبہ قبل (اور حضرات انبیاء کرامؑ مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں۔)

براق کی شوخی اور اس کی وجہ:

سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میرے پاس براق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی اور زین کسی ہوئی تھی، براق شوخی کرنے لگا، جبرائیل نے کہا کہ تو محمد ﷺ کے ساتھ شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمدؐ سے زیادہ مکرم اور معزز ہو، یہ سنتے ہی براق پسینہ پسینہ ہو گیا (پھر اس نے اپنا نافرمانی کا انداز چھوڑ دیا) قال الترمذی ہٰذا حدیث حسن غریب، دلائل النبوۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر گھما دیا پھر مجھے اس پر سوار کر دیا۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۰۰)

بعض روایات میں ہے کہ جب بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے پتھر میں سوراخ کر دیا پھر اس سوراخ سے آپ نے براق کو باندھ دیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانہ فترت میں (یعنی اس عرصہ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی

سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر چمکنے لگا اور بعض حضرات نے یوں کہا کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخر الانبیاء اور افضل الانبیاء سوار رہے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۲)

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرا دے لیکن آپ کو تشریفاً و تکریماً براق پر سوار کر کے لے جایا گیا۔ اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدل سفر ہوتا کیونکہ سوار بنسبت پیدل چلنے والے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لیے سواری بھیجی گئی۔

جبرائیلؑ کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعے آسمانوں پر جانا:

جب مکہ معظمہ سے بیت المقدس کے لیے روانگی ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ براق پر سوار ہو گئے اور آپ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر سوار ہوئے۔ (فتح الباری ص ۳۰۸ ج ۷)

دونوں حضرات براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے وہاں دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھائی جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوبصورت تھا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے کا ایک زینہ چاندی کا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا عالم بالا کا سفر کرتے وقت دائیں بائیں فرشتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام دونوں زینہ کے ذریعہ آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ (فتح الباری ص ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹)

آسمانوں کے محافظین نے جبرائیل علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے کیا انہیں بلایا گیا ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب بھی کوئی دروازہ کھلوایا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرائیل سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ محمدؐ ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے حضرت جبرائیل جواب دیتے رہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے جواب ملنے پر دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوالات کیوں کیے کیا جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ کسی ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں گے جسے اوپر بلایا نہ گیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا شرف بڑھانے کے لیے اور خوشی ظاہر کرنے کے لیے یہ سوال جواب ہوا اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چل جائے کہ آپ کا اسم گرامی ملاء اعلیٰ میں معروف ہے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ہیں اگر وہ آپ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں۔ اسی سے پہلے سے دروازے نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہو گئی اور وہ یہ کہ آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لیے اس طریقے پر آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قائد بھیج کر بلایا گیا ہو جہاں اکثر مہمان آتے

ہوں اور بار بار آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر مہمان کے لیے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لیے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد، اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا اور ایشیا والا افریقہ تک گیا یعنی خاکی انسان خاک پر ہی گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سموات سے گزرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا جہاں اس محبوب مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ بقدر کمالہ وجمالہ، چونکہ انسانوں میں سے وہاں کوئی نہیں جاتا اور وہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے تاکہ وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا ہے اور جس کے لیے آج وہ دروازے کھولے جارہے ہیں جو کبھی کسی کے لیے نہیں کھولے گئے۔ درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لیے بھی کھلے رہے ہوں۔ قال ابن المنیر حکمتہ التحقق ان السماء لم تفتح الا من اجلہ بخلاف مالو وجدہ مفتوحًا۔ (فتح الباری ص ۴۶۱ ج ۱)

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرائیل علیہ السلام سے سوال وجواب ہوا اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہو گیا پہلے سب نے مہمان کا نام سنا پھر زیارت کی مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے کے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہو گیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العٰلمین کی حاضری کے لیے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصد اعلیٰ نہ تھا اس لیے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا ملاء اعلیٰ متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے چلے گئے دنیا میں استقبال کے لیے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیش نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالم بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر کرکے جمع ہو سکتے ہیں دروازہ کھٹکھٹایا گیا بھنک پڑی سب حاضر ہو گئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی:

ایک یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں۔ مقام خلت کا تقاضا تسلیم ورضا ہے جو حکم ہوا مان لیا آگے سوچنا کچھ نہیں، اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں مقام تکلم مقام ناز ہے اور موجب انبساط ہے جو کلیم جرأت کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کو اہل شرک وکفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا ان ہی لوگوں سے بحث ومناظرہ میں عمر مبارک صرف ہوئی آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ سچے فرمانبردار تھے نافرمانوں اور فاسقوں کے رنگ ڈھنگ بچشم خود نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں

آزمائے تھے اس لیے حضرت موسیٰ کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: فانی قد بلوت بنی اسرائیل و خبرتھم (مسلم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نماز پڑھنا آپ کی امت کے لیے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی خیر خواہی سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے تکثیر حسنات کو پیش نظر رکھا پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبر ان کران کا دل باغ باغ ہو گیا جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے (رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ) کے ذریعہ جس امت کے لیے دعا کی تھی وہ آج نوازی جارہی ہے اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جارہا ہے پھر بھلا وہ تخفیف صلوٰۃ کا مشورہ کیوں دیتے چونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے اس لیے انہوں نے امت محمدیہ کو ایک پیغام بھیجا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے سیر کرائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا اور انہیں بتا دینا کہ بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے، میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۲)

یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اس کے لیے ہے جو دنیا میں ایسے کام کر کے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخلہ ہو سکے جنت اپنی محنت سے ملے گی اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو مٹی بھی عمدہ ہو پانی بھی میٹھا ہو جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا اور اس عمدہ پانی سے سینچائی کرے گا تو اس کا پھل پالے گا لہٰذا دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو اللہ کا ذکر کرو: سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ پڑھا کرو ان کو پڑھو گے تو جنت میں ان کے عوض درخت پالو گے اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ عن ترمذی)

سونے کے طشت میں زم زم سے قلب اطہر کا دھویا جانا:

واقعہ معراج جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھو کر واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور پھر اسی طرح درست کر دیا گیا جیسا پہلے تھا آج کی دنیا میں جبکہ سرجری عام ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے اور زم زم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زم زم کے پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوگئی، روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قلب اطہر کو سونے کے طشت میں دھویا گیا تھا چونکہ اس کا استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے اور سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس لیے اس سے امت کے لیے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور ایمان وحکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ کی قوت ایمانیہ میں اور قلب مبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہوگئی اور عالم بالا میں جانے کی طاقت پیدا ہوگئی۔

نماز کا مرتبہ عظیمہ:

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے دیگر عبادات اسی سرزمین میں رہتے ہوئے فرض کی گئیں لیکن نماز عالم بالا میں فرض کی گئی اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو عالم بالا کی سیر کرائی اور وہاں پچاس پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور ثواب پچاس ہی کا رکھا گیا رسول اللہ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر نمازوں کی تخفیف کے لیے درخواست کرتے رہے۔ اور درخواست قبول ہوتی رہی عالم بالا میں بار بار آپ کی حاضری ہوتی رہی، وہاں آنحضرت ﷺ کی مناجات ہوئی پھر اس دنیا میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ کی اور صحابہ کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی اور تاحیات یہ مناجات ہوتی رہے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کے دربار کی حاضری ہے اس لیے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لیے لازم نہیں کیے گئے باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، نماز کی جگہ پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، رکوع کرنا، سجدے کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادت میں مشروط نہیں ہیں (گو ان میں سے بعض احکام بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے، بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ تشہد میں انہیں الفاظ کا اعادہ ہے جو شب معراج میں ادا کیے گئے تھے۔ حاضری کے وقت آنحضرت سرور عالم ﷺ نے تحیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جواب ملا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ سن کر آپ نے عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ)

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فوراً توحید و رسالت کی گواہی دی، اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے کلمات ادا کیے۔

نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے اس لیے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی سترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دلجمعی رہے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے نماز پڑھتے ہوئے انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے، کھانے کا تقاضا ہوتے ہوئے اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں ان کی وجہ سے خشوع و خضوع باقی نہیں رہتا اور یہ دربار کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہو تو برابر اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی، حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

منکرین و ملحدین کے جاہلانہ اشکالات کے جواب:

روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے بیداری میں روح و جسم کے ساتھ معراج کرائی اہل السنۃ

والجماعت کا یہی مذہب ہے ایک ہی رات میں آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں پہنچے وہاں حضرت انبیاء کرامؑ کی امامت کی پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرامؑ سے ملاقاتیں ہوئیں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ عالم بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر آپ ﷺ تخفیف کرنے کی درخواست کرتے رہے اور خالق کائنات جل مجدہ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمایا پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دے دیئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا اور آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہو گیا تو قریش کا منہ بند ہو گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

لیکن اب دور حاضر کے ملحدین واقعہ معراج کو ماننے میں تامل کرتے ہیں، اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ اس کا انکار کیوں کرتے اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کر لی اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں جو سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ فرمایا ہے اس میں بِعَبْدِهٖ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے نیز لفظ اَسْرٰی جو سری یسری (معتل اللام) سے باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے خواب میں کوئی کہیں چلا جائے اس کو سری اور اسری سے تعبیر نہیں کیا جاتا لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے۔ ھداھم اللہ تعالٰی

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین سے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلاں کرہ سے گزرنا لازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا اور فلاں کرہ سے زندہ نہیں گزر سکتا یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اول تو ان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کرہ سے چاہے باسلامت گزار دے اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، اور سانس لینے کو بھی تو اس نے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے اگر وہ انسان کو تخلیق کی ابتدا ہی سے بغیر ہوا اور بغیر سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی، اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا حبس دم کرنے والے سانس لیے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے۔

بعض جاہل تو آسمان کے وجود کے ہی منکر ہیں ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے: اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝ کسی چیز کو نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو محض اٹکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں۔ (قَاتَلَہُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ)

فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالق کائنات جل مجدہ نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا لیکن اصحاب فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں اور اب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے، اب بتاؤ ان اٹکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالق کائنات جل مجدہ کا فرمان صحیح ہے؟ سورۃ

ملک میں فرمایا: (اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ) (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف ہے خبیر ہے۔)

فلسفہ قدیمہ والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا یہ بھی ان کی الکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گئے نہ جا کر دیکھا زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کر لیا، جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بتائے، سورۃ اعراف میں فرمایا: (لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ) اور سورۃ نباء میں فرمایا: (وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا) اور آسمان کے پھٹنے کا بھی ذکر فرمایا جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا۔ (اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَھِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاھِیَةٌ) میں تذکرہ فرمایا ہے لہٰذا ان لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی یہ اشکال ہو کہ ایک رات میں اتنا بڑا سفر کیسے ہوسکتا ہے؟ کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اس کی کچھ وجہ بھی تھی کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہو گئے ہیں ان کا وجود نہ تھا اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے جہاں سے بیت المقدس تھوڑی ہی دور ہے اگر اسی حساب کو دیکھا جائے تو بیت المقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہوسکتے ہیں اور رات کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کے لیے تسلیم کر لیے جائیں تو اس میں کوئی بعد نہیں ہے، اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید در مزید تیز رفتاری عطا فرمادے، اور نئی سواریاں پیدا فرمادے جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورۃ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا ہے: وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی اب تو ایسے طیارے تیار ہو چکے ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں، یہی لوگ جو سفر معراج کے منکر ہیں یا اس کے وقوع میں متردد ہیں خود ہی بتائیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنے محور پر گھومتی ہے چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کر لیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کرہ سے کروڑوں میل دور ہے کرن ظاہر ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے پھر واقعہ معراج میں تردد کیوں ہے؟

صاحب معراج جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ حد نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی۔ اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف دس بارہ منٹ کی مسافت بنتی ہے اس طرح بیت المقدس تک آنے جانے میں کل بیس منٹ کے لگ بھگ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لیے بچ گئی۔

مؤمن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنے اور تصدیق کرے۔ والمرتابون هم الھالکون۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ ....

(ربط) اوپر کی آیت میں آنحضرت ﷺ کی کرامت اسراء اور شرف معراج کا ذکر تھا اب اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک شرف اور عزت اور کرامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بلا کران سے کلام کیا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے ان کی توریت دی جس میں یہ تاکیدی حکم تھا کہ اے فرزندان قوم نوح جن کو ہم نے کشتی میں سوار کیا تھا کہ تم خدا کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا نہ بنانا مگر بنی اسرائیل گوسالہ پرستی اور شرک میں پڑ کر ہلاک ہوئے۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا اور کلام خداوندی سے مشرف ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کی معراج تھی معراج محمدی کے ساتھ معراج موسوی کا ذکر نہایت لطیف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم صاحب کتاب اور صاحب معجزات خدا تعالیٰ کے عظیم رسول تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رسول برحق ہیں اور توریت کی طرح حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت عالم کے لیے قرآن جیسی عظیم کتاب عطا کی جو توحید اور مبداء اور معاد اور مکارم اخلاق کی تعلیم میں بے مثال ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے من وراء الحجاب اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اسی طرح آپ ﷺ نے بھی لیلۃ المعراج میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہوئے اور جس طرح موسیٰ علیہا السلام کی نبوت کے منکرین کا انجام خراب ہوا اسی طرح آپ ﷺ کی نبوت اور معجزہ معراج کے منکرین کا انجام خراب ہوا۔

اور چونکہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کی امت دن رات میں پچاس نمازوں کا تحمل نہ کر سکے گی اس لیے آپ ﷺ پروردگار کی طرف لوٹ جایئے اور تخفیف کا سوال کیجئے اس لیے حق تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے ذکر کے بعد خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے آپ ﷺ بار بار بارگاہ خداوندی میں گئے اور تخفیف کی درخواست کی اور منظور ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنایا اور ان کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ کہ اپنے امور کو اس کے حوالہ اور سپرد کر دو بلکہ اللہ کے سپرد کرو کیونکہ غیر اللہ کو اپنا وکیل بنانا ایک قسم کا کفر اور کفران نعمت ہے اور تم لوگ ان لوگوں کی ذریت ہو جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور سب خدا کے شکرگزار بندے تھے۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ شکرگزاری اور کفر سے بیزاری میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلو چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نسل ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا ان کی اتباع کی برکت سے ہم نے تم کو نجات دی اور ان کے ساتھ تم کو کشتی میں سوار کیا۔ پس تم اپنے باپ کے مشابہ بنو اور ان کے طریقہ پر چلو بے شک نوح علیہ السلام خدا کے بڑے شکرگزار بندے تھے جب کھانا کھاتے یا پانی پیتے یا کپڑا پہنتے تو الحمدللہ کہتے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا نام "عبدالشکور" رکھا عبودیت اور بندگی کا اصل دارومدار شکرگزاری پر ہے۔ شکرگزاری سے ہدایت اور توفیق ملتی ہے اور ناشکرا اور ناقدرا محروم رہتا ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ....

(ربط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا کہ ان کی ہدایت کیلئے توریت نازل کی مگر وہ بجائے رشد و ہدایت کے فتنہ و فساد میں جا گرے جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ دنیا ہی میں طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ اب ان آیات میں احکام خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کے برے انجام کو بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ عبرت پکڑیں کہ جو شخص اللہ سے باغی ہو جاتا ہے اللہ دنیا ہی میں اس کے دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ ان آیات میں اجمالاً دو واقعوں کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی کی اور دونوں مرتبہ سخت قتل اور غارت اور ذلت اور مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے کتاب توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں فیصلہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو اس سے آگاہ کر دیا کہ تم سرزمین شام میں دو مرتبہ ضرور فتنہ اور فساد برپا کرو گے کہ حدود شریعت سے باہر نکل جاؤ گے اور اعلانیہ احکام توریت کی خلاف ورزی کرو گے اور بڑا اودھم مچاؤ گے اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاؤ گے خوب سمجھ لو کہ دونوں مرتبہ تم سخت سزا میں مبتلا ہو جاؤ گے لَتُفْسِدُنَّ میں حقوق اللہ کے ضائع کرنے کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے توریت میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشینگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل ملک میں دو مرتبہ فتنہ اور فساد برپا کریں گے اور ظلم و ستم کا شیوہ اختیار کریں گے تو پھر ہر مرتبہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑے گا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ پھر جب ان دو وعدوں میں سے پہلے وعدہ کا وقت آئے گا تو ہم تمہاری سزا اور سرکوبی کے لیے اپنے ایسے بندے کھڑے کریں گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے سو وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے اور ڈھونڈ کر تم کو قتل کریں گے اور گھر گھر تلاش کر کے تم کو گرفتار کریں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نصر بابلی اور اس کا لشکر ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے جالوت مراد ہے جو بعد میں داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

نکتہ: عباداً لنا (ہمارے بندے) یہ اضافت تشریف و تکریم کے لیے نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ ہمارے خاص بندے ہوں گے بلکہ یہ اضافت تخلیق و تکوین ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے خاص ظالم بندے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اسی لیے پیدا کیا ہے یعنی مغرورین اور متکبرین پر مسلط کرنے کے لیے پیدا کیا اور ان ظالم بندوں سے بخت نصر اور اس کا لشکر مراد ہے اور یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا سو وہ پورا ہوا پھر جب تم نادم اور تائب ہو کر اپنی شرارتوں سے باز آ جاؤ گے تو پھر تم کو ہم ان پر غلبہ دے دیں گے تم غالب ہو گے وہ مغلوب ہوں گے اور قسم قسم کے مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں بڑا جتھے والا کر دیں گے اور تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور تمہاری قلت مبدل بہ کثرت ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح و نصرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں پورا ہوا یا کسی اور بادشاہ کے زمانے میں پورا ہوا واللہ اعلم۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سلطنت اور شوکت عطا کی جب تک اللہ کی اطاعت اور شریعت کے متابعت قائم رہے سلطنت اور اقتدار قائم رہا۔ اہل دولت کو چاہئے کہ مال و دولت اور شان و شوکت پر مغرور نہ ہوں یہ دنیا آنی اور فانی ہے اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ کر خدا کے قہر اور انتقام کو نہ بھولے نہ معلوم خدا تعالیٰ کس وقت پکڑ لے اور بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ کرے آج کل بیت المقدس اور بلاد عربیہ اور ہندوستان میں جو مسلمان کفار کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر کھلم کھلا احکام شریعت کی خلاف ورزی پر اتر آئے ہیں اللھم احفظنا من ذلک آمین۔

اور کتاب میں بطور نصیحت یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم پہلے واقعہ سے سبق لے کر آئندہ نیکی کرو گے تو اپنے ہی نفع کیلئے نیکی کرو گے اس بھلائی کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال بھی تمہاری جانوں کیلئے ہوگا مطلب یہ ہے کہ ہمارا نہ کوئی نفع ہے اور نہ کوئی ضرر جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے اس کا بیان ہے کہ جو خدا سے باغی اور طاغی ہوئے اللہ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور پھر اس ظالم نے ان کو خوب ذلیل و خوار کیا۔ جزاء وفاقا وما ربک بظلام للعبید۔ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا یعنی جب تم دوبارہ فتنہ برپا کرو گے اور شریعت عیسویہ کا خلاف کرو گے اور پہلی مرتبہ کی سزا بھلا کر سرکشی کرو گے اور اس طرح دوسری بار سزا کی میعاد آجائے گی تو حسب سابق پھر دوبارہ ہم تم پر اپنے ظالم بندوں کو مسلط کریں گے۔ تاکہ وہ تم کو مار مار کر تمہارے منہ بگاڑیں اور تاکہ دوبارہ مسجد بیت المقدس میں گھس آئیں۔ جیسا پہلی دفعہ گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا قابو چلے اس کو تہس نہس اور نیست و نابود کر دیں پورا نیست و نابود کرنا یعنی تہس نہس کرنے میں کسر نہ چھوڑیں۔ پہلی بار بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ کی مخالفت کی اللہ کریم نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے مسجد اقصیٰ کو خراب کیا اور توریت کو جلایا اور ہزاروں بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ہزاروں کو لونڈی اور غلام بنایا یہ پہلی سختی اور سزا تھی یہ اللہ کا پہلا وعدہ تھا جو پورا ہوا دوسری بار بنی اسرائیل نے شریعت کیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا دی کہ طیطوس رومی کو کھڑا کیا جس نے بنی اسرائیل کو تباہ اور برباد کیا اور مسجد اقصیٰ کو خراب اور ویران کیا۔ یہ دوسری بار سزا اور دوسری سختی تھی جو حسب وعدہ ان کو پہنچی۔ یہ اللہ کا دوسرا وعدہ تھا جو پورا ہوا اور حق تعالیٰ نے اس کتاب میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ ان دو عقوبتوں اور ان دو سختیوں کے بعد بار دیگر تم پر رحم کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ اس دوسری عقوبت نہ کرنا بلکہ شریعت محمدیہ کا اتباع کرنا امید ہے کہ عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے۔ یعنی اس کتاب میں یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اگر اس دوسری سختی اور دوسری مصیبت کے بعد بزمانہ اسلام اپنی شرارتوں سے توبہ کر لو تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرما دے اور پھر تمہیں عزت اور نعمت دے اور ذلت اور مصیبت سے تم کو محفوظ رکھے عسیٰ کے معنی امید کے ہیں اور امید سے وعدہ مراد ہے اور اگر تم پھر تیسری بار شرارت کی طرف لوٹے تو ہم پھر تیسری بار سختی اور سزا کی طرف لوٹیں گے مطلب یہ ہے کہ گزشتہ دو عقوبتوں کے بعد اگر تیسری بار پھر تم نے سر اٹھایا تو ہم پھر تیسری بار وہی کام کریں گے جو ہم اس سے پہلے دو مرتبہ کر چکے ہیں۔

چنانچہ بنی اسرائیل نے تیسری بار حضور پرنور ﷺ کے وقت میں پھر شرارتیں کیں آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کے خلاف سازشیں کیں اور حسن سابق کفر اور غرور کی طرف عوف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعت سور صفت توریت اور انجیل میں مذکور تھی اس کو چھپایا اور آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پھر تیسری بار ان کی عقوبت کی طرف عود فرمایا جس کی سزا میں وہ قتل اور جلاوطنی کے عقوبت میں مبتلا ہوئے بنو قریظہ کو حضور پرنور ﷺ نے قتل کیا اور بنو نضیر کو جلاوطن کیا اور باقیوں پر جزیہ لگایا اس طرح اللہ کا یہ تیسرا وعدہ بھی پورا ہوا یہ سزا تو ان کو دنیا میں ملی اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے دائمی جیل خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں دو واقعوں کی طرف اشارہ فرمایا جن کا تعین بہت مشکل ہے کتب تواریخ میں بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں اس لیے تعین مشکل ہے ہم نے اپنی اس تفسیر میں امام رازی قدس اللہ سرہ کی پیروی کی اور جو قول ان کے نزدیک مختار تھا اسی کو اختیار کیا کہ پہلے وعدہ میں عبادا لنا اولی باس شدید سے بخت

نصراور اس کا لشکر مراد ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ نے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے بہر حال مقصود یہ ہے کہ مال و دولت اور حکومت و سلطنت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن لوگ جب اللہ کی نعمت کو اس کی معصیت کا ذریعہ بنالیں اور کھلم کھلا اس کی نافرمانی اور سرکشی اور ستم رانی پر اتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کبھی انتقام بھی لے لیتے ہیں اور ظلم وستم کی پاداش میں ظالموں پر ظالموں ہی کو مسلط کر دیتے ہیں ظلم کی سزا ظلم ہے ظالم کو ظالم کے ہاتھ سے پٹواتے ہیں کذالک نولی بعض الظلمین بعضا بما کانوا یکسبون۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ ....

ذکر فضیلت قرآن کریم:

(ربط) گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر تھا اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر دینی اور دنیوی مصیبتیں آئیں اب اس آیت میں قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے لوگوں کو چاہئے کہ اس کی مخالفت سے ڈریں کہ بنی اسرائیل کی طرح ان پر مصیبتیں نازل نہ ہوں اور قرآن مجید توریت سے بڑھ کر کتاب ہدایت ہے اس لیے کہ توریت کی ہدایت، ہدایت خاصہ تھی بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی اور قرآن کی ہدایت، ہدایت عامہ ہے تمام عالم کے لیے قیامت تک کے لیے ہدایت ہے۔ لہٰذا اس کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے اور قرآن کریم میں جا بجا توریت اور قرآن کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر توریت عطا ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہ فاران پر غار حرا میں قرآن عطا ہوا توریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی اور قرآن کریم اول بنی اسرائیل اور تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا اور اس آیت میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ یہ قرآن توریت سے کہیں بلند اور برتر ہے اس لیے کہ اس آیت میں قرآن کے دو وصف ذکر فرمائے۔

اول یہ کہ لوگوں کو ایسے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے کہ جو تمام راستوں میں سب سے زیادہ سیدھا ہے اور خدا تک پہنچانے کا سب سے زیادہ قریب راستہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل ہدایت کو بشارت دیتا ہے اور اہل ضلالت کو ڈراتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے عبرت پکڑیں کہ جو لوگ اس کتاب ہدایت پر عمل نہ کریں گے وہ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل وخوار ہوں گے۔ تحقیق یہ قرآن اس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ ٹھیک اور درست ہے مراد ہے اور تمام دینی اور دنیاوی امور میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے انسان کی سعادت اور نحوست کی کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی کہ جو قرآن نے نہ بتلادی ہو اب اس سے بڑھ کر اور کون سا طریقہ درست ہوگا اور خوش خبری سناتا ہے مؤمنوں کو جو اس پر ایمان لائے اور دل سے اس کو مانتے ہیں اور اسی راہ پر چلتے ہیں یعنی اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر ہے۔

اور بشارت دیتا ہے بدبختوں کو یعنی ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے ان کے لیے دوزخ کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یہ اہل ایمان کے لیے دوسری خوشخبری ہے کہ ان کے دشمنوں کو عذاب ہوگا اس لیے کہ دشمنوں کی مصیبت سے مسرت ہوتی ہے۔

وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ عَلٰی نَفْسِهٖ وَاَهْلِهٖ اِذَا ضَجِرَ دُعَآءَهٗ اَیْ کَدُعَائِهٖ لَهٗ بِالْخَیْرِ ۚ وَکَانَ الْاِنْسَانُ الْجِنْسُ

عَجُوْلًا ۝١١ بِالدُّعَاءِ عَلٰى نَفْسِهٖ وَعَدَمِ النَّظَرِ فِىْ عَاقِبَتِهٖ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ دَالَّتَيْنِ عَلٰى قُدْرَتِنَا
فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ طَمَسْنَا نُوْرَهَا بِالظَّلَامِ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً اَىْ
مُبْصَرًا فِيْهَا بِالضَّوْءِ لِتَبْتَغُوْا فِيْهِ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ بِالْكَسْبِ وَلِتَعْلَمُوْا بِهِمَا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط
لِلْاَوْقَاتِ وَكُلَّ شَىْءٍ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝١٢ اَىْ بَيَّنَّاهُ تَبْيِيْنًا وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ عَمَلَهٗ يَحْمِلُهٗ
فِىْ عُنُقِهٖ ط خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّ اللُّزُوْمَ فِيْهِ اَشَدُّ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا وَفِىْ عُنُقِهٖ وَرَقَةٌ مَكْتُوْبٌ
فِيْهَا شَقِىٌّ اَوْ سَعِيْدٌ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا مَكْتُوْبًا فِيْهِ عَمَلُهٗ يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝١٣ صِفَتَانِ لِكِتَابًا وَيُقَالُ لَهٗ
اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝١٤ مُحَاسِبًا مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ج لِاَنَّ ثَوَابَ
اِهْتِدَائِهٖ لَهٗ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ط لِاَنَّ اِثْمَهٗ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ اٰثِمَةٌ اَىْ لَا تَحْمِلُ وِّزْرَ
نَفْسٍ اُخْرٰى ط وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ اَحَدًا حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝١٥ يُبَيِّنُ لَهٗ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً
اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا مُنَعَّمِيْهَا بِمَعْنٰى رُؤَسَائِهَا بِالطَّاعَةِ عَلٰى لِسَانِ رُسُلِنَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا خَرَجُوْا عَنْ اَمْرِنَا فَحَقَّ
عَلَيْهَا الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝١٦ اَهْلَكْنَاهَا بِاِهْلَاكِ اَهْلِهَا وَتَخْرِيْبِهَا وَكَمْ اَىْ كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا مِنَ
الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ط وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝١٧ عَالِمًا بِبَوَاطِنِهَا وَظَوَاهِرِهَا وَبِهٖ يَتَعَلَّقُ
بِذُنُوْبِ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بِعَمَلِهِ الْعَاجِلَةَ اَىِ الدُّنْيَا عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ التَّعْجِيْلَ لَهٗ بَدَلٌ مِنْ لَهٗ
بِاِعَادَةِ الْجَارِ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ جَهَنَّمَ ج يَصْلٰهَا يَدْخُلُهَا مَذْمُوْمًا مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝١٨ مَطْرُوْدًا عَنِ
الرَّحْمَةِ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا عَمِلَ عَمَلَهَا اللَّائِقَ بِهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ حَالٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَّشْكُوْرًا ۝١٩ عِنْدَ اللّٰهِ اَىْ مَقْبُوْلًا مُثَابًا عَلَيْهِ كُلًّا مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ نُّمِدُّ نُعْطِىْ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ بَدَلٌ مِنْ مُتَعَلِّقٌ
بِنُمِدُّ عَطَآءِ رَبِّكَ ط فِى الدُّنْيَا وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ فِيْهَا مَحْظُوْرًا ۝٢٠ مَمْنُوْعًا عَنْ اَحَدٍ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ ط فِى الرِّزْقِ وَالْجَاهِ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ اَعْظَمُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝٢١ مِنَ الدُّنْيَا فَيَنْبَغِىْ الْاِعْتِنَاءُ بِهَا
ع ٢ ١٢ ٢ دُوْنَهَا لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝٢٢ لَا نَاصِرَ لَكَ

ترجمہ: اور انسان برائی کی ایسی دعا کرتا ہے (اپنے اہل وعیال کے حق میں جب بے قرار ہوتا ہے) جس طرح بھلائی کی دُعاء اور انسان (جنس مراد ہے) کچھ جلد باز ہوتا ہے (اپنے حق میں بددُعا کرنے اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے میں) اور ہم

نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا (ہماری قدرت پر دلالت کرنے والی) سو رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا بنا دیا (رات کی روشنی کو ہم نے تاریکی کے ذریعہ ماند کر دیا تاکہ تم اس میں آرام کر سکو، اضافت بیانیہ ہے) اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا (ان روشنی کی وجہ سے دن میں نظر آتا ہے) تاکہ (اس میں) اپنے رب کی روزی تلاش کرو (کمائی کے ذریعہ) اور تاکہ (ان دونوں کے ذریعہ) تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر لو (اوقات کو پہچان لو) اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے (جس چیز کی انسان کو ضرورت پیش آئے اس کی اچھی طرح سے وضاحت کر دی) اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا رکھا ہے (طائر قسمت، بمعنی عمل، گلے کی تخصیص، زیادتی لزوم کی بناء پر ہے حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے گلے میں بدبخت یا نیک بخت ایک کاغذ لکھا ہوا ہوتا ہے) پھر قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکال کر سامنے رکھ دیں گے (جس میں اس کا عمل درج ہوگا) جس کو وہ دکھلا ہوا دیکھ لے گا (یہ دونوں کتٰبًا کی صفت ہیں اور (اس سے کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا حساب جانچنے کے لیے کافی ہے (حسیب یہاں اسم فاعل محاسب کے معنی میں ہے) جو کوئی راہ پر آیا تو اپنے ہی بھلے کو (کیونکہ راہ راست پر آنے کا اجر اس کو ہی ملے گا) اور جو شخص بے راہی اختیار کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لیے بے راہ ہوتا ہے (کیونکہ اس کا گناہ اسی کے سر ہوگا) اور نہیں اٹھائے گا (کوئی شخص) بوجھ (گناہ) کسی دوسرے (شخص) کا اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے (کسی کو) یہاں تک کہ کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے (جو اس کے سامنے اس کے فریضہ کی وضاحت کر دے) اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں (ناز و نعمت میں پلنے والوں، یعنی سرداروں) کو حکم دیتے ہیں (اپنے پیغمبروں کی زبانی اطاعت کرنے کا) پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں (ہمارا کہنا نہیں مانتے) ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے چنانچہ ہم اس بستی کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں (بستی والے جب برباد ہو جاتے ہیں تو بستی بھی اجڑ جاتی ہے) اور نوح کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گذر چکے ہیں۔ جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور اپنے بندوں کے گناہوں کے لیے آپ کے پروردگار کا باخبر اور واقف ہونا کافی ہے (یعنی ڈھکے چھپے اور کھلے سب گناہوں کو وہ جانتا ہے اور بذنوب کا تعلق خبیرا الخ کے ساتھ ہے) جو (اپنے عمل سے) فوری فائدہ (دنیاوی) چاہتا ہے تو جس کسی کو جتنا ہم دینا چاہیں اسی دنیا میں دے ڈالتے ہیں (لمن نرید بدل ہے لہ سے حرف جار کے اعادہ کے ساتھ) پھر بالآخر ہم اس کے لیے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال (پھٹکار برستا ہوا) راندہ (رحمت سے دور) ہو کر داخل ہوگا! لیکن جو کوئی آخرت کا طالب اور اس کے لیے (جس درجہ کی کوشش کرنی چاہئے) ویسی کوشش کرے گا بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو (حال واقع ہے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی (عند اللہ مقبولیت اور اجر سے نوازے جائیں گے) ہم (دونوں جماعتوں میں سے) ہر فریق کو (دنیا میں) اپنے پروردگار کی بخششوں ہی سے مدد دیتے ہیں (عن کا تعلق نمد سے ہے) ان کو بھی اور انکو بھی اور آپکے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے آپ دیکھ لیجئے کہ ہم نے ایک دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے (رزق اور مرتبہ میں) اور البتہ آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی ہے (عظیم الشان ہے) اور فضیلت کے اعتبار سے بھی (دنیا سے لہٰذا آخرت پر ہی توجہ ہونی چاہئے نہ کہ اس کے علاوہ پر) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت تجویز کرو ورنہ تو بدحال بے یار و مددگار ہو کر بیٹھا رہے گا (تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: كَدُعَائِهٖ لَهٗ: بددعا کو دعا کی طرح مانگنے میں تشبیہ بلیغ ہے۔

قولہ: الْجِنْس: یعنی الْاِنْسَانُ پر الف لام جنس کا ہے نہ کہ استغراق کا۔

قولہ: اِضَافَةُ لِلْبَيَانِ: اس سے اشارہ کر رہے ہیں کہ آیت کی اضافت لیل کی طرف اس طرح ہے جیسے عدد کی معدود کی طرف۔

قولہ: مُبْصَرًا فِيْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ ذکر تو یہاں اسم فاعل کا کیا مگر مجازاً اس سے ظرف مراد لیا۔

قولہ: فِيْهِ: اس کو اس لیے مقدر مانا تا کہ دن کی روشنی کے فائدے کی وضاحت کی جا سکے۔

قولہ: عَمَلَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ انسان کا عمل ہار کی طرح اس کے گلے میں لٹکنے والا ہے کبھی اس سے جدا نہیں ہوگا۔

قولہ: خُصَّ بِالذِّكْرِ: گردن کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا کہ یہ لزوم میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

قولہ: يُقَالُ لَهٗ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ کلام اس کے بغیر منظم نہیں ہوسکتا۔

قولہ: بِنَفْسِكَ: ب مؤکدہ زائدہ ہے اور نصیبًا یہ نفسك کی تمیز ہے۔

قولہ: لَا تَحْمِلُ: لا تذی کی تفسیر ہے۔

قولہ: خَبِيْرًا بَصِيْرًا: خبیر کو اس لیے مقدم کیا کیونکہ اس کا متعلق مقدم ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ خبر عموماً دیکھنے سے پہلے ہوتی ہے۔

قولہ: بِعَمَلِهٖ: اس کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ جو آدمی دنیا کا ارادہ کرتا ہے اپنے عمل کے ذریعے نہ کہ عبادت کے ذریعے تو وہ سزائے مذکور کا حقدار نہیں ہے۔

قولہ: مَا نَشَآءُ: معجّل اور معجّل لہ، کو مشیت کے ساتھ مقید کیا کیونکہ ہر تمنا والا اور ہر خواہش والا اپنی ہر تمنا اور خواہش کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اللہ کا ارادہ اس سے متعلق نہ ہو۔

قولہ: اللَّائِقَ بِهَا: یہاں سعی کی اضافت آخرت کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔

قولہ: حَالٌ: اس سے اشارہ کیا کہ وھو مؤمن میں واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ۔

قولہ: مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ: یعنی تنوین جو ہے یہ مضاف الیہ کے بدلے میں آئی ہے۔

قولہ: بَدَلٌ مِنْ مُتَعَلِّقٌ: اور وہ کلا کا لفظ ہے۔

قولہ: مَخْذُوْلًا: یہ خذلان سے ہے وہ شخص جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔

تفسیر مقبولین

وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ ....

یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا، اجر کبیر کی بشارتیں سناتا اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کا حال یہ ہے کہ وہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنے لیے برائی کو اسی اشتیاق والحاح سے طلب کرتا ہے جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنی چاہیے۔ وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ گناہوں اور برائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بدبخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ اٹھتے ہیں۔ (اَللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ) (الانفال: ۳۲) (خداوندا! اگر پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض بیوقوف غصہ سے جھنجھلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے سمجھے بددعا کر بیٹھتے ہیں۔ بعض دنیا کے نفع عاجل کو معبود بنا کر ہر ایک حلال وحرام طریقہ سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سانپ بچھو بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دوررس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ بس جو بات کسی وقت سانح ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گزرا۔ جدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے ادھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبر اور انجام بینی سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔

وَجَعَلۡنَا الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ....

رات کا اندھیرا، دن کا اجالا، دونوں میں سے کبھی اس کا کبھی اس کا چھوٹا بڑا ہونا، پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب عالمتاب کی تیز اور گرم روشنی، یہ سب خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ سینکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط ومحکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔

وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ....

نامہ اعمال گلے کا ہار ہونے کا مطلب:

یہ ہے کہ انسان کسی جگہ کسی حال میں رہے اس کا صحیفہ عمل اس کے ساتھ رہتا ہے اس کا عمل لکھا جاتا رہتا ہے جب وہ مرتا ہے تو بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے پھر قیامت کے روز یہ صحیفہ عمل ہر ایک کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر خود ہی اپنے دل میں فیصلہ کر لے کہ وہ مستحق ثواب ہے یا مستحق عذاب حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ اس روز بے پڑھا آدمی بھی نامہ اعمال پڑھ لے گا اس موقع پر اصبہانی نے بروایت حضرت ابوامامہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعض لوگوں کا نامہ اعمال جب ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دیکھے گا کہ اس کے بعض اعمال صالحہ اس میں لکھے ہوئے

نہیں ہیں تو عرض کرے گا کہ ہم نے ان اعمال کو اس لیے مٹا دیا کہ تم لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ (مظہری)

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ....

اچھے یا برے اعمال انسان کے اپنے لیے ہیں:

جس نے راہ راست اختیار کی حق کی اتباع کی نبوت کی مانی اس کے اپنے حق میں اچھائی ہے اور جو حق سے ہٹا تو اس سے پھر اس کا وبال اسی پر ہے کوئی کسی کے گناہ میں پکڑا نہ جائے گا ہر ایک کا عمل اسی کے ساتھ ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو دوسرے کا بوجھ بٹائے اور جگہ قرآن میں ہے: (وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ) (عنکبوت: ۱۳) اور آیت میں ہے: (وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ) (النحل: ۲۵) یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ یہ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے بہکا رکھا تھا۔ لہذا ان دونوں مضمونوں میں کوئی نفی کا پہلو نہ سمجھا جائے اس لیے کہ گمراہ کرنے والوں پر ان کے گمراہ کرنے کا بوجھ ہے نہ کہ ان کے بوجھ ہلکے کئے جائیں گے اور ان پر لادے جائیں گے ہمارا عادل اللہ ایسا نہیں کرتا۔ پھر اپنی ایک اور رحمت بیان فرماتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے پہنچنے سے پہلے کسی امت کو عذاب نہیں کرتا۔ چنانچہ سورۃ تبارک میں ہے کہ دوزخیوں سے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے بیشک آئے تھے لیکن ہم نے انہیں سچا نہ جانا انہیں جھٹلا دیا اور صاف کہہ دیا کہ تم تو یونہی بہک رہے ہو، سرے سے یہ بات ہی ان ہونی ہے کہ اللہ کسی پر کچھ اتارے۔ اسی طرح جب یہ لوگ جہنم کی طرف کشاں کشاں پہنچائے جا رہے ہوں گے، اس وقت بھی داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہارے رب کی آیتیں تمہارے سامنے پڑھتے ہوں اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں یقیناً آئے لیکن کلمہ عذاب کافروں پر ٹھیک اترا۔ اور آیت میں ہے کہ کفار جہنم میں پڑے چیخ رہے ہوں گے کہ اے اللہ ہمیں اس سے نکال تو ہم اپنے قدیم کرتوت چھوڑ کر اب نیک اعمال کریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی تم اگر نصیحت حاصل کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور میں نے تم میں اپنے رسول بھی بھیجے تھے جنہوں نے خوب آگاہ کر دیا تھا اب تو عذاب برداشت کرو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ الغرض اور بھی بہت سی آیتوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر رسول بھیجے کسی کو جہنم میں نہیں بھیجتا۔ صحیح بخاری میں: (اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ) (الاعراف: ۵۶) کی تفسیر میں ایک لمبی حدیث مروی ہے جس میں جنت دوزخ کا کلام ہے۔ پھر ہے کہ جنت کے بارے میں اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا اور وہ جہنم کے لیے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں ڈال دی جائے گی جہنم کہتی رہے گی کہ کیا ابھی اور زیادہ ہے؟ اس کے بابت علما کی ایک جماعت نے بہت کچھ کلام کیا ہے دراصل یہ جنت کے بارے میں ہے اس لیے کہ وہ دار فضل ہے اور جہنم دار عدل ہے اس میں بغیر عذر توڑے بغیر حجت ظاہر کئے کوئی داخل نہ کیا جائے گا۔ اس لیے حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ راوی کو اس میں الٹا یاد رہ گیا اور اس کی دلیل بخاری مسلم کی وہ روایت ہے جس میں اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ دوزخ پر نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا اس وقت وہ کہے گی بس بس اور اس وقت بھر جائے گی اور چاروں طرف سے سمٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت کے لیے ایک نئی مخلوق پیدا

کرے گا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ کافروں کے جو نابالغ چھوٹے بچے بچپن میں مرجاتے ہیں اور جو دیوانے لوگ ہیں اور نیم بہرے اور جو ایسے زمانے میں گزرے ہیں جس وقت زمین پر کوئی رسول یا دین کی صحیح تعلیم نہیں ہوتی اور انہیں دعوت اسلام نہیں پہنچی اور جو بالکل بڈھے حواس باختہ ہوں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اس بارے میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ ان کے بارے میں جو حدیثیں ہیں وہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں پھر ائمہ کا کلام بھی مختصراً ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ مدد کرے۔

پہلی حدیث مسند احمد میں ہے چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں گے ایک تو بالکل بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنتا اور دوسرا بالکل احمق پاگل آدمی جو کچھ بھی نہیں جانتا، تیسرا بالکل بڈھا پھوس آدمی جس کے حواس درست نہیں، چوتھے وہ لوگ جو ایسے زمانوں میں گزرے ہیں جن میں کوئی پیغمبر یا اس کی تعلیم موجود نہ تھی۔ بہرا تو کہے گا اسلام آیا لیکن میرے کان میں کوئی آواز نہیں پہنچی، دیوانہ کہے گا کہ اسلام آیا لیکن میری حالت تو یہ تھی کہ بچے مجھ پر مینگنیاں پھینک رہے تھے اور بالکل بڈھے بے حواس آدمی کہیں گے کہ اسلام آیا لیکن میرے ہوش حواس ہی درست نہ تھے جو میں سمجھ کرسکتا رسولوں کے زمانوں کا اور ان کی تعلیم کو موجود نہ پانے والوں کا قول ہوگا کہ نہ رسول آئے نہ میں نے حق پایا پھر میں کیسے عمل کرتا؟ اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ اچھا جاؤ جہنم میں کود جاؤ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر وہ فرماں برداری کرلیں اور جہنم میں کود پڑیں تو جہنم کی آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوجائے گی۔ اور روایت میں ہے کہ جو کود پڑیں گے ان پر تو سلامتی اور ٹھنڈک ہوجائے گی اور جو رکیں گے انہیں حکم عدولی کے باعث گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ابن جریر میں اس حدیث کے بیان کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کی تصدیق میں کلام اللہ کی آیت (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا) (الاسراء:۱۵) پڑھ لو دوسری حدیث ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ابوحمزہ مشرکوں کے بچوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ گنہگار نہیں جو دوزخ میں عذاب کئے جائیں اور نیکوکار بھی نہیں جو جنت میں بدلہ دئے جائیں۔ تیسری حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ ان چاروں کے عذر سن کر جناب باری فرمائے گا کہ اوروں کے پاس تو میں اپنے رسول بھیجتا تھا لیکن تم سے میں آپ کہتا ہوں کہ جاؤ اس جہنم میں چلے جاؤ جہنم میں سے بھی فرمان باری سے ایک گردن اونچی ہوگی اس فرمان کو سنتے ہی وہ لوگ جو نیک طبع ہیں فوراً دوڑ کر اس میں کود پڑیں گے اور جو باطن ہیں وہ کہیں گے اللہ پاک ہم اسی سے بچنے کے لیے تو یہ عذر معذرت کررہے تھے اللہ فرمائے گا جب تم خود میری نہیں مانتے تو میرے رسولوں کی کیا مانتے اب تمہارے لیے فیصلہ یہی ہے کہ تم جہنمی ہو اور ان فرمانبرداروں سے کہا جائے گا کہ تم بیشک جنتی ہو تم نے اطاعت کرلی۔

چوتھی حدیث مسند حافظ ابویعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہے۔ پھر مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ، تو کہا گیا یا رسول اللہ انہوں نے کوئی عمل تو نہیں کیا آپ نے فرمایا ہاں لیکن اللہ انہیں بخوبی جانتا ہے۔ پانچویں حدیث۔ حافظ ابوبکر احمد بن عمر بن عبدالخالق بزار رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی کمروں پر لادے ہوئے آئیں گے اور اللہ کے سامنے عذر کریں گے کہ نہ ہمارے پاس تیرے رسول پہنچے نہ ہمیں تیرا کوئی حکم پہنچا اگر ایسا ہوتا تو ہم جی کھول کر مان لیتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب اگر حکم کروں تو مان لوگے؟ وہ کہیں گے

ہاں ہاں بیشک بلا چون و چرا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا اچھا جاؤ جہنم کے پاس جا کر اس میں داخل ہو جاؤ یہ چلیں گے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اب جو اس کا جوش اور اس کی آواز اور اس کے عذاب دیکھیں گے تو واپس آجائیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہمیں اس سے تو بچا لے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو تو اقرار کر چکے ہو کہ میری فرمانبرداری کرو گے پھر یہ نافرمانی کیوں؟ وہ کہیں گے اچھا اب اسے مان لیں گے اور کر گزریں گے چنانچہ ان سے مضبوط عہد و پیمان لیے جائیں گے، پھر یہی حکم ہوگا یہ جائیں گے اور پھر خوفزدہ ہو کر واپس لوٹیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہم تو ڈر گئے ہم سے تو اس فرمان پر کار بند نہیں ہوا جاتا۔ اب جناب باری فرمائے گا تم نافرمانی کر چکے اب جاؤ ذلت کے ساتھ جہنمی بن جاؤ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ ہی یہ بحکم الٰہی اس میں کود جاتے تو آتش دوزخ ان پر سرد پڑ جاتی اور ان کا ایک رواں بھی نہ جلاتی۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کا متن معروف نہیں ایوب سے صرف عباد ہی روایت کرتے ہیں اور عباد سے صرف ریحان بن سعید روایت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسے ابن حبان نے ثقہ بتلایا ہے۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں ان میں کوئی ڈر خوف کی بات نہیں۔ ابوداؤد نے ان سے روایت نہیں کی۔ ابوحاتم کہتے ہیں یہ شیخ ہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی حدیثیں لکھائی جاتی ہیں اور ان سے دلیل نہیں لی جاتی۔

چھٹی حدیث۔ امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خالی زمانے والے اور مجنون اور بچے اللہ کے سامنے آئیں گے ایک کہے گا میرے پاس تیری کتاب پہنچی ہی نہیں، مجنوں کہے گا میں بھلائی برائی کی تمیز ہی نہیں رکھتا۔ بچہ کہے گا میں نے سمجھ بوجھ کا بلوغت کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اسی وقت ان کے سامنے آگ شعلے مارنے لگے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے ہٹا دو تو جو لوگ آئندہ نیکی کرنے والے تھے وہ تو اطاعت گزار ہو جائیں گے اور جو اس عذر کے ہٹ جانے کے بعد بھی نافرمانی کرنے والے تھے وہ رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تم میری ہی براہ راست نہیں مانتے تو میرے پیغمبروں کی کیا مانتے؟

ساتویں حدیث۔ انہی تین شخصوں کے بارے میں اوپر والی احادیث کی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو اس میں سے ایسے شعلے بلند ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ تو ساری دنیا کو جلا کر بھسم کر دیں گے، دوڑتے ہوئے واپس لوٹ آئیں گے پھر دوبارہ یہی ہوگا اللہ عزوجل فرمائے گا۔ تمہاری پیدائش سے پہلے ہی تمہارے اعمال کی خبر تھی میں نے علم ہوتے ہوئے تمہیں پیدا کیا تھا اسی علم کے مطابق تم ہو۔ اے جہنم انہیں دبوچ لے چنانچہ اسی وقت آگ انہیں لقمہ بنا لے گی۔

آٹھویں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان کے اپنے قول سمیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بخاری و مسلم میں آپ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں ۔ جیسے کہ بکری کے صحیح سالم بچے کے کان کاٹ دیا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا حضور ﷺ اگر وہ بچپن میں ہی مر جائے تو؟ آپ نے فرمایا اللہ کو ان کے اعمال کی صحیح اور پوری خبر تھی۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ مسلمان بچوں کی کفالت جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد یکسو مخلص بنایا ہے۔ ایک روایت میں اس کے ساتھ ہی

مسلمان کالفظ بھی ہے۔

نویں حدیث حافظ ابوبکر برقانی اپنی کتاب المستخرج علی البخاری میں روایت لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے لوگوں نے با آواز بلند دریافت کیا کہ مشرکوں کے بچے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مشرکوں کے بچے بھی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم بنائے جائیں گے۔

دسویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ جنت میں کون کون جائیں گے۔ آپ نے فرمایا نبی اور شہید بچے اور زندہ درگور کئے ہوئے بچے۔ علماء میں سے بعض کا مسلک تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں، خاموش ہیں ان کی دلیل بھی گزر چکی۔ بعض کہتے ہیں یہ جنتی ہیں ان کی دلیل معراج والی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خواب میں ایک شیخ کو ایک جنتی درخت تلے دیکھا، جن کے پاس بہت سے بچے تھے۔ سوال پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں کی اور مشرکوں کی اولاد ہیں، لوگوں نے کہا حضور ﷺ مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ دوزخی ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں ان کا امتحان قیامت کے میدانوں میں ہو جائے گا۔ اطاعت گزار جنت میں جائیں گے، اللہ اپنے سابق علم کا اظہار کر کے پھر انہیں جنت میں پہنچائے گا اور بعض بوجہ اپنی نافرمانی کے جو اس امتحان کے وقت ان سے سرزد ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنے پہلا علم آشکارا کر دے گا۔ اس وقت انہیں جہنم کا حکم ہوگا۔ اس مذہب سے تمام احادیث اور مختلف دلیلوں میں جمع ہو جاتی ہے اور پہلے کی حدیثیں جو ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں اس معنی کی کئی ایک ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا نقل فرمایا ہے۔

اور اسی کی تائید امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقاد میں کی ہے۔ اور بھی بہت سے محققین علماء اور پرکھ والے حافظوں نے یہی فرمایا ہے۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے امتحان کی بعض روایتیں بیان کر کے لکھا ہے اس بارے کی حدیثیں قوی نہیں ہیں اور ان سے حجت ثابت نہیں ہوتی اور اہل علم ان کا انکار کرتے ہیں اس لیے کہ آخرت دار جزا ہے، دار عمل نہیں ہے اور نہ دار امتحان ہے۔ اور جہنم میں جانے کا حکم بھی تو انسانی طاقت سے باہر کا حکم ہے اور اللہ کی یہ عادت نہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا جواب بھی سن لیجیے، اس بارے جو حدیثیں ہیں، ان میں سے بعض تو بالکل صحیح ہیں۔ جیسے کہ ائمہ علماء نے تصریح کی ہے۔ بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں لیکن وہ بوجہ صحیح اور حسن احادیث کے قوی ہو جاتی ہیں۔ اور جب یہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں حجت و دلیل کے قابل ہوگئیں اب رہا امام صاحب کا یہ فرمان کہ آخرت دار عمل اور دار امتحان نہیں وہ دار جزا ہے۔ یہ بیشک صحیح ہے لیکن اس سے اس کی نفی کیسے ہوگئی کہ قیامت کے مختلف میدانوں کی پیشیوں میں جنت دوزخ میں داخلے سے پہلے کوئی حکم احکام نہ دئے جائیں گے۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے تو مذہب اہلسنت والجماعت کے عقائد میں بچوں کے امتحان کو داخل کیا ہے۔ مزید برآں آیت قرآن: (يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ) (القلم: ۴۲) اس کی کھلی دلیل ہے کہ منافق و مؤمن کی تمیز کے لیے پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کا حکم ہوگا۔ صحاح کی احادیث میں ہے کہ مؤمن تو سجدہ کر لیں گے اور منافق الٹے منہ پیٹھ کے بل گر پڑیں گے۔

بخاری و مسلم میں اس شخص کا قصہ بھی ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا کہ وہ اللہ سے وعدے وعید کرے گا سوا اس سوال کے اور کوئی سوال نہ کرے گا اس کے پورا ہونے کے بعد وہ اپنے قول قرار سے پھر جائے گا اور ایک اور سوال کر بیٹھے گا وغیرہ۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابن آدم تو بڑا ہی عہد شکن ہے اچھا جا، جنت میں چلا جا۔ پھر امام صاحب کا یہ فرمانا کہ انہیں ان کی طاقت سے خارج بات کا یعنی جہنم میں کود پڑنے کا حکم کیسے ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ بھی صحت حدیث میں کوئی روک پیدا نہیں کر سکتا۔ خود امام صاحب اور تمام مسلمان مانتے ہیں کہ پل صراط پر سے گزرنے کا حکم سب کو ہو گا جو جہنم کی پیٹھ پر ہو گا اور تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہو گا۔ مؤمن اس پر سے اپنی نیکیوں کے اندازے سے گزر جائیں گے۔ بعض مثل بجلی کے، بعض مثل ہوا کے، بعض مثل گھوڑوں کے بعض مثل اونٹوں کے، بعض مثل بھاگنے والوں کے، بعض مثل پیدل جانے والوں کے، بعض گھٹنوں کے بل سرک سرک کر، بعض کٹ کٹ کر، جہنم میں پڑیں گے۔ پس جب یہ چیز وہاں ہے تو انہیں جہنم میں کود پڑنے کا حکم تو اس سے کوئی نہیں بلکہ یہ اس سے بڑا اور بہت بھاری ہے۔ اور سنئے حدیث میں ہے کہ دجال کے ساتھ آگ اور باغ ہو گا۔ شارع علیہ السلام نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ دیکھ رہے ہیں اس میں سے پئیں وہ ان کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کی چیز ہے۔ پس یہ اس واقعہ کی صاف نظیر ہے۔ اور لیجئے بنو اسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اس کی سزا میں اللہ نے حکم دیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں ایک ابر نے آ کر انہیں ڈھانپ لیا اب جو تلوار چلی تو صبح ہی صبح ابر پھٹنے سے پہلے ان میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے۔ بیٹے نے باپ کو اور باپ نے بیٹے کو قتل کیا کیا یہ حکم اس حکم سے کم تھا؟ کیا اس کا عمل نفس پر گراں نہیں؟ پھر تو اس کی نسبت بھی کہہ دینا چاہیے تھے کہ اللہ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ ان تمام بحثوں کے صاف ہونے کے بعد اب سنئے۔ مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کی بابت بھی بہت سے اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب جنتی ہیں، ان کی دلیل وہی معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مشرکوں اور مسلمانوں کے بچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا ہے اور دلیل ان کی مسند کی وہ روایت ہے جو پہلے گزر چکی کہ آپ نے فرمایا بچے جنت میں ہیں۔ ہاں امتحان ہونے کی جو حدیثیں گزریں وہ ان میں سے خصوص ہیں۔ پس جن کی نسبت رب العالمین کو معلوم ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار ہیں ان کی روحیں عالم برزخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہیں اور مسلمانوں کے بچوں کی روحیں بھی۔ اور جن کی نسبت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ قبول کرنے والے نہیں، ان کا امر اللہ کے سپرد ہے وہ قیامت کے دن جہنمی ہوں گے۔ جیسے کہ احادیث امتحان سے ظاہر ہے۔ امام اشعریؒ نے اسے اہل سنت سے نقل کیا ہے اب کوئی تو کہتا ہے کہ یہ مستقل طور پر جنتی ہیں کوئی کہتا ہے یہ اہل جنت کے خادم ہیں۔ گو ایسی حدیث داؤد طیالسی میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکوں کے بچے بھی اپنے باپ دادوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے جیسے کہ مسند وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کے تابعدار ہیں۔ یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا بھی کہ باوجود بے عمل ہونے کے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا عمل کرنے والے تھے، اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی اولاد کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے کہا مشرکوں کی اولاد؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے کہا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا ہو؟ آپ نے فرمایا وہ کیا کرتے یہ اللہ کے علم میں ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے۔ آپ

نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں ان کا رونا پیٹنا اور چیخنا چلانا بھی تجھے سنا دوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے روایت لائے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی نسبت سوال کیا جو جاہلیت کم زمانے میں فوت ہوئے تھے آپ نے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں جب آپ نے دیکھا کہ بات انہیں بھاری پڑی ہے تو آپ نے فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم خود ان سے بیزار ہو جاتیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا اچھا جو بچہ آپ سے ہوا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو مؤمن اور ان کی اولاد جنتی ہے اور مشرک اور ان کی اولاد جہنمی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: (والذین امنوا واتبعھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم) جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی اتباع کی ایمان کے ساتھ کی۔ ہم ان کی اولاد انہی کے ساتھ ملا دیں گے یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد میں محمد بن عثمان راوی مجہول الحال ہیں اور ان کے شیخ زاذان نے حضرت علیؓ کو نہیں پایا واللہ اعلم۔

ابوداؤد میں حدیث ہے زندہ در گور کرنے والی اور زندہ در گور کردہ شدہ دوزخی ہیں۔ ابوداؤد میں یہ سند حسن مروی ہے حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں اپنے بھائی کو لیے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور ﷺ ہماری ماں جاہلیت کے زمانے میں مر گئی ہیں، وہ صلہ رحمی کرنے والی اور مہمان نواز تھیں، ہماری ایک نابالغ بہن انہوں نے زندہ دفن کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا ایسا کرنے والی اور جس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے دونوں دوزخی ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو پالے اور اسے قبول کرلے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کرنا چاہیے کوئی فیصلہ کن بات یک طرفہ نہ کہنی چاہیے۔ ان کا اعتماد آپ کے اس فرمان پر ہے کہ ان کے اعمال کا صحیح اور پورا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بخاری میں ہے کہ مشرکوں کی اولاد کے بارے میں جب آپ سے سوال ہوا تو آپ نے انہی لفظوں میں جواب دیا تھا۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ یہ اعراف میں رکھے جائیں گے۔ اس قول کا نتیجہ یہی ہے کہ یہ جنتی ہیں اس لیے کہ اعراف کوئی رہنے سہنے کی جگہ نہیں یہاں والے بالآخر جنت میں ہی جائیں گے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم اس کی تفسیر کر آئے ہیں، واللہ اعلم۔ یہ تو تھا اختلاف مشرکوں کی اولاد کے بارے میں لیکن مؤمنوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں تو علما کا بلا اختلاف یہی قول ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ جیسے کہ حضرت امام احمد کا قول ہے اور یہی لوگوں میں مشہور بھی ہے اور ان شاء اللہ عزوجل ہمیں بھی یہی امید ہے۔ لیکن بعض علماء سے منقول ہے کہ وہ ان کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب بچے اللہ کی مرضی اور اس کی چاہت کے ماتحت ہیں۔ اہل فقہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ موطا امام مالک کی ابواب القدر کی احادیث میں بھی کچھ اسی جیسا ہے گو امام مالک کا کوئی فیصلہ اس میں نہیں۔ لیکن بعض متاخرین کا قول ہے کہ مسلمان بچے تو جنتی ہیں اور مشرکوں کے بچے مشیت الٰہی کے ماتحت ہیں۔ ابن عبدالبر نے اس بات کو اسی وضاحت سے بیان کیا ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ کتاب التذکرہ میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے واللہ اعلم۔

اس بارے میں ان بزرگوں نے ایک حدیث یہ بھی وارد کی ہے کہ انصاریوں کے ایک بچے کے جنازے میں حضور ﷺ کو بلایا گیا تو ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اس بچے کو مرحبا ہو یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کا کوئی کام کیا نہ اس زمانے کو پہنچا تو آپ نے فرمایا اس کے سوا کچھ اور بھی اے عائشہ؟ سنو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت والے پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ اپنے باپ کی پیٹھ میں تھے۔ اسی طرح اس نے جہنم کو پیدا کیا ہے اور اس میں جلنے والے پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ ابھی اپنے

باپ کی پیٹھ میں ہیں۔ مسلم اور سنن کی یہ حدیث ہے چونکہ یہ مسئلہ صحیح دلیل بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور لوگ اپنی بے علمی کے باعث بغیر ثبوت شارع کے اس میں کلام کرنے لگے ہیں۔اس لیے علماء کی ایک جماعت نے اس میں کلام کرنا ہی ناپسند رکھا ہے۔ابن عباس، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق اور محمد بن حنفیہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو منبر پر خطبے میں فرمایا تھا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس امت کا کام ٹھیک ٹھاک رہے گا جب تک کہ یہ بچوں کے بارے میں اور تقدیر کے بارے میں کچھ کلام نہ کریں گے (ابن حبان) امام ابن حبان کہتے ہیں مراد اس سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں کلام نہ کرنا ہے۔اور کتابوں میں یہ روایت حضرت عبداللہؓ کے اپنے قول سے موقوفاً مروی ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔مترفین یعنی صاحبان عیش وراحت اور جابر لوگ۔مجاہد کی قراءت میں اَمَّرْنَا آیا ہے یعنی ہم مسلط کر دیتے ہیں اور ان کو حاکم بنا دیتے ہیں، حسن اور قتادہ اور یعقوب نے آمَرْنَا پڑھا ہے یعنی راحت ونعمت میں پڑے ہوئے لوگوں کو پیغمبر کی زبانی ہم طاعت وفرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں امرنا کے بعد بالطاعة کا لفظ محذوف ہے، قرینہ یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا ہم پیغمبر کو بھیجے بغیر عذاب نہیں دیا کرتے اور اس آیت کے بعد فرمایا ہے۔

فَفَسَقُوْا فِيْهَا: پس وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں۔

فسق کا معنی ہے طاعت سے نکل جانا اور سرکش ہو جانا بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ معنی ہے کہ ہم اصحاب راحت و نعمت کو فسق کرنے کا حکم دیتے ہیں اور وہ فاسق ہو جاتے ہیں عرب کا محاورہ ہے: اَمَرْتُهٗ فَجَلَسَ میں نے اس کو حکم دیا یعنی بیٹھنے کا حکم دیا تو وہ بیٹھ گیا۔اس مطلب پر امر اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہ ہوگا۔کیونکہ اللہ گناہ کا حکم نہیں دیتا۔اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ: اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔بلکہ مجازی معنی مراد ہوگا یعنی ہم ان کو فسق پر آمادہ کر دیتے ہیں اسباب فسق فراہم کر دیتے ہیں، نعمتوں کی ان پر بارش کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ راحت پسند اور عیش کوش بن جاتے ہیں اور یہ عیش کوشی ان کو فسق میں مبتلا کر دیتی ہے۔

بعض علماء نے اَمَرْنَا کا معنی كَثَّرْنَا بیان کیا ہے اَمَرْتُ الشَّيْءَ میں نے اس چیز کو کثیر کر دیا۔فَاَمُرَ پس وہ زیادہ ہو گئی۔حدیث میں آیا ہے: خَيْرُ الْمَالِ سِكَّةٌ مَأْبُوْرَةٌ وَّمُهْرَةٌ مَأْمُوْرَةٌ۔سِكَّةٌ: کھجور کے درختوں کی قطار۔مابورة: ہموار درست۔مہرة: بچھیری۔مامورة: کثیر النسل بہت بچے دینے والی۔یعنی بہترین مال کھجور کے درختوں کی ہموار قطار ہے اور وہ بچھیری ہے جس کی نسل بہت ہو بہت بچے دینے والی ہو۔

ہرقل والی حدیث میں ابوسفیان کا قول آیا ہے لقد أمر امر ابن ابی کبشہ ابو کبشہ (عبداللہ) کے بیٹے (یعنی محمد ﷺ) کی بات تو بہت ہو گئی اس کا مرتبہ اونچا ہو گیا۔ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا: مَالِيَ اَرٰى اَمْرَكَ يَاْمُرُ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا معاملہ بڑھتا جا رہا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَيَاْمُرَنَّ عَلٰى مَا تَرٰى، خدا کی قسم جتنا تم دیکھ رہے ہو اس سے اور بڑھتا جائے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہم جاہلیت کے زمانہ میں کہتے تھے: قد آمر بنو فلان، فلاں قبیلہ والے بہت ہو گئے۔

قاموس میں ہے اَمرہ اور آمرہ دونوں ہم معنی ہیں اس کی نسل اور مویشیوں کو بڑھا دیا بہت کر دیا۔

ایک محاورہ ہے اَمِرَ اِمارۃً فلاں محض حاکم بنادیا گیا ممکن ہے آیت میں آمرنا اسی محاورہ سے ماخوذ ہو۔ یعنی ہم نے اس بستی کے راحت پسند اور عیش کوش لوگوں کو حاکم بنادیا۔ مترفین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لیے کیا کہ دوسرے لوگ تو ان کے تابع ہوتے ہی ہیں پھر عیش پسند لوگ ہی زیادہ احمق اور فسق پر قادر ہوتے ہیں۔

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا: تب اس پر حجت تمام ہو جاتی ہے آخر اس بستی کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں یعنی اس بستی کے رہنے والوں کو ہم تباہ اور ہلاک کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے بستی ویران اور تباہ ہو جاتی ہے۔

بخاری نے حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان کی وساطت سے حضرت زینب بنت جحش کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز گھبرائے ہوئے خوفزدہ میرے پاس تشریف لائے آپ فرمارہے تھے لا الٰہ الا اللہ شر قریب آ گیا' عرب کے لیے اس سے تباہی (ہونے والی) ہے حضور ﷺ نے انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کو ملا کر ایک حلقہ بنا کر فرمایا آج اتنا (سوراخ) یاجوج ماجوج نے کھول لیا' حضرت زینب کا بیان ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عرب میں تو نیک لوگ بھی ہیں کیا وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے' فرمایا ہاں اگر گندگی بڑھ جائے گی (تو سب ہلاک ہو جائیں گے)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ ....

آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے آج دنیا میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں کہ اپنے مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسرحق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے اور چونکہ دولت کھٹا کھٹ چلی آرہی ہے اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے عمل پر احتساب و نظر ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش ہونے والی چیز نہیں دیکھنا تو یہ چاہیے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے۔ اگر محض دنیا ہے تو انجام تمام تر خراب ہی ہونا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ. یعنی جو اپنا مطمع نظر اسی عارضی و فانی دنیا کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ. دونوں قیدیں اہم ہیں یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے گی بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی، جس کے لیے اور جس حد تک مشیت الٰہی مصالح تکوینی کے مطابق ہوگی۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ ....

بہ خلاف آیت ماقبل کے یہاں وعدہ مطلق اور قطعی صورت میں ہے طالب عقبیٰ کو (جو حقیقۃً طالب مولیٰ ہی ہوتا ہے) اسے ایمان اور سعی حسن عمل کے بعد جزائے کامل یقیناً ملے گی۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ یعنی جو اپنا مطمح نظر اس مکمل و پائیدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ گویا قبول کی پہلی شرط تصحیح نیت ہوئی۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا محض تمنا ہرگز کافی نہیں۔ جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اس کی طرف قدم بڑھائے، محض آرزو و تمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے۔ اور عمل بھی اپنے ظن و تخمین سے نہیں یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں بلکہ قانون شریعت کے مطابق ہو۔ گویا دوسری شرط تصحیح عمل ہوئی۔ حسب ضابطہ شریعت اعمال و طاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اپنے دل سے گڑھی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہو سکیں گے اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے

رہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ - تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ صحیح عقیدہ کی ہوئی، منکر قانون الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔
كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ....

یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک و بد، سعید وشقی، مقبول و مردود تکوینی طور پر خزانہ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں، چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور روشنی اور حیوانی ونباتی موجودات سے جس طرح مؤمن نفع اٹھا سکتے ہیں اسی طرح شدید منکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔ كُلًّا یعنی ہر دو فریق۔ اے کل واحد من الفریقین (مدارک)

وَقَضٰى امر رَبُّكَ بِاَنْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ وَاَنْ تُحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ بِاَنْ تَبَرُّوْهُمَا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ فَاعِلٌ اَوْ كِلٰهُمَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ يَبْلُغَانِ فَاَحَدُهُمَا بَدَلٌ مِنْ اَلِفِهٖ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ بِفَتْحِ الْفَاءِ وَكَسْرِهَا مُنَوَّنًا وَغَيْرَ مُنَوَّنٍ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى تَبًّا وَقُبْحًا وَّلَا تَنْهَرْهُمَا تَزْجُرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ جَمِيْلًا لَيِّنًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ اَلِنْ لَهُمَا جَانِبَكَ الذَّلِيْلَ مِنَ الرَّحْمَةِ اَیْ لِرِقَّتِكَ عَلَيْهِمَا وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَحِمَانِیْ حِيْنَ رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًا ۝۲۴ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ۭ مِنْ اِضْمَارِ الْبِرِّ وَالْعُقُوْقِ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ طَائِعِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ الرَّجَّاعِيْنَ اِلٰى طَاعَتِهٖ غَفُوْرًا ۝۲۵ لِمَا صَدَرَ مِنْهُمْ فِیْ حَقِّ الْوَالِدَيْنِ مِنْ بَادِرَةٍ وَهُمْ لَا يُضْمِرُوْنَ عُقُوْقًا وَاٰتِ اَعْطِ ذَا الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ حَقَّهٗ مِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶ بِالْاِنْفَاقِ فِیْ غَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ اَیْ عَلٰى طَرِيْقَتِهِمْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷ شَدِيْدَ الْكُفْرِ لِنِعَمِهٖ فَكَذٰلِكَ اَخُوْهُ الْمُبَذِّرُ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ اَیِ الْمَذْكُوْرِيْنَ مِنْ ذِی الْقُرْبٰى وَمَا بَعْدَهٗ فَلَمْ تُعْطِهِمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا اَیْ لِطَلَبِ رِزْقٍ تَنْتَظِرُهٗ يَاْتِيْكَ فَتُعْطِيْهِمْ مِنْهُ فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝۲۸ لَيِّنًا سَهْلًا بِاَنْ تَعِدَهُمْ بِالْاِعْطَاءِ عِنْدَ مَجِیْءِ الرِّزْقِ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ اَیْ لَا تُمْسِكْهَا عَنِ الْاِنْفَاقِ كُلَّ الْمَسْكِ وَلَا تَبْسُطْهَا فِی الْاِنْفَاقِ كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا راجع للاول مَّحْسُوْرًا ۝۲۹ مُنْقَطِعًا لَا شَیْءَ عِنْدَكَ رَاجِعٌ لِلثَّانِیْ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝۳۰ عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ فَرَزَقَهُمْ عَلٰى حَسْبِ مَصَالِحِهِمْ

ع ۸/۳

تَرْجَمَہ: اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور (یہ کہ احسان کرو) اپنے ماں باپ کے

ساتھ بھلائی سے پیش آؤ (اچھا سلوک کرو) اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک (یہ فاعل ہے) یا دونوں (اور ایک قراءت میں لفظ یبلغان ہے پس لفظ "احدھما" الف سے بدل ہوجائے گا) تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان کی کسی بات پر اف مت کرو (فا کے فتح اور کسرہ کے ساتھ تنوین اور بغیر تنوین کے ہر طرح سے یہ مصدر ہے یعنی کبھی تم ان سے ہاں سے ہوں بھی نہ کرو) اور نہ انہیں جھڑکو (ڈانٹو) اور ان سے خوب ادب آداب (خوش اسلوبی) سے بات کرو اور ان کے آگے عاجزی سے جھکے رہنا (ان کے آگے سرنیاز جھکائے رکھنا) مہربانی سے (یعنی ان سے محبت کا برتاؤ کرنا) اور ان کے حق میں دعاء کرتے رہنا کہ پروردگار ان پر رحم کر جس طرح (انہوں نے مجھ پر رحم کھایا جب کہ) بچپن میں انہوں نے مجھے پالا پوسا اور بڑا کیا تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے (صلہ رحمی کرنا یا بدسلوکی کرنا) اگر تم نیک (اللہ کے فرمانبردار) ہوئے تو اللہ توبہ کرنے والوں (اللہ کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرنے والوں) کی خطا معاف فرما دیتا ہے (جو کچھ جلدی میں ماں باپ کی حق تلفی ہوجاتی ہے حالانکہ دل میں کسی نافرمانی کا جذبہ نہیں تھا) اور قرابتدار کو اس کا حق (یعنی حسن سلوک اور صلہ رحمی کرکے) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور روپیہ پیسہ بے موقع مت اڑانا، (کہ اللہ کی مرضی کے خلاف بے محل خرچ کر ڈالو) بلاشبہ بے موقع خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں (یعنی ان کے طریقہ پر ہیں) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (اللہ کی نعمتوں کا کھلے بندوں انکار کرنے والا ہے یہی حال ان فضول خرچ شیطان کے بندوں کا ہے) اور اگر آپ کو پہلو تہی کرنی پڑے (ان رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں سے اور ان کو تم نہ دے سکو) اپنے پروردگار کی طرف سے روزق آنے کی امید میں جس کی تم راہ دیکھ رہے ہو (یعنی اس انتظار میں ہو کہ تمہارے پاس کہیں سے کچھ آجائے تو تم انہیں دے ڈالو) تو انہیں نرمی سے سمجھا دو (یعنی پوری بخیلی پر بھی نہ کمر باندھ لو) اور نہ ہی بالکل پھیلا دو ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے گی (یہ تو پہلی صورت کی خرابی ہوگی) اور خالی ہاتھ ہو کر بیٹھے رہو گے (بالکل تہی دست کہ ایک پھوٹی کوڑی بھی تمہارے پاس نہیں رہے گی) یہ دوسری صورت کا نتیجہ نکلے گا (تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے) اور جس کی چاہتا ہے اندازہ کی (تنگ) کر دیتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے (ظاہر و باطن سے واقف ہے ان کی مصلحتوں کے مطابق ان کو رزق دیتا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: امر: قضی کی تفسیر امر سے کی کیونکہ اللہ کا ہر فیصلہ بہر صورت واقع ہونے والا ہے۔

قوله: بِاَنْ: اس سے اشارہ کیا کہ ان مصدریہ ہے البتہ مفسرہ ہونا بھی جائز ہے۔

قوله: اَنْ تُحْسِنُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ با احسان سے متعلق نہیں ہے کیونکہ مصدر کا صلہ مقدم نہیں آسکتا پس یہ عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہے۔

قوله: عِنْدَكَ الْكِبَرَ: اس کا معنی کفالت ونگرانی ہے۔

قوله: فَاعِلٌ: یعنی احدھما یبلغن کا فاعل ہے ضمیر فاعل نہیں ہے اور احدھما یہ کلا کی الف سے بدل ہے۔

قوله: تَنْهَرْهُمَا: کیونکہ ممانعت اور ڈانٹ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یعنی بات میں ان سے سختی مت کر۔

قوله: اَلِنْ لَهُمَا: یہاں جناح سے مجازا جانت مراد لی ہے اور یہ خاص کا ذکر کر کے مراد عام لینا اسی کے قسم میں سے ہے۔ خفض سے یہاں نرمی اور تواضع ہی مراد ہے اور عاجزی کے لیے جناح مبالغہ ثابت کیے ہیں۔

قوله: الذَّلِيْلِ: اس سے اشارہ کیا کہ جَنَاحَ کی ذلت کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔

قوله: لِرِقَّتِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ من اجلیہ ہے اور لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے۔

قوله: مِنْ بَادِرَةٍ: یعنی جو زیادتی غصے کی حالت میں ہوگئی یا وہ دل تنگی جو ان کی ایذاء کا باعث بنے۔

قوله: فِيْ غَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ: اس سے اشارہ ہے کہ نیکی میں تبذیر نہیں ہے۔

قوله: لِطَلَبِ: اس سے اشارہ کیا کہ ابتغاء مخاطب سے حال نہیں بلکہ مفعول لہ ہے اور اس کا معلل فعل اعراض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو نے رزق کے نایاب ہونے کی وجہ سے ان سے اعراض کیا جس کے بارے میں تجھے امید ہے تو وہ کھول دیا جائے گا اور تو نے ان کو اچھے انداز سے واپس کیا تو گویا ابتغاء کو فقد کی جگہ رکھا گیا کیونکہ رزق نہ پانے والا اس کا متلاشی ہے تو گویا فقد یعنی تلاش وہ ابتغاء کا سبب بنا گویا مسبب وہ سبب کی جگہ آ گیا۔

قوله: مَلُوْمًا: یعنی اللہ کے ہاں بخل کی وجہ سے قابل ملامت ہے۔

قوله: مُنْقَطِعًا: یہ حصرہ السفر سے لیا گیا ہے جبکہ سفر کا شدید اثر اس پر ہو۔

تفسیر مقبولین

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا ....

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم:

اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اول تو یہ حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، انبیاءؑ کی تمام شرائع کا سب سے بڑا یہی حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل کرانے کے لیے اللہ جل شانہ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو بھیجا، اور کتابیں نازل فرمائیں اور صحیفے اتارے اللہ جل شانہ کو عقیدہ سے ایک ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور کسی بھی چیز کو اس کی ذات وصفات اور تعظیم وعبادت میں شریک نہ کرنا خداوند قدوس کا سب سے بڑا حکم ہے۔

دوم: یہ فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اللہ جل شانہ خالق ہے، اسی نے سب کو وجود بخشا ہے اس کی عبادت اور شکر گزاری بہر حال فرض اور لازم ہے اور اس نے چونکہ انسانوں کو وجود بخشنے کا ذریعہ ان کے ماں باپ کو بنایا اور ماں باپ اولاد کی پرورش میں بہت کچھ دکھ تکلیف اٹھاتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا جو قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ لفظ ''حسن سلوک'' میں سب باتیں آ جاتی ہیں جس کو سورۃ بقرہ میں اور سورۃ انعام اور یہاں سورۃ الاسراء میں وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا سے تعبیر فرمایا ہے، ماں باپ کی

فرمانبرداری، دلداری، راحت رسانی، نرم گفتاری اور ہر طرح کی خدمت گزاری ان لفظوں کے عموم میں آجاتی ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

سوم: یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اف بھی نہ کہو، مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کلمہ ان کی شان میں زبان سے نہ نکالو جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو یا جس کلمہ سے ان کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔

لفظ اُفٍ بطور مثال کے فرمایا ہے، بیان القرآن میں اردو کے محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "ان کو ہوں بھی مت کہو" دوسری زبان میں ان کے مطابق ترجمہ ہوگا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے علم میں کلمہ اف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ جل شانہ اس کو بھی ضرور حرام قرار دے دیتا۔ (درمنثور)

ماں باپ کی تعظیم و تکریم اور فرمانبرداری ہمیشہ واجب ہے بوڑھے ہوں یا جوان ہوں، جیسا کہ آیات اور احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور ان کو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اولاد کو ان کا اُگال دان صاف کرنا پڑتا ہے، میلے اور ناپاک کپڑے دھونے پڑتے ہیں جس سے طبیعت بور ہونے لگتی ہے اور بعض مرتبہ تنگ دل ہو کر زبان سے الٹے سیدھے الفاظ بھی نکلنے لگتے ہیں اس موقع پر صبر اور برداشت سے کام لینا اور ماں باپ کا دل خوش رکھنا اور رنج دینے والے ذرا سے لفظ سے بھی پرہیز کرنا بہت بڑی سعادت ہوتی ہے۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تو جوان کے کپڑے وغیرہ سے گندگی اور پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے، تو اس موقع پر اف بھی نہ کہہ، جیسا کہ وہ بھی اف نہ کہتے تھے جب تیرے بچپن میں تیرا پیشاب پاخانہ وغیرہ دھوتے تھے۔ (درمنثور)

چہارم: (اُف کہنے کی ممانعت کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ ان کو مت جھڑکو، جھڑکنا اف کہنے سے بھی زیادہ برا ہے، جب اف کہنا منع ہے تو جھڑکنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر بھی واضح فرمانے کے لیے خاص طور پر جھڑکنے کی صاف اور صریح لفظوں میں ممانعت فرمادی۔

پنجم: حکم فرمایا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (ماں باپ سے خوب ادب سے بات کرنا) اچھی باتیں کرنا، لب و لہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر و تکریم کا خیال رکھنا یہ سب قَوْلًا كَرِيمًا میں داخل ہے۔

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ خطا کار زر خرید غلام جس کا آقا بہت سخت مزاج ہو یہ غلام جس طرح اپنے آقا سے بات کرتا ہے اسی طرح ماں باپ سے بات کی جائے تو قَوْلًا كَرِيمًا پر عمل ہو سکتا ہے۔

حضرت زہیر بن محمد نے قولا کریما کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اذا دعواک فقل لبیکما و سعدیکما (یعنی جب تجھے ماں باپ بلائیں تو کہنا کہ میں حاضر ہوں اور تعمیل ارشاد کے لیے موجود ہوں) ان اکابر کے یہ اقوال تفسیر (درمنثور ص۱۷۱ ج۴) میں مذکور ہیں۔

ششم: ارشاد فرمایا: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (یعنی ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا) اس کی تفسیر میں حضرت عروہ نے فرمایا کہ تو ان کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ ان کی جو دلی رغبت ہو اس کو

پورا ہونے میں تیری وجہ سے فرق نہ آئے، اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ماں باپ سے بات کرتے وقت نیچے اوپر ہاتھ مت اٹھانا (جیسے برابر والوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے اٹھاتے ہیں) اور حضرت زہیر بن محمد نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ماں باپ اگر تجھے گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں تو تو جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ (درمنثور)

ہفتم: یہ نصیحت فرمائی کہ ماں باپ کے لیے یہ دعا کرتے رہا کرو: رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿ (کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا اور پرورش کیا) بات یہ ہے کہ کبھی اولا دحاجت مند تھی جو بالکل ناسمجھ اور ناتواں تھی، اس وقت ماں باپ نے ہر طرح کی تکلیف سہی اور دکھ سکھ میں خدمت کر کے اولاد کی پرورش کی، اب پچاس ساٹھ سال کے بعد صورت حال الٹ گئی کہ ماں باپ خرچ اور خدمت کے محتاج ہیں اور اولاد کمانے والی ہے، روپیہ پیسہ، اور گھر بار اور کاروبار والی ہے، اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی خدمت سے نہ گھبرائے اور ان پر خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو، دل کھول کر جان و مال سے ان کی خدمت کرے اور اپنے چھوٹے پن کا وقت یاد کرے اس وقت انہوں نے جو تکلیفیں اٹھائیں، ان کو سامنے رکھے، اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرے کہ "اے میرے رب ان پر رحم فرما" جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے پن میں پالا اور پرورش کی۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کرا رہا تھا اس نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵ ج ۳) عن مسند البزار بسند فيه ضعف، واخرجه البخاري في الادب المفرد موقوفا على ابن عمر

یہ جو فرمایا کہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۔۔۔۔ درمنثور میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعید بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر اولاد کی جانب سے ماں باپ کے حقوق میں غفلت سے کوتاہی ہو جائے اور دل سے فرمانبردار ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو معاف فرمانے والا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب کاموں میں اللہ جل شانہ کو کون سا کام زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا بروقت نماز پڑھنا (جو اس کا وقت مستحب ہے) میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۰ از بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل بروقت نماز پڑھنا اور اس کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ پھر تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو فرمایا معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

ماں باپ ذریعہ جنت اور ذریعہ دوزخ ہیں:

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت یا تیری جہنم ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱ از ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے رہو، زندگی بھر ان کے آرام وراحت کا دھیان رکھو، جان و مال سے ان کی فرمانبرداری میں لگے رہو، تمہارا یہ عمل جنت میں جانے کا سبب بنے گا اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی ان کو ستایا دکھ دیا تو وہ تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹)

یعنی ماں باپ کو راضی رکھا تو اللہ پاک بھی راضی ہے اور ماں باپ کو ناراض کیا تو اللہ بھی ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ جل شانہ نے ماں باپ کو راضی رکھنے کا حکم فرمایا ہے جب ماں باپ کو ناراض رکھا تو اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوئی جو اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔

واضح رہے کہ یہ اسی صورت میں ہے جبکہ ماں باپ کسی ایسے کام کے نہ کرنے سے ناراض ہوں جو خلاف شرع نہ ہو، اگر خلاف شرع کسی کام کا حکم دیں تو ان کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔ اس ناراضگی میں اللہ جل شانہ کی ناراضگی نہ ہوگی اس صورت میں اگر وہ ناراض بھی ہو جائیں تو ناراضگی کی پرواہ نہ کرے، کیونکہ اللہ جل شانہ کی رضامندی اس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے اس کے حکم کے خلاف کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

والد جنت کے دروازوں میں سے بہتر دروازہ ہے:

حضرت ابوالدرداءؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کے دروازوں میں سے سب سے اچھا دروازہ ہے اب تو (اس کی فرمانبرداری کرکے) اس دروازہ کی حفاظت کرلے یا (نافرمانی کرکے) اس کو ضائع کردے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰)

باپ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں مقبول ہیں ان (کی مقبولیت) میں کوئی شک نہیں (۱) والد کی دعا اولاد کے لیے (۲) مسافر کی دعا (۳) مظلوم کی دعا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۵، از ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس حدیث سے والد کی دعاء کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں، کہ گو اس میں والدہ کا ذکر نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ جب والد کی دعا ضرور قبول ہوگی تو والدہ کی دعا بھی بطریق اولیٰ ضرور قبول ہوگی، اولاد کو چاہیے

ماں باپ کی خدمت کرتی رہے اور دعا لیتی رہے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے ان کا دل دکھے اور ان میں سے کوئی دل سے یا زبان سے بددعا کر بیٹھے۔ کیونکہ جس طرح ان کی دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح ان کے دکھے دل کی بددعا بھی لگ جاتی ہے، اگرچہ عموماً شفقت کی وجہ سے وہ بددعا سے بچتے ہیں، ان کی دعا سے دنیا و آخرت سدھر سکتی ہے اور بددعا سے دونوں جہانوں کی بربادی ہو سکتی ہے۔

ماں باپ کے اکرام واحترام کی چند مثالیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ساتھ ایک بڑے میاں تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ تیرے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں، آپ نے فرمایا کہ باپ کے اکرام واحترام کا خیال رکھ ہرگز اس کے آگے مت چلنا اور اس سے پہلے مت بیٹھنا اور اس کا نام لے کر مت بلانا اور اس کی وجہ سے (کسی کو) گالی مت دینا۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۷۱، ج ٤)

ماں باپ کا احترام واکرام دل سے بھی کرے اور زبان سے بھی، عمل سے بھی اور برتاؤ سے بھی، اس حدیث پاک میں اکرام واحترام کی چند جزئیات ارشاد فرمائی ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا دوسرے یہ فرمایا کہ جب کسی جگہ بیٹھنا ہو تو باپ سے پہلے مت بیٹھنا تیسرے یہ فرمایا کہ باپ کا نام لے کر مت پکارنا، چوتھے یہ کہ باپ کی وجہ سے کسی کو گالی مت دینا مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے باپ کو ناگوار بات کہہ دے تو اس کو اور اس کے باپ کو گالی مت دینا۔ کیونکہ اس کے جواب میں وہ پھر تمہارے باپ کو گالی دے گا اور اس طرح سے تم اپنے باپ کو گالی دلانے کا سبب بن جاؤ گے واضح رہے کہ یہ نصیحتیں باپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں والدہ کے حق میں بھی ان کا خیال رکھنا لازم ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں باپ کی خدمت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے مثلاً راستہ دکھانا ہو یا اور کوئی ضرورت درپیش ہو۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق اور عمر دونوں بڑھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور اس کا رزق بڑھائے اس کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

(درمنثور ص ۱۷۳ ج ٤ از بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اور ان کی خدمت میں لگے رہنے سے عمر دراز ہوتی ہے اور رزق بڑھتا ہے بلکہ ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے بھی عمر دراز ہوتی ہے اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے نئی نسل کے بہت سے نوخیز نوجوان دوست احباب بیوی بچوں پر تو بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں اور ماں باپ کے لیے پھوٹی کوڑی خرچ کرنے سے بھی ان کا دل دکھتا ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب سے تو محروم ہوتے ہی ہیں دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے جو عمر میں درازی اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس سے محروم ہوتے ہیں۔

ماں باپ کے اخراجات کے لیے محنت کرنے کا ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ایسے شخص کا (مسجد نبوی کے قریب) گذر ہوا جس کا جسم دبلا پتلا تھا اس کو دیکھ کر حاضرین نے کہا کہ کاش یہ جسم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) دبلا ہوا ہوتا یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید وہ اپنے بوڑھے ماں باپ پر محنت کرتا ہو (اور ان کی خدمت میں لگنے اور ان کے لیے روزی کمانے کی وجہ سے دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ چھوٹے بچوں پر محنت کرتا ہو (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اور ان کے لیے رزق مہیا کرنے میں دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ اپنے نفس پر محنت کرتا ہو (اور اپنی جان کے لیے محنت کر کے روزی کماتا ہو) تاکہ اپنے نفس کو لوگوں سے بے نیاز کر دے اور مخلوق سے سوال نہ کرنا پڑے) اگر ایسا ہے تو فی سبیل اللہ ہے۔ (درمنثور ص۱۷۰ ج۴ از بیہقی)

معلوم ہوا کہ ماں باپ اور آل اولاد بلکہ اپنے نفس کے لیے حلال روزی کمانا بھی فی سبیل اللہ میں شمار ہے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی جہاد سے افضل ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر‌ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں! آپ نے فرمایا انہیں میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت میں جو تو محنت اور کوشش اور مال خرچ کرے گا یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہوگا) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ واپس جا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہ۔ (مشکوۃ المصابیح ص۳۳۱ از بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ بن جاہمہ‌ؓ نے بیان فرمایا کہ میرے والد حضرت جاہمہ‌ؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے جہاد کرنے کا ارادہ کیا اور آپ سے مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے آپ نے فرمایا بس تو اسی کی خدمت میں لگا رہ کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ص۴۲۱ از احمد، نسائی، بیہقی)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں (جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو) جہاد کی شرکت کے لیے جانے سے ماں باپ کی خدمت کرنا زیادہ افضل ہے اگر دوسرا بھائی بہن ان کی خدمت کے لیے موجود نہ ہو تو ان کی خدمت میں رہنے کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے گی۔

حضرت ابو سعید خدری‌ؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے سرزمین شرک سے تو ہجرت کر لی لیکن جہاد (باقی) ہے تو کیا یمن میں تمہارا کوئی (قریبی) عزیز ہے؟ عرض کیا کہ والدین موجود ہیں، آپ نے سوال فرمایا کہ انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ عرض کیا نہیں فرمایا بس تم واپس جاؤ اور ان سے اجازت لو اگر اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کر لینا ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا۔

(درمنثور ص۱۷۰، ج۴ عن احمد والحاکم، وقال صحیح الحاکم)

ہجرت کی بیعت کیلئے والدین کو روتا چھوڑنے والے کو نصیحت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے آیا اور عرض کیا کہ میں آپ سے ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میں نے اپنے والدین کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ دونوں (میری جدائی کی وجہ سے) رو رہے تھے آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس واپس جا اور ان کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا۔ (متدرک حاکم ص ۱۵۳ ج ۴ ابوداؤد وغیرہ)

یہ شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں نیک نیتی سے حاضر ہوا یعنی ہجرت پر بیعت ہونے کے لیے سفر کر کے آیا تھا اول ہجرت کی نیت پھر حضور اقدس ﷺ سے اس عمل پر بیعت ہونا یہ سب مبارک اور نیک عمل ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن ماں باپ اس کے سفر کرنے پر راضی نہ تھے وہ اس شخص کے سفر میں جانے سے بہت بے چین ہوئے اور جدائی کے صدمہ سے رونے لگے۔ جب حضور اقدس ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ واپس جا اور والدین کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا ہے۔

اس سے ماں باپ کی دلداری کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ہجرت کرنا فرض نہ تھا اسلام خطہ عرب میں پھیل چکا تھا مسلمان ہر جگہ امن وامان کے ساتھ اسلام کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ رنجیدہ ہوں اور صدمہ کی وجہ سے روئیں گناہ ہے، اور ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ خوش ہوں اور جس سے ان کو ہنسی آئے ثواب کا کام ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ: بکاء الوالدین من العقوق والکبائر (یعنی ماں باپ کا رونا عقوق اور کبائر میں سے ہے) جبکہ اولاد ایسا کام کرے جس سے ایذا پہنچنے کی وجہ سے رونے لگیں۔ (الادب المفرد للبخاری)

حضرت اویس قرنیؓ یمن کے رہنے والے تھے ان کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے خیر التابعین فرمایا اور حضرت عمرؓ سے یہ بھی فرمایا کہ ان سے اپنے لیے دعائے مغفرت کرانا انہوں نے عہد نبوت میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن والدہ کی خدمت کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے اور شرف صحابیت سے محروم ہو گئے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ان کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ قدردانی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان سے دعا کرانا، والدین کی خدمت کا جو مرتبہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اویس قرنی کی والدہ ہے اس کے ساتھ انہوں نے حسن سلوک کیا اگر اویس (کسی بات میں) اللہ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم پوری فرمائے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی حج اور عمرہ سے کم نہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قادر نہیں (ممکن ہے کہ یہ صاحب بہت کمزور ہوں یا بعض اعضاء صحیح سالم نہ ہوں جس کی وجہ سے یہ کہا کہ جہاد پر قادر نہیں ہوں) ان کی بات سن کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے سوال فرمایا کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا والدہ زندہ ہے، آپ نے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ (کی خدمت اور فرمانبرداری) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جب تو اس پر عمل کرے گا تو تو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا جب تیری ماں تجھے

بلائے تو (اس کی فرمانبرداری کے بارے میں) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا) اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (درمنثور ص ١٧٣ ج ٤ از بیہقی وغیرہ)

اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ والدہ تم کو بلائے تو اس کی اطاعت کرو، عام حالات میں جب بھی ماں باپ بلائیں ان کے پکارنے پر حاضر ہو جائے اور جو خدمت بتائیں انجام دیدے اگر نماز میں مشغول ہو اور اس وقت والدین میں سے کوئی آواز دے تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ماں باپ اگر کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں مثلاً پاخانہ وغیرہ کی ضرورت سے آتے جاتے پاؤں پھسل جائے اور دونوں میں سے کوئی گر جائے یا گر جانے کا قوی اندیشہ ہے اور کوئی دوسرا اٹھانے والا اور سنبھالنے والا نہیں ہے تو ان کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لیے فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے اور اگر انہوں نے کسی ایسی ضرورت کے لیے نہیں پکارا جس کا اوپر ذکر ہوا بلکہ یوں ہی پکار لیا تو فرض نماز توڑنا درست نہیں ہے اور اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کر رکھی ہے اور ماں باپ نے آواز دی لیکن ان کو معلوم نہیں ہے کہ فلاں لڑکا یا لڑکی نماز میں ہے تو اس صورت میں نماز توڑ کر جواب دینا واجب ہے خواہ کسی ضرورت سے پکاریں خواہ بلاضرورت یوں ہی پکار لیں اس صورت میں اگر نماز نہ توڑی اور ان کا جواب نہ دیا تو گناہ ہوگا البتہ اگر ان کو معلوم ہے کہ نماز میں ہے اور یوں ہی بلاضرورت پکارا ہے تو نماز نہ توڑے۔ (ذکرہ الشامی فی باب ادراک الفریضہ)

والدین کے ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے:

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے تو انہیں معاف فرما دیتا ہے مگر والدین کے ستانے کا گناہ ایسا ہے جس کی سزا دنیا ہی میں موت سے پہلے دے دیتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ٤١٢ از شعب الایمان للبیہقی)

والدین کی نافرمانی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں۔ (١) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ (٢) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (٣) کسی جان کو قتل کر دینا (جس کا قتل کرنا قاتل کے لیے شرعاً حلال نہ ہو)۔ (٤) جھوٹی قسم کھانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ١٧ از بخاری)

کبیرہ گناہوں کی فہرست طویل ہے اس حدیث میں ان گناہوں کا ذکر ہے جو بہت بڑے ہیں ان میں شرک کے بعد ہی عقوق الوالدین کو ذکر فرمایا ہے، لفظ عقوق میں بہت عموم ہے ماں باپ کو کسی بھی طرح ستانا، قول یا فعل سے ان کو ایذا دینا دل دکھانا نافرمانی کرنا حاجت ہوتے ہوئے ان پر خرچ نہ کرنا یہ سب عقوق میں شامل ہے پہلے حدیث ذکر کی جا چکی ہے جس میں محبوب ترین اعمال کا بیان ہے اس میں بروقت نماز پڑھنے کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ بتایا ہے بالکل اسی طرح بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شرک کے بعد ماں باپ کے ستانے اور ان کی نافرمانی کرنے کو شمار فرمایا ہے ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی کس درجہ کا گناہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔

وہ شخص ذلیل ہو جس کو ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا کہ وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں کسی ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۸ از مسلم)

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جنت میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے اور عقوق الوالدین یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے، زندگی میں خصوصاً نوجوانی میں انسان سے بہت سے صغیرہ، کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور ماں باپ کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے اگر کسی گنہگار بندہ کو بوڑھے ماں باپ میسر آجائیں یعنی اس کی موجودگی میں بوڑھے ہو جائیں تو گزشتہ گناہوں کے کفارہ کے لیے اور دوزخ سے آزاد ہو کر جنتی بننے کے لیے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کو ہاتھ سے نہ جانے دے جس شخص نے ماں باپ کو بوڑھا پایا لیکن ان کی خدمت نہ کی ان کی دعائیں نہ لیں ان کا دل دکھاتا رہا اور جوش جوانی میں ان کی طرف سے غفلت برتتا رہا جس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو گیا ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ بددعا دی اور فرمایا کہ یہ شخص (دنیا آخرت میں ذلیل وخوار ہو) لا جعلنا اللہ منھم جس کے ماں باپ زندہ ہیں ان کو زندگی کی قدر کرے اور ان کو راضی رکھ کر جنت کما لے۔

ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی عقوق میں شامل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا جس نے والد کو تیز نظر سے دیکھا۔ (درمنثور ص ۱۷۱ ج ۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کو تیز نظروں سے دیکھنا بھی ان کے ستانے میں داخل ہے، حضرت حسنؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ عقوق یعنی ماں باپ کے ستانے کی کیا حد ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ان کو (خدمت اور مال سے) محروم کرنا اور ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا اور ان کے چہرے کی طرف تیز نظر سے دیکھنا یہ سب عقوق ہے۔

(درمنثور از ابن ابی شیبہ)

حضرت عروہؓ نے بیان فرمایا کہ اگر ماں باپ تجھے ناراض کر دیں یعنی ایسی بات کہہ دیں جس سے تجھے ناگواری ہو تو ان کی طرف ترچھی نظر سے مت دیکھنا کیونکہ انسان جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے تیز نظر سے ہی اس کا پتہ چلتا ہے۔

(درمنثور عن ابن ابی حاتم)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کی تعظیم وتکریم کرتے ہوئے اعضاء وجوارح سے بھی فرمانبرداری انکساری ظاہر کرنا چاہیے۔ رفتار وگفتار اور نظر سے کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔

ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ

کیا کوئی شخص اپنے باپ کو گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (اس کی صورت یہ ہے کہ) کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کے باپ کو گالی دیدے۔ اور کسی دوسرے شخص کی ماں کو گالی دے تو پلٹ کر گالی دینے والے کی ماں کو گالی دے۔ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، حاضرین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ

(مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۹ از بخاری و مسلم)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گالی دینے والے نے اپنی ماں یا اپنے باپ کو تو گالی نہ دی لیکن چونکہ دوسرے سے گالی دلوانے کا ذریعہ بن گیا اس لیے خود گالی دینے والوں میں شمار ہو گیا۔ اس کو حضور انور ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو خود اپنی زبان سے گالی دے گا ظاہر ہے کہ اس کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو اپنے ماحول کے اعتبار سے یہ بات بڑے تعجب کی معلوم ہوئی کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ ان کے تعجب پر حضور ﷺ نے گالی کا ذریعہ اور سبب بننے والی صورت بتائی جو اس زمانہ میں پیش آسکتی تھی لیکن ہمارے اس دور میں تو ایسے لوگ موجود ہیں جو خود اپنی زبان سے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں اور برے الفاظ اور برے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ماں باپ کیلئے دعا اور استغفار کرنے کی وجہ سے نافرمان اولاد کو فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (ایسا بھی ہوتا ہے) کہ بندہ کے ماں باپ وفات پا جاتے ہیں یا دونوں میں سے ایک اس حال میں فوت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ان کی زندگی میں ان کی نافرمانی کرتا رہا اور ستاتا رہا۔ اب موت کے بعد ان کے لیے دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے لیے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل شانہ اس کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۲۱)

ماں باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنے سے انکے درجات بلند ہوتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ جل شانہ جنت میں نیک بندہ کا درجہ بلند فرما دیتا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ اے رب یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ تیری اولاد نے جو تیرے لیے مغفرت کی دعا کی یہ اس کی وجہ سے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۲۰۵ از احمد)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کے لیے دعا کرنا بہت بڑا حسن سلوک ہے، اور یہ حسن سلوک ایسا ہے کہ جو موت کے بعد بھی جاری رکھا جا سکتا ہے، کم سے کم ہر فرض نماز کے بعد ماں باپ کے لیے دعا کر دیا کرے اس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اور ان کو بڑا فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ ....

عام رشتے داروں کے حقوق کا اہتمام:

پچھلی آیتوں میں والدین اور ان کے اداب واحترام کی تعلیم تھی اس آیت میں عام رشتہ داروں کے حقوق کا بیان ہے کہ رشتے کا حق ادا کیا جائے جو کم سے کم ان کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ سلوک ہے اور وہ اگر حاجت مند ہوں تو ان کی مالی

امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے اس آیت سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ ہر شخص پر اس کے عام رشتے دار عزیزوں کا بھی حق ہے وہ کیا اور کتنا ہے اس کی تفصیل مذکور نہیں مگر عام صلہ رحمی اور حسن معاشرت کا اس میں داخل ہونا واضح ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی فرمان کے تحت جو رشتہ دار ذی رحم محرم ہو اگر وہ عورت یا بچہ ہے جن کے پاس اپنے گذارہ کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں اسی طرح جو رشتہ دار ذی رحم محرم اپاہج یا اندھا ہو اور اس کی ملک میں اتنا مال نہیں جس سے اس کا گذارہ ہو سکے تو ان کے جن رشتہ داروں میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں ان پر ان سب کا نفقہ فرض ہے اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار صاحب وسعت ہوں تو ان سب پر تقسیم کر کے ان کا گذارہ نفقہ دیا جائے گا سورۃ بقرہ کی آیت: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ سے بھی یہ حکم ثابت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس آیت میں اہل قرابت اور مسکین و مسافر کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والے کو ان پر احسان جتانے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ ان کا حق اس کے ذمہ فرض ہے دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں کر رہا۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ ....

اس آیت میں رسول کریم ﷺ اور ان کے واسطے سے پوری امت کی عجیب اخلاقی تربیت ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت مند لوگ سوال کریں اور آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اس لیے ان لوگوں سے اعراض کرنے پر مجبور ہو تو بھی آپ کا یہ اعراض مستغنیانہ یا مخاطب کے لیے توہین آمیز نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ پہلو تہی کرنا اپنے عجز و مجبوری کے اظہار کے ساتھ ہونا چاہئے

اس آیت کے شان نزول میں ابن زید کی روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ رسول کریم ﷺ سے مال کا سوال کیا کرتے تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ ان کو دیا جائے گا تو یہ فساد میں خرچ کریں گے اس لیے آپ ان کو دینے سے انکار کر دیتے تھے کہ یہ انکار ان کو فساد سے روکنے کا ذریعہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

مسند سعید بن منصور میں بروایت سباء بن حکم مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس کچھ کپڑا آیا تھا آپ نے اس کو مستحقین میں تقسیم فرما دیا اس کے بعد کچھ اور لوگ آئے جبکہ آپ فارغ ہو چکے تھے اور کپڑا ختم ہو چکا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ....

خرچ کرنے میں اعتدال کی ہدایت:

اس آیت میں بلا واسطہ مخاطب خود نبی کریم ﷺ ہیں اور آپ کے واسطے سے پوری امت مخاطب ہے اور مقصود اقتصاد کی ایسی تعلیم ہے جو دوسروں کی امداد میں حائل بھی نہ ہو اور خود اپنے لیے بھی مصیبت نہ بنے اس آیت کے شان نزول میں ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود اور بغوی نے بروایت حضرت جابرؓ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتے کا سوال کرتی ہیں اس وقت رسول کریم ﷺ

کے پاس کوئی کرتا اس کے سوانہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا آپ نے لڑکے کو کہا کہ پھر کسی وقت آؤ جبکہ ہمارے پاس اتنی وسعت ہو کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں لڑکا گھر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرمادیں یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالے کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے نماز کا وقت آیا حضرت بلال ؓ نے اذان دی مگر آپ حسب عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کرتے کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بِالْوَادِ خَشْيَةَ مَخَافَةَ اِمْلَاقٍ ط فَقْرٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً اِثْمًا
كَبِيْرًا ۝۳۱ عَظِيْمًا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اَبْلَغُ مِنْ لَا تَاْتُوْهُ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط قَبِيْحًا وَسَآءَ بِئْسَ سَبِيْلًا ۝۳۲ طَرِيْقًا هُوَ
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ لِوَارِثِهٖ سُلْطٰنًا تَسَلُّطًا عَلَى
الْقَاتِلِ فَلَا يُسْرِفْ بِتَجَاوُزِ الْحَدِّ فِّي الْقَتْلِ ط بِاَنْ يَقْتُلَ غَيْرَ قَاتِلِهٖ اَوْ بِغَيْرِهٖ مَا قَتَلَ بِهٖ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝۳۳ وَلَا
تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِذَا عَاهَدْتُّمُ اللّٰهَ اَوِ النَّاسَ اِنَّ الْعَهْدَ
كَانَ مَسْئُوْلًا ۝۳۴ عَنْهُ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اَتِمُّوْهُ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط الْمِيْزَانِ السَّوِيِّ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ
اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۳۵ مَآلًا وَلَا تَقْفُ تَتَّبِعْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ الْقَلْبَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ
عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶ صَاحِبُهٗ مَاذَا فَعَلَ بِهٖ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ج اَيْ ذَا مَرَحٍ بِالْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ
الْاَرْضَ تَشُقَّهَا حَتّٰى تَبْلُغَ اٰخِرَهَا بِكِبْرِكَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝۳۷ الْمَعْنٰى اِنَّكَ لَا تَبْلُغُ هٰذَا الْمَبْلَغَ فَكَيْفَ
تَخْتَالُ كُلُّ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝۳۸ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط
الْمَوْعِظَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۳۹ مَطْرُوْدًا عَنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اَفَاَصْفٰىكُمْ
اَخْلَصَكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط بَنَاتًا لِنَفْسِهٖ بِزَعْمِكُمْ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ بِذٰلِكَ
قَوْلًا عَظِيْمًا ۝۴۰ ع ۱۰ ۴ ۴

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو (زندہ گاڑ کر) افلاس (فقر) کے خوف سے ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں بیشک ان کو قتل کرنا بڑے بھاری گناہ کی بات ہے اور زنا کاری کے پاس بھی مت پھٹکو (یہ طرز اس کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے کہ ''زنا مت کرو'' یقین کرو وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی برائی کا چلن ہے اور کسی کا قتل ناحق مت کرو، ہاں مگر حق پر، اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیدیا، چاہئے کہ اسے قتل کرنے میں حدود سے تجاوز نہ کرے (اس

طرح کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کر دے، یا طریقہ قتل بدل ڈالے) وہ شخص طرف داری کے قابل ہے اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ہاں ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائے اور اپنا عہد پورا کرو (جو تم نے اللہ سے یا لوگوں سے کیا ہے) بیشک عہد کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور جب کوئی چیز ناپ کرو تو پورا ناپو (پیمانہ پورا رکھو) اور جو تولو تو صحیح ترازو سے (جو برابر سرابر ہو) تولو یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام (نتیجہ) اچھا ہے اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو یا درکھو کان، آنکھ، عقل ان سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے (کہ ان اعضاء سے لوگوں نے کیا کام لیا ہے اور زمین پر اکڑ کر (اترا کر) مت چلو، یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے (کہ اپنے تکبر کی وجہ سے اسے پھاڑ کر آخر تک پہنچ جاؤ) اور نہ پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو لمبے ہو کر (یعنی جب تم پہاڑ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے پھر تکبر کیوں کرتے ہو؟) یہ (مذکورہ) سارے برے کام آپ کے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہیں یہ باتیں اس حکمت (دانائی) کی باتوں میں سے ہیں جو (اے محمد ﷺ!) آپ کے پروردگار نے وحی کے ذریعہ آپ پر بھیجی ہیں اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت ٹھہراؤ کہ بالآخر ملامت کے مستوجب اور ٹھکرائے ہوئے ہو کر دوزخ میں جھونک دیئے جاؤ اللہ کی رحمت سے راندہ ہو کر) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں تو اس بزرگی کے لیے چن لیا ہو (اے مکہ والو خاص کر لیا ہو) کہ بیٹے والے ہو اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہو (تمہارے خیال کے مطابق بیشک یہ کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِالْوَأْدِ: وأد زندہ دفن کرنے کو کہتے ہیں۔

قوله: لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى: چہ جائیکہ عزم سے اس کا ارتکاب کرلے قریب جانے سے بھی روک دیا اور یہ انداز لانا تو اس سے بھی زیادہ بلیغ ہے۔

قوله: اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا: اس میں ضمیر مقتول کے ولی کی طرف لوٹتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حق اس کے لیے رکھا ہے اور یہی نہی کی علت ہے۔

قوله: ذَا مَرَحٍ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف یہاں محذوف ہے۔

قوله: اِنَّكَ لَا تَبْلُغُ: یہ متکبر کے لیے بطور تحکم فرمایا۔

قوله: بِزَعْمِكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ استفہام انکاری ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ....

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ، کسی جان کو بلا شرعی حکم کے قتل نہ کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ:

ان آیات میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ فرمایا کہ اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو اہل عرب اولاد کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ ہم اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے جو لوگ تنگدستی میں ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا: (وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ) یہ الفاظ سورۃ انعام میں ہیں اور کچھ لوگ اس لیے قتل کر دیتے تھے کہ ممکن ہے آئندہ تنگدست ہو جائیں۔ ان کے لیے فرمایا: (وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ) تم تنگدستی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، یہ سورۃ الاسراء کے الفاظ ہیں نیز اہل عرب لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے تا کہ کسی کو داماد نہ بنانا پڑے یہ سب جاہلانہ رسمیں تھیں، زمانہ جاہلیت میں شیطان نے اہل عرب کو ان چیزوں پر ڈالا تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ پرانی جاہلیت اب پھر عود کر آئی ہے دشمنان اسلام نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اتنے سال کے بعد تک اگر بچوں کی پیداوار کی شرح اسی طرح رہی جو پورے عالم میں ہے تو زمین چھوٹی پڑ جائے گی اور کھانے پینے کی چیزوں کی کفایت نہ ہوگی لہٰذا ایسی کوششیں جاری کر دی گئی ہیں جو ان کے خیال میں بچوں کی پیدائش روکنے والی ہیں اس کے لیے کئی کئی طرح سے پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ بھاری بھاری رقمیں خرچ کی جا رہی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ دشمنان اسلام جو کچھ کہہ دیتے ہیں مسلمان صاحب اقتدار اسے تسلیم کر لیتے ہیں قرآن وحدیث کی تصریحات کو بالکل نہیں دیکھتے قرآن نے اس جہالت کا پہلے ہی جواب دیدیا اور فرمادیا: نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی رزق دیں گے) تمہیں کس نے روزی رساں بنایا ہے اور کس نے اللہ کی مخلوق کو رزق دینے کا ٹھیکہ دیا ہے، درحقیقت جتنے بھی طریقے تقلیل اولاد کے لیے جاری کیے ہیں یہ سب اللہ کی قضاء وقدر کے سامنے ناکام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((ما من نسمة كائنة الى يوم القيمة الا وهى كائنة)) (یعنی اللہ کے علم میں قیامت کے دن تک جتنی بھی جانیں پیدا ہونے والی ہیں وہ ضرور پیدا ہو کر رہیں گی) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما من كل الماء يكون الولد و اذا اراد الله خلق شئ لم يمنعه شئ ہر نطفے سے اولاد نہیں ہوتی اور جب اللہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں (مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۰) دیکھا جاتا ہے کہ مرد وعورت ولادت کو روکنے کے لیے کئی طرح کی چیزیں استعمال کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کو تخلیق منظور ہوتی ہے تو ان سب چیزوں کے باوجود استقرار ہو جاتا ہے اور اولاد پیدا ہو جاتی ہے۔

آنے والے انسانوں کے یہی خیر خواہ جو ان کی آمد اور پیدائش کو روکنے کے لیے زور لگا رہے ہیں انہیں وقت سے پہلے آنے والوں کی روزی کی تو فکر ہے لیکن موجودہ انسانوں کی جانوں کا فکر نہیں انہیں جگہ جگہ قتل کرتے ہیں اور قتل کرواتے ہیں اور ایسے ایسے آلات حرب تیار کر رکھے ہیں جو دو چار منٹ میں ہی پورے عالم کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

دوسرا حکم یوں دیا: (اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے) اس میں زنا کی ممانعت فرمائی اور یوں فرمایا کہ اس کے پاس بھی مت پھٹکو اور اسے بے حیائی اور بری راہ سے تعبیر فرمایا زنا ایسا برا عمل ہے اور ایسی

لعنت کی چیز ہے جو بھی کسی نبی کی شریعت میں حلال نہ تھی بلکہ اسلام کے علاوہ جو دوسرے ادیان ہیں مذہبی طور پر وہ بھی اسے ممنوع سمجھتے ہیں گو نفس وشیطان کے ابھار کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آج جب کہ یورپ اور امریکہ میں بے حیائی کو ہنر اور حیا کو عیب سمجھا جانے لگا ہے وہاں زنا کاری بہت عام ہو چکی ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں وہ تو حیا کی ہر سرحد پار کر چکے ہیں اور چونکہ ان کے پادری ہر اتوار کو حاضرین کے ہر گناہ کو معاف کر دیتے ہیں اس لیے خوب دھڑلے سے عوام وخواص زنا کرتے ہیں، جو مسلمان وہاں جا کر بستے ہیں وہ بھی ان بے حیائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہاں رواج کی وجہ سے اتنی زیادہ بے حیائی پھیل چکی ہے کہ بیویاں ہوتے ہوئے زنا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور شوہر کی رضا مندی سے ایک شخص کی بیوی دوسرے شخص کے ساتھ رات گزارتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں۔ میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے زینت اختیار کرتے ہیں پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس میں بہت سخت آوازیں آ رہی تھیں میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لیے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔

(الترغیب والترہیب ص ۵۱۱ ج ۳)

اس گناہ سے بچانے کے لیے شریعت مطہرہ نے بدنظری تک سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور اس گناہ کی دنیاوی سزا یہ رکھی ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرلے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرلے تو اس کو سنگسار کیا جائے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے دنیا میں جو مصیبتیں آ رہی ہیں ان کا بہت بڑا سبب بڑے گناہ بھی ہیں اور ان گناہوں میں زنا کاری کا عام ہونا بھی ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے گی قحط بھیج کر ان کی گرفت کی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت کا لین دین ہوگا رعب کے ذریعے ان کی گرفت ہوگی (یعنی دلوں پر رعب طاری ہو جائے گا اور دشمنوں سے ڈرتے رہیں گے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم میں (ایک روایت میں ہے کہ جب کسی بستی میں) زنا اور سود کا ظہور ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل کر لیا۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۸ ج ۳)

جب زنا عام ہو جاتا ہے تو حرام کی اولاد بھی زیادہ ہو جاتی ہے نسب باقی نہیں رہتا کون کس کا بیٹا اور کس کا بھتیجا یا بھانجا، ان سب باتوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ صلہ رحمی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اور انسان، حیوان محض بن کر رہ جاتا ہے۔ حلالی ہونے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ حرامی ہونے ہی کو مناسب سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں یورپ کے رہنے والوں پر یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک ان میں زنا کی اولاد کی کثرت نہ ہو جائے۔ سو جب ان میں زنا کی اولاد پھیل جائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب میں مبتلا فرما دے گا اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جب زنا ظاہر ہو جائے گا تو تنگدستی اور ذلت کا ظہور ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۷ ج ۳)

صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندبؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب مروی ہے (حضرات انبیاء کرام کا خواب سچا ہوتا ہے) جس میں بہت سی چیزوں کا تذکرہ ہے ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کا گذر ایک ایسے سوراخ پر ہوا جو تنور کی طرح تھا۔ اس میں جو جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں نظر آئیں ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آتی تھی جب وہ لپٹ اوپر آتی تھیں تو وہ چیختے چلاتے اور فریاد کرتے تھے آپ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا (جن میں ایک جبرائیل اور ایک میکائیل تھے) یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۴٤ وھو فی المشکوۃ ۳۹۵)

جب زنا کی عادت پڑ جاتی ہے تو بڑھاپے میں بھی زنا کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کرے گا اور ان کو پاک نہ کرے گا اور ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا (۱) زنا کار بوڑھا (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) تنگدست متکبر۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، ان میں زنا کار بوڑھے کو بھی شمار فرمایا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ تین شخصوں سے اللہ کو بغض ہے ان میں سے ایک زنا کار بوڑھا بھی ہے۔ (الترغیب ص ۲۷۵ ج ۳)

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر گھر پر نہیں ہے (اور اس کے غائب ہونے کو اس نے زنا کا ذریعہ بنالیا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر ایک اژدھا مسلط فرمائے گا (الترغیب والترہیب ص ۲۷۹ ج ۳) شوہر گھر پر نہ ہو تو عورت مرد کی ضرورت محسوس کرتی ہے زنا کاری کا مزاج رکھنے والے ایسی عورت سے جوڑ بٹھا لیتے ہیں ایسے لوگوں کو مذکورہ بالا وعید سنائی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ شوہر اگر گھر پر ہو اور دیوث ہو تو اس کی اجازت سے گناہ حلال ہو جائے گا زنا ہر حال میں حرام ہے۔

اسلام عفت اور عصمت والا دین ہے۔ اس میں فواحش اور منکرات اور زنا کاری اور اس کے اسباب اور دواعی، ناچ رنگ، عریانی وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یورپ کے شہوت پرست انسان نما حیوانوں میں زنا کاری عام ہے محرم عورتوں تک سے زنا کرتے ہیں قانوناً مردوں کو مردوں سے شہوت پوری کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ سے طرح طرح کے بدترین امراض میں مبتلا ہیں۔

ایک حدیث میں بربادی کے اسباب میں سے یہ بھی بتایا جاتا ہے۔ اکتفی الرجال بالرجال والنساء بالنساء کہ مرد مردوں سے شہوت پوری کرنے لگیں اور عورتیں عورتوں سے۔ (الترغیب والترہیب ص ۲٦۷ ج ۳)

یورپ والوں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی ان کے کرتوتوں کے ساتھی بنتے جارہے ہیں اور شہوت پرستوں کو ان کے مقاصد میں کامیاب بنارہے ہیں سورۃ نساء میں فرمایا: (وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا) (اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے، اور جو لوگ شہوتوں کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔)

بعض زنا کار عورتوں کی یہ بات سننے میں آئی ہے کہ میرا بدن ہے جس طرح چاہوں استعمال کروں۔ یہ تو کفریہ بات ہے قرآن کا مقابلہ ہے۔ اس کا معنی ہے (العیاذ باللہ) کہ زنا کاری سے قرآن کا منع فرمانا صحیح نہیں، درحقیقت بہت سے لوگوں نے

یہ سمجھا ہی نہیں کہ ہم بندے ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے اور مالک ہے، سارے بندے اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں مملوک کو کیا حق ہے کہ اپنی ذات کو اپنے بارے میں اور اپنے جسم و جان کے بارے میں خود مختار سمجھے۔

بہت سے ملکوں میں یہ قانون نافذ ہے کہ زنا بالجبر تو منع ہے لیکن اگر رضامندی سے کوئی مرد عورت سے زنا کرلے تو اس پر نہ کوئی مواخذہ ہے اور نہ کوئی سزا۔ بہت سے وہ ممالک جن کے اصحاب اقتدار مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کے ملک میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور دشمنوں کے سمجھانے سے یہ قانون پاس کر دیا گیا ہے کہ بیک وقت نکاح میں صرف ایک عورت رہ سکتی ہے لیکن دوستانیاں جتنی چاہے رکھ سکتا ہے۔ زنا کاری کو عام کر دینا انجام کے اعتبار سے کیا رنگ لائے گا اس کے بارے میں بالکل کوئی فکر نہیں، مسلمان ممالک کے ذمہ دار دشمنوں کے سامنے اس بات سے جھینپتے ہیں کہ ایک سے زیادہ عورتیں نکاح میں رکھنے کا قانون پاس کر دیں۔ مسلمان کو کافر سے کیا جھینپنا؟ اسے تو قرآن و حدیث کے قوانین نافذ کرنا لازم ہے۔

آخر میں ایک حدیث کا ترجمہ لکھ کر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اللہ کرے کہ تم ان چیزوں کو نہ پاؤ (تو طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں ابتلاء ہوگا۔)

(۱) جس قوم میں کھلم کھلا طریقہ بے حیائی کا رواج ہو جائے گا ان لوگوں میں طاعون پھیلے گا اور ایسے امراض میں مبتلا ہوں گے جو ان کے اسلاف میں نہیں تھے۔

(۲) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے انکو قحط کے ذریعہ پکڑا جائے گا اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہونگے۔

(۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ کو روک لیں ان سے بارش روک لی جائے گی اور اگر جانور نہ ہوں تو (بالکل ہی) بارش نہ ہو۔

(٤) اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اور اسکے رسول کے عہد کو توڑ دیں گے ان کے اوپر دشمن مسلط کر دیا جائے گا وہ انکے بعض اموال لے لے گا۔

(٥) اور جس قوم کے اصحاب اقتدار اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلے نہ کریں گے اور اللہ نے جو چیز نازل فرمائی اس کو اختیار نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں ایسی مخالفت پیدا فرما دے گا جس کی وجہ سے آپس میں لڑتے رہیں گے۔

(رواہ ابن ماجہ فی باب العقوبات ص ۱۱۲)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ....

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ اللہ نے جس جان کو قتل کرنے سے منع فرمایا اسے قتل مت کرو۔ جس کسی جان کا قتل کرنا شریعت اسلامیہ میں حلال نہیں ہے اس کا قتل کر دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور اس بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں قتل کی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت ہے اس کی تفصیلات سورۃ بقرہ کے اکیسویں رکوع میں اور سورۃ نساء کے تیرھویں رکوع میں اور سورۃ مائدہ کے ساتویں رکوع میں گزر چکی ہیں۔ (انوار البیان)

قتل نفس کی حرمت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ (اور جو شخص ظلماً قتل کیا گیا اس کے ولی کے لیے ہم نے اختیار رکھا ہے سو وہ قتل کرنے میں حد سے آگے نہ بڑھے)

کسی کے قتل کردینے پر جو عذاب ہے وہ آخرت سے متعلق ہے۔ اور دنیا میں جو اس کے بارے میں شرعی احکام ہیں ان کے مطابق مقتول کے ولی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شرعی اصول کے مطابق قتل کا ثبوت ہوجانے پر انہیں حدود پر رہے جو حدود اس کے لیے مقرر کردی گئی ہیں مثلاً قتل خطا میں دیت کے بجائے قاتل کو قتل نہ کرے اور قتل عمد میں جو شریعت نے قصاص لینے کا اختیار دیا ہے اسے قاتل تک ہی محدود رکھا جائے۔ جوش انتقام میں قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو اس کے اعزہ واقربائیں سے قتل نہ کردے۔ نیز قاتل کے قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے۔ مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں، ناک نہ کاٹے، جسے مثلہ کرنا کہتے ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بلاشبہ مقتول کے ولی کی مدد ہوگی) یعنی ولی مقتول حد شرعی کے اندر رہتے ہوئے قصاص لے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد کی جائے گی۔ یعنی شریعت اسلامیہ اس کی مددگار ہوگی۔ اور اہل ایمان اصحاب اقتدار قصاص دلانے کے لیے راہ ہموار کریں گے اسے قصاص دلائیں گے۔ اس کا دوسرا رخ بھی سمجھ لینا چاہیے اور وہ یہ کہ اگر ولی مقتول حد سے بڑھ گیا تو اب یہ ظالم ہوگا اور معاملہ برعکس ہوجائے گا۔ اور اب شرعی قانون میں اس کا مواخذہ ہوگا۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ ....

چوتھا حکم یہ فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے پر جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اس بارے میں سورۂ نساء کی تفسیر میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔

پانچواں حکم یہ دیا کہ عہد کو پورا کرو اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ: اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (یعنی عہد کی باز پرس ہوگی) بہت سے لوگ عہد تو کرلیتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور قصداً عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ دفع الوقتی کے طور پر وعدہ کرلیتے ہیں اور عین معاہدہ کرتے وقت بھی دل میں عہد توڑنے اور دغا دینے کا ارادہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ عہد کی باز پرس ہوگی۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ....

چھٹا حکم یہ دیا کہ ناپ تول پوری کیا کرو اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔

آخر میں فرمایا: ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا کہ احکام پر عمل کرنا بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ....

جس بات کا پتہ نہیں اس کے پیچھے پڑنے اور زمین پر اتراتے ہوئے چلنے سے ممانعت:

یہ تین آیات ہیں پہلی آیت میں اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، اس کی جامعیت بہت سے اعمال کو شامل ہے اس نصیحت پر دھیان نہ دینے کی وجہ سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں معاشرہ میں جو بدمزگی پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی آبروریزی ہوجاتی ہے مختصر الفاظ میں ان سب کی ممانعت آگئی، غلط حدیثیں بیان کرنا خود حدیثیں وضع کرنا جھوٹے راویوں سے حدیثیں لینا اور انہیں آگے بڑھانا کسی بھی شخص کے بارے میں محض اٹکل سے یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کچھ کہہ دینا تہمت رکھ دینا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو دینی اعتبار سے گمراہی کا ذریعہ بنتی ہیں اور دنیاوی اعتبار سے آپس میں بغض اور دشمنی پھیلاتی ہیں صرف گمان سے اٹکل پچو کوئی بات ثابت نہیں ہوتی سورۃ الحجرات میں فرمایا: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

اِثْمٌ) (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) اور غیبت کرنا تو اس بات کا یقین ہوتے ہوئے بھی حلال نہیں ہے کہ فلاں شخص نے فلاں گناہ کیا ہے یا فلاں شخص میں فلاں عیب ہے پھر بھلا محض اٹکل سے یا خود سے بنا کر کسی کے بارے میں یوں کہہ دینا کہ اس نے یوں کیا ہے یا کہا ہے کیسے حلال ہو سکتا ہے؟ صاحب معالم التنزیل تحریر فرماتے ہیں: قال قتادہ لا تقل رایت ولم تر سمعت ولم تسمعه وعلمت ولم تعلمه، وقال مجاهد لا ترم احدا بما ليس لک به علم، قال القتيبی، لا تتبعه بالحدس والظن وهو فی اللغة اتباع الاثر يقال، قفوت فلانا اقفوه وقفيته واقفيته اذا اتبعت اثره۔

پھر ارشاد فرمایا: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو یہ اعضاء دیئے ہیں یوں ہی نہیں دیئے کہ ان کو جیسے چاہیں اور جہاں چاہیں استعمال کریں جس ذات پاک نے عطا فرمائے ہیں اس نے ان سب کے استعمال کرنے کے مواقع بھی بتائے ہیں اور وہ اعمال بھی بتائے ہیں جن سے ان کو محفوظ رکھنا لازم ہے کہاں دیکھے اور کیا بات سنے اور اپنی قوت فکریہ کو کہاں خرچ کرے، ان سب کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں، کسی نے چوری کرلی، کسی کو ظلماً مارا، حساب غلط لکھ کر یا جھوٹا بل بنا کر خیانت کردی یا کسی ایسے مرد یا کسی عورت سے مصافحہ کرلیا جس سے مصافحہ کرنا جائز نہیں تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو غیر شرعی امور میں استعمال کیا، بائیں ہاتھ سے کھایا اور داہنے ہاتھ سے استنجا کیا یہ بھی ہاتھ کا غلط استعمال ہے۔ زبان سے کوئی بیجا بات کی کفر کا کلمہ کہا کسی کی غیبت کی کسی پر تہمت دھری گالی دی جھوٹ بولا یہ سب زبان کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے گانا سنا، باجوں کی آواز کی طرف کان لگانا غیبتیں سنتا رہا یہ کان کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے ایسی جگہ نظر ڈالی جہاں دیکھنا یا نظر ڈالنا ممنوع تھا، بدنظری سے کسی کو دیکھ لیا کسی کے ستر پر نظر ڈالی آنکھوں کو کسی بھی طرح گناہوں میں استعمال کیا تو یہ سب آنکھوں کا غیر جگہ استعمال ہوگا جہاں استعمال کرنا ممنوع تھا، کوئی شخص گناہ کے لیے کہیں چل کر گیا تو اس نے اپنے پاؤں کا غلط استعمال کیا، حدیث شریف میں ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا دیکھنا زنا کرنا ہے اور کان بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اس کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور گناہوں کی آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے یعنی موقعہ لگ جاتا ہے تو شرم گاہ گناہوں میں استعمال ہو جاتی ہے ورنہ شرم گاہ کا زنا ہو نہیں پاتا لیکن اس سے پہلے دوسرے اعضاء زنا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا گناہ صاحب اعضاء کے ذمہ پڑ جاتا ہے کیونکہ انہیں اسی نے استعمال کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن بن جاتا ہوں: (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھ دی جائے تو اسے ادا کرو (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اپنے ہاتھوں کو (بے جا استعمال سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

وَالْفُؤَادَ: دل کو کہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بہت بڑا عطیہ ہے جو زندگی کا ذریعہ ہے سورۃ ملک میں فرمایا: (وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ) (آپ فرما دیجیے کہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لیے کان آنکھیں بنائیں اور دل عطا فرمائے تم کم شکر ادا کرتے ہو) یہ دل ہی تو ہے

جس کے ذریعے جسم میں خون رواں اور دواں ہے اور قوت فکریہ سوچ سمجھ ہوش گوش کا آلہ ہے، دل کی جو نعمت عظیمہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کو بے جا استعمال کرنا غیر شرعی امور میں اس کی قوتوں کو صرف کرنا گناہوں کے لیے تدبیریں کرنا یہ سب دل ودماغ کا غلط استعمال ہے اپنی زندگی میں انسان آزاد نہیں ان سب اعضاء کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی کہ ان کو کہاں لگایا اور کن کاموں میں استعمال کیا یہ اعضاء یہاں دنیا میں تو فرمانبردار ہیں لیکن قیامت کے دن مخالفانہ گواہی دیں گے۔ سورۂ نور میں فرمایا: (يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) (جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس عمل کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو حفاظت اعضاء (از معاصی) کے لیے یہ دعا بتائی: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَشَرِّ بَصَرِي وَشَرِّ لِسَانِي وَشَرِّ قَلْبِي وَشَرِّ مَنِيِّي (اے اللہ میں آپ سے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی زبان اور اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ میرے اعضاء ہیں جیسے چاہوں استعمال کروں۔ تو خود اپنا نہیں ہے تو اور تیرے اعضاء سب اللہ جل شانہ کی مخلوق اور مملوک ہیں، میدان آخرت میں کٹ حجتی کام نہ دے گی، اعمال نامہ لکھا ہوا سامنے ہوگا لہٰذا اپنے نفس کو اپنے قلب کو اپنے اعضاء کو پاک اور صاف لے جاؤ یہ سب اعضاء اللہ تعالیٰ شانہ کا عطیہ ہیں ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

دوسری آیت میں اترا کر اور اکڑ مکڑ کر چلنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا (کہ تو زمین میں اتراتا ہوا مت چل) إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ (بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) یعنی ایسی چال نہ چل جس سے تکبر اور غرور ظاہر ہوتا ہو کیونکہ یہ ایک احمقانہ فعل ہے تکبر کی چال چلنے والا سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں حالانکہ اللہ کی مخلوق میں اس سے بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں۔ زمین ہی کو دیکھ لو جس پر انسان بستے ہیں انسان اسی کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کو دیکھ لو کہ وہ انسان کے قد سے بہت اونچے ہیں اترا کر چلنے والا ذرا اپنی ذات کو تو دیکھے پہاڑوں کی درازی تک تو پہنچ ہی نہیں سکتا پھر کیوں تکبر کرتا ہے اور کیا شان رکھتا ہے اور اکڑتا ہوا چلتا ہے، سورۃ لقمان میں فرمایا: (وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) (اور تو زمین میں اتراتا ہوا نہ چل بلاشبہ اللہ ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو فخر کرنے والا ہو) تکبر انسان کے لیے زیبا نہیں، جو ذلیل پانی سے پیدا ہوا جس نے ماں کے پیٹ میں حیض کے خون سے غذا پائی جو آخر میں مردہ نعش ہو کر رہ جائے گا اسے کیا مقام ہے کہ تکبر کرے اتراتا ہوا چلے اور اللہ کی مخلوق کو حقیر جانے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک شخص دو چادریں پہنے ہوئے ناز کے انداز میں چل رہا تھا خود پسندی اختیار کیے ہوئے تھا اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری ص ۹۰ ۲ و ص ۸۶۱ کتاب اللباس والزینۃ)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اترا کر چلنے لگے اور فارس و روم کے شہزادے ان کی خدمت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ امت کے برے لوگوں کو ان کے اچھے لوگوں پر مسلط فرما دے گا۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۹

انسان کے لیے تواضع ہی بہتر ہے تکبر حرام ہے اور تواضع محبوب چیز ہے، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا

اور جو شخص متکبر ہوگا اللہ اسے گرادے گا وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن ایسی حالت میں ہوگا کہ صورتیں انسانوں جیسی ہوں گی اور جسم چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے ہوں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی انہیں دوزخ کے جیل خانے کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان لوگوں پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی۔ انہیں دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا (مشکوۃ المصابیح ۴۳۳) حضرت عیاضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو تاکہ کوئی شخص کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۷ از مسلم)

تیسری آیت میں مذکورہ بالا برائیوں کی شناعت اور قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ (یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ: (وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ) سے یہاں تک جو امور خیر مذکور ہوئے ان کو ترک کرنا اور جن امور سے بچنے کا حکم فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرنا یہ سب بری باتیں ہیں تمہارے رب جل شانہ کے نزدیک مکروہ ہیں ناپسندیدہ ہیں جس نے وجود بخشا پرورش کے اسباب پیدا فرمائے جو اعمال اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، ان کو اختیار کرنا عقلاً بھی قبیح ہے، جو رب جل شانہ کو رب نہیں مانتے وہی افعال شنیعہ اور اعمال سیئہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ....

اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے والوں کیلئے جہنم ہے اور اس کیلئے اولاد تجویز کرنا گمراہ کن:

آیات سابقہ میں جو احکام بیان ہوئے اول تو ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سب اس حکمت میں سے ہیں جو اللہ نے آپ پر وحی کے ذریعے بھیجی ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: هذه من الافعال المحكمة التى تقتضيها حكمة الله عزوجل فى عباده وخلقها لهم من محاسن الاخلاق والحكمة وقوانين المعانى المحكمة والافعال الفاضلة۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۴ ج ۱۰)

یعنی یہ وہ محکم افعال ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بندے انہیں اختیار کریں اور یہ وہ محاسن اخلاق ہیں اور محکم قوانین ہیں اور افعال فاضلہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے۔

اس کے بعد یوں فرمایا ہے اے مخاطب اللہ کے سوا کوئی معبود تجویز نہ کرو ورنہ ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ یہ خطاب ساری امت دعوت اور ساری امت اجابت کو ہے جو کوئی شخص بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا مستحق ملامت ہوگا اور قیامت کے دن دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا، مدحور لغت کے اعتبار سے وہ جو ذلیل ہوا اور اس پر پھٹکار پڑی ہو جس کی وجہ سے دور کردیا گیا ہو چونکہ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ فرمایا ہے اس لیے محاورہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيَّنَّا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنَ الْاَمْثَالِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِيْدِ لِيَذَّكَّرُوْا ط يَتَّعِظُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ ذٰلِكَ اِلَّا

اَلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا طَلَبُوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ اَىِ اللّٰهِ
نُفُوْرًا۝ عَنِ الْحَقِّ قُلْ لَّهُمْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اَىْ
اللّٰهِ سَبِيْلًا۝ طَرِيْقًا لِيُقَاتِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيْهًا لَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ مِنَ الشُّرَكَاءِ عُلُوًّا كَبِيْرًا۝ تُسَبِّحُ لَهٗ
تُنَزِّهُهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مَا مِّنْ شَيْءٍ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ اِلَّا يُسَبِّحُ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ
اَىْ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَفْهَمُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ لِاَنَّهٗ لَيْسَ بِلُغَتِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا
غَفُوْرًا۝ حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا
مَّسْتُوْرًا۝ۙ اَىْ سَاتِرًا لَكَ عَنْهُمْ فَلَا يَرَوْنَكَ وَنَزَلَ فِيْمَنْ اَرَادَ الْفَتْكَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَّجَعَلْنَا عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَغْطِيَةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ مِنْ اَنْ يَفْهَمُوا الْقُرْاٰنَ اَىْ فَلَا يَفْهَمُوْنَهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ثِقْلًا فَلَا
يَسْمَعُوْنَهُ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۝ عَنْهُ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ بِسَبَبِهٖ
مِنَ الْهُزْءِ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ قِرَاءَتَكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى يَتَنَاجَوْنَ بَيْنَهُمْ اَىْ يَتَحَدَّثُوْنَ اِذْ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ
يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ تَنَاجِيْهِمْ اِنْ مَا تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝ مَخْدُوْعًا مَغْلُوْبًا عَلٰى عَقْلِهٖ قَالَ تَعَالٰى
اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ بِالْمَسْحُوْرِ وَالْكَاهِنِ وَالشَّاعِرِ فَضَلُّوْا بِذٰلِكَ عَنِ الْهُدٰى فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
سَبِيْلًا۝ طَرِيْقًا اِلَيْهِ وَقَالُوْٓا مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۝ قُلْ
لَّهُمْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا۝ۙ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ يَعْظُمُ عَنْ قَبُوْلِ الْحَيٰوةِ فَضْلًا عَنِ الْعِظَامِ وَ
فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ اِلَى الْحَيٰوةِ قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا لِاَنَّ الْقَادِرَ
عَلَى الْبَدْءِ قَادِرٌ عَلَى الْاِعَادَةِ بَلْ هِىَ اَهْوَنُ فَسَيُنْغِضُوْنَ يُحَرِّكُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ تَعَجُّبًا وَيَقُوْلُوْنَ
اِسْتِهْزَاءً مَتٰى هُوَ ۭ اَىِ الْبَعْثُ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا۝ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ يُنَادِيْكُمْ مِنَ الْقُبُوْرِ عَلٰى لِسَانِ
اِسْرَافِيْلَ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ فَتُجِيْبُوْنَ مِنَ الْقُبُوْرِ بِحَمْدِهٖ بِاَمْرِهٖ وَقِيْلَ وَلَهُ الْحَمْدُ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ مَا لَّبِثْتُمْ فِى
الدُّنْيَا اِلَّا قَلِيْلًا۝ۧ لِهَوْلِ مَا تَرَوْنَ ع ۵ / ۱۲ / ۵

ترجمہ: ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی مثال اور وعدہ وعید بیان کر کے سمجھایا تاکہ لوگ سمجھیں نصیحت حاصل کریں لیکن اس سے تو ان کی حق سے نفرت ہی بڑھتی گئی اے محمدؐ! ان سے کہو اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اب تک یہ لوگ عرش کے مالک اللہ کی طرف ضرور راہ ڈھونڈ نکالتے تاکہ اس سے جنگ کریں جن شرکاء کی یہ بات کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بلند و برتر ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں رہنے والے سب اس کی پاکی بیان کر رہے ہیں

اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے (مخلوق میں سے) جو تعریف کے ساتھ حمد وثنا نہ کرتی ہو (یعنی سبحان اللہ وبحمدہ نہ کہتی ہو) لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو (کیونکہ وہ تمہاری زبان میں نہیں ہوتی) بلاشبہ وہ بڑا بردبار بڑا ہی بخشنے والا ہے (کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہ پردہ آپ کو انکی نگاہوں سے اوجھل رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ آپ کو دیکھ نہیں سکتے اور آنحضرت ﷺ کو شہید کر دینے کا ارادہ رکھنے والوں کے بارے میں اگلی آیت نازل ہوئی ہے) اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب (پردے) ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھیں (قرآن کو، یعنی اب وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکیں گے) اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی ہے (بہرہ پن پیدا کر دیا ہے تاکہ وہ قرآن کو سن نہ سکیں) اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کر کے پیٹھ پھیر کر دوڑنے لگتے ہیں ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں یعنی جس استہزاء کی وجہ سے سنتے ہیں جس وقت یہ لوگ آپ کی قراءت کی طرف کان لگاتے ہیں اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (باہم کانا پھوسی کرتے ہیں) جب کہ یہ ظالم (سرگوشیاں کرتے ہوئے) یوں کہتے ہیں کہ تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ محض جادو کا مارا ہوا ہے (دھوکہ میں آیا ہوا، پیشینگوئیاں کرنے والا، شاعری کرنے والا) جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے (ہدایت سے ہٹ کر) اب راستہ نہیں پا سکتے اور یہ بھی کہتے ہیں (منکرین قیامت) کہ جب ہم ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو گئے تو پھر کیا از سر نو کھڑے کیے جا سکتے ہیں؟ (آپ ان سے) کہہ دیجئے ہاں تم کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ، پتھر ہو جاؤ لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی سخت ہو! ہڈیوں اور بوسیدہ ہڈیوں سے بھی بڑھ کر اگر تمہارے نزدیک کوئی چیز ایسی ہو کہ زندگی کو قبول نہ کر سکے تب بھی تم میں روح آ کر رہے گی) یہ سن کر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو دوبارہ ہمیں زندہ کر دے گا آپ کہہ دیجئے کہ وہ وہ ہے جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا! (حالانکہ تم کچھ بھی نہیں تھے، کیونکہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہو گی بلکہ بدرجہ اولیٰ) اس پر یہ لوگ آپ کے سامنے سر ہلا ہلا کر (مذاکر) از راہ تعجب کہیں گے (ٹھٹھا کرنے کے انداز میں) ایسا کب ہو گا؟ آپ کہہ دیجئے عجب نہیں کہ اس (قیامت) کا وقت قریب ہو، یہ اس روز ہو گا کہ اللہ تمہیں بلائے گا (اسرافیلؑ کے ذریعہ تم کو قبروں سے بلایا جائے گا) اور تم اس کی تعمیل کرو گے (قبروں سے جواب دیتے ہوئے اٹھو گے) اس کے حکم سے (ایک قول یہ ہے کہ قبروں سے اللہ کی تعریف کرتے ہوئے اٹھیں گے) اور خیال کرو گے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑی مدت (ہولناک چیزوں کے دیکھنے کی وجہ سے ایسا کہیں گے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يَتَّعِظُ: اس سے اشارہ کیا کہ تذکر یہاں نصیحت کے معنی میں ہے۔

قوله: عُلُوًّا كَبِيْرًا: اس سے اشارہ کیا کہ وہ ان کی باتوں سے انتہائی بلند وبالا ہے۔

قوله: مُتَلَبِّسًا: اس سے اشارہ کیا کہ بحمدہ کی ب الصاق کے لیے ہے۔

قوله: سَاتِرًا لَّكَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مستور مجازاً ساتر کے معنی میں ہے کیونکہ حجاب ساتر ہوتا ہے نہ کہ مستور۔

قوله: مِنْ اَنْ يَّفْقَهُوا: اشارہ کیا کہ نفقہ بمعنی فھم کے ہے اور ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں ہے۔

قوله: فَلَا يَفْقَهُوْنَهُ: مراد یہ ہے کہ پردے سمجھنے میں رکاوٹ ہیں اور یفقہ کے بعد اس کا صلہ من مقدر ہے کیونکہ وہ منع کے معنی کو متضمن ہے مفعول لہ نہیں ہے۔

قوله: نُفُوْرًا: یہ ولوا کا مفعول لہ ہے اور مصدر ہے۔

قوله: مِنَ الْهَزْءِ: یعنی آپ سے اور قرآن سے مزاح کرنے کے لیے۔

قوله: قِرَائَتِكَ: اس میں اشارہ کیا کہ نجوی کا مضاف ای ذو نجوی محذوف ہے اور نجوی مصدر ہے۔

قوله: مَخْدُوْعًا: مسحور کا ترجمہ مخدوع سے کیا یعنی وہ شخص کہ سحر سے جس کی عقل زائل کردی جائے۔

قوله: رُفَاتًا: کسی چیز کا خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جانا۔

قوله: تَعَجُّبًا: اس سے اشارہ کیا کہ وہ بطور استہزاء کے یہ کہتے تھے نہ کہ بطور تسلیم۔

قوله: يُنَادِيْكُمْ: یعنی جس دن وہ تم کو اٹھائے گا پھر تم آواز کی تعمیل میں اٹھائے جاؤ اور یہاں اجابت سے اس بات پہ متنبہ کرنے کے لیے تعبیر کیا کہ وہ جلدی سے روانہ ہو جائیں۔

قوله: بِحَمْدِهٖ: اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر اس کی تعریف کررہے ہوگے اور زبان سے سبحانک اللھم وبحمدک کہہ رہے ہوگے۔

تفسیر مقبولین

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ....

تاکید توحید وبیان حال منکرین نبوت:

(ربط) گزشتہ آیات میں سب سے اہم اور اعظم حکم توحید کا تھا اب ان آیات میں اس کی تاکید اور تائید کے لیے ابطال شرک پر ایک دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں بعد ازاں ان مشرکین نبوت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس درجہ سنگ دل ہو چکے ہیں کہ جب قرآن میں توحید کے مضامین سنتے ہیں تو ان کی وحشت اور نفرت میں زیادتی ہو جاتی ہے اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تذکر کے لیے نازل کیا تھا مگر یہ نادان بوجہ عدم تدبر کے تنفر اور تمسخر کی حد میں داخل ہو گئے ہیں یہ ضد اور عناد کی انتہا ہے۔
چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں علم وحکمت کی اور موعظت ونصیحت کی باتوں کو پھیر پھیر کر طرح طرح سے بیان کیا تاکہ نصیحت پکڑیں اور علم وحکمت کی باتوں کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ سن کر اس قرآن کے عاشق اور دلدادہ ہو جاتے لیکن افسوس ان کی عقل پر کہ باوجود اس کے تمہیں زیادہ کرتا یہ قرآن ان کے حق میں مگر نفرت کو بجائے اس کے کہ نصیحت قبول کرتے نکر اور ایزہ بدکنے لگے۔ اور وحشت کھا کر بھاگنے لگے خو سمجھ ... علم ... کی ...

وحشت اور نفرت ہوتی ہو یہی اس کی کمال حماقت کی دلیل ہے۔ آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جو الوہیت میں اس کے شریک ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ دوسرے معبود اگر کچھ قدرت رکھتے تو ضرور مالک عرش کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھائی کی راہ ڈھونڈتے اور اس کے ساتھ لڑائی کر کے اس کو مغلوب کر دیتے اور اس کا ملک چھین لیتے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے۔ جیسا کہ عموماً دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کا محکوم اور ماتحت رہنا یا کسی کا ہم پلہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو وہ ضرور مالک عرش سے یعنی اللہ تعالیٰ سے جدال وقتال کرتے جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوا کرتا ہے اور جدال وقتال کی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی غالب ہوتا اور کوئی مغلوب اور مغلوبیت شان الوہیت کے بالکل منافی ہے۔ اور مغلوب اور عاجز کو معبود بنانا پرلے درجے کی حماقت ہے پس جو مغلوب ہوتا وہ خدا نہ ہوتا بلکہ جو غالب ہوتا وہی خدا ہوتا پھر توحید ہو جاتی اور اگر بالفرض مقابلہ میں سب برابر رہتے تو کوئی بھی خدا نہ رہتا اس لیے کہ خدائے برحق وہ ہے کہ جو بے مثل اور یکتا اور بالا ہوا اور کوئی اس کا مثل اور ہمسر اور برابر نہ ہو کیونکہ مماثلت یعنی برابری اور ہمسری ایک قسم کا عیب ہے اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر عیب سے پاک ہو اس آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آیت: لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا کی تفسیر میں آئے گی۔ یعنی اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور چند خدا ہوتے تو زمین وآسمان تباہ و برباد ہو جاتے یعنی یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ پس جب نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ کوئی منازعت ہے اور نہ کوئی برابری اور ہمسری ہے تو معلوم ہوا کہ وہ خداوند بالا و پست ایک ہی ہے وہ ذات والاصفات پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ کوئی اس کا شریک اور اس کا ہمسر اور اس کا مقابل ہو اور وہ بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ بہت زیادہ بلندی اور برتری جہاں وہم وخیال کی بھی رسائی نہیں اس کی بارگاہ عالی میں منازعت اور مقابلہ کا تصور بھی ممکن نہیں اب آگے فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ ہی کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے سات آسمان اور زمین اور جو کوئی فرشتہ اور جن اور انس ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور انہی پر کیا انحصار ہے کوئی شئے بھی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یعنی ہر چیز سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں وہ عالم ہی دوسرا ہے تم تو صرف اس جہان کی چیزوں کی تسبیح کو سنتے ہو اور سمجھتے ہو جو تمہاری بولی میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات اور جمادات میں بھی ایک قسم کا علم اور شعور رکھا ہے جس کے ادراک سے ہماری عقلیں قاصر ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کے علم کو اللہ کے سپرد کرنا چاہئے۔ پہاڑوں کا اور پرندوں کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر۔

اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اپنی مٹھی مبارک میں لے لیں مجلس میں ان کی تسبیح سنی گئی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے اور پھر ایسے ہی حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں میں سنی گئی۔ حاضرین مجلس کا سنگریزوں کی تسبیح کو اپنے کانوں سے سننا بطور خرق عادت تھا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے معجزہ تھا اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعتبار سے کرامت تھی اور کرامت میں عموم نہیں ہوتا ایسے خوارق کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔

مسئلہ: تسبیح نباتات و جمادات کے بارے میں علماء کے دو قول تو یہ ہے کہ زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لکڑی اور شاخ جب تک درخت پر رہے اس وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اس کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون حنانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات بولتے ہیں اور بزبان قال اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور سنائی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزرا اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح بیان کرتی ہے جو اس کی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھے۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند دریں معنی کہ گوش است

نہ بلبل برگلش تسبیح خوان است کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانست

اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے۔

چوں ندارد جان تو قندیلہا بہر بینش کردہ تاویلہا

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور آمرزگار ہے گستاخانہ کلمات پر فوراً نہیں پکڑتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

ہیں مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

یہاں تک تو مشرکین کی توحید اور قرآن سے نفرت اور وحشت کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں بھی ان کی نفرت اور ان کی استہزاء اور عیب جوئی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی جب آپ ﷺ بغرض دعوت و تبلیغ ان کے سامنے قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تیرے درمیان جو اس عالم دنیا کے علاوہ عالم آخرت کو نہیں مانتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ پڑھتے ہیں یا کہتے ہیں وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا اور وہ حجاب (پردہ) حق اور ہدایت کے لیے ساتر بھی ہے اور مستور بھی ہے یعنی ایسا پوشیدہ ہے کہ وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتا وہ عجیب پردہ ہے کہ کافروں اور ان کی ہدایت کے درمیان حائل ہے اور وہ ایسا پوشیدہ ہے کہ عام نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن تو آفتاب کی طرح روشن ہے لیکن ان لوگوں کی آنکھوں پر عناد کا پردہ پڑا ہوا ہے اور پردہ کے علاوہ یہ لوگ اندر سے حق سے آنکھیں بھی بند کیئے ہوتے ہیں اور گمراہی کی اندھیری کوٹھری میں دروازے بند کیے بیٹھے ہوتے ہیں تو آفتاب ہدایت کی روشنی ان کو کس طرح پہنچے۔ اگر ان لوگوں کو آخرت کا یقین ہوتا اور انجام کی فکر ہوتی تو دیکھنے کی کوشش کرتے ان لوگوں کی دنیا کے لیے تو آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور آخرت سے بند کئے بیٹھے ہیں اور منجانب اللہ یہ پردہ ان کی نفرت اور وحشت کی سزا ہے۔ یعنی ان کی تنفر اور تمسخر کی سزا میں ان کے اور ہدایت کے درمیان ڈال دیا گیا تاکہ ہدایت ان کے دلوں تک نہ پہنچ سکے اور بعض مفسرین نے اس آیت کی دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ کہ اے نبی ﷺ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو بعض کافر آپ ﷺ کی قراءت سن کر آپ ﷺ کو ستانے اور مارنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس جاتے ہیں تو حق تعالیٰ آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتا ہے اور وہ آپ ﷺ کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب سورۃ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور پرنور

ﷺ کو مارنے کے ارادہ سے آئی اس وقت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے پاس موجود تھے اس نے ہر چند ادھر ادھر دیکھا مگر آنحضرت اس کو نظر نہ آئے۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ یہ مردار آئی ہے اور پتھر اس کے ہاتھ میں ہے ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کو دیکھے اور یہ پتھر آپ کے مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مجھے نہیں دیکھے گی۔ میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ حائل ہو گیا ہے پس یہ آیت ان خاص کافروں کے لیے نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کا قرآن سن کر آپ کو ستانے آپ ﷺ کے پاس جاتے تھے۔ مگر وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ان کی نظروں سے پوشیدہ رکھتا۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت تو خاص آنحضرت ﷺ کے حق میں ہوگی اور آئندہ آنے والی آیت یعنی: وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً تمام کافروں کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بڑی گراں بار ڈاٹ لگا رکھی ہے کہ وہ حق کو نہ سن سکیں۔ کیونکہ الفاظ قرآنی اگر کسی طرح کان میں پہنچ جائیں تو اس بات کا امکان ہے کہ ان کے الفاظ کے معنی ان کے دلوں میں پہنچ جائیں اور منشاء خداوندی یہ ہے کہ یہ مسخرے نور ہدایت سے فیضیاب نہ ہوں اس لیے آنکھوں اور دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دی اور یہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی وحشت و نفرت کا یہ حال ہے کہ جب آپ ﷺ قرآن میں صرف اپنے یکتا پروردگار کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں مثلاً لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں یا آیات توحید پڑھتے ہیں تو نفرت سے پشت پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ یعنی قرآن کو سن کر وحشیانہ طریق سے بھاگتے ہیں کہ کہیں کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے۔ خدا وحدہ لاشریک کے ذکر سے بدکتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں ہاں اگر کسی طرح سے ان کے بتوں کا تذکرہ آ جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ ہم خوب جانتے ہیں کہ جس غرض اور جس نیت سے وہ قرآن سنتے ہیں جب وہ تیری طرف کان لگاتے ہیں یعنی ہمیں معلوم ہے کہ اگر کسی وقت یہ لوگ آپ ﷺ کا قرآن سنتے ہیں تو بغرض استہزاء و عیب جوئی سنتے ہیں تا کہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں اور ہم خوب جانتے ہیں اس وقت کو جب کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بارے میں اور قرآن کے بارے میں سرگوشی کرتے ہیں یعنی باہم مشورہ کرتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کے دلوں میں سے قرآن کے اعتقاد اور میلان کو دور کریں۔ جب یہ ظالم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو گئی ہے یعنی کافر مسلمانوں کو حضور پر نور ﷺ سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ کہتے تھے کہ تم ایسے شخص کے تابع دار بن گئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور جادو سے اس کی عقل مسلوب ہو گئی ہے اس لیے یہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ دیکھ لیجئے کہ ان گمراہوں نے تیرے لیے کیسی کہاوتیں بنائیں اور تجھ پر کیسی کیسی پھبتیاں اڑائیں کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر۔ کسی نے کاہن اور کسی نے مجنون جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا پس ان بے سروپا باتوں کے کہنے سے خود گمراہ ہوئے کہ علم و حکمت اور نصیحت اور موعظت کی باتوں کو سحر اور جنون بتلانے لگے۔ حالانکہ جو علوم و معارف آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے نکل رہے ہیں اور جن کو یہ اپنے کانوں سے سن رہے ہیں یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو کچھ بول رہے ہیں وہ اللہ کی تعظیم اور القاء سے بول رہے ہیں مگر چونکہ ان لوگوں کا عناد حد سے گزر چکا ہے اس لیے یہ لوگ اب راہ راست کو نہیں پا سکتے جب تک ضد اور عناد کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہے گی اس وقت تک راہ راست کا

نظر آنا ممکن نہیں۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝

سب دوبارہ پیدا ہوں گے:

کافر جو قیامت کے قائل نہ تھے اور مرنے کے بعد کے جینے کو محال جانتے تھے وہ بطور انکار پوچھا کرتے تھے کہ کیا ہم جب ہڈی اور مٹی ہو جائیں گے، غبار بن جائیں گے، کچھ نہ رہیں گے بالکل مٹ جائیں گے۔ پھر بھی نئی پیدائش سے پیدا ہوں گے؟ سورۃ نازعات میں ان منکروں کا قول بیان ہوا ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد الٹے پاؤں زندگی میں لوٹائے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ گئی ہوں؟ بھئی یہ تو بڑے ہی خسارے کی بات ہے۔

سورۂ یٰسین میں ہے کہ یہ ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے بیٹھ گیا اور اپنی پیدائش کو فراموش کر گیا۔ الخ پس انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ ہڈیاں تو کیا تم خواہ پتھر بن جاؤ خواہ لوہا بن جاؤ۔ خواہ اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ مثلاً پہاڑ یا زمین بلکہ تم خود موت ہی کیوں نہ بن جاؤ اللہ پر تمہارا جلانا مشکل نہیں جو چاہو ہو جاؤ دوبارہ اٹھو گے ضرور۔ حدیث میں ہے کہ بھیڑیے کی صورت میں موت کو قیامت کے دن جنت دوزخ کے درمیان لایا جاتا ہے اور دونوں سے کہا جائے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے ہاں پھر اسے وہیں ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ہو جائے گی کہ اے جنتیو اب دوام ہے موت نہیں اور اے جہنمیو اب ہمیشہ قیام ہے موت نہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ یہ پوچھتے ہیں کہ اچھا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں یا پتھر اور لوہا ہو جائیں گے یا جو ہم چاہیں اور جو بڑی سے بڑی سخت چیز ہو وہ ہم ہو جائیں تو یہ تو بتلاؤ کہ کس کے اختیار میں ہے کہ اب ہمیں پھر سے اس زندگی کی طرف لوٹا دے؟ ان کے اس سوال اور بے جا اعتراض کے جواب میں تو انہیں سمجھا کہ تمہیں لوٹانے والا تمہارا سچا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے جب کہ تم کچھ نہ تھے۔ پھر اس پر دوسری بار کی پیدائش کیا گراں ہے؟ بلکہ بہت آسان ہے تم خواہ کچھ بھی بن جاؤ۔ یہ جواب چونکہ لاجواب ہے حیران تو ہو جائیں گے لیکن پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے،، بدعقیدگی نہ چھوڑیں گے اور بطور مذاق سر ہلاتے ہوئے کہیں گے کہ اچھا یہ ہوگا کب؟ سچے ہو تو وقت کا تعین کر دو۔ بے ایمانوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ جلدی مچاتے رہتے ہیں۔ ہاں ہے تو وہ وقت قریب ہی، تم اس کے لیے انتظار کر لو، غفلت نہ برتو۔ اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھا کرو۔ اللہ کی ایک آواز کے ساتھ ہی تم زمین سے نکل کھڑے ہوؤ گے ایک آنکھ جھپکانے کی دیر بھی تو نہ لگے گی۔ اللہ کے فرمان کے ساتھ ہی تم سے میدان محشر پر ہو جائے گا۔ قبروں سے اٹھ کر اللہ کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے احکام کی بجا آوری میں کھڑے ہو جاؤ گے۔ حمد کے لائق وہی ہے تم اس کے حکم سے اور ارادے سے باہر نہیں ہو۔ حدیث میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں پر ان کی قبر میں کوئی وحشت نہیں ہوگی۔ گویا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قبروں سے اٹھ رہے ہیں اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کہیں گے کہ اللہ کی حمد ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ سورۃ فاطر کی تفسیر میں یہ بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ۔

اس وقت تمہارا یقین ہوگا کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے گویا صبح یا شام کوئی کہے گا دس دن کوئی کہے گا ایک دن کوئی

سمجھے گا ایک ساعت ہی۔ سوال پر یہی کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی۔ اور اس پر قسمیں کھائیں گے۔ اسی طرح دنیا میں بھی اپنے جھوٹ پر قسمیں کھاتے رہے تھے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ الْمُؤْمِنِيْنَ يَقُوْلُوا لِلْكُفَّارِ الْكَلِمَةَ الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ يفسد بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ بَيِّنَ الْعَدَاوَةِ الْكَلِمَةُ الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ هِيَ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ
بِالتَّوْبَةِ وَالْاِيْمَانِ اَوْ اِنْ يَّشَاْ تَعْذِيْبَكُمْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ بِالْمَوْتِ عَلَى الْكُفْرِ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾
فَتُجْبِرُهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ فَيَخُصُّهُمْ بِمَا شَاءَ
عَلٰى قَدْرِ اَحْوَالِهِمْ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ بِتَخْصِيْصِ كُلٍّ مِّنْهُمْ بِفَضِيْلَةٍ كَمُوْسٰى بِالْكَلَامِ وَاِبْرَاهِيْمَ بِالْخُلَّةِ
وَمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمَا السَّلَامُ بِالْاِسْرَاءِ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ لَهُمْ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ مِّنْ دُوْنِهٖ كَالْمَلَائِكَةِ وَعِيْسٰى وَعُزَيْرٍ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ لَهُ اِلٰى غَيْرِكُمْ
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ هُمْ اٰلِهَةٌ يَبْتَغُوْنَ يَطْلُبُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ الْقُرْبَةَ بِالطَّاعَةِ اَيُّهُمْ بَدَلٌ مِنْ وَاوِ
يَبْتَغُوْنَ اَيْ يَبْتَغِيْهَا الَّذِيْ هُوَ اَقْرَبُ اِلَيْهِ فَكَيْفَ بِغَيْرِهٖ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ كَغَيْرِهِمْ فَكَيْفَ
يَدْعُوْنَهُمْ اٰلِهَةً اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مَا مِّنْ قَرْيَةٍ اُرِيْدَ اَهْلُهَا اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
بِالْمَوْتِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ مَكْتُوْبًا وَ
مَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ الَّتِيْ اقْتَرَحَهَا اَهْلُ مَكَّةَ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ لَمَّا اَرْسَلْنَاهَا فَاَهْلَكْنَاهُمْ وَلَوْ
اَرْسَلْنَاهَا اِلٰى هٰؤُلَاءِ لَكَذَّبُوْا بِهَا وَاسْتَحَقُّوا الْاِهْلَاكَ وَقَدْ حَكَمْنَا بِاِمْهَالِهِمْ لِاِتْمَامِ اَمْرِ مُحَمَّدٍ وَاٰتَيْنَا
ثَمُوْدَ النَّاقَةَ اٰيَةً مُبْصِرَةً بَيِّنَةً وَاضِحَةً فَظَلَمُوْا كَفَرُوْا بِهَا ۭ فَاُهْلِكُوْا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ الْمُعْجِزَاتِ اِلَّا
تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ لِلْعِبَادِ لِيُؤْمِنُوْا اُذْكُرْ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ عِلْمًا وَقُدْرَةً فَهُمْ فِيْ قَبْضَتِهٖ فَبَلِّغْهُمْ وَلَا
تَخَفْ اَحَدًا فَهُوَ يَعْصِمُكَ مِنْهُمْ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ عِيَانًا لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اَهْلِ مَكَّةَ اِذْ
كَذَّبُوْا بِهَا وَارْتَدَّ بَعْضُهُمْ لَمَّا اَخْبَرَهُمْ بِهَا وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَهِيَ الزَّقُّوْمُ الَّتِيْ تَنْبُتُ فِيْ اَصْلِ
الْجَحِيْمِ جَعَلْنَا فِتْنَةً لَهُمْ اِذْ قَالُوا النَّارُ تَحْرِقُ الشَّجَرَةَ فَكَيْفَ تُنْبِتُهُ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ بِهَا فَمَا يَزِيْدُهُمْ تَخْوِيْفُنَا
اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

ترجمہ: اور کہہ دیجئے میرے (مؤمن) بندوں سے کہ (کفار سے) جو بات کہو ایسی کہو جو خوبی کی ہو، شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے (کھلا مخالف، اور وہ بہتر بات یہ ہے کہ) تمہارا پروردگار تمہارے حال سے واقف ہے وہ جو چاہے تم پر رحم کرے، (توبہ اور ایمان کی وجہ سے) چاہے تو عذاب میں ڈالے (کفر کی حالت میں موت دیکر) اور ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور کرسکیں یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) آسمان و زمین میں جو کوئی بھی ہے آپ کا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ہے (پس ان کے حالات کے مناسب جیسے چاہے انہیں خاص کردیتا ہے اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی ہے (ہر ایک کو مخصوص فضیلت بخش کر مثلاً موسیٰ کو کلیم اللہ اور ابراہیم کو خلیل اللہ اور محمد ﷺ کو ان دونوں پر سفر اسراء کے ساتھ اور ہم نے داؤد کو زبور دی آپ (ان سے) کہہ دیجئے تم نے جن ہستیوں کو اپنے خیال میں اللہ کے سوا (معبود) سمجھ رکھا ہے (مثلاً فرشتے اور حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر) انہیں پکار دیکھو نہ تو تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا یہ لوگ جن ہستیوں کو پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور وسیلہ (طاعت کے ذریعہ تقرب) ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں سے (یہ يَبْغُونَ کی ضمیر سے بدل واقع ہے تقدیری عبارت یہ ہے: یبتغیھا الذی کے) اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے پس دوسروں کا تو کیا پوچھنا) اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں (دوسری مخلوق کی طرح پھر انہیں معبود کیسے قرار دے رہے ہیں؟ بیشک تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے اور جتنی بستیاں (یعنی بستی والے ہیں) ہم انہیں ضرور ہلاک کریں گے قیامت سے پہلے (موت دیکر) یا قتل وغیرہ کے ذریعہ) سخت عذاب میں مبتلا کریں گے یہ بات نوشتہ الٰہی (لوح محفوظ) میں لکھی جا چکی ہے! اور ہمیں خاص قسم کے معجزات (جن کی فرمائش یہ مکہ والے کررہے ہیں) بھیجنے سے صرف یہی بات روک رہی ہے کہ پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں (چنانچہ اس وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کردیا، پس ان کے فرمائشی معجزات پورے کئے اور یہ جھٹلانے لگے تو پھر یہ بھی تباہی کے سزاوار ہوجائیں گے حالانکہ ہم نے محمدؐ کے کام کی تکمیل کے لیے انہیں ڈھیل دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے) ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ واضح (کھلی نشانی تھی) لیکن اس پر انہوں نے ظلم کیا (منکر ہوکر تباہی مول لی) اور ہم ایسی نشانیاں صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں) تاکہ بندے ایمان لے آئیں) اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے (علم اور قدرت کے لحاظ سے سب لوگ اللہ کے قبضے میں ہیں یہ بات لوگوں کو سنا دیجئے اور کسی سے نہ ڈریئے کیونکہ اللہ آپ کا حافظ ہے) اور ہم نے (معراج کی رات کھلم کھلا) جو نظارہ آپ کو دکھایا تھا اس کو ان لوگوں کے لیے فتنہ کا سبب بنا دیا (کیونکہ مکہ والوں نے آپ کو جھٹلایا اور جب آپ نے لوگوں کو اس کی اطلاع دی تو بعض کچے لوگ اسلام سے پھر گئے) اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (یعنی ناگ پھنی کا درخت جو جہنم کی تلی میں اُگا ہوا ہے، اس درخت کو بھی ان کے لیے فتنہ بنا دیا کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر کیسے آگ میں درخت پیدا ہوسکتا ہے؟) اور ہم انہیں ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: اَلْمُؤْمِنِیْنَ: اس میں اشارہ کیا کہ عبادی کی اضافت عہد کے لیے ہے۔

قولہ: اَلْکَلِمَةُ: اس سے اسم موصول کے مؤنث لانے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا اس کا موصوف مؤنث ہے۔

قولہ: یفسد: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بعض کو بعض کے خلاف برانگیختہ کرتا ہے تاکہ ان میں جھگڑا پیدا ہو اور یہ ناراضگی عناد اور بگاڑ کا باعث بنے۔

قولہ: ھِیَ: یہ للتی ہی احسن کی تفسیر ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: اَوْ اِنْ یَّشَاْ: یعنی ان کو اس جیسے کلمات کہو یہ تصریح نہ کرو کہ وہ جہنمی ہیں کیونکہ اس سے وہ بھڑک اٹھیں گے اور خاتمے کا حال معلوم نہیں۔

قولہ: فَیَخُصُّھُمْ: اس میں قریش کی اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ یتیم ابوطالب کیسے پیغمبر بن گیا۔

قولہ: وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا: اس میں اشارہ کر دیا داؤد علیہ السلام کے شرف کی وجہ وحی اور کتاب ہے نہ کہ ملک اور مال۔

قولہ: یَبْتَغُوْنَهَا: ای اسم موصول ہے یعنی وہ شخص جو ان میں سب سے زیادہ اللہ کے قریب تر ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں طاعات سے قرب چاہتا ہے تو جو قریب نہیں کیسے نہ چاہیں گے۔

قولہ: مَحْذُوْرًا: یعنی وہ عذاب اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے یہاں تک کہ فرشتے اور نبی مرسل بھی اس سے ڈرتے ہیں تو اوروں کا کیا حال ہوگا پھر وہ معبود کیسے بن گئے۔

قولہ: اُرِیْدُ اَھْلَھَا: اشارہ کیا کہ قریہ بول کر مراد اس کے رہنے والے ہیں کیونکہ دیواروں کو تو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

قولہ: اَنْ نُّرْسِلَ: یہاں منع کو ترک ارسال کے لیے بطور استعارہ کے استعمال کیا گیا ہے اور پہلا اپنے صلہ سمیت منعنا کا مفعول ہونیکی وجہ سے محل نصب میں ہے اور دوسرا منعنا کا فاعل ہونیکی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

قولہ: اٰیَةً مُّبْصِرَةً: اس میں اشارہ کیا کہ مبصرہ کا موصوف محذوف ہے الناقۃ نہیں۔ مبصرہ کا معنی بصیرت کے قابل۔

قولہ: اَلْمُعْجِزَاتِ: اس سے مراد منہ مانگے معجزات ہیں۔

قولہ: عَیَانًا: اس سے اشارہ کیا کہ رؤیا سے مراد رؤیت ہے۔

قولہ: اَلْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ: اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن میں اس پر لعنت کی گئی اور اس کے کھانے والے پر لعنت ہے اور درخت کا یہ وصف بطور مجاز لایا گیا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ....

مسلمانوں کو حسن تخاطب کی تعلیم و تلقین:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ "میرے بندوں سے کہو کہ وہ ہمیشہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو۔" جس میں حق کا بیان واظہار ہو اور جو حق کیلئے اور حق کے ذریعے کہی جائے اور اس سے مقصود نصیحت و خیر خواہی ہو۔ فایاک نسئال اللهم التوفیق لذالك والسداد والثبات علیه بہر کیف بھلی بات کہنے کی تعلیم ایک بڑی اہم اور بنیادی تعلیم ہے جس سے بسا اوقات بڑے بڑے فساد ٹل جاتے ہیں اور حالات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ جبکہ غلط بات سے آگ لگ جاتی ہے۔ اس لیے حکم وارشاد فرمایا گیا کہ "میرے بندوں سے کہو کہ وہ ہمیشہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو۔" مخالفین کی بیہودہ باتوں سے متاثر ہو کر اور اشتعال میں آ کر انہی کی زبان میں ان کا جواب نہ دیں بلکہ صحیح اور سچی بات کہنے اور پہچاننے ہی کو اپنا شیوہ اور طریقہ بنائیں۔ سو حسن تخاطب اور ملاطفت کا نتیجہ وانجام بہر حال بہت اچھا اور عمدہ ہوتا ہے۔

شیطان کے شر اور فساد سے محتاط رہنے کی ضرورت:

اس اہم حقیقت سے خبردار کرنے اور آگہی بخشنے کیلئے ارشاد فرمایا گیا کہ "بیشک شیطان تمہارے درمیان فساد ڈالونے کی کوشش کرتا ہے۔" اور اس کیلئے وہ لعین ایسے مواقع کی تاڑ اور تاک میں رہتا ہے۔ اس لیے تمہیں اے مسلمانوں اس کی شرانگیزی سے ہمیشہ محتاط رہنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور ایسی ہر بات سے گریز کرنا چاہئے جو فتنے اور فساد کا باعث بن سکتی ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو تمہیں ہمیشہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارا وہ کھلا دشمن ایسے کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر فتنہ وفساد برپا کردے اور تمہارے سارے کام کو بگاڑ کر رکھ دے کہ وہ اس طرح کے مواقع کی تاک میں رہتا ہے۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہیں ان کے۔

احوال سے آپ کا رب ہی خوب واقف ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون نبوت اور ولایت کے قابل ہے کس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اور کون پیدائشی شقی ہے۔

قریش اعتراض کرتے تھے کہ ابو طالب کا یتیم نبی کیسے ہو سکتا ہے اور بلال وصہیب جیسے محتاج لوگ اللہ کے ولی اور جنتی کس طرح ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے شرفاء مکہ دوزخی کیسے بن سکتے ہیں اس آیت میں ان بے ہودہ خیالات کی تردید کردی گئی (کہ اہلیت اور صلاحیت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں، دولت اور ظاہری عزت معیار قابلیت نہیں، فطری جوہر قابل کس کو دیا گیا ہے اور کون اس سے محروم ہے اس سے اللہ ہی واقف ہے۔

وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر برتری عطا کی ۔یعنی اخلاقی اور نفسانی فضائل سے نوازا اور جسمانی و مادی آلودگیوں سے پاک صاف کیا اور اسی کو معیارِ فضیلت بنایا مال واولاد وغیرہ کی کثرت وقلت کو انبیاء کی فضیلت کا ذریعہ نہیں قرار دیا' اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں قتادہ نے کہا اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا موسیٰ سے کلام کیا' عیسیٰ کی پیدائش (بغیر باپ کے) صرف لفظ کُن سے کی (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں جب عیسیٰ علیہ السلام گہوارے کے اندر شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس وقت ان سے کلام کیا اور ان سے فصیح زبان میں بات کروائی اور ان کو کتاب وحکمت عطا فرمائی اور توریت وانجیل کا علم مرحمت فرمایا اور روح القدس کو (ہر وقت) ان کی امداد پر مامور فرمایا (قتادہ نے کہا) اور سلیمان کو ایسی حکومت عنایت کی جو آپ کے بعد کسی کو ملنا مناسب نہیں یعنی جن وانس کو ان کا تابع حکم بنا دیا اور شیطانوں کو سلیمان کے حکم سے زنجیروں میں مقید کرا دیا اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ اور داؤد کو ہم نے زبور دی یعنی وحی کے ذریعہ سے ان کے پاس کتاب بھیج کر فضیلت و بزرگی سے نوازا حکومت (بھی دی مگر حکومت) کو وجہ برتری نہیں قرار دیا۔

مکہ کے کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار اس وجہ سے کیا کہ اگر کسی کو نبی بنایا جانا ہی تھا تو ایسے آدمی کو کیوں بنایا گیا جس کو کوئی وجہ برتری حاصل نہیں ۔نہ مال و دولت اس کے پاس ہے نہ دنیوی وجاہت واقتدار ۔مذکورۂ بالا آیات میں اللہ نے اس کی تردید کر دی اور فرما دیا کہ بعض انبیاء کو بعض پر ہم نے برتری عطا کی تھی' یعنی اخلاقی بلندی' نفسانی بزرگی' جسمانی آلودگیوں سے پاکی' وہبی علوم عمومی ہدایت اور مراتب قرب کے لحاظ سے ایک کو دوسرے سے اونچا کیا تھا' مال و اولاد کی کثرت وجہ برتری نہ تھی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سے برگزیدہ بنایا آپ پر نبوت کو ختم کر دیا' آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا' کیونکہ زبور میں صراحت فرما دی تھی کہ میری زمین کے وارث اصحاب صلاح ہوں گے اور امت محمدیہ کو زمین کا وارث بنایا' معلوم ہوا کہ یہ امت سب امتوں پر برتری رکھتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید عطا کیا جو حجم میں اگرچہ کم ہے مگر علم وافادیت واعجاز میں سب سے زائد ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری درجۂ قرب پر پہنچایا اور اس قرب کو آیت: دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں ظاہر فرمایا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ زبور اللہ کی کتاب ضرور تھی جو حضرت داؤد کو دی گئی تھی اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں اور سب سورتیں دعا اور حمد وثناء سے بھری ہوئی تھیں ۔نہ ان میں حرام وحلال کا بیان تھا نہ فرائض وحدود کا ۔بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کرتے تھے جب وہ جن مسلمان ہو گئے ۔تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چمٹے رہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ ....

فرمائشی معجزات ہم صرف اسلئے نہیں بھیجتے کہ سابقہ امتوں نے انکی تکذیب کی:

معالم التنزیل (ج ۳/ ۱۲۱) اور روح المعانی (ص ۱۰۳ ج ۱۵) بحوالہ حاکم واحمد ونسائی وطبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیجیے اور مکہ میں جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹا دیجیے

تا کہ ہمیں کھیتی کرنے کا موقع مل جائے (اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں گے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی بھیجی کہ آپ چاہیں تو میں ان کو ڈھیل دے دوں اور اگر چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں پھر اگر ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کر دوں گا۔ جیسے ان سے پہلے (ایمان نہ لانے والوں پر) معجزات خاصہ طلب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں ڈھیل دے دیں۔ (ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں اور ہلاکت سے بچ جائیں) اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور یہ بتا دیا کہ یہ لوگ جو فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں ایسے معجزات ظاہر کرنے پر ہمیں قدرت ہے لیکن اس لیے ظاہر نہیں کرتے کہ جیسے پہلی امتوں نے فرمائشی معجزے طلب کیے پھر وہ ظہور میں آگئے تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور ہلاک کر دیئے گئے اور اگر اس امت کے سامنے بھی فرمائشی معجزے ظاہر کر دیئے جائیں پھر ایمان نہ لائیں تو تکوینی قانون کے مطابق یہ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جیسا کہ سابقہ امتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے (جو معجزات اب تک ظاہر ہو چکے ہیں طالب حق کے لیے وہ کافی ہیں) اور یہ امت محمدیہ پر مہربانی ہے کہ ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے تا کہ تکذیب کے جرم میں جلدی ہلاک نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد بطور مثال قوم ثمود کی اونٹنی کا تذکرہ فرمایا وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت کا ذریعہ تھی سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا) قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے تو ہم ایمان لے آئیں گے جب ان کی فرمائش کے مطابق پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور انہیں بتا دیا گیا کہ ایک دن یہ پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پانی پیئیں گے تو ان لوگوں نے اس اونٹنی پر ظلم کیا اور اسے قتل کر ڈالا لہٰذا ان پر عذاب آ گیا اور ہلاک کر دیئے گئے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جب ان کی فرمائش پوری کر دی گئی اور پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی تو فوراً ایمان لے آتے، چونکہ ثمود عرب ہی میں سے تھے اور ان کے مکانات (جو انہوں نے پہاڑوں میں بنا رکھے تھے) شام کو جاتے ہوئے قریش مکہ کی نظروں کے سامنے آتے رہتے تھے اس لیے فرمائشی معجزہ طلب کر کے ہلاک ہونے والوں کی مثال میں ان کا تذکرہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا: وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴿۵۹﴾ (اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں) یعنی فرمائشی معجزات جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوئے ہیں ان کا مقصد ڈرانا تھا کہ دیکھو معجزہ ظاہر ہوگا اور فرمائش کرنے والے ایمان نہ لائیں گے تو ہلاک کر دیئے جائیں گے چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے تھے اور ہلاک کر دیئے جاتے تھے اور چونکہ اس امت کے ساتھ ایسا نہیں کرنا اس لیے ان کی فرمائش کے مطابق معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے۔ قال صاحب الروح (ج ۵ / ۱۰۴) (والمراد بها اما المقترحة فالتخويف بالاستيصال لانذارها به من عادة الله تعالى اى ما نرسلها الا تخويفا من العذاب المستاصل كالطليعة له فان لم يخافوا فعل بهم ما فعل)

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آخری جملہ سے یہ عام چیزیں مراد ہیں جو کبھی کبھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں جیسے چاند اور سورج گرہن ہونا اور گرج اور بجلی کا ظاہر ہونا اور آندھیوں کا آنا اور زلزلوں کا پیش آ جانا وغیرہ وغیرہ، ان حضرات کے قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عام طور سے جو ہم نشانیاں بھیجتے ہیں ان کا مقصد ڈرانا ہی ہوتا ہے لوگ ان سے عبرت حاصل

کریں اور حق قبول کریں اور حق پر جمے رہیں۔

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۔۔۔۔

آپ کے ربّ کا علم سب کو محیط ہے، آپ کی رؤیا اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لیے فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں:

اس آیت میں اول تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ آپ وہ وقت یاد کریں جب ہم نے آپ کو یہ بتایا کہ آپ کا رب اپنے علم کے اعتبار سے سب لوگوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے اسے سب احوال ظاہرہ و باطنہ، گزشتہ موجودہ اور آئندہ سب کا علم ہے انہیں احوال میں سے یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ ایمان نہ لائیں گے اور بہت سے لوگ ایمان لاکر بعض آزمائشوں کی باتوں میں مبتلا ہو کر ایمان پر جمنے کی بجائے ایمان سے پھر جائیں گے۔

اس کے بعد یوں فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو عجیب چیزیں دکھائیں اور قرآن میں جو ایک ملعون درخت کا ذکر کیا یہ دونوں چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لیے ہیں کہ ان کو سن کر کون ایمان قبول کرتا ہے اور کون کفر ہی پر جما رہتا ہے اور کون ایمان قبول کرنے کے بعد کفر میں واپس چلا جاتا ہے۔

لفظ رؤیا عربی زبان میں رأی یریٰ سے فُعْلیٰ کا وزن ہے یہ صیغہ عام طور سے خواب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بعض مرتبہ بیداری میں دیکھنے کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ آیت بالا میں جو لفظ رؤیا آیا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے اور وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ سے زقوم کا درخت مراد ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں معراج ہوئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے وہاں حضرات انبیاء کرام کو نماز پڑھائی پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا سدرۃ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے راستے میں قریش کا ایک قافلہ بھی ملا جب آپ نے صبح کو اپنے سفر کا تذکرہ فرمایا اور سفر کے مرئیات اور مشاہدات بیان فرمائے تو بعض وہ لوگ جو ایمان قبول کر چکے تھے مرتد ہو گئے اور قریش مکہ کو بڑا تحیر ہوا کہ ایک رات میں کوئی شخص اتنی دور جا کر کیسے واپس آ سکتا ہے لہٰذا انہوں نے تکذیب کر دی پھر بیت المقدس کی نشانیاں آپ سے معلوم کرنے اور شافی جواب ملنے اور تجارتی قافلہ کے واپس پہنچنے سے جس کے آنے کی آپ نے خبر دی تھی قریش کا منہ بند ہو گیا لیکن جن کی قسمت میں ایمان چھوڑنا تھا انہوں نے ایمان چھوڑ دیا معراج کی رات کی جو باتیں آپ نے بیان فرمائیں بلاشبہ وہ فتنہ تھیں یعنی ان میں آزمائش تھی جو بعض لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب بھی بن گئی (بعض افراد نے لفظ فتنہ کو یہاں گمراہی کے معنی میں لیا ہے)۔

اور وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ سے زقوم کا درخت مراد ہے جو دوزخیوں کی غذا ہوگی جس کا ذکر سورۃ صف میں بھی ہے اور سورۃ واقعہ میں بھی سورۃ صٰفّٰت میں فرمایا ہے کہ: (اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ) (بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے سبب امتحان بنایا) یہ درخت دوزخیوں کو کھانے کو ملے گا اور بھوک کی وجہ سے باوجود ناگواری کے پیٹ بھر کر کھائیں گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی پئیں گے جیسا کہ سورۃ واقعہ میں بیان فرمایا ہے۔ یہ درخت صورت میں سانپوں کے پھنوں

کی طرح ہوگا اور دوزخ کی تہہ سے نکلے گا کما فی سورۃ الصافات اور بدمزہ اس قدر ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والوں کی روزی بگاڑ کر رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳)

جب رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کا تذکرہ فرمایا تو قریش مکہ مذاق اڑانے لگے ابوجہل نے کہا کہ ان کو دیکھو یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ میں ڈالے جاؤ گے اور کہتے ہیں کہ اس میں ایسی آگ ہوگی جو پتھروں کو جلا دے گی پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں سے درخت بھی نکلے گا درخت کو تو آگ جلا دیتی ہے وہاں درخت کیسے ہوگا؟ وہاں عبداللہ بن زبعری بھی تھا جو اس وقت مشرک تھا اس نے کہا کہ محمد ﷺ ہمیں زقوم سے ڈراتے ہیں ہمارے نزدیک تو زقوم یہی مکھن اور کھجور ہے، ابوجہل کہنے لگا کہ اے لونڈی ہمیں زقوم کھلا دے وہ مکھن اور کھجوریں لے آئی تو کہنے لگا آؤ لوگو! زقوم کھالو جس سے محمد ﷺ تم کو ڈرا رہے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زقوم کی کیفیت سورۃ صافات میں بیان فرمائی۔

(ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۳/۱۲۲)

زقوم کے درخت کو جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے دوزخیوں کے عذاب کے ذیل میں فرمایا تھا اسے مشرکین نے کھجور اور مکھن پر محمول کر لیا اور مذاق بنایا۔ جس سے مزید کفر میں ترقی کر گئے لہٰذا واقعہ معراج کی طرح زقوم کا تذکرہ بھی لوگوں کے لیے موجب فتنہ بن گیا۔

درخت زقوم کو جو ملعونہ فرمایا اس کے بارے میں علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ اہل عرب کھانے کی ہر مکروہ چیز کو طعام ملعون کہتے تھے لہٰذا زقوم کو شجر ملعونہ فرما دیا۔

آخر میں فرمایا: وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿٦٠﴾ (یعنی ہم ان کو ڈراتے ہیں آخرت کے عذاب کی خبریں سناتے ہیں لیکن وہ الٹا اثر لیتے ہیں اور ان کی سرکشی اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔)

اذْكُرْ وَ إِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْإِنْحِنَاءِ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ نَصَبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ أَيْ مِنْ طِيْنٍ قَالَ أَرَءَيْتَكَ أَيْ أَخْبِرْنِيْ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ فَضَّلْتَ عَلَيَّ بِالْأَمْرِ بِالسُّجُوْدِ وَأَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَارٍ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ أَخَّرْتَنِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ لَأَسْتَاصِلَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ بِالْإِغْوَاءِ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ مِنْهُمْ مِمَّنْ عَصَمْتُهٗ قَالَ تَعَالٰى لَهٗ اذْهَبْ مُنْظَرًا إِلَى وَقْتِ النَّفْخَةِ الْأُوْلٰى فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ أَنْتَ وَهُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَافِرًا كَامِلًا وَاسْتَفْزِزْ اسْتَخِفَّ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ دُعَائِكَ بِالْغِنَاءِ وَالْمَزَامِيْرِ وَكُلِّ دَاعٍ إِلَى الْمَعْصِيَةِ وَأَجْلِبْ صِحْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَهُمُ الرُّكَّابُ وَالْمُشَاةُ فِي الْمَعَاصِيْ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ الْمُحَرَّمَةِ كَالرِّبٰوا وَالْغَصَبِ وَالْأَوْلَادِ مِنَ الزِّنَا وَعِدْهُمْ ؕ بِأَنْ لَا بَعْثَ وَلَا جَزَاءَ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ بِذٰلِكَ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ بَاطِلًا إِنَّ عِبَادِيْ الْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ تَسَلُّطٌ وَقُوَّةٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ حَافِظًا لَهُمْ مِنْكَ

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ یَجْرِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ السُّفُنَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ تَعَالٰی بِالتِّجَارَةِ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ
رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾ فِیْ تَسْخِیْرِهَا لَكُمْ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ الشِّدَّةُ فِی الْبَحْرِ خَوْفَ الْغَرَقِ ضَلَّ غَابَ عَنْكُمْ مَنْ
تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنَ الْاٰلِهَةِ فَلَا تَدْعُوْنَهٗ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ تَعَالٰی فَاِنَّكُمْ تَدْعُوْنَهٗ وَحْدَهٗ لِاَنَّكُمْ فِیْ شِدَّةٍ لَا
یَكْشِفُهَا اِلَّا فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ مِنَ الْغَرَقِ وَاَوْصَلَكُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ عَنِ التَّوْحِیْدِ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾
جُحُوْدًا لِلنِّعَمِ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَیِ الْاَرْضِ كَقَارُوْنَ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا اَیْ
یَرْمِیْكُمْ بِالْحُصْبَاءِ كَقَوْمِ لُوْطٍ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿۶۸﴾ حَافِظًا مِنْهُ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ اَیِ الْبَحْرِ
تَارَةً مَرَّةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ اَیْ رِیْحًا شَدِیْدَةً لَا تَمُرُّ بِشَیْءٍ اِلَّا قَصَفَتْهُ فَتَكْسِرُ فُلْكَكُمْ
فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ بِكُفْرِكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾ نَصِیْرًا اَوْ تَابِعًا یُطَالِبُنَا بِمَا فَعَلْنَا بِكُمْ وَ
لَقَدْ كَرَّمْنَا فَضَّلْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ بِالْعِلْمِ وَالنُّطْقِ وَاعْتِدَالِ الْخَلْقِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَمِنْهُ طَهَارَتُهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ
حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ عَلَی الدَّوَابِّ وَالْبَحْرِ عَلَی السُّفُنِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
كَالْبَهَائِمِ وَالْوُحُوْشِ تَفْضِیْلًا ﴿۷۰﴾ فَمَنْ بِمَعْنٰی مَا اَوْ عَلٰی بَابِهَا وَتَشْمَلُ الْمَلَائِكَةَ وَالْمُرَادُ تَفْضِیْلُ الْجِنْسِ ع ۱۰
وَلَا یَلْزَمُ تَفْضِیْلُ اَفْرَادِهٖ اِذْهُمْ اَفْضَلُ مِنَ الْبَشَرِ غَیْرَ الْاَنْبِیَاءِ

ترجمہ: اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو (جھک کر تعظیمی آداب بجالاؤ) تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نہ جھکا بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے مٹی سے بنایا (یہ لفظ حذف جار کے ساتھ منصوب ہے اصل عبارت من طین تھی) کہنے لگا بھلا دیکھ اس شخص کو جو تو نے مجھ سے بڑھا دیا ہے (برتری دی ہے سجدہ کا حکم دیکر حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں آگ سے پیدا ہوا ہوں) اگر (لام قسمیہ ہے) تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو میں تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ (جنہیں تو نے معصوم بنایا ہوگا) ضرور اس کی اولاد کو ڈھانٹی دیکر (ختم کر کے) رہوں گا (بہکا کر اس کو اپنے بس میں کرلوں گا فرمایا (باری تعالیٰ نے) جا) تجھے پہلی دفعہ صور پھونکنے تک مہلت دی) جو شخص ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی (تیری اور ان کی) سزا جہنم ہے پوری پوری (بھرپور) اور ان میں سے جس جس پر قابو چلے اپنی چیخ پکار سے (گا بجا کر اور ہر گناہ کی طرف لبھا کر) اس کے قدم کو اکھاڑ دینا (بہکا لینا) اور ان پر اپنے لشکر کے سوار اور پیادے چڑھا لانا (جو گناہوں میں سواروں اور پیادوں کی طرح ہیں) اور انکے (سود اور غصب جیسے حرام مال اولاد (زنا) میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے (قیامت اور سزا نہ ہونے کے بارے میں) وعدے کرتے رہنا اور (اس بارے میں) شیطان کے وعدے سراسر دھوکہ ہوتے ہیں، میرے خاص بندوں (مسلمانوں) پر تیرا زور (دباؤ) ذرا بھی نہ چلے گا تمہارا پروردگار کارسازی کے لیے بس کرتا ہے (تیرے شر سے ان کی حفاظت کرے گا) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہارے کام سنوارنے کے

لیے سمندروں میں جہاز چلاتا ہے تا کہ تم (تجارت کے ذریعہ) رزق تلاش کرو، بلا شبہ وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے (کہ جہاز و سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے) اور جب کہ سمندر میں کوئی مصیبت (آفت) آگھیرتی ہے (ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے) تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھو جاتی (غائب ہو جاتی ہیں) جنہیں تم پکارا کرتے تھے (جن کی تم بندگی کرتے ہو لہٰذا تمہیں ان کی پوجا نہیں کرنی چاہئے) صرف اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے (کیونکہ تم اسوقت صرف اسی کو پکارتے ہو اس واسطے کہ اس کے علاوہ مصیبت کو کوئی اور دور نہیں کر سکتا) پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے بچا لے جاتا ہے (ڈوبنے سے اور تمہیں پہنچا دیتا ہے) خشکی کی طرف تو تم پھر (توحید سے) پھر جاتے ہو حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکرا) کفران نعمت کرنے والا ہے) پھر کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب لا کر زمین میں دھنسا دے (قارون کی طرح زمین میں) یا تم پر کوئی ایسی تند ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے (یعنی قوم لوط کی طرح تم پر کنکر برسا دے) پھر کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ (جو تمہیں اس عذاب سے بچالے) یا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ تمہیں پھر دوبارہ سمندر میں بھیج دے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے (ہوا کے ایسے جھکڑ کہ جس چیز پر گذریں اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں وہ تمہارے جہاز کے پھٹے اڑا دیں) اور تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں غرقاب کر دیا جائے تم پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لیے ہم پر دعوی کرنے والا ہو (مددگار اور اس کارروائی پر ہمارا پیچھا کرنے والا جو ہم نے تمہارے ساتھ کی ہے) البتہ ہم نے اولاد آدم کو عزت دی (علم اور گویائی اور پیدائش میں اعتدال کی وجہ سے اسی وجہ سے مرنے کے بعد انسان کو پاک کیا جاتا ہے) اور ہم نے ان کو خشکی میں (جانوروں پر) اور سمندر میں (جہاد پر) سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں انہیں عطا کیں اور اپنی بہت سی مخلوق (جیسے چوپائے اور وحشی جانوروں) پر برتری بخشی (یہاں من بمعنی ما ہے یا اپنے معنی پر باقی رہتے ہوئے فرشتوں کو بھی شامل ہو، اس سے مراد جب انسانی جنس کی برتری ہے جس کے لیے افراد کا برتر ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ فرشتے انبیاء کے علاوہ انسانوں میں افضل ہوتے ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْاِنْحِنَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ سجدے سے مراد تعظیمی سجدہ ہے جو فقط جھک جانے کے ساتھ تھا۔

قوله: طِيْنًا: نصب بنزع الخافض اس سے اشارہ کیا کہ طینا کا نصب حرف جر کے اٹھا لینے کی وجہ سے ہے اس بناء پر نہیں کہ یہ محذوف کا حال ہے۔

قوله: اَخْبِرْنِيْ: یعنی یہاں رؤیت سے مراد خبر دینا ہے اور کاف تاکید خطاب کے لیے ہے اور یہ اس کا مفعول ہے اول ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے۔

قوله: فَضَّلْتَ: اس سے کرمت کی تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اس کا صلہ علی نہیں آ سکتا۔

قوله: مُنْظَرًا: اس سے اشارہ کیا کہ اذھب۔ یہ ذھاب سے نہیں جو مجی (آنے) کی ضد ہے بلکہ اس کا معنی افض شانک ہے۔

قوله: اَنْتَ وَهُمْ: اصل اس طرح ہے: ان جھنم جزاک و جزاؤھم۔ پھر مخاطب کو غائب پر غلبہ دیا۔

قوله: وَافِرًا كَا: اس سے اشارہ ہے مفعول (موفور) یہ وافر (فاعل) کے معنی میں ہے۔

قوله: اِسْتَفْزِزْ: بیوقوف بنانا۔

قوله: بَاطِلًا: غرور۔ غلطی کو اس طرح مذین کرنا کہ وہ درستی وحق معلوم ہو۔

قوله: اَوْصَلَكُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ ظرف کا متعلق محذوف ہے۔

قوله: اَفَاَمِنْتُمْ: اس میں ہمزہ انکار اور فاء عاطفہ محذوف ہے۔ تقدیر یہ ہے انجوتم فامنتم فحملكم ذلك على الاعراض۔

قوله: الْاَرْضِ كَفَّارُوْنَ: جانب کا تذکرہ کر کے خبردار کیا کہ جب وہ ساحل پر پہنچے تو کفر شروع کر دیا۔

قوله: قَصِفَتْهُ: توڑنے کا معنی دیتا ہے۔

قوله: بِكُفْرِ كُمْ: ماصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: وَالْمُرَادُ تَفْضِيْلُ الْجِنْسِ: جنس بنی آدم کی جنس ملا کر تفضیل ہے تمام افراد کی افراد پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

تفسیر مقبولین

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ....

محسن کو چھوڑ کر دشمن سے دوستی:

بیان ہو رہا ہے کہ ابلیس تمہارا بلکہ تمہارے اصلی باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی قدیمی دشمن رہا ہے اپنے خالق مالک کو چھوڑ کر تمہیں اس کی بات نہ ماننی چاہئے اللہ کے احسان واکرام اس کے لطف وکرم کو دیکھو کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا پالا پوسا پھر اسے چھوڑ کر اس کے بلکہ اپنے بھی دشمن کو دوست بنانا کس قدر خطرناک غلطی ہے؟ اس کی پوری تفسیر سورۃ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے تمام فرشتوں کو بطور ان کی تشریف، تعظیم اور تکریم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب نے حکم برداری کی لیکن چونکہ ابلیس بد اصل تھا، آگ سے پیدا شدہ تھا، اس نے انکار کر دیا اور فاسق بن گیا۔ فرشتوں کی پیدائش نورانی تھی۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں ابلیس شعلے مارنے والی آگ سے اور آدم علیہ السلام اس سے جس کا بیان تمہارے سامنے کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز اپنی اصلیت پر آ جاتی ہے اور وقت پر برتن میں جو ہو وہی ٹپکتا ہے۔ گو ابلیس فرشتوں کے سے اعمال کر رہا تھا انہی کی مشابہت کرتا تھا اور اللہ کی رضامندی میں دن رات مشغول تھا، اسی لیے ان کے خطاب میں یہ بھی آ گیا لیکن یہ سنتے ہی وہ اپنی اصلیت پر آ گیا، تکبر اس کی طبیعت میں سما گیا اور صاف انکار کر بیٹھا اس کی پیدائش ہی آگ سے تھی جیسے اس نے خود کہا کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے۔ ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا وہ جنات کی اصل ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ جنات ایک قسم تھی فرشتوں کی تیز آگ کے شعلے سے تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس شریف فرشتوں

میں سے تھا اور بزرگ قبیلے کا تھا، جنتوں کا داروغہ تھا، آسمان دنیا کا بادشاہ تھا، زمین کا بھی سلطان تھا، اس سے کچھ اس کے دل میں گھمنڈ آ گیا تھا کہ وہ تمام اہل آسمان سے شریف ہے۔ وہ گھمنڈ ظاہر ہو گیا از روئے تکبر کے صاف انکار دیا اور کافروں میں جاملا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا جیسے لوگوں کو شہروں کی طرف نسبت کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں مکی مدنی بصری کوفی۔ یہ جنت کا خازن آسمان دنیا کے کاموں کا مدبر تھا یہاں کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ اس معصیت سے پہلے وہ ملائکہ میں داخل تھا لیکن زمین پر رہتا تھا۔ سب فرشتوں سے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والا اور سب سے زیادہ علم والا تھا اسی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس کے قبیلے کا نام جن تھا آسمان وزمین کے درمیان آمد ورفت رکھتا تھا۔ رب کی نافرمانی سے غضب میں آ گیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہو گیا۔ پس متکبر شخص سے توبہ کی امید نہیں ہو سکتی ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے ناامید نہ ہونا چاہئے کہتے ہیں کہ یہ تو جنت کے اندر کام کاج کرنے والوں میں تھا۔ سلف کے اور بھی اس بارے میں بہت سے آثار مروی ہیں لیکن یہ اکثر بیشتر بنی اسرائیلی ہیں صرف اس لیے نقل کئے گئے ہیں کہ نگاہ سے گزر جائیں۔ اللہ ہی کو ان کے اکثر کا صحیح حال معلوم ہے۔ ہاں بنی اسرائیل کی روایتیں وہ تو قطعاً قابل تردید ہیں جو ہمارے ہاں کے دلائل کے خلاف ہوں۔

بات یہ ہے کہ ہمیں تو قرآن کافی وافی ہے، ہمیں اگلی کتابوں کی باتوں کی کوئی ضرورت نہیں، ہم ان سے محض بے نیاز ہیں۔ اس لیے کہ وہ تبدیل ترمیم کی بیشی سے خالی نہیں، بہت سی بناوٹی چیزیں ان میں داخل ہو گئی ہیں اور ایسے لوگ ان میں نہیں پائے جاتے جو اعلیٰ درجہ کے حافظ ہوں کہ میل کچیل دور کر دیں، کھرا کھوٹا پرکھ لیں، زیادتی اور باطل کے ملانے والوں کی دال نہ گلنے دیں جیسے کہ اللہ رحمٰن نے اس امت میں اپنے فضل وکرم سے ایسے امام اور علماء اور سادات اور بزرگ اور متقی اور پاکباز اور حفاظ پیدا کئے ہیں جنہوں نے احادیث کو جمع کیا، تحریر کیا۔ صحیح، حسن، ضعیف، منکر، متروک، موضوع سب کو الگ الگ کر دکھایا یا گھڑنے والوں، بنانے والوں، جھوٹ بولنے والوں کو چھانٹ کر الگ کھڑا کر دیا تا کہ ختم المرسلین العالمین ﷺ کا پاک اور مبرک کلام محفوظ رہ سکے اور باطل سے بچ سکے اور کسی کا بس نہ چلے کہ آپ کے نام سے جھوٹ کو رواج دے لے اور باطل کو حق میں ملا دے۔ پس ہماری دعا ہے کہ اس کل طبقہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ورضامندی نازل فرمائے اور ان سب سے خوش رہے آمین! آمین! اللہ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور یقیناً ان سے دوستی نہ کرو اور مجھے چھوڑ کر اس سے تعلق نہ جوڑو۔ ظالموں کو بڑا برا بدلہ ملے گا۔ یہ مقام بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسے سورۃ یاسین میں قیامت، اس کی ہولناکیوں اور نیک وبد لوگوں کے نتیجوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اے مجرموں تم آج کے دن الگ ہو جاؤ، الخ۔

اللہ کے سوا سب ہی بے اختیار ہیں:

جنہیں تم اللہ کے سوا اللہ بنائے ہوئے ہو وہ سب تم جیسے ہی میرے غلام ہیں۔

کسی چیز کی ملکیت انہیں حاصل نہیں۔ زمین وآسمان کی پیدائش میں میں نے انہیں شامل نہیں رکھا تھا بلکہ اس وقت وہ موجود بھی نہ تھے تمام چیزوں کو صرف میں نے ہی پیدا کیا ہے۔ سب کی تدبیر صرف میرے ہی ہاتھ ہے۔ میرا کوئی شریک، وزیر، مشیر، نظیر، نہیں۔ جیسے اور آیت میں فرمایا: (قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ (سبا: ۲۲) جن جن کو تم اپنے گمان میں کچھ سمجھ رہے ہو سب کو ہی سوا اللہ کے پکار کر دیکھ لو یاد رکھو انہیں آسمان و زمین میں کسی ایک ذرے کے برابر بھی اختیارات حاصل نہیں نہ ان کا ان میں کوئی ساجھا ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ نہ ان میں سے کوئی شفاعت کر سکتا ہے، جب تک اللہ کی اجازت نہ ہو جائے الخ مجھے یہ لائق نہیں نہ اس کی ضرورت کہ کسی کو خصوصا گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو اور مددگار بناؤں۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ ....

اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا۔ اسْتَفْزِزْ: ابھار دینا' پھسلا دینا' بے وقوف بنالینا۔ قاموس میں ہے اِسْتَفَزَّهٗ: اس کو ابھار دے کر اکھاڑ دیا اور گھر سے نکال دیا۔ بِصَوْتِكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک صوت سے اس جگہ دعوت گناہ مراد ہے۔ جو بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ ابلیس کی جماعت میں شامل ہے۔ ازہری نے اسْتَفْزِزْ بِصَوْتِكَ سے یہ مراد لی ہے کہ ان کو اپنی طرف بلانا اور اکھاڑ کر اپنی جانب مائل کر لینا۔ مجاہد نے کہا صوت سے مراد ہے گانا بجانا۔ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ ۔ جَلَبَ (باب نصر) اِجْتَلَبَ (باب افتعل) ایک جگہ سے کسی کو دوسرے مقام کی طرف لے گیا۔ (قاموس) حدیث میں آیا ہے: لَا جَلَبَ یعنی ایک جگہ کا غلہ (جب کہ اس جگہ بھی ضرورت ہو) دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ جَلَبَ دو طرح کا ہوتا ہے۔

۱) زکوٰۃ کا محصل جا کر کسی خاص مقام پر فروکش ہو جائے اور اپنے کارندوں کو جا بجا ہر طرف بھیج دے تا کہ زکوٰۃ دینے والے خود اپنا مال لا کر جمع کرائیں۔ اس کی شرعاً ممانعت کر دی گئی اور زکوٰۃ کے تحصیلداروں کو حکم دیا گیا کہ خود لوگوں کے گھروں اور قیام گاہوں پر جا کر زکوٰۃ کا مال وصول کریں۔

۲) گھوڑوں کی دوڑ کے موقع پر کوئی شخص اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی اور کو لگا دے تا کہ وہ آدمی گھوڑے کو چیخ چیخ کر زور سے تیز دوڑنے پر بھڑکا تا رہے (اور گھوڑا کہیں سست رفتار نہ ہونے پائے) اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔

قاموس میں اَجْلَبَ علی الفرس کا یہی معنی آیا ہے۔ جلبتہ کا معنی آواز بھی ہے' قاموس میں ہے: رَعَدَ فَجَلَبَ: لرزا اور چیخا۔ اَجْلَبَ علیہ: اس پر چیخ کر اس کو بھڑکایا اور ابھارا' قتیبی نے کہا جلب جلبۃ کی جمع ہے۔ آوازیں' شور' جلب بمعنی اجتماع بھی آیا ہے۔ نہایہ میں ہے: اَجْلَبُوْا عَلَيْهِ اس پر جمع ہو گئے اَجْلَبَهٗ اس کی مدد کی۔ اس تنقیح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ اپنے تمام لشکر کو اور اغواء و مکر کے تمام ذرائع کو جمع کر لینا۔

یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں پر آمادہ کرنا بھڑکانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کی طرف ان کو ہنکانا یا چلانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کرنے میں ان کی مدد کرنا۔

بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ گناہوں کے راستہ پر چلنے والا ابلیس کا لشکری ہے سوار ہو کر چلے یا پیادہ۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا جنات اور انسانوں میں سے کچھ اشخاص ابلیس کے سوار بھی ہیں اور پیادے بھی جو بھی معصیت کے راستہ میں لڑے وہ ابلیس کا لشکری ہے۔ بیضاوی نے آیت کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ اپنی طرف سے اغواء کر کے لوگوں کو بھڑکانا سوار ہوں یا پیادے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ عبارت کا حقیقی مفہوم مراد نہ ہو بلکہ اللہ نے جو شیطان کو اغوا پر تسلط عنایت فرمایا تھا کہ وہ کامل طور پر گمراہ کرسکتا تھا اور ہدایت انسانی کو بیخ و بن سے اکھاڑ سکتا تھا اس کو ایسے سپہ سالار سے تشبیہ دی جو اپنے پورے لشکر کے ساتھ دشمن کی بستی پر حملہ کرکے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ ....

اور انکے مال و اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے وعدے کرنا اور شیطان ان سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے:

مجاہد، حسن بصری اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک شرکت فی الاموال سے مراد یہ ہے کہ حرام کمائی کرنے اور اس کو جمع کرر کھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور حرام مال خرچ کرنا۔ عطا نے کہا اس سے مراد سود (کالین دین) ہے اور (بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں پر چھوڑے ہوئے یا خودساختہ قوانین مذہب کے زیر اثر) آزاد کئے ہوئے جانور بھی مراد ہیں جن کو کھانا (اور بعض اوقات ان سے سواری لینا بھی) مشرک حرام قرار دیتے ہیں۔ ضحاک نے کہا غیر اللہ کے نام جانوروں کی بھینٹ چڑھانا مراد ہے۔ شرکت فی الاولاد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک زندہ دفن کی ہوئی لڑکیاں مراد ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا اولاد زنا مراد ہے، حسن اور قتادہ نے کہا اولاد کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنانا مراد ہے (جب کہ یہ مذاہب منسوخ ہو چکے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ اولاد کے ناجائز نام رکھنا مراد ہے جیسے عبدالحارث، عبدالشمس، عبدالعزیٰ، عبدالدار وغیرہ۔

حضرت امام جعفر بن امام زین العابدین نے فرمایا جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے اب اگر وہ شخص بسم اللہ کہے بغیر کام شروع کردیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کے اندام نہانی میں شیطان بھی انزال کرتا ہے (اس طرح اولاد کی پیدائش میں شیطان شریک ہو جاتا ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم میں کچھ لوگ مغرب ہیں، دریافت کیا گیا مغرب کون لوگ ہیں۔ فرمایا جن (کی پیدائش) میں شیطان شریک ہوتے ہیں۔ وعدہ دلانے سے مراد ہے جھوٹی، غلط امیدیں دلانا مثلاً بتوں کی شفاعت، باپ دادا کی بزرگی پر بھروسہ۔ توبہ میں تاخیر، یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ دوزخ اور قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

ایک شبہ: استفزز، اجلب، شارك، عد۔ یہ سب امر کے صیغے ہیں تو کیا اللہ نے ابلیس کو معصیت کا حکم دیا تھا۔ اللہ تو گناہ کا حکم نہیں دیتا۔

ازالہ: صیغے امر کے ضرور ہیں لیکن مفہوم تہدید مراد ہے یا امر سے مقصود توہین ابلیس ہے کہ تو کچھ بھی کرلے، تیری کسی حرکت سے میری حکومت میں فرق نہیں آسکتا۔

غرور بمعنی فریب دھوکہ، باطل کو بصورت حق دکھانا۔ (یعنی ایسے آراستہ کرکے دکھانا کہ حق معلوم ہونے لگے)

بغوی نے لکھا ہے آثار (اقوال صحابہ) میں آیا ہے کہ ابلیس کو جب نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے

میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا' اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرما دے (کہ میں جس طرح چاہوں ان کو بے راہ کر دوں) اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا فرمایا۔ ابلیس نے کہا' مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں' اللہ نے فرمایا: استفزز من استطعت منهم بصوتك.. آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کر دیا اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ نے فرمایا تیری جو بھی اولاد ہوگی' میں اس کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کر دوں گا' آدم علیہ السلام نے عرض کیا میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں' اللہ نے فرمایا ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا' آدم علیہ السلام نے عرض کیا اور کیا۔ اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی توبہ (کی قبولیت) سامنے رہے گی (یعنی توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا) آدم علیہ السلام نے عرض کیا اور کچھ اللہ نے فرمایا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاء بھیجے اور (ان کے پڑھنے کو) کتابیں نازل کیں' میرے پڑھنے کے لیے کیا (مقرر کیا) ہے' اللہ نے فرمایا' شعر' ابلیس نے عرض کیا میری تحریر (رسم خط) کیا ہوگا' فرمایا (اعضاء جسم کو) گودنا (گویا گودنا اور گدوانا شیطانی تحریر اور رسم خط ہے) ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں؟ فرمایا کاہن۔ عرض کیا میرے رہنے کا مقام کون سا ہے' فرمایا حمام (جہاں لوگ برہنہ غسل کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں) عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے فرمایا بازاروں میں۔ عرض کیا میرا کھانا کیا ہے فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ عرض کیا میرے پینے کی چیز کیا ہے۔ فرمایا ہر نشہ آور چیز' عرض کیا میرا جال کون سا ہے فرمایا عورتیں عرض کیا میرا سامان (تفریح) کیا ہے' فرمایا باجے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ....

یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل و حواس عنایت فرمائے جن سے دنیاوی و اخروی مضار و منافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لیے کھلی ہیں دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیاوی آسائش و رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مسجود ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا (هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ) (الاسراء: ۶۲) کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے۔

(تنبیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ رسل بشر، رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر

فضیلت حاصل ہے واللہ اعلم۔

اُذْكُرْ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ بِنَبِيِّهِمْ فَيُقَالُ يَا اُمَّةَ فُلَانٍ اَوْ بِكِتَابِ اَعْمَالِهِمْ فَيُقَالُ يَاصَاحِبَ
الْخَيْرِ وَيَا صَاحِبَ الشَّرِّ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ فَمَنْ اُوْتِيَ مِنْهُمْ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَهُمُ السُّعَدَاءُ اُولُوا الْبَصَائِرِ فِي
الدُّنْيَا بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ يُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمْ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ وَمَنْ
كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَيِ الدُّنْيَا اَعْمٰى عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى عَنْ طَرِيْقِ النَّجَاةِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ وَاَضَلُّ
سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾ اَبْعَدُ طَرِيْقًا عَنْهُ وَنَزَلَ فِيْ ثَقِيْفٍ وَقَدْ سَاَلُوْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُحَرِّمَ وَادِيَهُمْ وَاَلَحُّوْا عَلَيْهِ
وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ كَادُوْا قَارَبُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ يَسْتَزِلُّوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّوْ
فَعَلْتَ ذٰلِكَ لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ عَلَى الْحَقِّ بِالْعِصْمَةِ لَقَدْ كِدْتَّ قَارَبْتَ تَرْكَنُ تَمِيْلُ
اِلَيْهِمْ شَيْئًا رُكُوْنًا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾ لِشِدَّةِ احْتِيَالِهِمْ وَاِلْحَاحِهِمْ وَهُوَ صَرِيْحٌ فِيْ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ
يَرْكَنْ وَلَا قَارَبَ اِذًا لَوْ رَكَنْتَ لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ عَذَابَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ عَذَابَ الْمَمَاتِ اَيْ مِثْلَيْ
مَا يُعَذَّبُ غَيْرُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ مَانِعًا مِنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ لَهُ الْيَهُوْدُ اِنْ
كُنْتَ نَبِيًّا فَالْحَقْ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا اَرْضُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ اَرْضِ الْمَدِيْنَةِ
لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَوْ اَخْرَجُوْكَ لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾ ثُمَّ يُهْلَكُوْنَ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا
ع ۸ ۸ اَيْ كَسُنَّتِنَا فِيْهِمْ مِنْ اِهْلَاكِ مَنْ اَخْرَجَهُمْ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ تَبْدِيْلًا

ترجمہ: اس دن کو یاد کیجئے جب ہم انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (یعنی انبیاء سمیت چنانچہ فلاں کی امت کہہ کر پکارا جائے گا یا اعمال نامے مراد ہیں یعنی اس طرح پکارا جائے گا کہ اے اچھے کام کرنے والے! اے برے کام کرنے والے اور وہ قیامت کا دن ہوگا) پھر جس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں دانشمند شمار ہوتے تھے) تو ایسے لوگ اپنے اعمال نامے پڑھیں گے اور ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی (ان کے اعمال میں کمی کرکے) رائی برابر (کھجور کی گٹھلی پر جھلی کے برابر) اور جو شخص اس دنیا میں (حق سے) اندھا بنا رہا تو یقین کرو آخرت میں بھی وہ اندھا رہے گا (راہ نجات سے اور نامہ اعمال کو پڑھنے سے) اور زیادہ گم کردہ راہ ہوگا (بہت دور پڑا ہوا راہ سے) اگلی آیت ثقیف کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کی رہائش گاہ کو بھی حرام بنا دیں اور اس پر انہوں نے اصرار کیا) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی (ان مخففہ ہے اور کادوا، قاربوا کے معنی میں ہے) کہ آپ کو اس کلام سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے تا کہ اس کلام

کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر آپ ہماری طرف غلط بات کی نسبت کردیں اور ایسی حالت میں (کہ آپ یہ کارروائی کر گذرتے) آپ کو یہ خالص دوست بنالیتے اور اگر ہم نے آپ کو جمانہ دیا ہوتا (حق پر معصوم بنا کر) تو آپ نہ ان کی طرف جھکے اور نہ مائل ہوئے اگر ایسا ہوتا (آپ کا کچھ بھی میلان ہوجاتا) تو ہم ضرور آپ کو زندگی میں بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت کا بھی (یعنی دنیا اور آخرت میں اوروں سے دوگنے عذاب میں آپ کو مبتلا کردیا جاتا) پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا (جو عذاب الٰہی روک لیتا) اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہودیوں نے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ملک شام چلے جائے کیونکہ انبیاء کی سرزمین وہی ہے) اور یہ لوگ آپ کے قدم اس سرزمین (مدینہ) سے اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو وہاں سے نکال دیں اور اگر ایسا ہوجاتا (کہ آپ کو یہ باہر نکال دیتے) تو یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہر پاتے (پھر برباد ہو کر رہتے) جیسا کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیج چکے ہیں ان سب کے معاملہ میں ہمارا یہی قاعدہ رہا ہے (یعنی جیسا طریقہ ہمارا ان لوگوں کو برباد کرنے کا رہا ہے جنہوں نے پیغمبروں کو نکالا تھا) اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے قاعدوں کو آپ کو بدلتا ہوا نہ پائیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يَا صَاحِبَ الشَّرِّ: اس سے اشارہ ہے کہ نسبی تعلق منقطع ہوجائے گا اور اعمال کا تعلق باقی رہ جائے گا۔

قوله: قِرَاءَةِ الْكِتَابِ: کتاب کفار کا تذکرہ چھوڑ دیا کیونکہ اس پر اکتفاء کیا گیا۔

قوله: اَبْعَدُ طَرِيْقًا عَنْهُ: یعنی اندھے کی بنسبت دنیا میں زیادہ گمراہ۔

قوله: اَلَحُّوْا عَلَيْهِ: شدید اصرار کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: رُكُوْنًا: شيئًا کا نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔

قوله: لِشِدَّةِ اِحْتِيَالِهِمْ: یعنی تم جھکنے کے مقام پر تھے مگر ہماری عصمت نے رکون کے قریب جانے سے بھی بچالیا چہ جائیکہ آپ جھکیں۔ یہ صریح ہے کہ آپ ذرہ بھر نہیں جھکے کیونکہ لولا دوسرے کی نفی کے لیے اول کے وجود کی وجہ سے آتا ہے۔

قوله: عَذَابَ الْحَيٰوةِ: اصل کلام اس طرح ہے عذابا ضعفا۔

قوله: فَالْحَقْ بِالشَّامِ: یعنی شام چلے جاؤ تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ ایک مرحلہ جاکر لوٹ آئے۔

قوله: خِلٰفَكَ: یہاں بعد کے معنی میں اہمت کرنے۔

تفسیر مقبولین

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ....

یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت وفضیلت بخشی تھی اس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے

ہیں جنہوں نے انسانی عزوشرف کو خاک میں ملا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہوگا جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مؤمنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا، یا کفار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود، جنہیں فرمایا ہے: (وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ) (القصص:۴۱) اور حدیث میں ہے: ((لتتبع کل امۃ ماکانت تعبد)) اس وقت تمام آدمیوں کے اعمالنامے ان کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔ کسی کا اعمالنامہ سامنے سے داہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ گویا یہ ایک حسی علامت ان کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائے گی۔ اصحاب یمین (داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ پکڑنے والے) وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کام کیے، آخرت میں ان کی وہ احتیاط کام آئی۔ اس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، بڑے سرور وانبساط سے اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے اور دوسروں کو کہیں گے (اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ) (الحاقۃ:۱۹) کہ آؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی اصحاب شمال ان کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ امام سے خود اعمالنامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اس کے پیچھے چلیں گے)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ....

یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے بڑے بڑے سوانکھوں کو بچلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کفار مکہ کی اس بے حیائی اور جسارت کو دیکھئے کہ آپ پر ڈورے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیے اور وحی بھیجی اس کا ایک حصہ ان کی خاطر سے آپ (معاذ اللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ کے تابع ہو جائیں گے، قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک و بت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ (العیاذ باللہ) بفرض محال ایسا کر گزرتے تو بیشک وہ آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھ دو تب بھی محمد ﷺ اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لیے خدا نے اسے کھڑا کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستہ سے گزر جائے

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ ....

یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ ان کے ظلم و ستم حضور ﷺ کی ہجرت کا سبب بنے۔ آپ ﷺ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ کفار کی حکومت و شوکت تباہ ہو گئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گزرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر ﷺ کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اَیْ مِنْ وَقْتِ زَوَالِهَا اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ اِقْبَالِ ظُلْمَتِهٖ اَیِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ صَلٰوةَ الصُّبْحِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝ تَشْهَدُهٗ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ فَصَلِّ بِهٖ بِالْقُرْاٰنِ نَافِلَةً لَّكَ فَرِيْضَةً زَائِدَةً لَكَ دُوْنَ اُمَّتِكَ اَوْ فَضِيْلَةً عَلَى الصَّلَوَاتِ

الْمَفْرُوْضَةِ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ يُقِيْمَكَ رَبُّكَ فِى الْاٰخِرَةِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ يَحْمَدُكَ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَهُوَ مَقَامُ الشَّفَاعَةِ فِىْ فَصْلِ الْقَضَاءِ وَنَزَلَ لَمَّا اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ الْمَدِيْنَةَ مُدْخَلَ صِدْقٍ اَىْ اِدْخَالًا مَّرْضِيًّا لَا اَرٰى فِيْهِ مَا اَكْرَهُ وَّاَخْرِجْنِىْ مِنْ مَكَّةَ مُخْرَجَ صِدْقٍ اِخْرَاجًا لَا اَلْتَفِتُ بِقَلْبِىْ اِلَيْهَا وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ قُوَّةً تَنْصُرُنِىْ بِهَا عَلٰى اَعْدَائِكَ وَقُلْ عِنْدَ دُخُوْلِكَ مَكَّةَ جَآءَ الْحَقُّ الْاِسْلَامُ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ بَطَلَ الْكُفْرُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ مُضْمَحِلًّا زَائِلًا وَقَدْ دَخَلَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَ الْبَيْتِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ صَنَمًا فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِىْ يَدِهٖ وَيَقُوْلُ جَاءَ الْحَقُّ الخ حَتّٰى سَقَطَتْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَنُنَزِّلُ مِنَ لِلْبَيَانِ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ مِنَ الضَّلَالَةِ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ بِهٖ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الْكَافِرِ اَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ثَنٰى عِطْفَهٗ مُتَبَخْتِرًا وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالشِّدَّةُ كَانَ يَئُوْسًا ۝ قَنُوْطًا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ قُلْ كُلٌّ مِّنَّا وَمِنْكُمْ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ طَرِيْقَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝ طَرِيْقًا فَيُثِيْبُهٗ ع ۹ ۹

ترجمہ: نمازیں ادا کیجئے سورج کے ڈھلنے کے بعد سے (یعنی زوال آفتاب کے بعد سے) رات کا اندھیرا ہونے تک۔ اندھیرا شروع ہونے تک، یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں) اور صبح کا قرآن (نماز صبح) بیشک صبح کا قرآن حاضر ہونے کا وقت ہے (جس میں رات دن کے فرشتے حاضر رہتے ہیں اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی (نماز پڑھئے) سو تہجد میں (قرآن) پڑھیے یہ آپ کے لیے ایک مزید عمل ہے (آپ کے لیے ایک زائد فریضہ ہے جو آپ کے ذمہ امت پر فرض نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فرض نمازوں سے بڑھ کر فضیلت ہے) امید ہے کہ آپ کا پروردگار (آخرت میں) آپ کو مقام محمود میں جگہ عنایت کرے گا (جس کی تعریف اوّلین وآخرین سب کریں گے اور وہ مقدمات کے فیصلوں کے وقت سفارش کا ایک مقام ہوگا اور آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور آپ اس طرح دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو (ایسے طریقہ سے کہ مکہ کی طرف میری توجہ نہ رہے) اور مجھے اپنے حضور سے ایسی قوت عطا کر جس کے ساتھ مدد شامل ہو (جو تیرے دشمنوں کے خلاف میری مدد کر سکے) اور (مکہ میں داخلہ کے وقت تمہارا یہ اعلان ہونا چاہئے کہ دیکھو حق (اسلام) ظاہر ہو گیا اور باطل (کفر) گیا گزرا ہو گیا اور باطل چیز تو یوں ہی نیست ونابود ہو کر رہتی ہے (آتی جاتی رہتی ہے چنانچہ جب نبی کریم ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور جاء الحق فرماتے جاتے تھے اور بت گرے جا رہے تھے (بخاری ومسلم) اور ہم نے قرآن نازل کیا ہے (من بیانیہ ہے) تو وہ ایمان لانے والوں کے حق میں (گمراہی سے) شفا اور رحمت ہے اور ناانصافوں (کافروں) کو اور الٹا نقصان بڑھتا ہے (ان کے کفر کی وجہ سے) اور انسان (کافر) پر جب ہم

انعام کرتے ہیں تو ہم سے (ہمارے شکر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے (اکڑتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے) اور جب اسے دکھ تنگدستی اور سختی پہنچ جائے تو دیکھو بالکل مایوس (اللہ کی رحمت سے ناامید) ہو کر بیٹھ جاتا ہے آپ فرما دیجئے (ہم میں سے اور تم میں سے) ہر انسان اپنے طور (طریقہ) کے مطابق عمل کرتا ہے پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سب سے زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے (اس لیے وہ اسے جزاء دے گا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: سنة: یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای من اللہ ذلک سنة اور رسل کی طرف سنت کی اضافت اس لیے ہے کہ یہ ان کی وجہ سے ہے۔

قوله: کسنتنا فیهم: یہ کلام تشبیہ پر ہے۔

قوله: وَقْتِ زَوَالِهَا: اس سے اشارہ کیا کہ لام یہ من کے معنی میں ہے۔

قوله: صَلٰوةَ الصُّبْحِ: اس کو قرآن کہا کیونکہ تلاوت قرآن اس کا رکن ہے۔ اس کا عطف الصَّلٰوةَ پر ہے نہ کہ قریب پر۔

قوله: مَقَامًا مَّحْمُوْدًا: یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے ای فیقیمك مقامًا یا یبعثك کی تضمین سے۔

قوله: یَحْمَدُكَ فِیْهِ الْاَوَّلُوْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ مقام کی توصیف اس مقام والے کی نسبت سے ہے۔

قوله: اِدْخَالًا: اس سے اشارہ ہے کہ مدخل یہ مصدر ہے ظرف نہیں ہے۔

قوله: مَرْضِیًّا: اشارہ ہے کلمہ صدق بمعنی پسندیدہ ہے۔

قوله: قُوَّةً تَنْصُرُنِیْ: کیونکہ آپ نے سلطنت طلب نہیں فرمائی۔

قوله: لِلْبَیَانِ: قرآن مکمل طور پر شفاء ہے۔

قوله: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا: اس سے مراد صحت و وسعت کا انعام ہے۔

قوله: ثَنِیَ عَطْفَهٗ: یعنی اپنے پہلو کو موڑ لیتا ہے۔

قوله: مُتَبَخْتِرًا: گویا وہ بے پروائی اختیار کرنے والا اور اپنے معاملے میں مختار ہے۔

تفسیر مقبولین

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ....

اوقاتِ صلوٰۃ کی نشاندہی:

نمازوں کو وقتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے دلوک سے مراد غروب ہے یا زوال ہے۔ امام ابن جریر زوال کے قول کو پسند فرماتے ہیں اور اکثر مفسرین کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کی اور

آپ کے ساتھ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جنہیں آپ نے چاہا دعوت کی، کھانا کھا کر سورج ڈھل جانے کے بعد آپ میرے ہاں سے چلے، حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا، چلو یہی وقت دلوک شمس کا ہے۔ پس پانچوں نمازوں کا وقت اس آیت میں بیان ہوگیا۔ غسق سے مراد اندھیرا ہے جو کہتے ہیں کہ دلوک سے مراد غروب ہے، ان کے نزدیک ظہر عصر مغرب عشا کا بیان تو اس میں ہے اور فجر کا بیان وقران الفجر میں ہے۔ حدیث سے بہ تواتر اقوال وافعال آنحضرت ﷺ سے پانچوں نمازوں کے اوقات ثابت ہیں اور مسلمان بحمد اللہ اب تک اس پر ہیں، ہر پچھلے زمانے کے لوگ اگلے زمانے والوں سے برابر لیتے چلے آتے ہیں۔ جیسے کہ ان مسائل کے بیان کی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے والحمد للہ۔ صبح کی تلاوت قرآن پر دن اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے تنہا شخص کی نماز پر جماعت جماعت کی نماز پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ صبح کی نماز کے وقت دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسے بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم قرآن کی آیت کو پڑھ لو: وقرآن الفجر الخ، بخاری ومسلم میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پے در پے آتے رہتے ہیں، صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہوجاتا ہے تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے، باوجود یہ کہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ چوکیدار فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہوتے ہیں پھر یہ چڑھ جاتے ہیں اور وہ ٹھیر جاتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے اور اس ارشاد فرمانے کا ذکر کیا کہ کوئی ہے؟ جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اسے بخشوں کوئی ہے؟ کہ مجھ سے سوال کرے اور میں اسے دوں۔ کوئی ہے؟ جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ یہاں تک کہ صبح طلوع ہوجاتی ہے پس اس وقت پر اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تہجد کی نماز کا حکم فرماتا ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا رات کی نماز۔ تہجد کہتے ہیں نیند کے بعد کی نماز کو، لغت میں مفسرین کی تفسیروں میں اور حدیث میں یہ موجود ہے آپ کی عادت بھی یہی تھی کہ سو کر اٹھتے پھر تہجد پڑھتے۔ جیسے کہ اپنی جگہ بیان موجود ہے۔ ہاں حسن بصری کا قول ہے کہ جو نماز عشا کے بعد ہو۔ ممکن ہے کہ اس سے بھی مراد سو جانے کے بعد ہو پھر فرمایا یہ زیادتی تیرے لیے ہے۔ بعض تو کہتے ہیں، تہجد کی نماز دیگر نمازوں کے برخلاف صرف حضور ﷺ پر فرض تھی۔ بعض کہتے ہیں یہ خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف تھے اور امتیوں کی اس نماز کے وجہ سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اس حکم کی بجا آوری پر ہم تجھے اس جگہ کھڑا کریں گے کہ جہاں کھڑا ہونے پر تمام مخلوق آپ کی تعریفیں کرے گی اور خود خالق اکبر بھی۔ کہتے ہیں کہ مقام محمود پر قیامت کے دن آپ اپنی امت کی شفاعت کے لیے جائیں گے تاکہ اس دن کی گھبراہٹ سے آپ انہیں راحت دیں۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں لوگ ایک ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے پکارنے والا اپنی آواز انہیں سنائے گا، آنکھیں کھل جائیں گی، ننگے پاؤں ننگ بدن ہوں گے، جیسے کہ پیدا کئے گئے تھے، سب کھڑے ہوں گے، کوئی بھی بغیر اجازت الٰہی بات نہ کر سکے گا، آواز آئے گی، اے محمد ﷺ! آپ کہیں گے لبیک

وسعد یک۔اے اللہ تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔برائی تیری جانب سے نہیں۔راہ یافتہ وہی ہے جسے تو ہدایت بخشے،تیرا غلام تیرے سامنے موجود ہے،وہ تیری ہی مدد سے قائم ہے،وہ تیری ہی جانب جھکنے والا ہے۔تیری پکڑ سے سوائے تیرے دربار کے اور کوئی پناہ نہیں تو برکتوں اور بلندیوں والا ہے اے رب البیت تو پاک ہے۔

مقام محمود کا تعارف:

یہ مقام محمود جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اس آیت میں کیا ہے۔پس یہ مقام مقام شفاعت ہے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے آپ باہر آئیں گے اور سب سے پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے۔اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا وعدہ اللہ کریم نے اپنے رسول مقبول سے کیا ہے۔بیشک حضور ﷺ کو بہت سی بزرگیاں ایسی ملیں گی جن میں کوئی آپ کی برابری کا نہیں۔سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کی زمین شق ہوگی اور آپ سواری پر سوار محشر کی طرف جائیں گے،آپ کا ایک جھنڈا ہوگا،آپ ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کی بابت حکم ہو چکا ہوگا کہ انہیں جہنم کی طرف لے جائیں۔پھر وہ آپ کی شفاعت سے واپس لوٹا دئے جائیں گے،سب سے پہلے آپ ہی جنت میں لے جانے کی پہلے سفارشی ہوں گے۔جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔صور کی حدیث میں ہے کہ تمام مؤمن آپ ہی کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے اور آپ کی امت اور امتوں سے پہلے جائے گی۔آپ کی شفاعت سے کم درجے کے جنتی اعلیٰ اور بلند درجے پائیں گے۔آپ ہی صاحب وسیلہ ہیں جو جنت کی سب سے اعلیٰ منزل ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو نہیں ملنے کی۔یہ صحیح ہے کہ بحکم الٰہی گنہگاروں کی شفاعت فرشتے بھی کریں گے،نبی بھی کریں گے، مؤمن بھی کریں گے لیکن حضور ﷺ کی شفاعت جس قدر لوگوں کے بارے میں ہوگی ان کی گنتی کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں اس میں کوئی آپ کی مثل اور برابر نہیں۔

اب مقام محمود کے متعلق حدیثیں ملاحظہ ہوں۔بخاری میں ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں لوگ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی کہ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے،اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی انتہا محمد ﷺ کی طرف ہوگی۔پس یہی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔

ابن جریر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں سورج بہت نزدیک ہوگا یہاں تک کہ پسینہ آدھے کانوں تک پہنچ جائے گا، اسی حالت میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے،وہ صاف انکار کردیں گے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں گے آپ بھی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں پھر حضرت محمد ﷺ سے کہیں گے آپ مخلوق کی شفاعت کے لیے چلیں گے یہاں تک کہ جنت کے دروازے کا کنڈا تھام لیں،پس اس وقت آپ کی تعریفیں کریں گے۔بخاری میں ہے جو شخص اذان سن کر دعا :(اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ....) پڑھ لے اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہے۔مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا میں یہ کچھ بطور فخر کے نہیں کہتا۔اسے ترمذی بھی لائے ہیں اور حسن صحیح کہا ہے۔

ابن ماجہ میں بھی یہ ہے۔حضرت ابی بن کعبؓ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کو سات قراءتوں پر پڑھنے کا

بیان ہے اس کے آخر میں ہے کہ میں نے کہا اے اللہ میری امت کو بخش، الٰہی میری امت کو بخش، تیری دعا میں نے اس دن کے لیے اٹھا رکھی ہے، جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کرے گی، یہاں تک کہ اگر ابراہیم علیہ السلام بھی۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن جمع ہوں گے پھر ان کے دل میں خیال ڈالا جائے گا کہ ہم کسی سے کہیں کہ وہ ہماری سفارش کرکے ہمیں اس جگہ سے آرام دے، پس سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدم آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ کے لیے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام بتائے آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش لے جایئے تا کہ ہمیں اس جگہ سے راحت ملے، حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں آپ کو یاد آجائے گی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے لگیں گے، فرمائیں گے تم حضرت نوح کے پاس جاؤ وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں، جنہیں زمین والوں کی طرف اللہ پاک نے بھیجا یہ آئیں گے یہاں سے بھی جواب پائیں گے کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں، آپ کو بھی اپنی خطا یاد آئے گی کہ اللہ سے وہ سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا۔ پس اپنے پروردگار سے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ آپ کے پاس آئیں گے، آپ فرمائیں گے، میں اس قابل نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، ان سے اللہ نے کلام کیا ہے اور انہیں تورات دی ہے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھ میں اتنی قابلیت کہاں؟ پھر آپ اس قتل کا ذکر کریں گے جو بغیر کسی مقتول کے معاوضے کے آپ نے کر دیا تھا پس بوجہ اس کے شرمانے لگیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ وہ یہاں آئیں گے لیکن آپ فرمائیں گے میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں۔ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ جن کے اول آخر تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں، پس وہ میرے پاس آئیں گے میں کھڑا ہوں گا۔ اپنے رب سے اجازت چاہوں گا جب اسے دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا۔ جب تک اللہ کو منظور ہوگا میں سجدے میں ہی رہوں گا پھر فرمایا جائے گا، اے محمد سر اٹھایئے، کہیئے، سنا جائے گا، شفاعت کیجیے، قبول کی جائے گی، مانگئے دیا جائے گا، پس میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں سفارش پیش کروں گا، میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں انہیں جنت میں پہنچا آؤں گا، پھر دوبارہ جناب باری میں حاضر ہو کر اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ لوٹوں گا اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے اسی حالت میں پڑا رہوں گا پھر فرمایا جائے گا کہ محمد ﷺ سر اٹھا، بات کر، سنی جائے گی۔ سوال کر، عطا فرمایا جائے گا۔ سفارش کر، قبول کی جائے۔ چنانچہ میں سر اٹھا کر وہ حمد بیان کر کے جو مجھے وہی سکھائے گا سفارش کروں گا۔ پھر چوتھی بار واپس آؤں گا اور کہوں گا باری تعالیٰ اب تو صرف وہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ فرماتے ہیں جہنم میں سے وہ شخص بھی نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور ان کے دل میں ایک ذرے جتنا ایمان ہو۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے آپ فرماتے ہیں میری امت پل صراط سے گزر رہی ہوگی میں وہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں گا جو میرے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں اور فرمائیں گے اے محمد ﷺ انبیا کی جماعت آپ سے کچھ مانگتی ہے وہ سب آپ کے لیے جمع ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام امتوں کو جہاں بھی چاہے، الگ الگ کر دے، اس وقت وہ سخت غم میں ہیں، تمام مخلوق پسینوں میں گویا لگام چڑھا دی گئی ہے۔ مؤمن پر

گے کہ ٹھہرو میں آتا ہوں پس آپ جائیں گے
تو وہ مثل زکام کے ہے لیکن کافر پر تو موت کا ڈھانپ لینا ہے۔ آپ فرمائیں
عرش تلے کھڑے رہیں گے اور وہ عزت وآبرو ملے گی کہ کسی برگزیدہ فرشتے اور کسی بھیجے ہوئے نبی رسول کو نہ ملی ہو پھر اللہ تعالیٰ
حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ سر اٹھائیے، مانگیے، ملے گا، سفارش کیجئے
قبول ہوگی، پس مجھے اپنی امت کی شفاعت ملے گی کہ ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں میں بار بار اپنے ربّ عز وجل کی
طرف آتا جاتا رہوں گا اور ہر بار سفارش کروں گا یہاں تک کہ جناب باری مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جاؤ مخلوق
الٰہی میں سے جس نے ایک دن بھی خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہو اور اسی پر مرا ہو، اسے بھی جنت میں پہنچا آؤ۔
مسند احمد میں ہے حضرت بریدہؓ حضرت معاویہ سے کے پاس گئے اس وقت ایک شخص کچھ کہہ رہا تھا، انہوں نے بھی کچھ کہنے کی
اجازت مانگی، حضرت معاویہؓ نے اجازت دی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ جو کچھ یہ پہلا شخص کہہ رہا ہے وہی بریدہؓ بھی کہیں گے۔
حضرت بریدہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ زمین پر جتنے
درخت اور کنکر ہیں، ان کی گنتی کے برابر لوگوں کی شفاعت میں کروں گا، پس اے معاویہؓ آپ کو تو اس کی امید ہو اور حضرت
علیؓ اس سے ناامید ہوں؟ مسند احمد میں ہے کہ ملیکہ کے دونوں لڑکے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری ماں
ہمارے والد کی بڑی ہی عزت کرتی تھیں، بچوں پر بڑی مہربانی اور شفقت کرتی تھیں، مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی
تھیں۔ ہاں انہوں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی زندہ لڑکیاں درگور کر دی تھیں، آپ نے فرمایا پھر وہ جہنم میں پہنچی۔ وہ
دونوں ملول خاطر ہو کر لوٹے تو آپ نے حکم دیا کہ انہیں واپس بلا لاؤ وہ لوٹے اور ان کے چہروں پر خوشی تھی کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کوئی اچھی بات سنائیں گے۔ آپ نے فرمایا سنو میری ماں اور تمہاری ماں دونوں ایک ساتھ ہی ہیں، ایک منافق یہ سن کر کہنے
لگا کہ اس سے اس کی ماں کو کیا فائدہ؟ ہم اس کے پیچھے جاتے ہیں ایک انصاری جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ سوالات
کرنے کا عادی تھا، کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کے یا ان دونوں کے بارے میں آپ سے اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ کیا
ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ اس نے کچھ سنا ہے، فرمانے لگے نہ میرے ربّ نے چاہا نہ مجھے اس بارے میں کوئی طمع دی۔ سنو میں
قیامت کے دن مقام محمود پر پہنچایا جاؤں گا انصاری نے کہا وہ کیا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اس وقت جب کہ تمہیں ننگے
بدن بے ختنہ لایا جائے گا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے
خلیل کو کپڑے پہناؤ۔ پس دو چادریں سفید رنگ کی پہنائی جائیں گی اور آپ عرش کی طرف منہ کئے بیٹھ جائیں گے پھر میرا
لباس لایا جائے گا میں ان کی دائیں طرف اس جگہ کھڑا ہوؤں گا کہ تمام اگلے پچھلے لوگ رشک کریں گے اور کوثر سے لگ کر حوض
تک ان کے لیے کھول دیا جائے گا، منافق کہنے لگے پانی کے جاری ہونے کے لیے تو مٹی اور کنکر لازمی ہیں آپ نے فرمایا اس
کی مٹی مشک ہے اور کنکر موتی ہیں۔ اس نے کہا، ہم نے تو کبھی ایسا نہیں سنا۔ اچھا پانی کے کنارے درخت بھی ہونے چاہئیں،
انصاری نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہاں درخت بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں سونے کی شاخوں والے۔ منافق نے
کہا آج جیسی بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی۔ اچھا درختوں میں پتے اور پھل بھی ہونے چاہئیں۔ انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
پوچھا کہ کیا ان درختوں میں پھل بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں رنگا رنگ کے جواہر اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا اور
شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ ایک گھونٹ بھی جس نے اس میں سے پی لیا، وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا وہ پھر

کبھی آسودہ نہ ہوگا۔

ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عز و جل شفاعت کی اجازت دے گا، پس روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے آپ سے زیادہ کسی کی شفاعت نہ ہوگی یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے، میں اپنی امت سمیت ایک ٹیلے پر کھڑا ہونگا، مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ حلہ پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور جو کچھ کہنا چاہوں گا، کہوں گا یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی، میں اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی امت کو اور امتوں میں پہچان لوں گا، کسی نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ساری امتیں جو حضرت نوح کے وقت تک کی ہوں گی ان سب میں سے آپ خاص اپنی امت کیسے پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں منہ چمک رہے ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا اور میں انہیں یوں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے اور نشان یہ ہے کہ ان کی اولادیں ان کے آگے آگے چل پھر رہی ہوں گی۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا اور شانے کا گوشت چونکہ آپ کو زیادہ مرغوب تھا، وہی آپ کو دیا گیا آپ اس میں سے گوشت توڑ توڑ کر کھانے لگے اور فرمایا قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا آواز دینے والا انہیں سنائے گا۔ نگاہیں اوپر کو چڑھ جائیں گی سورج بالکل نزدیک ہو جائے گا اور لوگ ایسی سختی اور رنج و غم میں مبتلا ہو جائیں گے جو ناقابل برداشت ہے۔ اس وقت وہ آپس میں کہیں گے کہ دیکھو تو سہی ہم سب کس مصیبت میں مبتلا ہیں، چلو کسی سے کہہ کر اسے سفارشی بنا کر اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجیں۔

چنانچہ مشورہ سے طے ہوگا اور لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے، آپ میں اپنی روح پھونکی ہے، اپنے فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے کر ان سے سجدہ کرایا ہے۔ آپ کیا ہماری خستہ حالی ملاحظہ نہیں فرما رہے؟ آپ پروردگار سے شفاعت کی دعا کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا ربّ آج اس قدر غضبناک ہو رہا ہے کہ کبھی اس سے پہلے ایسا غضبناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک درخت سے روکا تھا، لیکن مجھ سے نافرمانی ہوگئی۔ آج تو مجھے خود اپنا خیال لگا ہوا ہے۔ نفسا نفسی لگی ہوئی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح علیہ السلام آپ کو زمین والوں کی طرف سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کا نام اس نے شکر گزار بندہ رکھا۔ آپ ہمارے لیے اپنے ربّ کے پاس شفاعت کیجئے، دیکھئے تو ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج تو میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصے میں ہوا نہ اس کے بعد کبھی ایسا غصے ہوگا۔ میرے لیے ایک دعا تھی جو میں نے اپنے قوم کے خلاف مانگ لی مجھے تو آج اپنی پڑی ہے، نفسا نفسی لگ رہی ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے

اور کہیں کے، آپ نبی اللہ ہیں، آپ خلیل اللہ ہیں، کیا آپ ہماری یہ پتا نہیں دیکھتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ کبھی اس سے پہلے ایسا ناراض ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی اس سے زیادہ غصے میں آئے گا پھر آپ اپنے جھوٹ یاد کر کے نفسی نفسی کرنے لگیں گے اور فرمائیں گے میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام ہماری شفاعت لے جایئے دیکھئے تو کیسی سخت آفت میں ہیں؟ آپ فرمائیں گے آج تو میرا رب اس قدر ناراض ہے ایسا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا ناراض ہوگا، میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک انسان کو مار ڈالا تھا۔ نفسی نفسی تم مجھے چھوڑ کسی اور سے کہو تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ علیہ السلام آپ رسول اللہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں جو مریم علیہا السلام کی طرف بھیجی گئی بچپن میں گہوارے میں ہی آپ نے بولنا شروع کر دیا تھا چاہے ہمارے رب سے ہماری شفاعت کیجئے خیال تو فرمایئے کہ ہم کس قدر بے چین ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج جیسا غصہ تو نہ پہلے تھا، نہ بعد میں ہوگا، نفسی نفسی، آپ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہ کریں گے۔ فرمائیں گے تم کسی اور ہی کے پاس جاؤ۔ دیکھو میں بتاؤں تم سب محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ سب حضور ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد ﷺ آپ رسول اللہ ہیں، آپ خاتم الانبیاء ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ہماری شفاعت کیجئے دیکھئے تو ہم کیسی سخت بلاؤں میں گھرے ہوئے ہیں،

پھر میں کھڑا ہونگا اور عرش تلے آکر اپنے رب عزوجل کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد وثنا کے وہ الفاظ کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی اور پر نہیں کھلے تھے۔

پھر مجھ سے فرمایا جائے گا اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ، مانگو، تمہیں ملے گا، شفاعت کرو، منظور ہوگی۔ میں اپنا سر سجدے سے اٹھاؤں گا اور کہوں گا میرے پروردگار میری امت، میرے رب میری امت، اے اللہ میری امت، پس مجھ سے فرمایا جائے گا، جاؤ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں، جنت میں لے جاؤ انہیں جنت کے داہنی طرف کے دروازے سے پہنچاؤ لیکن اور تمام دروازوں سے بھی روک نہیں۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، جنت کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ و حمیر میں یا مکہ اور بصری میں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

مسلم شریف میں ہے قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار میں ہوں اس دن سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی، میں ہی پہلا شفیع ہوں اور پہلا شفاعت قبول کیا گیا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ شفاعت ہے۔ مسند احمد میں ہے مقام محمود وہ مقام ہے، جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ عبد الرزاق میں ہے کہ قیامت کے دن کھال کی طرح اللہ تعالیٰ زمین کو کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر شخص کے لیے صرف اپنے دونوں قدم ٹکانے کی جگہ ہی رہے گی سب سے پہلے اسے اس نے نہیں دیکھا۔ میں کہوں گا کہ باری تعالیٰ اس فرشتے نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے تو میری طرف بھیج رہا تھا اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا اس نے سچ کہا اب میں یہ کہہ کر شفاعت کروں گا کہ اے اللہ تیرے بندوں نے زمین کے مختلف حصوں میں تیری عبادت کی ہے، آپ فرماتے ہیں یہی مقام محمود ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ....

پیغمبر کو ایک خاص دعاء کی تعلیم وتلقین:

سو اس سے پیغمبر کو ہجرت سے قبل ایک خاص دعاء کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ "اے میرے رب مجھے سچائی کے ساتھ لے جانا اور سچائی کے ساتھ نکالنا" خواہ وہ مکہ مکرمہ سے خروج اور مدینہ طیبہ کا دخول ہو یا قبر کا دخول اور حشر کا خروج وقیام وغیرہ سو کلمات کریمہ کا عموم وشمول ان سب ہی کو حاوی ومحیط ہے۔ اگرچہ یہ دعاء حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہجرت سے قبل تعلیم وتلقین فرمائی گئی تھی اس لیے اس کا اولین مصداق تو ہجرت مدینہ ہی ہے مگر الفاظ کا عموم ایسے تمام ہی مواقع کو عام اور شامل ہے اور حضور کے توسط سے آپ ﷺ کی امت کے ہر شخص کیلئے بھی یہ تعلیم وتلقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتا رہا کرے وباللہ التوفیق بہرکیف جب آنحضرت ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت ناگزیر ہوگئی لیکن اللہ کا رسول اللہ کے اذن کے بغیر ہجرت نہیں کرتا اس لیے آپ سب مشکلات اور اہل کفر وباطل کی جملہ فتنہ سامانیوں اور ایذاء رسانیوں کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہے تا آنکہ آپ کو اپنے رب کی طرف سے اس دعاء کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی جس میں نہ صرف یہ کہ ہجرت کی طرف اشارہ تھا بلکہ یہ بشارت بھی مضمر تھی کہ آپ کے اپنے وطن مالوف سے نکلنے سے پہلے ہی آپ کے داخل ہونے کا انتظام کرلیا اور یہ کہ آپ کا نکلنا اور داخل ہونا دونوں ہی عزت ووقار اور رسوخ واستحکام کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ بعد میں بالفعل ہوا، مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی حکومت قائم ہوئی، مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کا نور چار دانگ پھیلا، اور ظلمت شرک کا وہاں سے ہمیشہ ہمیش کیلئے خاتمہ ہوگیا، والحمد للہ جل وعلا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور نصرت والے غلبے کی دعاء ودرخواست:

اس ارشاد سے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے نصرت والے غلبے کی دعا ودرخواست تعلیم وتلقین فرمائی گئی۔ یعنی "ایسا غلبہ عطا فرما جو حق اور اہل حق کے غلبے اور ان کی عزت وعظمت کا باعث بنے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اللہ پاک کی نصرت وعنایت سے اسلام کو جملہ ادیان پر غلبہ نصیب ہوا اور مسلمانوں کی عزت وعظمت کو استحکام ملا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتا کیونکہ اختیار کلی اور دعا کے درمیان منافات ہے۔ جو مختار کل ہوتا ہے وہ کسی سے مانگتا نہیں ہے اور جو دوسرے سے مانگتا اور دعا کرتا ہے وہ مختار کل نہیں ہوسکتا۔ پس پیغمبر کا کام ہے اپنے خالق ومالک سے مانگنا اور بس۔ آگے اس کی دعا کو قبول کرنا یا نہ کرنا اس مالک مختار کے حوالے اس کی مشیت ومرضی پر موقوف اور اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جو چاہے اور جب چاہے قبول فرمائے۔ جیسا کہ اس کے مختلف نمونے خود قرآن پاک کے اندر موجود ہیں اور نہ چاہے تو نہ قبول فرمائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان کے والدین کیلئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ان کے بیٹے کیلئے اور خود سرکار دوعالم کی دعا اپنے چچا ابو طالب کیلئے قبول نہیں فرمائی گئی۔ جیسا کہ قرآن وسنت کی مختلف نصوص کریمہ میں اس کی پوری صراحت ووضاحت موجود مذکور ہے۔ بہرکیف پیغمبر کو ہجرت مدینہ سے پہلے اس خاص دعا کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی جس میں ایک عظیم الشان بشارت بھی مضمر تھی جو بعد میں سفر ہجرت کے دوران حرف بحرف پوری ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ اسی نصرت خداوندی کا نتیجہ تھا جس کی تعلیم وتلقین آنحضرت ﷺ کو فرمائی تھی۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

اعلان حق کا حکم وارشاد:

ارشاد فرمایا گیا ''اور کہو اور اعلان کردو (اے پیغمبر!) کہ حق آگیا'' یعنی دین حق اسلام جو کہ سراسر حق وصدق ہے۔ اور جس کا نہ کوئی بدل ممکن ہوسکتا ہے نہ مقابل۔ پس اب تمہارے لیے اے مشرکو! اور منکرو ایک ہی صورت ہے کہ تم صدق دل سے حق کو قبول کرکے اہل حق کے زمرے میں شامل ہوجاؤ اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرلو۔ ورنہ ابدی ہلاکت اور دائمی تباہی وبربادی کیلئے تیار ہوجاؤ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دین حق وہی اور صرف وہی ہے جو قرآن حکیم کی صورت میں اللہ رب العالمین کی طرف سے دنیا کی ہدایت وراہنمائی کیلئے نازل فرمایا گیا ہے تاکہ دنیا کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جائے اور یہ اس لیے آیا ہے تاکہ سب دینوں پر غالب ہوکر رہے۔ اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار گزرے۔ لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون، سو غلبہ حق ہی کا حق اور اسی کا مقدر ہے والحمدللہ جل وعلا۔

باطل ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز:

ارشاد فرمایا گیا ''اور باطل مٹ گیا اور یقیناً باطل ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز'' یعنی کفر وشرک جو کہ ہے ہی مٹنے والی چیز کہ اس کی نہ کوئی اساس ہے نہ بنیاد۔ صحیح روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے موقعہ پر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور مشرکین نے اس کے اندر جو تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے ان کو توڑا اور آپ ﷺ یہی آیت کریمہ پڑھتے ہوئے اپنی چھڑی سے ان کو ٹھوکر لگاتے جارہے تھے جس سے وہ اوندھے منہ گرتے جارہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو ٹکڑے کرواکر اللہ کے گھر کو ان کے وجود سے ہمیشہ کیلئے پاک کردیا سو باطل کی مثال پانی کے اوپر اٹھنے والی جھاگ کی سی ہے۔ جس طرح وہ عارضی ہوتی ہے اسی طرح باطل کا ابھار بھی عارضی اور وقتی ہوتا ہے یا اس کی مثال ان خود رو جھاڑیوں کی سی ہے جن کا وجود اور پھیلاؤ اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ ان کو صاف کرنے والے ہاتھ سامنے نہ آئیں۔ جب ایسے ہاتھ سامنے آجاتے ہیں تو وہ ان کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ کیونکہ باطل کی انسان فطرت میں کوئی اساس وبنیاد نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کے ثبات وقرار کیلئے کوئی اساس وبنیاد نہیں ہوسکتی۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ....

قرآن حکیم سراسر شفاء:

اور شفاء کی تنوین تعظیم کیلئے ہے۔ یعنی یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال شفاء ہے دل اور روح کی بیماریوں کیلئے۔ یعنی کفر وشرک اور ہر طرح کے زیغ وضلال سے شفاء بخشنے والی کتاب عظیم۔ نیز جسمانی بیماریوں کیلئے بھی۔ جبکہ اس سے صحیح طریقہ سے استفادہ کیا جائے جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زاد المعاد اور اغاثۃ اللہفان میں اس کی تصریح اور تفصیل بیان فرمائی ہے۔ (ابن کثیر محاسن التاویل، صفوۃ البیان، المراغی اور المعارف وغیرہ) عام طور پر مترجمین حضرات جو شفاء کا ترجمہ شفاء دینے والی یا اس طرح کے دوسرے الفاظ سے کرتے ہیں وہ اس لفظ کا پورا ترجمہ نہیں بنتا، کیونکہ شفاء دینے والی جیسے الفاظ دراصل ترجمہ ہیں شافی کا۔ جبکہ یہاں پر شافی نہیں شفاء فرمایا گیا ہے جو کہ

مصدر ہے۔ جس میں زیادہ زور اور بلاغت ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے والحمد للہ سو اس میں منکرین و مکذبین کی محرومی اور شامت زدگی پر اظہار افسوس بھی ہے اور ان کی ملامت بھی کہ قرآن حکیم تو ان کیلئے ان کے خالق و مالک کی طرف سے ان کے قلب و روح کی بیماریوں کیلئے ایک عظیم الشان اور بے مثال نسخہ کیمیا کی صورت میں آیا تھا مگر انہوں نے اپنے اعراض و انکار سے اس کو اپنے لیے باعث محرومی بنا دیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

ظالموں کیلئے خسارہ در خسارہ۔ والعیاذ باللہ:

ان کی بدنیتی اور کور باطنی کے سبب جیسا کہ آسمان سے اترنے والی باران رحمت سے پاکیزہ اور زرخیز زمین میں تو طرح طرح کی عمدہ اور مفید انگوریاں اگتی اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں لیکن گندی اور بیکار جگہ میں گندی اور بیکار بلکہ مضر اور نقصان دہ جڑی بوٹیاں سر نکالتی ہیں، سو اسی طرح قرآن حکیم کی باران رحمت سے اہل ایمان کی دلوں کو تو زندگی، قوت اور شفاء نصیب ہوتی ہے لیکن کافروں اور منکروں کیلئے ان کی محرومی میں اضافہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی ہدایت سے منہ موڑنا اور اس کے انکار و تکذیب سے کام لینا ظلم اور سراسر ظلم ہے اور یہ ظلم اللہ تعالیٰ کے حق میں ہے کہ اس کے بندے اور اس کی مخلوق ہونے کے باوجود اس کی ہدایت سے منہ موڑا اور یہ ظلم اس کے کلام مجید اور خود اپنی جانوں کے حق میں ہے کہ اس طرح اپنے آپ کو دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی سے محروم کر کے دائمی محرومی اور نار جحیم کا مستحق بنایا۔ والعیاذ باللہ العظیم اور دوسری طرف اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس طرح کے اعراض و انکار سے انسان حق کا کچھ بھی نہیں بگاڑتا بلکہ خود اپنی ہی ہلاکت و تباہی کا سامان کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ اَىِ الْيَهُوْدُ عَنِ الرُّوْحِ الَّذِىْ يُحْيِىْ بِهِ الْبَدَنُ قُلْ لَهُمْ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ اَىْ عِلْمَهُ لَا تَعْلَمُوْنَهُ وَ
مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾ بِالنِّسْبَةِ اِلَى عِلْمِهِ تَعَالٰى وَلَئِنْ لَام قَسَم شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِىْ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ اَىِ الْقُرْاٰنِ بِاَنْ نَمْحُوْهُ مِنَ الصُّدُوْرِ وَالْمَصَاحِفِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿٨٦﴾ اِلَّا لٰكِنْ اَبْقَيْنَاهُ
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿٨٧﴾ عَظِيْمًا حَيْثُ اَنْزَلَهٗ عَلَيْكَ وَاَعْطَاكَ الْمَقَامَ الْمُحْمُوْدَ وَغَيْرَ
ذٰلِكَ مِنَ الْفَضَائِلِ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ فِى الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ لَا
يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾ مُعِيْنًا نَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِهِمْ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيَّنَّا
لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ صِفَةٌ لِمَحْذُوْفٍ اَىْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَّعِظُوْا فَاَبٰٓى اَكْثَرُ
النَّاسِ اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾ جُحُوْدًا لِلْحَقِّ وَقَالُوْا عَطْفٌ عَلٰى اَبٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا
مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ﴿٩٠﴾ عَيْنًا يَنْبَعُ مِنْهَا الْمَاءُ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ بستان مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا
وَسْطَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا قِطَعًا اَوْ تَاْتِىَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ مُقَابَلَةً وَعِيَانًا

فَنَرَاهُمْ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ذَهَبٍ اَوْ تَرْقٰى تَصْعَدُ فِي السَّمَآءِ ط بِسُلَّمٍ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ لَوْ
رَقِيْتَ فِيْهَا حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا مِنْهَا كِتٰبًا فِيْهِ تَصْدِيْقُكَ نَّقْرَؤُهٗ قُلْ لَهُمْ سُبْحَانَ رَبِّيْ تَعَجُّبٌ هَلْ مَا
ع ۹ ۱۰ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ كَسَائِرِ الرُّسُلِ وَلَمْ يَكُوْنُوْا يَاْتُوْا بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور سوال کرتے ہیں آپ سے (یہود) روح کے بارے میں (کہ جس کے ذریعہ سے بدن کو زندہ کیا جاتا ہے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ روح پروردگار کے حکم سے ہے (یعنی اللہ کو معلوم ہے تمہیں اس کے بارے میں علم نہیں) اور تمہیں (علم الٰہی کی بہ نسبت) بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے اور جو کچھ ہم نے آپ پر وحی کی ہے اگر ہم چاہیں تو اس کو بھی سلب کر لیں (یعنی قرآن کو سینوں اور کتابوں سے مٹا دیں) پھر اس کے لیے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے مگر (لیکن ہم نے اس کو باقی رکھا ہے) آپ کے پروردگار کی رحمت سے، بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے (کہ اس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور آپ کو مقام محمود وغیرہ فضائل عطا فرمائے ہیں) اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ (فصاحت و بلاغت میں) اس کے مانند کوئی کلام پیش کر دیں تو کبھی نہیں کر سکیں گے اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو (کفار نے جب لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ کہا تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کے عمدہ عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں (لفظ مِثْلَ محذوف کی صفت ہے اصل عبارت اس طرح تھی: مثلاً من جنس کل مثل لیتعظوا) پھر بھی (مکہ والے) اکثر لوگ (حق سے) بے انکار کئے نہ رہے اور یہ لوگ (ابی پر عطف ہے) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں (جس سے پانی بہہ نکلے) یا خاص آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری نہ کر دیں یا جیسا آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے ہم پر نہ گرا دیں، یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لا کھڑا نہ کر دیں (کہ ہم انہیں کھلم کھلا دیکھ لیں) یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر (سیڑھی لگا کر) نہ چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھنے پر بھی کبھی یقین نہ کریں جب تک ہمارے پاس آپ ایک نوشتہ لے کر نہ آئیں (جس میں آپ کی تصدیق ہو) جسے ہم بھی پڑھ لیں آپ (ان سے) کہہ دیجئے سبحان اللہ میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا! (دوسرے انبیاء کی طرح کہ حکم الٰہی کے بغیر کوئی نشانی نہیں لائے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عِلْمَهٗ: اس سے اشارہ کیا کہ روح ان امور سے ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے پس امر بمعنی شان ہے جو امور سے ایک ہے۔

قوله: بِالنِّسْبَةِ اِلٰى عِلْمِهٖ: اس میں اشارہ کیا انسانوں کا علم، علم الٰہی کی نسبت قلیل القلیل ہے۔

قوله: اَبْقَيْنَاهُ: اس کو مقدر مانا گیا تاکہ کلام تام ہو جائے۔

قوله: فِي الْفَصَاحَةِ: کہہ کر اشارہ کیا عدد الفاظ وحروف میں برابر نہیں بلکہ فصاحت وبلاغت، گیرائی اور گہرائی اس کی مثل ہو۔

قوله: صِفَةٌ لِمَحْذُوْفٍ: اس کا مفعول محذوف اور ظرف مذکور اس کی صفت ہے جنس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ کل جنس کے استغراق کے لیے ہے نہ افراد کے۔

قوله: مُقَابَلَةً وَعَيَانًا: قبیلاً مصدر ہے۔ مشتق نہیں ہے پس محذوف کی حاجت نہیں۔

قوله: مَا: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: اَنْ يُّؤْمِنُوْآ: مطلب یہ ہے کہ ان کو آپ پر ایمان لانے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ وہ انکار کریں۔

تفسیر مقبولین

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ....

آیات صدر میں پہلی آیت میں کفار کی طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے لفظ روح لغات ومحاورات میں نیز قرآن کریم میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے معروف ومشہور معنی تو وہی ہیں جو عام طور پر اس لفظ سے سمجھے جاتے ہیں یعنی جان جس سے حیات اور زندگی قائم ہے قرآن کریم میں یہ لفظ جبرئیل امین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی کئی آیات میں استعمال ہوا ہے اور خود قرآن کریم اور وحی کو بھی روح کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

روح سے مراد کیا ہے؟

اس لیے یہاں پہلی بات غور طلب یہ ہے کہ سوال کرنے والوں نے روح کا سوال کس معنی کے لحاظ سے کیا تھا بعض حضرات مفسرین نے سیاق وسباق کی رعایت سے یہ سوال وحی اور قرآن یا وحی لانے والے فرشتے جبرئیل کے متعلق قرار دیا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں قرآن کا ذکر تھا اور بعد کی آیات میں پھر قرآن ہی کا ذکر ہے اس کے مناسب اس کو سمجھا کہ اس سوال میں بھی روح سے مراد وحی وقرآن یا جبرئیل ہی ہیں اور مطلب سوال کا یہ ہوگا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے کون لاتا ہے قرآن کریم نے اس کے جواب میں اس پر اکتفا کیا کہ اللہ کے حکم سے وحی آتی ہے تفصیلات اور کیفیات جن کا سوال تھا وہ نہیں بتلائیں۔

لیکن احادیث صحیحہ مرفوعہ میں جو اس آیت کا شان نزول بتلایا گیا ہے وہ تقریباً اس میں صریح ہے کہ سوال کرنے والوں نے روح حیوانی کا سوال کیا تھا اور مقصد سوال کا روح کی حقیقت معلوم کرنا تھا کہ وہ کیا چیز ہے بدن انسانی میں کس طرح آتی ہے اور کس طرح اس سے حیوان اور انسان زندہ ہو جاتا ہے صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے غیر آباد حصے میں چل رہا تھا رسول کریم ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی کھجور کی شاخ کی تھی آپ کا گذر چند یہودیوں پر ہوا یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ محمد ﷺ آرہے ہیں ان سے روح

کے متعلق سوال کرو دوسروں نے منع کیا مگر سوال کرنے والوں نے سوال کر ہی ڈالا یہ سوال سن کر رسول کریم ﷺ لکڑی پر ٹیک لگا کر خاموش کھڑے ہو گئے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہونے والی ہے کچھ وقفہ کے بعد وحی نازل ہوئی تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ یہاں ظاہر ہے کہ قرآن یا وحی کو روح کہنا یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح تھی ان لوگوں کے سوال کو اس پر محمول کرنا بہت بعید ہے البتہ روح حیوانی وانسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہی ہے اسی لیے جمہور مفسرین ابن کثیر ابن جریر قرطبی بحر محیط روح المعانی سبھی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی وانسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے اسی لیے جمہور مفسرین ابن کثیر ابن جریر قرطبی بحر محیط روح المعانی سبھی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی کی حقیقت سے تھا رہا یہ معاملہ کی سیاق وسباق میں ذکر قرآن کا چلا آیا ہے درمیان میں روح کا سوال جواب بے جوڑ ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس سے پہلی آیات میں کفار ومشرکین کی مخالفت اور معاندانہ سوالات کا ذکر آیا ہے جن سے منظور رسول کریم ﷺ کا دربارہ رسالت امتحان کرنا تھا یہ سوال بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس لیے بے جوڑ نہیں خصوصاً شان نزول کے متعلق ایک دوسری حدیث صحیح منقول ہے اس میں یہ بات زیادہ وضاحت سے آگئی ہے کہ سوال کرنے والوں کا مطلب رسول کریم ﷺ کی رسالت کا امتحان لینا تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ (قریش مکہ جو جا بے جا سوالات رسول کریم ﷺ سے کرتے رہتے تھے ان کو خیال پیدا ہوا کہ یہود تو علم والے ہیں ان کو پچھلی کتابوں کا بھی علم ہے ان سے کچھ سوالات حاصل کئے جاویں جن کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کا امتحان لیا جائے اس لیے قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا کہ تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو (ابن کثیر) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود نے رسول کریم ﷺ سے اپنے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ ہمیں یہ بتلائیں کہ روح پر عذاب کس طرح ہوتا ہے اس وقت تک رسول کریم ﷺ پر اس بارے میں کوئی بات نازل نہ ہوئی تھی اس لیے اس وقت آپ نے فوری جواب نہیں دیا پھر جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (ابن کثیر ملخصا)

واقعہ سوال مکہ میں پیش آیا یا مدینہ میں:

اس سے پہلے ایک بات اور قابل نظر ہے کہ شان نزول کے متعلق جو دو حدیثیں ابن مسعود وابن عباس کی اوپر نقل کی گئیں ہیں ان میں سے ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سوال مدینہ میں پیش آیا اور اسی لیے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے کہ اگرچہ اکثر حصہ سورۃ بنی اسرائیل کا مکی ہے اور ابن عباس کی روایت کا تعلق مکہ مکرمہ کے واقعہ سے ہے اس کے مطابق یہ آیت بھی پوری سورت کی طرح مکی باقی رہتی ہے اسی لیے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح قرار دیا ہے اور ابن مسعودؓ کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ میں دوسری مرتبہ ہوا ہو جیسا کہ بہت سی آیات قرآن کا نزول مکرر سب علماء کے نزدیک مسلم ہے اور تفسیر مظہری نے ابن مسعودؓ کی روایت کو راجح قرار دے کر واقعہ مدینہ کا اور آیت کو مدنی قرار دیا ہے جس کی دو وجہ بتلائیں ایک یہ کہ یہ روایت صحیحین میں ہے اور سند اس کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے زیادہ قوی ہے دوسرے یہ کہ اس میں خود صاحب واقعہ ابن مسعودؓ اپنا واقعہ بیان کر رہے ہیں بخلاف روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی،

سوال مذکور کا جواب:

قرآن کریم نے یہ دیا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اس جواب کی تشریح میں حضرات مفسرین کے کلمات اور تعبیرات مختلف ہیں ان میں سب سے زیادہ اقرب اور واضح وہ ہے جو تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جتنی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے صرف وہ بتلادی گئی اور روح کی مکمل حقیقت جس کا سوال تھا اس کو اس لیے نہیں بتلایا کہ وہ عوام کی سمجھ سے باہر بھی تھی اور ان کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہ تھی یہاں رسول کریم ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرما دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے تطورات اور توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں بلکہ وہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہونے والی چیز ہے اس جواب نے یہ تو واضح کر دیا کہ روح کو عام مادیات پر قیاس کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے لیے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا نہیں اس لیے وہ حصہ سوال فضول اور لایعنی قرار دے کر اس کا جواب نہیں دیا گیا خصوصاً جبکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لیے تو کیا بڑے بڑے حکماء و عقلاء کے لیے بھی آسان نہیں۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سائل کی دینی مصلحت کی رعایت لازم ہے:

امام جصاص نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے اسی طرح بے ضرورت یا لایعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے (جصاص) امام بخاری نے کتاب العلم میں اس مسئلے کا ایک مستقل ترجمۃ الباب رکھ کر بتلایا ہے کہ جس سوال کے جواب سے مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

روح کی حقیقت کا علم کسی کو ہو سکتا ہے یا نہیں:

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دے دیا حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی انسان سمجھ ہی نہیں سکتا اور یہ کہ خود رسول کریم ﷺ کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی نفی کرتی ہے نہ اثبات اگر کسی نبی و رسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف و الہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں بلکہ عقل و فلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث و تحقیق کی جائے تو اس کو فضول اور لایعنی تو کہا جائے گا مگر ناجائز نہیں کہا جا سکتا اسی لیے بہت سے علماء متقدمین و متاخرین نے روح

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک مختصر سے رسالے میں اس مسئلے کو بہترین انداز سے لکھا ہے اور اس میں جس قدر حقیقت سمجھنا عام انسان کے لیے ممکن ہے وہ سمجھادی ہے جس پر ایک تعلیم یافتہ انسان قناعت کرسکتا ہے اور شبہات واشکالات سے بچ سکتا ہے۔ کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں آخری دور میں ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام

فائدہ: امام بغوی نے اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے ایک مفصل روایت اس طرح نقل فرمائی ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جبکہ مکہ کے قریشی سرداروں نے جمع ہوکر مشورہ کیا کہ محمد ﷺ ہمارے اندر پیدا ہوئے اور جوان ہوئے ان کی امانت ودیانت اور سچائی میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا اور کبھی ان کے متعلق جھوٹ بولنے کی تہمت بھی کسی نے نہیں لگائی اور اس کے باوجود جو دعویٰ نبوت کا وہ کررہے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس لیے ایسا کرو کہ اپنا ایک وفد مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیج کر ان سے ان کے بارے میں تحقیقات کرو چنانچہ قریش کا ایک وفد مدینہ علماء یہود کے پاس مدینہ پہنچا علماء یہود نے ان کو مشورہ دیا کہ ہم تمہیں تین چیزیں بتلاتے ہیں تم ان سے ان تینوں کا سوال کرو اگر انہوں نے تینوں کا جواب دے دیا تو وہ نبی نہیں اسی طرح تینوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا تو بھی نبی نہیں اور اگر دو کا جواب دیا تیسری چیز کا جواب نہ دیا تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں وہ تین سوال یہ بتلائے کہ ایک تو ان سے ان لوگوں کا حال پوچھو جو قدیم زمانے میں شرک سے بچنے کے لیے کسی غار میں چھپ گئے تھے کیونکہ ان کا واقعہ عجیب ہے دوسرے اس شخص کا حال پوچھو جس نے زمین کے مشرق و مغرب کا سفر طے کیا کہ اس کا کیا واقعہ ہے تیسرے روح کے متعلق دریافت کرو۔

یہ وفد واپس آیا اور تینوں سوال رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کردیئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کا جواب تمہیں کل دوں گا مگر اس پر ان شاء اللہ نہیں کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا بارہ پندرہ سے لے کر چالیس دن تک کی مختلف روایات ہیں جن میں سلسلہ وحی بند رہا قریش مکہ کو طعن وتشنیع کا موقع ملا کہ کل جواب دینے کو کہا تھا آج اتنے دن ہوگئے جواب نہیں ملا رسول کریم ﷺ کو بھی پریشانی ہوئی پھر حضرت جبرائیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا جس میں آپ کو یہ تلقین کی گئی کہ آئندہ کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو ان شاء اللہ کہہ کر کیا جائے اور اس کے بعد روح کے متعلق یہ آیت سنائی جو اوپر مذکور ہوئی اور غار میں چھپنے والوں کے متعلق اصحاب کہف کا واقعہ اور مشرق سے مغرب تک سفر کرنے والے ذوالقرنین کا واقعہ جو سورۂ کہف میں آنے والا ہے اس کی آیات نازل ہوئیں جن میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ جواب میں بیان فرمایا گیا اور روح کے متعلق جس حقیقت کا سوال تھا اس کا جواب نہیں دیا گیا (جس سے یہود کی بتلائی ہوئی علامت صدق نبوت کی ظاہر ہوگئی اس واقعہ کو ترمذی نے بھی مختصراً بیان کیا ہے۔ (مظہری)

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى ....

قریش مکہ کی ہٹ دھرمی اور فرمائشی معجزات کا مطالبہ:

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لیے فرمایا تو وہ دشمن ہوگئے، حق قبول کرنے سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتے تھے کٹ حجتی

پر تلے ہوئے تھے۔ الٹے الٹے سوال کرتے اور بے تکی فرمائشیں کرتے تھے، جن میں سے چند فرمائشیں آیت بالا میں مذکور ہیں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قریش مکہ کے چند افراد جمع ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے نئی باتیں شروع کی ہیں اگر ان کے ذریعہ آپ کو مال طلب کرنا مقصود ہے تو بتا دیجیے ہم آپ کو مال دیدیں گے آپ ہم میں سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے اور اگر بڑا بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی جنون ہو گیا ہے تو وہ بتا دیجیے ہم اپنے اموال خرچ کر کے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر بشارتیں سناؤں، اور مخالفت کے انجام سے ڈراؤں، میں نے تمہیں پہنچا دیا اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھا دیا اگر تم اس کو قبول کرتے ہو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارا نصیب ہوگا اور اگر اس کو نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ پاک میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

وہ لوگ کہنے لگے تو پھر ایسا کرو کہ اپنے رب سے سوال کرو کہ یہ پہاڑ مکہ کی سرزمین سے ہٹ جائیں جن کی وجہ سے ہماری جگہ تنگ ہو رہی ہے اور ہمارے شہروں میں وسعت ہو جائے۔ جیسے شام و عراق میں نہریں ہیں اس طرح کی نہریں ہمارے شہر میں جاری ہو جائیں۔ اور ہمارے مردہ باپ دادوں کو قبروں سے اٹھاؤ جن میں سے قصی بن کلاب بھی ہو۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم مان لیں گے آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں، میں ایسا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا، مانتے ہو تو مان لو اور نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے کہ ایسا نہیں کرتے تو اپنے رب سے یہ سوال کیجیے کہ آپ کی تصدیق کے لیے ایک فرشتہ بھیج دے۔ اور یہ سوال کرو کہ آپ کو باغات اور محلات دیدے اور سونے چاندی کے خزانے دیدے جن کی وجہ سے آپ غنی ہو جائیں اور یہ آپ کی ظاہری حالت (جو مال کی کمی کی وجہ سے ہے) نہ رہے آپ تو ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری طرح معاش تلاش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرا یہ کام نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ کہنے لگے اچھا تم ایسا کرو کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے اگر قدرت ہے تو اس کا مظاہرہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ چاہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے، اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ ان باتوں کے بعد آپ وہاں سے کھڑے ہو گئے، انہیں میں آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ آپ کی قوم نے کئی باتیں پیش کیں آپ نے کسی کو قبول نہ کیا اب آپ ایسا کریں کہ ایک سیڑھی لیں اور میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک نوشتہ لکھی ہوئی کتاب بھی لائیں اور آپ کے ساتھ فرشتے بھی آئیں جو آپ کی تصدیق کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی تصدیق کر لوں گا۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہوئے اور اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو جواب میں فرما دیں سُبۡحَانَ رَبِّیۡ (کہ میرا رب پاک ہے تمہارے طلب کردہ معجزات سے عاجز نہیں ہے) اللہ چاہے تو فرمائشی معجزات ظاہر فرما دے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کے لیے فرمائشی معجزات ظاہر فرمائے۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ؀ (میں تو ایک بشر ہی ہوں ایک انسان ہوں ہاں یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے) اگر میں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں تو یہ بشریت کے تقاضوں کے موافق ہے اور جو توحید و رسالت کی باتیں کرتا ہوں یہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں اور رسول ہونے کے لوازم میں یہ باتیں نہیں ہے جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کا یہ ایمان اسے نفع دے گا اور جو منکر ہوگا اپنا برا کرے گا رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ واضح طور پر حق بیان کر دے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَيْ قَوْلُهُمْ مُنْكِرِيْنَ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ؀ وَلَمْ يَبْعَثْ مَلَكًا قُلْ لَهُمْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ بَدَلَ الْبَشَرِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ؀ اِذْ لَا يُرْسَلُ اِلٰى قَوْمٍ رَسُوْلٌ اِلَّا مِنْ جِنْسِهِمْ لِيُمْكِنَهُمْ مُخَاطَبَتُهُ وَالْفَهْمُ عَنْهُ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ عَلٰى صِدْقِيْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ؀ عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ يَهْدُوْنَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَاشِيْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ سَكَنَ لَهَبُهَا زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ؀ تَلَهُّبًا وَاشْتِعَالًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ؀ اَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مَعَ عِظَمِهِمَا قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ اَيْ الْاَنَاسِيَ فِي الصِّغَرِ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لِّلْمَوْتِ وَالْبَعْثِ لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ؀ جُحُوْدًا لَهٗ قُلْ لَّهُمْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ مِنَ الرِّزْقِ وَالْمَطَرِ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ لَبَخِلْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ خَوْفَ نَفَادِهَا بِالْاِنْفَاقِ فَتَفْتَقِرُوْا وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ؀ بَخِيْلًا ع ۱۱

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اللہ کی ہدایت ظاہر ہوئی تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا (منکرین کے اس کہنے نے) کہ کیا اللہ نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ (اور فرشتہ کو نہیں بھیجا) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر (انسانوں کے بجائے) فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضرور ہم آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے (کیونکہ ہر قوم میں انہیں کے ایک فرد کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ بات چیت اور سمجھنے میں آسانی رہے) آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بہت ہے (میری سچائی پر) یقیناً وہ اپنے بندوں سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے (ظاہر و باطن سے باخبر ہے) اور جس کسی کو اللہ راہ پر لگا دے فی الحقیقت وہی راہ پر ہے اور جس کسی کو وہ بے راہ کر دے تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے (کہ وہ اس کو راستہ دکھا دے) قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو ان

کے منہ کے بل اٹھائیں گے، اندھے، گونگے، بہرے ان کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہوگا جب کبھی اس کی آگ بجھنے کو ہوگی (ذرا دھیمی ہونے لگے گی) اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے (دھونکا دیں گے) یہ ہے ان کی سزا اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور (قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کہا تھا بھلا جب ہماری ہڈیاں بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں؟ کیا ان لوگوں کو اتنا معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان زمین کی عظیم الشان یہ پوری کائنات پیدا کر ڈالی وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے (چھوٹے آدمی) دوبارہ پیدا کر دے اور ان کے لیے (موت اور قیامت کی) ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں کسی طرح کا ذرا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا؟ اس پر بھی دیکھو بے انصاف لوگ انکار کئے بغیر نہ رہے آپ (ان سے) فرما دیجئے اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے (رزق اور بارش کے) تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے ضرور ہاتھ روک لیتے (کہ کہیں خرچ کرنے سے کلیۃ ختم ہی نہ جائیں اور تم کنگال ہو کر رہ جاؤ) اور انسان کا دل تنگ (بخیل) ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُنْكِرِيْنَ: اس میں اشارہ ہے اَبَعَثَ اللّٰهُ میں استفہام انکاری ہے۔

قوله: شَهِيْدًا: یہ حال ہے۔

قوله: عُمْيًا وَّبُكْمًا: یعنی وہ نہ ایسی چیز دیکھیں گے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور نہ وہ ایسی چیز سنیں گے جو ان کے کان کو لذت دے اور نہ وہ ایسا بول بولیں گے جو ان سے قبول کیا جائے۔

قوله: سَكَنَ لَهَبُهَا: اس سے اشارہ کیا کہ وہ آگ ان کے چمڑے اور گوشت کھا جائے گی۔

قوله: تَلَهُّبًا وَّ اشْتِعَالًا: یعنی آگ کی بھڑک بڑھ جائے گی جب ان کے چمڑے اور گوشت نئے سرے سے پیدا ہو جائیں گے۔

قوله: اَنْتُمْ یہ فعل سے مرفوع ہے جس کی تفسیر مابعد والا فعل کر رہا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ ....

اللہ کا رسول انسان ہی ہو سکتا ہے فرشتے انسانوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتے:

عام کفار و مشرکین کا خیال تھا کہ بشر یعنی آدمی اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ہماری طرح تمام حوائج انسانی کا عادی ہوتا ہے پھر اس کو ہم پر کیا فوقیت حاصل ہے کہ ہم اس کو اللہ کا رسول سمجھیں اور اپنا مقتدا بنالیں ان کے اس خیال کا جواب

قرآن کریم میں کئی جگہ مختلف عنوانات سے دیا گیا ہے یہاں آیت وَمَا مَنَعَ النَّاسَ میں جو جواب دیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا رسول جن لوگوں کی طرف بھیجا جائے وہ انھیں کی جنس میں سے ہونا ضروری ہے اگر یہ آدمی ہیں تو رسول بھی آدمی ہونا چاہئے کیونکہ غیر جنس کے ساتھ باہم مناسبت نہیں ہوتی اور بلا مناسبت کے رشد و ہدایت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اگر آدمیوں کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیں جو نہ بھوک کو جانتا ہے نہ پیاس کو نہ جنسی خواہشات کو نہ سردی گرمی کے احساس کو نہ اس کو کبھی محنت سے تکان لاحق ہوتا ہے تو وہ انسانوں سے بھی ایسے ہی عمل کی توقع رکھتا ہے ان کی کمزوری و مجبوری کا احساس نہ کرتا اسی طرح انسان جب یہ سمجھتے کہ یہ تو فرشتہ ہے ہم اس کے کاموں کی نقل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تو اس کا اتباع خاک کرتے یہ فائدہ اصلاح اور رشد و ہدایت کا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسول ہو تو جنس بشر سے جو تمام انسانی جذبات اور طبعی خواہشات کا خود بھی حامل ہو مگر ساتھ ہی اس کو ایک شان ملکیت کی بھی حاصل ہو کہ عام انسانوں اور فرشتوں کے درمیان واسطہ اور رابطہ کا کام کر سکے وحی لانے والے فرشتوں سے وحی حاصل کرے اور اپنے ہم جنس انسانوں کو پہنچائے۔

اس تقریر سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ جب انسان فرشتہ سے فیض حاصل نہیں کر سکتا تو پھر رسول باوجود انسان ہونے کے کس طرح ان سے فیض وحی حاصل کر سکے گا۔

رہا یہ شبہ کہ جب رسول کریم ﷺ اور امت میں مجانست شرط ہے پھر رسول کریم ﷺ کو جنات کا رسول کس طرح بنایا گیا جنات تو انسان کے ہم جنس نہیں تو جواب یہ ہے کہ رسول صرف انسان نہیں بلکہ اس میں ایک شان ملکیت کی بھی ہوتی ہے اس کی وجہ سے جنات کو بھی مناسبت ان سے ہو سکتی ہے۔

آخر آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ تم انسان ہونے کے باوجود جو یہ مطالبہ کرتے ہو کہ ہمارا رسول فرشتہ ہونا چاہئے یہ مطالبہ تو نامعقول ہے البتہ اگر اس زمین پر فرشتے آباد ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو فرشتہ ہی کو رسول بنایا جاتا اس میں جو زمین پر بسنے والے فرشتوں کا یہ وصف ذکر کیا گیا ہے کہ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ یعنی وہ فرشتے زمین پر مطمئن ہو کر چلتے پھرتے اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی طرف فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجنے کی ضرورت اسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ زمین کے فرشتے خود آسمان پر نہ جا سکتے بلکہ زمین ہی پر چلتے پھرتے رہتے ورنہ اگر وہ خود آسمان پر جانے کی قدرت رکھتے تو زمین پر رسول بھیجنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ .....

گذشتہ رکوع میں فرمایا تھا: اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ قرآن جیسی بے مثال دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت و عناد، دور از کار مطالبات، اعراض و تکذیب اور ان کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عدیم النظیر دولت سے سرفراز فرمانا، اسی جواد حقیقی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں۔ اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے تہی دست رہ جانے کا خوف

ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مدمقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبا نہ لے۔ خداوند قدوس تھڑدلے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جسے اگر فرض کرو خزائن رحمت کا مالک مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل و تنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لیے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ نہ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہرحال اگر رحمت الٰہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و طائف کے بڑے متکبر دولت مندوں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت بنی ہاشم کے ایک دریتیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اس کے مناسب کمالات و انعامات کے خزانے انڈیل دیے۔ تمہارے تعنت و تعصب سے خدا کا فضل رکنے والا نہیں۔ محمد ﷺ کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اور پیغمبر ﷺ اور ان کے پیرو دریادلی سے اس دولت کو بنی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگ دلی نہیں دکھائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ وَهِيَ الْيَدُ وَالْعَصَا وَالطُّوفَانُ وَالْجَرَادُ وَالْقُمَّلُ وَالضَّفَادِعُ
وَالدَّمُ وَالطَّمْسُ وَالسِّنِيْنُ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ فَسْئَلْ يَا مُحَمَّدُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْهُ سُؤَالُ تَقْرِيْرٍ
لِلْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى صِدْقِكَ اَوْ فَقُلْنَا لَهُ اِسْأَلْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَفْظِ الْمَاضِيْ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ
يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ مَخْدُوْعًا مَغْلُوْبًا عَلٰى عَقْلِكَ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ الْاٰيَاتِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ بَصَآئِرَ عِبَرًا وَلٰكِنَّكَ تُعَانِدُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ التَّاءِ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ هَالِكًا اَوْ مَصْرُوْفًا
عَنِ الْخَيْرِ فَاَرَادَ فِرْعَوْنُ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ يُخْرِجَ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ مِّنَ الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ
جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ اَيِ السَّاعَةُ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾
جَمِيْعًا اَنْتُمْ وَهُمْ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ اَيِ الْقُرْاٰنَ وَبِالْحَقِّ الْمُشْتَمِلِ عَلَيْهِ نَزَلَ كَمَا اُنْزِلَ لَمْ يَعْتَرِهٖ تَبْدِيْلٌ وَمَآ
اَرْسَلْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ اِلَّا مُبَشِّرًا مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ وَقُرْاٰنًا مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ
فَرَقْنٰهُ نَزَّلْنَاهُ مُفَرَّقًا فِيْ عِشْرِيْنَ سَنَةً اَوْ وَثَلَاثٍ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ مَهْلٍ وَتُؤَدَةٍ لِيَفْهَمُوْهُ وَّنَزَّلْنٰهُ
تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ عَلٰى حَسْبِ الْمَصَالِحِ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ اِنَّ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ وَهُمْ مُؤْمِنُوْا اَهْلِ الْكِتَابِ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ
يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْ خُلْفِ الْوَعْدِ اِنْ مُخَفَّفَةٌ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا بِنُزُوْلِهٖ وَبَعْثِ النَّبِيِّ
لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ وَيَزِيْدُهُمْ الْقُرْاٰنُ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَكَانَ سجدة

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَااللّٰہُ یَارَحْمٰنُ فَقَالُوْا اِنَّہٗ یَنْہَانَا اَنْ نَعْبُدَ اِلٰہَیْنِ وَھُوَ یَدْعُوْا اِلٰھًا اٰخَرَ مَعَہٗ فَنَزَلَ
قُلْ لَھُمْ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیْ سَمُّوْہُ بِاَیِّہِمَا اَوْ نَادُوْہُ بِاَنْ تَقُوْلُوْا یَااللّٰہُ یَارَحْمٰنُ اَیًّا شَرْطِیَّۃٌ مَا
زَائِدَۃٌ اَیْ اَیَّ شَیْءٍ مِنْ ھٰذَیْنِ تَدْعُوْا فَھُوَ حَسَنٌ دَلَّ عَلٰی ھٰذَا فَلَہٗ اَیْ لِمُسَمَّاھُمَا الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَ
ھٰذَانِ مِنْہَا فَاِنَّہَا کَمَا فِی الْحَدِیْثِ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ
الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِیُٔ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَھَّارُ الْوَھَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ
الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَکَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ
الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّکُوْرُ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْکَرِیْمُ الرَّقِیْبُ
الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَکِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّھِیْدُ الْحَقُّ الْوَکِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ
الْمُحْصِی الْمُبْدِیُٔ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِی الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ
الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاھِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّئُوْفُ
مَالِکُ الْمُلْکِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِیُ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْھَادِی
الْبَدِیْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ قَالَ تَعَالٰی وَلَا تَجْھَرْ بِصَلَاتِکَ بِقِرَاءَ تِکَ فِیْہَا
فَیَسْمَعُکَ الْمُشْرِکُوْنَ فَیَسُبُّوْکَ وَیَسُبُّوا الْقُرْاٰنَ وَمَنْ اَنْزَلَہٗ وَلَا تُخَافِتْ تُسِرَّ بِہَا لِیَنْتَفِعَ اَصْحَابُکَ وَابْتَغِ
اَقْصِدْ بَیْنَ ذٰلِکَ الْجَھْرِ وَالْمُخَافَتَۃِ سَبِیْلًا ۝ طَرِیْقًا وَسَطًا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ
شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ الالوھیۃ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ یَنْصُرُہٗ مِّنَ اَجْلِ الذُّلِّ اَیْ لَمْ یَذِلَّ فَیَحْتَاجُ اِلٰی نَاصِرٍ وَّکَبِّرْہُ
۱۲ ع تَکْبِیْرًا ۝ عَظِّمْہُ عَظَمَۃً تَامَّۃً عَنْ اِتِّخَاذِ الْوَلَدِ وَالشَّرِیْکِ وَالذُّلِّ وَکُلِّ مَا لَا یَلِیْقُ بِہٖ وَتَرْتِیْبُ الْحَمْدِ عَلٰی ۱۲
ذٰلِکَ لِلدَّلَالَۃِ عَلٰی اَنَّہُ الْمُسْتَحِقُّ لِجَمِیْعِ الْمَحَامِدِ لِکَمَالِ ذَاتِہٖ وَتَفَرُّدِہٖ فِیْ صِفَاتِہٖ رَوَی الْاِمَامُ اَحْمَدُ
فِیْ مُسْنَدِہٖ عَنْ مُعَاذِ الْجُھَنِیِّ عَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اٰیَۃُ الْعِزِّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ
وَلَدًا اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَۃِ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ قَالَ مُؤَلِّفُہٗ ھٰذَا اٰخِرُ مَا کَمَّلْتُ بِہٖ تَفْسِیْرَ الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ اَلَّفَہُ الْاِمَامُ
الْعَلَّامَۃُ الْمُحَقِّقُ جَلَالُ الدِّیْنِ الْمَحَلِّیُّ الشَّافِعِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَقَدْ اَفْرَغْتُ فِیْہِ جُھْدِیْ وَبَذَلْتُ فِیْہِ
فِکْرِیْ فِیْ نَفَائِسِ اَرَاھَا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَجْدِیْ وَاَلَّفْتُہٗ فِیْ مُدَّۃِ قَدْرِ مِیْعَادِ الْکَلِیْمِ وَجَعَلْتُہٗ وَسِیْلَۃً لِلْفَوْزِ

بِجَنَّاتِ النَّعِيْمِ وَهُوَ فِي الْحَقِيْقَةِ مُسْتَفَادٌ مِنَ الْكِتَابِ الْمُكَمَّلِ وَ عَلَيْهِ فِي الْاٰيِ الْمُتَشَابِهَةِ الْاِعْتِمَادُ وَالْمُعَوَّلُ فَرَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً نَظَرَ بِعَيْنِ الْاِنْصَافِ اِلَيْهِ وَوَقَفَ فِيْهِ عَلٰى خَطَاءٍ فَاطَّلَعَنِيْ عَلَيْهِ وَ قَدْ قُلْتُ شِعْرًا حَمِدْتُ اللّٰهَ رَبِّيْ اِذْ هَدَانِيْ لِمَا اَبْدَيْتُ مَعَ عِجْزِيْ وَضُعْفِيْ فَمَنْ لِيْ بِالْخَطَا فَاَرُدَّ عَنْهُ وَمَنْ لِيْ بِالْقَبُوْلِ وَلَوْ بِحَرْفٍ هٰذَا وَلَمْ يَكُنْ قَطُّ فِيْ خَلَدِيْ اَنْ اَتَعَرَّضَ لِذٰلِكَ لِعِلْمِيْ بِالْعِجْزِ عَنِ الْخَوْضِ فِيْ هٰذِهِ الْمَسَالِكِ وَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَنْفَعَ بِهٖ نَفْعًا جَمًّا وَ يُفْتَحَ بِهٖ قُلُوْبًا غُلْفًا وَ اَعْيُنًا عُمْيًا وَاٰذَانًا صُمًّا وَ كَاَنِّيْ بِمَنِ اعْتَادَ بِالْمُطَوَّلَاتِ وَقَدْ اَضْرَبَ عَنْ هٰذِهِ التَّكْمِلَةِ وَاَصْلِهَا حَسْمًا وَ عَدَلَ اِلٰى صَرِيْحِ الْعِنَادِ وَلَمْ يُوَجِّه اِلٰى دَقَائِقِهِمَا فَهْمًا وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى رَزَقَنَا اللّٰهُ بِهٖ هِدَايَةً اِلٰى سَبِيْلِ الْحَقِّ وَ تَوْفِيْقًا وَاطِّلَاعًا عَلٰى دَقَائِقِ كَلِمَاتِهٖ وَ تَحْقِيْقًا وَجَعَلَنَا بِهٖ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ قَالَ مُؤَلِّفُهٗ عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهٖ فَرَغْتُ مِنْ تَاْلِيْفِهٖ يَوْمَ الْاَحَدِ عَاشِرَ شَهْرِ شَوَّالٍ سَنَةَ سَبْعِيْنَ وَ ثَمَانُ مِائَةٍ وَ كَانَ الْاِبْتِدَاءُ فِيْهِ يَوْمُ الْاَرْبَعَاءِ مُسْتَهِلُّ رَمَضَانَ مِنَ السَّنَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَفَرَغَ مِنْ تَبْيِيْضِهٖ يَوْمَ الْاَرْبَعَاءِ سَادِسَ صَفَرٍ سَنَةَ اِحْدٰى وَ سَبْعِيْنَ وَ ثَمَانُ مِائَةٍ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو دیں نو نشانیاں صاف (کھلی ہوئیں یعنی ید بیضا، اور عصاء اور طوفان، اور ٹڈی دَل اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون اور صورتوں کا بگڑ جانا اور قحط سالی اور پھلوں میں نقصان کا ہونا) پس آپ (اے محمدؐ) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے (تا کہ اس پوچھنے سے آپ کی سچائی کا مشرکین کو یقین ہو جائے، یا تقدیری عبارت اس طرح ہے کہ ہم نے موسیٰ سے پوچھنے کو کہا اور ایک قراءت میں لفظ سال ماضی کے ساتھ ہے) یہ اس وقت کی بات ہے جب موسیٰ بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئے تو فرعون نے ان سے کہا اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (جس سے تمہاری عقل فریب میں مبتلا ہو گئی اور تمہیں خبط ہو گیا ہے) موسیٰ بولے تو خوب جانتا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اسی نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے سمجھانے کو (عبرت کے لیے مگر تو ہٹ دھرمی سے باز نہیں آ رہا ہے اور ایک قراءت میں علمت تاء کے ساتھ ضمہ کے ساتھ ہے) اور اے فرعون میں سمجھتا ہوں کہ تیری بدبختی کے دن آ گئے ہیں (تو نے اپنے ملک کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے! یا تو خیر سے محروم کر دیا گیا ہے) پھر (فرعون نے) چاہا کہ بنی اسرائیل کا قدم اکھاڑ دے (موسیٰ اور انکی قوم کو نکال باہر کرے) (سرزمین (مصر) سے سو ہم نے اس کو اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے غرق کر دیا اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم اس سرزمین میں رہو سہو پھر جب آخرت (قیامت) کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکٹھا کریں گے (تمہیں اور انہیں سب کو) اور ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ اتارا اور وہ سچائی کے ساتھ ہی اترا

یہی (جوں کا توں، ذرا بھی اس میں تغیر نہیں ہوا) اور ہم نے آپ کو (اے محمد ﷺ) صرف خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے والوں کو جنت کی) اور ڈرانے والا (کفر کرنے والوں کو جہنم سے) اور قرآن کو (یہ منصوب ہے ایسے فعل محذوف سے جس کی تفسیر آگے آرہی ہے) ہم نے الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے (ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے بیس یا تیئس سال میں اتارا ہے) تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں (آہستہ اور دیر میں تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں) اور ہم نے اسے دھیرے دھیرے اتارا ہے یعنی یکے بعد دیگرے مصلحت کے مطابق آپ (کفار) سے) کہہ دیجئے کہ تم قرآن کو مانو یا نہ مانو (یہ دھمکی کے طور پر کہا ہے) جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا (یعنی قرآن سے پہلے اس سے اہل کتاب مراد ہیں تو انہیں جب یہ قرآن سنایا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کے لیے پاکی ہو (وعدہ خلافی سے وہ پاک ہے) البتہ ہمارے پروردگار کا وعدہ (قرآن نازل کرنے اور پیغمبر بھیجنے کے بارے میں (ضرور (ان مخففہ ہے) پورا ہو کر رہتا ہے اور ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے ہوئے (یہ معطوف ہے صفت زیادہ کر کے) اور یہ قرآن اور بڑھا دیتا ہے ان کا خشوع (اللہ کے آگے عاجزی اور نبی ﷺ جب کہتے تھے یا اللہ، یا رحمٰن تو مشرکین اعتراض کرتے کہ ہمیں تو دو خداؤں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور محمد خود اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو بھی پکارتے ہیں؟ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ خواہ یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، (جونسا نام چاہے لے لو جونسے لفظ سے چاہو یا اللہ کہو یا رحمٰن) جس نام سے بھی (ای شرطیہ ہے اور ما زائدہ ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے: ای شیء من ھذین) تم پکارو گے (وہی بہتر ہوگا، اس محذوف جزاء پر اگلا جملہ دلالت کرتا ہے (سو اس کے (یعنی یہ دونوں لفظ جس ذات پر صادق آتے ہیں) سارے نام اچھے ہیں (یہ دونوں نام بھی منجملہ ان اچھے ناموں کے ہیں جیسا کہ حدیث اسماء حسنیٰ کی تفصیل آئی ہے اللہ، رحمٰن، رحیم، ملک، قدوس، سلام، مؤمن، مہیمن، عزیز، جبار، متکبر، خالق، باری، مصور، غفار، قہار، وہاب، رزاق، فتاح، علیم، ، قابض، باسط، خافض، رافع، معز، مذل، سمیع، بصیر، حکم، عدل، لطیف، خبیر، حلیم، عظیم، غفور، شکور، علی، کبیر، حفیظ، حسیب، جلیل، کریم، رقیب، مجیب، واسع، حکیم، ودود، مجید، باعث، شہید، حق، وکیل، قوی، متین، ولی، حمید، محصی، مبدئ، معید، محی، ممیت، حی، قیوم، واجد، ماجد، واحد، صمد، قادر، مقتدر، مقدم، مؤخر، اول، آخر، ظاہر، باطن، والی، متعال، بر، تواب، منتقم، عفو، رؤف، الملک، ذوالجلال والاکرم، مقسط، جامع، غنی، مغنی، مانع، ضار، نافع، نور، ھادی، بدیع، باق، وارث، رشید، صبور۔ (ترمذی) حق تعالیٰ نے فرمایا) اور اپنی جہری نماز میں نہ تو بہت چلا کر پڑھیئے (کہ مشرکین تک پڑھنے کی آواز آئے اور وہ آپ کو گالیاں دیں اور قرآن پاک اور اس کے اتارنے والے کو گالیاں دیں) اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے آہستہ پڑھیئے (تاکہ آپ کے صحابہ کو فائدہ ہو) اور چاہئے کہ (بلند آوازی اور آہستگی کے) درمیان (اعتدال) کی راہ اختیار کی جائے اور کہیئے کہ ساری خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت (معبودیت) میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے اس کی درماندگی کی وجہ سے (یعنی وہ عاجز نہیں کہ اسے مددگار کی ضرورت پڑے) اور اسکی بڑائی کی پکار کو بلند کرو جیسی پکار بلند کرنی چاہئے (اولاد تجویز کرنے سے اور شریک اور ذلت وغیرہ تمام نامناسب باتوں سے اس کی پاکیاں خوب بیان کیجئے اور حمد کو صفات سلبیہ پر مرتب کرنے سے اس بات پر دلالت مقصود ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کمال ذاتی اور صفات کی یکتائی کی وجہ سے تمام خوبیوں کے لائق ہے امام احمدؒ معاذ جہنیؒ سے اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی

کریم ﷺ فرماتے تھے کہ الحمد للہ الذی سے لے کر آخر تک آیت عزت ہے واللہ اعلم۔ مفسر فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی اس تفسیر کا آخری حصہ ہے جسے امام، علامہ محقق جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمایا تھا میں نے اس میں اپنی انتہائی طاقت صرف کردی ہے اور ایسی نفیس چیزوں میں جو میرے خیال کے مطابق انشاء اللہ نافع ہوں گی۔ میں نے اپنی قوت فکر یہ خرچ کردی ہے میں نے اس کتاب کی تالیف صرف ایک چلہ میں پوری کی ہے اور یہ میرے حق میں جنات نعیم کی کامیابیوں کا ایک وسیلہ ہوگا فی الحقیقت میری یہ تالیف "کتاب مکمل" سے ماخوذ ہے اور آیات متشابہ کے سلسلہ میں میں نے "کتاب مکمل" پر اعتماد کیا ہے انصاف سے دیکھنے والی آنکھ پر اللہ رحم فرمائے اور اس شخص پر جو میری خطا سے واقف ہوکر مجھے باخبر کردے میں نے ایک شعر بھی کہا ہے۔

حمدت اللہ ربی اذ ھدانی — لما ابدیت مع عجزی وضعفی
ومن لی بالخطا فارد عنہ — ومن لی بالقبول ولو بحرف

میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ہدایت دی شروع کرنے کے وقت میرے عجز و کمزوری کے باوجود کون ہے جو میری غلطی کی نشاندہی کرے تاکہ میں اس کو دور کرسکوں اور کون ہے جو مجھے اس تصنیف کو بارگاہ ایزدی میں قبولیت کی خوشخبری سنائے اگرچہ ایک حرف ہی کی سہی۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرے دل میں کبھی یہ بات نہیں گذری تھی کہ میں یہ خدمت انجام دونگا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس قسم کے کاموں میں گھسنے سے میں عاجز ہوں پھر بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے نفع عطا فرمائیں گے اور بستہ دلوں کو اور اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اس کے ذریعہ کھول دیں گے اور یہ کافی ہے اس شخص کے لیے جو مطولات کا عادی ہو درآنحالیکہ وہ اس تکملہ اور اسکی اصل سے قطعاً بے توجہ ہو اور کھلے عناد کی طرف رخ کرنا چاہتا ہو لیکن اس کی باریکیوں کو سمجھنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور جو شخص اس تکملہ کے بارے میں بے بصر ہوگا وہ دوسری مطولات کے بارے میں بھی بے بصیرت ہوگا حق تعالیٰ ہمیں اس کے ذریعہ راہ حق کی ہدایت بخشنے اور اس کے کلمات کے دقائق کو سمجھنے کی توفیق بخشنے اور اطلاع اور تحقیق کی دولت نصیب فرمائے اور اس کے ذریعہ ہمیں اس جماعت میں داخل فرمادے جس پر اللہ کا انعام ہوا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین کے زمرے میں کہ جس کا انجام بہتر ہوا ہے۔ اور سب تعریفیں وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہیں اور ہمارے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ پر اللہ کی جانب سے بے شمار درود و سلام ہو اور اللہ ہمارے لیے بہتری کارساز ہے اور کافی ہے۔ مولف رحمۃ اللہ نے اللہ سے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ کرنے کا کہا، میں اس کی تالیف سے ماہ شوال ۸۷۰ھ بروز اتوار فارغ ہوا اور (تالیف کی) ابتداء شروع رمضان بروز چہار شنبہ مذکورہ سال میں ہوئی اور اس کی تبییض سے فراغت ۶ صفر ۸۷۱ بروز چہار شنبہ کو ہوئی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: الطَّمْسُ: اموال کی ہلاکت کو کہتے ہیں۔

قولہ: اِذْ قُلْنَا لَہٗ: اذ یہ قلنا سے متعلق ہے یا اس کی قراءت کے اس طرح ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تم بنی اسرائیل کے

متعلق فرعون سے پوچھوتا کہ وہ ان کوتمہارے ساتھ روانہ کردے۔ قلنا کے بغیر کلام منتظم نہیں ہوتا۔

قوله: عِبَرًا: ایسے دلائل جن سے میری سچائی پر بصیرت ملے گی۔

قوله: اَرْضِ مِصْرَ: لام عہدی مضاف الیہ سے بدل ہے۔

قوله: مِنْ بَعْدِهٖ: یعنی فرعون کوغرق کرنے کے بعد۔

قوله: لَفِيفًا: تم کواوران کوگڈمڈ کرکے لائے گا۔

قوله: اَنْزَلَ: یعنی وہ اسی طرح اترا جیسا اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ بلا تغیر وتبدل کے اس حالت سے جس پر اتارا۔

قوله: بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ: یہ اعراب عطف سے نہیں آرہا۔

قوله: نَزَّلْنَاهُ مُفَرَّقًا: یعنی ہم نے تھوڑا تھوڑا اُتارا، یہ مطلب نہیں کہ ہم نے اس میں حق وباطل کی تفریق کی۔

قوله: تَهْدِيْدٌ لَهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ تمہارا قرآن پر ایمان قرآن کے کمال میں اضافہ کرنے والا نہیں اور نہ ماننا اس کو نقصان دہ نہیں۔

قوله: اِنَّ الَّذِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اس کی تعلیل ہے۔ یعنی اگر تم ایمان نہ لائے تو تم سے بہتر لوگ ایمان لاچکے۔

قوله: قَبْلَ نُزُوْلِهٖ: اس کو اس لیے مقدر مانا تاکہ اس بات کی تردید ہوجائے کہ قبلیت قرآن پر محال ہے، کیونکہ وہ قدیم ہے۔

قوله: لِلْاَذْقَانِ: اس کو مقدم کیا سجدہ کرنے والے کا زمین میں سب سے پہلے قریب ہونے والا عضو ہے۔ اس لیے واضح ہوتا ہے کہ ان کے سجدے کا طریق کار اس سے مختلف تھا جو ہمارا ہے۔

قوله: عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ: وہ صفت ھی یکون ہے۔

قوله: ادْعُوا اللّٰهَ: آیت میں دعاء بمعنی تسمیہ ہے اور یہ دو مفعول کی طرف متعدی ہے جن میں سے اوّل کو حذف کردیا یعنی المعبود کو اس لیے کہ اس کی حاجت نہ تھی اور او تخییر کے لیے ہے اور تنوین ایًّا میں مضاف الیہ کے عوض میں ہے جیسا کہ مفسر نے اسے شئے کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قوله: سَمُّوْهُ بِاَيِّهِمَا: اس سے اشارہ کیا کہ دعاء سے مراد تسمیہ ہے۔ جو دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ نداء کے معنی میں نہیں جو کہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ پہلا مفعول محذوف سموا اللہ او الرحمٰن ہے۔

قوله: نَادُوْهُ: یعنی اگر یہ نداء کے معنی میں ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تخییر وتردید صرف اسم کے اطلاق میں ہے نہ کہ مسمّٰی میں۔

قوله: فَهُوَ حَسَنٌ: اس کی جزاء محذوف ہے اس کی دلیل کو اس کے قائم مقام بنایا ہے۔

قوله: اَىْ لِمُسَمَّاهُمَا: یعنی ضمیر مسمّٰی مقدر کی طرف ہے نہ کہ اسم کی طرف۔

قوله: بِقِرَاءَتِكَ: اس میں مضاف محذوف ہے اور وہ قراءت ہے کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں اس لیے کہ جہر ومخافت دونوں قراءت پر صادق آتی ہیں اور نماز افعال واذکار ہیں گویا محل کا ذکر کرکے حال مراد لیا ہے۔

قوله: تُسِرُّ: تُخَافِتْ یہ اخفاء کے معنی میں ہے خوف سے نہیں۔

قوله: مِّنَ اَجَلِ: یہ مِّنَ اجلیہ ہے صلہ نہیں۔

قوله: التَّکْمِلَةِ: یعنی اوّل نصف مکمل ہوا جس کے ساتھ نصف اخیر بھی مکمل ہوا جس کو جلال الدین محلی نے لکھا تھا۔
قوله: حَسْمًا: تمام تر۔

تفسیر مقبولین

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۔۔۔۔

ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ:

(ربط) گزشتہ آیات میں مخالفین کے معاندانہ سوالات کا ذکر تھا اب ان آیات میں معجزات موسویہ یعنی ان نشانیوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لیے عطا کی تھیں مگر باوجود اس کے وہ ایمان نہیں لائے اور بالآخر ہلاک ہوئے اور غرق ہوئے اسی طرح تم محمد رسول اللہ ﷺ سے معجزات طلب کرتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہاری سفارش کے مطابق وہ معجزات ظاہر کر بھی دیئے جائیں تب بھی تم محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرو گے۔
جس طرح وہ متکبر اور جبار (فرعون) خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے کملی والے نبی کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں سے مبعوث ہوا ہے اس کا عصا قرآن ہے سب کفروں کو نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا تم اپنے انجام کو سوچ لو موسیٰ علیہ السلام کوئی فرشتہ نہ تھے بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سروسامان بشر تھے مگر در پردہ فرشتہ سے بڑھ کر نہ کھاؤ اس لباس بشری میں خداوند ذوالجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونیوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور اس نبی آخر الزمان کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہوں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرض یہ کہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔
اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیاں دیں جو ان کی نبوت و رسالت کی روشن دلیلیں تھیں جن کا ذکر نویں پارہ کے چھٹے رکوع میں گزر چکا ہے اور اگر تم کو کچھ شک ہو تو بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس یہ معجزات لے کر آئے ہیں جن کا ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور پھر ان کے بعد وہ معجزات تم تک بطریق تواتر پہنچے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اس لیے کہ تواتر بھی بمنزلہ مشاہدہ کے ہے آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے وہ آپ کے قول کی تصدیق کریں گے اور وہ نو معجزے تمہارے ان فرمائشی معجزات کے برابر یا اس سے بڑھ کر تھے ہم اب بھی اس قسم کے معجزات عطا کرنے پر قادر ہیں مگر اس وقت ہماری مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الوقت اس قسم کے معجزات کا ظاہر کرنا سود مند نہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۶۶۳ ج ۵)
آیت مذکورہ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ میں علماء تفسیر کے دو اقوال ہیں:
قول اول: یہ ہے کہ تسع ایات بینات سے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے مراد ہیں وہ نو بینات یہ ہیں۔

(۱) عصا اور (۲) ید بیضا اور (۳) قبطیوں پر قحط شدید اور (٤) طوفان باراں اور (٥) جراد یعنی ٹڈیاں اور (٦) قمل یعنی چچڑیاں اور (۷) صفادع یعنی مینڈک اور (۸) دم یعنی خون اور (۹) نقص ثمرات یعنی پھلوں کی کمی۔

یہ نو آیات بینات اور مفصلات ہیں اور آیات واضحات ہیں جن کا فرعونیوں نے مشاہدہ کیا مگر ان ظالموں پر ان آیات واضحات نے کچھ اثر نہ کیا اسی طرح اگر ہم ان لوگوں کے سوالات پورے کر دیں کہ چشمے اور نہریں جاری کر دیں تو یہ ظالم بھی فرعونیوں کی طرح ایمان لانے والے نہیں جیسے فرعون نے باوجود مشاہدہ آیات بینات موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ: اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا۝ اے موسیٰ! میں تم کو جادوگر گمان کرتا ہوں اسی طرح یہ ظالم ان معجزات کے ظاہر ہونے پر آنحضرت ﷺ کو جادوگر بتلائیں گے لیکن قوم فرعون کو تو ان آیات بینات پر ایمان نہ لانے کے بعد غرق کر دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آپ ﷺ کی قوم کو ہلاک کرنے کا نہیں اس لیے ان کے یہ سوالات پورے نہیں کئے اور موسیٰ علیہ السلام کو ان نو نشانیوں کے سوا اور بھی نشانیاں عطا ہوئیں مثلاً (۱) دریا کا شق ہونا۔ (۲) عصا کے پتھر پر مارنے سے پتھر سے پانی نکل آنا۔ (۳) پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا۔ (٤) بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل ہونا۔ (٥) بنی اسرائیل برابر کا سایہ کرنا وغیر ذالک یہ نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کو بلاد مصر سے نکلنے کے بعد عطا ہوئی تھیں لیکن اس جگہ انہیں نو نشانیوں کا ذکر ہے جن کا مشاہدہ فرعون لعین نے کیا تھا اور قوم فرعون نے مصر میں ان کو دیکھا تھا اس لیے یہی آیات ان پر حجت تھیں کن کا از راہ عناد انہوں نے مخالفت کی اور تباہ و برباد ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے نو معجزات مراد ہیں جو سورۃ اعراف میں مذکور ہیں آیت کی تفسیر میں یہ پہلا قول ہوا اب دوسرا قول سنئے۔

قول دوم: دوسرا قول یہ ہے کہ تسع 'ایات بینات سے آیات احکام مراد ہیں یعنی نو آیات سے تورات کے نو احکام مراد ہیں جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دو عالموں نے آنحضرت ﷺ سے تسع آیات کے متعلق سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲) چوری مت کرو۔ (۳) زنا مت کرو (٤) ناحق خون مت کرو۔ (٥) سود مت کھاؤ۔ (٦) جادو مت کرو (۷) کسی بے گناہ کو مت پکڑو (۸) کسی عفیف عورت پر تہمت نہ لگاؤ (۹) جہاد سے مت بھاگو۔

یہ نو احکام تو عام ہیں یعنی سب کے لیے ہیں اور ایک حکم اے یہود خاص تمہارے لیے ہے کہ سبت یعنی شنبہ کے دن حدود الٰہی سے تجاوز نہ کرنا یہود نے سن کر آپ ﷺ کی تصدیق کی اور ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی کہ آئندہ نبوت ہمیشہ انہی کے خاندان میں رہے (یہ ان کا داؤد علیہ السلام پر افتراء تھا) اور یہ کہا کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔

محققین کے نزدیک راجح پہلا قول ہے کہ تسع آیات سے نو معجزات مراد ہیں اور وہ کلمات جو حدیث میں مذکور ہوئے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ احکام اور وصایائے توریت ہیں ان میں سے فرعون پر کوئی چیز حجت نہیں لفظ بصائر بھی اسی معنی پر ہی چسپاں ہوتا ہے یعنی یہ میرے معجزات ایسی چیز ہیں جن کو دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں اور ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے نو

معجزات کے علاوہ توریت کے ان نو احکام کو بھی بیان کیا ہو مگر راوی نے احکام کا تو ذکر کر دیا اور معجزات کو حذف کر دیا۔ واللہ اعلم۔

اور آیات قرآنیہ میں تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ سے وہ نشانات مراد ہیں کہ جو بطور دلائل و حجج فرعونیوں کو دکھلائے گئے تا کہ ان پر حجت قائم ہو حافظ ابن کثیرؒ کا خیال یہ ہے کہ اسی روایت میں راوی کو اشتباہ ہوا کہ اس نے کلمات عشر کی جگہ تسع آیات کو ذکر کر دیا بہرحال سیاق و سباق کا مقتضی یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے وہ معجزات مراد لیے جائیں جو فرعونیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو اور فرعونیوں کو ان آیات بینات سے ڈرایا تو فرعون نے از راہ تکبر و غرور موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے موسیٰ میں بلاشبہ تجھ کو جادو کا مارا ہوا خیال کرتا ہوں جس کی وجہ سے تعبیر مخبوط الحواس ہو گیا ہے اور ایسی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے جب فرعون نے ان آیات بینات کو باوجود واضح ہونے کے نہ مانا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا البتہ تحقیق تو ضرور جان چکا ہے اور دل سے مان چکا ہے کہ ان نشانیوں کو سوائے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کے اور کسی نے نہیں اتارا مگر تو ضد اور عناد سے انکا انکار کرتا ہے اور یہ ایسے نشانات ہیں کہ جن کو سوائے پروردگار عالم کے کوئی اتار ہی نہیں سکتا پروردگار ہی نے ان نشانیوں کو اتارا ہے درآں حالیکہ وہ سامان بصیرت ہیں کہ جن کو دیکھنے سے چشم بصیرت روشن ہو جاتی ہے اور دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور حق نظر آنے لگتا ہے اور انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ خدائی کرشمہ ہے کوئی جادو نہیں مگر ضد اور عناد کی پٹی بصارت اور بصیرت سب کو معطل کر ڈالتی ہے چنانچہ فرعون اور اس کی قوم ان بصائر اور عبر کے باوجود ایسی اندھی بنی کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا پس فرعون نے یہ ارادہ کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سرزمین مصر سے قدم اکھاڑ دے کہ بنی اسرائیل اس سرزمین میں رہنے نہ پائیں جب اس نے چاہا تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو دریائے قلزم میں غرق کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور اس کے غرق کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جاؤ اسی سرزمین میں بسو جہاں سے وہ تم کو نکالنا چاہتا تھا اسی طرح اللہ کی قدرت ہے کہ مشرکین مکہ کو تباہ کر کے مسلمانوں کو ان کی سرزمین کا وارث بنائے اور اسی میں ان کو بسائے اسی آیت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے اور جو لفظ اس آیت میں فرعون کے متعلق لایا گیا ہے: فاراد ان یستفزھم من الارض بعینہٖ اسی قسم کا لفظ اسی سورت میں تین رکوع قبل آنحضرت ﷺ کے متعلق گزر چکا ہے: وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منہا یعنی اہل مکہ آپ ﷺ کو اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ عنقریب آپ کو اس سرزمین کا وارث بنائے جس سے مشرکین مکہ آپ کو نکالنا چاہتے ہیں۔

بہرحال فرعون اور فرعونیوں کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر و ماجرا تو اس دنیا میں ہوا پھر آخرت کا وعدہ آ پہنچے گا تو ہم سب کو گڈمڈ یعنی خلط ملط میدان حشر میں لا موجود کریں گے مؤمن اور کافر اور نیک اور بد سب گڈمڈ اور مخلوط ہوں گے اور سب کو جمع کر کے فیصلہ کر دیا جائے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت کو حق کے ساتھ اتارا اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ ﷺ پر حق کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل ہوا از اول تا آخر شیاطین سے محفوظ ہے، از اول تا آخر حق ہی حق ہے اور صدق ہی صدق ہے جس طرح خدا کے پاس سے چلا تھا اسی طرح محفوظ و محروس بلا کم و کاست آپ کے پاس پہنچ گیا غیر کا کلام اس سے مخلوط نہیں ہوا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو اللہ کے احکام پہنچا دیں مگر ہدایت ان کے اختیار میں نہ تھی اسی طرح ہم نے آپ کو فقط بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا

ہے ایمان پر ثواب اور نجات کی بشارت دیدینا اور کفر و معصیت پر عذاب سے ڈرانا یہ آپ کا کام ہے باقی کسی کو ہدایت دینا وہ سب ہمارے اختیار میں ہے لہٰذا آپ کسی کے کفر اور معصیت سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں اور علاوہ ازیں کہ ہم نے اس قرآن کو حق اور صدق کے ساتھ نازل کیا ہے بمقتضائے رحمت ہم نے اس میں ایک رعایت یہ بھی رکھی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے کر کے اتارا ہے تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور لوگوں کو اس کے یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اور ہم نے اس کو حسن حالات و واقعات تدریجا اتارا ہے تاکہ وہ واقعہ سامنے ہونے سے حقیقت خوب واضح ہو جائے اور آیت اور حکم کا مصداق نظروں کے سامنے آ جائے اور ہر آیت اور ہر حکم کا محل اور موقعہ خوب اچھی طرح دلنشین ہو جائے تو گھبرا جاتے۔ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کے احکام ہیں جس کو خدا نے بندوں کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے اس تدریجی نزول میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو فائدہ ہو ورنہ خدا تعالیٰ بے نیاز ہے اسے کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔ خدا کے یہاں سب برابر ہے تحقیق جن لوگوں کو قرآن کے نزول سے پہلے علم دیا گیا یعنی حق شناس اور نیک دل علماء اہل کتاب ان کا یہ حال ہے کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کلام خداوندی کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں کیونکہ جب انسان پر کسی کی عظمت و ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اکثر وہ زمین پر اوندھا گر جاتا ہے اور اذقان پر گرنا یہ کنایہ ہے غلبہ خوف اور جذبہ شوق سے اور مطلب یہ ہے کہ غلبہ شوق کی بناء پر اس کی تعظیم کے بجالانے میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ ناممکن ہے کہ اس نے جو اپنی پہلی کتابوں میں وعدہ کیا ہے وہ پورا نہ کرے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی توریت کتاب استثناء میں یہ وعدہ کیا تھا کہ ''اے بنی اسرائیل! میں تیرے بھائیوں (یعنی حضرت اسماعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا اس بشارت اور وعدہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب بشائر النبیین میں لکھ دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اس آیت میں ان حق شناس اور طالب حق علماء اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے ان کو توریت اور انجیل کا علم دیا گیا تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ یہ لوگ انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی خبروں کی وجہ سے نبی آخر الزمان ﷺ اور قرآن کے منتظر تھے وہ اس قرآن کے منتظر تھے وہ اس قرآن کو سن کر خوش ہوتے اور سجدہ شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کے عیب سے پاک ہے کتب سماویہ مقدسہ میں جو اس نے نبی آخر الزمان ﷺ کے مبعوث کرنے اور قرآن کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا وہ تو ضرور پورا ہونا ہی تھا خدا تعالیٰ نے کتب سابقہ میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرما دیا قرآن کو سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ اس وعدہ کا ایفاء ہے اور ایمان لے آئے اور قرآن سننے کے وقت ان پر ایسی رقت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کی موعظت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے اور یہ قرآن کا سننا بارگاہ خداوندی میں ان کی فروتنی اور عاجزی کو اور زیادہ کرتا ہے یعنی وہ بڑے نرم دل ہیں قرآن سن کر ان پر عجیب رقت طاری ہو جاتی ہے یہ حال تو اہل علم کا ہے اور جاہل اور نادان اس قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ....

اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے اچھے نام ہیں، آپ نماز میں قراءت کرتے وقت درمیانی آواز سے پڑھیے

درمنثور ص ۲۰۶ ج ۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں یا اللہ اور یا رحمٰن کہا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ اس نئے دین والے کو دیکھو ہمیں دو معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط. نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رحمٰن کہہ کر پکارنا دو معبودوں کا پکارنا نہیں ہے معبود تو ایک ہے جو وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے یہ دونوں اس کے نام ہیں اس کے جس نام سے بھی پکار لیا تو کوئی شرک لازم نہیں آیا اور تم تو کئی معبودوں کو مانتے ہو تمہارے معبود ایسے نہیں ہیں کہ ذات ایک ہو اور نام کئی ہوں تمہارے عقیدہ میں معبودوں کی ذاتیں متعدد ہیں اور میرا جو معبود ہے ایک ہی ہے وہ معبود حقیقی ہے جس کا نام اللہ بھی ہے رحمٰن بھی ہے ان دونوں ناموں کے علاوہ اور بھی اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں ان ناموں میں سے جو نام لے کر بھی اسے پکارا جائے گا صحیح ہوگا شرک نہ ہوگا کیونکہ یہ سب ایک ذات پاک کے نام ہیں۔
سنن ترمذی میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مروی ہیں جو مشکوٰۃ المصابیح میں ص ۱۱۹ پر منقول ہیں۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ .... صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (ابتدائے اسلام میں) چھپ کر اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے جس میں قرآن زور سے پڑھتے تھے۔ جب مشرکین قرآن سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن کے نازل کرنے والے کو اور قرآن کے لانے والے کو برے الفاظ میں یاد کرتے تھے اللہ جل شانہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ نماز میں زور سے قراءت نہ پڑھیں جسے سن کر مشرکین برے الفاظ میں ذکر کرنے کا موقع پالیں اور آپ نماز میں قراءت کو آہستہ بھی نہ پڑھیں جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ نہ سن سکیں آپ دونوں کے درمیان راستہ اختیار کرلیں، اس سے معلوم ہوا کہ جن نمازوں میں قراءت جہر سے پڑھی جاتی ہے ان میں اتنا جہر کافی ہے کہ اپنے مقتدی سن سکیں اتنے زور سے جہر نہ کیا جائے کہ کافروں تک بھی آواز پہنچے اور وہ متاثر ہونے کے بجائے قرآن مجید کو اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کو برے لفظوں میں یاد کریں، اور یوں بھی جہر مفرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑ کی گھاٹی میں چڑھ رہے تھے اس وقت ایک شخص نے بلند آواز سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بہرے کو اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو پھر آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ (صحیح بخاری ص ۹۴۹)

رسول اللہ ﷺ ایک دن رات کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر گزرے پھر صبح کو فرمایا کہ ابوبکر میں تمہارے قریب سے گزرا تو معلوم ہوا کہ تم پست آواز میں قرآن شریف پڑھ رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ جس ذات پاک سے مناجات کر رہا تھا اس کو میں نے سنا دیا آپ نے فرمایا کہ تھوڑی سی آواز اونچی کرکے پڑھا کرو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے

قریب سے گزرا تم اونچی آواز سے قراءت پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی بلند آواز سے اونگھنے والے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا پست کرو۔

(رواہ الترمذی باب ما جاء فی القراءۃ باللیل)

اس کو فرمایا: وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ (اور آپ اس کے درمیان راستہ اختیار کیجیے۔)

سُوْرَةُ الْكَهْفِ

سُوْرَةُ الْكَهْف ١٨ مَكِّيَّة ٦٩ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ١١٠ — رُكُوْعَاتُهَا ١٢

سورۂ کہف مکہ میں اتری اور اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں اور بارہ رکوع — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ هُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ ثَابِتٌ لِلّٰهِ وَهَلِ الْمُرَادُ الْاِعْلَامُ بِذٰلِكَ لِلْاِيْمَانِ بِهٖ اَوِالثَّنَاءِ بِهٖ اَوْهُمَا
اِحْتِمَالَاتٌ اَفْيَدُهَا الثَّالِثُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ مُحَمَّدٍ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ اَىْ فِيْهِ عِوَجًا ١
اِخْتِلَافًا اَوْتَنَاقُضًا وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنَ الْكِتٰبِ قَيِّمًا مُسْتَقِيْمًا حَالٌ ثَابِتَةٌ مُؤَكِّدَةٌ لِّيُنْذِرَ يُخَوِّفَ بِالْكِتَابِ
الْكَافِرِيْنَ بَاْسًا عَذَابًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ مِنْ قِبَلِ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا
حَسَنًا ٢ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ٣ هُوَ الْجَنَّةُ وَّيُنْذِرَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْكَافِرِيْنَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ٤ مَا لَهُمْ
بِهٖ بِهٰذَا الْقَوْلِ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْقَائِلِيْنَ لَهٗ كَبُرَتْ عَظُمَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ
كَلِمَةً تَمْيِيْزٌ مُفَسِّرَةٌ لِلضَّمِيْرِ الْمُبْهَمِ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ اَىْ مَقَالَتُهُمُ الْمَذْكُوْرَةُ اِنْ مَا
يَقُوْلُوْنَ فِىْ ذٰلِكَ اِلَّا مقولا كَذِبًا ٥ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ مُهْلِكٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بَعْدَهُمْ اَىْ بَعْدَ تَوَلِّيْهِمْ
عَنْكَ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ القران اَسَفًا ٦ غَيْظًا وَحُزْنًا مِنْكَ لِحِرْصِكَ عَلٰى اِيْمَانِهِمْ وَنَصَبُهٗ
عَلَى الْمَفْعُوْلِ لَهٗ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْحَيْوَانِ وَالنَّبَاتِ وَالشَّجَرِ وَالْاَنْهَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ زِيْنَةً لَّهَا
لِنَبْلُوَهُمْ لِنَخْتَبِرَ النَّاسَ نَاظِرِيْنَ اِلٰى ذٰلِكَ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ٧ فِيْهِ اَىْ اَزْهَدُ لَهٗ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا
صَعِيْدًا فُتَاتًا جُرُزًا ٨ يَابِسًا لَا يُنْبِتُ اَمْ حَسِبْتَ اَىْ اَظَنَنْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ الْغَارِ فِى الْجَبَلِ وَالرَّقِيْمِ
اللَّوْحِ الْمَكْتُوْبِ فِيْهِ اَسْمَاؤُهُمْ وَاَنْسَابُهُمْ وَقَدْ سُئِلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِصَّتِهِمْ كَانُوْا فِىْ قِصَّتِهِمْ
مِنْ جُمْلَةِ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ٩ خَبَرُ كَانَ وَمَا قَبْلَهٗ حَالٌ اَىْ كَانُوْا عَجَبًا دُوْنَ بَاقِى الْاٰيَاتِ اَوْ اَعْجَبَهَا لَيْسَ الْاَمْرُ
كَذٰلِكَ اُذْكُرْ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ جَمْعُ فَتًى وَهُوَ الشَّابُّ الْكَامِلُ خَائِفِيْنَ عَلٰى اِيْمَانِهِمْ مِنْ قَوْمِهِمْ

الْكُفَّارِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ مِنْ قِبَلِكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ اَصْلِحْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۝۱۰ هِدَايَةً فَضَرَبْنَا
عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ اَىْ اَنَمْنَاهُمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا۝۱۱ مَعْدُوْدَةً ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ اَىْ اَيْقَظْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ عِلْمَ
مُشَاهَدَةٍ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ الْفَرِيْقَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ فِىْ مُدَّةِ لُبْثِهِمْ اَحْصٰى فِعْلٌ بِمَعْنٰى ضَبَطَ لِمَا لَبِثُوْٓا لِلُبْثِهِمْ
ع ۱ ۱۲ ۱۳ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهٗ اَمَدًا۝۱۲ غَايَةً

ترجمہ: سب تعریفیں (خوبیاں ثابت ہیں) اللہ کے لیے اس بات کی اطلاع دینے سے مقصود آیا اس پر ایمان لانا ہے یا اس کے ذریعہ سے تعریف کرنا ہے یا دونوں صورتیں پیش نظر ہیں؟ تینوں احتمالات ہیں لیکن ان میں سے تیسری صورت زیادہ مفید ہے) جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر اس کتاب (قرآن) کو اتارا ہے اور اس کے لیے (یعنی اس میں) کسی طرح کی ذرا بھی کجی نہیں ہے (یعنی لفظی اختلاف یا معنی کے لحاظ سے تضاد بیانی نہیں ہے اور ترکیب میں یہ جملہ الکتاب سے حال واقع ہو رہا ہے) بالکل سیدھی بات (اینچ پیچ سے خالی ہے، یہ بھی ترکیب میں الکتاب سے حال ثابتہ موکدہ واقع ہو رہا ہے) تاکہ لوگوں کو خبردار کرائے (کتاب کے ذریعہ کافروں کو ڈرائے) کہ اللہ کی جانب سے ایک سخت عذاب ہے اور اچھے اچھے کام کرنے والوں کو خوشخبری دیدے کہ ان کے لیے اچھا بدلہ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی جنت میں) نیز منجملہ اور کافروں) ان لوگوں کو متنبہ کرو جنہوں نے کہا کہ اللہ اولاد بھی رکھتا ہے! (اس بارے میں نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ان کے باپ دادوں پاس کوئی دلیل تھی (جو ان لوگوں سے پہلے ایسی باتیں کہتے چلے آئے ہیں) کیسی سخت (بھاری) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (لفظ کلمہ ترکیب کے لحاظ سے تمیز واقع ہے جس سے ضمیر مبہم کی وضاحت ہو رہی ہے اور لفظ کبرت کا مخصوص بالذم محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی: "کبرت مقالتھم المذکورۃ" یہ کچھ نہیں بکتے ہیں (اس بارے میں) مگر سرتاسر جھوٹ بات (قرآن) پر ایمان نہ لائے مارے افسوس کے (آپ کی طرف سے گھٹن اور رنج ہونے کی وجہ سے کیونکہ آپ کو ان کے ایمان لانے کا شوق لگا رہتا ہے لفظ اسفاً مفعول لہ (ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں خواہ وہ جانور ہوں یا گھاس پھونس یا درخت اور نہریں وغیرہ ہوں) ہم نے انہیں باعث رونق بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں (لوگوں کا امتحان یہ دیکھتے ہوئے کریں) کون ایسا ہے کہ جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ (یعنی کون اچھی باتوں کی طرف سب سے زیادہ جھکتا ہے) اور پھر ہم ہی جو کچھ زمین پر ہے اسے چٹیل میدان بنا ڈالیں گے۔ (ایسا صاف کہ ایک تنکا تک اس میں پیدا نہیں ہو سکے گا) کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار پہاڑ والے اور تختی والے یعنی ایسی تختی جس میں ان سب کے نام اور نسب تھے اور آپ ﷺ سے ان کا قصہ پوچھا گیا تھا ہمارے عجائبات سے کوئی تعجب خیز نشانی تھے (لفظ عجباً کان کی خبر ہے اور اس سے پہلے من آیاتنا، ترکیب میں حال واقع ہے یعنی تمام نشانیوں میں یہی ایک نشانی عجیب یا عجیب تر تھی؟ ایسا نہیں! ذرا دھیان کیجئے اس طرف جبکہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے (لفظ فتیۃ فتی کی جمع ہے ہٹے کٹے جوان کو کہتے ہیں یہ جوان اپنے ایمان لانے کی وجہ سے اپنی کافر قوم سے ڈرتے تھے) اور انہوں نے دعا کی تھی پروردگار آپ کی جانب (طرف) سے ہم پر رحمت ہو اور ہمارے اس کام کے لیے کامیابی کا سامان مہیا فرما! سو ہم نے پردہ ڈال دیا ان کے

کانوں پر (یعنی انہیں سلا دیا) غار میں سالہا سال تک پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا (یعنی انہیں جگا دیا) تا کہ ہمیں واضح ہو جائے (مشاہدہ کے درجے میں) کہ دونوں جماعتوں میں سے (جو ان کی مدت قیام کے بارے میں مختلف الخیال ہیں) کون ہے جو ان کے رہنے کی مدت سے بِمَا لَبِثُوْا مصدر کے معنی میں ہے یعنی للبثهم جار مجرور کا متعلق بعد میں آ رہا ہے) واقف ہے (لفظ اَحْصٰی فعل ہے جو کہ ضبط کے معنی میں ہے اور املا کے معنی انتہاء اور غایت کے ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: ثَابِتٌ: اس سے اشارہ کیا کہ لِلّٰهِ خبر اَلْحَمْدُ کی ہے۔ اَلْحَمْدُ کا متعلق نہیں کہ خبر کو محذوف مانا جائے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ: وَلَمْ يَجْعَلْ ... میں واؤ حالیہ ہے، عطف کے لیے نہیں اگر عطف کے لیے ہوتی تو معطوف، معطوف علیہ کے ابعاض کے درمیان فاصلہ سے ہوتا۔

قوله: مُسْتَقِيْمًا: یہاں اس کا معنی افراط و تفریط سے پاک ہونا ہے۔ یہ دوسرا حال ہے۔ فعل مقدر سے منصوب نہیں اور قَيِّمًا کو تاکید کے لیے لایا گیا ہے، یہ استدراک نہیں۔

قوله: الْكَافِرِيْنَ: مفعول اوّل کو اکتفاء کی وجہ سے قرینے کی دلالت کے سبب حذف کیا ہے۔

قوله: مِنَ الْجُمْلَةِ الْكَافِرِيْنَ: اس کو خصوصاً ذکر کیا اور انذار کو دوبارہ لائے کیونکہ ان کا کفر بھی سخت تھا۔

قوله: مِنْ عِلْمٍ: کیونکہ وہ لوگ جھوٹے، توہم پرست یا تقلید جاہلانہ سے کہتے تھے۔ وہ اب، ابن کو موثر و اثر کے معنی میں لیتے تھے۔

قوله: عَظُمَتْ: یعنی کفر میں بہت بڑی بات تھی اس لیے کہ اس میں تشبیہ پائی جاتی تھی۔

قوله: كَلِمَةً تَمْيِيْزٌ: لکلمۃ یہ تمیز ہے فاعل نہیں۔

قوله: مَخْصُوْصٌ بِالذَّمِّ: یہ ذم کے معنی میں ہے یعنی ساء کا معنی دے رہا ہے۔ کلمہ تمیز مفعولا ہی بنتا ہے۔

قوله: مقولا: یہ موصوف ہے کذبا اس کی صفت ہے۔

قوله: بَعْدَهُمْ: اثار سے مراد نشانہائے قدم نہیں آپ کے ہاں سے جانے کے بعد نہ کہ موت کے بعد۔

قوله: نَصَبُهُ عَلَى الْمَفْعُوْلِ: اسفا یہ مفعول لہ ہے حالیہ نہیں۔

قوله: نَاظِرِيْنَ: تا کہ اس کو دیکھ کر اس کی قدرت و علم کا پتہ چلے۔

قوله: فُتَاتًا: ریزہ ریزہ ملائم مٹی۔ الجزء کاٹنا۔

قوله: اَظَنَنْتَ: اس سے اشارہ کہ یہ حَسِبْتَ حساب کے معنی میں نہیں ظن کے معنی میں ہے۔

قوله: جُمْلَةِ: اس سے اشارہ ہے کہ مِن تبعیضہ ہے، بیانیہ نہیں۔

قوله: رَحْمَةً: اس سے وہ رحمت مراد ہے جو مغفرت و رزق اور اعداء سے حفاظت پر مشتمل ہو۔

قوله: اَمْرِنَا: اس سے مفارقت وطن مراد ہے۔

قوله: عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ: اس میں مفعول کو حذف کیا یعنی ہم نے ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا۔

قوله: اَنَمْنَاهُمْ: اس سے اشارہ کر رہے ہیں کہ ان کو ایسی نیند سلا دیا کہ آوازیں ان کو جگا نہ سکیں۔

قوله: اَيْقَظْنَاهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ بعث یہاں زندہ کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ بیدار کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ: اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز سے متعلق ذاتی ہے۔ یہاں علم کے ساتھ مشاہدہ کی قید لگائی۔

قوله: اَحْصٰى: یہ فعل ماضی ہے اسم تفضیل نہیں۔

قوله: لِلَبِثِهِمْ: اس سے اشارہ ہے کہ ما مصدریہ ہے اور امدًا سے حال ہے یہ احصی سے متعلق نہیں۔

قوله: اَمَدًا: یہ احصی کا مفعول ہے۔

تفسیر مقبولین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝

سورہ کہف کو اللہ تعالیٰ نے حمد سے شروع فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ انعام اور سورۃ سبا اور سورۃ فاطر بھی اسی سے شروع فرمائی ہیں۔ چونکہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تکذیب کرنے کے لیے مشرکین کو یہ سوال سمجھایا تھا کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ معلوم کرو اور رسالت کی تکذیب قرآن مجید کی تکذیب کو مستلزم ہے اس لیے سورۃ کی ابتداء میں یوں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی نہ اس کے لفظوں میں کوئی خلل ہے اور نہ فصاحت و بلاغت میں کمی اور نہ معنی میں تناقض ہے۔ کجی کی نفی فرما کر قَيِّمًا فرمایا چونکہ یہ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ کا مفعول نہیں ہے اس لیے عِوَجًا ۝ پر سکتہ یا وقف ہونا چاہیے تاکہ قَيِّمًا نفی کے تحت داخل نہ ہو جائے۔ صاحب روایت حضرت حفص ؒ سے جن چار مواقع میں سکتہ مروی ہے ان میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے حضرات قراء کرام نے نقل کیا ہے کہ حضرت حفص ؒ تشریف لے جا رہے تھے کسی اعرابی سے سنا کہ اس نے عِوَجًا ۝ کے بجائے قَيِّمًا پر وقف کر دیا۔ حضرت موصوف نے فرمایا: کیف یکون العوج قیما کہ ٹیڑھی چیز کیسے سیدھی ہوگی؟ اس کے بعد انہوں نے عِوَجًا ۝ پر سکتہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ قال الامام الجزری فی النشر باب السکت علی الساکن قبل الھمز وغیرہ ووجہ السکت فی عوجا قصد بیان ان قیما بعدہ لیس متصلا بما قبلہ فی الاعراب فیکون منصوبا بفعل مضمر تقدیرہ انزلہ قیما فیکون حالا من الھاء فی انزلہ۔

قَيِّمًا، مُسْتَقِيْمًا کے معنی میں ہے جس کا معنی بالکل ٹھیک صحیح ہے، بعض حضرات نے تو اس کا وہی ترجمہ کر دیا جو پہلے جملہ کا تھا یعنی لاخلل فی لفظہ ولا فی معناہ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے احکام میں افراط اور تفریط نہیں ہے صاحب روح المعانی نے دو قول اور لکھے ہیں فراء کا قول ہے کہ قَيِّمًا سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتب سماویہ کی تصدیق کی ہے اور ان کی صحت کی گواہی دی ہے اور ابو مسلم سے نقل کیا ہے کہ قیم کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں

کے مصالح کا کفیل ہے اور وہ سب باتیں بتاتا ہے جن سے بندوں کی معاش و معاد دونوں درست ہو جائیں۔

سورہ کہف کی خصوصیات اور فضائل:

مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد میں حضرت ابوالدرداؓ سے ایک روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا، اور کتب مذکورہ میں حضرت ابوالدرداؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں یہی مضمون سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں یاد کرنے کے متعلق منقول ہے اور مسند احمد میں بروایت حضرت سہل بن معاذؓ یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ کہف کی پہلی اور آخری آیتیں پڑھ لے تو اس کے لیے اس کے قدم سے سر تک ایک نور ہو جاتا ہے اور جو پوری سورت پڑھ لے جو اس کے لیے زمین سے آسمان تک نور ہو جاتا ہے۔

اور حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب مختارہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لے وہ آٹھ روز تک ہر فتنہ سے معصوم رہے گا، اور اگر دجال نکل آئے تو یہ اس کے فتنہ سے بھی معصوم رہے گا۔ {یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں}۔

روح المعانی میں دیلمی سے بروایت حضرت انسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ کہف پوری کی پوری ایک وقت میں نازل ہوئی، اور ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ آئے، جس سے اس کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔

شانِ نزول: امام ابن جریر طبری نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ (مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا اور قریش مکہ اس سے پریشان ہوئے تو) انہوں نے اپنے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ ابن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیجا کہ وہ لوگ کتب سابقہ تورات و انجیل کے عالم ہیں وہ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ علماء یہود نے ان کو بتلایا کہ تم لوگ ان سے تین سوالات کرو، اگر انہوں نے ان کا جواب صحیح دے دیا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، اور یہ نہ کر سکے تو یہ سمجھ لو کہ یہ بات بنانے والے ہیں رسول نہیں۔ ایک تو ان سے ان نوجوانوں کا حال دریافت کرو جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکل گئے تھے ان کا کیا واقعہ ہے، کیونکہ یہ واقعہ عجیبہ ہے، دوسرے ان سے اس شخص کا حال پوچھو جس نے دنیا کی مشرق و مغرب اور تمام زمین کا سفر کیا اس کا کیا واقعہ ہے، تیسرے ان سے روح کے متعلق سوال کرو کہ وہ کیا چیز ہے؟

یہ دونوں قریشی مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن صورت حال لے کر آئے ہیں، علماء یہود کا پورا قصہ سنا دیا، پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ سوالات لے کر حاضر ہوئے، آپ نے سن کر فرمایا کہ میں اس کا جواب کل دوں گا، مگر آپ اس وقت ان شاء اللہ کہنا بھول گئے یہ لوگ لوٹ گئے، اور رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے انتظار میں رہے کہ ان سوالات کا جواب وحی سے بتلا دیا جائے گا، مگر وعدے کے مطابق اگلے دن تک کوئی وحی نہ آئی، بلکہ پندرہ دن اسی حال پر گذر گئے کہ نہ جبرائیل امین آئے نہ کوئی وحی نازل ہوئی، قریش مکہ نے مذاق اڑانا شروع کیا، اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے سخت رنج و غم پہنچا۔

پندرہ دن کے بعد جبرائیل امین سورۃ کہف لے کر نازل ہوئے (جس میں تاخیر وحی کا سبب بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو ان شاء اللہ کہنا چاہیے، اس واقعہ میں چونکہ ایسا نہ ہوا اس پر تنبیہ کرنے

کے لیے وحی میں تاخیر ہوئی، اس سورۃ میں اس معاملہ کے متعلق یہ آیتیں آگے آئیں گی (وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْیءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ) اور اس سورۃ میں نوجوانوں کا واقعہ بھی پورا بتلادیا گیا، جن کو اصحاب کہف کہا جاتا ہے، اور مشرق ومغرب کے سفر کرنے والے ذوالقرنین کے واقعہ کا بھی مفصل بیان آ گیا، اور روح کے سوال کا جواب بھی، (قرطبی ومظہری بحوالہ ابن جریر) (مگر روح کے سوال کا جواب اجمال کے ساتھ دینا مقتضائے حکمت تھا، اس کو سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں علیحدہ کر کے بیان کردیا گیا، اور اسی سبب سے سورۃ کہف کو سورۃ بنی اسرائیل کے بعد رکھا گیا ہے، کذا ذکرہ السیوطی)

قرآنِ کریم ہر کمی وکجی سے پاک ہے:

وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا. لفظ عوج کے معنی کسی قسم کی کجی اور ایک طرف جھکاؤ کے ہیں قرآن کریم اپنے لفظی اور معنوی کلام میں اس سے پاک ہے، نہ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے کسی جگہ ذرہ برابر کمی یا کجی ہوسکتی ہے نہ علم وحکمت کے لحاظ سے، جو مفہوم لفظ: وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ سے ایک منفی صورت میں بتلایا گیا ہے، پھر تاکید کے لیے اسی مضمون کو مثبت طور پر لفظ قیما سے واضح کردیا ہے، کیونکہ قَیِّمًا کے معنے ہیں مستقیما اور مستقیم وہی ہے جس میں کوئی ادنیٰ کجی اور میلان کسی جانب نہ ہو، اور یہاں قیم کے ایک دوسرے معنی بھی ہوسکتے ہیں، یعنی نگران اور محافظ، اس معنی کے لحاظ سے اس لفظ کا مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن کریم جیسا اپنی ذات میں کامل مکمل ہر قسم کی کجی اور افراط وتفریط سے پاک ہے، اسی طرح یہ دوسروں کو بھی استقامت پر رکھنے والا اور بندوں کی تمام مصالح کی حفاظت کرنے والا ہے، اب خلاصہ ان دونوں کا یہ ہوجائے گا کہ قرآن کریم خود بھی کامل ومکمل ہے اور مخلوق خدا کو بھی کامل ومکمل بنانے والا ہے۔ (مظہری)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ ....

مشرکین کی گمراہی پر افسوس نہ کرو:

مشرکین جو آپ سے دور بھاگتے تھے، ایمان نہ لاتے تھے اس پر جو رنج وافسوس آپ کو ہوتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی کر رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے کہ ان پر اتنا رنج نہ کرو، اور جگہ ہے ان پر اتنے غمگین نہ ہو، اور جگہ ہے ان کے ایمان نہ لانے سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کر، یہاں بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو تو اپنی جان کو روگ نہ لگا لے اس قدر غم وغصہ رنج وافسوس نہ کر نہ گھبرا نہ دل تنگ ہو اپنا کام کئے جا۔ تبلیغ میں کوتاہی نہ کر۔ راہ یافتہ اپنا بھلا کریں گے۔ گمراہ اپنا برا کریں گے۔ ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے دنیا فانی ہے اس کی زینت زوال والی ہے آخرت باقی ہے اس کی نعمت دوامی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس دنیا سے اور عورتوں سے بچو بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کا ہی تھا۔ یہ دنیا ختم ہونے والی اور خراب ہونے والی ہے اجڑنے والی اور غارت ہونے والی ہے زمین ہموار صاف رہ جائے گی جس پر کسی قسم کی روئیدگی بھی نہ ہوگی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ کیا لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم غیر آباد بنجر زمین کی طرف پانی کو لے چلتے ہیں اور اس میں سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جسے وہ خود کھاتے ہیں اور ان کے چوپائے بھی۔ کیا پھر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں زمین اور زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے اور اپنے مالک حقیقی کے سامنے پیش ہونے والے ہیں پس تو کچھ بھی ان سے سن انہیں

کیسے ہی حال میں دیکھے مطلق افسوس اور رنج نہ کر۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ....

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم کون تھے:

یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہو رہا ہے کہف غار کو کہتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، چند نوجوان اپنے زمانہ کے بادشاہ اور دیگر کافرین سے اپنی جان اور دین وایمان بچانے کے لیے ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے اس لیے انہیں اصحاب کہف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا واقعہ ان شاء اللہ آئندہ آنے والے دو رکوع میں بیان کیا جائے گا لیکن چونکہ مذکورہ آیت میں (اَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ) فرمایا ہے اس لیے رقیم کا معنی بھی جاننا چاہیے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے یہ حضرت انس صحابیؓ اور حضرت شعبی تابعیؒ سے منقول ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ یہ ایک تختی تھی جو پتھروں سے تراشی ہوئی تھی اس میں اصحاب کہف کا قصہ لکھا ہوا تھا جو غار کے دروازہ پر رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایلہ اور فلسطین کے درمیان وادی کا نام ہے اور اسی وادی میں وہ غار تھا جس میں اصحاب کہف نے پناہ لی تھی، حضرت ابن عباس سے یہ مروی ہے کہ جب ان سے رقیم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں پھر فرمایا کہ میں نے کعب سے پوچھا (جو یہودیوں کے عالم تھے انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا) کیا رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں سے یہ حضرات نکلے تھے۔ صاحب روح المعانی (ص ۹۰، ج ۱۵) فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ اصحاب الکہف والرقیم کا مصداق ایک ہی جماعت ہے پھر ایک قول نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم الگ الگ دو جماعتیں تھیں لیکن اس قول کی انہوں نے تائید نہیں کی اور اصحاب رقیم کے بارے میں احادیث صحیحہ ملتی بھی نہیں ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اصحاب کہف کا زمانہ:

اصحاب کہف کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (صفحہ ۱۱۱ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ لوگ دقیانوس بادشاہ کے زمانہ میں تھے اور بادشاہوں کی اولاد سے تھے ایک دن ایسا ہوا کہ عید کے موقع پر اپنی قوم کے ساتھ جمع ہونے کا اتفاق پڑ گیا انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کو سجدہ کر رہی ہے اور بتوں کی تعظیم میں مشغول ہے ان کا یہ حال دیکھ کر ان سے نفرت ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے پردے اٹھا دیئے اور ان کے دلوں میں ہدایت ڈال دی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ صحیح دین پر نہیں ہیں لہٰذا انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنا دین بنا لیا چونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ان لوگوں میں رہیں گے تو یہ ہمیں دین توحید پر نہیں رہنے دیں گے اس لیے انہوں نے غار میں پناہ لے لی، ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا وہ ان کے دروازہ پر بیٹھا رہتا تھا۔

اللہ جل شانہ نے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کا تعجب دور فرمایا اور فرمایا کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے یہ کوئی عجیب چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر دوسری عجائبات اور آیات موجود ہیں مثلاً آسمان و زمین کو پیدا فرمانا وغیرہ ذلک یہ چیزیں بالکل معدوم تھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا اصحاب کہف کے قصہ میں اتنی

بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدت دراز تک سلا دیا ان کے جسم نہیں گلے۔ مخالفین ان کے واقعہ کو تو تعجب کی چیز سمجھتے ہیں اور اسی لیے آپ سے سوال کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر جو تعجب کی چیزیں ہیں ان میں غور نہیں کرتے اللہ تعالیٰ شانہ نے اَمْ حَسِبْتَ فرما کر آپ کو مخاطب فرمایا اور اسی کے ذیل میں دوسروں سے بھی خطاب ہو گیا اور ان کو بھی بتا دیا کہ یہ قصہ گو عجیب ہے لیکن اس سے بڑھ کر جو عجیب چیزیں ہیں ان کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی عجیب نہیں ہے۔

اصحاب کہف کا غار میں داخل ہونا:

اس کے بعد اصحاب کہف کے واقعہ کا بیان شروع فرمایا ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ نوجوانوں کی جماعت نے کہف میں ٹھکانہ پکڑا اور ٹھکانہ پکڑتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں دعا کی رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً (اے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما) وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۝۱۰ (اور ہمارے لیے ہمارے کام میں اچھی صورت حال مہیا کر دیجیے) سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور وہ جس پر فضل فرمانا چاہے ہر جگہ فضل فرما سکتا ہے کوئی شخص جہاں بھی ہو، جس حال میں ہو، تنہا ہو، با جماعت ہو، آبادی میں ہو یا جنگل میں، پہاڑ میں ہو یا غار میں، اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہے اس کے دین و ایمان کو بھی سالم رکھ سکتا ہے اور اس کے تمام حالات کو بھی درست فرما سکتا ہے، چونکہ اصحاب کہف اپنی قوم کو کفر و شرک میں مبتلا دیکھ کر فرار ہوئے تھے اور اس علاقہ میں غلبہ کافروں ہی کا تھا اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رحمت کی اور خیر و خوبی کی اور اچھی صورت حال کی دعا کی، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی کافروں سے محفوظ فرما دیا اور اسی غار میں انہیں سلا دیا جس میں انہوں نے پناہ لی تھی اور وہ اس میں اتنی مدت دراز تک سوئے اور سو کر اٹھنے کے بعد آپس میں یوں سوال کرنے لگے کہ بھئی اس غار میں آپ لوگ کتنے دن ٹھہرے ہیں؟ اسی کو فرمایا: ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا۝۱۲ (پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کونسا گروہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے۔)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلے گروہ سے انہیں میں سے وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے سوال کیا کہ کتنے دن رہے اور دوسرے گروہ سے ان کی وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے جواب میں یوں کہا: (رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ) (تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنے دن ٹھہرے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک گروہ سے اصحاب کہف اور دوسرے گروہ سے بادشاہ مراد ہیں جو اس طویل مدت میں (جس میں یہ حضرات سوتے رہے) یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ (ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۲۱۲ ج ۱۵)

اللہ جل شانہ نے اصحاب کہف پر جو نیند مسلط فرما دی تھی اسے فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ سے تعبیر فرمایا انسان سوتا تو ہے آنکھوں سے لیکن گہری نیند وہ ہوتی ہے جبکہ سونے والا آواز سن کر بھی بیدار نہ ہو سکے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: والمراد انمناهم انامة ثقيلة لا تنبههم فيها الاصوات بان يجعل الضراب على الاذان كناية عن الانامة الثقيلة۔

نَحْنُ نَقُصُّ نَقْرَأُ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ بِالصِّدْقِ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى۝۱۳ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى

قُلُوْبِهِمْ قَوَّيْنَاهَا عَلٰى قَوْلِ الْحَقِّ اِذْ قَامُوْا بَيْنَ يَدَى مَلِكِهِمْ وَقَدْ اَمَرَهُمْ بِالسُّجُوْدِ لِلْاَصْنَامِ فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖٓ غَيْرِهٖ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ اَىْ قَوْلًا ذَا شَطَطٍ اَىْ اِفْرَاطٍ فِى الْكُفْرِ اِنْ دَعَوْنَا اِلٰهًا غَيْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَرْضًا هٰٓؤُلَآءِ مُبْتَدَأٌ قَوْمُنَا عَطْفُ بَيَانٍ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا هَلَّا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ عَلٰى عِبَادَتِهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ بِحُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ فَمَنْ اَظْلَمُ اَىْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ اِلَيْهِ تَعَالٰى قَالَ بَعْضُ الْفِتْيَةِ لِبَعْضٍ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَفَتْحِ الْفَاءِ وَبِالْعَكْسِ مَا تَرْتَفِقُوْنَ بِهٖ مِنْ غَدَاءٍ وَعَشَاءٍ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ تَمِيْلُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ نَاحِيَتِهٖ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ تَتْرُكُهُمْ وَتَتَجَاوَزُ عَنْهُمْ فَلَا تُصِيْبُهُمْ الْبَتَّةَ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ مُتَّسِعٍ مِنَ الْكَهْفِ يَنَالُهُمْ بَرْدُ الرِّيْحِ وَنَسِيْمُهَا ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ
دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ ع ٢ ٥ ١٢

ترجمہ: اور ہم سنا دیں آپ کو ان کا تحقیقی (صحیح) حال وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے ہم نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا تھا اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے (حق بات پر ان کو ثابت قدم کر دیا تھا) جب کہ وہ کھڑے ہو گئے (اپنے بادشاہ کے سامنے جب بادشاہ نے ان کو بت پرستی پر مجبور کرنا چاہا) اور کہنے لگے ہمارے پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے اس کے سوا (اس کو چھوڑ کر) کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں ہیں اگر ایسا کریں گے تو بڑی ہی بے جا بات ہوگی (بیکار بات یعنی کفر میں حد سے بڑھی ہوئی ہوگی اگر بالفرض ہم اللہ کے علاوہ اور کسی کی بندگی کرنے لگیں) یہ (مبتدا ہے) ہماری قوم کے لوگ ہیں (عطف بیان ہے) جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں وہ اگر معبود ہیں تو یہ لوگ اس کے لیے (ان کی بندگی پر) کوئی روشن دلیل (کھلی حجت) کیوں نہیں پیش کرتے؟ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے (اللہ کی طرف شریک کی نسبت کر کے، پھر بعض نوجوان ایک دوسرے سے کہنے لگے) جب تم لوگوں نے ان سے، اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان سے کنارہ کشی کر لی ہے تو چاہیے کہ غار میں چل کر پناہ لیں تم پر تمہارا پروردگار میم کے کسرہ اور ف کے فتح کے ساتھ اور اسکے برعکس بھی آیا ہے، یعنی صبح یا شام جو کچھ تم کھاؤ گے وہ مہیا کر دے گا) اور جب دھوپ نکلتی ہے تو تم دیکھو گے کہ وہ اٹھی رہتی ہے (تزاور تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی بچی رہتی ہے) اس غار سے داہنی جانب (سمت) اور جب سورج ڈوبے تو بائیں جانب ہٹی رہتی ہے ان سے بچ کر اور کنی کاٹ کر غرضیکہ ان پر کسی وقت بھی دھوپ نہیں پڑتی) اور وہ لوگ اس غار کی ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں (جو غار میں وسیع اور فراخ حصہ ہے جس میں انہیں تازہ اور ٹھنڈی ہوا لگتی رہتی ہے) یہ (باتیں) اللہ

کی نشانیوں میں سے ہیں (دلائل قدرت ہیں) جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کردے تو تم کسی کو اس کے لیے کارساز راہ بتانے والا نہیں پاؤ گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: قَوْلًا : اس سے اشارہ ہے کہ شَطَطًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ منصوب ہے اور ذا کو اس لیے مقدر مانا تاکہ ماقبل سے جوڑ پیدا ہو۔ ذَا شَطَطٍ دوری والا۔

قوله: عَطْفُ بَيَانٍ : يعني قَوْمُنَا یہ عطف بیان ہے خبر نہیں بلکہ اتَّخَذُوا خبر ہے هٰٓؤُلَآءِ مبتداء کی۔

قوله: لَوْلَا : یہاں لَوْلَا یہ تحضیض کے لیے هَلَّا کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: لِبَعْضٍ : اس سے اشارہ کیا کہ یہ بات انہوں نے آپس میں کی نہ کہ کفار کے ساتھ۔

قوله: مَاتَرْتَفِقُوْنَ : اس سے اشارہ کیا کہ مِرْفَقًا مصدر یہ مفعول کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: نَاحِيَتِهٖ : اس سے ذات مؤنث کے لانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے کہ مضاف مؤنث ہے۔ غار کی دائیں بائیں طرف مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ....

اصحابِ کہف کا تفصیلی واقعہ:

جیسا کہ ماقبل میں ہم نے ذکر کیا کہ یہ چند نوجوان اپنی بت پرست قوم سے بھاگ نکلے تھے ان کا مقصود اپنا ایمان بچانا تھا اور جان بچانا بھی پیش نظر تھا کیونکہ وہاں جو بادشاہ تھا وہ اہل ایمان کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور جو شخص انکار کرے اسے قتل کر دیتا تھا۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ نوجوان روم کے بادشاہ اور سرداروں کی اولاد میں سے تھے اس زمانہ کا بادشاہ جس کا نام دقیانوس تھا ظالم آدمی تھا اور وہ لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دیتا تھا جب یہ نوجوان تہوار کے موقع پر اپنے اپنے خاندان کے ساتھ نکلے تو بت پرستی کا ماحول اور ماجرا دیکھ کر ان کے قلوب میں بہت زیادہ ناگواری کی شان پیدا ہوگئی اور وہاں سے بھاگ نکلے ہر شخص علیحدہ علیحدہ فرار ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ سب ایک جگہ اکٹھے ہوگئے پہلے ایک شخص ایک درخت کے سایہ میں آکر بیٹھا اور پھر دوسرا اور تیسرا آیا اور آتے چلے گئے قلوب کی وحدت ایمانیہ نے بہ مصداق الجنس یمیل الی الجنس سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

اصحاب کہف کا ایک جگہ جمع ہونا اور آپس میں متعارف ہو کر باہم گفتگو کرنا:

جمع تو ہو گئے لیکن ایک دوسرے سے ڈر بھی رہے تھے کیونکہ ہر ایک کو ایک دوسرے کے عقیدہ کا پتہ نہ تھا ایسے ہی بیٹھے بٹھائے ان میں سے ایک نے کہا کہ ہر شخص یہ بتائے کہ وہ اپنی قوم سے کیوں جدا ہوا، اور تنہا اکیلا ہو جانا اس نے کیوں گوارا کیا، اس پر ایک شخص بولا کہ میں تو اس لیے قوم سے جدا ہوا ہوں کہ میرے نزدیک میری قوم باطل پر ہے جو غیر اللہ کو سجدہ کر رہی ہے۔ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں کو زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کچھ پیدا کیا، یکے بعد دیگرے دوسرے افراد نے بھی یہی جواب دیا اس پر وہ آپس میں سچے ایمانی بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد بن گئے اور انہوں نے مل کر ایک عبادت خانہ تجویز کر لیا جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جب ان کی قوم کو صورت حال کا علم ہوا تو بادشاہ کو بات پہنچا دی بادشاہ نے ان کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے اور کیا دین ہے اللہ جل شانہ نے ان کے دل مضبوط کر دیئے اور انہوں نے بغیر کسی خوف وخطر کے نڈر ہو کر اپنا عقیدہ توحید بیان کر دیا، اور بادشاہ کو بھی توحید کی دعوت دی، بادشاہ نے ان کی دعوت توحید قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا اور ان کا لباس اتر وا دیا۔ جو وہ عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے اور انہیں مہلت دیدی کہ تم غور کر لو اور اپنی قوم کے دین میں واپس آ جاؤ۔

بادشاہ کو اور پوری قوم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا:

یہ مہلت ملنا ان کے لیے مبارک ہوا، اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور موقع پا کر فرار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کا دل بھی مضبوط کر دیا تھا انہوں نے بادشاہ کو توحید کی دعوت دی اور توحید کی دلیل بھی بتا دی کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے، اس میں یہ بتا دیا کہ خالق کائنات جل مجدہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا عقلمندی کے خلاف ہے اور ساتھ ہی لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا بھی کہہ دیا یعنی ہم ہرگز کبھی اپنے رب کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اور مزید یوں کہا: لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا۝ (اگر بالفرض ہم اپنے رب کے سوا کسی کو معبود بنائیں تو یہ تو بڑے ظلم اور زیادتی کی بات ہوگی) آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ جو ہماری قوم کے لوگ ہیں انہوں نے خالق اور مالک جل مجدہ کے علاوہ دوسرے معبود بنا لیے ہیں ان کے پاس اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اگر ہے تو کوئی واضح دلیل بیان کر دیں۔ جب کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کا عقیدہ اور عمل اور قول ظلم ہی ظلم ہے چونکہ مشرکین یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل سے راضی ہے اس لیے ان نوجوانوں نے یہ بھی کہا: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۝ (کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔)

باہمی مشورہ کر کے غار میں داخل ہو جانا:

اصحاب کہف جب اپنی قوم سے جدا ہوئے اور ان لوگوں کو چھوڑ کر بالکل علیحدہ ہو گئے تو آپس میں کہنے لگے کہ تم نے اپنی قوم کو چھوڑا ان کے باطل معبودوں سے گریز کیا اور یہ معلوم ہے کہ دوبارہ انہیں میں واپس ہونے اور اپنے گھروں کو لوٹنے میں خیر نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ پھر اپنا دین اختیار کرنے پر مجبور کریں گے لہٰذا اب ہمیں کسی غار میں ٹھکانہ پکڑ لینا چاہیے، آپس میں مشورہ سے یہ بات طے تو ہوئی لیکن انسانی ضروریات کا سوال بھی پیش نظر تھا کہ غار میں رہیں گے تو کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا کیا بنے گا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لیے آپس میں یوں کہنے لگے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھنی چاہیے

ان شاء اللہ تعالیٰ ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا اور وہ ہم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور جس مقصد خیر یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کے لیے نکلے ہیں اس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دے گا، باہمی مشورہ سے غار میں جانا طے ہوا اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ لی اور غار میں داخل ہو گئے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ ....

غار کی کیفیت، سورج کا کترا کر جانا کتے کا ہاتھ بچھا کر بیٹھا رہنا:

ان آیات میں اصحاب کہف کی حالت کا بیان فرمایا ہے جو غار میں داخل ہونے کے بعد پیش آئی، یہ لوگ غار کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پہنچ کر لیٹ گئے، اس غار کی جائے وقوع اس طرح سے تھی کہ روزانہ سورج مشرق سے نکلتا اور مغرب میں چھپ جاتا تھا لیکن اس کی دھوپ ان پر نہیں پڑتی تھی جب سورج نکل کر چڑھتا تھا اور دھوپ پھیلتی تھی تو غار کی داہنی جانب سے اس طرح ہٹی ہوئی رہ جاتی تھی کہ اس کے دروازہ تک نہ پہنچتی تھی اور جب سورج چھپنے لگتا تھا تو اس وقت جو تھوڑی بہت دھوپ ہوتی ہے وہ غار کی بائیں جانب رہ جاتی تھی یعنی اس وقت بھی دروازہ پر دھوپ نہ پڑتی تھی۔ اصحاب کہف کے اندر رہنے کی کیفیت بتا کر ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اپنی قوم سے جدا ہونے میں انہوں نے ہمت اور جرأت سے کام لیا پھر اللہ کے توکل پر غار میں داخل ہو گئے اور اللہ سے رحمت کی امید باندھ لی اور اللہ کی طرف سے آسانی حاصل ہونے کی آرزو کرتے ہوئے غار میں چلے گئے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس نے دل بھی پکا کیا ہمت بھی دی مخلوق سے کٹنے کا حوصلہ بھی دیا انہوں نے اسباب ظاہرہ پر نظر نہ کی، اپنے مولائے حقیقی پر توکل کر کے غار میں داخل ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں غار بھی وہ نصیب فرمایا جس میں دھوپ کا گزر ہی نہ تھا اگر دھوپ پڑتی تو اس سے تکلیف پہنچنے اور گرمی سے پریشان ہونے کا اندیشہ تھا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے) وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ (اور اللہ جسے گمراہ کر دے، تو اے مخاطب تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہ پائے گا) اس میں ایک طرف تو اصحاب کہف کی ہدایت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مشرک قوم میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور دوسری طرف یہود مدینہ اور مشرکین مکہ کی بے راہی کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اصحاب کہف کے بارے میں معلوم کیا اور جب آپ نے انہیں بتا دیا پھر بھی ایمان نہ لائے،

وَتَحْسَبُهُمْ لَوْ رَأَيْتَهُمْ أَيْقَاظًا أَيْ مُنْتَبِهِيْنَ لِأَنَّ أَعْيُنَهُمْ مُفَتَّحَةٌ جَمْعُ يَقِظٍ بِكَسْرِ الْقَافِ وَّهُمْ رُقُوْدٌ نِيَامٌ جَمْعُ رَاقِدٍ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ لِئَلَّا تَأْكُلَ الْأَرْضُ لُحُوْمَهُمْ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ يَدَيْهِ بِالْوَصِيْدِ بِفِنَاءِ الْكَهْفِ وَكَانُوْا إِذَا انْقَلَبُوْا انْقَلَبَ وَهُوَ مِثْلُهُمْ فِي النَّوْمِ وَالْيَقْظَةِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا مَنَعَهُمُ اللّٰهُ بِالرُّعْبِ مِنْ دُخُوْلِ أَحَدٍ عَلَيْهِمْ وَكَذٰلِكَ كَمَا فَعَلْنَا بِهِمْ مَا ذَكَرْنَا بَعَثْنٰهُمْ أَيْقَظْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ

عَنْ حَالِهِمْ وَمُدَّةِ لُبْثِهِمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ لِاَنَّهُمْ دَخَلُوا الْكَهْفَ
عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَبُعِثُوْا عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَظَنُّوْا اَنَّهُ غُرُوْبُ يَوْمِ الدُّخُوْلِ ثُمَّ قَالُوْا مُتَوَقِّفِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ رَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ بِسُكُوْنِ الرَّاءِ وَكَسْرِهَا بِفِضَّتِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ يُقَالُ اِنَّهَا
الْمُسَمَّاةُ الْاٰنَ طَرَطُوْس بِفَتْحِ الرَّاءِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا اَيْ اَطْعِمَةِ الْمَدِيْنَةِ اَحَلُّ فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ
وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا يطلعوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجْمِ اَوْ
يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَيْ اِنْ عُدْتُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ اَبَدًا ۝ وَكَذٰلِكَ كَمَا بَعَثْنَاهُمْ اَعْثَرْنَا اَطْلَعْنَا
عَلَيْهِمْ قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِيْنَ لِيَعْلَمُوْٓا اَيْ قَوْمُهُمْ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ بِطَرِيْقِ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنَامَتِهِمْ
الْمُدَّةَ الطَّوِيْلَةَ وَاِبْقَائِهِمْ عَلٰى حَالِهِمْ بِلَا غِذَاءٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهَا ۚ
اِذْ مَعْمُوْلٌ لِاَعْثَرْنَا يَتَنَازَعُوْنَ اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكُفَّارُ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ اَمْرَ الْفِتْيَةِ فِي الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ فَقَالُوْا
اَيِ الْكُفَّارُ ابْنُوْا عَلَيْهِمْ اَيْ حَوْلَهُمْ بُنْيَانًا ۖ يَسْتُرُهُمْ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۖ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ اَمْرِ
الْفِتْيَةِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ حَوْلَهُمْ مَّسْجِدًا ۝ يُصَلّٰى فِيْهِ وَفَعَلَ ذٰلِكَ عَلٰى بَابِ الْكَهْفِ
سَيَقُوْلُوْنَ اَيِ الْمُتَنَازِعُوْنَ فِيْ عَدَدِ الْفِتْيَةِ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ هُمْ
ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ اَيْ بَعْضُهُمْ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ وَالْقَوْلَانِ لِنَصَارٰى نَجْرَانَ رَجْمًا
بِالْغَيْبِ ۚ اَيْ ظَنًّا فِي الْغَيْبَةِ عَنْهُمْ وَهُوَ رَاجِعٌ اِلَى الْقَوْلَيْنِ مَعًا وَنَصَبُهٗ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لَهٗ اَيْ لِظَنِّهِمْ ذٰلِكَ وَ
يَقُوْلُوْنَ اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۖ الْجُمْلَةُ مِنْ مُّبْتَدَاٍ وَّخَبَرٍ صِفَةُ سَبْعَةٍ بِزِيَادَةِ الْوَاوِ وَقِيْلَ
تَاكِيْدٌ اَوْ دَلَالَةٌ عَلٰى لُصُوْقِ الصِّفَةِ بِالْمَوْصُوْفِ وَوَصْفُ الْاَوَّلَيْنِ بِالرَّجْمِ دُوْنَ الثَّالِثِ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ
مَرْضِيٌّ وَصَحِيْحٌ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَا مِنَ
الْقَلِيْلِ وَذَكَرَهُمْ سَبْعَةً فَلَا تُمَارِ تُجَادِلْ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْكَ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ
ع ۳ ۵ ۱۵ تَطْلُبِ الْفُتْيَا مِّنْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدِ اَحَدًا ۝

ترجمہ: اور تم (انہیں دیکھو تو) خیال کرو وہ سو رہے ہیں (نیند میں ہیں، رقود، راقد کی جمع ہے) ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ دیتے رہتے ہیں (تاکہ زمین کے اثر سے ان کا گوشت گل نہ جائے) اور ان کا کتا چوکھٹ کی جگہ اپنے دونوں

بازو (ہاتھ) پھیلائے بیٹھا ہی صحن غار میں، اور اصحاب کہف جب کروٹ بدلتے ہیں تو کتا بھی الٹی پلٹی لیتا ہے سونے اور جاگنے میں بھی کتے کا حال اصحاب کہف کی طرح ہے) تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر ان کی دہشت چھا جاتی (ملئت تخفیف وتشدید دونوں طرح ہے رعبا کو عین کے سکون اور ضمہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، اس طرح اللہ نے ہیبت پیدا کر کے ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روک دیا ہے) اور اسی طرح (جیسے اصحاب کہف کے ساتھ مذکورہ بالا کارروائی کی) ہم نے پھر اٹھا کھڑا کیا (جگا دیا) تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے (اپنے حالات اور وہاں ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں) پوچھ گچھ کر سکیں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنی دیر تک رہے ہوں گے؟ کچھ نے کہا ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے (کیونکہ یہ لوگ غار میں دن نکلے داخل ہوئے تھے اور دن چھپے جاگ اٹھے، اس لیے یہ سمجھے کہ یہ وہی دن ہے پھر) دوسرے کہنے لگے (غور وفکر کرتے ہوئے) یہ تو تمہارے خدا ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے، اچھا اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ رقم دے کر (ورق راء کے سکون اور کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی چاندی کا ٹکڑا) شہر کی طرف بھیجو (آج کل اس شہر کا نام طرطوس راء کے فتحہ کے ساتھ ہے) پھر دیکھے کونسا کھانا ستھرا ہے (یعنی شہر میں کہاں حلال کھانا میسر آ سکتا ہے) سولائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا اور نرمی سے جائے اور جتانہ دے تمہاری خبر کسی کو وہ لوگ اگر خبر پالیں گے تمہاری (تم پر مطلع ہو جائیں گے تو تمہیں پتھروں سے مار ڈالیں گے (سنگسار کر دیں گے تم کو) یا لوٹا لیں گے تم کو اپنے دین میں اگر ایسا ہوا (کہ تم نے پھر ان کا طریقہ اختیار کر لیا) تو پھر کبھی تم فلاح نہ پاسکو گے اور اسی طرح (جیسے انہیں جگایا) انہیں ہم نے واقف (باخبر) کیا ان کے (قوم اور ایمان والوں کے) حال سے تا کہ یقین کر لیں (ان کی قوم کے لوگ) کہ (قیامت کے بارے میں) اللہ کا وعدہ سچا ہے (کیونکہ جو ذات تنی لمبی مدت تک سلا سکتی ہے اور جوں کا توں بغیر غذا کے اپنی حالت پر برقرار رکھ سکتی ہے وہ ضرور مردوں کو جلا سکتی ہے) اور یہ کہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں! اسی وقت کی بات ہے (اذ یہاں اعثرنا کا معمول ہے) کہ لوگ (مؤمن وکافر) ان کے بارے میں آپس میں بحث کرنے لگے (کہ ان نوجوان کی یادگار میں یہاں ایک تعمیر ہونی چاہئے) کچھ لوگوں (کافروں) نے کہا اس غار پر ایک عمارت بنا ڈالو (جو ان پر سایہ فگن رہے) ان کا پروردگار ہی ان کی حالت کو خوب جانتا ہے تب ان لوگوں نے کہ معاملات میں غالب تھے (یعنی جو اہل ایمان ان نوجوانوں کے معاملات میں غالب تھے) ٹھیک ہے ہم ضرور ان کی جگہ (ان کی چاروں طرف) ایک مسجد بنائیں گے (جس میں لوگ عبادت کیا کریں گے چنانچہ پہاڑ کے دہانے پر ایسی مسجد بنا ڈالی) کچھ لوگ کہیں گے (نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جو لوگ اصحاب کہف کے بارے میں اختلاف کرنے والے تھے وہ آپس میں کہیں گے کہ) غار والے تین آدمی تھے چوتھا ان کا کتا تھا کچھ لوگ (آپس میں) ایسے بھی کہتے ہیں کہ نہیں پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا) یہ دونوں قول نصاریٰ نجران کے تھے) یہ اٹکل کا تیر چلانا ہے (اس جگہ سے غائب رہنے کے باوجود محض گمان سے کہتے ہیں۔ اس جملہ کا تعلق مذکورہ دونوں رایوں سے ہے اور لفظ رجما مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے لظنہم، ذالک کے معنی میں ہے) لیکن بعض (مسلمانوں) کا کہنا ہے یہ سات تھے اور آٹھواں انکا کتا تھا (یہ جملہ مبتدا اور خبر ہے اور واؤ زائد کے ساتھ لفظ سبعہ کی صفت ہے اور بعض کا کہنا کہ صفت اور موصوف میں ربط پیدا کرنے کیلئے واؤ زائد کی گئی ہے اور صرف پہلے دونوں قولوں کے متعلق رجما بالغیب کہنا اور تیسرے قول کے بارے میں نہ کہنا اس تیسرے قول کے قول مختار اور صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے) آپ

کہہ دیجئے انکی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال تو بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں بھی ان تھوڑے سے لوگوں میں ہوں اور فرمایا کہ ان کی تعداد سات تھی) اور آپ اس سرسری بحث کے علاوہ (جو آپ پر نازل کی گئی ہے) لوگوں سے زیادہ بحث (نزاع) نہ کیجئے اور نہ (اہل کتاب یہود میں سے) کسی سے اس بارے میں دریافت کیجئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَوْرأَيْتَ: اس کو مقدر اس لیے مانا تا کہ کلام اللہ میں کذب لازم نہ آئے کیونکہ مضارع تو مستقبل میں تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: يَقِظٍ: یہ یقظ کی جمع نہیں بلکہ مصدر ہے۔

قوله: جَمْعُ رَاقِدٍ: یعنی رقود جمع ہے مصدر نہیں۔

قوله: فِرَارًا: اس میں مصدر ہونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ اس میں تولیت (پلٹنے) کا معنی ہے اور علت اور حال کا بھی اور ملعت ملأصدرک خوفا سے لیا گیا ہے۔ اس کا لام مخفف اور مشدد دونوں طرح آتا ہے۔

قوله: رُعْبًا: یہ خوف کے معنی میں ہے۔

قوله: مُدَّةِ لُبثِ: تا کہ یہ ہماری کمال قدرت کی نشانی بن جائے۔

قوله: وَلْيَتَلَطَّفْ: اس سے اشارہ کیا کہ معاملہ کی نرمی میں تکلف سے کام لے تا کہ دھوکہ کا شکار نہ ہو یا اپنے چھپنے رہنے میں تکلف سے کام لے۔

قوله: أَوْ يُعِيدُوكُمْ: یہاں عود بمعنی صیرورت ہے رجوع کے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: إِنْ عُدْتُمْ: ان یہاں اس کے شرط ہونیکی دلیل ہے۔

قوله: مَعْمُوْلٌ لِاَعْثَرْنَا: یعنی إِذْ یہ اعثرنا کا معمول ہے نہ کہ قریب کا۔

قوله: اَلْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ: یعنی جب اللہ نے ان کو دوسری مرتبہ موت دے دی تو بعض نے کہا کہ وہ فوت ہو گئے تو دوسروں نے کہا کہ وہ سو گئے۔ مومنوں نے کہا کہ ان کے قریب ہم مسجد بنائیں گے۔

قوله: رَبُّهُمْ اَعْلَمُ: یہ جملہ معترضہ ہے جس میں ان کے معاملے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جھگڑنے والوں یا زیادہ ٹوہ لگانے والوں کے رد میں یہ بات ارشاد فرمائی۔

قوله: يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ یہ تمام جھگڑنے والوں کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے جو بعض کے لفظ کے لحاظ سے مجاز ہے اور جمع کے لحاظ سے درست ہے۔

قوله: هُمْ: یہ مبتداء محذوف ہے اور ثَلٰثَةٌ اس کی خبر ہے اور رجم یہاں ظن کے معنی میں ہے۔

قوله: نَصَبُهٗ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لَهٗ: اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ فعل محذوف کا مصدر نہیں ہے۔

قوله: بِزِيَادَةِ الْوَاوِ :اس سے اشارہ کیا کہ واؤ زائدہ ہے تاکید کے لیے نہیں ہے۔
قوله: الصِّفَةِ بِالْمَوْصُوْفِ : موصوف کو صفت کے ساتھ لگانے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ یہ بات پختہ ہے اور وہ لوگ جنہوں نے سبعة و ثامنهم کہا ہے وہ پختہ علم کے ساتھ کہا۔
قوله: وَذِكْرِهِمْ :اس سے اشارہ کیا کہ قلیل سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سبعة و ثامنهم كلبهم والاقول کیا ہے۔
قوله: تُجَادِلُ :اس سے اشارہ کر دیا کہ مریہ یہاں شک کے معنی میں نہیں بلکہ جدال کے معنی میں ہے۔
قوله: مِنْهُمْ :اس سے سوال استرشاد مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ ....

اس کے بعد اصحاب کہف کے بقیہ احوال بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا: وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ، اے مخاطب اگر تو ان جوانوں کے کہف میں ہونے کے زمانہ میں ان پر نظر ڈالتا تو ان کے بارے میں یہ خیال کرتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ گو وہ سو رہے تھے لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آنکھیں تو بند تھیں لیکن جسموں پر کوئی نیند کا اثر نہیں تھا۔ یعنی سونے کی وجہ سے جو اعضاء میں فتور اور ڈھیلا پن آجاتا ہے ان میں سے کوئی چیز ظاہر نہ تھی۔

اصحاب کہف کی دوسری حالت اور کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ (اور ہم انہیں پلٹ رہے تھے داہنی جانب اور بائیں جانب) چونکہ وہ لوگ ایک بہت بڑی مدت تک سوتے رہے اور ان کے جسم زمین ہی سے لگے ہوئے تھے لہٰذا زمین کے اثر سے محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی کروٹیں بدل دیتا تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زمین سے کوئی چیز عرصہ دراز تک لگی رہے (خاص کر گوشت پوست والا جسم) تو وہ اسے کھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ الٹ پلٹ کیے بغیر ان کے اجسام کو محفوظ فرماتا لیکن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی کروٹیں بدلی جاتیں۔ صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۱۰٤ ج ۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو سال میں ایک مرتبہ ایک جانب سے دوسری جانب پلٹ دیا جاتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سال میں دو بار ان کو داہنی جانب سے بائیں جانب اور بائیں جانب سے داہنی جانب پلٹ دیا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کوئی چیز مروی نہیں حضرات صحابہؓ سے جو کروٹیں بدلنے کی مدت کے بارے میں جو کچھ مروی ہے بظاہر اسرائیلی روایات ہیں۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ (اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے ہاتھ بچھائے ہوئے تھا) جب اصحاب کہف غار کی طرف روانہ ہوئے تھے تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ لیا تھا اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف ہی میں سے ایک شخص کا شکاری کتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے طباخ (یعنی باورچی) کا کتا تھا، یہ طباخ بھی اصحاب کہف کا ایک فرد تھا اور اس کا کتا بھی اس کے ساتھ آ گیا تھا اس کتے کے رنگ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، لیکن کسی بات کے بارے میں

کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ اس کے ذکر سے کوئی فائدہ ہے لفظ وصید کا ترجمہ کسی نے دروازہ، اور کسی نے مٹی، اور کسی نے فناء یعنی دروازہ سے باہر کی جگہ اور کسی نے دہلیز یعنی چوکھٹ کیا ہے، چوکھٹ وہاں نہیں تھی لہٰذا اس سے چوکھٹ کی جگہ مراد لی جائے گی۔

(ابن کثیر صفحہ ۷۶ ج ۳، معالم التنزیل صفحہ ۱۵٤ ج ۳)

اس کے بعد فرمایا: لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ (اے مخاطب تو انہیں جھانک کر دیکھ لیتا تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور ان کی وجہ سے تیرے اندر رعب بھر جاتا) ان لوگوں کو دیکھنے سے دل میں رعب سما جانے اور بھاگ کھڑے ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ وہ جس غار میں تھے وہ متوحش غار تھا، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں حالانکہ وہ سو رہے تھے یہ سبب تھا خوف کا اور بعض نے کہا کہ ان کے بال بہت زیادہ تھے اور ناخن بڑھے ہوئے تھے۔

یہ اصحاب کہف کی حفاظت کے انتظامات تھے، ان کی کروٹوں کو بدلنا مٹی سے حفاظت کرنے کے لیے تھا اور ان کے پیچھے کتا بھی لگ لیا تھا جو وہیں دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کتے کی عادت ہے کہ ہر آنے والے اجنبی پر بھونکتا ہے، ظاہری اسباب کے طور پر یہ کتا بھی حفاظت کا ذریعہ بنا اور مزید یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت اور صورتحال پیدا فرما دی کہ اگر کوئی شخص ان کو دیکھتا تو ان کے قریب تک جانے کی ہمت نہ کرتا تھا بلکہ واپس جانے میں ہی اپنی خیر سمجھتا۔

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ....

اصحابِ کہف کا بیدار ہو کر آپس میں اپنی مدت قیام کے بارے میں سوال و جواب کرنا اور اپنے ایک آدمی کو کھانا لانے کے لیے شہر بھیجنا:

اصحاب کہف مدت دراز تک غار میں سوتے رہے پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی تو انہیں جگا دیا ان کا اتنی لمبی مدت تک سلا دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے پھر ان کا جگا دینا۔ قال صاحب الروح و وجه الشبه کون کل منهما آية دالة على كمال قدرته الباهرة عز و جل۔ جب یہ لوگ جاگ گئے تو ان میں سے ایک شخص نے یہ سوال اٹھایا کہ تم یہاں کتنے دن ٹھہرے ہو؟ پھر آپس میں جواب دیا کہ ہاں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں، مطلب یہ تھا کہ ہم یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اندازہ ہے کہ بہت سے بہت ایک دن سوئے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ ایک دن سے بھی کم سوئے ہوں، بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ صبح کو سوئے تھے اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا جیسے دن جا رہا ہو اس لیے ایک یا ایک دن سے کچھ کم سمجھ کر سوال کرنے والے کو جواب دیدیا پھر کہنے لگے کہ بھئی ہم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تمہارے رب کو ہمارے سونے کی صحیح مدت معلوم ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت زیادہ سونے کی وجہ سے جو دماغ میں ایک قسم کا بھاری پن ہوتا ہے وہ اسے محسوس کر رہے تھے اس لیے ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ ایک دن کی مدت والی بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی لہٰذا ہمیں اپنے پاس سے کچھ تجویز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ ان کے بال و ناخن زیادہ بڑھے ہوئے تھے اس لیے یہ محسوس ہوا کہ ہمارا یہ سونا ایک دن کی مدت سے زیادہ تھا۔

اس گفتگو کے بعد کہ کتنے دن سوتے رہے کھانے پینے کا سوال پیدا ہوا، جب انسان سو کر اٹھتا ہے تو عام طور پر بھوک لگی

ہوتی ہے پھر ان کا کیا حال ہوگا جو عرصہ دراز تک سوتے رہے ہوں، کہنے لگے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجو جو شہر میں جائے اور ہمارے پاس جو یہ چاندی کے سکے ہیں ان کو لے جائے اور کھانا لے کر واپس آجائے ذرا اچھی طرح دھیان سے خریدے پاکیزہ اور حلال کھانا لے کر آئے شہر میں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت ملتا ہے اس میں سے نہ لائے اور شہر میں جانے اور کھانا خریدنے میں سمجھداری اور خوش تدبیری سے کام لے اور کسی کو یہ نہ بتائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ جس وقت یہ غار میں داخل ہو کر سوئے تھے اس وقت مشرکوں اور بت پرستوں کی حکومت تھی اور بادشاہ جبراً مشرک بنالیتا تھا اور اہل توحید کو جان سے مارتا اور سزائیں دیتا تھا، ان حضرات نے یہ سمجھ کر کہ شہر میں ابھی اسی دین شرک کا چرچا ہوگا اور بادشاہ بھی وہی بت پرست ہوگا کھانا خریدنے کے لیے جانے والے سے کہا کہ حلال کھانا لانا اور اس کا دھیان رکھنا کہ لوگوں کو ہمارا پتہ نہ چل جائے ورنہ شہر والے ہمیں بری طرح قتل کردیں گے اور سنگسار کردیں گے یا اپنے دین میں واپس کرلیں گے ایمان چھوڑ کر کفر میں چلا جانا سب سے بڑے خسارہ کی بات اور سب سے بڑی ناکامی ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص کسی مؤمن کو کفر پر مجبور کرے اور ظاہری طور پر کفر کا کلمہ کہہ دے تو کافر نہیں ہوجاتا اگر وہ لوگ کفر پر مجبور کرتے اور اصحاب کہف کفر کا کلمہ کہہ دیتے تو حقیقت میں کافر نہ ہوجاتے اور اس سے ناکامی اور تباہی لازم نہیں آتی، جب دل میں ایمان باقی ہے تو اخروی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں لہٰذا انہوں نے وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۝ کیوں کہا؟ احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ محقق نہیں تھے کسی نبی یا کسی فقیہ کی صحبت نہیں اٹھائی تھی لہٰذا انہوں نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ دینے کو بھی تباہی سے تعبیر کیا، یہ سب ان کے اپنے خیال کے مطابق تھا اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت حنظلہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا کہ حنظلہ منافق ہوگیا آپ نے فرمایا کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت دوزخ کی باتیں سناتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے پھر جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور آپ کے بہت سے ارشادات بھول جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہر وقت اسی حالت میں رہو جو میرے پاس تمہاری حالت ہوتی ہے تو تم سے فرشتے بچھونوں میں اور راستوں میں مصافحہ کرتے، لیکن اے حنظلہ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے (یعنی جو تمہاری حالت میرے پاس ہوتی ہے وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتی) جس طرح حضرت حنظلہؓ نے اپنے خیال میں اپنے کو منافق خیال کرلیا اسی طرح اصحاب کہف نے زبان سے کلمہ کفر کہنے کو بھی کفر سمجھ لیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے فلاح کامل مراد ہے اکراہ کے وقت کلمہ کفر زبان سے جاری کرنا جائز ہے اور یہ رخصت ہے، اور عزیمت یہ ہے کہ قتل ہوجائے اور کلمہ کفر زبان پر نہ لائے، اس اعتبار سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ کر جان بچا بھی لی تو عزیمت سے محروم ہوجائیں گے، ادھر تو آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ ہمیں چھپ کر رہنا ہے اور اہل مدینہ کو اپنا حال اور اپنی جگہ نہیں بتانی اور ادھر ان میں سے جو ایک شخص کھانا خریدنے کے لیے رقم لے کر گیا اس نے بازار میں جا کر کچھ خریدا پرانا سکہ دیکھ کر دکاندار حیران پڑ گیا اور لوگوں میں بھی اس کا چرچا شروع ہوگیا، اس عرصہ دراز میں حکومت بدل چکی تھی اور جو شخص بادشاہ تھا وہ مسلمان تھا جب اسے پتہ چلا کہ ایسا ایسا واقعہ ہے تو وہ شہر والوں کے ساتھ سوار ہو کر غار کی طرف چلا وہ ایک شخص جو کھانا لینے کے لیے آیا تھا جس کا نام یملیخا بتایا جاتا ہے وہ جلدی سے غار کے اندر گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو بتادیا کہ بات کھل چکی ہے اور بادشاہ تک پہنچ گئی ہے اور اس وقت جو لوگ شہر میں ہیں وہ مسلمان ہیں یہ تحریر فرما کر علامہ

قرطبی (صفحہ ۳۸۹ ج ۱۰) نے دو روایتیں لکھی ہیں اول یہ کہ اصحاب کہف کو اس کی بہت خوشی ہوئی باہر نکلے بادشاہ سے ملاقات کی بادشاہ نے ان کا اور انہوں نے بادشاہ کا اکرام کیا اور دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ جب یملیخا نے انہیں واقعہ بتایا تو وہ اسی وقت وہیں غار میں مر گئے قرآن کریم میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے جس کسی نے جو کچھ بتایا وہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ دقیانوس بادشاہ مر گیا تھا (جس کے زمانہ میں یہ حضرات کہف میں داخل ہوئے تھے) سینکڑوں سال گزر گئے بادشاہ آتے جاتے رہے آخر میں ایک نیک شخص اس علاقہ کا بادشاہ ہوا اور وہ اور اس کی رعایا اس بات کو تو مانتے تھے کہ موت کے بعد حشر نشر ہے لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ روحیں محشور ہوں گی۔ کیونکہ جسم کو زمین کھا جاتی ہے، ان لوگوں نے جسم کے ساتھ حشر ہونے کو بعید سمجھا اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ جسم اور روح دونوں کو اٹھایا جائے گا بادشاہ کو اس اختلاف سے حیرانی ہوئی اور اصل حقیقت جاننے کے لیے اس نے اتنا اہتمام کیا کہ ٹاٹ کے کپڑے پہن لیے اور راکھ پر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتا رہا کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل مل جائے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ روح اور جسم دونوں کا حشر کوئی مستبعد نہیں، اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اصحاب کہف کو ظاہر فرما دیا بادشاہ نے ان کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو دقیانوس کے زمانہ میں شہر سے چلے گئے تھے میں دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کو دکھا دے جب ان لوگوں کے کئی سو سال سونے کے بعد اٹھ جانے کا واقعہ معلوم ہوا تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت حق ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ میں اس بات کو بتایا ہے کہ جب وہ لوگ اصحاب کہف پر مطلع ہوئے تو انہیں قیامت کا یقین آ گیا اصحاب کہف باہر نکل کر واپس غار میں چلے گئے ہوں اور بعد میں انہیں موت آئی ہو۔ یا یملیخا کی خبر سننے کی وجہ سے وہیں غار میں انہیں موت آ گئی ہو روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

قرآن مجید کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غار ہی میں اندر وفات پا گئے، یہ جو آپس میں جھگڑا ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کے اوپر عمارت بناؤ اور جو غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان کے اوپر مسجد بنا دیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غار میں ہوتے ہوئے ہی اس طرح کا اختلاف ہوا۔ روح المعانی ص ۲۳٤ ج ۱ میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کو ان لوگوں کا پتہ چلا تو اس نے وہاں جا کر ان لوگوں سے ملاقات کی اور دیکھا کہ ان کے چہرے روشن ہیں اور کپڑے بھی خراب نہیں ہیں انہوں نے بادشاہ کو وہ حالات سنائے جو دقیانوس کے زمانہ میں پیش آئے تھے ابھی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اصحاب کہف نے کہا: نستودعک اللہ تعالی والسلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی حفظک اللہ تعالی وحفظ ملکک نعیذک باللہ تعالی من شر الانس والجن (ہم تجھے اللہ کے سپرد کرتے ہیں تجھ پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمت۔ اللہ تیری حفاظت کرے اور تیرے ملک کی بھی حفاظت کرے اور ہم تجھے انسانوں اور جنات کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتے ہیں) یہ کہا اور وہ واپس اندر اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرما دی پھر بادشاہ نے انہیں لکڑی کے تابوتوں میں دفن کر دیا اور غار کے منہ پر مسجد بنا دی، صاحب روح المعانی نے اس کے بعد ایک قول یہ لکھا ہے کہ جب بادشاہ کے پاس اس شخص کو لایا گیا جو غار میں سے کھانا لینے کے لیے آیا تھا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس شہر کا رہنے والا ہوں اور یہ بتایا کہ میں کل ہی شہر سے نکلا تھا اس نے اپنا گھر بھی بتایا اور کچھ لوگوں کے نام بھی بتائے جنہیں کوئی بھی نہ پہچان سکا، بادشاہ نے سن رکھا تھا کہ کچھ لوگ پرانے زمانہ میں روپوش ہو گئے

تھے اور یہ بھی سنا ہوا تھا کہ ان کے نام سرکاری خزانے میں ایک تختی پر لکھے ہوئے رکھے ہیں وہ تختی منگائی اور ان کے نام پڑھے تو وہی نام نکلے جو اصحاب کہف کے نام تھے وہ جو ایک شخص کھانا لینے کے لیے آیا تھا اس کے ساتھ بادشاہ اور چند لوگ چلے جب غار کے دروازہ پر آئے تو وہ نوجوان اندر گیا اور انہیں پوری صورت حال بتادی اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض فرمالیا اور بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اندر داخل نہ ہو سکے لوگوں میں یہ اختلاف ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کے اوپر یعنی غار کے دروازہ پر عمارت بنادی جائے اور وہ جماعت جو ان کے معاملہ میں غالب ہوگئی یعنی بادشاہ اور اس کے ساتھی انہوں نے کہا کہ ہم مسجد بنائیں گے چنانچہ انہوں نے مسجد بنادی یہ مسجد غار کے دروازے پر بنادی گئی تھی چونکہ یہ مسجد دروازہ پر تھی مرنے والوں کی قبروں پر نہیں تھی اور قبروں کی طرف قبلہ بھی نہیں تھا اس لیے یہ اشکال نہیں ہوتا کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت ہے لہٰذا تعمیر مسجد کو کیوں اختیار کیا گیا۔

ایک فریق نے کہا کہ ان پر عمارت بنادو دوسرے فریق نے کہا کہ ہم مسجد بنادیں گے ان دونوں کے درمیان جو لفظ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ آیا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ جملہ معترضہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے ساتھ کیا کیا جائے اس بارے میں دورائیں آرہی تھیں یہ کون لوگ تھے کن خاندانوں سے تھے یہ کن احوال سے گزرے اور کتنے دن غار میں رہے پھر جب ان چیزوں کا صحیح علم نہ ہو سکا اور ان کے حاصل ہونے کا کوئی راستہ بھی نہ ملا تو کہنے لگے کہ اسے اللہ کے سپرد کردو وہ علام الغیوب ہے سب کو جانتا ہے ان کا حال بھی اسی کو صحیح معلوم ہے۔

اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف اور اس کا جواب:

جس طرح اصحاب کہف کی مدت قیام فی الکہف میں اختلاف ہوا کہ وہ کتنے دن رہے اور خود وہ بھی اختلاف کر بیٹھے اور صحیح بات تک نہ پہنچ سکے اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہوا کہ ان کی تعداد کتنی تھی، آیت مذکورہ بالا میں تین قول نقل فرمائے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۲۴۰ ج ۱۵ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ یہ اقوال ان لوگوں کے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک شخص عاقب تھا اور نصاریٰ کے فرقہ نسطوریہ کا سردار تھا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے پہلی دو باتیں کہی تھیں تیسرا قول بعض مسلمانوں کا ہے پہلے دو قولوں کے ذکر فرمانے کے بعد رَجْمًا بِالْغَيْبِ فرمایا (کہ اٹکل پچو بات کہہ رہے ہیں) اور تیسرے قول کو علیحدہ ذکر کیا اور ساتھ ہی یوں فرمایا: قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ (آپ فرمادیجیے کہ میرا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے ان کو صرف تھوڑے سے لوگ جانتے ہیں) اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا کہ اصحاب کہف کی تعداد سات تھی اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ان کی تعداد کو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ انہیں صرف تھوڑے لوگ جانتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں جن کو ان کی تعداد کا علم ہے، وہ فرماتے تھے کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ عام طور پر سے امت مسلمہ میں یہ ہی قول مشہور ہے اور ان کے نام بھی تفسیر کی کتابوں میں لکھے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے یہ نام منقول ہیں: مکسلمینا، یملیخا، مرطولس، ثبینس،

دردونس، کفاشیطیطوس، منطنو اسیس اور کتے کا نام قطمیر نقل کیا گیا ہے بظاہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل کتاب سے ان کے نام سنے ہونگے جن کو انہوں نے آگے روایت کردیے یہ نام چونکہ عجمی ہیں اور بہت پرانی کسی زبان کے الفاظ ہیں اس لیے ان کا صحیح اعراب کے ساتھ یقینی طور پر تلفظ کرنا اہل علم سے بھی مخفی ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وذکر الحافظ ابن حجر فی شرح البخاری ان فی النطق باسماءھم اختلافا کثیرا ولا یقع الوثوق من ضبطھا وفی البحر ان اسماء اصحاب الکھف العجمیة لا تنضبط بشکل ولا نقط والسند فی معرفتھا ضعیف۔ آیت کے آخر میں دو باتوں کی ممانعت فرمائی ہے اولاً یوں فرمایا: فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے عدد وغیرہ کے بارے میں سرسری بحث سے زیادہ بات نہ کیجیے وحی کے موافق انہیں قصہ سنا دیں زیادہ سوال جواب نہ کریں اور دوسری ممانعت یہ فرمائی: وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا (کہ ان کے بارے میں کسی سے سوال نہ کیجیے) اللہ تعالیٰ شانہ نے جو بتادیا اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ان میں جو لوگ کچھ باتیں کرتے ہیں وہ اٹکل اور گمان اور قیاس سے کہتے ہیں لہٰذا ان سے پوچھنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس سے کوئی فائدہ۔

وَسَالَهٗ اَهْلُ مَكَّةَ عَنْ خَبَرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فَقَالَ اُخْبِرُكُمْ بِهٖ غَدًا وَلَمْ يَقُلْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَنَزَلَ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اَيْ لِاَجْلِ شَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اَيْ فِيْمَا يُسْتَقْبَلُ مِنَ الزَّمَانِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اَيْ اِلَّا مُتَلَبِّسًا بِمَشِيْئَةِ اللّٰهِ بِاَنْ تَقُوْلَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اَيْ مَشِيْئَتَهٗ مُعَلِّقًا بِهَا اِذَا نَسِيْتَ التَّعْلِيْقَ بِهَا وَيَكُوْنُ ذِكْرُهَا بَعْدَ النِّسْيَانِ كَذِكْرِهَا مَعَ الْقَوْلِ قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرُهٗ مَا دَامَ فِي الْمَجْلِسِ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا مِنْ خَبَرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى نُبُوَّتِيْ رَشَدًا هِدَايَةً وَقَدْ فَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ بِالتَّنْوِيْنِ سِنِيْنَ عَطْفُ بَيَانٍ لِثَلَاثِ مِائَةٍ وَهٰذِهِ السُّنُوْنَ الثَّلَاثُ مِائَةٍ عِنْدَ اَهْلِ الْكِتَابِ شَمْسِيَّةٌ وَتَزِيْدُ الْقَمَرِيَّةُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْعَرَبِ تِسْعَ سِنِيْنَ وَقَدْ ذُكِرَتْ فِيْ قَوْلِهٖ وَازْدَادُوْا تِسْعًا اَيْ تِسْعَ سِنِيْنَ فَالثَّلَاثُ مِائَةٍ الشَّمْسِيَّةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَتِسْعٌ قَمَرِيَّةٌ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا مِمَّنِ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُوَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ عِلْمُهٗ اَبْصِرْ بِهٖ اَيْ بِاللّٰهِ هِيَ صِيْغَةُ تَعَجُّبٍ وَاَسْمِعْ بِهٖ كَذٰلِكَ بِمَعْنٰى مَا اَبْصَرَهٗ وَمَا اَسْمَعَهٗ وَهُمَا عَلٰى جِهَةِ الْمَجَازِ وَالْمُرَادُ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يَغِيْبُ عَنْ بَصَرِهٖ وَسَمْعِهٖ شَيْءٌ مَا لَهُمْ لِاَهْلِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ نَاصِرٍ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا لِاَنَّهٗ غَنِيٌّ عَنِ الشَّرِيْكِ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا مَلْجَأً وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اِحْبِسْهَا مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

وَجْهَهُ تعالیٰ لا شَيْئًا مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْيَا وَهُمُ الْفُقَرَآءُ وَلَا تَعْدُ تَنْصَرِفُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ عَبَّرَ بِهِمَا عَنْ
صَاحِبِهِمَا تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا اَيِ الْقُرْاٰنِ وَهُوَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ
وَاَصْحَابُهُ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فِى الشِّرْكِ وَكَانَ اَمْرُهُ فُرُطًا ۝۲۸ اِسْرَافًا وَقُلْ لَهُ وَلِاَصْحَابِهِ هٰذَا الْقُرْاٰنُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ اَيِ الْكَافِرِيْنَ نَارًا اَحَاطَ
بِهِمْ سُرَادِقُهَا مَا اَحَاطَ بِهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ كَعَكَرِ الزَّيْتِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ مِنْ حَرِّهِ اِذَا
قُرِّبَ اِلَيْهَا بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ اَيِ النَّارُ مُرْتَفَقًا ۝۲۹ تَمِيْيزٌ مَنْقُوْلٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَىْ قَبُحَ مُرْتَفَقُهَا وَهُوَ
مُقَابِلٌ لِقَوْلِهِ الْاٰتِىْ فِى الْجَنَّةِ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا وَاِلَّا فَاَىُّ اِرْتِفَاقٍ فِى النَّارِ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا
لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ اَلْجُمْلَةُ خَبَرُ اِنَّ الَّذِيْنَ وَفِيْهَا اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ وَالْمَعْنٰى
اَجْرَهُمْ اَنْ نُّثِيْبَهُمْ بِمَا تَضَمَّنَهُ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ
وَقِيْلَ مِنْ زَائِدَةٌ وَقِيْلَ لِلتَّبْعِيْضِ وَهِىَ جَمْعُ اَسْوِرَةٍ كَاَحْمِرَةٍ جَمْعُ سِوَارٍ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا
مِّنْ سُنْدُسٍ مَا رَقَّ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَّاِسْتَبْرَقٍ مَا غَلُظَ مِنْهُ وَفِىْ اٰيَةِ الرَّحْمٰنِ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا
عَلَى الْاَرَآئِكِ جَمْعُ اَرِيْكَةٍ وَهِىَ السَّرِيْرُ فِى الْحَجَلَةِ وَهِىَ بَيْتٌ يُزَيَّنُ بِالثِّيَابِ وَالسُّتُوْرِ لِلْعَرُوْسِ نِعْمَ
ع ۴ الثَّوَابُ اَلْجَزَاءُ الْجَنَّةُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝۳۱
۱۶

ترجمہ: (اہل مکہ نے جب اصحاب کہف کے بارے میں سوال کیا تو آنحضور ﷺ نے ان شاء اللہ کہے بغیر یہ وعدہ کرلیا کہ میں کل اس کا جواب دونگا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) آپ کسی کام کے بارے میں یہ مت کہا کرو کہ میں اسے کل ضرور کروں گا (یعنی آئندہ زمانہ میں) مگر خدا کے چاہنے کو ملالیا کیجئے (یعنی یہ سمجھ لو کہ وہی جو اللہ چاہے گا بس انشاء اللہ ملا کر بات کیا کرو) اور اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلیا کیجئے (یعنی اس کام کو اللہ کی مشیت پر معلق کردیا کیجئے) جب کبھی بھول جاؤ (انشاء اللہ کہنا پس بھولنے کے بعد اسے کہنا ایسا ہی ہے جیسے بات کے ساتھ ملا کر کہنا حسنؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بھولنے کے بعد اس کلمہ کو کہنا ایک مجلس باقی رہنے تک ہے) آپ کہہ دیجئے کہ امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ (جو اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی زیادہ میری نبوت پر دلالت کرنے والا ہو) مجھ پر کھول دے (چنانچہ حق تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمادیا ہے) اور یہ اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو برس تک رہے لفظ تنوین کے ساتھ اور سنین، ثلاث مائۃ کا عطف بیان ہے اور تین سو سال کی مدت اہل کتاب کے نزدیک شمسی حساب سے ہے اہل عرب نے قمری حساب سے نو سال اور بڑھا دیئے جس کو آگے بیان فرمایا جارہا ہے اور لوگوں نے نو اور بڑھا دیئے ہیں (یعنی نو برس، پس تین سو سال تو شمسی حساب سے ہوئے

اور تین سو نو قمری حساب سے ہوئے) آپ کہہ دیجئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت رہے جس مدت کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کرر ہے ہیں جس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے) وہ آسمان و زمین کی ساری پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے (یعنی اسے سب باتوں کی خبر ہے) بڑا ہی دیکھنے والا ہے (یعنی اللہ یہ صیغہ ہے) بڑا ہی سننے والا ہے یہ لفظ صیغہ تعجب ہے یہ دونوں لفظ ماابصرہ وما اسمعہ کے معنی میں ہیں اور یہ کہنا مجاز کے طور پر ہے اور مراد یہ ہے کہ کوئی چیز بھی اس کی نگاہ اور سننے سے باہر نہیں) ان کا (آسمانی و زمینی مخلوق کا) اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز (مددگار) نہیں ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے (اس لیے کہ وہ شریک سے بے نیاز ہے) اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں اور نہ کہیں پائے گا تو اس کے سوا چھپنے کو جگہ (ٹھکانہ) اور روکے رکھ اپنے آپ کو (خود کو مقید رکھ) ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں (کسی دنیاوی غرض سے عبادت نہیں کرتے، مراد فقراء صحابہ ہیں) ان کی طرف سے کبھی تمہاری نگاہیں ہٹنے (پھرنے) نہ پائیں آنکھوں سے مراد آپ ﷺ کی ذات مبارک ہے دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے، اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (قرآن سے بے توجہ بنا دیا عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی مراد ہیں) اور وہ اپنی خواہش (شرک) کے پیچھے پڑ گیا آپ ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھریئے اس کا معاملہ حد سے گذر گیا ہے (آگے بڑھ گیا ہے) اور کہہ دو (عیینہ اور اس کے ساتھیوں سے کہ یہ قرآن سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اب جو چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے (یہ دھمکی ہے) ہم نے ظالموں (کافروں) کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں (چادریں) چاروں طرف سے انہیں گھیر لیں گی وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسہ (یا تیل کا تلچھٹ) ہو وہ ان کے منہ کو بھون ڈالے گا (منہ کے قریب لانے سے بھی مارے تپش کے) کیا ہی برا پانی ہوگا (وہ) اور (دوزخ) کیا ہی بری جگہ ہوگی (لفظ مرتفقا تمیز ہے جو اصل ترکیب میں فاعل تھا اور عبارت اس طرح تھی قبح مرتفقھا۔ اس کے بعد جنت کے بیان میں وحسنت مرتفقا جو بیان کیا جا رہا ہے یہاں اسی کے مقابلہ میں مُرْتَفَقًا۞ کہہ دیا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جہنم میں ارتفاق اور انتفاع نہیں ہوتا) بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے (جملہ اِنَّا لَا نُضِيعُ ..... اَلَّذِيْنَ کی خبر ہے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے یعنی ان کا اجر و ثواب ہوگا جو آگے بیان کیا جا رہا ہے) یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشہ کے باغ ہوں گے اور باغوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان کو وہاں کنگن پہنائے جائیں گے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ من اساور میں من زائد ہے اور بعض کے نزدیک من تبعیضیہ ہے اساور اسورۃ کی جمع ہے بروزن احمرہ اور اسورۃ سوار کی جمع ہے) سونے کے اور سبز رنگ کے باریک (مہین ریشم کے) اور دبیز (موٹے اور سورہ رحمٰن میں ہے بطائنھا من استبرق) اور وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے (ارائک، اریکۃ کی جمع ہے یہ ایک خاص قسم کی مسہری ہوتی ہے جو دلہنوں کے لیے سجائی ہوتی ہے جسے چھپر کھٹ کہتے ہیں) کیا ہی اچھا صلہ (جنت کی صورت میں بدلہ) اور کیا ہی اچھی جگہ ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَاتَقُوْلَنَّ: یہ نہی تادیب کے لیے ہے اور جاجل شئ میں لام اجلیہ ہے قول کا صلہ نہیں ہے۔

قوله: فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ: خاص کا ذکر کر کے عام مراد لیا ہے یعنی آج کے بعد والا کل مراد نہیں ہے۔

قوله: اِلَّا مُتَلَبِّسًا: اس سے اشارہ کیا کہ حرف جر مقدر ہے اور ظرف متعلق کے لحاظ سے استثناء ہے یعنی بان تقول یعنی نہی سے استثناء ہے اور وہ نہی لاتقولن ہے اس کا تعلق صیغہ فاعل سے نہیں۔

قوله: بِمَشِيَّةِ: اس سے اشارہ کیا کہ مصناف محذوف ہے۔

قوله: قَدْفَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ: ان انبیاء کے واقعات کے سلسلے میں جن کا زمانہ آپ سے بہت پہلے تھا۔

قوله: مِائَةٍ بِالتَّنْوِيْنِ: اس سے اشارہ کیا کہ ازدادوتسعا میں جن نو سالوں کا ذکر ہے وہ قمری حساب سے ہیں اور تسعاً کی تنوین وہ اضافت کے بدلے میں ہے۔

قوله: بِاللّٰهِ: اس سے اشارہ کیا کہ ابصر بہ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور با زائدہ ہے اور یہ ابصر بہ فعل تعجب ہے۔

قوله: مَا اَبْصَرَهٗ: کے معنی میں اور یہ دونوں صیغہ اسمع اور ابصر کے بطور مجاز لائے گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی کسی وقت بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

قوله: اِحْبِسْهَا: صبر کی تفسیر جس سے کی کیونکہ مع صبر کا صلہ نہیں بن سکتا۔

قوله: بِالْغَدٰوةِ: یعنی تمام اوقات میں اور وجہ سے مراد رضائے الٰہی ہے۔

قوله: وَلَا تَعْدُ: اس کا صلہ عن لا کر یہ اشارہ کر دیا کہ یہ ارتفع کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: عَنْ صَاحِبِهِمَا: اس سے اشارہ کر دیا کہ عینان بول کر مجاز اُصاحب عین مراد لیا ہے۔

قوله: تُرِيْدُ: یہ کاف سے حال ہے۔

قوله: اِسْرَافًا: یہ فرط کا معنی ہے اور اس کا مطلب حق پر مقدم کرنا ہے۔

قوله: هٰذَا الْقُرْاٰنُ: اس سے اشارہ کیا کہ الحق مبتداء محذوف کی خبر ہے اور من ربکم حال ہے۔

قوله: فَمَنْ شَآءَ: اس کا معنی یہ ہے کہ جو ایمان لائے اس کے ایمان اور جو کفر کرے اس کے کفر کی مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ تھدید ہے نہ کہ تخییر۔

قوله: مَا اَحَاطَ بِهَا: بعض نے کہا کہ اس سے مراد اس کے خیمے ہیں، اور اس کے ساتھ تشبیہ دی اس آگ کو جو ان کو گھیرے گی۔ دوسروں نے کہا کہ اس سے مراد کناتیں ہیں، اب تشبیہ کی ضرورت ہی نہیں۔

قوله: كَعَكَرِ الزَّيْتِ: زیتون کے تیل کی تلچھٹ یہ پانی کی پہلی صفت ہے۔ دوسری صفت چہروں کا جھلسنا ہے۔

قوله: مُرْتَفَقًا: یہ تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہو کر آئی ہے اور یہ بطور تحکم کے کہا گیا ہے کیونکہ آگ میں تورات کا نام بھی نہیں۔

قوله: اَسْوِرَة: جمع سوار کنگن۔ مِنْ ذَهَبٍ اس کا بیان ہے۔
قوله: قوم الجنة: یہ مخصوص بالمدح ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا

ان شاء اللہ کہنے کا حکم:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ختم المرسلین نبی کو ارشاد فرماتا ہے کہ جس کام کو کل کرنا چاہو تو یوں نہ کہہ دیا کرو کہ کل کروں گا بلکہ اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لیا کرو کیونکہ کل کیا ہوگا؟ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ علام الغیوب اور تمام چیزوں پر قادر صرف وہی ہے۔ اس کی مدد طلب کرلیا کرو۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نوے بیویاں تھیں۔ ایک روایت میں ہے سو تھیں۔ ایک میں ہے بہتر (۷۲) تھیں تو آپ نے ایک بار کہا کہ آج رات میں ان سب کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو بچہ ہوگا تو سب اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اس وقت فرشتے نے کہا ان شاء اللہ کہہ۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ کہا، اپنے ارادے کے مطابق وہ سب بیویوں کے پاس گئے، مگر سوائے ایک بیوی کے کسی کے ہاں بچہ نہ ہوا اور جس ایک کے ہاں ہوا بھی وہ بھی آدھے جسم کا تھا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو یہ ارادہ ان کا پورا ہوتا اور ان کی حاجت روائی ہو جاتی۔ اور یہ سب بچے جوان ہو کر راہ حق کے مجاہد بنتے۔ اسی سورت کی تفسیر کے شروع میں اس آیت کا شان نزول بیان ہو چکا ہے کہ جب آپ سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل تمہیں جواب دوں گا۔ ان شاء اللہ نہ کہا اس بنا پر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ اس حدیث کو پوری طرح ہم نے اس سورت کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دیا ہے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ جب بھول جائے تب اپنے رب کو یاد کر یعنی ان شاء اللہ کہنا اگر موقعہ پر یاد نہ آیا تو جب یاد آئے کہہ لیا کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف کھائے کہ اسے پھر بھی ان شاء اللہ کہنے کا حق ہے گو سال بھر گزر چکا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کلام میں یا قسم میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب بھی یاد آئے کہہ لے گو کتنی مدت گزر چکی ہو اور گو اس کا خلاف بھی ہو چکا ہو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ اب اس پر قسم کا کفارہ نہیں رہے گا اور اسے قسم توڑنے کا اختیار رہے۔ یہی مطلب اس قول کا امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہی بالکل ٹھیک ہے اسی پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا کلام محمول کیا جا سکتا ہے ان سے اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد ان شاء اللہ کہنا بھول جانا ہے۔ اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرا کوئی تو اپنی قسم کے ساتھ ہی متصل طور پر ان شاء اللہ کہے تو معتبر ہے۔ یہ بھی ایک مطلب ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو کیونکہ بھول شیطانی حرکت ہے اور ذکر الٰہی یاد کا ذریعہ ہے۔ پھر فرمایا کہ تجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جائے کہ تجھے اس کا علم نہ ہو تو تو اللہ تعالیٰ سے دریافت کر لیا کر اور اس کی طرف توجہ کرتا کہ وہ تجھے ٹھیک بات اور ہدایت والی راہ بتا اور دکھا دے۔ اور بھی

اقوال اس بارے میں مروی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝

اصحاب کہف کتنا سوئے؟

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو اس مدت کی خبر دیتا ہے، جو اصحاب کہف نے اپنے سونے کے زمانے میں گزاری کہ وہ مدت سورج کے حساب سے تین سو سال کی تھی اور چاند کے حساب سے تین سو نو سال کی تھی۔ فی الواقع شمسی اور قمری سال میں سو سال پر تین سال کر فرق پڑتا ہے، اسی لیے تین سو الگ بیان کر کے پھر نو الگ بیان کئے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب تجھ سے ان کے سونے کی مدت دریافت کی جائے اور تیرے پاس اسکا کچھ علم نہ ہو اور نہ اللہ نے تجھے واقف کیا ہو تو تو آگے نہ بڑھ اور ایسے امور میں یہ جواب دیا کر کہ اللہ ہی کو صحیح علم ہے، آسمان اور زمین کا غیب وہی جانتا ہے، ہاں جسے وہ جو بات بتادے وہ جان لیتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ تین سو سال ٹھیرے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے اللہ ہی کو اس کا پورا علم ہے حضرت عبداللہ؄ سے بھی اسی معنی کی قراءت مروی ہے۔ لیکن قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تامل طلب ہے اس لیے کہ اہل کتاب کے ہاں شمسی سال کا رواج ہے اور وہ تین سو سال مانتے ہیں تین سو نو کا ان کا قول تامل نہیں، اگر ان ہی کا قول نقل ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ اور نو سال زیادہ کئے۔ بظاہر تو یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے نہ کہ کسی کا قول بیان فرماتا ہے، یہی اختیار امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اور ابن مسعود؄ کی قراءت دونوں منقطع ہیں۔ پھر شاذ بھی ہیں، جمہور کی قراءت وہی ہے جو قرآنوں میں ہے پس وہ شاذ دلیل کے قابل نہیں۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے اور ان کی آواز کو خوب سن رہا ہے، ان الفاظ میں تعریف کا مبالغہ ہے، ان دونوں لفظوں میں مدح کا مبالغہ ہے یعنی وہ خوب دیکھنے سننے والا ہے۔ ہر موجود چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے کوئی کام کوئی کلام اس سے مخفی نہیں، کوئی اس سے زیادہ سننے دیکھنے والا نہیں۔ سب کے علم دیکھ رہا ہے، سب کی باتیں سن رہا ہے، خلق کا خالق، امر کا مالک، وہی ہے۔ کوئی اس کے فرمان کو رد نہیں کر سکتا ہے۔ اس کا کوئی وزیر اور مددگار نہیں نہ کوئی شریک اور مشیر ہے وہ ان تمام کمیوں سے پاک ہے، تمام نقائص سے دور ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ....

حکم تلاوت قرآن ومدارات درویشان:

(ربط) شروع سورت میں نزول کتاب کی نعمت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد دنیا کے فناء وزوال کو بیان کیا پھر اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ بیان کیا جنہوں نے دنیا پر لات ماری اور مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہے بالآخر کامیاب ہوئے اور ظالم اور متکبر دنیا سے رخصت ہوئے اب اصحاب کہف کے قصہ کے بعد پھر اس قرآن کی تلاوت کا حکم دیتے ہیں جس میں دشمنان اسلام کے سوالات کے جوابات نازل ہوئے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت ہوئی اور پھر اصحاب کہف جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کمبل پوشوں کی مجالست اور مدارات اور خاطر داری کا حکم دیتے ہیں اور نبی ﷺ کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ عمار؄ اور سلمان؄ اور صہیب؄ اور بلال؄ اور ابن مسعود؄ جیسے درویشوں کو جو زہد وقناعت اور صبر اور

استقامت میں اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان پر خاص نظر عنایت رکھئے اور اہل دنیا اور مالداروں کے کہنے سے ان درویشوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے اور جو لوگ اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں ان اہل دنیا کی طرف التفات نہ کیجئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے تلاوت قرآن کا حکم دیا بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جو رضائے الٰہی کے طالب ہوتے ہیں اور صبح و شام عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے منہ موڑنے کی ممانعت فرمائی اور اہل غفلت سے اعتراز اور کنارہ کشی کا حکم دیا اور اس آیت میں جس جماعت کی مجالست اور مصاحبت رکھنے کا حکم دیا گیا وہ مہاجرین اولین تھے جو کثرت عبادت و اطاعت کے ساتھ موصوف تھے اور خواہ ابتداء ہی سے وہ فقیر تھے یا اپنا مال و متاع راہ خدا میں خرچ کر کے تنگ دست ہو گئے تھے۔ یہ ان کا عظیم وصف تھا۔ وھذا ھو المقصود۔

کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپ ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی بات کو سنیں اور آپ پر ایمان لے آئیں تو جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ان فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں ہمارا اور ان کا مل کر بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے ان کے جبوں اور کپڑوں سے بو آتی ہے یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو ان کی درخواست قبول کرنے سے منع کر دیا۔ اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان متکبرین اور معزورین کی بات کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں اور ان درویشان اسلام کی صحبت اور مجالست کو برقرار رکھیں اور ان سے اپنی نظر التفات نہ ہٹائیں یہ درویشان اسلام صبح و شام اللہ کی ذکر اور دعا میں مشغول ہیں اور ہمارے مخلص بندے ہیں اور اصحاب کہف نمونہ ہیں ان اہل غفلت کے کہنے سے آپ ان فقراء مؤمنین کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیں اور نہ اٹھائیں ان متکبرین کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی ان کے برابر بیٹھ سکے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ان کی یہ درخواست قابل منظوری نہیں اصل عزت والے یہ فقراء صادقین ہیں اور یہ مغرورین اور متکبرین اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اور اسی مضمون کی ایک آیۃ سورت انعام میں گزر چکی ہے: ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ تک یہی مضمون چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ! آپ اپنے پروردگار کی اس کتاب کو جو بذریعہ وحی آپ کے اس بھیجی گئی ہے اس کو پڑھئے اور دوسروں کو بھی سنایئے اور لوگوں تک اس کو پہنچایئے یہی آپ کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ان دولت مندوں کے اسلام میں داخل ہو جانے سے اسلام کو ترقی ہوگی ان پر دین کی ترقی کا دار و مدار نہیں اس دین کی ترقی کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ہم آپ ﷺ سے وعدہ کر چکے ہیں اللہ کی باتوں کو یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ خدا کے تمام وعدے اور تمام پیشین گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی کسی کی موافقت یا مخالفت وعدہ الٰہی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی یا یہ معنی کہ کافروں کے اس قول کی پرواہ نہ کیجئے جو یہ کہتے ہیں ائت بقران غیر ھذا او بدلہ: یعنی اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لاؤ جس میں بتوں کی مذمت اور شرک کا رد نہ ہو یا اس میں کچھ رد و بدل کر دو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے کلمات میں کوئی متغیر و تبدل ممکن نہیں اور بجز ذات خداوندی کے آپ کوئی پناہ نہ پائیں گے اس کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں۔

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ زمین کی چیزیں اور تمام اسباب تجمل فقط دنیا کی زینت ہیں نہ کہ آخرت کی اور دنیا کی زینت فانی اور سریع الزوال ہے اس سے دل بستگی نہ چاہئے عاقل کا کام دار آخرت کی فکر ہے اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ جو شاہی خاندان کے افراد تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے دنیا کی زینت کو چھوڑ کر اپنے دین کو لے کر بھاگ نکلے اور غار میں جا چھپے اب اس کے بعد اشراف مکہ کے متعلق ایک ہدایت فرماتے ہیں رؤساء مکہ دنیا کی زینت پر فریفتہ تھے اور اسباب دنیا کے غرور میں ان کو فقراء مسلمین کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے ان رؤساء نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی کہ جس وقت ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں اس وقت یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس نہ آیا کریں۔ آپ ہمارے لیے علیحدہ مجلس رکھئے اور ان درویشوں کو اس مجلس میں ہمارے ساتھ شریک نہ کیجئے یہ لوگ صوف کے جبے پہنے رہتے ہیں اور میں ان کو پسینہ آتا ہے اور اس سے بدبو آتی ہے اور ہم شرفاء اور سادات حقر ہیں اگر ہم اسلام لے آئے تو ہماری تقلید میں سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ غرض یہ کہ سرداران قریش نے ان جبہ پوشوں اور کمبل والوں کے پاس اور ان کے ساتھ بیٹھنا کسر شان سمجھا ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت یہ خیال آیا ہو کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے غرباء کو علیحدہ کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ تو سچے اور پکے مسلمان ہیں ہی اگر سرداران قریش اس طرح اسلام میں داخل ہو جائیں تو یہ اسلام کے لیے باعث تقویت ہوگا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے نبی آپ ان اہل دنیا کی ذرا برابر پرواہ نہ کیجئے۔ بلکہ اپنی نشست و برخاست میں ہمہ تن اپنے آپ کو ان لوگوں میں مقید اور پابند رکھئے جو صبح و شام یعنی شروع دن سے لے کر اخیر دن تک اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر اور عبادت سے فقط رضائے خداوندی کے طالب ہیں اس سے ان کی کوئی دنیاوی غرض نہیں اور چاہئے کہ آپ کی آنکھیں ان فقراء مسلمین سے نہ پھر جائیں یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی وقت آپ ﷺ کی نظر التفات ان اہل دنیا کی طرف پھر جائے گویا کہ آپ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کی آرائش کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ امیروں کی دلجوئی کے لیے فقیروں کو پاس نہ آنے دینا بھی ایک قسم کی دنیا کی زینت کی رعایت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں اپنے نبی کو کافروں کی اس قسم کی دلجوئی سے منع فرما دیا کیونکہ مجلس اور مجالست میں امیروں اور فقیروں میں فرق اور امتیاز قائم کرنا بظاہر حیات دنیا کی زینت کی رعایت ہے ورنہ عقبی اور آخرت کی راہ سے فقراء اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے وہ شاہان دنیا کو بھی حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کر کے بتا دیا کہ یہ متبرین ایمان لانے والے نہیں ان کا ایمان محض موہوم اور متحمل ہے اور محض موہوم اور محتمل فائدہ کی خاطر محبین مخلصین کے احترام اور دلجوئی کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے نیز غریبوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ لوگ اس طرز عمل کو دیکھ کر نبی سے بدگمان نہ ہو جائیں اور اسلام کے قبول کرنے میں تردد کرنے لگیں اور چند متکبرین کے اسلام لے آنے میں اسلام کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ اس بدگمانی سے اسلام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ ان فقراء اور درویشان اسلام کی پہلے سے زیادہ خاطر داری اور مدارت کرنے لگے اور خاص طور پر ان کے پاس آکر بیٹھنے کا مجھ کو حکم دیا میری زندگانی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

مسئلہ: عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو نعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے امراء اور اغنیاء کی رعایت سے اپنی مجلس سے فقراء کو نہ اٹھائے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے فقراء اور مساکین کے

پاس بیٹھنے سے دنیا نظروں میں خوار ہوتی ہے یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نازل ہوئی جو صوف کے جبے پہنے ہوئے حضور پرنور ﷺ کی مجلس میں آتے تھے اور ان میں پسینہ آجاتا تھا جس سے ان اشراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوف کا جبہ درویشان اسلام کا لباس ہے۔ اسی لیے صوفی کو صوفی کہتے ہیں کہ جو از راہ تواضع و درویشی صوف (بالوں) کا لباس پہنے۔

اور مت کہنا مانو اس شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور دنیائے دون کا اس کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ شخص ہمہ تن اپنی نفسانی کا تابع اور پیرو ہو گیا ہے نفس کا بندہ (غلام) بنا ہوا ہے جدھر اس کا نفس اس کو لے جاتا ہے ادھر دوڑ اچلا جاتا ہے ذلت اور عزت سے کو کوئی بحث نہیں اور اس کا کام حد اعتدال سے گزرا ہوا ہے آپ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کا کہنا نہ مانیے اور ان کے کہنے سے فقراء صادقین اور اہل مخلصین کو اپنے پاس سے ہرگز نہ ہٹایئے اور ذرہ برابر ان اہل غفلت کی پرواہ نہ کیجیے اور ان اہل غفلت اور اہل ذکر مخلصین کو اپنے پاس سے ہرگز نہ ہٹایئے اور ذرہ برابر ان اہل غفلت کی پرواہ نہ کیجیے اور ان اہل غفلت اور اہل ثروت سے صاف کہہ دیجیے کہ یہ دین حق تمہارے پروردگار کے پاس سے آیا ہے جو مشعل ہدایت ہے۔ پس جس کا جی چاہیے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے خدا تعالیٰ کو نہ تمہارے ایمان کی ضرورت ہے اور نہ تمہارے کفر سے ڈر ہے تمہارے کہنے سے میں ان فقراء صادقین ذاکرین مخلصین کو اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا اور جو حق کا کافر اور منکر ہو وہ قابل التفات نہیں اور یہ کلام بطور تہدید اور تحریف ہے نہ کہ بطور تخییر و اباحت، اس کے بعد کافروں اور مسلمانوں کے اخروی درکات اور درجات کو بیان فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے وہ ان کی منتظر ہے۔ اس کی قناتیں اور پردے ہر طرف سے ان کو گھیر لیں گے اس کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکیں گے اور اگر وہ پیاس سے چلائیں گے اور فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا۔ یا تیل کے تلچھٹ کی مانند ہوگا جو برتن کی تہہ میں رہ جاتا ہے اور اس قدر تیز گرم ہوگا کہ پاس لاتے ہی منہ کو بھون ڈالے گا اور وہ دوزخ بہت ہی بری آرام گاہ ہوگی۔ اور وہ پانی بہت ہی برا ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ....

اشقیاء کے بعد سعداء کا حال اور مآل ذکر کرتے ہیں تحقیق جو لوگ اس حق پر ایمان لائے جو آپ ﷺ دے کر بھیجے گئے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق اچھے عمل کیے تو بلاشبہ ایسے نیک و کاروں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے ایسے ہی لوگوں کے لیے ہمیشہ کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے جو بادشاہوں کی زینت ہے۔

زاد المسیر میں سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ ہر جنتی کے لیے تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا ایک موتی کا اور ایک یاقوت کا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں سونے کا کنگن ہوگا اور کسی کے ہاتھ میں چاندی کا اور کسی کے ہاتھ میں موتیوں کا اور ایک احتمال یہ بھی ہے چنیں اور گاہے چناں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا اہل ایمان اگرچہ وہ درویش اور فقیر ہوں وہ تو ایسے محلوں اور باغوں اور عیش و عشرت میں ہوں گے اور اہل کفر ذلت و خواری میں ہوں گے اور سبز کپڑے پہنیں گے۔ باریک ریشم کے اور دبیز ریشم کے، اور کافروں کو گندھک کے کرتے پہنائے جائیں گے تکیہ لگانے والے ہوں گے۔

تختوں پر جیسا کہ امیروں کی عادت ہے مطلب یہ ہے کہ غایت درجہ عیش و آرام میں ہوں گے کیا خوب جزاء ہے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی اور جنت خوب آرام گاہ ہے یا وہ تخت خوب تکیہ گاہ ہیں جن پر یہ درویشاں اسلام شاہانہ لباس میں بیٹھے ہوں گے۔

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ لَهُمْ لِلْكُفَّارِ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ بَدَلٌ وَهُوَ وَمَا بَعْدَهُ تَفْسِيْرٌ لِلْمَثَلِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا الكافر جَنَّتَيْنِ بُسْتَانَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا اَحْدَقْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ يُقْتَاتُ بِهٖ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ كِلْتَا مُفْرَدٌ يَدُلُّ عَلَى التَّثْنِيَةِ مُبْتَدَاءٌ اٰتَتْ خَبَرُهٗ اُكُلَهَا ثَمَرَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ تنقص مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ يَجْرِيْ بَيْنَهُمَا وَّكَانَ لَهٗ مع الْجَنَّتَيْنِ ثَمَرٌ ۚ بِفَتْحِ الثَّاءِ وَالْمِيْمِ وَضَمِّهِمَا وَبِضَمِّ الْاَوَّلِ وَسُكُوْنِ الثَّانِيْ وَهُوَ جَمْعُ ثَمَرَةٍ كَشَجَرَةٍ وَشَجَرٍ وَخَشَبَةٍ وَخُشُبٍ وَبَدَنَةٍ وَبُدْنٍ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ الْمُؤْمِنِ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ يفاخره اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ عَشِيْرَةً وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ بِصَاحِبِهٖ يَطُوْفُ بِهٖ فِيْهَا وَيُرِيْهِ اَثْمَارَهَا وَلَمْ يَقُلْ جَنَّتَيْهِ اِرَادَةً لِلرَّوْضَةِ وَقِيْلَ اِكْتَفٰى بِالْوَاحِدِ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ بِالْكُفْرِ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ تنعدم هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ فِي الْاٰخِرَةِ عَلٰى زَعْمِكَ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ مَرْجِعًا قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ يُجَاوِبُهٗ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ لان اٰدم خُلِقَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ ثُمَّ سَوّٰىكَ عَدَلَكَ وَصَيَّرَكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا اَصْلُهٗ لٰكِنْ اَنَا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الْهَمْزَةِ اِلَى النُّوْنِ وَحُذِفَتِ الْهَمْزَةُ ثُمَّ اُدْغِمَتِ النُّوْنُ فِيْ مِثْلِهَا هُوَ ضَمِيْرُ الشَّانِ يُفَسِّرُهُ الْجُمْلَةُ بَعْدَهٗ وَالْمَعْنٰى اَنَا اَقُوْلُ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ هلا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ عِنْدَ اِعْجَابِكَ بِهَا هٰذَا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ فِي الْحَدِيْثِ مَنْ اُعْطِيَ خَيْرًا مِنْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ فَيَقُوْلُ عِنْدَ ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَمْ يَرَ فِيْهِ مَكْرُوْهًا اِنْ تَرَنِ اَنَا ضَمِيْرُ فَصْلٍ بَيْنَ الْمَفْعُوْلَيْنِ اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ جَوَابُ الشَّرْطِ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا جَمْعُ حُسْبَانَةٍ اَيْ صَوَاعِقَ مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَرْضًا مَلْسَاءَ لَا يَثْبُتُ عَلَيْهَا قَدَمٌ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا بِمَعْنٰى غَائِرًا عَطْفٌ عَلٰى يُرْسِلَ دُوْنَ تُصْبِحَ لِاَنَّ غَوْرَ الْمَاءِ لَا يَتَسَبَّبُ عَنِ الصَّوَاعِقِ فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ حِيْلَةً تُدْرِكُهٗ بِهَا وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ بِاَوْجُهِ الضَّبْطِ السَّابِقَةِ مَعَ جَنَّتِهٖ بِالْهَلَاكِ فَهَلَكَتْ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ نَدَمًا وَتَحَسُّرًا عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا فِيْ عِمَارَةِ جَنَّتِهٖ وَهِيَ خَاوِيَةٌ سَاقِطَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا دَعَائِمِهَا

لِلْكَرْمِ بِاَنْ سَقَطَتْ ثُمَّ سَقَطَ الْكَرْمُ وَيَقُوْلُ يَاللتنبيه يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ بِالتَّاءِ
وَالْيَاءِ فِئَةٌ جَمَاعَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِنْدَ هَلَاكِهَا وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا۝ عِنْدَ هَلَاكِهَا بِنَفْسِهٖ
هُنَالِكَ اَیْ یَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْوَلَايَةُ بِفَتْحِ الْوَاوِ النُّصْرَةُ وَبِكَسْرِهَا الْمُلْكُ لِلّٰهِ الْحَقِّ بِالرَّفْعِ صِفَةُ الْوِلَايَةِ وَ
بِالْجَرِّ صِفَةُ الْجَلَالَةِ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا مِنْ ثَوَابِ غَيْرِهٖ لَوْ كَانَ يُثِيْبُ وَّخَيْرٌ عُقْبًا۝ بِضَمِّ الْقَافِ وَسُكُوْنِهَا ع ۵ ۱۳ ۱۷
عَاقِبَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَنَصْبُهُمَا عَلَى التَّمْيِيْزِ

ترجمہ: اور آپ بتلا دیجئے (بیان کر دیجئے) ان (کفار مکہ اور اہل ایمان) کو مثال ان دو شخصوں کی (یہ بدل واقع ہے اور لفظ رَجُلَيْنِ بعد کی عبارت سمیت لفظ مثلاً کی تفسیر ہے) ان میں سے ایک (کافر) کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے تھے اور ان کے اردگرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگا رکھی تھی اور ان دونوں کے بیچ کی زمین میں ہم نے کھیتی بھی لگا رکھی تھی (جس سے کھانے پینے کا کام چلتا تھا) دونوں باغ (كِلْتَا مفرد ہے اور تثنیہ کے معنی میں ہے اور یہاں مبتدا واقع ہے) اپنا پورا پھل دیتے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی اور ان باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر رکھی تھی (جو وہاں بہہ رہی تھی) اور اس شخص کے پاس (ان باغوں کے علاوہ) اور بھی پھل تھا ثمر میں تین لغتیں ہیں فتحتین کے ساتھ، ضمتین کے ساتھ، ضم اول اور سکون ثانی کے ساتھ ثمرۃ کی جمع ہے جیسے شجرۃ کی جمع شجر اور خشبۃ کے جمع خشب اور بدنۃ کی جمع بدن آتی ہے) چنانچہ اپنے (مسلمان) دوست سے ایک دن! ادھر ادھر کی (فخریہ) باتیں کرتے ہوئے بولا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور میرا جتھہ (مجمع) بھی زیادہ ہے اور اپنے باغ میں پہنچا (ساتھی کو لے کر گھما پھرا رہا تھا پھل پھلواری دکھلا رہا تھا یہاں حق تعالیٰ نے جنتیہ تثنیہ کے ساتھ استعمال نہیں فرمایا۔ مطلقاً باغ مراد لیتے ہوئے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف ایک ہی باغ دکھلانے پر اکتفاء کیا ہے) اپنے اوپر جرم (کفر) قائم کرتے ہوئے بولا کہ میں نہیں سمجھتا ایسا شاداب باغ کبھی ختم ہوگا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچا دیا گیا (آخرت میں اے دوست تمہارے کہنے کے مطابق تو وہاں بھی مزے کریں گے یہ سن کر اس کے دوست نے (گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے) جواب کے طور پر کہا کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے پہلے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا (کیونکہ آدم مٹی سے پیدا ہوئے) پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر صحیح سالم (اچھا خاصا) آدمی بنا دیا؟ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں (اس کیا صل لکن انا ہے ہمزہ کی حرکت نون کو دیکر ہمزہ کو حزف کیا گیا اور نون کا لون میں ادغام کر دیا گیا) وہی (لفظ ھو ضمیر شان ہے جس کی تفسیر بعد والا جملہ کر رہا ہے حاصل یہ ہوا کہ میرا یقین ہے کہ) اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور پھر جب تم اپنے باغ میں پہونچے (تو اس کی شادابیاں دیکھتے ہی) یہ کیوں نہ کہا وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے اس کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا؟ (حدیث میں ہے کہ جو شخص مال اولاد کے ملنے پر ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ پڑھے اسے کوئی ناگوار بات پیش نہیں آسکتی) اور یہ جو تمہیں دکھائی رہا ہے کہ میں (لفظ انا دو مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل ہے) تم سے مال و اولاد میں کمتر ہوں کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بہتر مجھے دیدے (یہ جواب شرط ہے) اور تمہارے باغ پر کوئی تقدیری آفت (حسبان، حسبانۃ، کی جمع

ہے یعنی بجلی کی کڑک) آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے (پھسلن والی زمین کہ جس سے پاؤں رپٹ جائیں) یا پھر اس کی نہر کا پانی بالکل ہی نیچے اتر جائے (غور بمعنی غائر ہے اس کا عطف لفظ یرسل پر ہوگا نہ کہ تصبح پر کیونکہ پانی اترنے کا سبب بجلی اور کڑک نہیں ہوا کرتی) اور پھر کسی طرح بھی اس تک نہ پہونچ سکو (تمہاری کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکے) اور پھر ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت گھیرے میں آگئی (لفظ ثمر میں وہی تین لغتیں ہیں جن کا بیان سابق میں آچکا، باغ سمیت پھل پھلواری تباہ ہو گئے) اور وہ (حسرت وندامت کے ساتھ) ہاتھ مل کر افسوس کرنے لگا کہ (ان دونوں باغوں کی درستگی پر) میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا اور اب حال یہ ہے کہ باغ کی ساری ٹٹیاں گر کر زمین کے برابر ہو گئیں (انگور کی بیلیں جن ٹٹیوں پر چڑھ تھیں وہ بھی برباد ہوگئی اور انگور بھی) اب وہ کہتا ہے اے کاش میں (یا تنبیہ کے لیے) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور کوئی ایسا جتھ (مجمع) نہ ہوا (تکن تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) جو اللہ کے سوا (بربادی کے وقت) اس کی مدد کرتا اور نہ (اپنی بربادی کے وقت) خود بدلہ لے سکا ایسے موقع پر (قیامت کے دن) مدد کرنا ولایۃ واؤ کے فتح کے ساتھ مدد کرنا اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ مالک ہوتا ہے) اللہ برحق ہی کا کام کا ہے وہی ہے جو سب سے بہتر ثواب دینے والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: بَدَلٌ: اس میں اشارہ کیا کہ رجلین مثلاً کا بدل ہے اور مابعد اس کی تفسیر ہے جو جعلنا لاحدھما سے شروع ہوتی ہے۔

قولہ: كِلْتَا: یعنی کلتا لفظ کے لحاظ سے مفرد ہے اسی وجہ سے عطف کے اندر ضمیر مفرد لائی گئی اور یہ مبتداء ہے اور اٰتت اس کی خبر ہے۔

قولہ: تنقص: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا پھل عام باغوں کی طرح کم نہیں ہوتا بلکہ ہر سال زیادہ ہوتا ہے۔

قولہ: يَجْرِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ باغ کی سیرابی کے لیے پانی وافر مقدار میں موجود رہتا ہے۔

قولہ: ثَمَرٌ: اس سے اشارہ کیا کہ ان دو باغوں کے علاوہ اس کے مال کے ثمرات بھی موجود تھے۔

قولہ: لِلرَّوْضَةِ: روضہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے دنیا میں فائدہ اٹھایا جائے اس سے اشارہ کیا کہ اس کے لیے ان دو کے علاوہ اور کوئی باغ نہیں تھا۔

قولہ: عَلٰی زَعْمِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ بعث کو نہیں مانتا تھا اور یہ اشیاء مجھے استحقاق کی وجہ سے ملی ہیں۔

قولہ: اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ: اس سے اشارہ کیا کہ بعث کا انکار کفر ہے اور اس کا منشاء اللہ کی کمال قدرت میں شک ہے۔

قولہ: هلا: اس سے اشارہ کیا کہ لولا یہاں تخصیص کے لیے آیا ہے۔

قولہ: هٰذَا: اس سے اشارہ کیا کہ ماشاء اللہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قولہ: اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا: یعنی دنیا میں یا آخرت میں، اگر ایمان لائے۔

قولہ: يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا: یعنی تیرے باغ پر تیرے کفر کی وجہ سے بگولہ بھیج دیا۔

قوله: صَوَاعِقَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ حسبان حسبانۃ کی جمع ہے جس کا معنی کڑک ہے یہ حساب سے نہیں۔

قوله: بِمَعْنٰی غَائِرًا: اس سے اشارہ کر دیا کہ غور مصدر بمعنی اسم فاعل مشتق کے لیے۔

قوله: حِیْلَۃً تُدْرِکُہٗ: اس سے اشارہ کر دیا کہ طلب سے یہاں طلب ماء مراد نہیں ہے۔ بلکہ مطلقاً پانی کا کسی بھی سبب سے حاصل ہو سکنا مراد ہے۔

قوله: اُحِیْطَ بِثَمَرِہٖ: اس احاطہ سے مراد مال کا مکمل طور پر ہلاک کرنا اور بالھلاك کا تعلق احیط سے ہے۔

قوله: نَدَمًا: اس کو مقدر اس لیے مانا کہ علی تقلیل کا صلہ نہیں بن سکتا اور تحسر یہ یقلب سے متعلق ہے۔

قوله: فِیْ عِمَارَۃِ جَنَّتِہٖ: اس سے اشارہ کیا کہ مصناف محذوف ہے۔

قوله: بِرَبِّیْٓ اَحَدًا: اس میں یہ احتمال ہے کہ اس نے شرک سے توبہ کی لیکن اضطرار و جزع والی توبہ قابل قبول نہیں۔

قوله: مُنْتَصِرًا: اس کا معنی رکاوٹ ڈالنے والا۔

قوله: لَوْ کَانَ یُثِیْبُ: اس سے اشارہ کیا کہ ثواب کا اس کے غیر کے لیے بالفرض والتقدیر ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَیْنِ ....

بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال:

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کی اس درخواست کو رد فرمایا جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں چور تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار محسوس کرتے تھے اور اپنے مال و دولت پر فخر محسوس کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ان درویشانِ اسلام اور فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں اب ان آیات میں ان متکبرین کے سنانے کیلئے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری بتلانے کے لیے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی ایک مثال ذکر فرماتے ہیں جن میں سے ایک مالدار کافر تھا اور آخرت کا منکر تھا اور اپنے مال و دولت پر مغرور تھا اور دوسرا ایک مؤمن اور درویش تھا مال دار کافر مال و دولت کے نشہ میں سلسلہ عالم کو قدیم سمجھتا تھا اور آخرت کا منکر تھا اور فقیر مسلمان بھائی، اس کو خدا کی عظمت اور جلال کی تلقین کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ عالم قدیم نہیں اور اس کارخانہ عالم کی باگ ڈور اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا اصل دولت اور اصل عزت پروردگار عالم کی اطاعت اور عبادت میں ہے جو فقراء مسلمین کو حاصل ہے اور تو اس عزت سے محروم ہے یہ درویش بھائی اپنے دولت مند بھائی کو ڈراتا تھا کہ خدا کی ناشکری نہ کر مبادا کہ کوئی بلا نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس پر ایک بلا آسمانی ناگہانی طور پر نازل ہوئی جس سے دم کے دم میں وہ تمام باغ اجڑ گیا اور مالک باغ حسرت سے ہاتھ ملتا رہ گیا تب اس کی آنکھ کھلی کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اموال کی کثرت اور اعوان انصار کی قوت قابل فخر چیز نہیں ہو سکتی ہو سکتا ہے کہ دم کے دم میں تونگر۔ فقیر ہو جائے اور

فقیر۔ تونگر ہو جائے قابل فخر تو ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ ہے اور یہ دنیا تو چند روزہ باغ و بہار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ! دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لیے دو شخصوں کا قصہ بیان کر۔ وہ دو آدمی تھے آپس میں بھائی بھائی تھے ان میں سے ایک کو جو کافر تھا ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے اور ان دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیر دیا تھا۔ یعنی ہر چار طرف کھجور کے درخت تھے اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی کر دی تھی جس سے قوت روزینہ ان کو حاصل ہوتی تھی اس میں کوئی جگہ خالی نہ تھی تمام زمین سے قسم قسم کی پیداوار تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور باغ کی پیداوار میں ذرہ برابر کمی نہ تھی اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں کو ہمیشہ پانی پہنچاتی اور اس پیداوار کے علاوہ اس شخص کے لیے اور بھی قسم قسم کے پھل تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ علیہ اور قتادہ رحمہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ثمر سے مال مراد ہے۔ یعنی سوائے ان دو باغوں کے اس کے پاس اور بھی قسم قسم کا مال تھا یعنی سونا اور چاندی وغیرہ تھا۔ پس یہ مالدار کافر اپنے ساتھی یعنی مؤمن بھائی سے جو غریب تھا۔ بولا۔ درآں حالیکہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا یعنی یہ کہتا جاتا تھا اور وہ جواب دیتا جاتا تھا۔ دونوں میں باہم گفتگو ہو رہی تھی اثناء گفتگو میں اس کافر بھائی نے فخرا کہا کہ میں تجھ سے مال میں بڑھا ہوا ہوں اور حشم و خدم کے اعتبار سے زیادہ عزت والا ہوں پھر یہ مال دار کافر اپنے غریب مؤمن ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغات اور ان کی پیداوار اور مال و دولت کو دکھلاتا تھا اور فخر کرتا جاتا تھا اور اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا درآں حالیکہ وہ اپنے کفر اور فخر کے سبب اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔ فخر اور خود بینی کی وجہ سے اور پھر دنیا کی محبت کے سبب سے مؤمن بھائی نے اس کو فخر اور کفران نعمت کی شامت سے ڈرایا مگر ایک نہ سنی اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی اجڑے۔ کفار کا ہمیشہ یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و آرام میں ہی رہیں گے اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بفرض محال تیرے اعتقاد کے مطابق میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو اس سے بہتر مکان میں وہاں پاؤں گا کیونکہ میری یہ امیری اس بات کی دلیل ہے کہ میری شان اسی لائق ہے کہ مجھے یہ مال و دولت ملے اور میرا رب مجھ سے راضی ہے جب اس نے مجھے یہاں دیا تو وہ مجھ کو وہاں بھی دے گا۔ اور اس سے بہتر دے گا۔ اکثر کفار اور اغنیاء کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی دولت اور عیش و عشرت اور دنیاوی عزت و راحت کو اپنی مقبول خداوندی اور مکرم عند اللہ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں یہ حال تو کافروں کا ہے اور بہت سے مالدار مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے بزبان قال تو نہیں بزبان حال وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں اور عملاً فقراء اور غرباء کی مجالست سے عار کرتے ہیں۔ اس کی یہ باتیں سن کر اس سے اس کے دیندار و نادار ساتھی نے اثناء گفتگو میں کہا کیا تو اس خدا کی قدرت کا منکر ہو گیا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر تجھ کو نطفہ سے نکالا جبکہ تو مردہ بدست زندہ تھا اور کسی چیز کا مالک نہ تھا ماں اور دایہ کی گود میں پرورش پا رہا تھا۔ پھر خدا نے تجھ کو اپنی قدرت سے پورا مرد بنا دیا اب تجھے اس خدا کی قدرت میں شک ہو گیا کہ جب میں مر جاؤں گا اور مر کر مٹی میں ہو جاؤں گا تو وہ مجھے کیسے دوبارہ پیدا کرے گا جس خدا نے تجھ کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا وہی خدا تجھ کو دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو قیامت کا قائم کرنا کیا مشکل ہے۔ خیر تو مانے یا نہ مانے لیکن میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے یہی میرے دل میں ہے اور یہی میری زبان پر ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ نہ اعتقاد میں نہ قول میں اور نہ فعل میں اس جواب سے الوہیت اور وحدانیت کا بھی

اثبات ہے۔ کیونکہ جوذات پاک عالم کی خالق اور مربی ہے وہ اس عالم کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو یہ کہا ہوتا کہ جو خدا نے چاہا وہی قابل شدنی ہے بغیر اللہ کی مشیت کے کسی میں قوت اور زور نہیں یعنی باغ کو دیکھ کر تجھے چاہئے تھا کہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتا اور دل وجان سے یہ کہا ہوتا کہ یہ سب کچھ باغ و بہار اللہ کی مشیت اور اس کے فضل سے ہے وہ چاہے تو اس کو آباد رکھے اور چاہے تو اس کو اجاڑ دے وہ ہر طرح سے قادر ہے بندہ میں قدرت نہیں کہ باغ کو اور اس کی بہار کو قائم رکھ سکے اسی طرح زندگی کی باغ و بہار۔ امیری اور فقیری سب اس کی مشیت سے ہے دم کے دم میں امیر کو فقیر اور فقیر کو امیر بنا سکتا ہے۔ زجاج رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی میں طاقت نہیں کہ جو نعمت اور مال و دولت اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو تھام سکے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔

فائدہ: جو شخص اپنے باغ میں یا مکان میں داخل ہوتے وقت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کہے تو وہ باغ اور مکان بلا اور آفت اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

حکایت: امام دار الہجرت مالک بن انس رحمہ اللہ علیہ نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھا تھا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں رکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولولا اذ دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔

اس نصیحت کے بعد اس غریب مسلمان بھائی نے اس کے تکبر اور فخر کا جواب دیا اور کہا اگر آج تو مجھے مال اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتا ہے تو تجھ کو زیبا نہ تھا کہ تو مجھ پر بڑائی اور تکبر ظاہر کرنے لگے پس کیا عجب ہے کہ میرا پروردگار دنیا یا آخرت میں یا دونوں جگہ مجھ کو تیرے سے بہتر باغ دے دے۔ اور اس تیرے باغ پر آسمان سے کوئی بلا اور آفت بھیج دے جس کا تجھ کو وہم و گمان بھی نہ ہو پھر وہ تباہ ہو کر دفعۃً چٹیل میدان ہو جائے جس پر گھاس کا بھی نام ونشان نہ ہو یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے تو اس کو ڈھونڈ کر بھی واپس نہ لا سکے۔ یہ بات تیری قدرت سے باہر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو بات اس مرد مؤمن کی زبان سے نکلی تھی وہ سچ کر دی۔ اور بلا سبب ظاہری کے دفعۃ اور ناگہانی طور پر آسمان سے ایک آفت آئی جس سے وہ باغ تباہ ہو گیا اللہ نے آسمان سے اس باغ پر ایک آگ بھیجی جس نے اس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا اور اس کا پانی زمین کے نیچے اتر گیا اور اس باغ کا سارا پھل عذاب آسمانی کے گھیرے میں لے لیا گیا اور غیب سے ایسی تباہی آئی کہ وہ باغ اور درخت اور عمارت سب خراب اور مسلمار ہو گئے۔ پس صبح کی اس کافر نے اس حالت میں کہ کف افسوس ملتا تھا اس مال پر جو اس نے اس باغ میں صرف کیا تھا۔ حسرت سے ہاتھ ملتا رہ گیا کہ اب ہاتھ میں سوائے افسوس اور حسرت کے کچھ نہیں رہا اور اس باغ کی عمارتیں اپنی چھتوں پر گر پڑی تھیں اور وہ اس حال کو دیکھ کر کف افسوس ملتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ کاش میں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا۔ یعنی جب اس کا باغ جل گیا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ اس کے کفر وشرک کی سزا تھی اپنے کئے کفر پر نادم ہوا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مؤمن ہو گیا اس لیے کہ یہ ندامت خوف خداوندی اور کفر کی قباحت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک دنیاوی مصیبت اور آفت کی وجہ سے تھی۔ لہٰذا ایسی تمنا بیکار ہے اور نہ ہوئے اس کے لیے اعوان وانصار اور حشم وخدم کی کوئی جماعت بجز خدا کے جو اس کو مدد دیدے اور نہ وہ خود اپنا بدلہ لینے پر قادر تھا۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ کارسازی اور اختیار صرف خدائے برحق کے لیے ہے کیونکہ مصیبت کے وقت جزع وفزع صرف اللہ کی طرف کرنا۔ یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ خدائے برحق وہی ہے کہ جس کو سارا اختیار ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے اور عارضی چیز پر فخر کرنا نادانی ہے وہ اہل طاعت کو

انعام اور جزا دینے میں سب سے بہتر ہے اور اسی کی اطاعت کا انجام سب سے بہتر ہے۔ یعنی انجام اور عاقبت کے اعتبار سے اہل ایمان اور اہل طاعت سے بڑھ کر کوئی نہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی مثال بیان کی ان کی تعیین میں مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی بنی اسرائیل میں سے تھے اور انہی دو بھائیوں کا قصہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ والصافات میں ذکر کیا ہے کما قال تعالیٰ قال قائل منهم انی کان لی قوین الخ اور بعض کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے قبیلہ مخزوم کے دو بھائیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جن میں سے ایک بھائی مسلمان تھا اور دوسرا کافر اور مقصود یہ ہے کہ مال و دولت پر فخر کرنا اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھنا بہت ہی برا ہے اصل عزت حق تعالیٰ کے تعلق اور اس کی اطاعت میں ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص۵۰۰ جلد ۵ و تفسیر قرطبی ص۳۹۹ جلد ۱۰)

فائدہ: حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اکثر اپنے مقبول بندوں کو دنیا سے دور رکھتا ہے اور کافروں کو دنیا کی عیش و آرام سے خوب نوازتا ہے اور اہل ایمان پر بلائیں نازل کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ کفر کے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے تو ہم کافروں کو اتنا مال و دولت دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کر دیتے قاعدہ اکثر یہ تو یہ ہے مگر بعض مرتبہ کافر کا غرور اور تکبر توڑ دینے کے لیے کوئی بلاء آسمانی اس کے مال و دولت پر نازل کرتے ہیں کہ متنبہ ہو جائے کہ یہ دنیا ہیچ ہے۔ اور امیری اور فقیری سب اس کے ہاتھ میں ہے وہ دم کے دم میں بڑے سے بڑے متکبر اور سرکش کو محتاج اور خوار بنا ڈالتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں دنیا کی حقیقت سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ صَيِّرْ لَهُمْ لِقَوْمِكَ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ كَمَآءٍ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ تَكَاثَفَ بِسَبَبِ نُزُوْلِ الْمَاءِ نَبَاتُ الْاَرْضِ وَامْتَزَجَ الْمَاءُ بِالنَّبَاتِ فَرُوِيَ وَحَسُنَ فَاَصْبَحَ فَصَارَ النَّبَاتُ هَشِيْمًا يَابِسًا مُتَفَرِّقَةً اَجْزَاؤُهُ تَذْرُوْهُ تَنْثُرُهُ وَتُفَرِّقُهُ الرِّيٰحُ فَتَذْهَبُ بِهٖ الْمَعْنٰى شَبَهُ الدُّنْيَا بِنَبَاتٍ حَسَنٍ فَيَبِسَ وَتَكَسَّرَ فَفَرَّقَتْهُ الرِّيَاحُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الرِّيْحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ قَادِرًا اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا يُتَجَمَّلُ بِهِمَا فِيْهَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ هِيَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ اَيْ مَا يَأْمُلُهُ الْاِنْسَانُ وَيَرْجُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ اذْكُرْ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ يُذْهَبُ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْاَرْضِ فَتَصِيْرُ هَبَاءً مُّنْبَثًّا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْيَاءِ وَنَصْبِ الْجِبَالِ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ظَاهِرَةً لَيْسَ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنْ جَبَلٍ وَلَا غَيْرِهٖ وَّحَشَرْنٰهُمْ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فَلَمْ نُغَادِرْ نَتْرُكْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا حَالٌ اَيْ مُصْطَفِّيْنَ كُلُّ اُمَّةٍ صَفٌّ وَيُقَالُ لَهُمْ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَيْ فُرَادٰى حُفَاةً عُرَاةً

غُرْلًا وَيُقَالُ لِمُنْكِرِي الْبَعْثِ بَلْ زَعَمْتُمْ نْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَیْ اَنَّهُ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ لِلْبَعْثِ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ اَیْ كِتَابُ كُلِّ امْرِأٍ فِيْ يَمِيْنِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ شِمَالِهٖ مِنَ الْكَافِرِيْنَ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ مُشْفِقِيْنَ خَائِفِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ عِنْدَ مُعَايَنَتِهِمْ مَافِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ لِلتَّنْبِيْهِ يٰوَيْلَتَنَا هَلَكَتَنَا وَهُوَمَصْدَرٌ لَا فِعْلَ لَهٗ مِنْ لَفْظِهٖ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً مِنْ ذُنُوْبِنَا اِلَّآ اَحْصٰىهَا عَدَّهَا وَاَثْبَتَهَا تَعْجَبُوْا مِنْهُ فِي ذٰلِكَ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا مُثْبِتًا فِيْ كِتَابِهِمْ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ لَا يُعَاقِبُهٗ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ ثَوَابِ مُؤْمِنٍ

ع ٦ ٥ ١٨

ترجمہ: اور آپ انہیں (اپنی قوم کو) دنیاوی زندگی کی مثال سنا دیجئے (یہ مفعول اول ہے اضرب بمعنی صیر کا) اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا (یہ مفعول ثانی ہے) اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (بارش کا پانی مٹی میں مل کر زمین کی پیداوار میں تراوٹ اور تازگی آ گئی اور خوب پھلی پھولی) پھر سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہوگیا (گھاس پھونس خشک ہوکر ریزہ ریزہ ہوگئی) ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں (ہوا انہیں لیے پھرتی ہے حاصل یہ کہ دنیا کی مثال ایک ایسی گھاس کی ہے جو پہلے تر و تازہ تھی پھر سوکھ کر چورہ چورہ ہوگئی اور ہوا میں اڑ گئی، ایک قراءت میں ریاح کے بجائے ریح ہے) اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں ہیں (سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ اللہ واللہ اکبر، اور بعض نے اسمیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا ہے) وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک اجر و ثواب کے لحاظ سے ہزار درجہ بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید کی جا سکتی ہے (انسان جو امید اور توقع اللہ سے قائم کرے) اور اس دن کو یاد کرنا چاہئے جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے (زمین سے ہنکا دیئے جائیں گے بہتی ہوئی ریت کے مانند ہو جائیں گے اور ایک قراءت میں یسر کے بجائے نسیر، نون کے ساتھ اور یاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور جبال منصوب ہے) اور آپ زمین کو دیکھیں گے کھلا میدان پڑا ہے (بالکل صاف، نہ اس پر پہاڑ ہوگا اور نہ کچھ اور) اور ہم سب (مسلمانوں اور کافروں) کو اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے اور ان سب کی صفیں تمہارے پروردگار کے روبرو پیش ہوں گی (صفا، حال واقع ہے یعنی ہر جماعت صف بستہ ہوکر برابر کھڑی ہوگی اور ان سے کہا جائے دیکھو جس طرح تمہیں ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا آخر پھر تم ہمارے پاس آئے بھی (یعنی ایک ایک کر کے الگ الگ ننگے پاؤں، ننگے بدن بغیر ختنہ کے اور منکرین قیامت سے کہا جائے گا) مگر تم نے خیال کیا تھا کہ ہم نے (ان مخففہ ہے اصل میں انہ تھا) تمہارے لیے (قیامت کا) کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا (یعنی ہر انسان کا نامۂ اعمال سامنے آ جائیگا نیک لوگوں کا داہنے ہاتھ میں اور بدکاروں کا بائیں ہاتھ میں) اور اس وقت آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہوگا مجرم (کافر) اس سے ہراساں (خائف) ہو رہے ہوں گے وہ چیخ اٹھیں گے (اپنی بربادی دیکھ کر) ہائے (یہ کلمہ تنبیہ کے لیے آتا ہے) ہماری کمبختی (یہ مصدر ہے، لفظوں میں اس کا فعل نہیں آتا) یہ نامۂ اعمال کیسا ہے کہ (ہمارے گناہوں کی) کوئی بات بڑی ہو یا چھوٹی اس سے چھوٹی ہوئی نہیں ہے سب قلمبند ہے (اس کو گن کر رکھا ہے اور محفوظ کر دیا ہے اسے دیکھ کر یہ حیرت کریں گے) غرضیکہ جو کچھ انہوں نے کیا

تھا وہ اپنے سامنے (نامۂ اعمال میں محفوظ کیا ہوا) موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (کہ بغیر جرم کے کسی کو سزا دے یا کسی کی نیکی میں کمی کر دے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: صَیِّرْ: اس سے اشارہ ہے کہ اضرب یہاں صیّر اور مثل الحیوۃ یہ اس کا مفعول اول ہے۔

قولہ: بِهٖ: باسببیہ ہے مع کے معنی میں نہیں ہے۔ یا با الصاق کے لیے ہے۔

قولہ: اَلْمَعْنٰی شَبَہَ الدُّنْیَا: مشبہ بہ۔ نباتات ہے نہ کہ پانی ھشیم، ریزہ ریزہ ہونا۔

قولہ: یُتَجَمَّلُ بِهِمَا: زینت کی زندگی کی طرف اضافت ظرفیت کے لحاظ سے ہے۔ مصدر الزینت بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ: اس سے وہ اعمال خیر مراد ہیں جنکا ثمرہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

قولہ: مَا یَأْمُلُهٗ: یہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: حَشَرْنٰهُمْ: یعنی موقف کی طرف جمع کریں گے۔ ماضی کے صیغہ سے تذکرہ قطعی و یقینی ہونے کی وجہ سے ہے۔

قولہ: عُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ: اس سے اشارہ کیا ان کی پیش کا حال اس طرح جیسے لشکر کو بادشادہ کے دربار میں پیش کیا جاتا ہے اور یہ معرفت کے لیے نہیں بلکہ حساب کے لیے تعریض ہوگی۔

قولہ: مُصْطَفِّیْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ صفا مصدر بمعنی مشتق ہے۔

قولہ: یُقَالُ لَهُمْ: اس کو تنظیم کلام کے لیے مقدر مانا گیا۔ اور یہ بھی اشارہ ہے اس کا مخاطب ماقبل کے علاوہ ہے۔

قولہ: کِتَابُ کُلٍّ: اس سے اشارہ ہے کہ کتاب میں لام استغراقی ہے۔

قولہ: خَائِفِیْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ یہ اشفاق بمع خوف ہے نہ شفقت۔

قولہ: عَدَّهَا: سے اشارہ ہے۔ احصاء انتہاء کے معنی میں نہیں بلکہ گنتی اور شمار کے معنی میں ہے۔

قولہ: تَعَجَّبُوْا: اس سے اشارہ ہے کہ یہ استفہام تعجبی ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا....

دنیا کے فناء و زوال کی ایک مثال:

(ربط) گزشتہ آیات میں دو شخصوں کی مثال بیان کی تھی جس سے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بتلانا مقصود تھا اب پھر دنیا کی بے ثباتی کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں تاکہ دنیا کی اندرونی حقیقت ظاہر ہو جائے اور لوگ اس کی ظاہری زیب و زینت کو دیکھ کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کی ظاہری آرائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ دنیا ہیچ ہے۔

قابل فخر نہیں قابل فخر اور قابل شکر باقیات صالحات یعنی اعمال صالحہ ہیں جن کے مقابلہ میں ساری دنیا کی آرائش اور زیبائش ہیچ ہے۔ دنیا تو خسیس ہے اگر نفیس کی خواہش ہے تو آخرت کی تیاری کریں اور آخرت کے لیے کوئی ذخیرہ اور خزینہ تیار کریں اور وہ خزانہ اعمال صالح کا ہے دیکھ لو کہ ابلیس تکبر اور اپنی اصل پر غرور کی وجہ سے کیسا ذلیل وخوار ہو کر نکلا۔ اور آخر میں فرمایا کہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کو دیکھ لیں کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کیسے ہلاک ہوئے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ متکبرین ایک حقیر اور فانی چیز پر فخر کر رہے ہیں حالانکہ ایک خسیس اور سریع الزوال چیز پر فخر کرنا نادانی ہے۔ پھر قیامت کے ہولناک منظر کو بیان کیا کہ اس دنیا کے فناء وزوال کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت ایمان اور عمل صالح کام آئے گا۔ دنیا کی مال ودولت کچھ کام نہ آئے گی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کے لیے جو اموال واولاد پر فخر کرتے ہیں دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ کیسی ہری بھری معلوم ہوتی ہے اور پھر کیسی جلدی زائل اور فنا ہو جاتی ہے وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی کے ذریعہ سے گنجان روئیدگی حاصل ہوئی۔ جس سے وہ زمین تر وتازہ اور سرسبز وشاداب ہوگئی اور خوش نما معلوم ہونے لگی پھر آخر کار وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہوگئی جس کو ہوائیں اڑانے لگیں اور اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے وہی اپنی قدرت سے سبزہ اگاتا ہے اور پھر اس کو خشک کر کے ہوا میں اڑاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ اول اول سبزہ اور کھیتی کی مانند تروتازہ اور خوش نما معلوم ہوتی ہے اور خوب بہار دکھاتی ہے پھر جس طرح چند روز کے بعد سبزہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور دائیں اور بائیں ہوائیں اس کو اڑا لے جاتی ہیں اسی طرح چند روز بعد یہ دنیا بھی فنا ہو جائے گی۔ لہٰذا چند روزہ رونق اور بہار پر پھولنا اور اترانا عقل کا کام نہیں خوب سمجھ لو کہ جس خدا نے تم کو آل واولاد کی زینت عطا کی ہے وہ اس کے فناء کرنے پر بھی قادر ہے مال اور بیٹے جن پر کافر اتراتے ہیں اور فخر کرتے ہیں محض دنیاوی زندگی کی زینت ہیں زاد آخرت نہیں اور ایسی چیز پر دل لگانا اور فخر کرنا جو چند روز کے بعد زائل ہو جائے اور آخرت میں کچھ کام نہ آئے عاقل کا کام نہیں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی وہ اعمال صالحہ جو خالص اللہ کے لیے کئے گئے ہوں اور طمع اور غرض کا شائبہ اس میں نہ ہو وہ تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے خوب تر ہیں اور باعتبار امید اور توقع کے بہتر ہیں یعنی اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو نیک عمل کرے گا وہ بہشت میں من مانی مراد پائے گا اس کے سوا تمام امیدیں موہوم ہیں اعمال صالحہ کا ثمرہ دائمی اور باقی ہے اور غیر اعمال صالحہ کا نتیجہ وقتی اور عارضی ہے۔

باقیات صالحات کی تفسیر میں سلف اور خلف سے مختلف اقوال منقول ہیں (قول اول) ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے کہ باقی رہنے والی نیکیاں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ کلمات ماثورہ ہیں اور اس کی تائید مرفوع حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔

قول دوئم: باقیات صالحات سے نماز ہائے پنجگانہ مراد ہیں۔

قول سوئم: باقیات صالحات سے وہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں جن کے ثمرات باقی رہنے والے ہیں جیسے کسی کو علم سکھایا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم جاری کرے یا مسجد یا کنواں یا سرائے یا باغ یا کھیت خدا کے لیے وقف کر جائے یا اولاد کو

تربیت کر کے صالح یا عالم یا عمل چھوڑ جاتے تو یہ سب صدقات جاریہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی اس کو ملتا رہے گا اور یہی قول سب اقوال میں راجح اور صحیح ہے اور یہی قول سب سے اعم اور اشمل ہے جس میں نماز اور اعمال حج اور روزہ اور کلمات ماثورہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وغیرہ وغیرہ اور تمام پاکیزہ اقوال اور افعال جن کا ثمرہ آخرت کے لیے باقی رہے وہ سب باقیات صالحات میں داخل ہیں اور اسی قول کو امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ باقیات صالحات کی تلقین سے آخرت کی ترغیب مراد ہے کہ اس کے لیے تیاری کریں اب آئندہ آیات میں قیامت کے ہولناک واقعات سے آگاہ کرنے کے لیے چند انواع کا ذکر فرمایا۔

(نوع اول) وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ اور اس دن کو یاد کرنا چاہیے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو انکی جگہوں سے ہٹا کر چلا دیں گے جن کا وجود اور بقاء لوگوں کی نظروں میں مستحکم ہے ان کو روئی کے گالوں کی طرح اڑا دیں گے۔

(نوع دوم) وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً اور تو اس دن زمین کو کھلا ہوا چٹیل میدان دیکھے گا نہ اس پر کوئی پہاڑ ہوگا نہ درخت نہ مکان پوری طرح زمین قاع صفصف ہوگی یعنی برابر اور ہموار میدان ہوگی نہ اس میں اونچائی ہوگی نہ نچائی کسی چیز کا اس پر نام ونشان نہ ہوگا زمین کے مردے اور اس کے خزینے اندر سے نکل کر سب باہر آجائیں گے غرض یہ کہ اس دن زمین صاف ہموار میدان بن جائے گی اور کوئی چیز زمین کے جوف (پیٹ) میں نہ رہے گی اس کا اندرونی جوف سب ظاہر ہو جائے گا۔

(نوع سوئم) اور اس دن ہم سب لوگوں کو میدان حشر میں حساب وکتاب کے لیے جمع کریں گے پھر ہم اولین وآخرین میں سے بغیر جمع کئے کسی کو نہیں چھوڑیں گے کہ وہاں نہ لایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر نہ بھول چوک ممکن ہے نہ عجز ممکن ہے۔ قل ان الاولین والاخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم۔

(نوع چہارم) وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا اور اس دن تمام اولین وآخرین حساب کے لیے تیرے پروردگار کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے یعنی اس دن تمام لوگ حساب کے لیے احکم الحاکمین کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے کما قال تعالیٰ: یوم یقوم الناس لرب العالمین۔

(نوع پنجم) لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ : پھر پیش ہونے کے بعد منکرین قیامت کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا البتہ تحقیق تم آج ہمارے حضور میں حاضر ہوئے ہو بے حشمت ووقار اور بے خدمت گار اور بے مال ومنال اور بے کرتے پاجامے ننگے بے پروہال جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اب تو تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور تم کو یقین آگیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ اموال واولاد اور وہ باغات ومکانات جن پر تم فخر کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی چیز اس وقت تمہارے پاس نہیں جس طرح پہلی مرتبہ تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے تھے اسی طرح پھر تم کو پیدا کیا گیا ہے تم کو چاہیے تھا کہ پہلی مرتبہ کی پیدائش دیکھ کر تم دوسری مرتبہ کی پیدائش کے قائل ہو جاتے مگر تم قائل نہ ہوئے۔ بلکہ تم نے دنیا میں یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے حساب کے لیے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے۔ یعنی تم قیامت کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیاوی حیات پر مغرور اور مفتون تھے اس لیے تم نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور آخرت کے ماننے والوں پر طعن کیا اور ان کو ذلیل وخوار جانا اور بے یار ومددگار سمجھ کر ان کو ستایا تمہارا سارا گھمنڈ ختم ہوا اب خالی ہاتھ آئے ہو اس وقت اللہ کے

آگے ننگے پاؤں اور ننگے بدن اور غیر مختون محشور ہوئے ہو۔ یعنی ختنہ کے وقت تمہارے بدن کی جو ذرا کھال کٹ گئی تھی وہ بھی واپس کردی گئی۔ دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(نوع ششم) وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ اور اس دن ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا پس تو اس دن مجرموں کو دیکھے گا کہ خوف سے ڈرنے والے اور کانپنے والے ہوں گے ان جرائم کی سزا کے ڈر سے جو ان کے نامہ اعمال میں درج ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی بات کو مگر سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کراما کاتبین نے ایک ایک ذرہ لکھ دیا ہے کوئی چیز چھوڑی نہیں یہ بات وہ اپنے نامہ اعمال کو پڑھ کر کہیں گے۔

(نوع ہفتم) وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹ اور جو انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب اس نامہ اعمال میں لکھا ہوا موجود پائیں گے تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے اس وقت جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ سب تمہارے عمل کا پھل ہے۔

وَ اِذْ مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ انْحِنَاءٍ لَا وَضْعَ جَبْهَةٍ تَحِيَّةً لَهٗ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ قِيْلَ هُمْ نَوْعٌ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَ قِيْلَ هُوَ مُنْقَطِعٌ وَ اِبْلِيْسُ اَبُو الْجِنِّ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ذُكِرَتْ مَعَهٗ بَعْدُ وَ الْمَلٰئِكَةُ لَا ذُرِّيَّةَ لَهُمْ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَيْ خَرَجَ عَنْ طَاعَتِهٖ بِتَرْكِ السُّجُوْدِ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَلْخِطَابُ لِاٰدَمَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ الْهَاءُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِاِبْلِيْسَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ تُطِيْعُوْنَهُمْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ اَيْ اَعْدَاءٌ حَالٌ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰ اِبْلِيْسُ وَ ذُرِّيَّتُهٗ فِيْ اِطَاعَتِهِمْ بَدَلَ اِطَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ اَيْ اِبْلِيْسَ وَ ذُرِّيَّتَهٗ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ اَيْ لَمْ اُحْضِرْ بَعْضَهُمْ خَلْقَ بَعْضٍ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ الشَّيَاطِيْنَ عَضُدًا ۝۵۱ اَعْوَانًا فِي الْخَلْقِ فَكَيْفَ تُطِيْعُوْنَهُمْ وَ يَوْمَ مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ يَقُوْلُ بِالْيَاءِ وَ النُّوْنِ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الْاَوْثَانَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ لِيَشْفَعُوْا لَكُمْ بِزَعْمِكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ لَمْ يُجِيْبُوْهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْاَوْثَانِ وَ عَابِدِيْهَا مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَادِيًا مِنْ اَوْدِيَةِ جَهَنَّمَ يَهْلِكُوْنَ فِيْهَا جَمِيْعًا وَ هُوَ مِنْ وَبَقَ بِالْفَتْحِ هَلَكَ وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا اَيْ اَيْقَنُوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا اَيْ وَاقِعُوْنَ فِيْهَا وَ لَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ مَعْدِلًا

ع ۱۹

ترجمہ: اور جب (فعل محذوف اذکر سے منصوب ہے) ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم (صرف جھکنا مراد ہے پیشانی زمین پر ٹیکنا مراد نہیں ہے) تو سب جھک گئے مگر ابلیس نہیں جھکا وہ جنات میں سے تھا (بعض حضرات کے نزدیک جنات فرشتوں ہی کی ایک نوع ہوتی ہے پس اس صورت میں یہ استثناء متصل ہوگا اور بعض کے نزدیک استثناء منقطع ہے اور ابلیس

جنات کی اصل اول ہے اس کی ذرّیت کا بھی آگے ذکر ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی) اس لیے وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا پھر بھی کیا تم اس کو اور اس کے چیلوں کو (اسمیں آدم اور اولاد آدم کو خطاب ہے دونوں ضمیریں ابلیس کی طرف راجع ہیں) اپنا کارساز بناتے ہو مجھے چھوڑ کر (شیاطین کا کہنا مانتے ہو) حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہی (عدد بمعنی اعداء ترکیب میں حال واقع ہے) ظلم کرنے والوں نے کیا ہی بری تبدیلی قبول کی (اللہ کی فرمانبرداری کے بجائے ابلیس اور اس کی نسل کی پرستش کی) میں نے (ابلیس اور اس کی نسل کو) آسمان وزمین کے پیدا کرنے کے وقت نہیں بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت (ایک کے بنانے میں دوسرے کو شریک ومددگار نہیں کیا تھا) بھلا میں ان گمراہ کرنے والوں (شیطانوں) کو کیسے مددگار بنا سکتا تھا (کہ پیدا کرنے میں ان سے مدد لیتا پھر تم ان کی فرمانبرداری کیسے کرتے ہو؟) اور اس روز کو یاد کرو (لفظ یوم اذکر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) جب اللہ فرمائے گا (یقول یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے) جن ہستیوں (بتوں) کو تم (اپنے گمان میں شفیع جانتے ہوئے) میرے ساتھ شریک سمجھتے تھے انہیں بلالو وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے (انہیں جواب نہیں دیں گے) اور ہم ان (بتوں اور ان کی پوجا کرنے والوں) کے درمیان ایک آڑ کر دیں گے (جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہوگی جس میں سب تباہ ہو جائیں گے (لفظ موبق وبق سے بنا ہے باء کے فتحہ کے ساتھ تباہ ہو جانے کے معنی میں) اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک رہی ہے اور سمجھ جائیں گے انہیں یقین ہو جائیگا کہ اس میں انہیں گرنا ہے (وہ اس میں گر کر رہیں گے) اور اس سے گریز (فرار) کی کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: تحيةً له: یہ اسجدوا کا معمول ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ کان بمعنی صار ہے ای صار من الجن، کان من الجن جملہ مستانفہ ہے اور لم یسجد کی علت ہے

قوله: فَفَسَقَ عن امر ربِه: فا تعلیلیہ اور سببیہ دونوں ہو سکتی ہے فَسَقَ بمعنی خَرَجَ ہے عرب بولتے ہیں: فَسَقَتِ الرطبة عن قشرها جبکہ کھجور اپنے چھلکے سے نکل جائے اسی طرح یہ بھی بولتے ہیں: فَسَقَتِ الفَارة من خجرِهَا چوہا اپنے بل سے نکل گیا (ض ن ک) اس کے اصطلاحی معنی ہیں حق وصلاح کے راستے سے ہٹ جانا، نافرمان ہو جانا، حدود شریعت سے نکل جانا۔

قوله: هم نوع من الملائكة: یہ مستثنیٰ متصل کی توجیہ ہے اور ابلیس ابوالجن یہ مستثنیٰ منقطع کی توجیہ ہے افتخذونہ میں ہمزہ انکار اور اظہار حیرت کے لئے ہے اور فا تعقیب کے لئے ہے ذریۃ کا عطف تتخذونہ کی ضمیر پر ہے مجاہد نے کہا ہے کہ ابلیس کی ذریت میں لاقس اور ولھان ہیں ان دونوں کا کام طہارت میں وسوسہ ڈالنا ہے۔

قوله: ذرية: یہ ابوالجن پر تفریع ہے فَسَقَ کی تفسیر خرج سے کر کے لغوی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور عن طاعته بترک السجود کا اضافہ کر کے اصطلاحی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قوله: أَفَتتخذونه: ہمزہ محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل محذوف ہے، استفہام توبیخی ہے تقدیر عبارت

یہ ہے: أبَعْدَ مَا حَصَلَ منه ما حصل من الإباء والفسق یلیق منکم اتخاذه اولیاء۔

قولہ: من دونی: محذوف سے متعلق ہوکر اولیاء کی صفت ہے۔ من دونی کا تعلق تتخذوا سے بھی ہوسکتا ہے وھم لکم عدو مفعول یا فاعل سے حال ہے عَدُوٌّ مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں اعداء کے ہے للظالمین بدلاً سے متعلق ہے اور بدلاً بئس کے فاعل ضمیر مستتر ھو سے تمیز واقع ہے اور ابلیس وذریتہ مخصوص بالذم محذوف کا بیان ہے تقدیر عبارت یہ ہے: بئس البدل بدلاً ھو ابلیس وذریتہ

قولہ: شرکائی: شرکائی کے قرینہ سے زعمتمونی کے دونوں مفعول محذوف ہیں۔ای زعمتموھم شرکائی۔

قولہ: رَءَیٰ: رَءَیٰ کوفی رءیٰ کے آخر یا لکھتے ہیں بصری نہیں لکھتے، رآی کی اصل رَاَیَ ہے یا متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گئی تو رآ ہوا عربی زبان میں کوفیوں کا رسم الخط رائج ہے لہٰذا اس کے آخر میں یا لکھی گئی

قولہ: مُوَاقِعُوْا: اسم فاعل جمع مذکر اصل میں مُوَاقِعُوْن تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، ایک دوسرے سے قریب ہونے والے، مصدر موقعةً ہے، مصرف ظرف مکان ہے لوٹنے کی جگہ۔

تفسیر مقبولین

منصوب باذکر یعنی اذکر مقدر کا یہ ظرف ہوگا تقدیر عبارت اس طرح ہے: اذکر یا محمد لقومک وقت قولنا للملائکة، آدمؑ وابلیس کا یہ واقعہ قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ نافرمانی ہوئی۔ سجود انحناء الخ یہ ایک اشکال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر ہے جو قبیح ہے اور قبیح کا حکم کرنا بھی قبیح ہوتا ہے حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں عبادتی سجدہ مراد نہیں بلکہ تحقیقی سجدہ مراد ہے جو ایک طرح کے شاہی آداب میں سمجھنا چاہیے اور یا کہا جائے کہ سجدہ تو صرف اللہ کو کیا گیا مگر بظاہر درمیان میں آدم علیہ السلام تھے جیسے قبلہ کی طرف منہ کرکے سجدہ اللہ تعالیٰ کو کیا جاتا ہے پس اس طرح سجدہ کرنا اور وہ بھی جب کہ حکم سے ہو کفر نہیں ہوگا بلکہ ایسے وقت سجدہ نہ کرنا کفر شمار ہوگا۔ نوع من الملائکة اس قول پر فرشتوں کی دو قسمیں ہوجائیں گی، معصوم اور غیر معصوم، جنات غیر معصوم ہیں جن میں سلسلہ نسل بھی ہے۔ اس صورت میں اگر وحدت حقیقت کا خیال کیا جائے تو استثناء متصل ہوسکتا ہے اور تغایر وصفی کا خیال کیا جائے تو استثناء منقطع ہوجائے گا۔ کان بمعنی صار ہے یعنی معصیت کی وجہ سے اس کی ماہیت ہی مسخ ہوگئی۔ ذکرت معه لبد یعنی افتتخذونه وذریته میں ذریت کا ذکر ہے غرضیکہ وابلیس ابو الجن الخ یہ استثناء منقطع کی توجیہ ہے اس صورت میں جنات ناری مخلوق اور فرشتے نوری مخلوق ہوں گے۔ افتتخذونه ہمزہ کا مدخول محذوف ہے اور فا عاطفہ ہے اور استفہام تو بیخی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: العبد ما حصل منه ما حصل یلیق منکم اتخاذه ذریته شیطان کی ذریت میں لاقس اور ولہان نامی دو شیطان ہیں جو وضو اور طہارت میں وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں اور مرة اور زلنبور ایسے شیطان ہیں جو بازاری لہو لعب اور جھوٹی قسموں کو آراستہ کرکے پیش کرتے ہیں اور بتر کے ذمہ مصائب کے وقت واویلا مچانے اور بے صبری ظاہر کرنے کو مزین کرنا ہے۔ اور اعور کے سپرد زنا کرانا ہے اور مطرس جھوٹی خبریں پھیلاتا ہے۔ اور داسم کا کام یہ ہے جو

شخص گھر میں بغیر بسم اللہ پڑھے اور اللہ کا نام لئے بغیر داخل ہو جاتا ہے یہ بھی اس کے ساتھ گھس جاتا ہے بئس۔ اس کا فاعل مضمر ہے اور تمیز اس کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: بئس البدل ابلیس وذریۃ اور لفظ للظالمین محذوف سے متعلق ہو کر یا لفظ بدلا سے حال واقع ہو رہا ہے اور یا فعل ذم سے متعلق ہے۔ عضدا اس کے معنی بازو کے آتے ہیں لیکن کلام میں استعارہ ہی بولتے ہیں۔ فلان عضدی اور مراد مددگار ہوتی ہے، چنانچہ دوسری آیت میں ہے: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ موبقا اس کی تفسیر مجاہدؒ اور ابن عباسؓ نے وادی جہنم سے کی ہے: ورای المجرمون جہنم چالیس سال کی راہ سے فظنوا آئے گی۔ نظنرا۔ ظن معنی میں یقین کے ہے۔ وھی اھلاک المقدر۔ لفظ مقدر بڑھا کر ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔ شبہ یہ ہے کہ ایمان نہ لانا پہلے ہوا اور ہلاک ہونا بعد میں، پس ہلاک ہونا ایمان لانے کے لئے مانع نہ بنا؟ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہلاک مقدر مراد ہے اور وہ عدم ایمان سے پہلے ہے۔ قبلاً کوفیوں کے نزدیک ضمہ قاف اور ضمہ با کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک کسر قاف کے ساتھ اور فتحہ با کے ساتھ ہے، قبیلہ ایسی جماعت جو ایک باپ میں شریک ہو اور قبیل وہ جماعت جو ایک باپ میں شریک نہ ہو، ویجادل، اس کا فاعل الذین ہے جس سے مراد کفار ہیں اور مفعول محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: و یجادل الکفار المرسلین۔ الحق بہتر یہ ہے کہ حق سے مراد باطل کا مقابل لیا جائے۔ تاکہ تمام کتب وادیان سماویہ کو شامل ہو جائے اور آیات سے مراد بھی عام معجزات لئے جائیں۔ موعداً قیامت کا زمان و مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ موئلاً بمعنی مرجع باب ضرب سے آتا ہے بمعنی ملجاء۔

پہلے آیت: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا الخ کے عام الفاظ میں رؤسا کفار کے فخر ومباہات، کبر وغرور جیسی اخلاقی گندگیوں اور کفر وانکار جیسی بدعقیدگیوں کا حال معلوم ہوا تھا۔ آگے اسی آیت: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ میں اسی مناسبت سے ابلیس کے تکبر کی بدانجامی بتلائی جا رہی ہے اور یہ کہ یہ لوگ اگرچہ شیطان کے پیروکار ہیں مگر قیامت میں یہ پیروکاری ان کے لئے قطعاً سود مند نہیں ہوگی۔ اس کے بعد آیت: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ سے قرآن اور رسالت کے سلسلہ میں کفار کا انکار واعراض اور دلائل صحیحہ سے ان کی روگردانی اور ایمان سے محرومی بیان کر کے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے اور یہ کہ استحقاق کے باوجود ان کے عذاب میں کسی مصلحت سے دیر ہو رہی ہے۔

قرآن کریم میں بعض مطالب کو بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف شکلوں میں ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے ایسا نہیں کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط وترتیب کے ساتھ تمام مطالب مدون کر دیئے جاتے! بلکہ قرآن کریم ایک ہی بات کو جا بجا آیتوں، مثالوں اور نصیحتوں کے پیرایہ میں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ ان مقامات میں غور کرنے سے اس کے اس اسلوب بیان کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ آدمؑ وابلیس کے واقعہ میں چونکہ یہ سب سے پہلی نافرمانی تھی اس لئے اس کو بار بار دہرایا گیا۔ تاکہ اپنی کوتاہی اور قصوروار ہونے کا نقش انسان کے دل پر قائم ہو جائے۔

آیت: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ میں بھی اس دہرانے کی ایک غرض کو بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی قرآن میں مطالب کا بار بار دہرانا اس لئے ہے کہ تذکیر موعظت کا ذریعہ ہے۔ اس نکتہ پر غور کرتے جاؤ۔ قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلتے جائیں گے۔ بس قرآن کا مقصد تذکیر ہے اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ

اس کا اسلوب بیان ایک واعظ وخطیب کا ہو، ایک فلسفی کے درس کا نہ ہو۔

انسان اور شیطان گناہ کرنے کے لئے معذور نہیں ہے:

ابلیس اگرچہ ناری ہے لیکن عنصر آگ کے غالب ہونے سے اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ وہ مقتضا کسی طریقہ سے مغلوب بھی ہوسکتا تھا جیسا کہ انسان کی طبیعت کا میلان گناہ کی طرف ہوتا ہے۔ مگر اس کو روکنا ممکن ہے اس لئے انسان کو معذور نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح ابلیس کو بھی معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۞ مطلب یہ ہے کہ دوست تو مجھے بنانا چاہئے تھا لیکن انسان نے دوست بنایا اپنے دشمن شیطان کو پس شیطان کا دشمن ہونا تو دوستی کے لئے مانع ہے۔ رہا دوست بنانا جو فی الحقیقت شریک بنانا ہے۔ اس کے لئے کوئی امر موجب نہیں ہے۔ آیت: مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ میں اسی کا بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اگر کوئی خدا کا شریک ہوتا تو غیر مستقل ہونے کی صورت میں کم ازکم وہ تابع کی حیثیت سے مددگار ہی ہوتا۔ اور دوسری مخلوق میں اس کی حیثیت اگر شرکت کی نہ ہوتی تو کم ازکم ذاتی تعلقات کے مد میں تو اس کی پوچھ ہوتی۔ لیکن جب یہ بھی نہیں تو ان کو شریک بنانا نری سفاہت ہے۔ آیت: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ کا حاصل یہ ہے کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہا درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ طلب حق کی جگہ جدال اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر واستہزاء ان کا شیوہ اور وطیرہ بن گیا ہے۔ گویا ان کی عقلیں ماری گئی ہیں اور حواس ہی معطل ہو چکے ہیں، اب تم کتنی ہی راہنمائی کرو، یہ راہ پانے والے نہیں ہیں۔

آیت: وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ میں فرمایا کہ منکرین کی ان سرکشیوں کا نتیجہ اچانک کیوں ظہور میں نہیں آجاتا؟ ان کے لئے خوش حالیاں اور پیروانِ حق کے لئے درماندگیاں کیوں ہیں؟ اس لئے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کررہا ہے اور رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت ملے، چنانچہ مہلت کی رسی ڈھیلی کی جارہی ہے۔ لیکن جوں ہی مقررہ وقت آیا، پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں۔

اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو یعنی اس کی تعظیم بجالاؤ تاکہ تمام مخلوق کا انقیاد ظاہر ہوجائے اور آدم خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیں تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا یعنی ابلیس کے علاوہ سب نے آدم کی بڑائی کا اعتراف کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اور گھمنڈ میں آکر کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو آدم کے سامنے کیوں جھکوں اس طرح وہ حکم خداوندی کا انکار کرکے کافروں میں شامل ہوگیا، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ابلیس جنات میں سے تھا فرشتہ نہ تھا اور نہ حکم عدولی نہ کرنا، اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر وہ اللہ کے حکم کا مخاطب ہی نہیں تھا اس لئے کہ حکم کے مخاطب تو فرشتے تھے انہیں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ یقیناً نہیں تھا لیکن وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان ہی میں شمار ہوتا تھا اس لئے وہ حکم خداوندی کا مخاطب تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ) واخرج ابن جریر ابن الانباری عنہ قال ما کان من الملائکۃ طرفۃ عینٍ واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن الحسن قال (قَاتَلَ اللّٰہُ اقواماً زَعَمُوْا اَنَّ ابلیسَ کانَ من الملائکۃِ وَاللّٰہُ یقُولُ کانَ مِنَ الجِنِّ)

جنات، انسانوں ہی کی طرح بااختیار مخلوق ہیں، مگر جنات اور انسان فرشتوں کے مانند پیدائشی فرمانبردار مخلوق

نہیں ہے بلکہ کفروایمان اطاعت ومعصیت دونوں پر قدرت دی گئی ہے چنانچہ ابلیس خود اپنے اختیار سے فسق وعصیان کی راہ اختیار کر کے حکم خداوندی کا منکر ہو گیا، فرشتوں کا یہ سجدہ ایک رمزی سجدہ، انقیاد واطاعت کی علامت کے طور پر تھا اور اس قسم کا سجدہ امم سابقہ میں جائز تھا یہ سجدہ تحیۃ (سلامی کا سجدہ) تھا شریعت محمدیہ میں غیر اللہ کے لئے ہر قسم کا سجدہ حرام ہے، اور سجدہ کرنے کا حکم صرف جن وملائکہ ہی کو نہیں تھا بلکہ تمام مخلوقات کو تھا اور روح المعانی میں ایک قول یہ لکھا ہے کہ صرف زمینی مخلوق کو تھا اور فرشتوں میں سے جو زمین پر رہتے تھے انہی کو تھا قرآن کریم میں یہ واقعہ متعدد جگہ آیا ہے مگر کسی جگہ کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا بلکہ یہاں صراحت ہے کہ ابلیس کو بھی تھا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سجدہ کا حکم ملائکہ کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی دیا گیا تھا اور فرشتوں کا تذکرہ ہر جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت کی مخلوق میں سب سے بہتر مخلوق تھے اس لئے جب ان کو حکم ہوا تو دیگر مخلوقات کو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا، ابلیس کے بارے میں جو یہ بات مشہور ہے کہ وہ فرشتہ بلکہ فرشتوں کا استاد تھا یہ خیال اسرائیلی روایات کی پیداوار ہے اور (وکَانَ مِنَ الجن) سے مقصد ابلیس کی اصل بتانا نہیں ہے بلکہ اس بات کی علت بیان کرنا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور وجہ یہ بتائی گئی ہے چونکہ وہ جنی تھا فرشتہ نہ تھا اس لئے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لئے ممکن ہوا اگر فرشتہ ہوتا تو یہ بات ممکن نہ ہوتی اس لئے کہ فرشتے فطرۃ مطیع اور معصوم ہوتے ہیں۔ (دیکھئے سورۂ تحریم)

وذُرِّيَّتَه کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے اولاد ہے توالد وتناسل کا سلسلہ جس طرح انسانوں میں ہے اسی طرح جنات میں بھی البتہ فرشتوں میں یہ سلسلہ نہیں ہے اس لئے یہ بات تو طے ہے کہ ابلیس کی بھی اولاد ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ان میں توالد وتناسل کی کیا صورت ہے، ایک صحیح حدیث جس کو حمیدی نے کتاب الجمع میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ بنو جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہوتے ہیں یا سب آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے کہ جہاں سب سے پہلے بازار میں داخل ہوتے ہیں یا سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے کہ جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت انڈوں بچوں سے پھیلتی ہے اور بعض حضرات نے اس جگہ ذریت سے مراد اس کے معاون ومددگار مراد لئے ہیں خواہ جن ہوں یا انس۔

ابلیس چونکہ جنات میں سے تھا اس لئے اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں یہ شیاطین کارساز تو کیا ہوتے میں نے آسمان اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو دکھلایا بھی نہیں، کیونکہ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت یہ موجود ہی نہیں تھے اور نہ خود ان کی تخلیق ان کو دکھلائی گئی یعنی ان میں سے ایک کی تخلیق دوسرے کو نہیں دکھلائی گئی تھی اور میں ایسا نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست وبازو بناؤں اور اس دن کو یاد کرو جب حق تعالیٰ فرمائیں گے پکارو ان کو جن کو تم میرا شریک مانتے تھے لہٰذا وہ پکاریں گے تو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے یعنی وہ ان کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے اور ہم ان (عابدین ومعبودین) کے درمیان ہلاکت کی جگہ حائل کر دیں گے یعنی دونوں کے درمیان آگ کی وسیع خلیج حائل کر دی جائے گی جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب بھی نہ

آسکیں گے کام آنا تو درکنار اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ کافر چالیس سالہ مسافت کے جہنم کو دیکھ لیں گے اور وہ یقین کرلیں گے کہ انہیں ضرور اس میں گرنا ہے یعنی ان کے لئے فرار کی کوئی راہ نہ ہوگی

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا بینا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ صِفَةٌ لِمَحْذُوْفٍ اَیْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِیَتَّعِظُوْا وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَیِ الْكَافِرُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ خُصُوْمَةً فِی الْبَاطِلِ وَ هُوَ تَمْیِیْزٌ مَنْقُوْلٌ مِنْ اِسْمِ كَانَ الْمَعْنٰی وَ كَانَ جَدْلُ الْاِنْسَانِ اَكْثَرَ شَیْءٍ فِیْهِ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی اَیِ الْقُرْاٰنُ وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ فَاعِلٌ اَیْ سُنَّتُنَا فِیْهِمْ وَ هِیَ الْاِهْلَاكُ الْمُقَدَّرُ عَلَیْهِمْ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ مُقَابَلَةً وَ عَیَانًا وَ هُوَ الْقَتْلُ یَوْمَ بَدْرٍ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِضَمَّتَیْنِ جَمْعُ قَبِیْلٍ اَیْ اَنْوَاعًا وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۚ مُخَوِّفِیْنَ لِلْكَافِرِیْنَ وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ بِقَوْلِهِمْ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا وَ نَحْوَهٗ لِیُدْحِضُوْا بِهِ لِیُبْطِلُوْا بِجِدَالِهِمُ الْحَقَّ الْقُرْاٰنَ وَ اتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ الْقُرْاٰنَ وَ مَآ اُنْذِرُوْا بِهٖ مِنَ النَّارِ هُزُوًا ﴿٥٦﴾ سُخْرِیَةً وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ مَا عَمِلَ مِنَ الْكُفْرِ وَ الْمَعَاصِیْ فَلَمْ یَتَفَكَّرْ فِیْ عَاقِبَتِهَا اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَغْطِیَةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ مِنْ اَنْ یَفْقَهُوا الْقُرْاٰنَ اَیْ فَلَا یَفْهَمُوْنَهٗ وَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ ثِقْلًا فَلَا یَسْمَعُوْنَهٗ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَی الْهُدٰی فَلَنْ یَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَیْ بِالْجَعْلِ الْمَذْكُوْرِ اَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ وَ هُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿٥٨﴾ مَلْجَاً مِنَ الْعَذَابِ وَ تِلْكَ الْقُرٰٓی اَیْ اَهْلُهَا كَعَادٍ وَ ثَمُوْدَ وَ غَیْرِهِمَا اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا كَفَرُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ لِاِهْلَاكِهِمْ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْمِیْمِ اَیْ لِهَلَاكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع ۱ ۶ ۲۰

ترجمہ: اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر قسم کے عمدہ عمدہ مضامین بیان کردیئے ہیں لفظ مثل موصوف محذوف کی صفت ہے اصل عبارت میں یوں تھی مثلاً من جنس کل مثل اور یہ مثالیں اس لیے بیان کردیں تاکہ نصیحت حاصل کرلیں) مگر انسان (کافر) بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے (جو غلط باتوں میں جھگڑے نکالتا رہتا ہے جدلا تمیز واقع ہے اصل میں کان کا اسم تھا عبارت اصل میں یوں تھی: و کان جدل الانسان اکثر شئی فیہ یعنی انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے) اور لوگوں (مکہ کے کافروں (کو کون سی بات روک سکتی ہے ایمان لانے سے (یہ منع کا مفعول ثانی ہے) جب ان کے سامنے ہدایت (قرآن) آگئی اور اپنے پروردگار سے طلبگار مغفرت ہونے سے مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سارا معاملہ انہیں بھی

پیش آجائے (مسۃ فاعل ہے یعنی کافروں کے بارے میں ہمارا قانون تقدیری ان کی ہلاکت کا ہے) یا ہمارا عذاب آسامنے کھڑا ہو (آمنے سامنے، اور وہ غزوہ بدر میں ان کا قتل ہونا ہے اور ایک قراءت میں لفظ قبلاق اور با دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ قبیل کی جمع ہوگی یعنی قسم قسم کا عذاب ان پر آجائے) اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ (مسلمانوں کو) بشارت سنائیں اور (انکار پر بدعملی کرنے والوں کو) ڈرائیں مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کر جھگڑا کرتے ہیں (اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟) تاکہ اس طرح (اپنی غلط ناحق بات کر کے) سچائی (قرآن) کو متزلزل کر دیں (بچلادیں) انہوں نے ہماری آیات (قرآن) کو اور جس (آگ) سے انہیں ڈرایا گیا تھا دل لگی (مذاق) بنا رکھا ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ اس سے گردن موڑ لے اور اپنے پچھلے کرتوت بھول جائے (اور گناہوں کے انجام پر غور نہ کرے) بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے (غلاف) ڈال دیئے ہیں کوئی بات پا نہیں سکتے (یعنی قرآن کو اگر سمجھنا چاہیں تو نہیں سمجھ سکتے) اور ان کانوں میں ڈانٹ دے دی ہے تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ (مگر وہ اس ڈاٹ کی وجہ سے) کبھی بھی راہ پانے والے نہیں آپ کا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے اگر (دنیا میں) ان کے عمل کی کمائی پر دارو گیر کرنا چاہتا تو اس دنیا میں ہی ان پر فوراً عذاب نازل کر دیتا لیکن ان کے لیے ایک میعاد (قیامت کا دن ٹھہرا رکھی ہے) اس کے سوا جائے پناہ کردیا جب انہوں نے ظلم (کفر) کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے (ایک قرأت میں لفظ مهلکهم میم کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی ہلاکت) ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ اس کے سوا (عذاب سے) کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لقد صَرَّفْنَا: صَرَّفَ تصریفًا مختلف طریقوں سے بیان کرنا اور مختلف انداز سے سمجھانا، مِنْ کُلِّ مثلٍ میں مِنْ زائدہ ہے، مِنْ کلِّ مثلٍ، مثلاً محذوف کی صفت ہو کر صرّفنا کا مفعول بہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے: صرفنا فی هذا القرآن مثلاً کائنامن کلِّ مثلٍ۔

قوله: جَدَلاً أكثرَ شيءٍ: کی نسبت سے تمیز ہے، کان کے اسم سے منقول ہے، ای کان جدال الانسان اکثر شیء فیه ای جداله اکثر من کل مجادلٍ مَنَعَ فعل ماضی (ف) الناس مفعول اول اور ان یومنوا جملہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ان سے پہلے مِن محذوف ہے۔

قوله: اذ جاء هم: یومنوا کا ظرف ہے یستغفروا کا عطف یومنوا پر ہے

قوله: أنْ تأتیهم: بتاویل مصدر ہو کر مَنَعَ کا فاعل ہے اِنتظار مضاف محذوف ہے اور أن تاتیَهُم مضاف الیہ ہے جو کہ مضاف کے قائم مقام ہے اور یاتیهم کا عطف تاتیَهُمْ پر ہے

قوله: قِبَلاً: العذاب سے حال ہے بمعنی سامنے، روبرو اور ایک قراءت میں قُبلاً ہے جو قبیل کی جمع ہے اس کے معنی انواع واقسام کے ہیں جیسے سُبُلْ سبیلْ کی جمع ہے بمعنی انواع

قوله: مبشرین و منذرین: مرسلین سے حال ہیں یجادل کا مفعول المرسلین محذوف ہے لیدْ حِضُوا یجادل سے متعلق ہے اِدحاض (افعال) پھسلانا، ٹلانا،

قوله: ما أنذِرُوا: میں ما موصولہ ہے اور أنذِرُوا میں ما موصولہ ہے اور أنذِرُوا جملہ ہوکر صلہ یہ عائد محذوف ہے یا ما مصدر یہ ہے انذار ھم کے معنی میں أنذِرُوا جملہ عاطفہ ہوکر اتخذوا کا مفعول اول ہے

قوله: مَنْ لفظاً مفرد ہے اور معناً جمع ہے لہٰذا اس کی طرف واحد اور جمع دونوں قسم کی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں جیسا کہ آئندہ پانچ ضمیریں مفرد اور پانچ جمع کی مَن کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قوله: اَکِنَّۃَ: یہ کِنان کی جمع ہے بمعنی پردہ یہ جملہ اعراض اور نسیان کی علت ہے

قوله: بالجعل المذکور: اس جملہ کا اضافہ اذاً کے مفہوم کی تعیین کے لئے ہے

قوله: رَبُّکَ: مبتداء الغفور خبر اول ذو الرحمۃ خبر ثانی

قوله: مَوْئِل: ظرف ہے بمعنی جائے پناہ (ض) وَاَلَ یئِیلُ وَاَلاً، وَال الیہ، پناہ لی

قوله: تلک القریٰ: مبتداء اَھلکناھُمْ خبر تلک القریٰ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں باب اشتغال سے ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی: اَھلکنا تلک القریٰ اَھلکناھُمْ

قوله: مُھْلَک: مصدر میمی ہے، ہلاک کرنا یا ظرف زمان ہے ہلاک ہونے کا وقت جمع مھالک، مھلک میں تین قراءتیں ہیں (۱) میم کا ضمہ اور لام کا فتحہ مُھْلَک (۲) میم اور لام دونوں کا فتحہ مَھْلَکَ (۳) میم کا فتحہ اور لام مکسور مَھْلِک۔

تفسیر مقبولین

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ.... اللہ تبارک وتعالیٰ نے گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن پاک میں کیسے کیسے قیمتی مضامین بیان فرمائے اور مختلف قسم کی مثالوں اور عبرت آموز واقعات کے مضامین کو ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی مگر جن لوگوں کی مت ہی ماری گئی ہو ان کا کیا علاج؟ وہ ہر خیر خواہی کو بدخواہی سمجھتے ہیں کفار کے رویہ سے ان کی ہٹ دھرمی اور ضد روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے ورنہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے قرآن کریم نے حق واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر کفار ٹس سے مس نہ ہوئے، غالباً اب صرف انہیں عذاب الٰہی کا ہی انتظار ہے جیسا کہ عذاب الٰہی نے پہلی قوموں کو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا، مذکورہ آیات میں تین باتوں کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے (۱) انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے وہ جھوٹے جھگڑے کھڑا کرنے میں طاق ہے اللہ کی وعیدوں کا مذاق اڑاتا ہے مگر یاد رکھو حجت تمام کردی گئی ہے، موثر انداز اور بہتر طریقہ سے بات پیش کی جاچکی ہے اب بس عذاب کا کوڑا برسنا باقی ہے، (۲) کفار کی حق بیزاری اور دین دشمنی کی وجہ سے ان سے حق بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی گئی ہے لہٰذا اب ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھی جائے۔ (۳) اللہ تعالیٰ انسانوں کی حرکتوں پر فوراً گرفت نہیں کرتے ڈھیل پر ڈھیل دیتے ہیں تاکہ انسان راہ راست پر آجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم

سے امہال کا قانون مقرر کر رکھا ہے مگر جب عذاب کا وقت موعود آئے گا تو اس وقت کوئی راہ فرار نہ ملے گی، ارشاد خداوندی ہے: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں قرآن کریم میں مختلف عنوانوں سے اور قسم قسم کے دلائل وشواہد سے سچی باتیں سمجھائی گئی ہیں، فہمائش کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی مگر سرکش اور نافرمان انسان ماننے کے لئے تیار اور انسان بڑا جھگڑالو ہے کتنی ہی صاف اور سیدھی بات ہو وہ کٹ حجتی کے بغیر نہیں رہتا جب دلائل کا جواب نہیں بن پڑتا تو بے ہودہ اور مہمل باتیں شروع کر دیتا ہے، حدیث میں ایک جھگڑالو آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا، اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو رسول بھیجے تھے ان کے ساتھ تیرا کیا طرز عمل رہا؟ وہ کہے گا اے پروردگار میں آپ پر بھی ایمان لایا اور آپ کے رسول پر بھی اور عمل میں بھی اس کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ ہے اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے وہ کہے گا میں اس اعمال نامہ کو نہیں مانتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہمارے یہ فرشتے جو تیری نگرانی کرتے تھے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں وہ کہے گا میں ان کی شہادت بھی نہیں مانتا اور نہ ان کو پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو یہ لوح محفوظ ہے اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے وہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بیشک تو ظلم سے ہماری پناہ میں ہے تب وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں ایسی بن دیکھی شہادتوں کو کیسے مان لوں؟ میں ایسے شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے اندر سے ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب ہم تیرے خلاف تیری ہی ذات میں سے گواہ کھڑا کرتے ہیں وہ سوچ میں پڑ جائے گا کہ اس کی ذات میں سے اس کے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اس کی قوت گویائی اس کے اعضاء کی طرف منتقل کر دی جائے گی) اس کے ہاتھ پیر اس کے کفر وشرک کی گواہی دیں گے پھر اس کی مہر توڑ دی جائے گی اور اس کو جہنم رسید کر دیا جائے گا اس کا بعض حصہ بعض پر لعنت کرے گا، وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تمہارا بیڑا غرق ہو میں تو تمہارے ہی لئے جھگڑا کر رہا تھا اس کے اعضاء جواب دیں گے تجھ پر خدا کی مار ہو کیا تو سمجھتا تھا کہ خدا سے کوئی بات چھپائی جا سکتی ہے؟ یہ روایت قرطبی سے لی ہے اور اس کا آخری حصہ مسلم شریف میں بروایت حضرت انس (رض) مروی ہے۔ (ماخوذ از ہدایت القرآن)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا یعنی ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اب ان کو اس بات کا انتظار ہے کہ گذشتہ اقوام کی طرح عام تباہی ان پر ڈال دی جائے یا وہ زندہ رہیں اور مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیئے جائیں اور وہ ان عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی رسولوں کی بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو فرمانبرداری کے اچھے نتائج اور نافرمانی کے برے انجام سے خبردار کر دیں ان کے پاس کوئی کوڑا نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی لوگوں سے منوالیں اور نہ عذاب لے کر آنا ان کے اختیار میں ہے کہ جب مانگو عذاب لا کھڑا کریں، اور یہ کفار جھوٹے جھگڑے کھڑے کر کے اور کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز کو زیر کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگا دیں مگر ایسا کبھی نہ ہوگا، آیات الٰہی اور تنبیہات خداوندی کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھئے، اور انہوں نے میری آیتوں کا اور اس عذاب کو جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا یعنی تذکیر بالعذاب کا مقتضی تو یہ تھا کہ ان کے دل دہل جاتے اور بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا اور اپنی غلط روش ترک کر دیتے مگر اس کے بر

عکس سنگ دل منکروں نے الٹا اسی عذاب کا مذاق اڑایا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگے کہ خدایا اگر واقعی یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب ڈال دے (انفال آیت ۳۲) اور ان ظالموں سے ان کی بداعمالیوں کے سبب سے توفیق حق سلب کر لی گئی ہے اس لئے کہ ان کے ایمان سے اب مایوسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے اعراض کیا اور وہ اپنے ان کرتوتوں کو بھول گیا جن کو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی سب سے بڑا ظالم اور ناانصاف وہ شخص ہے جس کو اللہ کا کلام سنایا گیا اور مختلف طریقوں سے اسے نصیحت کی گئی مگر پھر بھی بات پر کان نہ دھرا اور اونٹ کی طرح سر اٹھا کر چلدیا اس کو اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ وہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے، آخرت میں اسے کیسی کچھ سزا بھگتنی ہوگی، اس لئے کہ بندہ جب اپنے اختیار سے عرصہ تک حق کی مخالفت کرتا رہتا ہے اور خیر خواہانہ نصیحت کے مقابلہ پر جھگڑوں پر تل جاتا ہے اور حق کا مقابلہ مکروفریب سے کرنے لگتا ہے تو اس سے حق کو سمجھنے اور سننے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے دلوں پر پردے ڈالدئے جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی جاتی ہے۔

اور اب چونکہ ان کے کان اور دل ان کی ضد کی وجہ سے قبول حق کی استعداد کھو چکے ہیں تو اب ان بدبختوں کے راہ راست پر آنے کی کبھی توقع نہیں اس لئے آپ ان کا زیادہ غم نہ کریں۔

اور آپ ان کی فوری گرفت نہ کرنے سے یہ نہ سمجھیں کہ یہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ مجرموں کی فوری گرفت ہماری سنت نہیں ہے ہم مجرموں کو سنبھلنے کی کافی مہلت دیتے ہیں، ارشاد ہے: اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے ہیں رحم فرمانے والے ہیں اگر وہ ان کی حرکتوں پر فور گرفت کرنے لگیں تو فوراً ہی (دنیا میں) عذاب بھیج دیں یعنی حرکتیں تو ان کی ایسی ہیں کہ عذاب بھیجنے میں لحہ بھر کی بھی تاخیر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جہاں کسی نے قصور کیا فوراً ہی سزا دے دی بلکہ وہ اپنی صفت غفار اور ستاری اور شان رحیمی سے مجرموں کو سنبھلنے کا خوب موقعہ دیتا ہے اور ان کے لئے عذاب کا وقت موعود ہے اس سے کوئی ہرگز بچنے کی جگہ نہ پائے گا کہ اس میں چھپ چھپا کر خود کو محفوظ کر لے۔

اور ہم نے عاد و ثمود کی بستیوں کو اس وقت ہلاک کیا جب انہوں نے ناانصافی کی اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی اے کفار مکہ تمہیں اس سے سبق لینا چاہئے اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے تو وقت مقررہ پر تمہیں بھی عذاب الٰہی آگھیرے گا اور اس وقت تمہارے لئے بھی کوئی راہ فرار نہ ہوگی۔

وَ اذْكُرْ إِذْ قَالَ مُوْسٰى هُوَ ابْنُ عِمْرَانَ لِفَتٰهُ يُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ وَ كَانَ يَتَّبِعُهُ وَ يَخْدِمُهُ وَ يَأْخُذُ مِنْهُ الْعِلْمَ لَآ
أَبْرَحُ لَا أَزَالُ أَسِيْرُ حَتّٰى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ مُلْتَقٰى بَحْرِ الرُّوْمِ وَ بَحْرِ فَارِسٍ مِمَّا يَلِي الْمَشْرِقَ أَيِ
الْمَكَانُ الْجَامِعُ لِذٰلِكَ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا (۶۰) دَهْرًا طَوِيْلًا فِيْ بُلُوْغِهِ إِنْ بَعُدَ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا بَيْنَ
الْبَحْرَيْنِ نَسِيَا حُوْتَهُمَا نَسِيَ يُوْشَعُ حَمْلَهُ عِنْدَ الرَّحِيْلِ وَ نَسِيَ مُوْسٰى تَذْكِيْرَهُ فَاتَّخَذَ الْحُوْتُ سَبِيْلَهُ
فِي الْبَحْرِ أَيْ جَعَلَهُ بِجَعْلِ اللّٰهِ سَرَبًا (۶۱) أَيْ مِثْلَ السَّرْبِ وَ هُوَ الشَّقُّ الطَّوِيْلُ لَا نِفَاذَ بِهِ وَ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ

تَعَالٰی اَمْسَكَ عَنِ الْحُوْتِ جَرْيَ الْمَاءِ فَانْجَابَ عَنْهُ فَبَقِيَ كَالْكُوَّةِ لَمْ يَلْتَئِمْ وَ جَمَدَ مَا تَحْتَهٗ مِنْهُ فَلَمَّا
جَاوَزَا ذٰلِكَ الْمَكَانَ بِالسَّيْرِ اِلٰى وَقْتِ الْغَدَاءِ مِنْ ثَانِي يَوْمٍ قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ هُوَ مَا يُؤْكَلُ اَوَّلَ
النَّهَارِ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ تَعَبًا وَ حُصُوْلُهٗ بَعْدَ الْمُجَاوَزَةِ قَالَ اَرَءَيْتَ اَيْ تَنَبَّهْ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى
الصَّخْرَةِ بِذٰلِكَ الْمَكَانِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ يُبْدَلُ مِنَ الْهَاءِ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ بَدَلُ
اِشْتِمَالٍ اَيْ اَنْسَانِيْ ذِكْرَهٗ وَاتَّخَذَ الْحُوْتُ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَيْ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ مُوْسٰى
وَ فَتَاهُ لِمَا تَقَدَّمَ فِيْ بَيَانِهٖ قَالَ مُوْسٰى ذٰلِكَ اَيْ فَقْدُنَا الْحُوْتَ مَا الَّذِيْ كُنَّا نَبْغِ ۚ نَطْلُبُهٗ فَاِنَّهٗ عَلَامَةٌ لَنَا
عَلٰى وُجُوْدِ مَنْ نَطْلُبُهٗ فَارْتَدَّا رَجَعَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا يَقُصَّانِهَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَاَتَيَا الصَّخْرَةَ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ
هُوَ الْخَضِرُ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا نُبُوَّةً فِيْ قَوْلٍ وَوِلَايَةً فِيْ اٰخَرَ وَ عَلَيْهِ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا مِنْ
قِبَلِنَا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَيْ مَعْلُوْمًا مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ رَوَى الْبُخَارِيُّ حَدِيْثَ اَنَّ مُوْسٰى قَامَ خَطِيْبًا فِيْ بَنِيْ
اِسْرَآئِيْلَ فَسُئِلَ اَيُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَيْهِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اِنَّ لِيْ عَبْدًا
بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ اَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ مُوْسٰى يَا رَبِّ فَكَيْفَ لِيْ بِهٖ قَالَ تَاْخُذُ مَعَكَ حُوْتًا فَتَجْعَلُهٗ فِيْ
مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَهُوَ ثَمَّ فَاَخَذَ حُوْتًا فَجَعَلَهٗ فِيْ مِكْتَلٍ ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهٗ فَتَاهُ يُوْشَعُ بْنُ
نُوْنٍ حَتّٰى اَتَيَا الصَّخْرَةَ فَوَضَعَا رُؤُسَهُمَا فَنَامَا وَاضْطَرَبَ الْحُوْتُ فِي الْمِكْتَلِ فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِي
الْبَحْرِ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَاَمْسَكَ اللّٰهُ عَنِ الْحُوْتِ جَرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلَ الطَّاقِ فَلَمَّا
اسْتَيْقَظَ نَسِيَ صَاحِبُهٗ اَنْ يُّخْبِرَهٗ بِالْحُوْتِ فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَ لَيْلَتِهِمَا حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنَ الْغَدَاةِ قَالَ
مُوْسٰى لِفَتَاهُ اٰتِنَا غَدَاءَنَا اِلٰى قَوْلِهٖ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا قَالَ وَ كَانَ لِلْحُوْتِ سَرَبًا وَلِمُوْسٰى وَلِفَتَاهُ
عَجَبًا قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ اَيْ صَوَابًا اُرْشَدُ بِهٖ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الرَّاءِ وَ
سُكُوْنِ الشِّيْنِ وَ سَاَلَهٗ ذٰلِكَ لِاَنَّ الزِّيَادَةَ فِي الْعِلْمِ مَطْلُوْبَةٌ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ
عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ فِي الْحَدِيْثِ السَّابِقِ عَقَبَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ يَا مُوْسٰى اِنِّيْ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ
عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهٗ وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهٗ وَ قَوْلُهٗ خُبْرًا مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى لَمْ تُحِطْ
اَيْ لَمْ تُخْبِرْ حَقِيْقَتَهٗ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ اَيْ وَغَيْرَ عَاصٍ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ تَاْمُرُنِيْ بِهٖ وَ

قَيَّدَ بِالْمَشِيَّةِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ عَلٰى ثِقَةٍ مِنْ نَفْسِهٖ فِيْمَا الْتَزَمَ وَهٰذِهٖ عَادَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ اَنْ لَا يَثِقُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اللَّامِ وَتَشْدِيْدِ النُّوْنِ عَنْ شَيْءٍ تُنْكِرُهٗ مِنِّيْ فِيْ عِلْمِكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ اَيْ اَذْكُرُهٗ لَكَ بِعِلَّتِهٖ فَقَبِلَ مُوْسٰى شَرْطَهٗ رِعَايَةً لِاَدَبِ الْمُتَعَلِّمِ مَعَ الْعَالِمِ ع ۹ ۱۱ ۲۱

ترجمہ: اور (اس وقت کو بھی یاد کیجئے (جب کہ موسیٰ (عمران کے بیٹے) نے اپنے جوان سے کہا (ان کا نام یوشع بن نون تھا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ ایک خدمت گذار کی حیثیت سے رہتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے) کہ میں نہ ہٹوں گا (برابر چلتا رہوں گا) جب تک پہنچ جاؤں اس جگہ تک جہاں دو دریا ملتے ہیں (بحر روم و فارس کا ملاپ جس شرقی سمت میں ہو رہا ہے اس سنگم پر جب تک نہ پہنچ جاؤں) یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا) اگر وہ جگہ بہت دور ہوئی تو برابر چلتا ہی رہوں گا) پھر جب موسیٰ دونوں سمندروں کے سنگم پر پہنچے تو انہیں اس مچھلی کا خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی (یوشع تو کوچ کے وقت اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ کو یاد دلانے کا دھیان نہ رہا) فوراً ہی مچھلی نے سمندر کی راہ لی اور جلدی (یعنی حکم الٰہی سے مچھلی دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی چلی گئی سرب لمبی سرنگ کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے مچھلی کے لیے پانی روک کر راستہ بنا دیا سب طرف سے پانی رک کر طاق اور سرنہ کی طرح ہو گیا) پھر جب دونوں (اس مقام سے چل کر اگلے روز صبح) آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے جوان نے کہا کہ ہمارا ناشتہ (صبح کا کھانا) تو لاؤ آج کے سفر نے ہمیں بہت زیادہ تھکا دیا ہے (مقام مقصود سے آگے بڑھے جانے پر تعجب محسوس ہوا) جوان نے کہا لیجئے دیکھئے (لفظ رایت تنبیہ کے لیے ہے) جب ہم (وہاں) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کی بات ہی بھول گیا تھا اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل ہی بھول گیا (انسانیہ کی ضمیر سے لفظ ان اذکرہ بدل اشتمال واقع ہے تقریری عبارت اس طرح ہے انسانی ذکرہ) اس (مچھلی) نے عجب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکالی (لفظ عَجَبًا مفعول ثانی ہے غرضیکہ مچھلی کے سرنگ بنانے کا ذکر جو پہلے گذرا ہے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اور انکے خادم کو تعجب ہوا (کہنے لگے (موسیٰ) یہ ہی موقع ہے (جہاں مچھلی گم ہو گئی) جس کی ہمیں تلاش تھی (کیونکہ جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں یہی اس کی نشانی ہے) پس وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے (اور چٹان پر پہونچ گئے) تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جنہیں ہم نے اپنی خاص رحمت عنایت کی تھی (ایک قول کے مطابق نبوت مراد ہے اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ رحمت سے مراد ولایت ہے) اور انہیں ہم نے اپنے پاس سے ایک خاص طریقہ کا سکھایا تھا (علما مفعول ثانی ہے یعنی غیبی معلومات میں سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ امام بخاری نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بار خطبہ دینے کے لیے بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے، کسی نے پوچھا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا کہ میں، اس پر عتاب الٰہی ہوا کہ اللہ کی طرف نسبت کیوں نہ کی؟ چنانچہ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ "مجمع البحرین" پر ہمارے ایک خاص بندے ہیں جو آپ سے بڑے عالم ہیں موسیٰ علیہ السلام نے شوق سے پوچھا ان تک رسائی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ اپنے ساتھ مچھلی لے کے ناشتہ دان میں رکھ لو، پس جہاں

مچھلی گم ہو جائے سمجھو کہ وہیں ہیں غرضیکہ انہوں نے مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لی اور چل پڑے ساتھ یوشع بن نون بھی ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک چٹان پر پہونچ کر ان کی آنکھ لگ گئی مچھلی ناشتہ دان سے تڑپ کر دریا میں جا پہونچی اور سرنگ بناتی چلی گئی بحکم خداوندی اتنے حصے میں اس کے لیے پانی روک دیا گیا اور طاق کی طرح سوراخ بن گیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو خادم مچھلی کا ماجرسنانا بھول گئے اور پورا دن اور رات دونوں سفر ہی میں رہے جب اگلا دن ہوا تو صبح کا ناشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب فرمایا۔ بہر حال مچھلی نے تو سرنگ بنائی اور موسیٰ اور خادم حیران رہ گئے) موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ جو مفید علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے سکھا دیں (درست اور صحیح علم ایک قراءت میں لفظ رشد ضمہ را اور سکون شین کے ساتھ آیا ہے) اور موسیٰ نے یہ فرمائش اس لیے کہ علم میں ترقی مطلوب چیز ہے) ان بزرگ نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے اور ایسی بات پر تم صبر بھی کیسے کر سکت ہو جو تمہاری سمجھ سے باہر ہو؟ گذشتہ حدیث میں اسی آیت کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ ان بزرگ نے کہا کہ اے موسیٰ! جو مخصوص علم مجھے دیا گیا ہے اس سے آپ بے تعلق ہیں اور آپ کو جو علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں اور لفظ خبرا مصدر ہے یعنی حقیقت حال کی آپ کو اطلاع نہیں) موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے میں آپ کے کسی حکم کے خلاف ورزی (نافرمانی) نہیں کروں م گا (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان شاء اللہ اس لیے کہ انہیں وعدے کے بارے میں اپنے نفس پر اعتماد نہیں ہوا اور انبیاء اولیاء کی عادت یہی رہی ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا کرتے) بولے اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کچھ مت پوچھنا (اور ایک قراءت م یں فلاتسئلنی لام کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے) کسی بات کی نسبت جو تمہارے علم کے رو سے اوپر معلوم ہو بلکہ اس پر تم صبر کرنا) جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں (اس کا سبب نہ بتلاوں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کر لیا، استاذی شاگردی کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فتی نوجوان، خادم، غلام (ج) فِتْیَۃٌ، مفسرین نے یہاں عام طور پر خادم مراد لیا ہے لَا اَبْرَحُ فعل ناقص بمعنی لا اَزَالُ اس کا اسم أنا اس میں وجوبا مستتر ہے اس کی خبر حتی ابلغ کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے اَیْ اَسِیْرُ اور اگر اس کو فعل تام مانا جائے تو اس کو خبر کی ضرورت نہیں مفسر علام نے موسیٰ (علیہ السلام) کی تفسیر ابن عمران سے کر کے بعض لوگوں کے اس قول کی تردید کر دی جو کہتے ہیں کہ موسیٰ سے مراد موسیٰ ابن عمران نہیں ہیں بلکہ موسیٰ بن میشیٰ بن یوسف بن یعقوب ہیں:

قوله: لَا اَبْرَحُ: کی تفسیر لَا اَزَالُ اَسِیْرُ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اَبْرَحُ فعل ناقص ہے اور اس کی خبر اَسِیْرُ محذوف ہے اور حذف پر قرینہ حتیٰ ابلغ ہے ای لَا اَبْرَحُ سَائِرًا حُقُبًا حقب زمانہ دراز کو کہتے ہیں، ایک مقررہ مدت کو بھی کہتے ہیں، بعض حضرات نے ستر سال اور بعض نے اسی سال، اور ایک قول تیس ہزار سال کا بھی ہے یہاں مجازاً مدت دراز مراد ہے سَرَبٌ سرنگ، نالی، سوراخ سَرَبًا اتخذ کا مفعول ثانی ہے اور سبیلہ مفعول اول ہے نَصَبًا اسم ہے بمعنی تکان، کوفت، تکلیف، نصبًا لَقِیْنَا کا مفعول بہ ہے اَرَاَیْتَ میں ہمزہ استفہامیہ تعجبیہ ہے یعنی موسیٰ (g) کو یہ بتانا

مقصود ہے کہ ایسا واقعہ جو کہ عجیب ہونے کی وجہ سے نا قابل فراموش تھا مگر میں اس کو بھول گیا، أرأیت کا مفعول محذوف ہے أی أرأیت مانابنی فی ذلک الوقت محاورہ میں اخبرنی کے معنی میں مستعمل ہے جیسے اردو محاورے میں بولتے ہیں (بھلا بتلائے) چونکہ یہاں کوئی دریافت طلب بات نہیں ہے اس لئے محض اظہار تعجب کے لئے ہے اَوَیۡنَا ماضی جمع متکلم اَوِیٌ یاوی (ض) اِوِیًّا واوَاءٌ ٹھکانہ لینا، اترنا، اس لفظ کی پوری تحقیق سورۂ کہف کی آیت ۱۶ میں گذر چکی ہے اَنۡسَانِیۡهِ اَنۡسَایُنۡسِیۡ اِنۡسَاءٌ بھلا دینا نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول اول ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ثانی ہٗ میں اصل یہ ہے کہ وہ مضموم ہو مگر جب اس کے ماقبل ی ساکنہ یا کسرہ آتا ہے تو وہ کو بھی کسرہ دیتے ہیں جیسے عَلَیۡهِ فیهِ بهٖ مگر دو جگہ امام حفص نے اصل کے مطابق پڑھا ہے ایک یہاں اور دوسرے سورۂ الفتح آیت ۱۰ میں عَلَیۡهُ اللّٰہَ جس کو ملا علی قاری نے شاطبیہ کی شرح میں تفصیل سے لکھا ہے ص ۳۲۰، اَن اذکرہٗ میں اَنۡ مصدریہ ہے جملہ اَذکر بتاویل مصدر ہو کر اَنسانیہ کے مفعول ثانی سے بدل اشتمال ہے ای ما أنسانی ذکرہٗ الا الشیطان، ذکرٌ، دل میں یاد کرنا اور کسی کے سامنے ذکر کرنے کیلئے ذِکۡرٌ لہٗ استعمال ہوتا ہے عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے اور مفعول مطلق بھی اس صورت میں موصوف محذوف ہوگا ای اِتخاذًا عجبًا اور فی البحر بنا بر حال منصوب ہے ای کائنًا فی البحر اور اِتَّخذ سے متعلق بھی ہو سکتا تھا نَبۡغِ اصل میں نَبۡغِیۡ تھا قرآنی رسم الخط میں یہاں حذف کر دی گئی ہے اور سورہ یوسف آیت ۶۵ میں لکھی گئی ہے، ی کا حذف اسماء میں تو شائع ذائع ہے جیسے قاضی میں، مگر افعال میں میں شاذ اور خلاف قیاس ہے قصصًا یا تو مصدر ہے (ن) قَصَصًا پیروی کرنا ای نَقُصُّ قَصَصًا یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای قاصِینَ قصصًا مِن عندنا محذوف سے متعلق ہو کر رحمةً کا حال ہے اور من لدنا بھی محذوف سے متعلق ہو کر علمًا سے حال ہے رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

قوله: علیٰ أنۡ تُعلِمَن الخ: اَتَّبِعُکَ کے کاف سے حال ہے: ای حال کونکَ مُعَلِّمًا لی، رَشَدًا تُعَلِّمَنِ کا مفعول ثانی ہے ای تعلمنِ علمًا ذا رشدٍ، أن تعلِمَنِ میں أن مصدریہ اور آخر میں نون وقایہ ہے اور یا متکلم کی محذوف ہے نون کا کسرہ حذف یا کی علامت ہے، رَشَدًا اور رُشۡدًا (ن) ہدایت پانا

قوله: لَمۡ تُحِطۡ اَحَاطَ به: گھیرنا، اَحَاطَ به عِلمًا پوری طرح جاننا خُبۡرًا یا تو فاعل سے منقول ہو کر نسبت سے تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا مفعول مطلق برائے تاکید ہے اس لئے کہ لَمۡ تُحِطۡ بمعنی لَمۡ تُخۡبِرۡ ہے اور خُبۡرٌ بمعنی علم ہے، ای لَمۡ تعلم عِلۡمًا۔

قوله: لاَ اَعۡصِی لَکَ: اس کا عطف صابرًا پر ہے اور لا بمعنی غیر ہے

قوله: وَغَیۡرِ عَاصٍ: سے مفسر علام نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لا بمعنی غیر ہے اور اس کا عطف صابرًا پر ہے

قوله: تامرنی: سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امرًا، تامرُ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اِمرًا عجیب بات وہ بات جو خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم ہو فاش کلہاڑا (ج) فؤوس

قوله: اِصبر: اصبر محذوف مان کر اس بات کی اشارہ کر دیا کہ حتی أحدث لک مغیا محذوف کی جزء ہے اور مغیا اصبر ہے۔

تفسیر مقبولین

ابن عمران، حضرت موسیٰ علیہ السلام لاوی ابن یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔قول صحیح یہی ہے جس پر آثار متفق ہیں لیکن کعب الاحبارؒ کے نزدیک موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوبؑ مراد ہیں جو مشہور حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئے ہیں۔باقی حضرت خضرؑ سے افضل ہونے کے باوجود اکتساب کرنا، علم کے باب میں ان کی حسن طلب اور سچی سعی پر دلالت کرتا ہے۔لفتہ یوشع بن نون یہ صاحبزادہ ہیں افرائیم بن یوسف کے۔اور بعض کتابوں میں افرائیم کی بجائے افرائیم لکھا ہے۔وکان یتبعہ۔بعض نے حضرت یوشع کو غلام کہا ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آزاد ہونا شرائط نبوت میں سے ہے۔لفظ فتی سے قرآن کا اشارہ اس طرف ہے کہ طلب علم اصل زمانہ نوجوانی کا ہے اور ویخدمہ سے معلوم ہوا کہ استاد و شاگرد اور گرو اور چیلہ میں یہ تعلق قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے شاگرد اور چیلہ کی خدمت ہی استاد اور گرو کی محبت و شفقت اور کشش کا باعث بنتی ہے اور پھر یہی مناسبت اکتساب کمالات کا ذریعہ بنتی ہے۔البتہ اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ نبوت و رسالت اگر خدمت کر کے حاصل کی جاسکتی ہے تو پھر کسبی ہوئی کہا جائے گا کہ نبوت ورسالت تو محض وہبی اور عطائی ہے۔البتہ اس عطا کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پیدا کرنے میں خدمت و طاعت کو ضرور دخل ہوسکتا ہے۔

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شد

مجمع البحرین بعض نے بحر روم و فارس کا سنگم مانا ہے اور بعض کے نزدیک بحر اردن اور بحر قلزم کا سنگم ہے، لیکن یہ موقع صرف بحر محیط یا اس کے آس پاس ہے۔اور بعض نے بحرین سے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کی ذوات مراد لی ہیں کیونکہ دونوں اپنے اپنے علوم کے دریا ہیں۔ایک علم شریعت کا ایک علم مکاشفہ کا۔لیکن حافظؒ کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ نہ یہ بات کسی روایت سے ثابت ہے اور نہ الفاظ اس کے مؤید ہیں۔البتہ بطور نکتہ اور لطیفہ کے اس کو کہا جاسکتا ہے۔ حقبا ۔حقب کے معنی اسی (۸۰) سال کی مدت کے ہیں، غرضیکہ مدت طویل مراد ہے۔اس سے طلب علم کے لئے سفر کرنا اور اس کے لئے ضروری زاد راہ لینا اور صعوبت سفر کا جھیلنا اور گوارا کرنا معلوم ہوا۔نسی۔معلوم ہوا کہ وہ مچھلی خشکی کے حصہ پر رکھی ہوئی تھی۔مگر حضرت یوشع کو یاد نہ رہی تھی اور وہاں سے تڑپ کر دریا میں چلی گئی۔لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ چٹان کے پاس ایک چشمہ حیات تھا۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو کر اُٹھے اور اس چشمے سے وضو فرمایا تو اس کے پانی کی چھینٹیں ناشتہ دان میں رکھی ہوئی مچھلی پر پڑیں تو مچھلی زندہ ہوگئی اور اس نے دریا کی راہ لی۔پس اس صورت میں بھولنے سے مراد یہ ہو گی کہ خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔رہا یہ شبہ کہ ایسی عجیب بات تو بھولنی نہیں چاہئے۔بلکہ ایسی باتیں تو حافظہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجایا کرتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ عجیب وغریب بات اگر گاہِ بگاہِ پیش آئے تب تو اس شبہ کی گنجائش ہے۔لیکن جہاں ایک سے ایک بڑھ کر خوارق و عجائب پیش آتے رہیں تو وہاں نہ غیر معمولی تعجب ہوتا ہے اور نہ لوح حافظہ پر اس کا نقش رہنا ضروری ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یوشع بن نون اللہ کی قدرت و عظمت میں اس قدر مستغرق ہوگئے کہ انہیں دوسری باتوں سے ذہول ہوگیا، فاتخذ مچھلی کا دریا میں چلا جانا پہلے اور اس واقعہ کو بھول جانا بعد میں ہوا۔پس آیت میں تقدیم تا

خیر ہوگئی اصل عبارت اس طرح ہے: فا در کتہ الحیاۃ فخرج من المکتل وسقط فی البحر فاتخذ سبیلہ لفظ سربا اتخذ کا مفعول ثانی یا ضمیر مستتر سے حال ہے۔ یبدل اصل عبارت اس طرح ہے: ما انسانی ذکرہ الا الشیطان ،اس پر اشکال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا تسلط نہیں ہوسکتا۔ پھر شیطان کی طرف سے کیسے حضرت یوشعؑ پر نسیان طاری ہوا؟ جواب یہ ہے کے شیطان کی طرف بطور کسر نفسی کے اس نسیان کو منسوب کر دیا ہے ورنہ سہو و نسیان کا پیش آنا بتقضائے بشر ہونا ہے۔ عجبا، مفعول ثانی ہے اور بعض کے نزدیک یہ مصدر ہے جس کا فعل مضمر ہے۔ ای قال فی اخر کلامہ، یا قال موسیٰؑ فی جرابہ عجبت عجبا۔ اور بعض نے عجبا کو سبیلا کی صفت کہا ہے اور بعض نے اتخاذ کی صفت مانا ہے۔ ای اتخذو موسیٰ سبیل الحرث فی البحر عجبا کنا نبغ یا کو فواصل کی رعایت سے حذف کر کے کسرہ چھوڑ دیا گیا ہے اور دوسری وجہ حذف یا کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مَا موصولہ کا عائد چونکہ حذف کر دیا گیا ہے۔ اس لئے حذف سے حذف کو مناسبت ہوتی ہے۔ پس یا کو بھی حذف کر دیا گیا۔ فوجد عبدا بعض کی رائے ہے کہ حضرت موسیٰ و یوشع علیہم السلام مچھلی کے پیچھے سرنگ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت خضرؑ کو بیٹھا دیکھا اور بعض کے نزدیک چٹان پر سفید چادر تانے حضرت خضرؑ لیٹے ہوئے پائے گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے سلام کیا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے اور جواب میں انہوں نے کہا وعلیک السلام یا نبی بنی اسرائیل۔ موسیٰ علیہ السلام نے بطور تعجب پوچھا کہ آپؑ کو میرا پیغمبر ہونا کس نے بتلایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے آپؑ کو میرا پتہ نشان بتایا اور کہا کہ آپ کو تو بنی اسرائیل کی مصروفیت رہتی ہے پھر آپؑ یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ میں آپ سے کچھ سیکھنے اور اس بارہ میں آپؑ کی پیروی کرنے آیا ہوں۔ من عبادنا اس میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔ خضرؑ اس میں تین لغات ہیں خِضر اور خَضر اور خُضر یہ لقب اس لئے ہوا کہ جہاں یہ جاتے وہاں سرسبزی ہو جاتی اور آپ کی کنیت ابوالعباس تھی۔ اور آپ کا نام بلیا ہے، تفسیر خازن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ بنی اسرائیل میں سے تھے اور بعض نے ان کو ان شہزادوں میں شمار کیا ہے جو تارک الدنیا ہو گئے ہیں۔ ابن عطیہؒ اور بغویؒ اور قرطبیؒ کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ نبی ہوئے ہیں۔ لیکن قشیریؒ اور اکثر علماء ان کو ولی مانتے ہیں اور من لدنا علما سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علمِ لدنی عطا ہوا تھا۔ یعنی علم مکاشفہ اور علمِ باطن جو کسی ظاہری معلم کے بغیر حاصل ہو۔ اور لفظ عبد کی تفسیر حضرت خضرؑ کے نام سے حدیث میں آئی ہے۔ جیسا کہ واذ قال موسیٰ لفتاہ میں فتی سے مراد حضرت یوشع ہیں۔ حضرت خضرؑ گم گشتگانِ راہ کی رہبری کرتے ہیں ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ جیسا کہ اہل اللہ کے واقعات اس کے شاہد ہیں لیکن کنوؤں اور چشموں پر ان کی تعیناتی یا ان کے نام کی نیازیں کرنا، راستوں اور کنوؤں پر چراغ رکھنا وغیرہ باتیں بے اصل ہیں۔ البتہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ان کا آبِ حیات پینے کے لئے جانا اور سکندر کا محروم اور ان کا کامیاب ہونا۔ شاید ذوالقرنین کے واقعہ کو واقعہ خضر کے بعد متصلاً بیان کرنے سے سمجھا یا گیا ہو لیکن ان باتوں کا ماننا نہ ماننا اور حضرت خضرؑ کے زمانہ اور خاندان وغیرہ کی تعیین یہ سب باتیں صحیح تاریخی شہادتوں پر موقوف ہیں۔ قام خطیبا۔ قوم قبطی کی تباہی اور مصر میں حضرت موسیٰؑ کی واپسی کے بعد یہ بلیغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ جس کی تاثیر سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار اور دل پگھل گئے تھے۔ فقال انا۔ علم شرائع کے اعتبار سے یہ جواب اگرچہ صحیح تھا۔ کیونکہ نبی سے بڑھ کر علوم شریعت میں دوسرا اور کوئی مخلوق میں نہیں ہوتا لیکن جواب میں اس طرح کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی تھی اس لئے شبہ ہوسکتا تھا کہ مطلق علم میں انانیت کا دعویٰ کر گیا ہے جو خلاف واقعہ اور خلاف ادب ہے۔ کیونکہ اول تو سب سے بڑھ کر اللہ کا تعالیٰ علم مطلق ہے اور پھر علم شرائع کے علاوہ

دوسری قسمیں بھی دوسرے افراد میں پائی جاتی ہیں۔اس لئے احتیاط کلام کی تعلیم دینے کے لئے اس یقین کا مشاہدہ واقعات کے ذریعہ کرایا گیا۔لیکن حضرت موسیٰ کا یہ کمال تواضع اور سچی طلب علم ہے کہ انہوں نے استاد بنانے میں اپنے سے چھوٹے کا بھی خیال نہیں کیا اور فوراً سفر شروع کر دیا۔ بلکہ اپنے شاگرد یوشعؑ کو بھی ہمراہ لے لیا۔اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ یوشعؑ پر میرا اعتقاد اور اثر کم ہو جائے گا۔کہیں مجھے چھوڑ کر وہ ان کا دامن نہ پکڑ لے۔اور اس میں حضرت یوشعؑ کا بھی کمال سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنے استاد حضرت موسیٰؑ سے پھر بھی بے اعتقاد نہ ہوئے۔اسی کو اصطلاحِ تصوف میں توحید مطلب کہتے ہیں کہ اپنے مخدوم کے علاوہ سب سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔اور اپنا فائدہ صرف اپنے مخدوم میں منحصر سمجھ لیا جائے کیونکہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے لیکن نظر جب ہرجائی ہو تو کما حقہ، کامیابی نہیں ہو سکتی،اور مچھلی کی تخصیص اس لئے ہو کہ وہ زندہ ہو کر جب اپنے اصلی ٹھکانہ پر پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمایاں طور پر ظہور ہو سکے گا۔اور اس سے پھر اگلے واقعات سے یقین حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔قال موسیٰ: لفتاہ اٰتنا غداء نا۔جب اگلے روز ظہر کی نماز سے فراغت ہوئی تو بھوک لگی اور صبح کا کھانا طلب فرمایا۔منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے چونکہ مقصد کی دھن سوار تھی اور اسی میں مگن تھے۔اسی لئے راستہ کی تکالیف اور صعوبتِ سفر محسوس نہیں ہوئی۔لیکن جونہی مقصود اصلی سے آگے قدم دھرا فوراً تکان محسوس ہونے لگی،گویا پہلے قدم اٹھ نہیں رہے تھے بلکہ اُٹھائے جا رہے تھے اور اب ایک ایک قدم سو سو من کا ہو کر رہ گیا۔وسأ لہ ذلک یہ ایک شبہ کا جواب ہے،شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر اور صاحبِ کتاب و شریعت نبی ہونے کی حیثیت سے یقیناً حضرت خضرؑ سے افضل ہیں۔پھر ایک افضل شخص اپنے سے کم درجہ شخص کے پاس کیوں جاتا ہے اور کیسے اس سے درخواست کرتا ہے!،

جواب کا حاصل یہ ہے کہ علم میں زیادتی اور اضافہ چونکہ مطلوب ہے اس لئے حضرت موسیٰؑ نے یہ سب کچھ گوارا کیا۔پس حضرت موسیٰؑ اور ان کا علم شریعت اگر چہ افضل تھا اور حضرت خضرؑ اور ان کا علم مکاشفہ اگر چہ مفضول ہیں۔اسی لئے حضرت موسیٰؑ نے کسی موقعہ پر بھی اس کی پیروی نہیں کی اور اعتراض کرنے سے نہیں چوکے۔تاہم مزید شرف و کمال کے لئے حق تعالیٰ نے اس کی تحصیل کا حکم فرمایا۔پس حضرت موسیٰؑ اس جملہ سے یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ میرے یہاں آنے کا مقصد بجز تحصیل اور افزائشِ علم کے اور کچھ نہیں ہے۔انک لن تستطیع اول تو علمِ شریعت جس کے علمبردار حضرت موسیٰؑ ہیں اس کے تقاضے مخصوص اور مستقل ہیں اور حضرت موسیٰؑ انہی تقاضوں کے پابند ہیں۔کیونکہ دوسرے انسانوں کی راہنمائی ان سے وابستہ ہے۔ادھر علم مکاشفہ جس کے حامل حضرت خضرؑ ہیں۔اس کے طور وطریق بالکل الگ ہیں۔ان میں زیادہ تر تکوینی مصالح ہوتی ہیں۔پس دونوں کے تقاضے مختلف ہونے کی صورت میں یقیناً توافق نہیں ہو سکے گا۔نہ حضرت موسیٰؑ ظاہر شرع کا خلاف دیکھتے ہوئے مداہنت کر سکیں گے،اور نہ حضرت خضرؑ تکوینی مصالح کے پیشِ نظر اپنے مفوضہ فرائض انجام دینے میں کوتاہی کریں گے ،دوسرے طلبگار علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک تو بالکل سیکھتڑ اور ناواقف مبتدی،ان کا معاملہ تو نہایت سہل اور آسان ہوتا ہے جو کہہ دیا اور بتلا دیا اسی پر وہ قناعت کرتے ہیں۔لیکن دوسری قسم ان طلب گاروں کی ہوتی ہے جو خود بھی ماہر ہوتے ہیں اور مہارت ہی کی خاطر وہ پوری بصیرت سے چلنا چاہتے ہیں انہیں عامیانہ سطحی اور تقلیدی انداز مطمئن نہیں کر سکتا،پس یہاں حضرت موسیٰؑ جس دریا کے شناور تھے ان کو سیری بغیر تحقیق اور چھان پھوڑ کے نہیں ہو سکتی تھی۔ادھر حضرت خضرؑ جس کوچہ کے واقف کار تھے۔وہاں گم سُم رہنا ہی اصل کمال تھا۔ ہر بات میں کنج کاؤ،کھوج،کرید نامناسب تھی۔غرضیکہ ایک جگہ قیل د

قال باعثِ کمال اور دوسری جگہ لائقِ زوال اس لئے بھی دونوں کا نبھاؤ مشکل نظر آیا۔ان دونوں طالب علموں کی راہوں کے فرق کو بعض عرفا واہلِ علم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

''ہر طالبے کہ چون و چرا کند و ہر طالب علمے کہ چون و چرا نہ کند ہر دو را در چراگاہ باید فرستاد''

انی علی علم اس علم سے مراد علم مکاشفہ ہے۔جو باعثِ افضلیت ہوتا ہے۔چنانچہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اگر چہ عام صحابہؓ سے نماز روزہ میں بڑھے ہوئے نہیں تھے۔لیکن انما فضلهم بشیء وقر فی صدره وهو علم المکاشفة۔چنانچہ اگر علوم شرع کے ساتھ کسی کو علم باطن کی دولت بھی حاصل ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ تنہا علم مکاشفہ، علم شرع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ستجدنی انشاء اللہ، علم ظاہر شریعت کی پابندی کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ نے انشاء اللہ کہا۔یعنی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا۔بلکہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا۔لیکن حضرت خضرؑ کا علم چونکہ کشفی تھا انہیں تکوینا معلوم تھا کہ یہ خلاف شرع پر صبر نہیں کر سکیں گے۔اس لئے انہوں نے صاف طور پر لن تستطیع معی صبرا بلغیر تحقیق کے کہہ دیا۔فلا تسئلنی الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضرؑ جو کچھ بھی کر رہے تھے وہ بھی مبنی بر مصالح تھا اس میں بھی تکوینی حکمتیں تھیں۔اس لئے تنبیہ کرنی پڑی کہ تا وقتیکہ ان مصالح کو خود بیان نہ کروں خاموش دیکھتے رہنا۔اپنی طرف سے سوال میں پہل نہ کرنا۔چہ جائیکہ مناقشہ قائم کر دینا۔ایک متعلّم کو اپنے معلم کے ساتھ انہی آداب کے ساتھ رہنا چاہئے۔اور معلم کو متعلّم سے مناسب شرطیں طے کرنے اور منوانے کا حق ہے،فانطلقا۔اس موقع پر حضرت یوشعؑ بھی اگر چہ ساتھ تھے۔مگر اصل مقصود حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ ہیں۔اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا۔حتی اذار کبا فی السفینة کشتی میں کچھ لوگوں نے شبہ بھی کیا کہ یہ چور اُچکے معلوم ہوتے ہیں جو بغیر سامان کے سفر کر رہے ہیں،لیکن کشتی بان ان کی صورتوں اور لباس سے متاثر ہوا اور اس خیال کی تردید کرنے لگا۔اور ابی ابنِ کعبؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضرؑ کو پہچان کر بغیر کرایہ کے سب کو سوار کر لیا۔لیکن کشتی جب بھنور میں جا کر پہنچی تو بجائے اس کے کہ اس کو نکالنے میں مدد دیتے،اُلٹا اس پر تیر چلانے لگے اور نیچے سے تختے نکال کر دراڑ پیدا کر دی جس سے کشتی کے لئے خطرات پیدا ہو گئے، کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر ایک چڑیا تختے پر آ بیٹھی اور اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا تو حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ جو نسبت اس کے چونچ پر لگے ہوئے پانی کو سمندر کے پانی سے ہے وہی نسبت ہمارے علم کو علمِ الٰہی سے ہے۔بما نسیت صحیح روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے اول وعدہ کا نسیان ہوا ہے،اسی لئے مفسرؒ علام نے نسیت کا ترجمہ غفلت کے ساتھ کیا ہے۔یعنی آپؐ نے جو خاموش رہنے کی تلقین اور وصیت کی تھی مجھے اس کا ذہول ہو گیا اور بعض نے نسیان سے مراد مطلقا ترک لیا ہے۔بہر حال پہلا سوال تو بھول سے ہوا۔لیکن دوسری مرتبہ دریافت کرنا بطور شرط کے ہوا اور تیسری مرتبہ کا سوال علیٰحدگی کے لئے ہوا۔لم یبلغ الحنث۔حنث کے کئی معنی آتے ہیں، قسم توڑنا، گناہ کرنا۔لیکن یہاں لازم معصیت یعنی حد تکلیف کے معنیٰ مراد ہیں۔مطلب یہ ہے کہ لڑکا غیر مکلف تھا،اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔فقتلہ مفسر علامؒ نے تین قول بیان کئے ہیں جیسا کہ اثر سے ثابت ہے اور تینوں قول جمع بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلے اس لڑکے کو دیوار سے دے مارا، پھر زمین پر ڈال کر ذبح کر ڈالا اور گردن الگ کر دی بغیر نفس اس کا تعلق لفظ اقتلت سے بھی ہو سکتا ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ یہ محذوف سے متعلق ہو کر فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ای قتله ظالما او مظلوما تیسری صورت یہ ہے کہ مصدر محذوف کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔ای قتلا

بغیر نفس ممکن ہے ان کی شریعت میں بچہ سے بھی قصاص لینے کا قانون ہو۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت سے پہلے ہمارے یہاں بھی بچوں سے قصاص کا قانون تھا۔ بقول بیہقیؒ غزوۂ احد کے بعد صرف بالغوں کے لئے قصاص خاص ہوا۔ شیخ تقیؒ الدین سبکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نکراً کشتی میں دراڑ ڈالنے کو "شیئا امرا" سے تعبیر کیا تھا۔ اور یہاں چھوٹے بچہ کے مار ڈالنے کو "شیئا نکرا" سے بیان کیا ہے۔ یہ بتلانے کے لئے کہ یہ جرم پہلے قصور سے بڑھ کر ہے کیونکہ کشتی کے نقصان کی تلافی تو ممکن ہے لیکن مردہ بچہ کو زندہ کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے اور بعض نے اس کے برعکس مطلب کہا ہے کہ پہلا نقصان دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہاں صرف ایک بچہ کا اتلاف ہے اور کشتی ڈوبنے سے بہت سوں کا اتلاف ہو سکتا تھا۔

پچھلی آیات میں چونکہ سرداران مشرکین کی اس درخواست کی برائی بیان کی تھی کہ وہ چاہتے تھے ہماری تعلیم و تبلیغ کے وقت آنحضرتؐ کی مجلس میں مسلمان فقراء اور غرباء شریک نہ ہوں اس لئے آیت: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰـهُ میں حضرت موسیٰ وحضرت خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ بیان کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے باوجود اکمل وافضل ہونے کے اپنے سے چھوٹے حضرت خضرؑ سے استفادہ کرنے اور ان کو استاد بنانے میں بھی کوئی عار نہیں محسوس کی۔ مگر افسوس کہ تمہیں ان غریبوں کے محض شریکِ تعلیم ہونے سے بھی عار آتی ہے اور اس قصہ کے بتلانے سے آپؐ کی نبوت بھی ثابت ہوگئی۔

اسی طرح اوپر کی آیات میں اس حقیقت کو بتلایا گیا تھا کہ منکروں کی سرکشیوں کا نتیجہ اچانک ظاہر ہونے اور ان کی خوشحالیاں چھن جانے کے اگرچہ کافی اسباب پائے جاتے ہیں۔ مگر ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے اور وہ ہے قانونِ رحمت کہ ایک خاص وقت تک رحمتِ الٰہیہ کی وجہ سے عذاب رکا ہوا ہے۔ جوں ہی وہ مقرر آن آ پہنچی پھر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں! وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰـهُ میں اسی معاملہ کے ایک دوسرے پہلو کو لایا جارہا ہے، فرمایا کہ بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لئے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں اور مومنوں کے لئے محرومیاں۔ لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقتِ حال کا فیصلہ نہ کر لو، یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں تمہاری عقل صرف ظواہر کو دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے۔ مگر نہیں جانتی کہ ظواہر کی تہہ میں کتنے بواطن پوشیدہ ہیں۔ سرکشوں کے لئے اس وقت کامرانیاں ہیں اور مؤمنوں کے لئے محرومیاں۔ لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں، کامرانیاں ہیں اور مؤمنوں کی محرومیاں، محرومیاں۔ اس کا فیصلہ تم نہیں کر سکتے۔ جب پردہ اٹھے گا تو دیکھو گے کہ حقیقتِ حال کیا تھی۔ چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہ السلام کی باہمی ملاقات کا واقعہ پیش کیا جارہا ہے حضرت خضرؑ کو جو علمِ خاص دیا گیا تھا تو یقیناً بعض چیزوں کے اسرار و رموز اور بواطن ان پر کھول دیئے گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات میں تین موڑ ایسے آئے کہ ہر مرتبہ حضرت موسیٰؑ خاموش رہنے کا ارادہ اور عہد کرتے تھے، لیکن ان کا ارادہ نہ چل سکا اور ہر مرتبہ بول اٹھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانی عقل کسی درجہ میں مجبور بھی ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے وہ اس سے رک نہیں سکتی مگر کہا جائے گا کہ وہ یہیں آ کر ٹھوکر کھاتی ہے کہ بواطن وحقائق تک نہیں پہنچ سکتی، حضرت خضرؑ نے تین کام کئے، تینوں کا ظاہر برا تھا لیکن تینوں کی تہہ میں بہتری ہی بہتری تھی۔ حضرت موسیٰؑ ظاہر دیکھ رہے تھے لیکن حضرت خضرؑ پر اللہ تعالیٰ نے باطن روشن کر دیا تھا۔ اگر اسی طرح ہر کام میں ظاہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آجائیں جو حضرت خضرؑ کے سامنے آ گئی تھیں تو دُنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل

جائیں؟ مگر حکمتِ الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اُٹھے۔ کیونکہ اس پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے۔

واقعہ کی تفصیل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت مؤثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے کہ لوگوں کی آنکھیں شدتِ تاثر سے بہہ نکلیں اور دل کانپ اُٹھے۔ ایک شخص نے پوچھا اے موسیٰ! کیا آپ رُوئے زمین پر اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! یہ جواب واقع میں اگرچہ صحیح تھا۔ کیونکہ اولوالعزم پیغمبر ہونے کی وجہ اس زمانہ میں اسرارِ شریعت ان سے زیادہ جاننے والا اور کون ہوسکتا تھا، تاہم عنوان جواب اور تعبیر کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ رُوئے زمین پر وہ خود کو ہر طرح سب سے بڑھ کر عالم خیال کر رہے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ کو یہ الفاظ اور دعوے کا لب ولہجہ پسند نہیں آیا۔ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو اپنے آپ کو بہتر نہیں سمجھتے اور کہتے اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں تنبیہ وتادیب کردی جاتی ہے۔ یہاں بھی اللہ کی مرضی یہ تھی کہ جواب میں اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے حوالہ کر کے یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ومحبوب بندے بہت سے ہیں جن کا حال اسے ہی معلوم ہے۔ چنانچہ حضرت خضرؑ کی ملاقات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ بعض علوم میں وہ موسیٰؑ سے بھی بڑھ کر نکلے۔ اگرچہ ان علوم کو قربِ الٰہی میں کچھ دخل نہ ہو۔ مگر مطلقاً اپنے کو سب سے بڑا عالم کہنا تو صحیح نہ رہا۔

مجمع البحرین سے کیا مُراد ہے؟

مجمع البحرین سے کیا مُراد ہے۔ مفسر علامؒ نے بحرِ فارس اور بحرِ روم مراد لیا ہے۔ لیکن یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں۔ شاید ملاپ سے مراد ان کا نزدیک ہونا ہوگا۔ یعنی دونوں کا فاصلہ کم رہ جانا۔ اور بعض نے افریقہ کے دو دریا مراد لئے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک وہ مقام مراد ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات، دونوں خلیج فارس میں جا گرتے ہیں۔ بہرحال حضرت موسیٰؑ نے درخواست کی کہ مجھے ان کا پورا پتہ نشان بتلادیا جائے تاکہ سفر کر کے ان سے کچھ استفادہ کرسکوں، حکم ہوا کہ ان کی تلاش میں نکلو، تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے، گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع خطہ مراد ہوسکتا تھا۔ اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی، موسیٰ علیہ السلام نے ہدایتِ الٰہی کے مطابق اپنے خاص خادم حضرت یوشعؑ کو ساتھ لے کر سفر شروع کردیا۔ اور تاکید کردی کہ دیکھو مچھلی کا خیال رکھنا میں اس وقت تک برابر سفر کرتا رہوں گا جب تک منزلِ مقصود تک نہ پہنچ جاؤں، اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں تب بھی مقصد حاصل کئے بغیر سفر سے نہ ہٹوں گا۔

آبِ حیات اور قُدرت کی نشانیاں:

غرضیکہ ایک چٹان پر جس کے نیچے ''آبِ حیات'' کا چشمہ جاری تھا حضرت موسیٰؑ سو گئے۔ یوشعؑ نے دیکھا کہ مچھلی نے زنبیل سے نکل کر دریا میں جست لگادی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی اور سوراخ کرتی چلی گئی، یوشعؑ کو حیرت ہوئی اور چاہا کہ حضرت موسیٰؑ بیدار ہوں تو ان سے عرض کروں، لیکن یوشعؑ نہ معلوم کن حالات میں کھو گئے اور کہنا بھول گئے، ایسی عجیب بات کا بھول جانا اگرچہ عجیب بات ہے مگر جو شخص ہر وقت عجائب وغرائب اور خوارق کا مشاہدہ کرتا رہتا ہو وہ کسی غیر

معمولی بات کو بھی اپنے معمول کے مطابق ہی پائے گا۔اس لئے اگر کسی خیال کے غلبہ سے اس کا ذہول ہو جائے تو حیرت نہیں ہونی چاہیئے۔اور روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب یوشعؑ سے چلتے وقت مچھلی کی خبر گیری کو کہا تھا تو ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ یہ کوئی مستقل اور بڑا کام نہیں۔اس لئے یہاں متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی انسان کو اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔غرضیکہ نہ یوشعؑ کو کہنا یاد رہا اور نہ حضرت موسیٰؑ کو پوچھنے کا دھیان رہا۔

حضرت موسیٰؑ کو پورے سفر میں کہیں تکان محسوس نہیں ہوئی جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تکان محسوس ہوئی اور وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ کا مطلب یہ ہے کہ مطلب کی بات بھول جانا اور یادداشت کے عین موقعہ پر ذہول ہو جانا شیطان کی کرتوت ہے لیکن یوشعؑ جب کہ نبی ہیں پھر ان پر شیطان کا تصرف نسیان کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ایسے تصرفات میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ کسی برائی اور گناہ تک نہ پہنچا دیں۔جیسے کسی کافر کے پتھر مار دینے سے نبی کے چوٹ لگ جائے ایسے ہی یہ بھی ہے۔اور مچھلی کے دریا میں چھلانگ لگانے کو عجیب اس لئے کہا کہ: اول تو خود تلی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا عجیب تھا۔ دوسری پانی جیسی سیال چیز کا سرنگ کی شکل میں کچھ دیر کے لئے تبدیل ہو کر برقرار رہنا عجیب تر تھا۔

حضرت خضرؑ نبی تھے یا ولی؟

حضرت خضرؑ کی نبوت وولایت میں اختلاف ہوا ہے۔تاہم محققین کا رجحان ان کی نبوت کی طرف ہے جو انبیاء مستقل شریعت لے کر آتے ہیں ان کو تصرف واختیار من جانب اللہ عطا ہوتا ہے کہ خاص مصالح کے پیش نظر شریعت کے کسی عام حکم کی تخصیص یا مطلق کی تقیید کسی عام ضابطہ سے کچھ جزئی تصرفات کے اختیارات حضرت خضرؑ کو حاصل تھے۔یا کہا جائے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اسرار الٰہیہ میں بڑھے ہوئے تھے۔جنہیں قرب الٰہی میں بڑھا دخل ہوتا ہے اور حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَام اسرار کونیہ میں بڑھے ہوئے تھے۔اگرچہ قرب الٰہی میں ان اسرار کونیہ کو کوئی دخل نہ ہو۔غرضیکہ حضرت موسیٰؑ وخضرؑ کی ملاقات ہوئی۔علیک سیلک کے بعد حضرت خضرؑ نے آنے کا سبب پوچھا، حضرت موسیٰؑ نے مقصد ملاقات بتلا دیا۔خضرؑ بولے، اے موسیٰؑ! بلاشبہ آپؑ اسرار الٰہیہ کے امین ہیں۔پر بات یہ ہے کہ اسرار کونیہ کا علم مجھے عطا ہوا ہے ایک میں تم بڑھے ہوئے ہو، ایک میں مَیں! اس کے بعد ایک چڑیا جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی اسے دکھا کر خضرؑ نے کہا کہ ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے اس کی چونچ پر لگا ہوا پانی دریا کے سامنے، یہ بھی محض سمجھانے کیلئے کہا۔ورنہ ایک متناہی علم کو غیر متناہی علم سے کیا نسبت۔متاثر ہو کر حضرت موسیٰؑ نے ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کی۔معلوم ہوا کہ طلب علم کی درخواست طالب علم کی جانب سے ہونی چاہیئے۔لیکن حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرا ان کا نبھاؤ نہیں ہو سکے گا۔کیونکہ حضرت خضرؑ واقعات کونیہ کا علم پا کر موافق عمل کرنے پر مامور تھے اور حضرت موسیٰؑ جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریعی قوانین وکلیات سے تھا پس جن جزئیات میں عوارض اور خصوصیات کی وجہ سے ظاہراً عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا ۔حضرت موسیٰؑ اپنی معلومات اور فرض منصبی کے اعتبار سے ضرور ان پر روک ٹوک کریں گے۔آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑے گا اور یوں بھی متعلم کی طرف سے معلم پر روک ٹوک اور اعتراض کی صورت میں تعلیمی سلسلہ کا باقی اور جاری رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔مگر حضرت موسیٰؑ نے طالبعلمانہ صورت کو برقرار رکھتے ہوئے، ان شرطوں کی منظوری دیتے ہوئے صبر وسکون سے

ساتھ رہنے کا وعدہ کرلیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ طالب صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ مگر وعدہ کرتے وقت ان کو اس کا تصور بھی نہ ہوگا کہ ایسے مقبول و مقرب بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ تمام انسانی اخلاق اور شرائع کے بھی خلاف ہو، غنیمت ہوا کہ انہوں نے انشاء اللہ کہہ لیا تھا۔ ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا ایک اولوالعزم پیغمبر کے شایانِ شان نہ ہوتا۔ معلم کی طرف سے مناسب اور ضروری شرطوں کا مان لینا۔ ایک سچے طالبعلم کی شایانِ شان ہے۔ حضرت خضرؑ نے پیش بندی کے طور پر یہ پابندی لگادی کہ اگر کوئی بات بظاہر ناحق نظر آئے تو فوراً مجھ سے باز پرس نہ کرنے لگنا۔ جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں، چپ رہنا، از خود بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سفر کے تین اہم واقعات:

غرضیکہ ناؤ کے ذریعہ دریائی سفر طے ہوا۔ ناؤ والوں نے پہچان کر مفت سوار کرلیا لیکن کچھ دور چل کر جب حضرت خضرؑ نے کشتی کے نچلے تختے توڑ کر دراڑ ڈال دی تو اس احسان کے بدلہ میں یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو تاب نہ رہی اور بول اٹھے کہ کیا آپ لوگوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ کشتی کے تختوں کا توڑنا کنارہ کے قریب جا کر ہوا ہوگا اور یا اتنا توڑا ہوگا کہ کشتی غرق نہ ہو جائے۔ البتہ عیب دار کردی تھی۔ بہر حال لوگوں کا ڈوبنا اور نقصان اُٹھانا اگرچہ یقینی نہیں تھا مگر محتمل ضرور تھا۔ اور جب تک کوئی مصلحت غالب نہ ہو اس وقت تک احتمالِ ضرر سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور یہاں بظاہر کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی اس لئے حضرت موسیٰؑ نے روک ٹوک فرمائی۔ حضرت خضرؑ نے کہا آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا کہ اپنے قول پر نہ ٹھہر سکے اور فوراً چھلک گئے! موسیٰ علیہ السلام نے معذوری انداز میں فرمایا کہ مجھے بالکل خیال نہیں رہا تھا۔ بھول چوک پر بھی اگر گرفت کریں گے تو ساتھ رہنا یقیناً مشکل ہو جائے گا، خیر "گذشتہ راصلوٰۃ آئندہ را احتیاط" بات آئی گئی ہوئی۔ دونوں کسی آبادی کی طرف چلے۔ ایک گاؤں کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہونہار اور خوبصورت لڑکے کو پکڑ کر جان سے مار ڈالا اور چل کھڑے ہوئے۔ یہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ، دونوں ہی قول ہیں۔ جمہور مفسرینؒ نے نابالغ کہا ہے۔ اور لفظ غلام اور زکیہ بھی اس کے مؤید ہیں۔ بہر حال اس بھیانک اور دلدوز منظر کو دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے تاب ہو گئے اور چیخ اٹھے کہ اوّل تو نابالغ جو قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا، اس پر طرہ یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں، بے خطا بے قصور ایک معصوم بچہ کو اس بیدردی سے مار ڈالا آخر اس نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہوگی؟ حضرت موسیٰؑ کے طیش میں آنے کی غالباً یہ وجہ بھی ہوگی کہ کشتی کے واقعہ میں نقصان مال اگرچہ یقینی تھا مگر جانی نقصان کا صرف احتمال تھا۔ مگر یہاں تو جانی نقصان کھلی آنکھوں نظر آرہا ہے اور وہ بھی ایک معصوم بچّہ کا۔ اور پھر بے قصور! بھلا اس کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟ حضرت موسیٰ کا پہلا پوچھنا بُھول سے تھا اور یہ پوچھنا بطور اقرار کے ہوا اور تیسرا پوچھنا رخصتی ہو گیا۔ خضرؑ نے کہا ہم نے کہا نہیں تھا کہ ایسے حالات و واقعات پیش آئیں گے جن پر تم خاموشی سے صبر نہیں کرسکو گے؟ آخر وہی ہوا نہ موسیٰ علیہ السلام بولے خیر اب کے اور جانے دیجیے۔ آئندہ پھر اگر ایسی بات ہوئی تو بے شک مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

شبہات و جوابات:

(۱) کچھ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش نہیں آیا، ورنہ تورات وانجیل پچھلی

کتابوں میں ضرور ذکر ہوتا، جواب یہ ہے کہ اول تو اہل کتاب کی بعض کتابیں چونکہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں اس لئے ممکن ہے ان گمشدہ کتابوں میں یہ واقعہ بھی مذکور ہو، اور اب ان کتابوں کے گم ہونے سے یہ واقعہ بھی لوگوں کو معلوم نہ رہا ہو۔ دوسرے ہمارے پیغمبر کی حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا ہے۔ پس پچھلی کتابیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے ساکت ہیں اور ہماری کتابیں اس کو مانتی ہیں اور ثبوت، انکار کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہوتا ہے، چہ جائیکہ سکوت کے مقابلہ میں وہاں تو اور بھی راجح ہونا چاہیے (۲) بعض اس سفر اور اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ سفر ہوا ہوتا تو بنی اسرائیل میں ضرور مشہور ہوتا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی غباوت کے خیال سے کہ طرح طرح کے شبہات اور فتنہ میں لوگ مبتلا ہو جائیں گے۔ کسی سے تذکرہ نہ کیا ہو اور بنی اسرائیل کے لوگ سمجھے ہوں کہ حسب عادت و ضرورت کہیں تشریف لے گئے ہوں گے اس لئے مشہور نہیں ہوا اور یا لوگوں کو آپ کا جانا معلوم بھی ہوا ہو لیکن اس خیال سے کہ لوگوں میں حضرت موسیٰ کی سبکی ہوگی کہ اتنے بڑے عالم ہو کر دوسرے کے پاس سیکھنے کیلئے گئے۔ اس واقعہ کا لوگوں میں چرچا نہ ہونے دیا اور آہستہ آہستہ پھر یہ تذکرہ ہی موقوف ہو گیا ہو (۳) حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے اس واقعہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے؟ جواب یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں۔ (۱) مرضیات الٰہی کا علم، جس کا تعلق نفس سے ہے (۲) اور اسرار کونیہ کا علم، پس پہلا شعبہ تو شریعت کا ایک جز ہے اور ظاہر ہے کہ جز کبھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا پھر علم باطن شریعت سے کیسے افضل ہوا! رہا دوسرا شعبہ، سو اسے چونکہ مرضیات الٰہی میں کچھ بھی دخل نہیں اس لئے اس کے افضل ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا (۴) اسی طرح اس سے بعض کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ ...... افضل ہوئے! جواب یہ ہے کہ حضرت خضر کو علم باطن کے دوسرے شعبہ کا حاصل ہونا اس قصہ سے معلوم ہوا اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ علم شریعت سے کمتر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا۔ پھر حضرت خضر افضل کیسے ہوئے۔ بلکہ اس سے تو حضرت موسیٰ کی افضیلت ثابت ہوئی۔ رہا حضرت خضر کے پاس حضرت موسیٰ کا تشریف لے جانا سو اس کی بنیاد خضر کی افضیلت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ کو کلام میں احتیاط کرنے اور بولنے میں ادب کی رعایت رکھنے کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ آئندہ اپنے مرتبہ کی شان کے مناسب دیکھ بھال کر بولا کریں اور مقید کی جگہ مطلق نہ بول دیا کریں (۵) بعض کو یہ دھوکہ ہو گیا ہے کہ پھر اگر کوئی کام خلاف شرع بھی کرے تو اس پر انکار و اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی قصہ کے سلسلہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔ یعنی اگر اعتراض نہ کرتے اور خاموشی سے دیکھتے رہتے تو نہ معلوم کتنے عجائبات کھلتے۔ مگر انہوں نے بول کر بندش لگا دی۔ چنانچہ مشہور ہے

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید … کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باکمال ہونا تو نص سے معلوم تھا اس لئے انہیں خلاف ظاہر پر خاموش رہنے کی گنجائش تھی ان کیلئے چپ رہنا جائز تھا۔ دوسروں کو ان پر قیاس کر کے خاموش رہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ حضرت خضر نے جن رازوں کو بیان کیا وہ اگرچہ حضرت موسیٰ کے علوم کے برابر مفید عام نہیں تھے کیونکہ وہ لائق اتباع نہیں۔ لیکن اس معنی کو مفید خاص ضرور تھے کہ ان کے ذریعہ بعض حکمتیں مفصل طور پر منکشف ہوئیں۔ اگرچہ قرب الٰہی کیلئے صرف اتنا اجمالی عقیدہ بھی کافی ہو سکتا ہے کہ ہر کام میں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں مگر حکمتوں کی تفصیل معلوم ہونے سے جو خاص فائدہ ہوتا ہے۔

وہ اپنی جگہ نا قابل انکار ہے۔ حدیث بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہنے کیلئے حضرت موسیٰ کے متعلق تمنا فرمائی ہے، اس کا منشاء قصے اور واقعات کا سننا نہیں بلکہ خود ان اسرار اور رموز کی تمنا ہے جو حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کی صورت میں زیادہ ساتھ رہنے اور حضرت خضرؑ کے از خود بیان فرمانے سے حاصل ہوتے کیونکہ حضرت موسیٰ اگر چپ رہتے تو حضرت خضرؑ کے ساتھ رہنے کا موقعہ زیادہ ملتا اور زیادہ واقعات اور ان کے اسرار سامنے آتے جنہیں موقع بموقعہ حضرت خضر علیہ السلام از خود بیان فرمادیتے لیکن ملاقات کے طول نہ دینے اور مختصر کر دینے میں بھی نہ معلوم خدائی مصلحتیں کتنی ہوں گی (۶) بعض کو دھوکا ہوا ہے کہ الہام اگر خلاف شرع ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت خضرؑ اپنے الہامات پر عمل کر رہے تھے مگر وہ الہامات حضرت موسیٰ کی شرع کے خلاف تھے۔ اسی لئے تو ہر موقع پر انہوں نے نکیر فرمائی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اگر خود نبی تھے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ ہر نبی اپنی شریعت اور الہام کے مطابق عمل کرتا ہے ایک کو دوسرے کی تقلید کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر حضرت خضرؑ نبی نہیں، بلکہ ولی تھے تو ممکن ہے پہلی شریعتوں میں اس کی گنجائش ہو کہ ولی اپنے الہام پر عمل کرسکتا ہو چاہے وہ اس شرع کے خلاف ہو، مگر ہماری شریعت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(۷) حضرت موسیٰ کے بولنے پر جب حضرت خضرؑ نے نکیر فرمائی تو حضرت موسیٰ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تمہارے یہ سب کام خلاف شرع ہیں؟ جواب یہ ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد اجمالاً اتنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ حق تعالیٰ نے جب مجھے ان کے پاس بھیجا تو ضرور ان کا فعل اللہ کی مرضی کے موافق ہوگا۔ (۸) موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرنے کے بعد پھر کیوں اعتراض کیا؟ یہ تو وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی جو ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں اور پھر بار بار ایسا کرنا تو اور بھی برا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور خود کیا تھا۔ منجانب اللہ ان کو یہ حکم نہیں ہوا تھا اور اس کی پابندی کرنے اور اس پر قائم رہنے میں خود انہی کا فائدہ تھا اور پابندی نہ کرنے میں حضرت خضرؑ کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بالخصوص جب کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کرسکیں گے اور جو کام شرعاً واجب نہ ہو بلکہ کوئی اپنی مصلحت سے اپنے اوپر لازم کر لے اور اس کے چھوڑنے میں دوسرے کا نقصان بھی نہ ہو تو ایسے کام کا نا کرنا شرعاً گناہ نہیں ہوگا۔ پس وعدہ خلافی کا گناہ لازم نہیں آیا اور جیسے ایک دفعہ ایسے وعدہ کا خلاف کرنا جائز ہے، بار بار بھی خلاف ورزی کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس لئے کوئی شبہ نہیں رہا۔ اصل سبب اس وعدہ کا محض خوش طبعی ہوگا جو کاملین کی طرف سے بھی کبھی کبھی پیش آسکتی ہے۔

آیت: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ سے شیخ کامل کی تلاش میں حد درجہ کوشش کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے بڑھ کر کوئی واجب حق نہ چھوٹتا ہو، آیت: نَسِيَا حُوْتَهُمَا سے ثابت ہوا کہ زاد راہ وغیرہ اسباب کا سفر میں ساتھ رکھنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت: لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ سے معلوم ہوا کہ بیماری وغیرہ کسی حالت کو ظاہر کرنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت: وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ سے معلوم ہوا کہ شیطانی اثر اور تصرف سے وسوسہ اور بھول چوک کا پیش آجانا ولایت کے خلاف تو کیا، نبوت کے بھی منافی نہیں ہے۔ البتہ اتنا شیطانی تصرف جو گناہ تک پہنچا دے وہ بے شک نبوت کے شایان شان نہیں مگر وہ ثابت نہیں ہے۔ آیت: عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ سے جس علم لدنی کا عطا ہونا معلوم ہوا ممکن ہے وہ وحی یا الہام کے ذریعہ سے ہوا ہو اور یہ الہام انبیاء اور اولیاء دونوں کو ہوتا ہے۔ اس علم لدنی کو علم حقیقت اور علم باطن ہی کہتے

ہیں۔ جن واقعات کا ذکر اس قصہ میں کیا گیا ہے، ان کا علم اگرچہ علم لدنی کی اس نوع میں داخل ہے جو حضرت خضر کو عطا ہوا بہر حال یہ آیت علم لدنی کی اصل ہے آیت هَلْ اَتَّبِعُكَ میں حضرت موسیٰؑ کی طرف سے ادب و تواضع اور لطف کی کس قدر رعایت ہے جو سلوک و تعلیم کیلئے نہایت ضروری ہے۔ آیت: فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطوں کے لگانے کا حق ہے۔ آیت: قَالَ اَخَرَقْتَهَا الخ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ اکابر سے کچھ ایسے کام بھی سر زد ہو سکتے ہیں، جن کا ظاہر اگرچہ خلاف شرع ہوتا ہے۔ مگر واقعتاً وہ خلاف شرع نہیں ہوتے، دوسرے یہ کہ بعض اہل اللہ جن کو قطب التکوین اور صاحب خدمت کہتے ہیں، حکم الٰہی سے کچھ تکوینی تصرفات کرتے رہتے ہیں۔

سورۂ کہف میں موسیٰ (علیہ السلام) اور خضر کے قصہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود مدینہ کے سکھانے سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تین سوال کئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان سوالوں کو جواب دے دیں تو نبی ہیں اور اگر لاعلمی کا اظہار کریں تو سمجھنا کہ ان کا دعوہ نبوت جھوٹا ہے، گویا کہ بعض باتوں کے عدم علم کو عدم نبوۃ کی دلیل قرار دیا تھا، حضرت موسیٰ و خضر (علیہ السلام) کے قصہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موسیٰ جن کو تم بھی نبی مانتے ہو ان کو بھی تمام چیزوں کا علم نہیں تھا بلکہ ان کو بعض چیزوں کا علم حاصل کرنے کے لئے غیر نبی (خضر علیہ السلام) کے پاس جانا پڑا تھا، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بعض باتوں کا فوری جواب نہ دے سکیں تو یہ کوئی نقص کی بات نہیں ہے حتی کہ غیر نبی کو نبی پر جزوی فضیلت حاصل بھی ہو تو اس سے کلی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی بعض باتوں کا علم نہیں تھا جن کے حصول کے لئے خضر کے پاس جانا پڑا، موسیٰ و خضر (علیہ السلام) کے دلچسپ واقعہ کو سنانے سے مذکورہ مقصد کے علاوہ اور متعدد مقاصد کے پیش نظر یہ قصہ سنایا گیا ہے دراصل یہ قصہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا تعلیمی سفر نامہ ہے جو کہ علوم و معارف کا خزینہ ہے، جب یہ واقعہ پورا ہوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرما لیتے تو دونوں کی اور خبریں معلوم ہوتیں۔

واقعہ کا آغاز:

بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے وعظ کہا جس میں حاضرین کی آنکھیں نم ہو گئیں، اور دل نرم ہو گئے، لوگوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا میں ہوں، اللہ تعالیٰ کو یہ جواب ناپسند آیا، اس لئے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو چاہئے تھا (واللہ اعلم) کہتے، یہ جواب واقع میں صحیح تھا ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا؟ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے (اس جواب پر تنبیہ کرنے کے لئے وحی آئی) ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا خدایا مجھے اس کا پتہ، نشان بتا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی تل کر اپنے تھیلے میں رکھ لو اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو جس جگہ مچھلی گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی جگہ ہمارا وہ بندہ ہے، موسیٰ (علیہ السلام) نے حسب ہدایت سفر شروع کیا اور اپنے خادم یوشع بن نون کو اپنے ہمراہ لے لیا اور مچھلی والا تھیلا دے کر فرمایا مچھلی کا خیال رکھنا اور فرمایا کہ مجمع البحرین پہنچنے تک برابر سفر کرتا رہوں گا اگرچہ منزل مقصود تک پہنچنے میں ایک طویل زمانہ ہی کیوں نہ گذر جائے، مطلب یہ کہ میں منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لوں گا۔

فائدہ: یہ ہے طلب صادق اور حصول علم کی سچی لگن، موسیٰ (علیہ السلام) کے اس مختصر ارشاد میں طالب علموں کے لئے بڑا سبق ہے علم کبھی سچی طلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور طلب علم کے لئے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرنا سنت انبیاء ہے۔

مجمع البحرین کی تعیین یقین کے ساتھ تو مشکل ہے موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ سفر قیام مصر کے دوران پیش آیا تھا تو ملک سوڈان کے شہر خرطوم کے پاس جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہو سکتی ہے، جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وادیٔ سینا میں اسارت کے زمانہ کا ہے اگر ایسا ہے تو بحر قلزم کے شمال میں دو شاخوں کے اتصال کی جگہ مراد ہے یعنی جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویز ملتی ہیں، صاحب فتح القدیر نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے مگر یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں، ملنے سے دونوں کا قرب مراد ہو سکتا ہے (فوائد عثمانی) اور بحر اردن اور بحر قلزم کا احتمال بھی پیش کیا ہے۔

جب دونوں حضرات دریاؤں کے سنگم پر پہنچے وہاں ایک بڑا بھاری پتھر تھا اور اس کے نیچے چشمہ آب حیات جاری تھا، اس کے قریب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سو گئے تو حضرت یوشع نے دیکھا کہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر تھیلے سے نکل کر جلدی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی، حضرت یوشع کو اس واقعہ اور مچھلی کے پانی میں سرنگ سی بنانے کی کیفیت سے بڑا تعجب ہوا اور سوچا کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) بیدار ہوں گے تو پورا واقعہ سناؤں گا، جب موسیٰ (علیہ السلام) بیدار ہوئے تو فوراً ہی چل کھڑے ہوئے اور یوشع واقعہ سنانا بھول گئے، روایات میں ہے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے یوشع سے کہا تھا کہ مچھلی کا خیال رکھنا تو ان کی زبان سے نکلا تھا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں، لہٰذا مچھلی کی گمشدگی کے واقعہ کو بھلا کر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام کے بارے میں بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں حضرات آگے کے لئے سفر پر روانہ ہو گئے اور یوشع مچھلی والا تھیلا اٹھانا اور مچھلی کا واقعہ سنانا بھول گئے اور موسیٰ (علیہ السلام) کو یاد دلانا بھول گئے اور باقی دن اور رات سفر کرتے رہے دوسرے روز موسیٰ (علیہ السلام) نے خادم سے ناشتہ مانگا اور یہ بھی فرمایا آج ہم بہت تھک گئے ہیں، اس موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کو تھکان محسوس نہیں ہوئی، اگرچہ موسیٰ (علیہ السلام) کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اب وہ بے مقصد سفر کر رہے ہیں مگر نفس الامری واقعات کا قلب نبوت پر انعکاس ہوا اور طبیعت نے اس کا اثر قبول کیا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تھکان محسوس ہوئی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ نفس الامری واقعہ کا آپ کے قلب مبارک پر انعکاس ہوا ہے ایک مرتبہ کھانا کھایا جا رہا تھا آپ نے بھی ایک بوٹی لی مگر وہ چبی نہیں آپ نے پھینک دی اور فرمایا یہ گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، ایک مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جہری نماز کے بعد مقتدیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا کسی نے میرے پیچھے قرأت کی؟ ایک صاحب نے عرض کیا جی ہاں، میں نے قرأت کی، تو آپ نے فرمایا میں سوچ رہا تھا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے؟ یعنی امر منکر کا قلب نبوت پر اثر پڑا اور آپ کے لئے قرأت دشوار ہو گئی۔

فائدہ: موسیٰ (علیہ السلام) کے اس ارشاد سے کہ ہم آج تھک گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا اظہار جائز ہے یہ کمال کے منافی نہیں ہے البتہ بے صبری اور شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ (جصاص)

فائدہ: موسیٰ (علیہ السلام) کے ناشتہ طلب کرنے سے معلوم ہوا کہ نبیوں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے، زادہ راہ بھی ساتھ رکھتے ہیں اور تھکن بھی محسوس کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز نبوت وولایت کے منافی نہیں ہے جو خوش عقیدہ مرید بزرگوں کی جانب بھوک پیاس اور دیگر بشری ضرورتوں کے انتساب کو بے ادبی سمجھتے ہیں ان کے لئے اس میں بڑا سبق ہے (تفسیر ماجدی) القصہ دونوں حضرات اگلی صبح تک چلتے رہے اور اس پورے سفر میں مچھلی والے تھیلے کا دونوں میں سے کسی کو بھی خیال تک نہ آیا یہاں تک کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے ناشتہ مانگا تو خادم کو احساس ہوا کہ وہ مچھلی والا تھیلا تو میں وہیں بھول آیا ہوں اس وقت خادم ہی ہوتا ہے مگر مخدوم کی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، اور ساتھ ہی خادم نے یہ بھی کہہ دیا کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا، شریعت کی اصطلاح میں ہر بری بات کا انتساب شیطان اور نفس کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ شیطان نے مجھے بھلا دیا، شریعت کی اصطلاح میں ہر بری بات کا انتساب شیطان اور نفس کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ شیطان ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے اور نفس ہی اس کے فریب میں آتا ہے، موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اس موقعہ کی تو ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے نشان قدم کو دیکھتے ہوئے واپس پلٹے اور اس چٹان کے پاس پہنچے وہاں ہمارے ایک خاص بندے سے ملاقات ہوئی، یہ بندہ کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ یہ انسان تھے یا فرشتے اور اگر فرشتے تھے تو علوی یا سفلی اور اگر انسان تھے تو نبی تھے یا ولی؟ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، آراء مختلف ہیں علامہ عثمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ نبی ہیں صحیح احادیث میں ان کو خضر کہا گیا ہے یہ ان کا وصفی نام ہے حدیث میں اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار خضر (علیہ السلام) ایک سوکھی سفید زمین پر بیٹھے ہوئے تھے وہ یکا یک سبزہ زار ہوگئی اسی وجہ سے ان کا لقب خضر (سبزہ) ہوگیا (رواہ البخاری والترمذی) اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور اسرار کونیہ سے وافر مقدار میں حصہ عطا فرمایا تھا، جو حضرات انسان ہونے کے قائل ہیں ان میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ وہ ولی ہیں، اور جو حضرات ان کو ملائکہ میں شمار کرتے ہیں وہ ملائکہ سفلی میں شمار کرتے ہیں جن کو اصطلاح میں رجال الغیب کہا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ خضر ایک عہدہ ہے جس پر یکے بعد دیگرے فائز ہونے والے کو خضر کہا جاتا ہے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ .... موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں چند روز آپ کے ساتھ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) باوجود یکہ جلیل القدر پیغمبر ہیں ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ سے اس مخصوص علم میں سے کچھ حاصل کروں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس طلب اجازت میں کس قدر فروتنی اور حسن ادب ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعلم فضیلت وفوقیت کے باوجود معلم کے تابع ہوتا ہے اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاضل بھی مفضول سے وہ علم حاصل کر سکتا ہے جو اس کے پاس نہ ہو، موسیٰ (علیہ السلام) کا علم شرعی احکام کا علم تھا اور خضر کو بعض مغیبات کا علم اور بواطن کی معرفت حاصل تھی۔

خضر (علیہ السلام) نے کہا آپ قطعاً میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، اس لئے کہ جب آپ میرے کاموں کو ظاہر شریعت کے خلاف پائیں گے تو ان پر آپ ضرور روک ٹوک کریں گے، حضرت خضر (علیہ السلام) نے اندازہ کر لیا تھا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا اس لئے کہ موسیٰ (علیہ السلام) جن علوم شرعیہ کے حامل تھے ان کا تعلق ظاہری تشریعی قوانین سے تھا اور خضر (علیہ السلام) مامور

تھے کہ واقعات کونیہ کے علم کے مطابق عمل کریں اور وہ علم تکوینی کے مطابق عمل کریں گے تو بظاہر علم تشریعی کے خلاف ہوگا جس پر موسیٰ روک ٹوک کئے بغیر نہ رہ سکیں گے جو کہ نبی کا فرض منصبی ہے انہی وجوہات کے بنا پر حضرت خضر (علیہ السلام) نے کہا اور ایسی باتوں پر آپ صبر کیسے کر سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہ ہوں، ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا شان پیغمبری سے بعید اور فرض منصبی کے خلاف ہے۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے غرضیکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے شرائط کو قبول کرتے ہوئے صبر کرنے اور سکوت اختیار کرنے کا وعدہ کر لیا مگر وعدہ کرتے وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے مقرب اور مقبول بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع و اخلاق کے بھی خلاف ہوگی اور وہ نکیر کرنے پر مجبور ہوں گے یہ تو غنیمت ہوا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے انشاء اللہ کہہ لیا تھا ورنہ قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا لازم آتا جو پیغمبر کی شایان شان نہ ہوتا۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۝

یعنی اگر مجھ سے کوئی بات مجھ سے بظاہر نامناسب اور ناحق معلوم ہو تو مجھ سے فوراً باز پرس نہ کریں جب تک کہ میں کسی مناسب وقت پر اپنے کام کی حقیقت اور علت خود ہی بیان نہ کر دوں اگر یہ بات منظور ہے تو اجازت ہے میرے ساتھ چلنے چنانچہ دونوں بزرگ چل دیئے اس واقعہ پر قرآن کریم نے حضرت یوشع کا ذکر نہیں کیا یا تو اس لئے کہ عام طور پر ایسے موقع پر متبوع کا ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ تابع کا، کشتی کی تلاش میں ساحل سمندر پر چلے رہے تھے تو ایک کشتی نظر پڑی، کشتی والوں سے سوار ہونے کی درخواست کی اول تو کشتی والوں نے سوار کرنے سے انکار کر دیا، چونکہ ان کے پاس کوئی سامان سفر وغیرہ نہیں تھا اس لئے ان کو چور ڈاکو سمجھا مگر ملاحوں نے حضرت خضر (علیہ السلام) کو پہچان لیا اور شکل وصورت سے بھی بھلے آدمی معلوم ہوئے تو بغیر کرایہ کے ان کو سوار کر لیا، جب یہ حضرات کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر (علیہ السلام) نے وہ کشتی نمایاں جگہ سے توڑ دی تاکہ عیب دار ہو جائے، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے یہ نازیبا حرکت دیکھ کر نہ رہا گیا تو فرمایا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تاکہ کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں آپ کی یہ حرکت شرعی و اخلاقی طور پر کسی طرح مناسب نہیں ہے آپ نے یہ بہت ہی ناپسندیدہ حرکت کر ڈالی۔

فَانْطَلَقَا یَمْشِیَانِ عَلٰی سَاحِلِ الْبَحْرِ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ الَّتِیْ مَرَّتْ بِهِمَا خَرَقَهَا الْخَضِرُ بِاَنِ اقْتَلَعَ لَوْحًا اَوْ لَوْحَیْنِ مِنْهَا مِنْ جِهَةِ الْبَحْرِ بِفَاْسٍ لَمَّا بَلَغَتِ اللُّجَّ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ التَّحْتَانِیَّةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ اَهْلِهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا۝ اَیْ عَظِیْمًا مُنْكَرًا اُرْوِیَ اَنَّ الْمَاءَ لَمْ یَدْخُلْهَا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ اَیْ غَفَلْتُ عَنِ التَّسْلِیْمِ لَكَ وَتَرْكِ الْاِنْكَارِ عَلَیْكَ وَلَا تُرْهِقْنِیْ تُكَلِّفْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا۝ مَشَقَّةً فِیْ صُحْبَتِیْ اِیَّاكَ اَیْ عَامِلْنِیْ فِیْهَا بِالْعَفْوِ وَالْیُسْرِ فَانْطَلَقَا بَعْدَ خُرُوْجِهِمَا مِنَ السَّفِیْنَةِ یَمْشِیَانِ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا یَبْلُغِ الْحِنْثَ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ اَحْسَنُهُمْ وَجْهًا فَقَتَلَهٗ الْخَضِرُ بِاَنْ ذَبَحَهٗ بِالسِّكِّیْنِ مُضْطَجِعًا اَوِ اقْتَلَعَ رَاْسَهٗ بِیَدِهٖ

اَوْ ضَرَبَ رَأْسَهٗ بِالْجِدَارِ اَقْوَالٌ وَ اَتٰی هُنَا بِالْفَاءِ الْعَاطِفَةِ لِاَنَّ الْقَتْلَ عَقْبُ اللِّقَاءِ وَجَوَابُ اِذَا قَالَ لَهٗ مُوْسٰی اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً اَیْ طَاهِرَةً لَمْ تَبْلُغْ حَدَّ التَّكْلِيْفِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ زَكِيَّةً بِتَشْدِيْدِ الْيَاءِ بِلَا الْاَلِفِ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَیْ لَمْ تَقْتُلْ نَفْسًا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۝ بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا اَیْ مُنْكَرًا

ترجمہ: پھر دونوں سفر کے لیے نکلے (ساحل سمندر پر ہوتے ہوئے) یہاں تک کہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے (جو ان کے سامنے سے گذر رہی تھی) تو اس نے ایک جگہ دراڑ نکال دی (حضرت خضر نے کشتی کے نیچے کلہاڑی مار کر ایک دو تختے نکال دیئے اور وہ بھی ایسے وقت جب کشتی منجدھار میں پھنس گئی تھی) یہ دیکھتے ہی (موسیٰ) چیخ اٹھے کہ آپ نے کشتی میں اس لیے دراڑ ڈال دی کہ مسافر ڈوب جائیں (اور ایک قراءت میں یغرق یاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ اور لفظ اھلھا مرفوع آیا ہے) آپ نے کیسی خطرناک بات کی (جو نہایت بے جا ہے روایت ہے کہ پانی کشتی میں داخل نہ ہو سکا تھا) تو وہ بولا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ موسیٰ بولے کہ بھول ہو گئی اس پر گرفت نہ کیجئے (یعنی آپ کی بات مان لینے اور اس پر اعتراض نہ کرنے کا وعدہ مجھے یاد نہیں رہا) اگر ایک بات بھول چوک ہو جائے تو مجھ پر سخت گیری نہ کیجئے (اپنے ساتھ رکھنے میں سختی نہ برتیے بلکہ اس معاملہ میں نرمی اور سہولت کا برتاؤ رکھئے) پھر دونوں آگے بڑھے (کشتی سے نکل کر آگے چلے) یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے (جو نابالغ تھا اور ہمجولی بچوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا) تو اس نے اسے مار ڈالا (حضرت خضر نے زمین پر پچھاڑ کر چھری پھیر ڈالی یا ہاتھ سے کھوپڑی اتار لی یا اس کا سر دیوار میں دے مارا یہ تین قول ہوئے اور فاء عاطفہ اس لیے لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ بچہ سے ملتے ہی فوراً اسے مار ڈالا اور اذا کا جواب آگے آرہا ہے) اس پر موسیٰ چیخے کہ آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی) جو معصوم اور غیر مکلف تھا اور ایک قراءت میں لفظ زکیۃ بغیر الف کے تشدید کے ساتھ آیا ہے) حالانکہ اس نے کسی جان نہیں لی تھی (کسی کو جان سے نہیں مارا تھا) بلاشبہ آپ نے بڑی ناپسندیدہ حرکت کی ہے (نکرا سکون کاف اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی بری بات کی ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَنْ تَسْتَطِيْعَ: استطاعت سے مضارع واحد مذکر حاضر، تو ہرگز نہ کر سکے گا

قوله: بِمَا نَسِيْتُ: ما موصولہ ہے جار مجرور لاتؤاخذنی سے متعلق ہے عائد محذوف ہے ای لا تاخذنی بامر الذی نسیتہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ نسیتُ بمعنی ترکتُ ہے جو کہ نسیتُ کے لازم معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما مصدریہ ہوا: ی لا تاخذنی بنسیانی، نَسِيْتُ کی تفسیر غفلت سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیتُ کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ لازم معنی جو کہ غفلت اور ترک کے ہیں مراد ہیں اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے

قوله: لا ترھقنی مِنْ امرِ عسرًا، : عسرًا لا ترھقنی کا مفعول ثانی ہے اور ترھقنی میں یا مفعول اول ہے یقال أرھقہ عسرًا اس کو تکلیف میں ڈالا، اس کے ساتھ تنگی کا معاملہ کیا

قولہ: زاکیۃ: وہ نفس جس نے ابھی تم گناہ نہ کیا ہو اور زکیۃ وہ نفس جس نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی ہو، کسائی نے کہا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں۔

قولہ: بغیر نفسٍ: اس میں تین وجوہ اعراب ہیں: (۱) قتلت کے متعلق ہے (۲) محذوف سے متعلق ہے اور فاعل یا مفعول سے حال ہے: ای قتلتہ ظالما او مظلوما بغیر نفسٍ (۳) مصدر محذوف کی صفت: ہو ای قتلت قتلاً متلبسا بغیر نفسٍ۔

تفسیر مقبولین

فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا رَكِبَا ...

(پس وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر نے اس کشتی میں شگاف کر دیا، موسیٰؑ نے کہا کیا آپ نے اس کشتی میں اس لیے شگاف کیا ہے کہ اہل کشتی کو غرق کر دیں، یقیناً آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔)

اِمْرًا﴿۷۱﴾...... عجیب اور منکر کام کو کہتے ہیں۔ جب کوئی برا کام ہو جائے تو عرب کہتے ہیں: اَمِرَ الاَمر، علامہ بغوی نے کہا ہے کہ عربی لغت میں اِمرٌ کا معنی داھیۃ (خوفناک) ہے۔

کشتی کا واقعہ

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت خضر (علیہ السلام) کے درمیان جب قول و قرار ہو گیا یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے وعدہ کر لیا کہ میں آپ (علیہ السلام) کے کسی معاملے پر اعتراض نہیں کروں گا تو پھر دونوں تربیتی سفر پر روانہ ہوئے چونکہ دونوں ساحلِ دریا پر تھے تو دریا کے پار جانے کے ارادے سے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کچھ آگے چل کر دریا ہی میں حضرت خضر (علیہ السلام) نے کشتی کا ایک تختہ توڑ ڈالا۔ شریعت کے اعتبار سے حضرت خضر (علیہ السلام) نے ایک ایسا کام کیا جو نہ صرف گناہ تھا بلکہ بدتر گناہ یا دہرا گناہ، ایک تو گناہ اس بات کا کہ کسی شخص کی مملوکہ کشتی کو بغیر کسی وجہ کے توڑ ڈالا جو کہ ایک جرم اور ظلم ہے اور دوسری یہ بات کہ اس سے سواریوں کے ڈوب جانے کا امکان پیدا کر دیا کیونکہ اگر اس شگاف سے پانی کشتی میں بھر گیا اور کشتی ڈوب گئی تو سواریاں بھی ساتھ ڈوبیں گی۔ اتنے بڑے گناہ پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جیسا صاحب جلال پیغمبر کیسے خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ آپ (علیہ السلام) بھڑک اٹھے اور کہا یہ آپ (علیہ السلام) نے کیا ظلم کیا؟ ایک تو آپ (علیہ السلام) نے کشتی کو عیب دار بنایا اور دوسرا لوگوں کے ڈوبنے کا انتظام کر دیا حالانکہ انسان وہ ہے جو انسان کو بچاتا ہے اور اگر انسان انسانوں کو ڈبونے لگیں تو یہ دنیا تو درندوں کا بھٹ بن کر رہ جائے۔ "جگر" نے کیسی بات کہی:

جب تک کہ غمِ انساں سے جگرؔ انسان کا دل معمور نہیں ۔ جنت ہی سہی دنیا لیکن جنت سے جہنم دور نہیں

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا بولنا احقاقِ حق تھا جو آپ (علیہ السلام) کی ذمہ داری تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ حال تھا کہ آپ (علیہ السلام) حضرت خضر (علیہ السلام) سے وعدہ کر چکے تھے کہ میں آپ (علیہ السلام) کے کسی کام پر اعتراض نہیں

کروں گا۔اس لیے حضرت خضر (علیہ السلام) نے کہا:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ ....

(حضرت خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملہ میں زیادہ سخت گیری نہ فرمائیے۔)

ارھاق کا مفہوم

ارھاق... کے معنی، کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا، کسی کو مبتلائے آفت کرنا۔لا ترھقنی، قیل مغناہ لا تکلفنی مشقۃً۔

حضرت خضر (علیہ السلام) نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی بات کا جواب دینے کی بجائے صرف انھیں ان کا وعدہ یاد دلایا اور اپنی بات یاد دلائی کہ میں نے پہلے ہی آپ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ آپ (علیہ السلام) میرے ساتھ سفر نہیں کر سکیں گے۔اس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے معذرت چاہی اور آئندہ کے لیے محتاط ہونے کا یقین دلایا۔البتہ یہ ضرور کہا کہ آپ (علیہ السلام) میرے معاملے میں سخت گیری سے کام نہ لیجیے بلکہ نرمی اختیار فرمائیے۔

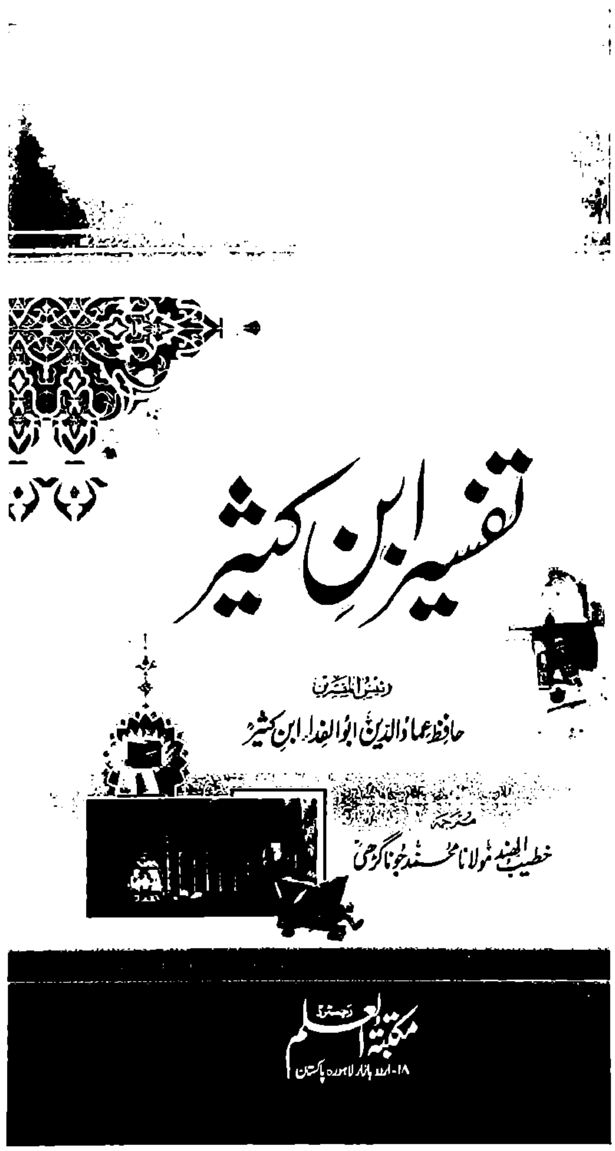
فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا لَقِيَا....

(پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تو حضرت خضر (علیہ السلام) نے اسے قتل ڈالا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بول پڑے، آپ (علیہ السلام) نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر قتل کر ڈالا، یہ تو آپ (علیہ السلام) نے بڑی ہی منکر بات کی۔)

لڑکے کے قتل کا واقعہ

گزشتہ واقعہ پر معافی تلافی کے بعد پھر دونوں بزرگ روانہ ہوئے تو راستے میں ایک لڑکا ملا، حضرت خضر (علیہ السلام) نے بغیر کسی وجہ کے اسے قتل کر ڈالا۔ایک نابالغ اور بے گناہ کے قتل پر ایک پیغمبر کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔چنانچہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھڑک اٹھے۔کہنے لگے یہ آپ (علیہ السلام) نے کیا کر ڈالا؟ ایک نابالغ اور معصوم بچے کو جس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا آپ (علیہ السلام) نے کس جرم میں قتل کر دیا، یہ تو آپ (علیہ السلام) نے بہت نازیبا حرکت کی۔

ابن ابی شیبہ نے یزید بن جریرؓ سے روایت کیا کہ مجدہ نے ابن عباسؓ سے بچوں کے قتل کے بارے میں سوال کیا اور اس نے اپنے خط میں لکھا کہ موسیٰؑ کے ساتھ عالم نے (یعنی خضر) نے ایک بچہ کو قتل کیا یزید نے کہا میں اپنے ہاتھ سے ابن عباسؓ کے خط میں لکھا مجدہ کی طرف تو نے مجھے بچوں کے قتل کے بارے میں سوال کیا ہے اور وہ تو نے موسیٰؑ کے ساتھی عالم کا حوالہ دیا ہے کہ اس نے لڑکوں کو قتل کیا تھا اگر ایسا ہی علم رکھتا ہے بچوں کے بارے میں جو وہ عالم (موسیٰؑ کا ساتھی) علم رکھتا تھا پھر تو لڑکوں کو قتل کر دے یقینا تو ایسا علم نہیں رکھتا رسول اللہ ﷺ لڑکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا پس تو اس سے علیحدہ ہو جا۔



مکتبۃ العلم رجسٹرڈ

۱۸-اردو بازار لاہور ٥ پاکستان

37231788-37211788